بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو

حقوق نسواں کی تحاریک کے افکار......شریعت اسلامیہ کی روشنی میں
تحقیقی و تحلیلی جائزہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی [علومِ اسلامیہ]

[سیشن: ۲۰۰۴ء]

مقالہ نگار

حافظہ عائشہ مدنی
لیکچرر ایف جی کالج برائے خواتین
F-7/2 اسلام آباد

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
اسلام آباد

کلیہ عربی و علومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اِنتساب

کم سن بیٹی مروہ کے نام جس کے سامنے دنیا کے نئے افق کھلنے
کو ہیں اور اس نے اسلام کی روشنی سے اپنی زندگی کو
اس طرح مزین کرنا ہے کہ اس کا کردار اسلام کی
حقانیت کی دلیل بن جائے۔

International Islamic University Islamabad
Pakistan

عة الإسلامية العالمية بإسلام آباد
باكستان

Director General

FORWARDING NOTE

This is to certify that Hifizah 'Aysha Madani student of Ph.D. Allama Iqbal Open University has completed her thesis titled:

بیسویں صدی میں حقوقِ نسواں کی تعبیرِ نو (حقوقِ نسواں کی تحریکیں اور افکار شریعت اسلامیہ کی روشنی میں)

She worked under my supervision on the above research project and remained in contact with me throughout research period for guidance.

I am satisfied with the quality of her work and allowed to submit her thesis for the process of evaluation and examination.

18-3-09

(Dr. Muhammad Yusuf Faruqi)

Declaration

I Hafiza Aiysha Madni D/O Hafiz Abdul Rehman Madni Registration No 79-49/2004/ F&IL/T.Ph.D a student of Ph.D at the Allama Iqbal Open University Islamabad do hereby solemnly declare that the thesis entitle

بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو (حقوق نسواں کی تحاریک کے افکار اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں)
تحقیقی و تحلیلی جائزہ

submitted by me in partial fulfillment of Ph.D degree in Islamiat is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in future by submitted by me for obtaining any degree from this or any other university or institution.

Signature_______________

Hafiza Aiysha Madni

Acceptance by the Viva Voce Committee

Title of thesis

بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو (حقوق نسواں کی تحاریک کے افکار اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں)
تحقیقی و تحلیلی جائزہ

Name of student Hafiza Aiysha Madni D/O Hafiz Abdul Rehman Madni Registration No 79-49/2004/ F&IL/T.Ph.D accepted by the faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University Islamabad in partial fulfillment of the requirements for the Ph.D degree in Islamic Studies

Viva Voce Committee

____

Deen

____

Chairman/Director

____

External Examiner

____

Date:______________ Supervisor

اظہارتشکّر

خالق کائنات کے مجھ پر ان گنت احسانات ہیں، بندہ ناچیز سے دین اسلام کی خدمت کا کام لے لینا اسی ذات بابرکت کا احسان عظیم ہے،اسی نے مجھے یہ علمی اور تحقیقی کام کرنے کی توفیق بخشی اور اس مقام تک پہنچنے کے ہر مرحلہ کو آسان بنایا۔

میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کی بے حد ممنون ہوں جس نے مجھے اسلامی علوم میں تحقیقی کام کا موقع فراہم کیا اور بہترین اساتذہ تک رسائی کو ممکن بنایا،جنھوں نے میرے فکری مغالطّوں کو دور کرکے دین اسلام کی تحقیقی راہوں کو میرے لیے روشن کیا۔

میں جناب ڈاکٹر باقر خان خاکوانی ڈین فیکلٹی آف عربی وعلوم اسلامیہ، جناب ڈاکٹر علی اصغر چشتی، ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، ڈاکٹر حافظ محمد سجاد اور یونیورسٹی کے دیگر اساتذہ کی انتہائی مشکور ہوں جنھوں نے اپنی عالمانہ سوچ اور محققانہ انداز فکر کی بدولت علم و تحقیق کی نئی راہیں دریافت کیں اور ان راہوں کو عبور کرنے میں میری مدد کی۔ جہاں ان کی کاوشوں سے تشنہ تحقیق موضوعات کی نشاندہی میں مدد ملی اور اسلامی موضوعات کے حوالے سے گراں قدر کام کا اضافہ ہوا ہے وہاں ان کے زیر نگرانی ، ہمہ وقت راہنمائی اور ہدایات کی بدولت میں اس تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوئی ہوں۔آپ سب نے دیگر قیمتی مشاغل ومصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر مسلسل میری راہنمائی فرمائی۔

میں بالخصوص جناب ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے اس تحقیقی عمل کے طویل دورانیے میں ہر مرحلہ پر نہ صرف میری مدد کی بلکہ انتہائی محبت وشفقت کے ساتھ اس تحقیقی کام میں بھرپور راہنمائی فرمائی۔آپ کا نہایت عرق ریزی سے میرے کام کا مطالعہ کرنا اور اپنی قیمتی آراء سے نوازنا اور تحقیقی کام کو بہتر اسلوب پر ڈھالنے کے لیے گراں قدر مشورے دینا ناقابلِ فراموش ہے۔آپ کی مسلسل حوصلہ افزائی اور مستقل راہنمائی کی بدولت مجھے اس کام کو مکمل کرنے کا اعتماد ملا۔تحقیقی کام میں سرخروئی انہی کی مرہونِ منت ہے۔

میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ سب کی علمی کاوشوں میں برکت اور ترقی عطا فرمائے اور ان اجتماعی اور تحقیقی

کاوشوں سے علوم اسلامیہ کو ملت اسلامیہ کے عروج کا باعث بنا دے۔

میرے انتہائی شکریہ کے لائق میرے والدین ہیں جنہوں نے دین اسلام کی خدمت کو میرا مقصد زندگی بنایا اور اس عظیم کام کی جذباتی تڑپ مجھے موروثی طور پر سونپ دی۔ان کی تحصیلِ علم کی ترغیب اور گھریلو تربیت ہی اس کام کی اصل بنیاد ہے۔میری زندگی کی خواہشات اور کوششوں کو مقصد سے آہنگ کرنے میں جو حصہ میرے والدین کا ہے الفاظ ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔آپ کی دعائیں میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

اور یہ ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے شریک حیات خالد حمید صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی شبانہ روز حوصلہ افزائی ہر قدم میرے ساتھ رہی۔اس پر خلوص تعاون پر میں ان کی انتہائی مشکور ہوں۔

آخر میں دعا کرتی ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر تمام ان لوگوں کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے جس نے کسی بھی اعتبار سے میرے اس تحقیقی کام میں معاونت فرمائی ہو۔اور میری اس کاوش کو ذریعہ نجات آخرت بنا دے۔

(آمین)

فہرستِ مضامین

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف اور اہمیت: Introduction to Topic & Import'ance

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے لہٰذا وہ میزان اور فرقان کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہر فکر وعمل کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور اس کی حکومت اور برتری تمام انسانی تصورات ونظریات پر قائم ودائم رہے۔

چونکہ مسلمان اپنے عقائد وافکار کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھتے ہیں جبکہ غیر مسلم اپنی تمام کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہیں ہوسکے کہ مسلمانوں کا قرآن کریم سے اعتماد کا تعلق توڑ سکیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انحطاط ملّی نے اس اعتماد کے رشتے کو بحال رکھنے میں مسلمانوں کے قویٰ کو شل کر دیا ہے اور موجودہ انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ وہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ مسلمان عورتیں مغرب سے اٹھنے والی آواز پر اپنے دل کو مائل بہ تصدیق پاتی ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں قرآن کریم کی متداول تفاسیر کو نظر انداز کر کے قرآنی آیات کی اس انداز پر نئی تفسیریں کی ہیں جس سے مساوات مردوزن کے مغربی نعرے اور تحریک آزادئ نسواں کے اہداف پورے ہوسکیں۔

دوسری طرف اس سے بھی مجال انکار نہیں کہ بعض علماء اسلام کی تفاسیر اور تشریحات میں عورت کے بارے میں روایت پسندانہ نقطہ نگاہ بکثرت پایا جاتا ہے، اور ان علماء نے اپنی روایت پسندانہ سوچ کے مطابق قرآن کریم کی آیات کو اسی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ وحی الٰہی نسل انسانی کی ہر دو اصناف کے لیے ایک انتہائی متوازن اور مبنی بر انصاف نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔ اس اعتبار سے مثبت بنیادوں پر اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفاسیر اور آئمہ اسلام کی تشریحات کا منصفانہ جائزہ لیا جائے اور جن باتوں کی تعیین اور حد بندی قرآن اور حدیث میں ملتی ہے، اس سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ اور اسلام جو جو حقوق صنفِ نازک کو دیتا ہے، اس کو ان کے حوالے کرنے میں کسی طور پر بخل نہ کیا جائے۔

مساوات مردوزن یا حقوق نسواں کا مسئلہ صرف صنفین میں تنازع کا باعث نہیں بلکہ عالمگیر سیاست کا حساس مسئلہ بھی ہے۔ مشرق ومغرب میں جو تہذیبی کشمکش چند دہائیوں سے بڑی شدت سے جاری ہے، اور آئندہ بھی جس میں کمی کے بظاہر امکانات نظر نہیں آتے، اس میں خواتین کا موضوع سرفہرست ہے۔ مغرب میں نسوانی حقوق کے فلسفے اور

تحریک نے جس تیزی سے کامیابی کی منازل طے کی ہیں، اور ان کے تہذیبی ڈھانچے کی نئی بنیادوں پر تعمیر کی ہے۔ مشرقی تہذیب وتمدن میں عورت کی معاشرتی حیثیت کی تجرید اور ان سے وابستہ نئے سوالوں کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اور انتہائی ضروری ہے کہ اس جدید استدلال کو قرآن کریم کی الہامی آیات کی روشنی میں پرکھ کر مسلم معاشروں کو فکر وعمل کی مضبوط بنیادیں فراہم کی جائیں۔

تحریک نسواں سے وابستہ جدید مسلم خواتین کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور روایات سے انحراف نہیں چاہتیں اور وہ معاشرتی تبدیلیوں کا شکار بھی ہیں اور اکیسویں صدی کے دعووں کو بھی علمی بنیادوں پر پورا کرنے کی آرزو رکھتی ہیں۔ تاہم انہیں مروجہ مذہبی تصورات سے بھی اتفاق نہیں۔ اور یہ سوال واقعی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ مغرب کی طرف سے ہونے والے تہذیبی حملوں کا شکار ہونے کے باوجود اپنے سوال کا جواب اپنی دینی روایت کے اندر رہ کر تلاش کر رہی ہیں۔ ان کی اس خواہش کا تو بہرطور خیر مقدم کیا جانا ضروری ہے۔

مسلمان معاشروں کی نظریاتی کشمکش نے ہمیشہ غیر مسلموں کے غلبہ کی راہ ہموار کی ہے اور غیر مسلموں کو مسلمانوں پر ہنسنے کا اور اسلام کی تضحیک کا موقع فراہم کیا ہے۔ حقوق نسواں کے فہم نو کی محتاج اگر آج کے دور کی جدید مسلمان عورتیں ہیں تو ان مسلمان عورتوں سے زیادہ مشتاق اسلام کے دشمن ہیں جو اسلام کو پچھاڑ کر اپنے نظریات کو غلبہ دینا چاہتے ہیں، جو مسلمانوں کی غلطیوں، جہالتوں اور معاشرتی عدم استحکام کو عام ہوا دے کر اور مبالغہ آمیز انداز میں پیش کر کے پوری دنیا میں اسلام کو اور اس کے ماننے والوں کو ذلیل کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں۔ جو اسلام کی حقانیت کو جاننے کے بعد اسے مسلمان معاشروں کے تناظر میں عملی میدان میں جھوٹا ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں جو عورتوں کے حقوق کی نئی تعبیر سے اپنے سیاسی فائدے اٹھانا چاہتے ہیں۔ جو عالمی گلوبلائزیشن کے نام پر اسلام کی عالمگیریت کو محدود کر دینا چاہتے ہیں۔ میرا یہ مقالہ حقوق نسواں سے وابستہ فہم نو کو مغربی تہذیب اور دین اسلام دونوں کے تناظر میں سمجھنے اور اس کا جائزہ لینے کی سعی وکاوش ہے۔

موجودہ اسلامی معاشرے میں عورت کی صورت احوال ماضی کے اسلامی معاشرے کی عورت کی صورت حال کے فرق کو شدید کر رہی ہے اس عنصر سے صرفِ نظر کرنا تحقیقی کام کے نتائج کو الٹ دینے کے مترادف ہوگا۔ آج کے جمود اور تقلید کے دور میں اس رونما ہونے والی تبدیلی سے لاعلمی اور غفلت نے ہمارے دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع دیا ہے اور ہمارے فخریہ سرمائے کو ہمارے لیے باعثِ ندامت بنا دیا ہے۔ میرا یہ مقالہ اسلامی روح، جس کے زیرِاثر

معاشرت سے وابستہ نظریات تشکیل پاتے ہیں، ان تک رسائی کی تحقیقی کوشش بھی ہے، نیز ان اسلامی معاشرتی نظریات نے جس واقعاتی صورت احوال میں جنم لیا ہے اور جس واقعاتی صورت حال میں یہ متروک ہوتے جارہے ہیں ان کے سمجھنے کی کوشش بھی ہے۔

اس تحقیقی مطالعہ کے نتیجے میں معاشرتی خامیوں کی بہت سی نئی جہتیں سامنے آئیں گی، مثلاً مسلم معاشروں میں حقوق نسواں کی مقبولیت، مردمؤمن میں مردانگی کے زوال، اور مردانگی کے خمار سے سرشار ذہنیت کے خلاف احتجاج، حقوق نسواں کی تحریک کے دامن کا عالمی سیاست سے بھی وابستہ ہونا اور بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی آواز کے حوالے سے مسلمان ممالک پر مغربی ممالک کی تہذیبی یلغار وغیرہ۔ معاشرتی وفکری تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ صنفی اہلیتیں بھی اس بحث کا موضوع ہیں۔ یہ ماضی اور حال کا تقابل بھی ہے اور مستقبل کی منصوبہ بندی بھی ہے۔ یہ اسلام کی طرف لوٹنے کی مخلصانہ کوشش بھی ہے اور اسلام کا علمی وفکری دفاع بھی ہے۔ اس کا تعلق فقہ وشریعت سے بھی ہے اور یہ اسلام پر اغیار کے حملوں کا جواب بھی ہے، اور ہمہ جہتی حملوں کے نتیجے میں مسلمان معاشروں میں کروٹیں لیتی قدامت اور جدت کی کشمکش کا اظہار بھی ہے۔

پاکستان کی تعمیر وترقی کے لیے یہ بات نہایت اہم ہے کہ جدید موضوعات کو زیر بحث لایا جائے اور اختلاف فکر کو بھی اظہار رائے کا موقع ملے۔ جس معاشرے میں مکالمہ ہوتا ہو اور نئے خیالات کے ردوقبولیت کے معاملے میں فیصلے علم و دلیل کی بنیاد پر ہوتے ہوں، وہاں انسانی فکر میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ عمل ایک معاشرے کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔

جدید دور میں عالمی دنیا کی تجرباتی میدانوں کی کامیابی ایک غالب دلیل کے طور پر ابھری ہے۔ جس نے گلوبلائزیشن کے تحت سمٹتی ہوئی دنیا پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ سیکولر فکر کے حاملین اپنے عقیدہ استدلال کی بنیاد انسانی اور وضعی قوانین پر رکھتے ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اسلامی عقائد وافکار کے لیے نہ صرف خود ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے بلکہ ان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اسی سے اپنے تمام افکار کشید کریں اور اسی کو اپنے عقیدہ وعمل کی بنیاد بنائیں، مسلمانوں کی موجودہ پستی اور بے عملی نے جہاں غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف راہ دی ہے وہاں مسلم ممالک پر اغیار کے غلبہ نے عام مسلمانوں کے اسلامی تعلیمات پر ایمان کو بھی متزلزل کیا ہے۔

کتاب وسنت تو وحی الٰہی پر مبنی ہیں جو الہامی ہیں اور دائمی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ عام علماء کی تشریحات ایک انسانی کاوش ہونے کے ناطے امکان خطا کے پیش نظر قابل اصلاح وتغیر ہیں ۔اس لحاظ سے شریعت تو دائمی ہے لیکن علماء کے فہم اوران کی آراء کو حتمی اورقرآن وسنت کے مساوی درجہ نہیں دیا جاسکتا۔شریعت اور فقہ میں یہی فرق ہے جسے عام طور پر نظرانداز کردیا جاتا ہے۔اس لحاظ سے علماء کی تشریح وتعبیر کا ایک مبنی برانصاف جائزہ لینے کی اس ہر دم بدلتے دور میں اشد ضرورت ہے۔

فکری ارتقا: Development of Thought

مذکورہ بحث کو مقالہ میں چھ ابواب کے تحت تقسیم کردیا گیا ہے۔

باب اوّل: مقالے کا پہلا باب تعبیر نو سے متعلق ہے،اس باب میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ تعبیر نو کیا ہے؟علمی میدانوں میں یہ کن اصطلاحات کے مماثل اور کن کے مقابل ہے۔اہل دین ودانش اور طبقہ نسواں نے تعبیر نو سے کیا مراد لی ہے۔ماضی بعید اور قریب میں تعبیر نو کی کون سی کوششیں کن مدارج اور کس اسلوب سے گزری ہیں اور اب جدید دور میں تعبیر نو کے تقاضے کیا ہیں۔مغربی تہذیب میں تعبیر نو کے اصول کیا رہے اور اسلامی تاریخ میں کون سے اصول تعبیر معروف ہیں اور مشرق ومغرب کے اصول تعبیر میں کہاں یکسانیت اور کہاں تضاد ہے۔تعبیر نو اگر عبارتوں کی تشریح جدید ہے تو مقاصد شرعیہ کی محافظ بھی ہے۔اسلام اگر ایمان ہے تو عمل بھی ہے۔اور اعمال ہی ایمان کی گواہی ہیں ۔

باب دوم: مقالے کا دوسرا باب تحریک آزادی نسواں کے تعارف اور ان عوامل پر مبنی ہے جو اس تحریک کی پیدائش کا باعث بنے اور یہ کہ اس تحریک کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی اثرات کیا رہے۔تحریک حقوق نسواں علاقائی حدود سے نکل کر آفاقی حدود میں داخل ہوتی گئی، اس نے آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اپنے پاؤں مسلم ممالک میں بھی جما لیے اور مسلم ممالک میں پاؤں جمانے کے بعد زوال پذیر مسلم معاشرت کے عورت سے وابستہ کچھ تحریف شدہ توہم پرستی پر مبنی تصورات کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو بھی چیلنج کردیا۔

حقوق نسواں کے لیے ہونے والی منظّم عالمی کوششوں اور مسلم معاشرہ کی دگرگوں حالت نے ایک طرف نئے فکری اور نفسیاتی مسائل کو جنم دیا ہے۔تو دوسری طرف مسلمانوں کی کم علمی اور بے عملی نے مرعوبیت اور مغلوبیت کے احساس کے زیر اثر عالمی افکار کو اسلامی افکار کے ساتھ گڈ مڈ کردیا ہے،اس صورت حال نے امت مسلمہ کے لیے بہت سی

پیچیدگیاں اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں۔

باب سوم: اس فکری تبدیلی کا عکاس ہے جسے عورتیں ایک طویل عرصہ تک اپنے ذہن میں رکھنے کے بعد بیسویں صدی میں جنم دے چکی ہیں۔ مسلمان عورتوں میں طویل فکری جمود نے ایک قسم کی طغیانی اور سرکشی کو جنم دیا ہے۔ اسلامی مبادیات پر کڑی مغربی تنقید نے بھی اس میں اپنا کردار ادا کیا ہے، جس کے نتیجے میں امت مسلمہ کے بہت سے مکاتب فکر میں کمزوری کے آثار ظاہر ہونے لگے، جو مسلمانوں میں روایتی طور پر نہایت مؤثر تھے۔ اس فکری کشمکش اور طغیانی کو کنٹرول کرنے کے لیے مسلمان مفکرین کی کوشش اور مسلم معاشرت پر ان کے اثرات اس باب کا موضوع ہیں۔

باب چہارم: جدید فکر کے مروجہ مذہبی افکار پر عدم اعتماد کا مظہر ہے۔ اور عورتوں سے وابستہ موجودہ مذہبی افکار کے نسوانی نفسیات پر منفی اثرات کا عکاس ہے، جدید مسلمان خواتین نے ان افکار کو قدیم، پسماندہ، لاعلمی اور ناانصافی پر مبنی ٹھرانے کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی بھی قرار دیا ہے۔ اور موجودہ مذہبی فکر کو مسلم امہ کی ترقی میں رکاوٹ قرار دیا ہے، اور عورت سے وابستہ روایتی مذہبی اقدار کو مسلم امہ کی ترقی میں رکاوٹ قرار دیتا ہے۔ اس تنقید نے جہاں موجودہ مسلمان معاشرت کو غیر اسلامی ثابت کیا ہے وہاں مسلمانوں کے ملّی احیاء کی بنیاد بھی ڈالی ہے اور اسلامی تعلیمات کی اساس اور جذبہ حریت کو نئی زندگی دی ہے۔

باب پنجم: مقالے کا پانچواں باب مذکورہ باب چہارم کے برعکس اسلامی فکر کے دفاع پر مبنی ہے اور نسوانی فکر کی اسلامی فکر سے عدم واقفیت، مغرب سے مرعوبیت، سائنسی عقلی پیمانوں کی ایجاد پر نازاں ہوتے ہوئے وحی الٰہی اور مسلم ائمہ کی گراں قدر خدمات کی بے قدری کا نوحہ ہے۔ مادی افکار کو اخلاقی اقدار پر غلبہ دینے کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں۔ فکر معاش قاتل روح ہے غلامی میں قوموں کا نقطہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ عمارت وہی مستحکم ہوتی ہے جس کی بنیاد مضبوط ہو۔ قوم کو تعبیر نو کی دعوت دینے والوں کے لیے خود اپنی اساس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ دینی تعلیم سے بے رغبتی اور شوق امامت ماسوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔ علماء دین کے کام میں ناروا مداخلت اور علمائے دین کے خلاف جارحیت اور شعائر اسلام کی تضحیک اصلاح مذہب نہیں اسلام دشمنی ہے۔ جدید نسوانی فکر کے خلاف تعصب، معاشرتی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کے مترادف ہے لیکن اسلامی افکار پر ہونے والے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام نہ دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔ احیائے اسلام سے ناامیدی مرد مسلم کا شیوہ نہیں۔ شک و ریب اور اضطراب یقینی حق کے سامنے کوئی جگہ نہیں رکھتے اور غلبہ حق کا ہی مقدر ہے۔

باب ششم: باہم اعتراضات اور تنقید کسی موقف کو سمجھنے میں تو معاون ہو سکتے ہیں لیکن میدان عمل میں مسائل پر غلبہ پانے کے لیے راہنما اصول نہیں مہیا کر سکتے، لہذا اہداف ومقاصد کی طرف راہنمائی کرنے والے اصول انتہائی ضروری ہیں۔مقالے کا یہ آخری باب نظریاتی بحث وتمحیص کے بعد قرآن کی تعبیر نو کی کوششوں میں بشری خطا اور اس کی اصلاح کی صورتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔احکام الٰہی کا فہم اور واقعاتی صورت حال پر اس کی تطبیق کی انسانی کوشش دو الگ میدان ہیں۔اور باہم انتہائی حکیمانہ توازن کا تقاضا کرتے ہیں اور مسلمان کی پوری زندگی اسی تطبیقی جدوجہد کا نام ہے۔اسلام کی روح اس قدر وسیع ہے کہ انسان تو کیا قومیں بدل جاتی ہیں لیکن عملی طور پر اس کا احاطہ ناممکن ہے۔

باب کے آخر میں تعبیر نو کی کوششوں کو صحیح ڈھب پر رکھنے کے لیے اور معاشرے میں عورت کے مقام کی بحالی کے لیے کچھ تجاویز اور سفارشات کی جسارت کی گئی ہے۔جو تلاش حق کا نتیجہ بن کر راقم کے سامنے آئی ہیں۔لیکن بہر حال یہ حرف آخر بھی نہیں اور یقینی بھی نہیں صرف باری کائنات کی مراد کو ذاتی نگاہ سے سمجھ کر عمل میں ڈھالنے کی انسانی تجویز ہیں جو کسی بھی دلیل کی بنا پر ٹھکرائی جا سکتی ہیں۔

اہدافِ تحقیق — Objectives of the Research

☆ اسلام پر عصری تہذیبی حملوں کا جواب دینا

☆ معاشرتی ارتقا کو اسلام کی پناہ دے کر اسلام کی ابدیت پر مسلمان عورت کے یقین کو محکم کرنا

☆ احکامات اِلٰہی سے بہتر راہنمائی کی خاطر حالیہ واقعاتی صورت احوال کو بہتر طور پر سمجھنا تاکہ مسلمان عورت کے عملی مسائل کے حل کی طرف پیش رفت ممکن ہو۔

☆ جدید مسلمان عورت کے فکری مخمصے کو اظہار دے کر حل تک لانا۔

☆ تجدد پسندی اور روایت پسندی کی انتہاؤں کو راہ اعتدال دینا۔

☆ تعبیر نو کو اہل علم میں پیش کرنا اور ان کی سفارشات اور کام کو جانچنا تاکہ متوازن تحقیقی رائے قائم کی جا سکے۔

☆ نئی قرآنی تعبیرات میں خطا کی نشاندہی کر کے تحقیقی راہنمائی دینا۔

☆ حقوق نسواں کے حوالے سے ہونے والے تحقیقی کام کا احاطہ کرنا اور تشنہ تحقیق پہلوؤں کی نشاندہی کرنا۔

☆ اسلامی فکر اور نسوانی فکر کو ہم آہنگ کر کے اتحاد اور ترقی کے عمل کو تیز تر کرنا۔

☆ نسوانی تعلیمی نصاب سازی میں اسلامی خطوط کی نشاندہی کرنا۔

موضوع کو اختیار کرنے کے اسباب

Reasons for the Selection of the Topic

آزادی نسواں کے موضوع کے تحت مسلم معاشرت کثرت سے دنیا کی تحقیق کا موضوع بنی رہی ہے یہ بات عام ہوتی جا رہی ہے کہ حقوق انسانی سے محرومی کی جو شدت مسلمان عورت میں ہے وہ دنیا کی دوسری عورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور یہ صورت حال تمام مسلمان ممالک میں یکساں پائی جا رہی ہے۔ مسلمان ممالک کے معاشرتی حالات جغرافیائی، ثقافتی اور معاشی اعتبار سے تو باہم مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود عورتوں میں انسانی حقوق سے محرومی کی یکسانیت کچھ ایسے عوامل کی نشاندہی کر رہی ہے جو تمام مسلم ممالک میں یکساں ہیں۔ عصری تنقید مسلمان ممالک میں مروّجہ مذہبی افکار کو اس یکسانیت کا بڑا عامل گردانتی ہے۔ جس تنقید نے بیسویں صدی میں شدت اختیار کر کے مسلمان عورت کے مروّجہ مذہبی افکار کو بری طرح مطعون کیا ہے۔

اسی لیے یہ سوال بار بار سطح ذہن ابھرتا رہا کہ کیا واقعی مسلمان عورت کی تنزلی کی وجہ مذہبی افکار ہیں یا اس کی وجہ مسلم ممالک کی تنزلی اور مغربی محققین کا اسلامی تعلیمات کے خلاف تعصب ہے۔ عصری تنقید نے اسلامی ذہن میں کئی نئے سوالوں کو جنم دیا ہے مثلاً مروّجہ مذہبی افکار ملت اسلامیہ کی ترقی میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں نیز یہ افکار اسلام کی صحیح تعلیم سے کس حد تک ہم آہنگ اور مربوط ہیں۔ کیا امت مسلمہ کی موجودہ ابتری کی ذمہ داری میں مردوں کے ساتھ عورت بھی شریک ہے یا کچھ فرائض نسواں ایسے بھی ہیں جن کی کما حقہ بجا آوری نہ ہو سکنے پر امت آج اس اجتماعی بحران سے گزر رہی ہے۔ نسوانی کمزوری، انسانی تخلیقی فرائض، شوہر کی اطاعت، اولاد اور بزرگوں کی خدمت، حجاب اور دیگر اسلامی احکامات کی پیروی کے بعد عورت پر مزید کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، عورت کا گھر اس کی اولین ترجیح رہنی چاہیے یا معاشی ذمہ داریوں میں مرد کے ساتھ کندھا دینا اس کی قومی ذمہ داری ہے۔ اپنے ابتر حالات میں بہتری کی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس نے اسلام پر عمل درآمد کر کے دکھانا ہے۔ ترقی ملت کو تحفظ نسواں اور تحفظ نسواں کو ترقی ملت پر قربان نہیں کرنا، اس درمیانی راہ کی کھوج اس موضوع کے انتخاب کا اہم سبب ہے۔

اس موضوع کو اختیار کرنے کا ایک سبب عورت کے لیے تعلیمی نصاب میں راہنمائی کی تلاش بھی ہے،عورت اگر گھر گھرستن پر مبنی تعلیم حاصل کرتی ہے تو ابتر معاشرہ اور اس کی زندگی کے مسائل اسے معاف نہیں کرتے اور اگر وہ معاشی خودمختاری کی تعلیم حاصل کرتی ہے تو نسوانی جوہر بار بار آڑے آتا ہے۔اگر وہ دینی تعلیم حاصل کرے تو دینی ذہن مروّجہ دینی مدارس سے لے یا عصری تعلیمی اداروں سے یا مغرب سے آنے والی نسوانی نقطہ نگاہ سے اسلام کی تعبیر نو کا۔یا خود اپنے ذہن سے آزادانہ سوچ اور عمل کرے۔کیوں کہ ابتر معاشرہ کی عورت نے اسلامی تعلیمات کی پیروی میں اُس مذہبی فہم پر انحصار کے رجحان کا اظہار کیا ہے جو فہم اس کے معاشرے کے مرد اُسے دیتے ہیں حالانکہ اسے خود اپنے نقطہ نگاہ سے اسلام کو سمجھنے کی مکمل آزادی ہے۔اسے اس بات کا فیصلہ خود کرنا چاہیے کہ حقوق نسواں کی تعبیر نو کا مطالبہ مغرب زدہ عورتوں کی مرعوب ذہنیت کا اظہار ہے۔(جیسا کہ مروّجہ مذہبی فکر نے عورت کو بتایا ہے) یا مسلمان عورت کو خود بھی اس کی ضرورت ہے۔اگر مروجہ فہم کا انکار اور نئے فہم کی جستجو کا رویہ اسلام سے بغاوت ہے تو کیا ایسے مطالبات کے آگے مسلمان عورت کو دیوار بن کر اسلام کا دفاع کرنا چاہیے یا اسے راہ دینی چاہیے۔اسے اپنے مسائل کے حل کے لیے دینی منقولات پر اندھا یقین ہونا چاہیے یا کہ عقلی پہلو بھی مدّنظر رکھنا چاہیے یہ سب سوال اپنا جواب چاہتے ہیں۔

اس موضوع کو اختیار کرنے کا اصل سبب ایک ابتر معاشرہ کی عورت کے عملی مسائل میں اسلامی حکم کی تلاش ہے۔ابتر معاشرہ نسوانی انفعالیت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اسے پناہ نہیں دیتا،ایسے میں اسلام کے مطابق عورت نے اپنے عملی،معاشی،جذباتی،نفسیاتی مسائل کے لیے ولیوں کی طرف رخ کرنا ہے یا اسے اطراف کی عورتوں یا معاشرتی تنظیموں کی طرف جانے کی اجازت ہے۔پھر معاشرتی تنظیمیں دو طرح کی ہیں دینی جماعتیں اور نسوانی تنظیمیں،دونوں ہی عورت کے حقوق،ترقی اور تحفظ کی دعویدار ہیں لیکن مسائل کے حل میں دونوں کا باہم اختلاف ناقابل فہم ہے۔

جدید مسلمان عورتوں کے بیش بہا عملی مسائل اور نفسیاتی بے چینیوں نے اسے شدید ذہنی مخمصے کی سزا دی ہے یہ ذہنی مخمصے ایک بار پھر اسلام سے مرہم کے طلبگار ہیں۔اور عورت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ اسلام کی طرف لوٹے اور

نئے مسائل کے لیے نیا سبق حاصل کرے۔

فرضیہ تحقیق Hypothesis

چونکہ اسلام ایک آفاقی اور ابدی دین ہے اور اسکی تعلیمات لازوال ہیں تمدنی ارتقا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کا حل بھی یقیناً اس میں مضمر ہے ایک جدید مسلمان عورت یہ فرض کر لیتی ہے کہ مذہبی افکار ہی اس کے مسائل کا جواب ہیں، اور وہ مذہبی افکار کو ہر عصری عقلی نظریات پر بالا تر سمجھتی ہے،اور مذہبی تعلیمات کو ہی اپنا ملجاء وماٰ وی قرار دیتی ہے لیکن نسوانی مسائل کے حل کو مذہبی پناہ کا نہ ملنا اس کو مایوس کرتا ہے۔علماء کی روایتی سوچ سے قطع نظر حقوق نسواں کی تعبیر نو میں اس کی کشش بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی افکار پدرسرانہ معاشرتی نظام کے حمایتی معلوم ہوتے ہیں ۔لیکن موجودہ پدرسرانہ فکر عورت کو مرد کا تابع رکھنے پر جس شدت سے زور دے رہی ہے اس کے تحت مسلمان عورت یہ فرض کر لیتی ہے کہ حقوق کے ساتھ ساتھ عورت کے فرائض بھی محدود ہیں ۔ عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اسلام کے احیا کی جدوجہد میں مسلم خواتین کا کوئی حصہ نہیں۔اگر وہ زیادہ سے زیادہ کچھ کرسکتی ہے تو صرف یہ کہ اپنے مجاہد شوہر کی حوصلہ افزائی کرے یا انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں پیش آنے والے خطرات پر حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے اور ہر صورت میں اپنے دل میں رکھے۔رہا اپنی ذاتی حیثیت میں اس انقلابی جنگ میں شرکت کا معاملہ یا دین کی راہ میں مردوں پر سبقت لے جانے کا جذبہ تو اب اس کا خیال بھی مسلم خواتین کو کم آتا ہے۔

زوال پذیر معاشرت نے اسے جو فرضیے دیئے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی مکمل تحویل میں ہے۔اسے اپنے طور پر نیک وبد میں تمیز کی حاجت نہیں کہ یہ کام بھی شوہر کی ذمہ داری ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شوہر کی مکمل اتباع میں اپنا سر جھکائے رہے۔شوہر کے ذہن سے نیک وبد کا فیصلہ کرے۔شوہر کی رائے اس کی رائے بن جائے اور وہ بقیہ زندگی ایک ایسی مخلوق کی حیثیت سے گزار دے جس کی اپنی کوئی انفرادیت نہ رہ گئی ہو۔رہا اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی توانائی صرف کرنے کا معاملہ تو مسلم معاشرے کی روایتی عورت کو اس بات کے لیے تیار ہی کب کیا گیا ہے کہ وہ گھر کے باہر کے معاملات پر گفتگو کر سکے یا دنیا میں پیش

آنے والی تبدیلیوں پر نظر رکھ سکے اور ان خطرات کے خلاف اولادوں کی ذہن سازی کر سکیں۔

مسلم معاشرے کی مسلمان عورت کے فکری زوال کا سبب وہ مقامی اقدار وتصورات ہیں جن میں اسلام کی بنیادی روح کہیں دب کر رہ گئی ہے۔آج عورت کے لیے اسلامی معاشرے نے جو کردار متعین کیے ہیں ان کا تعلق اسلام سے کہیں زیادہ ان مقامی اقدار وتصورات سے ہے جسے ہم نے رفتہ رفتہ تقدس کے مرحلے تک پہنچا دیا ہے۔

یہ مفروضہ نسوانی اور قومی تنزلی کا باعث بنتا ہے ۔یہ مفروضے اور قومی ترقی پر اسکے اثرات تحقیق طلب ہیں۔زوال پذیر معاشرے میں نسوانی حقوق وفرائض کا توازن اور اسلامی تعلیمات کی تحقیق ہی اس مقالے کی روح ہے۔

سابقہ کام کی نوعیت Review of literatur

'حقوق نسواں اور اسلام' بیسویں صدی میں تحقیق کا مقبول عام موضوع رہا ہے اور ہمارے اسلامی کتب خانوں کا کثیر حصہ اس موضوع پر مشتمل ہے' اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام' جہاں' اسلام اور عورت' کے موضوعات پر مبنی کتب خانے کی جان ہے وہاں 'بدلتے معاشرتی حالات کا عورت کی حیثیت پر اثر' ہمارے عمرانی علوم پر مبنی ذخیرے کی شہ رگ ہے۔

عالمی ثقافت اور اسلامی ثقافت سے ٹکراؤ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عصری سوچ اور اسلامی نقلی ذخیرے سے ڈھلنے والی اسلامی سوچ کا تقابل بہت سے رخ سے ہمارے کتب خانوں کی زینت بن چکا ہے۔' عورت اور اسلام' کے حوالے سے سینکڑوں رخ تحقیق کا موضوع بن چکے ہیں۔اور مغربی دنیا اور عالم اسلام میں اس پر بہت کام ہورہا ہے۔اورکئی زبانوں میں منظر عام پر آچکا ہے۔مغرب میں اس موضوع کا مطالعہ ثقافتی ٹکراؤ کی حیثیت سے مقبول عام ہے اور خطہ اسلام میں' اسلام اور مسلمان معاشروں میں جنم لیتی مغربیت کی کشمکش اور اس کا اسلامی حل' زیر تحقیق ہے۔

Feminiem and Islam کے موضوع کے تحت انگریزی ادب میں کتب کا ذخیرہ مغربی معاشرت اور موجودہ مسلمان معاشرت کے تقابل پر مبنی ہے۔مؤلف مسلمان ہے یا غیر مسلم، یہ کتب مغربی دنیا میں حقوق نسواں کی بہتر اور موجودہ مسلم دنیا میں حقوق نسواں کی ابتری کی تصاویر لیے ہوئے ہیں۔ یہ مؤلف مغربی ذہن کے حامل ہوں یا

مغرب کے زیر اثر مسلمان ذہن کے، تحقیقی نتائج کی یکسانیت نمایاں ہے۔

دنیا میں بڑھتی ہوئی گلوبلائزیشن کی لہر نے مسلمان عورتوں کے مذہبی اضطراب کو انگیز کیا ہے جو بیسویں صدی میں جدید عورت اور روایتی مذہبی فکر کی محاذ آرائی پر منتج ہوا ہے۔ مسلمان عورت کے حقوق نسواں کی مروجہ تعبیر پر اعتراضات جا بجا لیکن منتشر ہیں۔ یہ منتشر تحریریں جدید مسلمان عورت کے ذہنی انتشار کی غماض ہیں۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ ان اعتراضات کو یکجا کر کے موقف کو سمجھا جائے۔ موقف کا فہم ہی راہنمائی کی طلب کو جانچ سکتا ہے اور خلا کو پر کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

اس ذہنی اضطراب کو مسلم محققین نے کئی رخ سے جانچا ہے، بعض مسلمان محققین نے روایتی مذہبی افکار کو ترقی مخالف قرار دیتے ہوئے جدید مسلمان عورتوں کے لیے مہلک قرار دیا ہے اور مغربی تحریک آزادی نسواں کے افکار و نظریات کو خوب سراہا ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے وابستہ مذہبی، روایتی تصورات پر کڑی تنقید کی ہے، اور ترقی نسواں کی خاطر سیکولر افکار کی اشاعت پر زور دیا ہے۔ عورتوں کے حوالے سے جس تحقیق نے اس لحاظ سے زیادہ مقبولیت حاصل کی وہ قاسم امین کی "تحرير المرأة" اور "المرأة الجديدة" ہیں اسی قسم کے نظریات کو مصر سے ہدیٰ الشعراوی نے ماہنامہ " المصرية" اور Monthly "Egyptinne" کی صورت میں خوب ہوا دی۔ ایران سے چھپنے والے اشاعتی رسالوں "Zanan" اور، "Zan-e-Rouz" نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالا۔ اس لٹریچر نے علمی استدلال کی آڑ میں عورت کو اباحیت، دینی قیود سے آزادی اور اسلامی معاشرہ کی تمام روایات وآداب کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور دل کھول کر مغرب کی تقلید کی دعوت دی اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے انحطاط کا اصل سبب شرعی احکام کی پابندی ہے۔ یہ لٹریچر ماضی پر فخر کو ذلت وعبودیت اور بے چارگی سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لٹریچر نے مسلمان عورت کے ذہنی اضطراب اور فکری ہلچل کو حل کرنے کی بجائے مزید انگیز کیا، نیز نسوانی اور مذہبی فکر میں باہم مخالفت کو شدید کیا، مسلمان معاشروں کی اسلامی فکر کے نزدیک ان کتب کا مقصد ادب وثقافت اور ترقی ملت کے خوشنما نعروں کے پردے میں جدید مسلمان خواتین کو اسلام سے برگشتہ کرنا تھا۔ اور اسلامی تعلیمات کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا تھا، اس لٹریچر نے تحریک آزادی نسواں کے مقاصد کو بہت تقویت پہنچائی ہے۔

اس صورت حال کے کنٹرول کی خاطر بہت سے مسلم محققین نے عصری تہذیبی تصادم سے پیدا ہونے والی ذہنی کشمکش کو اسلام کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کو عصری، نظریاتی دفاع کے لیے فکری طور پر تیار کیا ہے۔اس ضمن میں مندرجہ ذیل کتب خصوصیت سے اہم ہیں۔

" الاسلام ومشكلات الحضارة" ازالسید محمد قطب (مصری)، "Islam between East & West" از عزت علی بیگوچ (صدر جمہوریہ بوسنیا)، "مستقبل الثقافة فی مصر" از طہ حسین، "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" از ابوالحسن ندوی، "دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اور اقبال" از ڈاکٹر معین الدین عقیل، "سیکولرازم، اصول ومبادی" از ڈاکٹر گجر کاشمیری۔ان کتب میں عورت کا ذکر نہایت جزوی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

جن کتب نے تہذیبی تصادم میں عورت کے مسئلہ کو خاص کیا ان میں سے چند قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔"النسائیات" از ملک حفنی ناصف، "حقوق النساء فی الاسلام وحظهن من الاصلاح المحمدی العام" از رشید رضا، "پردہ" از السید ابوالاعلیٰ مودودی، "پاکستانی عورت دوراہے پر" از امین احسن اصلاحی، "عورت معمار انسانیت" از مولانا وحیدالدین خان، "عورت جنسی تفریق اور اسلام" از لیلیٰ احمد، "کیا عورت آدھی ہے" از وارث میر، "معاشرہ میں عورت کی مشکلات اور ان کا اسلامی حل" از جلال الدین انصر، مصر میں "المرأة المسلمة" میں فرید وجدی آفندی نے عورت کے ذہنی مخمصے کو زبان دی ہے۔اور عورت کی اس کشمکش کو مغرب کے اسلام پر حملے کا نتیجہ قرار دے کر اسلام کا دفاع کیا ہے، اور مقامی مسلمان عورت کو اسلامی تشریحات پر مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دفاع کرتے ہوئے اصل اسلامی معاشرت اور موجودہ ابتر معاشرت کے فرق کو تشنہ رکھنے کی بنا پر یہ سب تحریریں کفر کے خلاف اسلام کا دفاع تو ہیں، عصری مسائل کا جواب نہیں۔کیوں کہ کافروں سے بڑھ کر آج کا مسلمان اپنی جہالت، تنزلی، پسماندگی اور باہمی انتشار کا شکار ہے۔اس کے داخلی مسائل، اس کے خارجی مسائل کی شدت میں اضافہ کررہے ہیں۔

کویت سے عبدالحلیم ابوشقہ کی تحقیق" تحرير المرأة فی عصر الرسالة" عہد رسالت اور جدید مسلمان

عورت کے فرق کو واضح کر کے عورت سے وابستہ مسلم معاشروں کی مروّجہ روایات پر تنقید کرتی ہے۔ یہ تحقیق اس لحاظ سے اہم ہے کہ اگر عہدِ رسالت اور جدید دور کی مسلمان عورت کے فرق کو واضح نہ کیا جائے تو عورت کے حوالے سے اسلام پر مغربی تنقید بجا سمجھے جانے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب بہت سی عصری غلط فہمیوں کا تدارک کرنے میں اہم ہے لیکن یہ کتاب عورت کے مسئلے کے حل کے لیے نسوانی نقطہ نگاہ سے مذہب کی تعبیرِ نو کے ذکر سے خالی ہے جب کہ بیسویں صدی کی مسلمان عورت نسوانی نقطہ نگاہ سے مذہب کی تعبیرِ نو پر مصر ہے اور اسے 'تجدید اسلام' کا نام دیتی ہے۔

مذہب کی تعبیرِ نو اور تجدید اسلام بھی کوئی نیا موضوع نہیں اور تعبیرِ نو کرنے والے کے لیے اہلیت کے میدان بھی اسلامی تاریخ میں ہر دور کا موضوع عام رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں مذہب کی تعبیرِ نو کی ضرورت اور اہمیت پر بھی بہت لکھا جا چکا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" میں تعبیرِ نو کے طریق کار پر بھی بحث کی ہے۔ وہبہ الزحیلی نے اصول الفقہ الاسلامی میں اور یوسف قرضاوی نے ''اَلإِجْتِهَادُ فِی الشَّرِیْعَةِ الإِسْلَامِیَّةِ'' اور ''کَیْفَ نَتَعَامَلُ مَعَ السُّنَةِ النَّبَوِیَّةِ'' میں عصرِ حاضر میں مذہب کی تعبیرِ نو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ''قرآن اور علم جدید'' از ڈاکٹر رفیع الدین، ''قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل'' از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ''علم جدید کا چیلنج'' از وحیدالدین خان میں عصری مسائل زیرِ قلم آئے ہیں لیکن معاشرتی مسائل کے ضمن میں عورت کے مسئلے کا ذکر محدود ہے۔ تعبیرِ نو کے ذکر میں نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیرِ نو کا پہلو شدت سے نظر انداز ہوا ہے جس نے بیسویں صدی میں مسلمان معاشروں میں خاندان کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور معاشرتی تنظیمی ڈھانچے میں اہم تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے۔ اس نئی صورت حال میں اسلامی معاشرت انہیں مزید نظر انداز کرنے کی متحمل نہیں۔

جن تحریروں نے نسوانی نقطہ نگاہ سے مذہب کی تعبیرِ نو کو موضوع بنایا ہے وہ اکثر مغربی ممالک کے اقلیتی معاشروں کی مسلمان خواتین ہیں جو تہذیبی تصادم کا بلاواسطہ شکار ہوئی ہیں۔ مثلاً امینہ ودود کی " Quran & Woman" اسریٰ نعمانی کی "Standing Alone in Mecca " فاطمہ مرنسی کی "Women & Islam" شمس الدین کی

"Kadlinar"

اس موضوع پر بہت سی تحریریں وسط ایشیا سے بھی لکھی گئی ہیں جو مختلف عنوانات کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔مثلاً

"New Veils & New Voices: Islamist Women Groups in Egypt" by K. Ask M Tjmsland.

"Faith & Freedom" by M Afkhami.

"The Daughters of Amazon: Voices from Central Asia" by Murfa and Elmira.

"The Muted Voices of Women Interpretor" by Bothania Shabaan.

" Women & Islam: Gendering The Middle East Emerging perspectives" by Dr. Kandioti.

ان تحریروں نے عورت کے حوالے سے اسلام کی تشریح پر غیر اطمینانی کو زبان دی ہے اور اس کا حل بھی دیا ہے۔انہوں نے جدید مسلمان عورت کی قیادت کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس حل سے اسلامی فکر مطمئن نہیں،اس حل پر جو اسلامی فکر کو جو تحفظات ہیں وہ ان تحریروں میں مذکور نہیں، نیز وہ جدید مسلمان عورت کے نفسیاتی،انفرادی مسئلے کے حل تک تو درست،لیکن ملت اسلامیہ کی اجتماعیت ان کو اپنانے سے قاصر ہے۔انہوں نے جدید مسلمان عورت کی دینی قیادت کو تقسیم کر دیا ہے۔

موجودہ حالات میں اس امر کی انتہائی ضرورت تھی کہ جدید مسلمان عورت کو دوراہے پر تنہا نہ چھوڑا جائے اور دونوں راہوں کے فوائد اور نقصانات کا تقابل اس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ فوائد کی طلب میں وہ نقصانات سے محفوظ رہ سکے اور اپنی منزل تک رسائی کو آسان اور یقینی بنا سکے۔

موجودہ کام کی افادیت **Value of this Research**

میں نے اپنے مقالے ''بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی تعبیر نو۔حقوق نسواں کی تحاریک کے افکار،شریعت اسلامیہ کی روشنی میں'' میں اسلامی معاشرے میں پلنے والے عورت کے حوالے سے جن نظریات اور اسلامی فکر کا

تقابل پیش کیا ہے وہ اس اعتبار سے نادر ہے کہ یہ نہ تو مسلم معاشروں میں مروّجہ مذہبی افکار کا دفاع ہے، نہ نسوانی افکار کی حمایت ہے۔ یہ دونوں نظریات کے تول پرکھ اور تقابل پر مبنی ہے یہ ابتر معاشرے میں عورتوں کے حقوق اور فرائض کے توازن میں تبدیلی کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔لیکن تبدیلی کی ضرورت کو باغیانہ اور اباحانہ مقاصد سے بچا کر تعمیری اسلوب پر ڈھالتا ہے۔اس میں نسوانی نقطہ نگاہ سے اسلام کی تعبیر نو کو نسوانی اور اسلامی دونوں تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔بیسویں صدی میں حقوق نسواں کی سرگرمیوں نے اسلامی افکار کی طرف جس رخ سے پیش رفت کی ہے اس نے موجودہ موضوع تحقیق کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔

یہ موضوع نہ تو مغربی اور اسلامی افکار کا تقابل ہے، نہ ہی اس میں صنفی اہلیتوں کا تقابل مطلوب ہے، یہ نسوانی پیرائے میں کی گئی تعبیر نو کی کوششوں کو اسلام آہنگ کرنے کی کاوش ہے۔اس میں اسلامی معاشرے میں معاشی،معاشرتی اور تمدّنی پسماندگی سے نبردآزما جدید مسلمان عورت کے دو نسوانی نصاب کا تقابل پیش کیا گیا ہے، نیز ان عوامل کا بھی تحلیلی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جنھوں نے ایک اسلام کو عورت کے لیے دو نسوانی نصابوں میں ڈھال لیا ہے۔ایک دین اور ایک نظریے کی حامل مسلمان عورت کو دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔

حقوق نسواں اور اجتہاد، قرآن کی نئی تعبیرات اور ہمارا تفسیری علمی ذخیرہ ،حقوق نسواں کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف فکر اور باہم اعتراضات اپنی انفرادی نوعیت کے ساتھ وقت کی ضرورت بھی ہیں ۔ اور ہمارے بہت سے سوالات کا جواب بھی ، یہ موضوع مبنی برحق رائے قائم کرنے میں اسلامی فکر کے لیے ممد و معاون ثابت ہوگا۔(انشاء اللہ)

بحث و تحقیق کا منہج Research Methodology

موجودہ تحقیقی مقالے کا کچھ حصہ تاریخی پس منظر اور بیانیہ طرز تحقیق پر مبنی ہے۔ یہ طرز تحقیق تعبیر نو اور حقوق نسواں کے تعارف،ارتقا،اہمیت،اور مسلم معاشرے پر اس کے اثرات کا احاطہ کرتا ہے۔نیز مسلم معاشرے میں جنم لینے والی تبدیلیوں اور اُن کے عوامل سے بحث کرتا ہے جنھوں نے نسوانی نقطہ نگاہ سے اسلام کی تعبیر نو کو جنم دیا ہے۔

مقالے کا کثیر حصہ جمع متفرق اور تقابلی منہج تحقیق پر مبنی ہے۔موجودہ مذہبی تصورات پر حقوق نسواں کی تحریکوں کے

اعتراضات اکھٹے کیے گئے ہیں،اورنسوانی افکار پر مذہبی نقدوجرح کو یکجا کیا گیا ہے مختلف مصادر سے اعتراضات کو اکھٹا کرنے کے بعد یکسانیت یا اختلافات کی نوعیت کی بنا پران کی گروہ بندی کی گئی ہے۔

حقوق نسواں کی تحریکوں کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات پر روایتی اور جدید دونوں نقطہ نگاہ لیے گئے ہیں اور اسی طرح اسلامی فکر کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات پر بھی دونوں نقطہ نگاہ لیے گئے ہیں۔اس مقالہ میں ان کا تقابلی مطالعہ اس زوایہ سے کیا گیا ہے کہ ہر ایک کا نقطہ نگاہ ان کے فکری عوامل کی روشنی میں سمجھا جا سکے۔

مقاصد کا تتبع اور ادراک اپنی جگہ جب تک میدان عمل میں التباس کی تطہیر نہ کیجائے،فہم تشنہ رہتا ہے۔لہذا تحقیقی منہج کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خطا کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

تحدید Limitations

☆ جن حقوق نسواں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے صرف انہی تک بحث کو محدود رکھا گیا ہے جب کہ مآخذ شریعت میں موجود ایسے حقوق نسواں کو زیرِ بحث نہیں لایا گیا جو قرآن کریم میں موجود نہیں ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ قرآن کریم کی ہر طرح کی تفسیر وتعبیر آئمہ سلف کے اصولوں کی روشنی میں ہیکی گئی ہے۔

☆ حقوق نسواں سے متعلق تمام ایسے موضوعات جہاں مفسرین اور مغربی تحریک آزادی کی سوچ کا اختلاف ہے موضوع بحث نہیں ہیں۔ صرف ان موضوعات پر بحث کی گئی ہے جہاں علمائے مفسرین اور Muslim Feminists کا تفسیر وتعبیر میں اختلاف ہے۔کیونکہ مقالہ میں مغربی فکر اور اسلامی فکر کا تقابل یا تفوق مقصود نہیں صرف مسلمانوں کے باہمی اختلاف فکر کا جائزہ اور تحقیقی وتحلیلی مطالعہ مقصود ہے۔تا کہ مسئلے کے فہم کو واضح خطوط پر اٹھایا جائے اور مقاصد تحقیق کی طرف بہتر پیش قدمی ممکن ہو۔

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

حافظہ عائشہ مدنی

باب اوّل

تعبیرنو

فصل اول

تعبیر کا مفہوم

مبحث اوّل:

تعبیر کا مفہوم

لفظ تعبیر عربی زبان کے کلمہ عبر سے ماخوذ باب تفعیل کا مصدر ہے۔صاحب مصباح اللغات لکھتے ہیں: عَبَرَ عَبَرًا (ن) غمگین ہونا اور آنسو بہانا، العین: آنکھ کا ڈبڈبا آنا،الکتاب: چپکے چپکے غور کرنا، السبیل: طے کرنا گزرنا،النهر والوادی: پار کرنا،الرؤیا: خواب کی تعبیر بیان کرنا،عما فی نفسه: دل کی بات ظاہر کرنا۔[1]

صاحب نور اللغات لکھتے ہیں:

تعبیر کا معنی ہے خواب کا مطلب بیان کرنا،خبر دینا،کسی سے بات کرنا،مراد لینا وغیرہ۔[2]

''اردو لغت تاریخی اصول پر'' میں مذکور ہے۔

تعبیر کا معنی: مفہوم،منشا،مراد،وضاحت،تشریح اور معنی ہے ۔اردو زبان میں تعبیر کا لفظ عموما ان ہی معانی میں مستعمل ہے۔قاموس مترادفات میں بھی تعبیر کے یہی معنی درج ہیں۔[3]

امام راغب اصفہانیؒ[4] کے نزدیک العبر کے معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچ جانا۔العبور کا مطلب ہے پانی کو عبور کرنا،ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر اترنا۔عبر القوم کے معنی ہیں لوگ مر گئے گویا انہوں نے دنیاوی زندگی کے پل کو عبور کرلیا۔عبارت خاص اس کلام کو کہتے ہیں جو متکلم کے منہ سے نکل کر فاصلہ عبور کر کے سامع کے کان میں پہنچ جائے۔العبرۃ والاعتبار اس حالت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی دیکھی چیز کی وساطت سے ان دیکھے نتائج تک پہنچا جائے۔[5]

---

(۱)لسان العرب از ابن منظور الافریقی،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،۱۹۹۲ء ج۴/ص۵۲۹، المعجم الوسیط از ابراہیم مصطفیٰ،احمد حسن زیات،وغیرہ،داراحیاء التراث العربی،بیروت،لبنان،ج۲/ص۵۸۶

(۲)نور اللغات از نورالحسن نیر،مولوی،سنگ میل پبلی کیشنز،،۱۹۸۹ء، ج۱/، باب ع ب ر

(۳)قاموس مترادفات از وارث سرہندی،اردو سائنس بورڈ،۲۹۹۔اپر مال،لاہور،طبع اوّل،اگست ۱۹۸۶ء،ص۴۰۲

(۴)راغب اصفہانی:(وفات ۵۰۲ھ)حسین بن محمد بن المفضل ابو القاسم قرآنی اصطلاحات کے معروف عالم ہیں مشہور قرآنی ڈکشنری المفردات فی غریب القران لکھی۔(الأعلام از زرکلی:ج۲/ص۲۷۹)

(۵)مفردات القرآن از راغب اصفہانی،مکتبہ قاسمیہ،جامع قدس،چوک دالگراں،لاہور،باب ع ب ر،ص۲۹۱

تعبیر کا لفظ عموماً خواب کے انجام بتلانے کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں کبھی اس لفظ کا معنی مراد لینا، سمجھنا اور مطلب نکالنا بھی ہے، جیسے:

خدا کی بندگی کہیے یا عشق معشوقی
یہ نسبت ایک ہے سو سو طرح تعبیر کرتے ہیں

یہ لفظ کبھی چیز کو سمجھانے اس کا مکمل مفہوم ادا کرنے اور کسی چیز کے ظاہر کرنے کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔(٦)

اصطلاحاً تعبیر کا لفظ خواب کے معنی بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا کسی علامت کی تصویر کشائی، یا کسی لفظ کی عملی تفسیر یا کسی مبہم بات کو روشن کرنا اس کے معنی اور مفہوم تک رسائی حاصل کرنا۔

قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً﴾(٧) ''اس واقعہ میں عبرت ہے۔''

﴿فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الاَبْصَارِ﴾(٨) ''اے اصحاب بصیرت اس سے عبرت حاصل کرو۔''

یعنی معلوم چیز کی بدولت غیر معلوم تک رسائی حاصل کرو۔ قرآن پاک میں تعبیر کا لفظ خواب کے انجام بتانے کے معنی میں مستعمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤيَا تَعْبُرُوْنَ﴾(٩)

''اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو۔'' اگر تم خواب کی حقیقت کو پہنچ سکتے ہو، اگر تم خواب کے انجام سے واقف ہو۔(١٠)

تعبیر کے مترادف الفاظ میں تفسیر اور تاویل بھی آتے ہیں۔ عمومی طور پر ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن یہ الفاظ اپنے معنی میں کچھ اختلافی استثناء بھی رکھتے ہیں۔

مبحث دوم: تعبیر کے متبادل الفاظ

تعبیر کا ہم معنی تاویل بھی ہے۔ تاویل کا مطلب کسی چیز کو اس کی غایت یا انجام کی طرف لوٹانا ہے اور یہ لفظ تعبیر سے زیادہ عام ہے۔(١١)

---

(٦) اردو لغت تاریخی اصول پر: عبدالحق، ڈاکٹر، ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، اُردو ڈکشنری بورڈ، کراچی، ١٩٨٣ء، ج/٥، ص/٢٨١

(٧) سورۃ آل عمران: ٣/١٣ (٨) سورۃ الحشر: ٥٩/٢ (٩) سورۃ یوسف: ١٢/٤٣

(١٠) مفردات القرآن از راغب اصفہانی، باب ع ب ر، ص/٢٩١

(١١) مترادفات القرآن از کیلانی، عبدالرحمٰن، مکتبۃ السلام، سٹریٹ نمبر٢٠، وسن پورہ، لاہور، طبع ہشتم، جولائی ٢٠٠٥ء، ص/٣٤٦

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَقَالَ الآخَرُ إِنِّيْ أَرَى أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِيْ خُبْزًا تَأْكُلُهُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ﴾
''دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں تو ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے۔'' (۱۲)

جدید معاشرے میں تعبیرنو کے داعیوں نے تعبیر سے تاویل ہی مراد لی ہے اور اسلامی مآخذ کی تشریح میں تاویلی طریقوں کی حمایت کی ہے۔علمائے کرام تفسیر اور تاویل میں فرق کرتے ہیں ان کے نزدیک تفسیر محفوظ اور تاویل پرخطر راستہ ہے۔علماءسلف کے یہاں تاویل سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

اوّل: کلام کے معنی ومفہوم کو واضح کرنا خواہ وہ ظاہر کلام کے موافق ہو یا مخالف اس صورت میں تاویل وتفسیر مترادف ہیں اور ان میں کوئی معنوی فرق نہیں۔جب یہ کہا جاتا ہے کہ علماء قرآن کی تاویل جانتے ہیں تو ان کی تاویل سے مراد تفسیر ہے۔(۱۳) امام ابن جریر اپنی تفسیر میں اکثر یوں کہتے ہیں کہ القول فی تأویل قوله تعالی كذا وكذا یہاں وہ تاویل سے تشریح مراد لیتے ہیں۔

دوم: علمائے سلف کی رائے میں کسی کلام سے جو مفہوم مراد ومقصود ہے وہی تاویل ہے۔سلف کے نزدیک یہ تاویل کے دوسرے معنی ہیں جب کہ متاخرین علماء تاویل وتفسیر کے مابین فرق کرتے ہیں۔(۱۴)

متاخرین کے نزدیک تفسیر سے مراد الفاظ کا ظاہری معنی ہے جو عبارت کے عموم سے مترشح ہے،لیکن تاویل سے مراد باطنی معنی کی طرف اشارہ جوظاہری عموم سے الٹ بھی ہوسکتا ہے انکے نزدیک تاویل کے معنی ہیں آیت سے ایسا مفہوم لینا جسکی اس میں گنجائش ہو۔بعض علما کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور تاویل کا درایت کے ساتھ۔(۱۵)

بعض کے نزدیک ترتیب عبارت سے جو مفہوم نکلتا ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور اس کے برعکس عبارت سے جو مفہوم اشارۃً معلوم ہو اس کے کشف واظہار کا نام تاویل ہے۔(۱۶)

---

(۱۲) سورۃ یوسف:۱۲/۳۶

(۱۳) التفسیر والمفسرون از الذھبی محمد حسین،دار الکتب الحدیثیه،۱۹۷۶ء،ج/۱،ص/۱۷ (۱۴) ایضاً،ص/۱۷

(۱۵) الاتقان فی علوم القرآن از سیوطی،جلال الدین،تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم،منشورات الرضی۔بیدار۔عزیزی،ج/۲،ص/۱۷۳

(۱۶) مقدمہ روح المعانی از آلوسی،الطباعۃ المنیریه ، ۱۳۴۷ھ،ج/۱،ص/۵

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی تشریح وتفسیر میں منقولات پر اعتبار کیا جاتا ہے اور تاویل کا مدار وانحصار استنباط پر ہوتا ہے اور تاویل متشابہ امر کی ہی کی جاتی ہے۔[۱۷]

تعبیر کا مطلب، معنی مراد مفہوم کو واضح کرنا، تفسیر کا معنی بھی منشاء مراد اور مفہوم کو واضح کرنا ہے۔ تفسیر کا لفظ عام مستعمل ہے اور کلام الٰہی کے منشا ومراد کے ساتھ خصوصی وابستگی کا حامل ہے۔ اگر کلام الٰہی کی بجائے کسی اور کا کام ہو تو تفسیر کی بجائے تعبیر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ (اس لیے حقوق نسواں کے افکار کی جدیدیت کو تفسیر نو نہیں کہا جاتا بلکہ تعبیر نو کہا جاتا ہے)

لغوی اعتبار سے تعبیر کا لفظ تفسیر اور تاویل کے ہم معنی ہے۔ یہ تینوں لفظ عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔ انگریزی زبان میں ان کے لیے لفظ Interpretation استعمال ہوا ہے۔

تعبیر نو کے لیے انگریزی زبان میں Reinterpretation کا لفظ مستعمل ہے۔ تحریک حقوق نسواں سے وابستہ افراد نے حقوق نسواں کی تعبیر نو کے لیے Reinterpretation of Women Rights کی اصطلاح لی ہے۔

Websters Dictionary میں Interpretation کے مختلف معنی دیئے گئے ہیں:

معنی کی وضاحت کرنا	To Explain the meaning of
قابل فہم بنانا	To Make understandable
روشن کرنا	To elucidate

To have or show ones own understanding of the meaning of

کسی لفظ کے معنی کے بارے میں اپنا فہم واضح کرنا۔

The Expression of a Person's conception of a work or word

لفظ یا کسی کام کے بارے میں کسی انسان کی رائے فکر اور فہم کا اظہار

A person whose work is translating foreign language between poeple speaking different languages

(۱۷) الاتقان السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م ۹۱۱ھ)، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، منشورات الرضی۔ بیدار۔ عزیزی: ج ۲/ص ۱۸۳

Interpretor اس انسان کو کہتے ہیں جو دو زبانوں کے درمیان میں ترجمان کا فریضہ سرانجام دے۔[۱۸]

طبقہ حقوق نسواں نے تعبیر نو کو Reinterpretation کا نام دیا۔[۱۹]

جب کہ علماء اسلام نے تعبیر نو یا اسلام کے فہم نو کو اجتہاد کے تابع کیا ہے۔اجتہاد ہی درحقیقت اسلام کی وہ تعبیر نو ہے جو اسلام کو تازگی اور جدت عطا کرتی ہے اور قیامت تک کے لیے اسلام کو دائمی اور قابل عمل بناتی ہے۔

اجتہاد کے لفظی معنی انتہائی کاوش اور انتہائی کوشش کے ہیں۔ یہ انتہائی کا لفظ اس کے مفہوم میں ہے۔فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے استفراغ الوسع۔استفراغ کے معنی ہیں ایگزاسٹ کرنا اور وسع کے معنی ہیں صلاحیت۔

انگریزی میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہوگا:

To exhast your capacity to discover shariah ruling about a new situation in the light of the Quran and Sunnah.

''یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی صورت حال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کرنا اور علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد یا سکت باقی نہ رہے اس عمل کا نام اجتہاد ہے۔''[۲۰]

کائنات ہر لحظہ متغیر ہے اور خالق کائنات اور اس کے بنیادی احکام واصول قائم ودائم ہیں لہٰذا بنوآدم میں اجتماعی اور انفرادی استحکام کے ظہور کی شرط یہ ہے کہ وہ غیر متغیر اصل کو بھی نہ چھوڑے اور زمانہ کی ہر لحظہ تازگی کا بھی حریف ودلجو ثابت ہو۔حریف تازہ ہونے کے لیے اصول فقہ کے قدیم نتائج کی بجائے شریعت کی تازہ تعبیر ضروری ہو گی۔مرزا محمد منور تعبیر نو کی راہ میں ہونے والی مشقت کو اجتہاد کا نام دیتے ہیں۔[۲۱]

(۱۸)"Websters" *Third New International Dictionary of English language* ,by A Merriam webster,,G & C Marriam company publishers, springfield Massachusetts, U.S.A, 1971. p.1182

(۱۹)*"The Fundamentalist observation with women"* By Dr. Fatima Mernissi, Edited/compiled by Kishwer Naheed, *"Women, myth and Realities"*Sange-e-Meal Publications, Lahore, p.116

(۲۰)المستصفی فی علم الاصول از الغزالی: دارالکتب العلمیہ ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء، ج ۲/ص ۳۵۰

(۲۱)علامہ اقبال اور اجتہاد از مرزا محمد منور، پروفیسر، صدر شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب، لاہور، منہاج ، (سہ ماہی)،'اجتہاد نمبر' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء ج ۱/ش ۱/ص ۳۲

لیکن حقوق نسواں سے وابستہ افراد نے تفسیر کا میدان بھی لیا ہے اور قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں علماء مفسرین سے اختلاف کیا ہے، لیکن مسلمان ان کے اقوال ومفاہیم کو تفسیر کا درجہ دینے میں تامل کا اظہار کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے تفسیری تسلسل کی روایت کا انکار کیا ہے اور ماقبل مفسرین کی تفسیری خدمات کے اعتراف کی بجائے اس بنیاد کی مخالفت کی ہے کہ جس سے چودہ سو سال کی مسلمانوں کی علمی تاریخ وابستہ ہے۔ نیز علماء ان کی فکر کو مغرب کے تابع سمجھتے ہیں اور ان سے تحفظات کا شکار ہیں۔ مزید برآں وہ انہیں اس نکتہ فکر کے علاوہ زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی شرعی فکر سے بیزار پاتے ہیں۔ علماء اسلام کے نزدیک یہ فہم نو ملکی ضرورت کے تقاضوں کی بجائے مغرب کے دباؤ کا نتیجہ ہے اور اس کے اسباب داخلی نہیں بلکہ خارجی ہیں لہٰذا وہ اسے قبول کرنے کی بجائے اس کی بدولت متجددین کے خلاف تعصب کو زیادہ کرتے ہیں۔ (۲۲)

حقوق نسواں کی تعبیر نو سے وابستہ افراد نے کسی مخصوص طبقہ فکر یا مخصوص علما کی مخالفت نہیں کی بلکہ جمہور علما کرام خواہ سلف ہوں یا خلف، متقدمین ہوں یا متاخرین کی آراء کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

تحریک حقوق نسواں سے وابستہ جدید ذہن تفسیر میں رائے کو اہمیت دیتے ہیں اور تفسیر بالرائے کو تفسیر بالماثور پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں آج کے جدید مسائل کا حل تعبیر بالرائے میں ہے۔ اسی لیے یہ تفسیر میں عقلی موشگافیوں، باطنی معنوں، تاویلی فہم پر مصر ہیں۔ یہ بیسویں صدی میں مذہبی اعتقادات کو عقل فلسفوں پر تولنے کا رجحان ہے۔ جو پہلے مغرب اور بعد میں مسلمان ممالک کی طرف بھی نفوذ کر گیا ہے۔ (۲۳)

علماء سلف نے تفسیر بالرائے کی دو اقسام ذکر کی ہیں۔ ایک تفسیر بالرائے المحمود اور دوسری تفسیر بالرائے المذموم۔
عقلی استطاعت کی حد تک قرآن مجید سے مسائل کے حل کا استنباط کرنا تفسیر بالرائے المحمود کہلاتی ہے، لیکن یہ تفسیر علم اور دلیل پر مبنی ہوتی ہے اور شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اور انتہائی دقیق اور عرق ریزی پر مبنی شرعی نصوص کے مطالعہ کا نتیجہ ہوتی ہے اس میں تفسیر کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

کلام الٰہی کی تفسیر میں عقلی رویوں کو خواہشات نفس کے تابع کر کے بغیر علم اور بغیر دلیل کے دلیری کے ساتھ تفسیر

(۲۲) حدود شرعیہ از زاہد الراشدی، 'اجتہاد'، (سہ ماہی) دسمبر ۲۰۰۷ء، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد عدد ۱، ش ۲، ص ۱۳۹

(۲۳) اسلام مغرب اور جدیدیت از ڈاکٹر تمارا سون 'اجتہاد' (سہ ماہی) دسمبر ۲۰۰۷ء، عدد ۱، ش ۲، ص ۱۴

کے مقدس میدان میں اپنی رائے کو ترجیح دینا مذموم رویہ ہے۔اور اللہ کے غصہ کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔تفسیر حزم و احتیاط کا تقاضا کرتی ہے ۔تفسیر میں جرات اور دلیری اور مجوزہ مفہوم پر اصرار غیر علمی رویہ ہے۔تفسیر کھیل کا اکھاڑہ نہیں جہاں دوسرے کے مفہوم کی نفی اور شکست مطلوب ہو اور مجوزہ رائے پر فخر ہو۔جن علماء نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے انہوں نے اس سے مراد تفسیر بالرائے المحمود ہی لی ہے۔(۲۴)

اصول تفسیر کی کتابوں میں تفسیر بالرائے المذموم پر انتہائی کڑی تنقید بھی ملتی ہے۔تفسیر بالرائے کی مذمت میں اکثر فقہاء نے رسول اکرمؐ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے:"من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ"(۲۵)

''جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور درست کہا تب بھی اس نے غلطی کی۔''

ایسے ہی رائے کے پیش نظر امام غزالیؒ (م۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: کہ ہر عالم کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرآن سے اپنے فہم اور عقل کے مطابق استنباط کرے۔(۲۶)

حافظ ابن قیم الجوزیہؒ (م۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''جب کسی سے کتاب اللہ کی کسی آیت یا سنت رسول اللہ کی تفسیر کے بارے پوچھا جائے تو اسے حق نہیں کہ اپنی خواہش اور اپنے مخصوص نظریہ کے تحت فاسد تاویلات کر کے اس آیت یا سنت کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا دے۔(۲۷)

امام راغب اصفہانیؒ (م۵۰۶ھ) نے لکھا ہے:

''حق بات یہ ہے کہ جو شخص تفسیر کا ارادہ کرے تو وہ تقوی کو شعار بنائے اور اپنے نفس کی برائیوں اور خود پسندی سے اللہ کی پناہ مانگے کیونکہ خود پسندی ہر برائی کی جڑ ہے۔''(۲۸)

فکر حقوق نسواں سے وابستہ افراد کی تفسیر کے میدان میں کوششوں کو علماء کرام نے اسی درجہ میں رکھا ہے اور تفسیر

---

(۲۴) دیکھیے: التفسیر والمفسرون از الذھبی محمد حسین: ڈاکٹر، دار الکتب الحدیثیه،۱۹۷۲ء: ج۱،ص۲۵۵-۲۶۷

(۲۵) جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه: نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور،۱۹۸۸ء، ج۲،ص۳۱۵

(۲۶) احیاء علوم الدین، غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، مترجم، نانوتوی، محمد احسن، مولانا، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور: ج۱،ص۴۵۹

(۲۷) اعلام الموقعین از ابن قیم، فوائد تعلق بالفتوی، فائدہ ۴۵۵/۲۴۵، دار الجیل بیروت، لبنان،۱۹۷۳ء

(۲۸) مقدمہ التفسیر از راغب اصفہانی، ص۹۳

میں دراندازی کے عمل کو خواہش پرستی کا نام دیا ہے یا دوسرے الفاظ میں تفسیر بالرائے المذموم کی جگہ دی ہے۔[29] تفسیر بالرائے کو مذموم ثابت کر دینے کی بدولت طبقہ نسواں کی مشکل حل نہیں ہوتی۔ ان پر خواہش پرستی اور مغربی دباؤ کا الزام بجا لیکن مسئلہ کا جائز حل انتہائی ضروری ہے۔ اسلامی احکامات جب تک تغیرات زمانہ کا ساتھ دینے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ معاشرہ ان سے فائدے کے حصول میں ناکامی کے بعد زیادہ عرصہ ان کے ساتھ چل نہیں سکتا جس کا بالآخر نتیجہ دین اور دنیا کی جدائی کی صورت میں نکلتا ہے اور دنیا میں عملی مسائل کے حل کے لیے کوشاں لوگوں کو خلوص نیت کے باوجود دین میں پناہ نہیں ملتی۔ جب دین دار طبقہ انہیں پناہ نہیں دیتا تو وہ اغیار کی مدد سے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے گولے بارود کا رخ دین دار طبقے کی طرف ہوتا ہے۔ پھر اغیار کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اور قوم کا استعماری رخ قوت پاتا ہے۔

تعبیر نو اور حقوق نسواں کی فکر جدید

آج کل کی مسلمان عورت کی تصویر رسول اکرمؐ کی قائم کردہ تصویر نسواں کی متضاد ہے۔ طبقہ نسواں کا یہ کہنا ہے کہ عورت سے وابستہ اسلامی احکام کو جس طور پر لیا جاتا ہے وہ طور اور طریقہ غیر تسلی بخش ہے۔ قرآن کی تعبیر میں جن ذرائع پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ ذرائع کند ہو چکے ہیں۔ قرآن کی تعبیر کے لیے جو افراد مسلم معاشرے کے اُفق پر ابھرتے ہیں۔ اور افراد مسائل کی شدت میں اضافے کا باعث ہیں نہ کہ قوم اور عورت کے مسائل کا حل ہیں۔ یہ طبقہ اسلام کے نام پر ہونی والی قانون سازی سے خائف ہے۔ اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ اسلامی فکر عورتوں کے حوالے سے اعلیٰ اسلامی فکر سے میل نہیں کھاتی۔

یہ طبقہ پاکستان میں قائم ہونے والی فیڈرل شریعت کورٹ کا انتہائی مخالف تھا۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ''فیڈرل شریعت کورٹ کا قائم رہنا عورتوں کے مفادات کے حوالے سے تشویش کا باعث ہے۔ آئین کے باب 3A کی تنسیخ کے

---

(۲۹) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از ندوی، ابوالحسن مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی طبع سوم، ۱۹۸۱ء، ص/۳۳۵......
پردہ از مودودی، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۳ کورٹ سٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور، طبع ۵۸، نومبر ۲۰۰۲ء، ص/۳۶-۳۹......
پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۸ء، ص/۶، ......
قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، ادارہ مطبوعات تکبیر، نا مکو سینٹر کیمبل اسٹریٹ، کراچی، نومبر ۱۹۸۹ء، مقدمہ، ص/۶

ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ کوختم کر دیا جائے۔"(۳۰)

مولانا تقی امینی(۳۱) کے خیال میں مسلم قوم کے زوال نے تعبیر نو کی فکر کو جنم دیا ہے۔(۳۲)

طبقہ نسواں سے وابستہ ذہن دنیا میں چلنے کے لیے شریعت کو اپنے لیے زنجیر قرار دیتا ہے پھر اس کی زندگی کا دارومدار شرعی احکامات وقوانین سے خلاصی ٹھہرتا ہے۔جدید دور میں عملی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے احکام شرعیہ کی تلاش کی تگ ودو اور احکام شرعیہ کو نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا عمل بیسویں صدی کا نمایاں خاصہ بنتا جا رہا ہے۔

حقوق نسواں کے حصول کی جدوجہد کی تاریخ نے مذہب کو اپنے راستے کا بڑا پتھر قرار دیا ہے۔انہوں نے حقوق نسواں کی خاطر اسلام کو چیلنج کر دیا ہے۔وہ معاشرے کے ڈھانچے میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔مسلمان معاشروں میں عورت کی زبوں حالی نے ان کے دعوے کو تقویت کا سامان فراہم کیا ہے۔مسلمان معاشروں کے تجدد پسند طبقے نے حقوق نسواں کے نام سے اصلاح معاشرہ کی فہم نو شروع کی ہے۔ایسے میں حقوق نسواں کی تعبیر نو کا جائزہ اور اس کی حدود کا تعین وقت کی ضرورت بن کر ابھرا ہے۔

حق کی تلاش ہر وقت کا خاصہ رہی ہے اور یہ قوموں کی زندگی کی علامت ہے حق کی تلاش سے عاری قومیں اپنی تاریخ غلامی سے رقم کیا کرتی ہیں اور ان کی مہار اغیار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔حق کی جستجو اسلام کی بنیاد ہے اور حق کی جستجو میں وحی الٰہی سے راہنمائی دین ودنیا کی سعادت ہے۔

اگرچہ عقل جستجو حق کے میدان میں ہمنوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سمجھ میں نہ آنے کی بدولت اللہ کے احکامات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔وہاں عقل کو محدود کیا جاتا ہے اور احکامات الٰہی کی اتباع کی جاتی ہے۔

ہمارے خیال میں حقوق نسواں کی فکر کو تفسیر کے میدان میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی۔وہ میدان علماء کا میدان ہے۔عقلی موشگافیوں کا میدان نہیں۔وہ احکامات کے فہم کا میدان ہے۔تفسیر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جاننے

---

(۳۰) قانون سازی پر نظر،(سہ ماہی)،[اداریہ]،عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن،اسلام آباد،ش ۵/،ص ۲/

(۳۱) محمد تقی امینی: 1985-1986 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈین فیکلٹی آف Theology رہ چکے ہیں۔"فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" اور "احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت" آپ کی مقبول عام کتب ہیں۔

(۳۲) احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت از محمد تقی،امینی، اسلامک بک کارپوریشن،طبع اوّل،۱۹۹۲ء،ص ۱۹/

اور ان کی مراد سمجھنے کی کوشش اور کاوش کا میدان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے فہم کے بعد ان کو اپنے حالات پر منطبق کرنا اور ان سے وہی ہدایت اخذ کرنا جو سلف صالحین کیا کرتے تھے فقہ کا میدان ہے۔ جو اُصول فقہ کے تسلسل پر مبنی ہے۔ درحقیقت آج فقہ اسلامی کے از سر نو مطالعہ کی ضرورت ہے اور اسلامی قوانین پر نئے انداز سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آج مذہب اسلام زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کیا جائے۔ علامہ اقبال (۳۳) کے خیال میں جو شخص بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زمانہ حال کے جوریس پروڈینس پر تنقیدی نگاہ ڈال کر یہ ثابت کرے گا کہ قرآنی احکام ابدی شان رکھتے ہیں وہ بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن ہوگا اور دور جدید کا سب سے بڑا مجدد ہوگا۔ (۳۴)

تعبیر نو اور فقہ جدید

اگرچہ شریعت کے سارے احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ کبھی مفاسد کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اور کبھی منافع کا حصول، لیکن آج کے مسلمان باوجود قرآن پڑھنے کے قرآن کے فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو شریعت الٰہی کی اتباع سے متنفر کیا ہے جب کہ قرآن کریم کی آیت یایھا الذین امنوا کے الفاظ کے بعد کی وصیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کبھی تو خیر پر آمادہ کیا جا رہا ہوتا ہے اور کبھی نقصان سے بچنے کے لیے شر سے روکا جا رہا ہوتا ہے۔ خیر کے ذکر کے ساتھ اس کا اجر اور شر پر زجر و ممانعت بھی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر بعض احکام کے مفاسد کا صراحتاً ذکر کر کے اس سے اجتناب پر آمادہ کرتے ہیں اور اس طرح بعض دیگر احکام کے مصالح کو بیان کر کے اس کے حصول کی ہدایت کرتا ہے۔

اَحکام الٰہی کو تغیرات زمانہ پر منطبق کرنے کے علم کو فقہ کہتے ہیں اور تمام فقہی قواعد و فروعات کا مرجع مصالح

---

(۳۳) اقبال: (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) علامہ اقبال ولد شیخ نور محمد جدید دنیائے اسلام کے بہت بڑے مفکر، فارسی اور اردو زبان میں مسلمانوں کے قومی شاعر، تصور پاکستان کے خالق ہیں۔ جرمنی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا۔ مسلم امہ میں جذبہ آزادی و ترقی کو نمو دینے والے بیدار مغز مسلمان ہیں۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور، ج۱/ص۲۴۶۔۲۴۷)

(۳۴) اقبال بنام صوفی غلام تبسم، ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء، اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، عطاء اللہ، شیخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اقبال اکادمی پاکستان، طبع نہم، ۲۰۰۵ء، ص۳۴

(دنیوی واخروی) کا حصول اور مفاسد (دنیوی واخروی) کی روک تھام ہے۔امام عز الدین بن عبد السلامؒ نے تمام فقہی قواعد وفروعات کا مرجع جلب منفعت اور دفع مضرت کوقرار دیا ہے۔ بلکہ کل احکام کی بنیاد ہی جلب منفعت کو بتایا ہے اس لیے کہ دفع مضرت حصول منفعت ہی کی ایک قسم ہے۔اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے امام عز الدین بن عبد السلامؒ (۳۵)(م ۶۶۰ ھ) لکھتے ہیں:

''احکام کے اندر دنیا اورآخرت کے مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفع پر اعتماد کرنا ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے۔''(۳۶)

دنیا اورآخرت کے کچھ مصالح ہیں جن کے نہ حاصل ہونے کی صورت میں دونوں جہاں کا معاملہ بگڑ جاتا ہے۔اسی طرح دونوں کے کچھ مفاسد ہیں۔اگر وہ دور نہ کیے جائیں تو دنیا وآخرت دونوں جہاں میں لوگوں کی تباہی ہے۔ان میں سے اکثر منافع کا حصول ان کے اَسباب کے پائے جانے کے بعد قطعی تو نہیں ہوتا لیکن ظن غالب کے دائرے میں آجاتا ہے۔آخرت کے لیے نیک کام کرنے والوں کو یہ قطعی یقین نہیں ہوتا کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوگا،لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کی بنا پر اعمال خیر میں مشغول رہتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہاں ان کے اعمال کے بارے میں عدم قبولیت کا فیصلہ نہ ہو جائے۔قرآن کریم کی یہ آیت اسی مفہوم کو بتلاتی ہے۔﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلٰى رَبِّهِمْ رَاجِعُوْنَ﴾(۳۷)

اسی طرح دنیا میں بھی لوگ اپنے کام اور تصرفات حسن ظن ہی کی بنا پر کرتے ہیں۔اس لیے کہ حصول منافع کے اسباب پائے جانے کے بعد ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ ان منافع کا حصول ہوگا لہٰذا ایسے مصالح سے جن کا حصول غالب ہوتا ہے محض شذوذ یا خلاف گمان ہو جانے کے اندیشہ سے صرف نظر کر لینا درست نہ ہوگا۔(۳۸)

---

(۳۵) عز الدین بن عبد السلام: (۵۷۷ھ۔۶۶۰ھ) عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابی القاسم الدمشقی: شافعی مسلک سے آپ کا تعلق تھا۔آپ فقیہ، مجتہد، مفسر قرآن اور صاحب التصانیف تھے۔مشہور تصانیف میں التفسیر الکبیر ، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام شامل ہیں۔(الأعلام از زرکلی: ج ۴،ص ۱۴۵)

(۳۶) قواعد الاحکام فی مصالح الانام از عز الدین بن عبد السلام ،مؤسسة الريّان لطباعة والنشر والتوزيع ، بيروت،لبنان،۱۹۹۰ء ج ۱،ص ۴۔۱۰

(۳۷) سورۃ المؤمنون: ۲۳/ ۶۰

(۳۸) **فقہ اسلامی کی نظریہ سازی**،جمال الدین عطیہ،ڈاکٹر ،مترجم،قاسمی،عتیق احمد،مولانا ، الفیصل ناشران وتاجران کتب،غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور،اپریل ۱۹۷۷ء،ص ۶۵

تعبیر نو شریعت الٰہی کی فقہ جدید کا ہی نام ہے اور تعبیر میں تبدیلی کے امکان کو بروئے کار نہ لانا اسے نفس شریعت کی حیثیت دینے کے مترادف ہے۔ علامہ اقبال کی رائے میں پرانی فقہ زندگی کے نئے مطالبات کا جواب نہیں دے سکتی اس لیے تفقہ کے عمل کا آزادانہ مگر یکسو تسلسل ناگزیر ہے ورنہ دین اور دنیا میں تعلق کا کوئی حقیقی وسیلہ باقی نہیں رہے گا۔

خود ہماری صورت احوال روز بروز اتنی پیچیدہ اور منحصر بر غیر ہوتی جا رہی ہے کہ قیاس فقہی کے قدیم نتائج ان طبقوں کو بھی غیر متعلق اور نا قابل عمل لگنے لگے ہیں جو دین داری کی کلاسیکی روایت سے الگ ہونا کسی قیمت پر پسند نہیں کرتے۔ اس لیے قدیم نتائج کی تعبیر نو بیسویں صدی میں وقت کی انتہائی ضرورت بن کر ابھری ہے۔ یہ سیکولر نظریات کے خلاف شریعت الٰہی کی طرف لوٹنے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ لیکن اسمیں نفاق کا اندیشہ بھی ہے جس نے مسلمانوں کو اس کی قبولیت میں متذبذب کر دیا ہے۔

قانون اگر زندگی کے حقیقی مؤثرات کا احاطہ نہ کرتے تو اس کی پابندی سے احساس جبر پیدا ہوگا جو اطاعت کے دینی داعیے کو ختم کر دے گا۔ اس مصلحت (یعنی روح اطاعت) کو تقلید کے تسلسل سے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصا معاشرتی مسائل میں ایسی امید کرنا معاشرہ اور شریعت دونوں کے ارتقا کا قتل ہے۔ مسلمان معاشروں پر مغربی تہذیب کے غلبہ سے اجتہاد کی ضرورت شدت سے ابھری ہے۔

احمد جاوید کی رائے میں:

''مغربی تہذیب سے نکلنے کے لیے صرف اور صرف اجتہاد پر زور دینے کی ضرورت ہے۔''(۳۹)

اہل علم کے مطابق اجتہاد کی بدولت ہی امت مسلمہ اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکے گی۔(۴۰)

اجتہاد کا دائرہ محض قانونی امور پر محدود نہیں رہتا بلکہ شریعت کی ان قوتوں اور مصلحتوں کا بھی احاطہ کرتا ہے جن کی بنیاد پر مسلم تہذیب متشکل ہوتی ہے۔ اس موضوع کے تفصیلی مطالعہ کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عورتوں کے حقوق کے ضمن میں بہت سی شکایات تو اسلامی معاشرے کی عملی زبوں حالی کی بنا پر ہیں۔ جس کا الزام ہر طبقہ دوسرے کو دیتا ہے جب کہ وہ خود بھی اس کا حصہ ہیں اور جہاں تک تعلق ہے اہل علم اور ثابت الرائے لوگوں کا تو فقہ احکام

---

(۳۹) خطبات اقبال اور ساحل از احمد جاوید، اجتہاد، (سہ ماہی) جون ۲۰۰۷، عدد/۱، ش/۱، ص/۶۶

(۴۰) اجتہاد، (سہ ماہی)، مقدمہ، خالد مسعود، ڈاکٹر، دسمبر ۲۰۰۷ء، عدد/۱، ش/۲، ص/۴

روایتی مذہبی طبقے کے پاس ہے۔وہ دین کا مطالعہ کرتے ہیں اور دین میں غوروفکر کرکے احکاماتِ الٰہی کے مقصود کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنی اس کوشش میں وہ بے مثل ہیں اس لیے ہر وہ عمارت جوان کی بنیاد سے ہٹ کر بنے گی بے اصل ہوگی۔

جبکہ طبقہ نسواں فقہ الاحکام سے عاری لیکن فقہ الواقع سے قریب ہے اور مسلمان معاشروں پر مغربیت کے غلبے نے معاشرت کے زوال کا سارا الزام مذہبی طبقے کو دیا ہے اور اسلامی معاشرے کو مذہبی تعلیمات سے دور کرنے کی سازش کی ہے۔اوراس الزام میں طبقہ نسواں کو مسلمانوں کے خلاف عالمی میڈیا کی مدد بھی حاصل ہے۔

درحقیقت فقہ الاحکام کی فقہ الواقع پر تطبیق ہی شریعت کی تعبیر نو ہے اور یہ اصول فقہ کی مدد سے ہی ممکن ہے۔اصول فقہ ان ضابطوں کی معرفت کا نام ہے جو مسائل کو حل تک پہنچاتے ہیں۔ مذہبی طبقہ اور طبقہ نسواں کی باہم مخاصمت اور طبقہ نسواں کو مذہبی طبقہ پر غالب کرنا مغرب کا مقصود ہے۔اسلام کو دنیا میں غالب کرنا مسلمانوں کی منزل ہے۔منزل کو جانے والی راہ کو جس مشقت سے عبور کیا جاتا ہے وہ جہاد ہے۔ مذہبی طبقہ اور طبقہ نسواں کو ہم آہنگ کرنا دین کا تحفظ اور اسلامی معاشرے کی ترقی ہے۔

فصل دوم

تعبیرنو کا ارتقا

اسلام ابدی اور ناقابل تغیر مذہب ہے۔ابدی کلمات کو بدلتے حالات میں سمجھنے کے لیے ہمہ جہتی اور مسلسل تدبر درکار ہوتا ہے۔اسلام کی فقہ جدید اور حقوق نسواں کی تعبیر نو موجودہ وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ اسلام کی روشنی گردوغبار سے صاف ہوکر اپنی تابنا کی بڑھاتی رہے اور تعبیر نو کے ارتقا کا عمل جاری رہے۔اسلام ایک ایسا دین ہے جو قدیم وجدید ہر دور میں چلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔افراد پرانے ہو جاتے ہیں۔نظریات قدیم ہوجاتے ہی۔اذہان پرانے ہو جاتے ہیں۔اسلام قدیم نہیں ہوتا۔اسلام سے ہدایت لینے والے افراد تھک کر رخصت سفر باندھ لیتے ہیں اس کی ہدایت پرانی نہیں۔پرانے مذہب سے وابستہ نظریات پرانے ہو گئے تو رب کائنات نے وہ مذہب دیا جس پر ہر گزرنے والا دن اس کو دھندلا نہیں کرتا اسے اور فروزاں کرتا ہے اور اس کی صداقت کی دلیل بنتا چلا جاتا ہے۔﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾(۴۱)

رسول ہدایت حضرت محمدﷺ نے خود پرانے اَدیان کو نیا کیا اور اس سلسلے کو انجام تک پہنچایا جس کی آخری کڑی آپ کی ذات مبارک تھی اور پھر اس تجدید مذہب کی ذمہ داری اپنی امت کے علماء کو تفویض کی۔

آپ کی دعوت کا بنیادی محور بلا شبہ اہل ایمان کی انفرادی اور اجتماعی تعلیم اور تزکیہ تھا جس کی بنیاد پر آپ نے اس تہذیب اور مثالی معاشرہ کی ایسی عمارت تعمیر فرمائی جس کے حدود آفاقی تھے اور جس کے اخلاقی اور روحانی پیغام کے مخاطب قیامت تک آنے والے تمام انسان تھے اور جس کی بنیادیں عدل،انصاف اور مساوات پر قائم تھیں۔جس میں انسانوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کا تعین بھی تھا جس کی بدولت اسلام امن ارضی کی ضمانت بنا۔

آپ نے عمومی طور پر تاریخ انسانی کو نئی جہتیں عطا کیں اور ان کے نتیجے میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کے اثرات امت اسلامیہ کے دائرہ سے باہر عام انسانی معاشروں میں بھی ظاہر ہوئے۔اس بنا پر تاریخ انسانی کو واضح طور پر دو مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک آپ سے پہلے کا عہد اور ایک آپ کے بعد کا۔یہ دونوں عہد اپنی خصوصیات کی بنا پر الگ الگ پہچانے جا سکتے ہیں۔آپ کی بعثت اور اس کے نتیجہ میں عورت کے معاشرتی مقام میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ انسانی تہذیب وتمدن میں ایک نیا موڑ آیا اور انسانی معاشرہ ایک نئے آفاقی تہذیبی اور جدید فکری دور میں داخل ہوگیا۔

(۴۱) سورۃ الرحمٰن: ۲۹/۵۵

رسول اللہؐ کی تعلیمات نے انسانوں میں رائج علمی اسالیب، فکری رجحانات، تہذیبی اشکال، اخلاقی اطوار اور روحانی اقدار کو یکسر ایک نیا رخ دے دیا۔ عقل بنی آدم کے سامنے نئی نئی جہتیں وا ہوئیں اور فکر انسانی کو راہیں ملیں۔ ان کے اثرات بنی نوع انسانی کے عمومی رویوں اور عورتوں سے متعلق فکری رجحانات میں تبدیلی کی شکل میں ظاہر ہوئے۔

آپؐ کی بعثت سے پہلے عام طور پر مذہبی علم ایک میراث سمجھا جاتا تھا جس پر معاشرہ کے ایک متعین طبقہ کی مکمل اجارہ داری قائم تھی۔ مذہبی علم تک عوام الناس کی کوئی رسائی نہ تھی۔ ان کا کام محض یہ قرار دیا دیا گیا تھا کہ وہ مخصوص افراد کی بلا چوں چراں تقلید کرتے رہیں اور ان کا اندھا اتباع کرتے رہنے ہی کو روحانی فضائل کے حصول کا واحد ذریعہ سمجھتے رہیں۔ اسی طرح عام لوگ مذہبی زندگی اختیار کرنے کے لیے احبار اور رہبان سے رجوع کرنے پر مجبور تھے۔ نہ صرف یہ کہ مذہب کو قبول کرنے یا رد کرانے یا اس کی تفسیر وتشریح کرنے میں ان کا اختیار نہ تھا۔ بلکہ ان پر لازم تھا کہ وہ احبار اور رہبان کو واحد اور آخری مرجع تقلید تسلیم کر کے ان کے احکام کی پیروی کریں۔ یہ حق ان کو بالعموم حاصل نہ تھا کو وہ مذہبی تعلیمات کے بنیادی ماخذ اور اولیں ذرائع سے براہ راست یہ معلوم کر لیں کہ جس مذہب کے وہ متبع ہیں وہ ان کے مسائل میں کیا راہنمائی دیتا ہے اور وہ راہنمائی کن اصولوں پر مبنی ہے۔ کسی کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ مذہبی احکام کو کسی مذہبی پیشوا سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی میں جاری وساری کر لے۔

بعض مذاہب نے تو انسانوں کو باقاعدہ الگ الگ طبقات میں بانٹ رکھا تھا اور صرف ایک متعین اور بالا دست طبقہ کا یہ حق تسلیم کیا جاتا تھا کہ وہ مذہبی علم کو حاصل کرے اور اس علمی تفوق کی بنا پر عام انسانوں کو مذہب کی اُس فکر کا قید کر دے جو اس بالا دست طبقے کے فرد یا اجتماعیت کو سوجھی ہے۔ اس صورت حال میں ایک عام انسان کی یہ مجال کیسے ہوسکتی تھی کہ وہ مذہب کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کرے اور اس کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کر کے اپنے ضمیر کی تسکین کا سامان کر سکے۔

(ایسی ہی مذہبی اجارہ داری کا رنگ قرون وسطی کی عیسائیت نے بھی پیش کیا جس نے کلیسا کے فکری استبداد اور مذہبی استعمال کے خلاف احتجاج کو جنم دیا۔ اس احتجاج کے اثرات اس قدر گہرے اور طویل المیعاد ہوئے کہ مذہبی تصورات سے عام بیزاری مغربی معاشروں کا خاصہ بنی اور اب جس کے اثرات نے مسلم ممالک میں بھی مذہب

بیزاری یا مذہب تصادم یا اصلاح مذہب کی تحریکوں کی نمو میں حصہ لیا ہے۔)

یہ صورت حال بعثت نبویؐ سے پہلے کے تقریبا تمام قابل ذکر مذہبی معاشروں میں موجود تھی وہ عیسائی قساوسہ ہوں یا یہودی احبار، ہندو پنڈت اور پروہت ہوں۔ یا بدھ کے تارک الدنیا پیرو کار۔ ان سب کی مذہبی حیثیت کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ مذہبی علم تک رسائی صرف ان ہی کی جماعت کو حاصل ہے اور وہی اپنے ماننے والوں کی راہنمائی کے حق دار ہیں۔ عام آدمی کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی ہدایت پر بلا چوں چراں عمل پیرا رہے۔ اور اپنے مذہبی رویہ کی تمام تفصیلات اور جزئیات ان ہی سے معلوم کرتا رہے۔ ظاہر ہے کہ اس اجارہ داری کے نتیجے میں عام لوگوں کی مذہب کے ساتھ وفاداری اور روحانی وابستگی کمزور پڑتی گئی اور وہ رفتہ رفتہ ذہنی اور جذباتی طور پر مذہب سے پہلے لاتعلق اور پھر دور ہوتے گئے۔ سطحی طور پر مذہب سے وابستگی صرف مخصوص مذہبی طبقات تک محدود ہو کر رہ گئی اور یہ وابستگی بھی کوئی ولی تعلق یا شعوری وفاداری کی بنا پر نہ تھی بلکہ محض مفاد پرستانہ ہم آہنگی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب محض چند ظاہری رسوم اور خارجی مظاہر کا مجموعہ بن کر رہ گیا اور انسانوں کے سیرت وکردار اور ان کی قلبی اور ذہنی زندگی سے اس کو کوئی تعلق نہ رہا۔ معاشرت انسانی کا دائرہ کار مذہب سے جدا سمجھا گیا۔

رسول اللہؐ جب ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں منصۂ تاریخ پر جلوہ افروز ہوئے تو مذہبی علم وعمل کی یہی حالت تھی جو اوپر بیان کی گئی۔ اس صورت حال میں کچھ استثناء ات بھی ہوں گے اور یقیناً تھے لیکن الحکم علی الاغلب کی رو سے یہ دعوی بلا تردید کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کے عہد مبارک سے قبل کے انسانی معاشرے حصول علم کے مساوی مواقع اور منصفانہ حقوق کے تصور سے قریب قریب نا آشنا تھے خصوصا مذہبی علم کے معاملہ میں۔

رسول اللہؐ نے مذہبی علوم پر روایتی اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور آپؐ نے اس خیال کو مسترد کر دیا کہ ایک عام آدمی مذہبی معلومات کے حصول کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ آپؐ نے ہر اس مرد اور عورت کے لیے جو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہو۔ بلا استثناء طلب علم کو فریضہ قرار دے دیا۔ آپؐ کی یہ تعلیم منشائے ایزدی کے بالکل موافق اور فرمان الٰہی کے عین مطابق تھی۔ چنانچہ قرآن کریم نے بار بار اپنے مخاطبین کو حصول علم اور تفکر وتدبر کا حکم دیا اور اس اہم ترین فریضہ کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس کی ادائیگی کی بار بار یقین دہائی کرائی بلکہ قرآن کے علاوہ دنیا کی کسی مذہبی کتاب میں عقل وشعور کے استعمال اور اس کے ذریعے معرفت حق تک پہنچنے کی اہمیت اور ضرورت پر اتنا زور نہیں دیا گیا جس

قدر شد و مد سے کتاب اللہ نے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

تفکر انسانی اور تدبر پر اصرار علم کی فضیلت ورغبت ہی ہدایت الٰہی کے فہم کی تجدید نو کی اہم دلیل ہے۔اسلام کا یہ یہی وصف اسے جمود سے نکالتا ہے اور معاشرتی زندگی پر اسے رواں دواں کرتا ہے۔اسلام کا یہی وصف اسے دائمی ہدایت بناتا ہے اور قیامت کے دن تک اسلام کو قابل عمل بناتا ہے۔

قرآن کے احکامات تمام انسانیت کے لیے ہیں جب یہ کتاب الٰہی نازل ہو رہی تھی تو آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ جونہی کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ آپؐ پر نازل ہوتا آپؐ فوراً اس کو صحابہؓ کے مجمع تک پہنچاتے اور اس کے ساتھ ہی بالالتزام صحابیات رضی اللہ عنہن کے اجتماع میں پہنچاتے۔یہ وہ اولین اقدام تھا جو آپؐ نے وحی کے ذریعہ حاصل کردہ ہدایات اور تعلیمات کو بیک وقت تمام مسلمان مردوں اور عورتوں تک پہنچانے کے لیے کیا اور ایک لمحہ کے بھی معرفت وحی اور حکمت نبویؐ کو کسی مسلمان مرد یا عورت سے مخفی نہ رہنے دیا۔اس طرح آپؐ نے قرآن کی عائد کردہ ذمہ داری تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کا ہدف ان تمام افراد کو بیک وقت بنایا جن کی طرف آپؐ کو ہادی ومرشد اور معلم ومربی بنا کر بھیجا گیا تھا،لیکن چونکہ ہر فرد کی عقلی استعداد اور فکری صلاحیت برابر نہیں ہوتی اور نہ ہی آج تک کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔اس لیے ظاہر ہے کہ آپؐ کے مخاطب مؤمنین اور مؤمنات میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی قابلیت کے مطابق ہی علوم کتاب وحکمت کو حاصل کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے جہاں وحی الٰہی سے فیض وکسب کو صحیح اسلوب پر ڈھالا وہاں اس پر کسی متعین جماعت کی اجارہ داری کو ختم کیا۔نیز اس سے حاصل شدہ علم کو عمل صالح کے ساتھ مربوط کیا۔انسان کو اس علم کے حصول پر فضیلت کا حقدار بنایا گیا جو عمل صالح پر منتج ہو جو تمام انسانیت نیز مرد وزن کو معاشرتی مساوات مہیا کرے اس لیے کہ محض نظری معلومات ،فکری موشگافیاں، ذہنی قلابازیاں نہ دنیا میں امن ارضی کی ضمانت ہیں نہ اخروی فلاح کی محافظ ہیں۔

علم وعمل کے تلازم کا منطقی نتیجہ معاشرتی مساوات، انسانی برابری ،حقوق وفرائض کی ہم آہنگی، ذہنی امن وسکون، خاندانی استحکام اور مرد وزن کی باہم موافقت کی صورت میں نکلا۔

آپؐ کی اس تعلیم کا دوسرا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کے جملہ عقائد واعمال ایک ایسی معروضی حقیقت بن گئے جن تک ہر مرد وزن کو رسائی حاصل ہو گئی جو اخلاص نیت کے ساتھ اسلامی احکامات کو معلوم کر کے اسلام کے عملی تقاضوں کے

مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا چاہتا ہو۔اس مقصد کے حصول کے لیے آپؐ نے نہ تو کسی نسل سے تعلق ضروری قرار دیا نہ کسی علاقہ سے وابستگی شرط ٹھہرائی۔ بلکہ اسلام کو معاشرے میں جاری وساری کرنے کے لیے اس کے احکامات کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔آپ نے مرد وزن کے حقوق کے توازن میں کہیں کوئی ابہام یا اغماض نہیں برتا۔نسل انسانی کو خطاب کر کے عورتوں کو مردوں کے برابر مخاطب ٹھہرایا۔آپؐ نے حلال اور حرام کو پوری طرح واضح کر دیا جو شخص بھی اخلاص ویقین کے ساتھ اسلامی احکامات کو اپنی زندگی میں جاری وساری کرے اس کے نصیب میں فلاح وسعادت یقینی ہے۔

مذہبی علوم کی تاریخ میں تعبیر وتشریح

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی تعبیر وتشریح کا کام کبھی بھی صرف مردوں کے لیے خاص نہیں رہا۔ بہت سی جلیل القدر صحابیاتؓ نے اس کام میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے ہیں۔انسانی معاشرہ آپ کے دور میں بھی کبھی نسوانی تجربات کے بیان سے محروم نہیں ہوا۔آپ کے حرم کی وسعت نسوانی تجربات سے وابستہ اسلامی احکامی کو انسانی معاشرت میں کما حقہ حصہ دلانے میں ممد ومعاون ثابت ہوئی۔آپؐ کے حرم کی سعادت سے بہرہ ور ہونے والی صحابیاتؓ مختلف عمر، مختلف ذوق، مختلف طبائع، مختلف قبائل، مختلف معاشرتی طبقہ سے نسبت اور مختلف اہلیتیں اور ترجیحات رکھنے کے باعث اسلامی معاشرے میں عورت کے کردار کی تعبیر میں مثالی اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپؐ کی ازواج مطہراتؓ نے عملی زندگی میں اپنے کردار کی شہادت ہر نوع اور ہر انداز میں پیش کی۔ازواج مطہراتؓ باوفا، باحیا ماں، بہن، بیوی، بیٹی کا کردار نبھاتی رہیں تو انہوں نے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جسے اپنے اچھے کردار کی گواہیوں سے رقم نہ کیا ہو۔ وہ کردار آج مردانہ کردار سے تعبیر ہو یا معاشرتی شعبہ جاتی کردار ہو یا وہ مذہب کا میدان ہو کوئی میدان ان کے کردار سے خالی نظر نہیں آتا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ(۴۲) اسلامی تاریخ کی مایہ ناز مفسرہ معلّمہ ہیں۔اسلامی فکر اپنے احکام کی تعبیر میں آپؓ کی رائے پر اعتماد کرتی ہے۔ہزاروں کی تعداد میں تفسیری اقوال واحادیث آپؓ سے منسوب ہیں۔

(۴۲) عائشہ صدیقہ: بنت ابو بکر نامور صحابیہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کم سنی میں حضور اکرم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔آپ کی پاکدامنی میں سورۃ نور کی متعدد آیات نازل ہوئیں۔قذف کا قانون بنا۔ 17 رمضان 58 ہجری کو وصال ہوا۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔آپؓ کی مرویات ۲۲۱۰ ہیں۔(الإکمال فصل فی الصحابیات حرف العین)

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے بارے میں صاحب الاصابہ نے لکھا ہے کہ وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔ (۴۳)
اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ کے بارے میں الاصابہ میں ہے کہ وہ عاقل وفاضل خاتون تھیں۔ (۴۴)

حضرت رقیہؓ، حضرت حمنہؓ، حضرت معاذہؓ(۴۵) حضرت لیلیٰؓ حضرت ام عطیہؓ، حضرت ام سلمیٰؓ اپنے دور میں نابغہ روزگار مانی جاتی تھیں۔ شعر وشاعری میں حضرت خنساءؓ(۴۶) حضرت صفیہؓ، حضرت عاتکہؓ(۴۷) حضرت ام ایمنؓ(۴۸) حضرت قتیلہؓ اور حضرت ہندؓ بہت مشہور تھیں۔

اسلام کی تعبیر وتشریح میں اگر صنفی حد بندی نہیں رہی تو کبھی نسلی وعلاقہ جاتی حد بندی بھی نہیں رہی۔ تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام کی تعبیر وتشریح میں جس قدر حصہ عربی النسل اہل علم کا رہا اس سے کہیں بڑھ کر ان اصحاب دانش کا ہوا جو دیگر نسلوں اور علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد الغزالی لکھتے ہیں: کہ تابعین کے دور میں جتنے حضرات علوم قرآن میں نمایاں ترین تھے اور مرجع کی حیثیت رکھتے تھے ان کی اکثریت موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) کی تھی۔ تابعین کی جماعت میں حضرت سعید بن جبیرؒ(۴۹)، مجاہد بن جبیرؒ(۵۰)، عکرمہ البربریؒ(۵۱)، طاؤس

(۴۳) الإصابة فی تمییز الصحابة، ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الامام، الحافظ، (م ۸۵۲ھ)، مطبع الشرفیہ، ۱۹۰۷ء، کتاب النساء، ص ۴۰۶

(۴۴) الإصابة فی تمییز الصحابة، کتاب النساء، ص ۲۱۱

(۴۵) ایضاً، ص ۳۱۷...... أسد الغابة فی معرفة الصحابه، ابن الاثیر، عزالدین، ابوالحسن علی بن محمد الجزری، (م ۶۳۰ھ)، مطبع الوھبیہ، ۱۲۸۰ھ، ترقیم ۷۲۹۱

(۴۶) الإصابة فی تمییز الصحابة، ص ۲۰۹ (۴۷) ایضاً، ص ۲۲۷، اسد الغابہ، ترقیم ۷۰۸۷ (۴۸) ایضاً، ص ۳۶۱

(۴۹) سعید بن جبیر: دوسرے طبقے کے مفسر اور مشہور تابعی تھے۔ آپ کو حجاج بن یوسف نے 95 ہجری میں قتل کر دیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر 49 سال تھی۔ آپ کو واسط (عراق) میں دفن کیا گیا۔ دیکھیے: (جامع البیان از الطبری: دار الکتب العلمیة، بیروت، ج ۲، ص ۴۲۳)

(۵۰) مجاہد: مجاہد بن جبیر 21 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ابن عباسؓ کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ فقیہہ، عابد، متقی اور عظیم مفسر تابعی تھے۔ 104 ہجری میں مکہ میں فوت ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ از ذہبی: ص ۹۲، ۹۳؛ التفسیر والمفسرون از ڈاکٹر محمد حسین ذہبی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۴۰۷ھ، ج ۱، ص ۱۰۴)

(۵۱) عکرمہ: ابوعبداللہ عکرمہ بربری مدنی مولیٰ ابن عباس دیار مغرب علاقہ بربر کے رہنے والے تھے۔ (میزان الاعتدال: ط/ اولیٰ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1416ھ۔ ج ۳، ص ۹۳)

الیمانیؒ(۵۲)،عطاء بن ابی رباحؒ(۵۳) اور زید بن اسلمؒ جن کا مقام مفسر قرآن کی حیثیت سے انتہائی بلند ہے سب آزاد کردہ غلام تھے۔(۵۴)

وہ غلامی کے درجہ سے اٹھ کر معاشرہ میں رائج الوقت علوم کی افضل ترین قسم یعنی قرآن کی تعبیر وتشریح پر اس طرح حاوی ہو گئے کہ بڑے بڑے اصلی نسلی اور نجیب الطرفین عرب علماء اور طالبان علم ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ان موالی حضرات کو اس میدان میں سند کی حیثیت حاصل ہو گئی جو قوم اپنے مذہب کی تعبیر وتشریح میں مقام کے اعتبار سے غلام اور آزاد کا فرق نہ کرے وہ قوم تعبیر وتشریح کے میدان میں صنفی تفریق کی کبھی حامی نہیں ہو سکتی۔

تاریخ اسلام کی شہادت یہ بھی ہے کہ علماء عرب کے علاوہ عراق،شام،مصر،اندلس،ترکی،ماوراء النہر اور ہندوستان کے علماء نے یکے بعد دیگرے اسلامی علوم کی میراث کی حفاظت کی اور باری باری سب کے ہاتھوں اس عظیم الشان روایت کو ترقی اور فروغ حاصل ہوتا رہا۔یعنی کسی رنگ یا نسل،کسی علاقے یا قوم کے انسانوں کے لیے کبھی کوئی رکاوٹ اس مقصد کے حصول میں حائل نہ ہوئی۔خود ماضی قریب میں اور ہمارے اپنے زمانہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ خالص مغربی معاشرہ اور لادینی ماحول سے اٹھنے والے افراد نے اس دین کو قبول کر کے اس کو سیکھا اور اس کے علوم کی مختلف شاخوں میں مہارت حاصل کی اور ان کو امت اسلامیہ کی طرف سے سند قبولیت حاصل ہوئی۔آسمان علم وحکمت کے ان درخشاں ستاروں میں ماضی قریب کے محمد مارماڈیوک پکتھال(۵۵)، علامہ محمد

(۵۲)طاؤس الیمانی:مشہور تابعین میں سے ہیں۔بہت بڑے محدث،فقیہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاص شاگرد ہیں۔106 ہجری میں وفات پائی۔دیکھئے:(الأعلام از زرکلی:ج/۳،ص/۳۲۲، تقریب التھذیب: ج/۵،ص/۸)

(۵۳)عطاء بن ابی رباح: آپ کی کنیت ابوعمرو ہے۔آپ دوسرے طبقے کے مفسر فقیہ اور تابعی تھے۔آپ نے ابن عباسؓ،ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے احادیث کی سماعت کی (میزان الاعتدال:ط/ اولیٰ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ۔ج/۳،ص/۵۷)

(۵۴)رحمۃ للعالمین کی تعلیمات اور عقل انسانی کی تشکیل نو از محمد الغزالی،ڈاکٹر،فکر ونظر،جنوری - مارچ ۱۹۹۵ء ج/۳۲،ش/۳،ص/۳۶

(۵۵)محمد مارماڈیوک پکھتال:(۱۷ اپریل ۱۸۷۵ـ۱۹ مئی ۱۹۳۶)نے انگریزی زبان میں قران مجید کا ترجمہ کیا۔ جسے ملت اسلامیہ میں قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد نے ۱۹۸۸ء میں اسے شائع کیا۔

(http://en.wikipedia.org/wiki/Marmaduke_Pickthall)

اسد (۵۶)، فرتھیاف سٹیون (۵۷)، رینے گینوں (۵۸)، عبدالکریم جرمانوس اور عصر حاضر کے مارٹن لنکس (۵۹) اور روجے گارودی کے نام نمایاں ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے مغربی معاشروں میں جنم لیا اور وہیں پلے بڑھے اور جوان ہوئے اور جب اللہ تعالیٰ کی توفیق وہدایت سے یہ لوگ دامن ہدایت رحمۃ اللعالمین سے وابستہ ہوئے اور ان کے پیغام کی تفہیم وترویج کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا تو اپنی علمی فتوحات اور فکری کارناموں کی بنا پر علماء اسلام کی توقیر وتحسین کے مستحق ہوئے اور امت اسلامیہ نے بجا طور پر ان حضرات کو باعث افتخار ولائق اعتزاز سمجھا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ نسلی وصنفی وعلاقہ جاتی تعصّبات سے بالاتر ہوکر اسلام کی تعبیر وتفہیم کی حامی ہے اور کسی اجارہ داری کو تحفظ نہیں دیتی۔اور کسی کے فہم کو اگر وہ راست گوئی اور انصاف پر مبنی ہو اسلام کی روح سے وابستہ ہو اور ملت اسلامیہ کا مستقبل اس سے درخشاں ہونے کی امید ہو، محض صنفی یا قومی تعصب کی بنا پر رد نہیں کرتی۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جب کبھی کسی کی تعبیر وتشریح کو علمی مرجع اور فکری سند کی حیثیت دی اپنے وقت کے مسائل کے حل میں اس کے اجتہاد کو قابل اعتنا جانا تو اس کی روشن سیرت اور بے داغ کردار دیکھ کر ہی

(۵٦) علامہ محمد اسد: (۱۹۰۰ء۔۱۹۹۲ء) آسٹریا (جرمنی) میں پیدا ہوئے۔ یہ پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے۔سابقہ نام (Leopold Weiss) تھا بیسویں صدی میں یورپین مسلمانوں میں بہت مقبول تھے۔۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد انہیں پاکستانی شہریت دے دی گئی اور بعدازاں پاکستانی حکومت کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے پاکستان کے پہلے آئین کی تحریر میں بھی آپ کی گراں قدر کاوشیں ہیں۔ جولائی ۱۹۰۰ ۔فروری ۱۹۹۲ اقوام متحدہ میں بطور پاکستانی سفیر کام کیا۔آپ کی مشہور کتب "The Massaige of The Quran","The Road To Mecca" ہے۔(http://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Asad)

(۵۷) فرتھیاف سٹیون (Frithjof Schuon): (۱۹۰۷ء۔۱۹۹۸ء) شیخ اسری نورالدین احمد الشاظلی کے نام سے موسوم ہیں۔عظیم فلاسفر ہیں، مذہب اور روحانیت پر کئی کتب لکھیں۔مابعدالطبیعات میں گہری دلچسپی تھی۔

(http://www.worldwisdom.com/public/authors/Frithjof-Schuon.aspx)

(۵۸) Rene Guenon ابوالواحد یحییٰ (۷ جنوری ۱۹۵۱ء۔۱۵ نومبر ۱۹۸٦ء) فرانسیسی دانش ور اور صحافی ہے۔اسلام کے بڑے محقق ہیں۔جدید دنیا کی ذہنی کشمکش پر گہری نگاہ تھی۔(http://www.worldwisdom.com/public/authors/Rene-Guenon.aspx)

(۵۹) Martin Lings ابوبکر سراج الدین (۲۴ جنوری ۱۹۰۹ء۔۱۲ مئی ۲۰۰۵ء) صوفی مسلمان ہے۔ برطانیہ میں جنم لیا۔ان کی علمی خدمات کو لندن میں بہت خراج تحسین ملا۔ ان کی تحریروں سے مغربی افکار میں اسلام کو سمجھنے میں مدد ملی ہے۔

(http://www.worldwisdom.com/public/authors/Martin-Lings.aspx)

اسے قبولیت عامہ سے نوازا۔ایسا نہیں ہوا کہ کسی علمی بزرجمہر یا فکری بقراط کو محض اس کی علمی شان یا عقلی حیثیت یا کسی علاقے طبقے اور جماعت سے نسبت کی بنا پر ہی علمی سند اور شہرت حاصل ہو گئی ہو۔خصوصا علماء حدیث نے قبول روایت میں جس کڑے اخلاقی وکرداری پیمانہ پر افراد کو پرکھا اس کی مثال انسانی تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔اسی طرح جن فقہائے مجتہدین کی تقلید کی گئی اور آج تک عالم اسلام کے طول وعرض میں کی جا رہی ہے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانہ میں تقویٰ وتدین کے ایسے مقام پر فائز تھا جس کی نظیر معدوم نہیں تو نادر ضرور ہے۔اموی اور عباسی عہد کے خلفا میں بعض حضرات علوم دینی میں انتہائی بلند حیثیت کے حامل تھے ۔مثال کے طور پر عبد الملک بن مروان[٦٠] یا ہارون[٦١] اور مامون[٦٢]،لیکن مسلمانوں نے ان کو قابل تقلید نہیں سمجھا اور اتباع دین میں اگر پیروی کی تو امام مالک،امام ابوحنیفہ[٦٣]،امام احمد بن حنبل[٦٤]جیسی ہستیوں کی جن کے پاس نہ صرف کوئی دنیاوی اقتدار نہ تھا بلکہ ان سب کے تعلقات حکام وقت سے عموماً کشیدہ ہی رہے اور انہوں نے مسلمانوں کی دینی راہنمائی کا فریضہ ہر قسم کی ترغیب وترہیب سے بالاتر ہو کر انجام دیا۔یعنی اسلام کی تعبیر وتشریح میں علم اور عمل صالح کو ہمیشہ سند کی حیثیت حاصل رہی اور طاقت، جبر،تسلط، اقتدار یا عقلی وفقہی موشگافیاں قوم کا اعتماد حاصل کرنے سے ہمیشہ محروم رہیں۔کسی بھی تعبیر کو آج امت مسلمہ کی طرف سے اعتماد کا ووٹ مل سکتا ہے اگر وہ دینی علم کو اپنے استخراج کی بنیاد بنائے اور

---

(٦٠)عبدالملک بن مردان:(وفات ٨٦ھ) دمشق میں اموی خاندان کے پانچویں خلیفہ تھے۔(اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود : ج/٢،ص/١١٤٨)

(٦١)خلیفہ ہارون الرشید:اسلامی تاریخ میں معروف عباسی خاندان کے پانچویں خلیفہ ہیں۔(اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج/٢،ص/١٥٧٠)

(٦٢)خلیفہ مامون الرشید: (١٧٠ھ۔٢١٨ھ) خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے ہیں اور ساتواں عباسی خلیفہ تھا۔(اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج/٢،ص/١٤١٤)

(٦٣)امام ابوحنیفہ:(80ھ۔150ھ) نعمان بن ثابت التمیمی الکوفی۔ابوحنیفہ کنیت تھی۔فقیہہ المجتهد، اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں، استدلال اور استنباط میں بہت قوی تھے۔دیکھیے:(الأعلام از زرکلی:ج/٨،ص/٣٦؛ تاریخ بغداد از خطیب البغدادی:ج/١٣،ص/٣٢٥)

(٦٤)احمد بن حنبل: ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی۔ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔حنبلی مسلک کے امام،اسلامی تاریخ کے نامور فقیہ ہیں۔163 ہجری کو بغداد میں پیدا ہوئے۔231 ہجری میں وفات پائی۔(الأعلام از زرکلی:ج/١،ص/٢٠٣)

اس کے حاملین اپنے کردار و عمل سے اس کی صداقت کی شہادت دیں تو امت مسلمہ کے لیے آج بھی جغرافیائی وقومی حدود، لسانی وفکری تضادات اور صنفی اختلافات معدوم ہو سکتے ہیں۔

جہاں اسلامی تاریخ نے علوم دینی کی تعبیر وتشریح میں آفاقیت کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کی شہادت کو مدنظر رکھا ہے وہاں معاشرہ وریاست کی تشکیل نو کے لیے تفکر وتدبر کی دعوت بھی عام کی ہے۔اور رائج الوقت علوم وفنون کی تشکیل جدید اور تعبیر نو کے لیے انسانی عقل وادراک کو بھی جائز مقام سے نوازا ہے۔وقتی سائنسی حقائق اور عمومی معاشرتی اعتقادات جب تک پیغمبروں کی ہدایت اور ان کے مقاصد سے متصادم نہ ہوں تو وہ قابل تسلیم ہوتے ہیں، لیکن ہدایت کا لازمی جزو نہیں ہوتے اور نہ ہی ان پر ابدی حقائق کی طرح ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔اسلام ان علمی صداقتوں کو تسلیم کرتا ہے جو دور حاضر کی سائنس نے منکشف کی ہیں۔ان سے اسلام کی تعلیمات مزید روشن ہوتی ہیں نہ کہ دھندلی ہوتی ہیں۔ماضی قریب میں مسلمانوں نے سائنس کے میدان میں اپنی علمیت کے جھنڈے گاڑے ہیں، لیکن دور حاضر کے مسلمانوں نے جدید سائنس کو اپنانے میں کچھ تذبذب کا اظہار کیا اس کی وجوہات سیاسی ومعاشرتی تھیں۔اسلام اور سائنس کو باہم متضاد سمجھنے کی وجوہات لکھتے ہوئے محمد رفیع الدین (۶۵) لکھتے ہیں:

''اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے علماء دین حالات کی مجبوریوں کی وجہ سے علوم جدیدہ سے نابلد رہے ہیں دوسری یہ ہے کہ لن تضلوا ما تمسکتم بهما اور حسبنا كتاب الله اور ما أنا عليه و أصحابي ایسی روایات کا مطلب وہ یہ سمجھتے رہے کہ اسلام ایک جامد، محدود اور متحجر نظریہ حیات ہے اور کتاب کے رموز واسرار بجز ان کے اور کوئی نہیں ہیں جن پر علماء متقدمین حاوی ہو چکے تھے، لہٰذا ان کے لیے ناممکن ہو گیا کہ ایسی علمی صداقتوں کو اپنا سکیں جو نزول قرآن کے زمانہ کے بعد دریافت ہوئی تھیں یا جن کی دریافت کرنے والے غیر مسلم تھے جو اگرچہ ظاہری اور لفظی اعتبار سے قرآن کے اندر موجود نہیں تھیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اسلام کی غلط تعبیر کرنے لگ گئے۔''(۶۶)

---

(۶۵) ڈاکٹر محمد رفیع الدین: (۱۹۰۴ء۔ ۱۹۶۹ء) میں ریاست جموں کشمیر میں پیدا ہوئے علم وفکر کی دنیا میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں آپ کا نام اہم ترین مفکرین میں ہوتا ہے۔آپ نے ڈاکٹر آف لٹریچر کا اعزاز حاصل کیا۔آپ نے اسلام کی تعبیر وتشریح کے حوالہ سے مشکلات کا تدارک کیا۔

(۶۶) قرآن اور علم جدید یعنی احیائے حکمت دین از رفیع الدین، محمد، ڈاکٹر، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، ۷۔فرینڈز کالونی، ملتان روڈ، لاہور، طبع چہارم، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۲

آج بھی مسلمان سائنسی و مذہبی افکار میں اپنی کامیاب تعبیرِ نو سے حکمت فرنگ کی آگ کو گلزار ابراہیم بنا سکتے ہیں۔اس میدان میں علم جوں جوں آگے بڑھے گا سائنس اور مذہب کے مابین ہم آہنگیوں کا انکشاف ہوتا جائے گا اور اسلام کی حقانیت دنیا پر منکشف ہوتی جائے گی اور معاشرت اور نسائیت سے متعلق بہتر سے بہتر نظریات سامنے آتے جائیں گے جو قرآنی حقائق کی تائید و تصدیق کریں گے اور حرم میں بغاوتِ خرد کی آگ خود ہی سرد ہو جائے گی۔

رحمۃ للعالمینؐ نے انسانوں کو جس پیغام حق اور صراط مستقیم کی دعوت دی اس میں نہ صرف عقل کی اہمیت اور افادیت کا پورا پورا اعتراف موجود تھا بلکہ علم و عرفان میں عقل کا دائرہ کار اور پیمانہ استعمال پوری طرح متعین کر دیا گیا تھا بقول امام غزالیؒ عقل کی حیثیت اسلام کی نظر میں اس ماتحت بادشاہ کی ہے جس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسان کا ہاتھ تھام کر اس کو اپنے بڑے بادشاہ یعنی وحی تک پہنچا کر اپنے آپ کو بھی ملک الملوک کی سپردگی میں دے دے اور اس بالاتر اتھارٹی کی ہدایات کے ماتحت خود بھی کام کرنے لگے۔

تعبیر و تشریح اور جدید دور کے تقاضے

دورِ جدید میں دنیائے اسلام کے مسلمان یا تو اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں یا اپنے دینی اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے عمل پیرا ہیں اور یا مختلف غیر اسلامی مغربی اور مشرقی تصورات کی بالادستی کے خلاف دنیائے اسلام کے اصل افکار و نظریات کے لیے کوشاں ہیں۔اس ساری صورت حال میں جو چیز ان کی زندگیوں کو نئی تشکیل عطا کر سکتی ہے وہ فقہ اسلامی کا نیا فہم ہے۔فقہ اسلامی کے نئے فہم سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نیا فہم ماضی کے فہم سے مختلف ہوگا یا اکابر فقہاء اسلام کے فہم و بصیرت پر عدم اعتماد کا غماز ہوگا بالکل یہ فہم ماضی کے فہم ہی کا تسلسل ہوگا جس انداز سے اسلام کے ابتدائی چار پانچ سو سالوں میں فقہ اسلامی نے ان کی راہنمائی کی ہے اسی انداز کی راہنمائی کی فقہ اسلامی سے امید مستقبل میں بھی کی جا سکتی ہے۔

آج کے مسلمان تعبیرِ نو کے تقاضوں کو بھی بخوبی سمجھ رہے ہیں اور ان تقاضوں کی تکمیل کے لیے دوبارہ اسلامی فقہ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ایسے میں فقہ اسلامی میں تعبیر و تشریح کے اصول بھی اپنی اہمیت جتا رہے ہیں اصول تعبیر و تشریح تیسری چوتھی صدی ہجری میں اس وقت عروج کو پہنچ چکے تھے جب دیگر اقوام اور دیگر تہذیبوں کے پاس اس قسم کا علم،اصول اور قانون موجود نہیں تھا۔اس قدیم ورثے کی علمی افادیت کو آج بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ہاں

اس کو علم و تجربہ کی روشنی میں مزید کارآمد بنانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اہلیتوں کو بڑھانے کی ضرورت موجود ہے۔

فقہ اور اصول فقہ دونوں کا مقصد شرعی احکام تک رسائی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ علم اصول ہمیں اس رسائی کے طریقے اور استنباط کے قاعدے بتلاتا ہے اور علم فقہ ان طریقوں اور قاعدوں کی روشنی میں جو اصول فقہ میں مقرر ہیں عملاً احکام مستنبط کرتا ہے اور اصول فقہ کے قاعدوں کو ان احکام پر منطبق کرتا ہے۔ہمیں قدیم اصولوں سے جدید فقہ مرتب کرنی ہے۔(٦٧)

آج کے دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں ہم قدیم اصول فقہ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں وہاں ہمیں مغربی اصول تعبیر وتشریح سے بھی راہنمائی لیتے ہوئے کسی تعصب کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔علم مومن کا گم شدہ مال ہے اور مومن ہی اس کا اصل حق دار ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی(٦٨) کے مطابق آج فقہ کے نئے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔اب جدید خطوط پر جو فقہ مرتب ہو گی وہ علاقائی مسائل کے جواب تک محدود نہ ہو گی بلکہ عالمگیر نوعیت کی ہو گی۔جس میں کل ملت اسلامیہ کی مجموعی صورت حال کو مدنظر رکھ کر فہم نو کی خطوط مرتب کی جائیں گی اور ایسا دنیائے اسلام میں باہمی مشاورت اور اشتراک عمل سے ہی ہو گا۔اس اجتماعی تجدید فقہ میں اب فقہی مسالکی حدود مٹ رہی ہیں۔ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ہیں:

> ”ایک نئی فقہ وجود میں آ رہی ہے جس کو نہ فقہ حنفی کہہ سکتے ہیں نہ مالکی، نہ حنبلی نہ جعفری بلکہ اس کو اسلامی فقہ ہی کہا جائے گا۔میں اس کے لیے Cosmopolitan Fiqh کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں۔“(٦٩)

Cosmopolitan Fiqh سے مراد عالمی نوعیت کی فقہ ہے جو تمام اسلامی ممالک میں نفاذ اسلام کی کوششوں

(٦٧) الوجیز فی أصول الفقه، زیدان، عبدالکریم، پروفیسر، ترجمہ: (جامع الاصول) احمد حسن، پروفیسر، ڈاکٹر، مطبع مجتبائی، ہسپتال روڈ لاہور، پاکستان، طبع اوّل، ١٩٨٦ء، ص/٣٥

(٦٨) ڈاکٹر محمود غازی: ممبر نیشنل سیکورٹی کونسل پاکستان، جج سپریم کورٹ پاکستان اور جون ٢٠٠٤ء سے پاکستان میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر رہ چکے ہیں فقہ اسلامی کی تاریخ، تدوین اور تجدید پر بہترین گرفت رکھنے والے، بین الاقوامی سطح پر معروف مذہبی عالم دین اور مقبول دانش ور ہیں۔

(٦٩) محاضرات فقہ، غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، طبع اوّل، جون ٢٠٠٥ء، ص/٥٣٤

میں معاون ہوگی اس سے نہ صرف ملکی قوانین کو اسلامی بنایا جا سکے گا بلکہ یہ مغرب کے حملوں کا اسلامی اور علمی جواب بھی ہوگی اور مسلمانوں کے اعتماد کو بحال کرنے میں مددگار ہوگی۔

فقہ اسلامی کے اکابر نے جب فقہ کے اولین دفاتر کی تدوین کی تو وہ مسلمانوں کے عروج اور اقبال مندی کا دور تھا۔آزادی،اقبال مندی اور عروج کی نفسیات ہی اور ہوتی ہیں۔وہ قائدین وفاتحین کی فقہ تھی۔اب زمانہ مفتوحین اور مقلدین کا ہے۔وہ اجتہادات آزادفکر لوگوں کے تھے۔اب زمانہ غلاموں کا ہے۔غلامی کی نفسیات بھی اور ہوتی ہیں۔غازیان کردار کی مسند آج غازیان گفتار کے ہاتھ میں ہے۔قرآن مجید کی جن نصوص سے ملت کے مردان آزاد عزت وشوکت کا پیغام پاتے تھے اب امت کے غلام انہی آیات سے پستی اورندامت کا پیغام کشید کررہے ہیں۔

فصل سوم

تعبیرنو اور اصولِ تعبیر وتشریح

اسلامی اصول تعبیر وتشریح کی تدوین

نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں فقہ یا اصول فقہ کی تدوین کی ضرورت نہیں تھی۔صاحب شریعت خود موجود تھے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام بذریعہ پیغمبر ﷺ وحی نازل ہوتی آپ ﷺ انہیں لوگوں تک پہنچا دیتے۔اس کے علاوہ آپ ﷺ نے خود بھی احکام دیئے۔آپ ﷺ کو قانون ساز ہونے کی حیثیت خود اللہ تعالیٰ نے دی۔

نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد عہد صحابہ کرامؓ میں بھی تعبیر وتشریح کے اصول وقواعد مرتب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔صحابہ کرامؓ خود عرب تھے۔ان کی اپنی زبان میں احکام شریعت نازل ہوئے وہ قرآن وسنت کی زندہ تعبیر وتفسیر یعنی نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے عینی شاہد تھے۔انہوں نے احکام الٰہی کی تعبیر وتفسیر خود صاحب شریعت سے حاصل کی تھی۔وہ شریعت اسلامی کے اسرار ومقاصد سے آگاہ تھے۔صحابہ کرامؓ نے قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیرات کیں، ان سے احکام اخذ کیے اور مسائل کا حل دریافت کیا۔اس کام میں انہوں نے اصول وقواعد کو ملحوظ خاطر رکھا،لیکن یہ اصول وقواعد باقاعدہ مرتب ومدون نہیں تھے۔چند مشہور فقہاء صحابہ کرامؓ یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق،حضرت عمر،حضرت علی(۷۰)،حضرت ابن عباس(۷۱)،حضرت ابن عمر(۷۲) اور حضرت ابن مسعود(۷۳) رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔

---

(۷۰)علی بن ابی طالبؓ:ابوالحسن وابوالتراب القریشی بچوں میں پہلے مسلمان تھے۔چوتھے خلیفہ المسلمین ہیں۔(الإکمال فصل فی الصحابۃ،حرف العین؛تذکرۃ الحفاظ:ج ۱/ص ۱۰)

(۷۱)عبداللہ بن عباسؓ: طبقہ اولیٰ،مفسر،ترجمان القرآن،خیرالامت اور امام المفسر ،فقیہ اور صحابی رسول ہیں۔ہجرت سے 3 سال قبل پیدا ہوئے۔28 ہجری کو71 سال کی عمر میں آپؓ کا وصال ہوا۔دیکھئے: اسد الغابۃ از ابن الاثیر الجزری: دارالفکر بیروت، ج ۳/ص ۱۶۳

(۷۲)ابن عمر: عبداللہ بن عمر بن خطاب جلیل القدر صحابی تھے۔بعثت نبوی کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔کم عمری میں اسلام لائے۔غزوہ خندق موتہ، یرموک میں شریک ہوئے۔۷۳ہجری میں حجاج کے ظلم کا شکار ہوئے (اسد الغابۃ: ج ۳/ص ۲۲۸)

(۷۳)عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار کبار بدری فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے۔سابقین اوّلین میں سے ہیں۔خادم رسول اور عالم بالسنہ ہیں۔23 ہجری میں وفات پائی۔(تذکرۃ الحفاظ از ذہبی: مجلس دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدرآباد، دکن، ط/رابعہ، ۱۳۸۸ھ،ص/۱۳؛ الإکمال فی أسماء الرجال علی ھامش المشکوٰۃ از ولی الدین محمد عبداللہ الخطیب التبریزی: وزارۃ التعلیم الفید رالیہ،اسلام آباد ط/ ۱۹۸۵م،ص/۶۵)

عہد صحابہؓ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا دور آیا۔انہوں نے قرآن وسنت کے احکام کو اپنے علاقوں میں ان صحابہ کرامؓ سے سیکھا جو وہاں موجود تھے یا جو سفر کر کے وہاں پہنچے تھے۔عہد صحابہؓ میں فتوحات ہوئی تھیں۔ایک فطری، عام فہم، قابل قبول اور قابل عمل دین ہونے کی وجہ سے اسلام کی دعوت دور دور تک پھیلی۔کئی اقوام نے اسلام کے دامن میں اپنے لیے گوشہ عافیت پایا۔اسلامی سلطنت کی حدود روم، فارس (ایران) مصر اور شام تک پھیلیں۔اہل مغرب کا غیر عربوں سے میل جول ہوا۔غیر عرب مسلمانوں کو عربی زبان وادب سے شناسائی ہوئی۔اس توسیع سے ایسے مسائل نے جنم لیا جن کے حل کے لیے قرآن وسنت سے احکام کا استنباط کیا گیا۔استنباطِ احکام کے لیے قواعد واصول ناگزیر تھے۔

تعبیر وتشریح کے لیے ضروری علوم

شرعی نصوص کی تفسیر وتشریح کرنے والے شخص کے لیے جن علوم کا جاننا ضروری ہے ان کا ذکر کرنے سے قبل ایک اہم بات یہ ہے کہ علماء نے مفسر کے لیے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ اس کا دین اسلام پر اعتقاد وایمان درست ہو اور واجبات دین کی ادائیگی میں اس میں کوئی کمزوری نہ پائی جاتی ہو۔جو شخص اپنے دین کے بارے میں بے خبر، غلط عقیدہ کا حامل اور بے عمل ہو، اس پر تو دنیا کے معاملات میں بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔لہٰذا دینی امور میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔شرعی نصوص کی تعبیر اور نصوص سے احکام اخذ کرنے میں اس کی بات صحیح نہیں مانی جا سکتی ہے۔ایسے شخص سے اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر میں ذاتی اغراض کو داخل کر دے جو مخلوق خدا کو گمراہی کی طرف لے جانے کا باعث بنے۔[۷۴]

مفسر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عربی زبان جانتا ہو۔اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت دونوں عربی زبان میں ہیں۔ ان کا الفاظ کی تعبیر وتفسیر کے لیے عربی لغت کے اصول وقواعد سے مکمل آگاہی ضروری ہے۔امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) کا قول ہے کہ ''اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا جائے جو عربی لغت کو نہ جانتا ہو، اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہو تو میں اس کو سزا دے کر دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بنا دوں گا۔''[۷۵]

---

(۷۴) الاتقان فی علوم القرآن از سیوطی، جلال الدین، ج۲/ص۴۴۳...... مقدمہ التفسیر از راغب اصفہانی، ص۸۹

(۷۵) الاتقان فی علوم القرآن از سیوطی، جلال الدین، ج۲/ص۴۴۰

عربی زبان کا جاننا ہی کافی نہیں بلکہ ذوق عربیت بھی پختہ ہونا چاہیے۔ذوق سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو عربی کی عبارت پڑھتے ہوئے وہی لطف وسرور حاصل ہو جو اسے اپنی زبان میں تحریر پڑھتے وقت حاصل ہوتا ہے۔امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ)(۷۶) نے فرمایا کہ جب تک مفسر میں کسی عربی عبارت کو عربی ہی کے انداز فہم وتعبیر کے مطابق سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہیں ہوسکتا اور اس بنا پر قرآنی مفہوم کے بہت سے گوشے اور پہلو ایسے ہوں گے جو اس کی عقل وفہم کی گرفت میں نہ آسکیں گے۔(۷۷)

امام غزالیؒ (م۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص صرف عربی سمجھنے پر اکتفا کر کے معانی کا استنباط کرنے لگے وہ بے شک بہت غلطیاں کرے گا۔(۷۸)

علماء کرام نے تعبیر وتشریح کے چشمے کی صفائی اور حفاظت کی خاطر مفسر کے لیے ضروری علوم مرتب کیے ہیں۔

ایک مفسر کے لیے ضروری علوم مندرجہ ذیل ہیں:(۷۹)

۱۔ **علم لغت:** یہ الفاظ کے معانی اور وضع وترکیب کے لحاظ سے الفاظ کی دلالت کا علم ہے۔

۲۔ **علم نحو:** یہ الفاظ کے معانی میں تبدیلی واختلاف اور اعراب کی حالتوں کے بارے میں بتاتا ہے۔

۳۔ **علم صرف:** اس علم سے الفاظ کی بناوٹ اور صیغوں کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔ **علم اشتقاق:** یہ علم بتاتا ہے کہ لفظ کن مادوں (Roots) سے نکلا ہے اور مادوں کے اختلاف سے معانی میں کیا فرق آتا ہے۔

۵۔ **علم معانی:** یہ علم ان اصول وقواعد کا نام ہے جس سے کلام کو حال کے تقاضوں کے مطابق بنایا جاتا ہے۔

۶۔ **علم بیان:** یہ وہ قواعد ہوتے ہیں جن سے کلام کو مختلف اسالیب میں ادا کرنے کا علم حاصل ہوتا ہے جسے سے بعض کی دلالت بعض پر واضح تر ہوتی ہے۔

---

(۷۶) امام شافعی: (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) محمد بن ادریس الشافعی، مجتہد، مفسر اور محدث تھے۔آپ نے مالک بن انس سے اکتساب علم کیا۔آپ شافعی مسلک کے بانی ہیں آپ کی مشہور کتب میں 'الرسالة' 'الأم' شامل ہیں۔(الأعلام از زرکلی: ج۶، ص۲۴۹)

(۷۷) فہم القرآن از سعید اکبر آبادی، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص۲۷

(۷۸) احیاء علوم الدین از غزالی: ج۱، ص۲۶۰

(۷۹) ماخوذ از الاتقان از سیوطی، ج۴، ص۲۱۳-۲۱۵ ، مقدمہ التفسیر از راغب اصفہانی ص۴۲۴......

۷۔ **علم بدیع:** اس علم سے تحسین وتزئین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

۸۔ **علم حدیث:** یہ علم قرآن وسنت کے الفاظ کی تعبیر وتفسیر میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے مروی اقوال کا علم ہے۔

۹۔ **علم قراءت:** اس علم سے قرآنی الفاظ کے حسن ادا کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۔ **علم اصول دین:** بعض نصوص بظاہر ان معانی پر دلالت کرتی ہیں جن کی حیثیت متشابہات کی ہے۔ان پر ایمان کا تعلق علم اصول دین سے ہے۔

۱۱۔ **علم اصول فقہ:** اس علم سے احکام کا استنباط کرنے کے دلائل قائم کیے جاتے ہیں۔

۱۲۔ **علم اسباب نزول:** اس علم سے کسی آیت یا حدیث کا وہ معنی معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ آیت یا حدیث وارد ہوئی۔

۱۳۔ **علم ناسخ ومنسوخ:** اس علم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کون سا حکم پہلے آیا اور کون سا حکم بعد میں آیا ہے۔

۱۴۔ **علم فقہ:** یہ علم دین کے احکام، حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان میں توازن قائم کرنے کے طریقے بتاتا ہے۔

۱۵۔ **وہبی علم:** اللہ تعالیٰ یہ علم اپنے ان بندوں کو عطا کرتا ہے جو عالم باعمل ہوں۔مندرجہ ذیل حدیث نبوی ﷺ میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

" من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم "(۸۰)

’’جو شخص معلوم شدہ بات پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو غیر معلوم باتوں کے علم کا وارث بنا دیتا ہے۔‘‘

یہ وہ ضروری علوم ہیں جن میں مہارت شرعی نصوص کی تعبیر وتفسیر کے لیے اہلیت اور جن میں عدم مہارت اس کام کے لیے عدم اہلیت تصور ہوتی ہے۔کوئی بھی کام کے کرنے کے لیے اس شخص میں مطلوبہ قابلیت واہلیت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

مزید برآں تعبیر وتشریح کرنے والے کے لیے یہ علم بھی ضروری ہے کہ اس کی تعبیر کو زمانے کے حالات میں کس طور پر لیا جائے گا۔یعنی اس کی تعبیر زمانے کے حالات سے واقفیت کے نتیجے میں ہو جو دور جدید کے تقاضوں کو سمجھے اور نفاذ میں معاون ہو۔محمود احمد غازی کے مطابق آج کے مسائل کی نوعیت اس طرح کی ہے کہ ایک فقہ کے دائرے

(۸۰) الاتقان از سیوطی، جلال الدین، ج ۲/ ص ۴۴۶/

میں رہتے ہوئے اس کا حل تلاش کرنا مشکل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف فقہوں میں بعض ایسے اجتہادات پائے جاتے ہیں جو آج کے دور میں مشکل معلوم ہوتے ہیں۔جب کہ دوسری فقہ میں اس کا حل موجود ہوتا ہے۔اب حالات کے بدلنے سے رائے بدلے گی اور بدلی ہوئی رائے پر از سر نو غور ہوگا۔اس ہی کی بدولت اسلامی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ممکن ہوگا۔(۸۱)

بغیر علم کے تعبیر کی ممانعت

قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر وتفسیر کرنا ایسی رائے سے جائز نہیں ہے جو بغیر علم اور بلا دلیل ہو یا جو ذاتی یا مخصوص طبقہ کی رائے ہو۔ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن وسنت میں سخت وعید (دھمکی) آئی ہے جو شرعی احکام کی تعبیر اپنی خواہشات کے تحت کرتے ہیں اور پھر یہ تعبیر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے عوام میں سند قبولیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ﴾(۸۲)

''پس ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

" من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار "(۸۳)

''جس نے قرآن کی تفسیر میں بغیر علم کے کچھ کہا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

مندرجہ بالا نصوص میں جس رائے کی مذمت کی گئی ہے وہ بغیر علم اور بلا دلیل ہو۔علم اور دلیل کے بغیر تو عام گفتگو کرنا بھی مناسب نہیں ہے کجا یہ کہ قرآن وسنت کی عبارتوں کے معانی، ان کی تعبیر اور ان سے احکام اخذ کرنے کے لیے بلا علم اور بلا دلیل لب کشائی کی جائے۔

تعبیر نصوص میں ایسی رائے کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے جس کی بنیاد علم اور دلیل ہو۔ایسی ہی رائے سے

---

(۸۱) محاضرات فقہ از غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، ص/۵۳۵

(۸۲) سورۃ البقرۃ:۲/۷۹

(۸۳) جامع ترمذی، ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۸ء: ج۲/ص/۳۱۵

متعلق نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابی نامور فقیہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے ان کے بچپن میں یہ دعا فرمائی تھی:

" اللّھمّ فقھه فی الدین وعلمه التاویل "(۸۴)

''اے اللہ! تو اس کو دین کی سمجھ اور تاویل (رائے) کا علم عطا فرما۔''

ایسی ہی رائے کے پیشِ نظر امام غزالیؒ(۸۵) (م۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ ہر عالم کے لیے جاننا ضروری ہے کہ وہ قرآن سے اپنے فہم اور عقل کے مطابق استنباط کرے۔(۸۶)

رائے کے استعمال میں احتیاط

نصوص شرعیہ کی تعبیر میں علم ودلیل کی اساس پر رائے کا استعمال جائز ہے لیکن کام کی اہمیت کے پیش نظر رائے کے استعمال میں انتہائی احتیاط چاہیے۔کلام الٰہی اور سنت نبوی کے الفاظ کی تعبیر اور انہیں معنی ومفہوم دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس میں صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین نے بہت احتیاط برتی ہے۔اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے وہ حتی الامکان یہ کوشش کرتے تھے کہ قرآن وسنت کے الفاظ کی تعبیر میں رائے سے اجتناب کریں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے:

''جب میں مرادِ الٰہی کے خلاف قرآن کے کسی حرف کی تفسیر کروں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی، میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔''(۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:

''میں نے مدینہ کے فقہاء کو دیکھا ہے یہ حضرات تفسیر قرآن کے سلسلے میں گفتگو کو بڑا بھاری اور ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے۔''(۸۸)

---

(۸۴)الطبقات الکبری از ابن سعد(م۲۳۰ھ)دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸ء،۱۹۸۵ء:ج۲،ص۳۶۵

(۸۵)غزالی:(450ھ۔505ھ)ابوحامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد غزالی الطّوسی النیسا پوری پانچویں صدی ہجری کے مجدد فقیہہ اور صوفی عالم تھے۔حجۃ الاسلام کے لقب سے معروف ہوئے۔شافعی مسلک سے تعلق تھا۔آپ کی مشہور کتب المستصفٰی، تھافة الفلاسفة، إحیاء علوم الدین ہیں۔(الأعلام از زرکلی:ج۷،ص۲۴۷)

(۸۶)احیاء علوم الدین از غزالی:ج۱،ص۴۵۹

(۸۷)التفسیر والمفسرون از ذہبی،محمد حسین،ج۱،ص۲۶۰

(۸۸)فہم القرآن از سعید اکبر آبادی،ص۲۳

ابو سعید عبدالملک بن قُریب اصمعیؒ (۲۱۳ھ)[۸۹] عربی لغت وادب کے امام تھے، لیکن جب کبھی ان سے قرآن وسنت کے کسی لفظ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے:

''عرب کہتے ہیں کہ اس کے معنی فلاں فلاں ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ قرآن وسنت میں اس سے کون سا معنی مراد ہے۔''[۹۰]

امام راغب اصفہانیؒ (م۵۰۶ھ) نے لکھا ہے:

''حق بات یہ ہے کہ جو شخص تفسیر کا ارادہ کرے تو وہ تقوی کو شعار بنائے اور اپنے نفس کی برائیوں اور خود پسندی سے اللہ کی پناہ مانگے کیونکہ خود پسندی ہر برائی کی جڑ ہے۔''[۹۱]

صحابہ کرامؓ کی تعبیرات کی پابندی

شرعی نصوص کی تعبیر میں صحابہ کرامؓ کی تعبیرات کی پابندی کی جائے گی۔کسی نص کی کوئی تعبیر ان کی تعبیرات کے خلاف نہیں ہوگی۔صحابہ کرامؓ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں جن کی وساطت سے قرآن وسنت کے احکام نبی اکرم ﷺ سے ہم تک پہنچے ہیں۔اس کڑی کو نظر انداز کرنا ایک گمراہ انداز فکر ہے۔صحابہ کرامؓ نے احکام نازل ہوتے دیکھے وحی الٰہی کے معانی ومطالب اور تعبیر وتشریح صاحب وحی ﷺ کی زبان مبارک سے براہِ راست سنے اور سنت کا خود مشاہدہ کیا۔قرآن وسنت کی زبان عربی ان کی مادری زبان تھی۔انہوں نے اس زبان کے اصول وقواعد دوسروں سے نہیں سیکھے تھے بلکہ وہ فطری اور طبعی طور پر عربی لغت کے خود عالم تھے۔انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھا تھا جن کا استاد کوئی انسان نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔خوفِ خدا اور مقاصد شریعت سے آگاہی میں صحابہؓ بلند مقام پر فائز تھے۔نصوص شرعیہ کی تعبیر وتفسیر کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ اس کا آغاز صحابہ کرامؓ سے کیا جائے۔وہ ہم سے زیادہ قرآن وسنت کے معانی ومفاہیم کو جانتے تھے۔

جلال الدین سیوطیؒ (م۹۱۱ھ)[۹۲] نے لکھا ہے کہ جس شخص نے بھی صحابہؓ اور تابعین کے مذاہب (فکر) اور تفسیر

---

(۸۹) عبدالملک بن قریب اَصمعی: عبدالملک بن قریب بن علی بن اَصمع الباھلی۔ابو سعید کنیت تھی۔121 ھجری میں پیدا ہوئے۔لغت، شعر اور تاریخ البلدان کے ائمہ میں شمار ہوتا ہے۔216ھ میں وفات پائی۔دیکھیے: (سیر أعلام النبلاء از الذھبی: ج۱۰/ص۱۷۵)

(۹۰) التفسیر والمفسرون از ذہبی، محمد حسین، ج۱/ص۲۶۰ (۹۱) مقدمة التفسیر از راغب اصفہانی، ص۹۳

(۹۲) جلال الدین سیوطی: (۱۴۴۵ھ-۱۵۰۵ھ) حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی تفسیر اور اصول تفسیر کے استاد ہیں۔شافعی مسلک سے آپ کا تعلق ہے آسمان علم کے درخشاں ستارے ہیں۔متعدد کتب کے مصنف ہیں۔(سیر أعلام النبلاء از الذھبی، ج۱۴/ص۲۶۷)

سے عدول (گریز) کر کے ان کے خلاف راستہ پر قدم رکھا وہ اس فعل میں غلطی پر ہے بلکہ بدعتی ہے کیونکہ صحابہ اور تابعین قرآن شریف کی تفسیر اور اس کے معانی کے ویسے ہی اعلیٰ درجہ کو جاننے والے تھے جیسے کہ وہ اس حق کو بخوبی جانتے تھے جس کے ساتھ خدائے پاک نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔[۹۳]

خلاصہ کلام یہ کہ تفسیر کے میدان میں کوئی متعصّبانہ پابندی نہیں کہ کسی کو تفسیر کی اجازت نہ دی جائے بلکہ یہ انتہائی مقدس اور پاکیزہ راہ ہے، لیکن اس شخص کے لیے جو اس کے تقاضے ملحوظ رکھ سکے اور خود کو اس میدان کا اہل ثابت کرے۔ اہلیت سے عاری لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

(۹۳) الاتقان از سیوطی: ج۲، ص۴۳۸

مبحث اول

مغربی اُصولِ تعبیر وتشریح

مغرب میں مسیحیت کے پیرو کاروں کی اکثریت ہے۔اس کے دو بڑے فرقوں کیتھولک(Catholic)اور پروٹسٹنٹ (Protestant) کے درمیان شدید اعتقادی وعملی اختلافات اور بالآخر دنیوی معاملات میں پروٹسٹنٹ تحریک کی کامیابی نے مغرب کے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح شعبہ قانون میں عبارتوں کی تعبیر کے نظریہ میں بھی بہت تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔

کیتھولک عقیدے کے مطابق بائبل کی عبارتوں اور الفاظ کی تعبیر کا حق واختیار صرف اور صرف پوپ اور اُسقف کو حاصل ہے جو زمین میں مسیح کے نائب اور خلیفہ ہیں۔دیگر تمام مسیحیوں کا فرض ہے کہ وہ کلیسا کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور پوپ اور اُسقف کی طرف سے کی گئی بائبل کی تعبیرات کو من وعن مان لیں۔

پروٹسٹنٹ فرقے نے کیتھولک نظریات،اس کے کلی اختیارات اور اسکے جبر ومطلق العنانیت کے خلاف بغاوت کر دی۔پروٹسٹنٹ مفکرین کا خیال تھا کہ اگر پاپائے روم اور اسقفوں کو بائبل کی تعبیر کا حق دے دیا جائے تا کہ وہ مسیحیوں کے لیے قوانین مرتب کریں اور ان کے گناہوں کے کفارے کے لیے طریق کار تجویز کریں تو یہ غلامی کی زنجیریں مضبوط کرنے کے مترادف ہوگا۔انہوں نے پاپائے روم کی اجارہ داری کو مکمل طور پر رد کر دیا۔پروٹسٹنٹ تحریک کیتھولک نظریات اور صدیوں قدیم روایات کے خلاف آزادی کی تحریک تھی جو بڑی تیزی سے مقبول ہوئی۔

مارٹن لوتھر(م ۱۵۴۶ء)[۹۴] نے یہ نعرہ بلند کیا کہ تمام مسیحی اپنے مذہبی رہنما خود ہیں۔فکری آزادی کی اس تحریک کے نتیجے میں اور بعض دوسرے عوام کے باعث مسیحیت کلیسا تک محدود ہو کر رہ گئی۔پروٹسٹنٹ تحریک نے ہر مسیحی کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق بائبل کی تعبیر کرنے اور اسے سمجھنے میں آزاد ہے۔اس تعبیر کی بنیاد صرف عقلی استدلال اور تجربہ کو قرار دیا گیا۔یہ کلیسا کی مطلق العنانیت کے خلاف شدید ردعمل کا نتیجہ تھا۔چرچ کو ریاستی امور سے بے دخل کر دیا گیا۔دین اور دنیا میں دوری ہوگئی۔مسیحیت کے احکام اور ریاستی قوانین دونوں الگ الگ راستوں پر چل پڑے۔یہ ہے وہ مختصر تاریخی پس منظر جس کے آگے آج کا مغربی معاشرہ کھڑا ہے۔[۹۵]

(۹۴)مارٹن لوتھر(Martin Luther ۱۴۸۳۔۱۵۴۶ء) جرمنی کے مذہبی عہدے دار تھے مغرب میں اُٹھنے والی تحریک حریت اور پروٹسٹنٹ فرقے کے بانی ہیں آپ نے عیسائیت کے روایتی، مذہبی اعتقادات کی بیخ کنی کی۔

(http://en.wikipedia.org/wiki/Martin_Luther)

(۹۵) فلسفہ مذہب از برٹ ایڈون اے،مترجم،بشیر احمد،مجلس ترقی ادب،کلب روڈ، لاہور،۱۹۶۳ء،ص ر۱۴۷، ۱۷۶، ۱۸۰، ۳۵۶

چند اہم مغربی اصول تعبیر و تشریح

مغربی قانون میں چند اہم اصول تعبیر و تفسیر مندرجہ ذیل ہیں:

① لغوی اصول (Literal Rule) الفاظ میں کمی بیشی کیے بغیر انہیں سمجھا جائے گا۔ پارلیمنٹ (مقنّنہ) کے ارادہ ونیت کا تعین استعمال کیے گئے الفاظ سے کیا جائے گا۔ ان الفاظ کے لغوی معانی پر زور دیا جائے گا۔ جو الفاظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں ان سے وہی ایک معنی مراد لیا جائے گا۔

② اصول سیاق (Context Rule) قانون کی عبارت کے اندرونی تضاد کو دور کرنے کے لیے اس کے مفہوم کو مجموعی طور پر سمجھا جائے گا۔ الفاظ کو ان کے سیاق میں لیا جائے گا۔

③ سنہری اصول: (Golden Rule) جب تک کوئی غیر معقول نتیجہ سامنے نہ آئے، عام الفاظ سے ان کے اصطلاحی معانی مراد لیے جائیں گے۔ اگر کسی لفظ کا لغوی طور پر کوئی معنی غیر معقول ہو تو پھر عدالت اس غیر معقول معنی کے مقابلے میں کسی معقول معنی کو ترجیح دے گی تا کہ الفاظ کے مفہوم میں پائی جانے والی غیر معقولیت (Absurdity) دور ہو۔ یہ جج کی صوابدید پر ہے کہ وہ اگر سمجھے کہ الفاظ کے عام معانی مراد لینے سے ایسا غیر معقول معنی سامنے آئے گا جسے مقنّنہ (مجلس قانون ساز) کا ارادہ مقصد نہیں کہا جا سکتا تو اس صورت میں جج الفاظ کو وہ معانی دے جو ان سے مراد لیے جا سکتے ہوں۔ اس اصول کے دائرہ کار کا اندازہ جی بی شا (G.B.Shaw) کے مندرجہ ذیل مقولے سے لگایا سا سکتا ہے:

"The golden rule is that there is no golden rule."

''سنہری اصول یہ ہے کہ کوئی سنہری اصول نہیں ہے۔''

④ ضرر کا اصول (Mischief Rule) جب کوئی ایکٹ (Act) قانون کے کسی ضرر کو دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر اس ایکٹ کا مفہوم اس طریقے سے سمجھا جائے جس سے ایکٹ کا مقصد و مراد حاصل ہوا ور ضرر دور ہو سکے۔ یہ اصول جج کو ایکٹ کی تشریح میں ذاتی رائے کے اظہار کا موقع دیتا ہے، خواہ وہ رائے عالمی حمایت نہ رکھتی ہو۔ جج اپنے علم کی بنیاد پر ایکٹ کی عبارت سے اس ضرر کو معلوم کرتا ہے جس کو دور کرنے کا ایکٹ ارادہ

رکھتا ہے۔(۹۶)

مغربی اصول تعبیر وتشریح کے چند اہم مفروضات

① بادشاہ یا کسی دوسرے مقتدر کو پابند نہیں کیا جائے گا۔

② کسی تعبیر کو ماضی سے مؤثر (Retrospective) نہیں کیا جائے گا۔

③ مروج حقوق (Rights) میں مداخلت نہیں ہوگی۔

④ عدالتی اختیارات ختم نہیں کیے جائیں گے۔

⑤ دستوری حقوق یا بین الاقوامی قانون سے انحراف نہیں ہوگا۔

لیکن صریح اور واضح الفاظ اور ضروری معانی مندرجہ بالا مفروضات کو ختم کر سکتے ہیں۔

اسلامی ومغربی اصولِ تعبیر وتشریح کا موازنہ

اسلامی اور مغربی اصول تعبیر وتشریح کے موازنہ سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

① اسلام کے بعض اصول تعبیر وتشریح اس طور سے قطعی ہیں کہ انہیں تبدیل نہیں کیا جا سکتا، جیسے قرآنی نص کی نبوی تعبیر یا اجماع صحابہؓ سے تعبیر قطعی ہے۔ مغربی اصول تعبیر میں تبدیلی تو کجا اس کی بقا کا انحصار بھی محض پارلیمنٹ پر ہے جو چاہے تو انہیں یک لخت ختم کر دے۔

② اسلامی قانون، قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر وتشریح کا حق نہ تو کسی خاص مذہبی رہنما کو سونپتا ہے اور نہ اس حق کو عام کرتا ہے کہ ہر مسلمان نصوص شرعیہ کی تعبیر اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق کرے، بلکہ وہ اس کام کے لیے متعلقہ شخص میں مطلوبہ قابلیت کا تقاضا کرتا ہے۔ مغربی قانون جج کو قانون کے الفاظ کی تعبیر کا حق دیتا ہے۔ کیتھولک عقیدے میں صرف پوپ اور اُسقف کو بائبل کی تعبیر کا حق ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے میں ہر مسیحی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق بائبل کے الفاظ کی تعبیر کرے۔

③ اسلامی قانون میں مفسر کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کا دین اسلام پر عقیدہ پختہ اور درست ہو اور وہ

(۹۶)"Introduction to Jurisprudence" by Lord Lloyd, p.863

واجبات دین پر عمل کرنے والا ہو۔مغربی قانون میں تعبیر وتفسیر پر مامور شخص کے لیے ایسی کوئی مذہبی یا اخلاقی شرط عائد نہیں کی گئی۔

④ اسلامی قانون میں کوئی تعبیر وتشریح قرآن وسنت کے قطعی احکام اور دین کے بنیادی عقائد وایمانیات کے خلاف نہیں ہوسکتی۔مغربی قانون میں بائبل کی تعلیمات اور مسیحی عقائد کو ایسا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔

⑤ اسلامی اصول تعبیر وتشریح کا مقصد قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر کرنا ہے۔مغربی اصول تعبیر پارلیمنٹ کے قانون کی تعبیر کے لیے ہیں،انہیں وحی کی تعبیر سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

⑥ اسلامی قانون میں تعبیر وتشریح کا معیار اور کسوٹی قرآن وسنت ہے جس کا منبع وحی الٰہی ہے۔مغربی قانون میں تعبیر وتشریح کا معیار ملکی دستور ہے جو انسانی کوشش کا نتیجہ ہے۔

⑦ اسلامی قانون میں نصوص کی تعبیر کرتے وقت ذاتی رائے کے استعمال میں حد درجہ احتیاط کا تصور پایا جاتا ہے۔شرعی نصوص کی تعبیر وتفسیر دینی اعتبار سے نہایت اہم اور نازک کام ہے۔مغربی قانون میں عبارتوں کی تعبیر وتفسیر کو مذہبی تقدیس واہمیت حاصل نہیں ہے۔

⑧ اسلامی قانون میں شارع کا مقصد قانون سازی بالکل واضح ہے۔مغربی قانون میں پارلیمنٹ کے قانون سازی کے ارادہ کو ایک مفروضہ اور افسانہ قرار دیا گیا ہے۔قانون کی عبارتوں کے معانی تو دریافت کیے جاسکتے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قانون کو بناتے وقت پارلیمنٹ کا کیا ارادہ تھا اور عبارت کے الفاظ سے انہوں نے کون سا معنی مراد لیا تھا۔

⑨ اسلامی قانون میں ریاست کا کوئی سیاسی مقتدر اعلی مثلاً بادشاہ، پارلیمنٹ،صدر یا وزیر اعظم یا جو کوئی بھی ہو،کسی قانون اور اس کی تعبیر سے ماورا نہیں ہے۔مغربی قانون میں بادشاہ اور دوسرے سیاسی مقتدر اعلی کو قانون کی کوئی تعبیر پابند نہیں بنا سکتی۔

⑩ اسلامی قانون میں شرعی نصوص کی تعبیر کا حق صرف مسلمان کو ہے۔اس میں یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ جو شخص مسلمان نہیں ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر وتفسیر میں اس کے اصول ومقاصد کو برقرار رکھے گا۔مغربی قانون میں اس اساسی شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

مبحث دوم

فقہ اسلامی کے تعبیر وتشریح اصول

ا۔شریعت کے عمومی مقاصد

مشہور مصری جج عبد القادر عودہ (شہید ۱۹۵۴ء) نے اپنی کتاب التشریع الجنائی الإسلامی (اسلام کا فوجداری قانون) میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی صحیح تعبیر اور انہیں صحیح معنی میں سمجھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ قرآن وسنت کی فلاں فلاں نص کو جاری کرنے میں شارع کا مقصد اصلی کیا ہے، کیونکہ ایک نص کے الفاظ متعدد وجوہ کی بنا پر متعدد معانی پر دلالت کر سکتے ہیں اور ان متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کو اس وقت تک ترجیح نہیں دی جا سکتی جب تک شارع کا مقصد معلوم نہ ہو۔دو یا دو سے زیادہ نصوص کے حکموں میں ظاہری تعارض دور کرنے کے لیے بھی شارع کے مقصد کا پتہ ہونا چاہیے۔[۹۷]

نصوص کی تعبیر کے کام میں اس امر سے آگاہی ضروری ہے کہ قانون سازی اور شرعی احکام دینے سے شارع کے مقاصد کیا ہیں۔

علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ (م ۷۹۰ھ) نے شریعت کے مندرجہ ذیل تین عمومی مقاصد بیان کیے ہیں۔[۹۸]

① ضروریات کا تحفظ

ضروریات سے مراد وہ امور ہیں جن پر حیات انسانی کا دارومدار ہو جن کے بغیر انسانی زندگی کا قیام ممکن نہ ہو اور زندگی بدنظمی اور فساد کا شکار ہو جائے۔یہ ضروریات پانچ ہیں: دین، جان، عقل، نسل اور مال۔شریعت نے ان پانچ ضروریات کے قیام اور تحفظ کے لیے قانون سازی کی ہے اور ان سے متعلق احکام کو لازمی قرار دیا ہے۔ان پانچ امور کا ہر صورت میں تحفظ کیا جائے گا۔

انسان کے دین کے تحفظ کے لیے عبادات فرض کی گئیں۔ارتداد کی سزا موت مقرر کی گئی، اس لیے کہ انسان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے لیے اسلام کے سوا کوئی اور دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔مزید یہ کہ ارتداد سے معاشرہ کی اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہے۔جان کے تحفظ کے لیے ناحق قتل کرنے کی ممانعت اور قتل کا

(۹۷)التشریع الجنائی الاسلامی از عودہ، عبد القادر (شہید ۱۹۵۴ء) دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ج ۱/ص ۲۰۲

(۹۸)الموافقات فی أصول الشریعة از شاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م ۷۹۰ھ)، المکتبة التجاریة الکبریٰ، مصر ۱۹۷۵ء۔و مطبعة المدنی، القاہرة، مصر: ج ۲/ص ۸

بدلہ قتل ہے۔عقل کے تحفظ کے لیے نشہ حرام اور شراب نوشی پر اسی کوڑے کی سزا مقرر کی گئی۔نسل کے تحفظ کے لیے زنا کو حرام قرار دیا گیا۔شادی شدہ زانیہ اور زانی کو رجم (سنگ باری) اور غیر شادی شدہ زانیہ اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔مال کے تحفظ کے لیے چوری کی ممانعت اور چور کے لیے قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا مقرر کی گئی۔شرعی نصوص کی ایسی تعبیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس سے مندرجہ بالا پانچ ضروریات کے قیام وتحفظ پر زد پڑے۔

② حاجیات کی فراہمی

حاجیات سے مراد وہ امور ہیں جو لوگوں کو ان کی زندگیوں میں سہولت فراہم کریں اور ان کی مشقتوں اور تکلیفوں کو کم کریں۔حاجیات کے بغیر انسانی زندگی بدنظمی وفساد کا شکار تو نہیں ہوتی لیکن دشوار ضرور ہو جاتی ہے۔حاجیات کی تکمیل سے انسان کی زندگی بہتر ہوتی ہے۔منفعتیں حاصل اور نقصان زائل ہوتے ہیں۔مثلاً مریض اور مسافر کو روزہ مؤخر کرنے کی سہولت، دوران سفر نماز قصر کرنے کی اجازت وغیرہ۔

③ تحسینیات کی فراہمی

تحسینیات سے مراد وہ آسائشیں ہیں جن سے حیات انسانی میں عمدہ اخلاق اور اچھی عادات پیدا ہوں۔تحسینیات زندگی کے لیے ضروری تو نہیں ہوتیں البتہ ان کے نہ ہونے سے سلیم الفطرت لوگوں کی نظر میں عبادات اور زندگی کے معاملات عمدہ اسلوب پر قائم نہیں رہتے۔مثلاً صدقہ وخیرات سے رضائے الٰہی کا حصول، جسم ولباس سے نجاست دور کرنا، کھانے پینے میں اس کے آداب کا لحاظ رکھنا اور اسراف نہ کرنا اور مال خرچ کرنے میں اسراف اور بخل سے کام نہ لینا وغیرہ۔

شریعت کے مندرجہ بالا عمومی مقاصد کی اہمیت کے اعتبار سے ترتیب یوں ہے کہ پہلا درجہ ضروریات کا ہے ان کے بعد حاجیات اور آخر میں تحسینیات کا درجہ ہے۔اسی ترتیب سے ان کے حکموں کے درجے ہیں۔اگر تحسینی حکم پر عمل کرنے سے حاجت والے حکم پر زد پڑتی ہو تو تحسینی حکم کو ترک کر دیا جائے گا۔اگر حاجیات میں سے کسی پر عمل کرنے کے باعث ضروریات میں سے کسی امر میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس حاجت والے حکم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ضروریات خمسہ (دین، جان، عقل، نسل، مال) میں سے کسی ضروری امر کو اس وقت ترک کر دیا جائے گا

جب اس کی نسبت زیادہ ضروری احکام موجود ہوں اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے ان زیادہ ضروری احکام میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

قرآن وسنت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے فقہاء کرام کو جو فہم عطا کرتے ہیں اور جو اجتہادات انہوں نے مرتب فرمائے اور جو فقہ انہوں نے مرتب کی ان میں سے ہر ہر حکم بالواسطہ یا بلا واسطہ ان مقاصد کو آگے بڑھاتا ہے۔ان میں سے کوئی چیز یا تو براہ راست خود ہی مقصد ہے یا وہ تحسینیات کے درجے میں ہے یا وہ حاجیات کے درجے میں اور یا پھر اس کا درجہ ضروریات کا ہے۔

حکمت تشریع

اس بات کا تعین کرنے میں کہ کیا چیز حاجیات میں سے ہے اور کیا تحسینیات میں شامل ہے بعض اوقات مشکل پیش آتی ہے ۔ یہ تعین کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔خاص طور پر ان امور کے بارے میں جو بظاہر مباحات کے دائرے میں آتے ہوں۔ یہ طے کرنا کہ چونکہ یہ تحسینیات کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کو اختیار کرنے میں کسی خاص غورو خوض کی ضرورت نہیں۔اس طرح کے امور میں ایک بنیادی اصول پیش نظر رہنا چاہیے جسے حکمت تشریع کا نام دیا جاتا ہے۔جب کسی چیز کے اچھا یا برا ہونے کا آپ کو فیصلہ کرنا ہو تو یہ اصول بہت راہنمائی کرتا ہے۔عبادات میں تو یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہے لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ جہاں شریعت کے واجبات اور عبادات سے واسطہ نہیں پڑتا۔ یہ معاملات زندگی ہیں جن میں انسان کو مشکل پیش آتی ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔کن چیزوں کو حاجیات قرار دے، کن کو ضروریات اور کن کو تحسینیات قرار دے۔اس کا ایک کلیہ یہ ہے کہ انسان سوچے کہ وہ ایسا کس نیت اور ارادے سے کر رہا ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔(۹۹) یعنی شریعت میں اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ بالآخر کس عمل کا انجام کیا ہوگا۔مثلاً ایک جائز عمل ہے۔شریعت نے آپ کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔دونوں صورتیں آپ کے لیے کھلی چھوڑ دی ہیں۔اس کو نہ مستحب قرار دیا ہے نہ مکروہ لیکن جب اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے لگیں تو یہ ضرور غور کریں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اس کے نتیجے میں جو ثمرات مرتب ہوں گے وہ مثبت ہوں

---

(۹۹) دیکھیے: محاضرات فقہ از محمود احمد غازی، ڈاکٹر، ص/۳۱۹

گے یا منفی۔اگراس فعل کے نتائج مثبت ہوں تو وہ کام کریں اور اگر منفی ہوں تو نہ کریں۔یہ حکمت تشریح ہے جوشریعت نے پیش نظر رکھی ہے۔

مقاصدالشریعہ کے مدارج

مقاصد الشریعہ میں سب سے پہلا درجہ ضروریات کا ہے جو اعلیٰ ترین مقاصد کی حیثیت رکھتا ہے دوسرا درجہ حاجیات اور تیسرا تحسینیات کا ہے۔دوسرا اور تیسرا درجہ مقاصد شریعت کی تحصیل اور کیفیت تکمیل سے متعلق وسائل اور ذرائع کی حیثیت رکھتا ہے۔مقاصد الشریعہ کی تکمیل اور رعایت کے لیے ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ان وسائل کو وہی اہمیت حاصل ہوتی ہے جو مقاصد کی ہے۔اس لیے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔للوسائل حکم المقاصد(۱۰۰)وسائل کے لیے وہی حکم ہے جو مقاصد کا ہے۔

شرعی احکام کو سمجھنے کے لیے شرعی مقاصد کے مدارج کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے شرعی مقاصد کے مدارج بیان کرتے ہوئے ابن قیمؒ(۱۰۱)حضرت عمرؓ کے طریقے سے استدلال کرتے ہوئے مثال پیش کرتے ہیں: کہ زنا حرام ہے تو غیر محرم عورت کوشہوت کی نگاہ سے دیکھنا حرام ہے۔اس طرح فحش لٹریچر کی اشاعت اور عورت کا زیب وزینت کر کے کھلے عام مردوں میں جانا بھی حرام ہے۔حضرت عمر کے دور میں جب عورتوں نے بن ٹھن کر اور نیم عریاں لباس پہن کر باہر نکلنا شروع کر دیا تو حضرت عمر نے ان کے اس طرح باہر نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔(۱۰۲)

مردوں کا عورتوں کو دیکھنا(مقاصد کے تابع ہوکر) اگر فساد کا باعث ہے تو ممنوع ہے لیکن عورت کو نکاح کی غرض سے دیکھنا منع نہیں ہے۔اس فعل کو اس دلیل کی بنا پر ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا کہ دیکھنا فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے، کیونکہ دیکھنے سے پیدا ہونے والی خرابی ایک راجح مصلحت سے دبی ہوئی ہے۔

(۱۰۰)سدالذرائع ،منیر احمد مغل،ڈاکٹر،جسٹس (ر) علم اصول فقہ ایک تعارف، ترتیب و تدوین ،ڈھلوں،عرفان خالد،ڈاکٹر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،اسلام آباد،طبع اوّل،۲۰۰۶ء، ج/۱،ص/۵۵۵

(۱۰۱) ابن قیم الجوزیۃ :(691ھ-751ھ):ابوعبدمحمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی، دمشق کے کبار علماء میں سے تھے۔ آپ امام ابن تیمیہ کے شاگرد خاص اور کثیر صاحب التصانیف تھے۔آپ کی مشہور کتب میں اعلام الموقعین ، شفاء العلیل اور مفتاح دار السعادۃ شامل ہیں(الأعلام از زرکلی: ج/۶،ص/۲۸۰)

(۱۰۲)الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃالشریعۃ از ابن قیم،(م۷۵۱ھ)المکتبۃ الاثریۃ،سانگلہ ہل،شیخوپورہ،۱۳۱۷ھ،ص/۲۵۹

تغیرات زندگی کے زیر اثر مقاصد کی نوعیت،تاثیر اور مدارج بدلتے رہتے ہیں۔لہٰذا ذرائع کا حکم لگاتے وقت اجتہاد ضروری ہے۔مثال کے طور پر مقاصد کے حصول کے لیے ممکن ہے کہ قدیم ذرائع کی حیثیت بالکل ختم ہو جائے یا کم ہو جائے اور چند نئے ذرائع پیدا ہو جائیں یا وہ ذرائع جو کسی زمانے میں غیر اہم ہوں دوسرے زمانے میں اہم ہو جائیں۔ان مواقع پر بدلے ہوئے حالات کے مطابق ذرائع کے تعین کے وقت حک واضافہ کرنا ہوگا یا ترجیحات میں تبدیلی کرنی ہوگی۔تمدنی مقتضات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا،ورنہ قانون پر جمود طاری ہو جاتا ہے اور اسلامی شریعت اپنی روح اور مزاج کے اعتبار سے جمود کو کسی صورت میں گوارا نہیں کر سکتی،شریعت کی مثال ایک ایسے جسم کی ہے جسے ہر آن تازہ خون درکار ہوتا ہے۔شریعت اسلامیہ مصالح زمانہ کو کبھی نظر انداز نہیں کرتی۔

شریعت کے مقاصد تو مخصوص ہیں اور ہر قسم کے تبدل اور تغیر سے پاک ہیں،لیکن ان مقاصد کے حصول میں استعمال ہونے والے ذرائع محدود و متعین نہیں بلکہ ان میں وسعت پائی جاتی ہے۔مقاصد شریعت کی تکمیل کے لیے حالات وظروف کے تحت ذرائع کو اختیار کیا جائے گا۔اپنی اسی خصوصیت کے باعث یہ شریعت ایک ابدی،سرمدی شریعت ہے۔

یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔روزانہ نئے مسائل ابھر کر سامنے آ رہے ہیں اور ان مسائل کے ساتھ ساتھ جدید ثقافتی مسائل نئے رخ سے جلوہ گر ہیں سوال یہ ہے کہ ان مسائل کو کیسے رد اور کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

محمد متین ہاشمی فرماتے ہیں:

''ان مسائل کے سلسلہ میں شرعی حکم کا استنباط قاعدہ ذرائع ہی کی رو سے ہوگا۔یعنی شریعت اسلامیہ کے معلوم اور متعین مقاصد سے اگر عصر حاضر کے تمدنی مظاہروں سے کوئی مظہر متصادم ہو یا کسی مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے جو ذرائع اختیار کیے جا رہے ہوں وہ ہمیں مقاصد شریعت سے دور لے جانے والے ہوں تو انہیں رد کر دیا جائے گا۔اگر جدید ذرائع مقاصد شریعت کی تکمیل یا تحسین میں مدد ومعاون ثابت ہو رہے ہوں تو انہیں بلا حیل وحجت قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس بات کا فیصلہ عام آدمیوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔بلکہ یہ فریضہ راسخون فی العلم کے سپرد کرنا چاہیے جو مقاصد شریعت کو مکمل طور پر سمجھتے ہوں پھر ان کے لیے جو جدید ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں ان کے حسن وقبح کا انہیں پورا پورا ادراک حاصل ہو۔''[۱۰۳]

(۱۰۳) ذرائع،ہاشمی،محمد متین،منہاج،(مصادر شریعت نمبر،حصہ سوم)،جنوری ۱۹۸۶،ج۴،ش۱،ص۵۲،۵۳

۲۔حقوق اللہ اور حقوق العباد

احکام شریعت میں سے بعض کا تعلق خالصتاً اللہ تعالیٰ سے ہے جو حقوق اللہ کہلاتے ہیں۔انہیں کوئی فرد یا ادارہ ساقط ،کالعدم ،کم ،زیادہ یا معاف نہیں کرسکتا۔مثلاً عبادات اور ان جرائم پر دی جانے والی سزائیں جن جرام سے معاشرے کو نقصان پہنچتا ہے جیسے زنا،قتل اور چوری وغیرہ۔حقوق اللہ کو اجتماعی حقوق بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان سے کسی فرد کی بجائے اجتماع اور معاشرے کے حقوق کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

شریعت اسلامی کے بعض احکام کا تعلق ان افعال سے ہے جو خالصتاً فرد کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔یہ حقوق العباد کہلاتے ہیں۔ان حقوق کے بارے میں متعلقہ فرد کو اختیار ہے کہ وہ انہیں وصول کرے یا چھوڑ دے،جیسے قرض وصول کرنا اور مجرم سے تاوان وصول کرنا وغیرہ۔

کچھ احکام ان افعال سے متعلق ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے بارے میں ہیں لیکن ان میں فرد کا حق غالب ہوتا ہے مثلاً قتل کی سزا قصاص یا دیت (خون بہا) اس میں فرد کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے حق کو استعمال کرے یا نہ کرے حالانکہ قتل کے جرم میں معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے لیکن اس میں فرد کا حق غالب ہے۔

بعض احکام ایسے ہیں جن سے معاشرہ اور فرد دونوں کا مفاد ہوتا ہے،لیکن فرد کے مقابلے میں معاشرے کا حق غالب ہوتا ہے مثلاً تہمت کی سزا۔جرم تہمت میں عزتوں پر حرف آتا ہے اور خاندانی نظام تباہ ہوتا ہے اس لیے قاذف کو سزا دینا مقذوف کے اپنے مفاد میں ہے۔جرم ثابت ہونے سے قبل مقذوف اسے معاف کرسکتا ہے،لیکن اگر جرم ثابت ہو جائے تو پھر مقذوف قاذف کو معاف نہیں کرسکتا،کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور معاشرے کا حق ہے۔

۳۔تعبیر وتشریح کی حدود

اسلامی قانون میں تعبیر وتشریح کا دائرہ قرآن وسنت کی صرف انہی نصوص تک محدود ہے جو ظنی الثبوت ہوں یعنی جن کے الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت ظنی ہو جو نصوص قطعی الثبوت ہوں،جن کے الفاظ صریح اور واضح ہوں اور جن الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت قطعی ہو،ان کی تعبیر وتفسیر اور ان میں اجتہاد کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے۔مثلاً قرآن کا ایک حکم ہے۔

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(١٠٤)

''زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''

اس قرآنی نص میں لفظ مائة (سو) صریح ہے اور اس کی اپنی معنی پر دلالت قطعی ہے۔اس آیت میں حکم ہے کہ زانیہ وزانی (غیر شادی شدہ) کو سو کوڑے مارے جائیں۔کوڑوں کی یہ تعداد کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ،اس میں اجتہاد نہیں ہوسکتا،اس میں اجتہاد صریح حکم کی خلاف ورزی ہے ہے۔ایسے اجتہاد کی کوئی شرعی وقانونی حیثیت نہیں ہے خواہ وہ اجتہاد ایک فرد کا ہو یا کسی قوم کی پارلیمنٹ کا ہو۔

دیگر چند اہم اصول تعبیر وتشریح

④ قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر وتشریح سب سے پہلے خود قرآن وسنت سے کی جاتی ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی تعبیرات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

⑤ کوئی تعبیر قرآن وسنت اور صحابہ کرامؓ کی تعبیرات کے مخالف نہیں کی جاتی۔

⑥ نصوص کی تعبیر مقاصد شریعت اور ان اصول وقواعد کے مطابق ہو جو دین اسلام میں ثابت شدہ ہیں اور جن پر ایمان واعتقاد لازمی ہے۔

⑦ تعبیر الفاظ کے سیاق وسباق کے تحت ہوتی ہے۔

⑧ جن الفاظ کو شارع نے قرآن وسنت کی نصوص میں شرعی معانی میں استعمال کیا ہے ان کے لغوی معانی مراد نہیں لیے جاتے۔

⑨ اگر کسی لفظ کا ظاہری مفہوم اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے شایان شان نہ ہو تو اس کی تاویل کی جاتی ہے۔

⑩ نصوص کی تعبیر،اہل لغت کے قواعد اور ان کے ذوق کے مطابق کی جاتی ہے۔

جو شخص قرآنی احکام کی تشریح وتعبیر کا کام کرے اسے چاہیے کہ تعبیر وتشریح پر کیے گئے کام کے تسلسل کو آگے بڑھائے نہ کہ پچھلی تمام بنیادیں گرا کر نئی تعمیر شروع کرنے کا دعویٰ کرے جب کہ تعمیر نو کی اہلیت بھی مفقود ہے اور ایسے کام کے لیے وہ اغیار کی مدد کے متلاشی ہوں ایسی تعبیر نو تعمیری نہیں تخریبی ہوگی۔

---

(١٠٤) سورة النور:٢٤/٢

باب دوم

تحریک نسواں کا تعارف اور ارتقاء

حقوق نسواں کا تعارف اور ارتقا

حقوق نسواں کی تحریکوں کی مجوزہ تعبیر نو پر بحث شروع کرنے سے قبل یہ مناسب ہوگا کہ حقوق نسواں کی ابتدا اور ارتقاء پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ حقوق نسواں، ترقی نسواں، آزادیٔ نسواں یا نظریہ مساوات مردوزن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک زیادہ واضح نمایاں شکل اختیار کرتا جارہا ہے۔ اس کا بیج درحقیقت مغربی تہذیب کی زمین میں ہی بویا گیا۔ لیکن اس وقت اس کے اثرات پوری دنیا پر چھارہے ہیں۔ کوئی ملک اس کی تحریکوں، نعروں، تقریروں، نمائندوں سے خالی نہیں۔ حقوق نسواں کا نعرہ اب اسلامی ذہن میں گہرا اضطراب پیدا کرچکا ہے۔ اور ہر معاشرہ عورت کی حیثیت کے تعین میں انتہائی دلچسپی رکھتا ہے۔ حقوق نسواں کے تحریکی سفر کی تاریخ میں بیسویں صدی کا ابھرتا ہوا خاصہ اسلام اور مسلمان معاشروں پر تنقید ہے جس کے بڑھتے ہوئے دباؤ میں مسلمانوں نے اسلام سے عورت کی وہی حیثیت ثابت کردی ہے جو مغرب عورت کو دینا چاہتا ہے۔ اسلام میں عورت کے مقام پر تفصیلی گفتگو کرنے سے قبل حقوق نسواں کی تاریخ کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

فصلِ اول

تحریک نسواں کا تعارف

مغرب میں جنم لینے والی تحریک آزادئ نسواں سے وابستہ خواتین کو کیا نام دیا جائے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو نسوانیت کے خلاف نبرد آزما ہیں۔حقوق آزادئ نسواں سے وابستہ لٹریچر میں تحریک آزادئ نسواں کی علمبردار خواتین نے خود کو عورت کے وجود میں سمو کر اکثر جگہ پر یہی تاثر دیا ہے کہ ان کی آواز پوری 'طبقہ اناث' کی آواز ہے یعنی آدھی انسانیت کی، وہ جب بھی اپنے حقوق کی بات کرتی ہیں تو کہتی ہیں:

''عورتوں کے حقوق'' (Women Rights)

عورت (Women) سے ان کی مراد آدھی انسانیت ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مغرب و مشرق کی آدھی انسانیت ان حقوق میں دلچسپی نہیں رکھتی جو حقوق تحریک آزادئ نسواں کی علمبردار عورتوں کو دلوانا چاہ رہی ہیں۔[۱]

عورت کے لئے انگریزی زبان میں Woman کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا لفظی مطلب ہے، 'آدھا مرد'۔ اسی طرح She بنیادی طور پر He کا ضمیمہ ہے۔ عورت کے لئے دوسرا لفظ Female ہے، یہ بھی دراصل Male کے نصف کا مطلب ظاہر کرتا ہے۔

Webster Dictionary میں 'Female' کے معنی 'Influenced by male' کے کیے گئے ہیں پھر اس لفظ کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

" They are betwixt a man and child: Some few have more of the man and many have more the child; but most are but in the middle state.

یعنی ''وہ مرد اور بچے کے درمیان ہیں، کچھ تو مردوں کی خصوصیات زیادہ رکھتی ہیں، بہت سی بچگانہ مزاج کی زیادہ حامل ہیں، جبکہ زیادہ تر درمیانی حالت والی ہیں۔''

اہل مغرب کی اس تشریح کے مطابق تو تمام عورتیں 'نصف مرد' کے درجہ پر فائز نہیں ہیں، کیونکہ ان میں بچگانہ صفات پائی جاتی ہیں۔ مغرب میں تحریک آزادئ نسواں کے حامیوں کو "Feminists" کہا جاتا ہے۔ Feminism کا مطلب ہے وہ نظریات جن کے تحت عورتوں کے لیے سیاسی معاشی اور معاشرتی طور پر مردوں کے برابر حقوق مانگے

(۱)"Some Questions on Feminism and its Relevance in South Asia by Kamla Bhasin & Nighat said khan, p.2

گئے ہیں۔(۲)

وہ دانشور جو عام عورتوں کے مخالف تو نہیں مگر تحریک نسواں کے علمبرداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، اپنے لئے "Womanist" کی اصطلاح پسند کرتے ہیں۔ گویا 'عورت پسندی'(Womanism) اورعورتوں میں رجولیت نازَن پسندی(Feminism) دومختلف مکاتبِ فکر ہیں۔Neil Lyndon کا نام تحریک نسواں کے معروف ناقدین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے "The failure of feminism" اور "No more sex war " جیسی فکر انگیز کتابیں لکھی ہیں۔ تحریک نسواں کے علمبردار انہیں Anti-Woman یعنی عورت مخالف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔اس الزام کی تردید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

" It is perfectly illogical to say that somebody who espouses anti-feminist beliefs must be anti-woman. It makes no more sense than it would to say that an anti-Nazi must be anti-German or an anti-Communist must be anti- Russian."(۳)

''یہ کہنا قطعی طور پر غیر منطقی ہے کہ جو شخص تحریک نسواں مخالف خیالات رکھتا ہے وہ لازمی طور پر 'عورت مخالف' بھی ہو۔ یہ بالکل اس طرح ہوگا اگر کہا جائے ایک شخص جو نازیوں کے خلاف ہے، وہ ضروری طور پر جرمن قوم کا بھی مخالف ہو یا جو کمیونسٹوں کا مخالف ہے وہ روسی قوم کے بھی خلاف ہے۔''

وہ آگے لکھتے ہیں:

"Feminists do make a bait of advancing the claim to represent all Woman."(۴)

''تحریک نسواں کے علمبرداروں نے ایک عادت سی بنالی ہے کہ وہ تمام عورتوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں۔''

مغرب میں آزادیٔ نسواں کی انتہا پسند علمبردار عورتوں کو Manly woman کہا جاتا ہے یعنی وہ عورتیں جو مردانہ اَوصاف کی حامل ہیں یا جو نسوانیت سے عاری ہیں۔ایلنر روزویلٹ Eleaner Rosewelt امریکی صدر

---

(۲) ***"Webster's third New International Dictinary of The English Language"*** (unabridged) by A Merriam webster, Editor in Chief Philip Babcock cove Ph.D. and the Merriam webster. G & C Marriam company publishers, springfield Massachusetts, U.S.A, 1971. p.837

(۳) ***"No More Sex War"*** by Neil Lyndon, published by sinclair stevenson, 3 south Terrace London, sw-7-2TB uk England, March, 1993, p.10

(۴) ایضاً ص۱۱

روز ویلٹ کی بیوی تھیں۔ انسانی حقوق اور حقوق نسواں کے حوالہ سے ان کی خدمات کی بے حد تعریف کی جاتی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جس کمیٹی نے 'انسانی حقوق کے آفاقی اعلامیہ' کا ڈرافٹ (مسودہ) تیار کیا تھا، وہ اس کی چیئر پرسن تھیں۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں انہوں نے تحریک نسواں کی علمبردار خواتین میں انتہا پسندی اور آوارگی کا مشاہدہ کیا تو برملا اعلان کیا کہ وہ Feminist نہیں بلکہ Womanist ہیں۔(۵)

امریکہ اور یورپ کے سنجیدہ فکر دانشور تحریکِ نسواں کو خاندانی اَقدار کی تباہی کا ذمہ دار قرار دے کر سخت تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ امریکہ میں ERA (مساوی حقوق کی ترمیم) کی تحریک کو امریکی خواتین نے مسترد کر دیا۔ ایلنر روز ویلٹ بھی عورتوں اور مردوں کی مطلق مساوات کی قائل نہ تھیں، وہ خاندانی اقدار پر یقین رکھتی تھی۔ اس نے ایک دفعہ کہا:

''عورتیں مردوں سے مختلف ہیں، ان کے جسمانی فرائض مختلف ہیں، ہماری نسل کا مستقبل اس بات سے وابستہ ہے کہ عورتیں کس قدر صحت مند بچے پیدا کرتی ہیں۔''(۶)

مسز روز ویلٹ امریکی Feminists کی مساوی حقوق کے بارے میں تکرار پر اس قدر مشتعل ہوئیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو Feminist کہلانے سے انکار کر دیا۔(۷)

Muslim Feminism

بیسویں صدی میں ابھرنے والی نئی اصطلاح ہے جس کے تحت مسلمان خواتین نے مساوات مرد وزن کا دعویٰ کرتے ہوئے اسلام کی تشریحات پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے اور حقوق نسواں کی تعبیر نو کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ تاہم وہ دائرہ اسلام سے باہر جانا پسند نہیں کرتیں وہ اپنے افکار کو اسلامی کہلوانے پر مصر ہیں۔

امین احسن اصلاحیؒ(۸) نے اپنی کتاب 'پاکستانی عورت دوراہے پر' میں ایسی عورتوں کے لئے مترجّلات کی ترکیب استعمال کی ہے یعنی وہ عورتیں جو رَجُل (یعنی مرد) بننے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔(۹) امین احسن اصلاحیؒ

(۵) "A lesser life" by S.A. Hewlet. p.91 (۶) ایضاً (۷) ایضاً

(۸) امین احسن اصلاحی: (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۷ء) معروف مذہبی راہنما ہیں ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں وفات پائی۔ آپ کی مشہور تفسیر ''تدبر قرآن'' ہے۔ اردو دان طبقے کے ہاں اسے قبولیت عامہ حاصل ہے (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج ۱/ص ۲۷۳)

(۹) پاکستانی عورت دوراہے پر، اصلاحی، امین احسن، مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۸ء، ص ۴

نے انہیں دوسرا نام متبرّجات دیا ہے۔(۱۰)

مولانا مودودیؒ(۱۱) نے ایسی عورتوں کے لئے 'مکشوفات' اور 'نا عورت' کی ترکیب استعمال کی ہے۔(۱۲)

موزوں اصطلاح کا تعین، ایک مخمصہ

جدید تحریک نسواں کی علمبردار 'عورتوں' کے لئے کسی مناسب اصطلاح یا لفظ کی تلاش کا مسئلہ صرف ان کے مخالفین کو ہی درپیش نہیں رہا ہے۔ Feminism کے نظریات کے پرچارک بھی اس اُلجھن کا شکار نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک انقلابی Feminist لکھتی ہیں:

"There is forever in feminist thought a problem of what term to apply when speaking of say "Women." The use of "Women" is problematic. I know that there will be times when I say "women" without meaning "all Women" (۱۳)

''تحریک نسواں کی حامی فکر میں ہمیشہ سے یہ مسئلہ رہا ہے کہ آخر جب 'عورت' کا ذکر کیا جائے تو کون سی اصطلاح استعمال کی جانی چاہئے۔ 'ویمن' کے لفظ کا استعمال تو مسئلہ پیدا کرتا ہے، میں جانتی ہوں کہ بعض اوقات میں 'ویمن' (عورت) کا لفظ استعمال کرتی ہوں جبکہ اس سے میری مراد 'تمام عورتیں' نہیں ہوتی۔''

گویا یہ جدید انقلابی 'عورتیں' بھی عام روایتی عورتوں کو اپنے سے مختلف گردانتی ہیں۔ تحریک نسواں کے لٹریچر میں 'مساوات' کے ساتھ ایک اصطلاح کثرت سے استعمال کی جاتی ہے، وہ ہے "Androgyny" Websters ڈکشنری میں اس کے معانی درج ذیل ہیں:

---

(۱۰) پاکستانی عورت دوراہے پر از امین احسن اصلاحی، تمہید، ص۴ (اصلاحی صاحب یہ معنی سورۃ احزاب کی آیت ۳۳ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ سے اخذ کر رہے ہیں)

(۱۱) مولانا مودودی: (۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء) برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم دین، جماعت اسلامی کے بانی اور مفسر قرآن ہیں۔ پاک و ہند کے اسلامی معاشروں پر آپ کے افکار کا اثر نمایاں ہے۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ج۱، ص۱۰۶)

(۱۲) دیکھیے: پردہ، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۳ کورٹ سٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور، طبع ۱۹۵۸ء، نومبر ۲۰۰۲ء، ص۱۶۴

(۱۳) "Feminist Theory Today, An Introduction to second wave Feminism" by Judith Evans, p.11

"Having the charateristics of both male and female in one individual."(۱۴)

یعنی ''ایک فرد میں مرد اور عورت دونوں کی خصوصیات کا جمع ہونا۔''

لیکن Judith Event نے جو اس لفظ کے معانی اپنی کتاب میں درج کئے ہیں، وہ خاصے چونکا دینے والے ہیں۔ وہ ہیں: ''نہ عورت، نہ مرد'' "Neither man, nor women."(۱۵)

اہل مغرب کی اصطلاح

۱۹۴۷ء میں فرڈیننڈ لنڈبرگ(۱۶) نے ''Modern Woman; the lost sex''(جدید عورت: صنف گم گشتہ) کے نام سے تحریکِ نازن کے خلاف بہت مؤثر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا عنوان رجولیت پسند عورتوں کے خلاف کس قدر نفرت کے جذبات لئے ہوئے ہے۔ ملاحظہ کیجئے: Chimaera: or Modern Woman یعنی ''چڑیل (ڈائن) یا جدید عورت''

Webster کی ڈکشنری کے مطابق Chimaera یونانی اصنام پرستی (Mythology) میں ایک چڑیل عورت کو کہتے ہیں جو منہ سے آگ کے شعلے نکالتی تھی، جس کا سر 'شیر' کا تھا، جسم 'بکری' کا اور دُم 'سانپ' کی تھی۔(۱۷)

تحریک نسواں کا ہدف Androgynous معاشرے کا قیام ہے جہاں مرد و زَن کے تمام امتیازات مٹا دیئے جائیں گے۔ Gender (صنف) پر مبنی اختلافات کو مٹانا تحریک نسواں کے اہم اَہداف میں شامل ہے۔

طبقہ حقوق نسواں سے وابستہ افراد کو انگریزی میں feminist کہا جاتا ہے۔ تحریک آزادی نسواں کو feminism کا نام دیا جاتا ہے۔ feministic point of view سے مراد کسی بھی مسئلہ کو نسوانی تناظر میں دیکھنے کا رویہ ہے۔

تحریک آزادی نسواں سے وابستہ افراد کا یہ کہنا ہے کہ:

---

(۱۵)"Feminist Theory today, An Introduction to second wave Feminism" by Judith Evens.p.29

(۱۶)Ferdinand Lundberg شکاگو میں ۱۹۰۵ میں پیدا ہوئے۔ بیسوی صدی کے معاشی راہنما، امریکی صحافی اور نسوانی نظریات کے ناقد ہیں اور انہیں غیر انسانی قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ نظریات نسوانیت کا قتل ہے۔ مختلف کتب کے مصنف ہیں۔

(http://en.wikipedia.org/wiki/Ferdinand_Lundberg)

(۱۷) "Webster's" Third new International Dictionary of the English Language, p.389

''مذہب کی تشریح کرتے ہوئے نسوانی نقطہ نگاہ سے غفلت برتی گئی ہے اور عورتوں کے احساسات کا رد کیا گیا ہے، مثلاً معاملہ تعدد ازواج کا ہو یا نکاح اور طلاق کے معاملات میں حقوق وفرائض کے تعین کا ہو عورتوں کے حقوق کی نفی پدرسرانہ رویے کی علامت ہے اور بحیثیت انسان عورت کے جذبات کی نفی پر مبنی ہے۔ مرد خود کو عورتوں سے برتر خیال کرتے ہیں۔''(۱۸)

طبقہ نسواں کے ان جارحانہ تقاضوں کو معروف میں نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جہاں عورتیں مردوں سے آزاد اپنی خودی اپنی نظر اپنا فکر اپنے لیے چاہتی ہیں اور مردوں سے مقابلے اور جارحیت کا اظہار کرتی ہیں۔

مروّجہ اسلامی فکر ان کی جدت پسندی اور روایتی اسلوب سے نفرت پر تنقید کرتے ہوئے انہیں عورت کہنے اور کہلوانے پر طعنہ زن ہے۔

''تحریک نسواں کی علمبردار خواتین کو 'عورت' کہنا لفظ عورت کی توہین، بلکہ معنوی تحریف ہے۔ عورت کا لغوی مطلب 'چھپی ہوئی' مجسم حیا ہے۔ مغربی عورت نے پردہ اور حجاب سے بہت پہلے 'آزادی' حاصل کرلی تھی، مذکورہ تحریک کے زیراثر شرم وحیا کا چولا بھی اُتار پھینکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی عورتوں کے لئے کون سا لفظ یا اصطلاح استعمال کی جائے۔ یہ ذمہ داری تو دراصل ان بیگمات کی تھی جو مغربی فکر کے زیراثر ہیں کہ وہ نسوانی تشخص سے جان چھڑانے کے بعد اپنے لئے نیا نام ایجاد کریں۔ ویسے تو ان کا ذہن مختلف جدت طرازیوں اور روایتی اصلاحات کی بجائے نت نئی جدت پسندیوں کی تحقیق کرتا رہتا ہے، لیکن لفظ 'عورت' کے متعلق ان کی تخلیقی صلاحیت ابھی تک سامنے نہیں آئی، وہ نجانے 'عورت' جیسی 'شرمناک' اور دقیانوسی اصطلاح اپنے لئے ابھی تک کیوں گوارا کئے ہوئے ہیں؟ وہ 'محجوب ومستور' ہونے کو اپنے لئے توہین آمیز تصور کرتی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ 'عورت' کے لفظ کو استحصالی معاشرے کی اصطلاح سمجھتے ہوئے کوئی نئی اصطلاح وضع کریں۔ لگتا ہے اس معاملے میں وہ خود خاصی روایت پسند واقع ہوئی ہیں۔''(۱۹)

یہ اُلجھن محض لفظ 'عورت' تک محدود نہیں ہے بلکہ عربی، فارسی، ترکی اور اُردو زبانوں میں طبقۂ 'اناث' کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ سب اپنے لغوی اور اصطلاحی مطالب کے اعتبار سے 'جدید عورتوں' کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ عربی زبان میں عورت کے لئے 'النساء' اور 'المرأۃ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے النساء کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ 'نسوانیت' کا مادہ بھی 'النساء' سے نکلا ہے۔

---

(۱۸) ''حیدر آباد کے مضافاتی علاقوں میں صنفی تربیت، بیرونی دنیا میں کھلنے والی کھڑکیاں'' از ڈاکٹر عنبریں احمد، مبارزہ نیوز لیٹر، ص/۵

(۱۹) تحریک نازن، ایک ناقدانہ جائزہ از محمد عطاء اللہ صدیقی، محدث، نومبر ۲۰۰۴ء، ج/۳۶، ش/۱۱، ص/۱۰۹

فارسی میں 'زن' اور 'خاتون' کے الفاظ ہیں۔ 'زن' عام عورتوں کے لئے، 'خاتون' خاص عورتوں کے لئے جبکہ ترکی کی زبان میں 'خانم' استعمال ہوتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے مخصوص ثقافتی پس منظر اور غایت درجہ شرم و حیا کی پاسداری کی بناء پر یہاں کے اَدب میں فارسی اور عربی کے معروف الفاظ کو نہیں اپنایا گیا، بلکہ ان کے لئے اُردو میں 'عورت' کے لفظ کو نئے معنی پہنا کر اسے عام طور پر استعمال کیا گیا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ عورات النساء کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ النساء کے ساتھ عورت بطور اسم صفت کے استعمال کی گئی ہے۔

ہندوستانی مسلم ادب میں عورت کی تمام خوبیوں میں شرم و حیا اور ستر کے اُمور کو اس کی صفات کے ذکر میں اوّلین درجہ عطا کیا گیا۔ 'عورت' کو مزید تقدس یا عفت کا لبادہ اوڑھانے کے لئے 'مستورات' کا لفظ بھی ایجاد کیا گیا جس کا مطلب تقریباً وہی ہے، یعنی وہ عورتیں جو عام نگاہوں سے چھپی رہتی ہیں، اس کا اُلٹ ہے 'مکشوفات' یعنی وہ عورتیں جو کھلی ہوئی یا بے پردہ ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی اصطلاح

علامہ اقبالؒ نے مغرب سے اُٹھنے والی 'تحریک نسواں' کے نتائج کا یورپ میں مشاہدہ کرنے کے بعد مسلمان خواتین کو آج سے ۸۰ سال پہلے خبردار کر دیا تھا۔ آپ نے جدید مغربی تعلیم میں مسلمان عورتوں کے لیے خطرے کی بو محسوس کی۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر برپا کی جانے والی تحریک کے اندر 'عورت دشمنی' کے عناصر کو ان کی حکیمانہ بصیرت نے بہت جلد بھانپ لیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا:

جس علم کی تاثیر سے زَن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اَربابِ نظر موت[۲۰]

اس شعر میں انہوں نے حد درجہ بلیغ طریقے سے مغربی نظامِ تعلیم کے ذریعے پھیلائے جانے والے علم کو عورتوں کے لئے اس قدر ضرر رساں محسوس کیا کہ اس کی تحصیل سے 'زن' اپنا تشخص کھو کر 'نازن' بن جاتی ہے۔ گویا عورت،

(۲۰) کلید کلیاتِ اقبال، ضربِ کلیم، محمد اقبال، علامہ، (مرتب)، احمد رضا، ادارہ اہلِ قلم، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۵ء، ص/۲۰۸

عورت ہی نہیں رہتی۔ ایسا علم جو عورت کو عورت ہی نہ رہنے دے وہ علم عورت کی نسوانیت کیلیے موت ہے۔

'نازن' سے صوتی مشابہت رکھنے والی ایک اور اصطلاح 'نازنین' ہے۔'نازنین' اُردو شاعری اور ادبی روایت میں مستعمل ایک ترکیب ہے جس سے مراد محبوب نازک اَدا ہے۔'نازنین' دراصل نازواَنداز، عشوہ طرازیاں اور نخرے اور پندارِحسن کے اظہار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عورت شرم وحیا اور عفت وعصمت کی متوازن صورتوں کے اظہار سے نکل کر جب ناز واَنداز کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتی ہے تو وہ 'نازنین' کا رُوپ اختیار کرلیتی ہے۔'نازنین' عورت پن کے اظہار میں افراط اور 'نازن' تفریط کا نام ہے۔

اسلام میں عفت وحیا کے پیمانوں کو سامنے رکھا جائے تو 'نازن' اور 'نازنین' دونوں ناپسندیدہ درجات ہیں۔ اسلام حسن واعتدال اور توازن فکر کو پسند کرتا ہے جبکہ ان دونوں اصطلاحات میں افراط وتفریط پایا جاتا ہے۔

معاصر فکر اسلامی کے نزدیک، علامہ اقبالؒ کی مجوزہ اصطلاح کو دادِ آفرین حاصل ہوئی ہے۔

''نازن اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جن کا گھریلو اُمور میں دل نہیں لگتا۔ ان کی دلچسپیوں کا محور ومرکز بازار کا ماحول ہی ہوتا ہے۔ گھر گرہستن ہونا ان کے نزدیک ایک ایسا عیب ہے جسے وہ کبھی بھی اپنے نام کے ساتھ لکھنا پسند نہیں کرتی۔ یہ درحقیقت معتدل مزاج تعلیم یافتہ خواتین کی تحریک نہیں وہ تو مغرب میں بھی خود کو Feminist کہلوانا پسند نہیں کرتیں یہ تحریک اعصابی و نفسیاتی، جنونی اور انتہا پسند عورتوں کی تحریک ہے جو مردوں کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار تھیں اور جنہیں مردوں کے ہر میدان میں برابری کا خبط اور مالیخولیا لاحق تھا۔ اس لئے اسے تحریک نسواں کی بجائے تحریک نازن کہنا چاہئے۔''(۲۱)

مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے عورت کی حیثیت سے نہیں دیا بلکہ مرد بنا کر دیا ہے۔ عورت درحقیقت اب بھی اس کی نگاہ میں ویسی ہی ہے جیسی اس کی حیثیت دورِ جاہلیت میں تھی۔ گھر کی ملکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں، ایک اصلی اور حقیقی عورت کے لئے اب بھی وہ مقام نہیں جو فطرتاً ہونا چاہیے۔ عزت اگر ہے تو اس مردِ مؤنث یا زَن مذکر کے لئے جو جسمانی حیثیت سے تو عورت ہو مگر دماغی اور ذہنی حیثیت سے مرد ہو اور تمدن ومعاشرت میں مرد ہی کے سے کام کرے۔ ظاہر ہے یہ انوثیت کی ذلت نہیں رجولیت کی عزت ہے پھر احساس پستی کی ذہنی الجھن کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ مغربی عورت مردانہ لباس فخر کے ساتھ پہنتی ہے حالانکہ کوئی مرد زنانہ لباس پہن کر برسرِعام آنے کا خیال بھی

(۲۱) تحریک نازن ایک ناقدانہ جائزہ از محمد عطاء اللہ صدیقی، محدث، نومبر ۲۰۰۴ء، ج/۳۶، ش/۱۱، ص/۱۱۱

نہیں کرتا۔اسلامی تمدن عورت کو عورت اور مرد کو مرد رکھ کر دونوں سے الگ الگ وہی کام لیتا ہے جس کے لئے فطرت نے اسے بنایا ہے۔

یہ بنی نوع انسان کی مرد پسندی ہے جو ماضی میں بھی تھی حال میں بھی ہے اور مستقبل میں بھی رہنے کا امکان ہے۔ مرد پسندی سے مراد درحقیقت قوت اور طاقت پسندی ہے جو ہر وقت کا کار آمد سکہ ہے کمزوری اور تحفظ کی ضرورت جو عورت سے وابستہ ہے ہر دور میں دھتکاری گئی ہے جیسا کہ دورِ نبویؐ سے قبل جاہلیت کے دور میں عورت کی انتہائی تذلیل تھی یا عورت پیدائش کے بعد دفن کردی جاتی تھی۔آج تذلیل کی صرف شکل وصورت بدلی ہے وگرنہ تذلیل اسی طرح ہے۔اسلام طاقت اور قوت کی تمنا کا مخالف نہیں،لیکن تمناؤں کو حدود آشنا رکھتا ہے اور ان تمناؤں کو راہ راست پر ڈالتا ہے جو حقیقی منفعت ہے۔

....

فصل دوم

حقوقِ نسواں کو تحریک دینے والے عوامل

مبحث اوّل

عالمی صنعتی انقلاب کے اثرات

جدید مشرق میں پائے جانے والے اکثر رجحانات کا سرچشمہ یورپ کی زرخیز زمین ہے۔یورپ کے صنعتی انقلاب نے اس بیج کی پرورش کے لیے نہ صرف زمین ہموار کی ہے بلکہ اس کی نمو وترقی کے لیے سازگار ماحول بھی دیا جس کے اسباب درج ذیل ہیں:

① جب اٹھارویں صدی میں یورپ میں صنعتی دور شروع ہوا، جدید یورپ کے معماروں نے پرانے نظام تہذیب و تمدن کے خلاف آواز بلند کی، جس کی بنیاد جاگیرداری اور پاپائیت تھی، تو اس کے نتیجے میں 1799ء میں انقلاب فرانس رونما ہوا، حریت فکر وعمل کا دور دورہ شروع ہوا، علوم وفنون نے ترقی کی، صنعتیں اور کارخانے قائم ہوئے۔ لوگ دیہاتوں سے اٹھ کر کاروبار کی خاطر شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے، دیہاتوں کی آبادی کم ہونے لگی، جب کہ شہروں پر آبادی کا بوجھ بڑھنے لگا۔ بڑے بڑے شہر آباد ہوئے، خوشحالی کا دور دورہ ہوا، معیارِ زندگی بلند ہونے لگا۔ مگر اس صنعتی انقلاب کے نتیجے میں بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً معیار زندگی بلند ہونے سے اشیاء کی قیمتیں بڑھیں۔ کم آمدنی والے لوگوں کو گزارہ کرنا مشکل ہو گیا۔ اس عالم میں عورت آگے بڑھی اور کسب معاش میں مرد کا ہاتھ بٹانے لگی۔ شہروں میں نہ کوئی اخلاقی اصول تھا نہ کوئی کسی کو اخلاقی بندش سے پابند کر سکتا تھا۔ چنانچہ صنفی انارکی کی ایسی وبا پھیلی کہ مرد اور عورت اپنے جنسی جذبات کی تسکین کا جو موقع پاتے اس سے بلا تکلف فائدہ اٹھاتے اور اخلاقی بندشیں منہ دیکھتی رہ گئیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں شادی کرنے اور گھر بسانے کی خواہش کمزور پڑ گئی۔[1]

② صنعتی ترقی کی بدولت معاش کا کمانا کسی مردانہ جسمانی طاقت کا تقاضا بھی نہیں کرتا تھا۔ خصوصاً شہروں میں تمدنی ارتقا کی بدولت معاش کرسی میز پر ملنے لگا تو اس نوعیت کے معاش میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ معاشی تگ و دو میں

(۱) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، ترجمہ، شبہات حول الاسلام از محمد قطب، سید، مترجم، کیانی محمد سلیم، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، طبع سوم، مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۰

ساتھ دینا پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہو گیا اور عورتیں کسب معاش میں مردوں کا ہاتھ بٹانے لگیں۔

Industerialization کی بدولت گھر کے کام جو پہلے زنانہ دائرہ کار شمار ہوتے تھے۔صنعتوں کی پھیلتی ہوئی حدود میں شامل ہوتے گئے اور نسوانی دائرہ کار کو محدود کرتے گئے۔عورتوں کے میدان ہنر کو مردوں کے شعبہ جاتی پیشوں نے لپیٹ لیا۔

جان نکلسن (۲) اس سوال (کہ عورتوں کی طرف سے ماضی میں مساوات کے مطالبے کیوں نہ اٹھے جواب حال اور مستقبل کا لازمی حل ہونے والا مسئلہ بن گئے ہیں) کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ماضی میں مرد اور عورت کے کام کا دائرہ کار جداگانہ تھے اور معاشرے میں کاموں کی تقسیم کے لیے صنفی اعتبار مقدم تھا۔صنعتی ترقی کی بدولت صنفی اعتبار کا لحاظ وقت کا تقاضا نہ رہا،لہٰذا معدوم ہو گیا۔اب عورتیں کمپنی ڈائریکٹر، پائلٹ،ڈاکٹر حتی کہ انجینئر کی ذمہ داریوں سے بھی آسانی سے سبکدوش ہونے کی اہلیت رکھتی ہیں۔اب یہ صرف مردانہ نوعیت کے کام نہ رہ گئے پہلے زنانہ نوعیت کے کاموں کا دائرہ بھی وسیع تھا۔اب زنانہ کام سے مراد صرف بچوں کو جنم دینا رہ گیا ہے۔عورت سے وابستہ اس کے علاوہ کاموں کو بھی Industry نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔یہ بہت بڑی معاشرتی تبدیلی تھی جس نے عورت کی زندگی کے تقاضوں کو بدل دیا۔ (۳)

③ صنعتی ترقی کے عروج پر پہنچنے کے نتائج میں سے ایک نفسانی خواہشات کی آزادانہ بلا روک ٹوک تکمیل کا تقاضا بھی ہے۔انسان نے دنیا کی مادی تسخیر کے بعد نفسانی خواہشات کا جو جشن منانا چاہا وہ اس صورت میں پورا ہو سکتا تھا جب عورت کو چادر اور چار دیواری اور مردانہ تحفظ اور عصمت کے قلعے سے باہر نکالا جائے تاکہ وہ ہر جگہ پر مردوں کے قلب ونظر کی تسکین کا باعث بن سکے تاکہ کائنات مرد میں عورت کے وجود کی رنگینیاں بکھیرنی ممکن ہو سکیں۔لہٰذا معاش کے میدان میں عورتوں کو گھسیٹنا مردوں کے صنفی میلان کی تسکین کے خواب کی تعبیر ٹھہری۔

(۲) Johan Nicholson (۱۱ دسمبر ۱۸۲۲ء۔۲۳ ستمبر ۱۸۵۷ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کے آفیسر اور برٹش فوج میں بریگیڈئر جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔سماجی نفسیات کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا افغان اور سکھوں کے خلاف برٹش فوج کی طرف سے مختلف جنگوں میں حصہ لیا۔ http://en.wikipedia.org/wiki/John_Nicholson_(East_India_Company_officer)

(۳) *"Men and Women"* How different are they John Nicholson Oxford University Press 1984 oxford New York, p.179

④ صنعتی ترقی کے عروج پر پہنچنے کے فوائد وثمرات سے جہاں پوری دنیا مستفید ہو رہی تھی۔ مردوں کے لیے معاش بھی آسان ہو چکا تھا جس کی بنا پر عورتوں پر مردوں کی بالا تری مسلّم تھی۔ اب عورتوں نے معاش میں شمولیت میں یہ کشش پائی کہ اس کی بدولت وہ مردانہ بالا تری سے آزاد ہو سکے گی اور آزاد فضاؤں میں سانس لے گی۔ اور مردوں کی برابری کا تقاضا کرنے کے قابل بھی ہو جائے گی اور روایتی مسلّمات کو غیر مسلّم کر دے گی۔ عورتوں کے لیے نئے میدان کھلے اور نئی تعلیم شروع ہوئی کہ وہ کون کون سی صنعت میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ مختلف صنعتوں میں عورتوں کے لیے مختلف کردار متعین ہونے لگے اور عورتوں کے کردار کی نئی تشریحات شروع ہونے لگیں اور پرانی تشریحات قابل تنقید بن گئیں۔

⑤ تمدنی ارتقاء کی صورت میں جہاں معاشرے میں نئے نئے ادارے کھلے، نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری بھی ماں کے کندھوں سے اتر کر اداروں پر آ پڑی۔ اب بچے ماں کی تربیت کے محتاج نہ رہے یہ کام Day Care Center اور پرائمری سکولوں میں ہونے لگا۔ عورتوں پر سے گھر کے فرائض کا بوجھ کم ہونے لگا۔ اب عورتوں کے لیے تعلیم کی اس لیے ضرورت نہ تھی کہ وہ نئی نسل کو تربیت دیں گی۔ بلکہ عورت کی تعلیم سے بھی معاشی ترقی کا فائدہ دیکھا جانے لگا اور عورت کو یہ احساس دلایا گیا کہ جاب (Job) نہ کرنے کی صورت میں وہ ناکارہ پرزہ اور معاشرے کا فالتو عنصر ہے۔ لہٰذا معاشی تگ و دو میں عورت کا شامل ہونا اس کا ٹیلنٹ اور اس کی فضیلت سمجھا گیا۔ جس کے نتیجے میں مساواتِ مرد وزن کی کشمکش نے جنم لیا۔

صنعتی ترقی نے انسانی رویوں میں مادیت کو فروغ دیا۔ عورت کی خوبصورتی نزاکت، نرمی، برداشت، ناز وادا اور لطافت سے بھی مادی فائدے حاصل کرنے کا رجحان بڑھا۔ عورت اشتہاروں کی زینت بنی اب اس کی ان صفات کا ہی مول لگنے لگا، کہیں وہ ویٹر بنی کہیں ہوسٹس بنی، کہیں نرس بنی، کہیں گورنس بنی اور کہیں داشتہ ہی بن گئی، کیونکہ صنعتی ترقی کی بدولت ان اوصاف کو بھی صنعت کا درجہ مل گیا۔ (۴)

(۴)"Overview Women and Technology Resources for our Future" by Melind L cain "Women and Technological Change in Developing Countries" Edited by Roslyn Dauber and Melinda L-Cain, p.4.

عورت کے معاشی تگ و دو میں حصہ لینے کی بدولت مادی ترقی کے وجود سے جنم لینے والے معاشرے میں جہاں اخلاقیات کا فقدان ہوا وہاں انسانیت پاتال میں اتر گئی۔ انسان کی کوئی قدر و وقعت اور توقیر انسان ہونے کے ناطے باقی نہ رہی (اسی لیے مغرب کو بنیادی انسانی حقوق کی تنظیمیں چلانی پڑیں) ہر چیز کی پیمائش کا پیمانہ بدل گیا۔ مزدور اور انسانی محنت انتہائی خاک رو ہوئی۔ انسانی آبادی کو بوجھ سمجھا جانے لگا۔ عورت جس کی عظمت اور فضیلت ہی اس کے ماں ہونے میں تھی کہ وہ انسان کو جنم دینے والی ہے۔ اس کی یہ عظمت اور فضیلت اس کی حقارت میں بدل گئی۔ آج وہ عورت قابل نہیں جو انسان کو جنم دیتی ہے بلکہ قابل عورت وہ ہے جو مردوں کے میدان میں مردانہ فرائض سرانجام دیتی ہے۔ لہٰذا آج کے دانشور مرگ امومت (ماں کی موت) کا رونا روتے ہیں اور عام کہتے نظر آتے ہیں کہ مادی ترقی نے بچے سے ماں اور شوہر سے بیوی چھین لی ہے۔ آج کی عورت ماں بننے میں وہ خوشی محسوس نہیں کرتی جو کسی ڈگری کے حصول میں محسوس کرتی ہے۔ جس سے اُس کا معاش محفوظ ہو سکے جس کی بدولت وہ مرد کی برابری کر سکے۔ عورت کا نسائی کردار مطعون ٹھرا اور عورت کا مردانہ کردار باعث فضیلت بنا۔

عورت بطور صنف کے مرد سے کمزور ہے اور مرد سے قوت اور تحفظ کی متمنّی ہے۔ جب معاشرے سے اخلاقیات اور انسانیت کا جنازہ نکل گیا اور اس کی جگہ ظلم اور بربریت نے لے لی تو صرف عورتوں کو ہی نہیں معاشرے کے ہر ہر کمزور طبقہ کو اس کی کمزوری کی سزا ملنے لگی، جب امن کی جگہ ظلم اور استحکام کی جگہ انتشار اور حق کی جگہ باطل، کمزور کی جگہ ظالم، جائز کی جگہ ناجائز لے لے تو معاشرے کے کمزور طبقے کو اپنے تحفظ کے لیے وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جو عام حالات میں کرنا ان کے لیے ناروا ہے۔ اس ظلم کی چکی میں پستے اس نسوانی طبقے نے اپنے تحفظ کی خاطر مادیت کی گود ہی میں پناہ ڈھونڈی جو ملک اور جغرافیائی حدود سے ماوراء ہو کر پوری دنیا کا دین و ایمان بن چکی تھی۔ یہ ہر ظلم پر مبنی معاشرے کا لازمہ ہوتا ہے یہ وہ نتائج ہیں جن سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔ آج اس صنعتی اور مادی معاشرے میں جہاں مادی دیو ہر طرف پھرتے ہیں جذبوں سے گندھی ممتا اپنا کوئی وجود نہیں پاتی۔ جس انسانیت نے انسانی قربانیوں سے جنم لیا تھا وہ انسانیت ایک طویل عرصہ تک قربانی دینے اور جان نثار کرنے کے لیے موجود رہی۔ آج کے جدید دور میں عورت خود مفاد پرستی، شہوت رانی اور نفس پرستی کی ناجائز اولاد ہے اس سے ماں بن کر قربانی اور ایثار کا مجسم

پیکر بننے کا تقاضا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ جو بیج کر گندم کاشت کرنے کی امید کرنا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عورتوں کے ساتھ جو بیتی جس پر انسانیت تادم قیامت شرمندہ رہے گی اس کے بعد عورتوں کا ان جذباتی کیفیات سے گزرنا یقینی امر تھا۔

اسی صورت حال سے استدلال کر کے مادہ پرست مارکسیت کے علمبردار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف اقتصادی حالات ہی سماجی حالات کو وجود میں لاتے ہیں اور انسانی روابط کو متعین کرتے ہیں۔ (۵)

حقوق نسواں کی فکر ان ہی خیالات سے متاثر ہے۔ انسانی زندگی میں معاشیات کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جاسکتا مگر یہ کہنا غلط ہے کہ انسانی خیالات جذبات اور طرز عمل کو صرف اقتصادی عوامل ہی متعین صورت بخشتے ہیں۔ یورپ میں معاشیات کی جو اہمیت نظر آتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یورپ کے پاس کوئی اعلیٰ نصب العین نہیں تھا۔ جو دنیائے اسلام کی طرح یورپ کو روحانی عظمتوں سے روشناس کرتا اور وہاں کے معاشی روابط کو خالص انسانی بنیادوں پر استوار کرنے میں مدد دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو نہ صرف یورپ کے تمام مادی مسائل حل ہو جاتے بلکہ عورتیں بھی اس لامحدود ہوس اور بے جا استحصال کا نشانہ نہ بنتی۔

(۵) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات از محمد قطب، ص/۱۷۰

مبحث دوم

معاشرتی رجحانات میں تبدیلی اور اسلام

یہ تمام وہ حالات تھے جس کے نتیجے میں تنظیم حقوق نسواں نے جنم لیا ہے۔ اسلام ایسی صورت میں بیماری کو اس کی جڑ سے پکڑتا ہے اور جڑ کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ بیماری کی علامات کو پکڑ کر ان کا علاج شروع کر دیا جائے۔ یہی وہ فکر کا اختلاف ہے جو اسلامی اور سیکولر فکر میں نمایاں ہے۔ اسلام فحاشی ختم کرتا ہے۔ زنا کو معاشرے کے لیے انتہائی مہلک قرار دیتا ہے۔ عورتوں کو مردوں سے محبت اور اطاعت کی تلقین کرتا ہے۔ عورتوں کو مردوں سے بدگمان نہیں کرتا، مرد کو عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تلقین کرتا ہے، ظالم کے ہاتھ روکتا ہے۔ اور مظلوم کو حق دلاتا ہے۔ اسلام کا نظام خاندان ہے۔ اسلام کا نظام نکاح و طلاق ہے۔ اسلام کا ایک باقاعدہ مکمل نظام عفت و عصمت ہے۔ کیونکہ اسلام میں نسل کا تحفظ مقاصد الشریعہ میں سے ایک ہے۔ (۶)

مذکورہ صورت حال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی شکل کا حل سیکولر فکر اس طرح کرتا ہے کہ عورت کو مساوات دلوائی جائے تاکہ وہ مرد کی بالا دستی کا توڑ کر سکے۔ عورت کو معاش کی ترقی کی راہ پر ڈالا جائے تاکہ صنف نازک کو صنف مضبوط بنایا جائے۔ بچے اگر پستے ہیں تو Day Care Center گھر کے بزرگ اگر پستے ہیں تو اولڈ ہومز، عورتیں اگر پستی ہیں تو حقوق نسواں کی تنظیمیں اور دارالامان، عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں مرد اگر پستے ہیں تو طوائفوں کے اڈے۔ طوائفوں کے اڈوں کو تحفظ دینے کے لیے قانون۔ اس کشمکش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات میں حقوق نسواں کی تنظیموں نے جنم لینا ہی تھا، لیکن مغرب میں پیدا ہونے والے اس مسئلے کا حل اسلام میں ہے نہ کہ سیکولر مغربی فکر میں۔

محمد قطب (۷) لکھتے ہیں:

---

(۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام کا نظام عفت و عصمت از مولانا محمد ظفیر الدین، المسعود پبلی کیشنز، ایوب مارکیٹ، ایف ۸/، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

(۷) محمد قطب: (1906ء - 1966ء) سید قطب الشہید ابراہیم حسین الشاذلی جدید مفکر اور مذہبی دانشور ہیں۔ آپ کا تعلق مصر سے ہے۔ آپ مفسر قرآن ہیں۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں فی ظلال القرآن جدید مسائل اور ذہنی شبہات کا تشفی بخش جواب دیتی ہے۔ آپ مصر میں جماعت اخوان المسلمون سے وابستہ رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج ۲/، ص ۱۳۴۵/)

''اسلام صنعتی انقلاب جیسے ہنگامی حالات سے عہدہ براء ہونے کے لئے تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ جس سے نہ صرف عورت کو معاشی تحفظ حاصل ہوتا ہے بلکہ جنگ کے بعد پیش آنے والے دور میں اس کی جنسی تسکین کی ایک جائز اور ستھری راہ بھی نکل آتی ہے۔ اگر اس طرح کا کوئی نظام زندگی یورپ کے پاس ہوتا تو وہاں عورت کا مسئلہ یوں الجھ کر نہ رہ جاتا۔''(۸)

غالب تہذیبیں کمزور اور پسماندہ تہذیبوں پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہیں اور یہ عمل یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہوتا ہے۔ یعنی پسماندہ تہذیبیں بھی ان اثرات کی قبولیت کی حریص ہوتی ہیں اور انہیں اپنے لیے راہ ترقی قرار دیتے ہیں، لہٰذا پسماندہ معاشروں کی عورتوں نے مغربی ہواؤں کے لیے اپنی کھڑکیوں کے در وا لیے اور عورت معاش کے حصول کے لیے گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

پھر جب عورت کسب معاش میں سرگرم عمل ہوئی تو اس نے محسوس کیا کہ اسے پہلی مرتبہ چند ایسے حقوق مل رہے ہیں جن سے وہ ہمیشہ سے محروم چلی آتی تھی۔ پہلے وہ ذلیل اور حقیر تھی اب اس کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ پہلے وہ تعلیم کے حق سے بالکل محروم تھی، اب اس کو اعلیٰ تعلیم وتربیت کے مواقع بھی ملنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی تمام خفیہ صلاحیتیں جو غلط تصورات کے تحت دب چکی تھی، اب ابھرنے لگیں۔ اب عورت نے جہاں گھر کو معاشی سہارا دیا وہاں دوسرے معاشرتی کاموں میں بھی حصہ لینے لگی۔ ہسپتالوں میں بیماروں کی تیمارداری کی۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں آگے بڑھی۔ اس طرح نئی نسل کو بہتر ماحول فراہم کیا اور ان کی اچھی طرح تربیت کی۔

---

(۸) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات از محمد قطب، ص ۱۷۵

مبحث سوم

عورتوں میں حقوق کا شعور اور مساوات کا مطالبہ

معاشی میدان میں مصروف رہنے کے بعد عورت نے محسوس کیا کہ اس کے لیے سارا دن دفتر اور کارخانے میں کام کرنا، پھر اس کے بعد گھر آ کر گھریلو امور بھی انجام دینا اور بچوں کو پرورش کرنا دوہری مشقت ہے، تو اس نے بعض ایسی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرنا شروع کی جو فطرت نے اس پر عائد کی ہیں۔ دورانِ حمل اسے اپنے کام سے تو چھٹی لینا پڑتی تھی، پھر وضع حمل کے بعد بچے کو دودھ پلانا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ بچے کو دورانِ ملازمت ساتھ بھی نہ لے کر جا سکتی تھی، اور گھر میں اس کے لیے ملازمہ رکھے تو معاشی طور پر بھی وہ اتنا بندوبست نہ کر پاتی تھی۔ نہ ہی بچے کی پرورش کی خاطر لمبے عرصے تک چھٹی لے سکتی تھی۔

اس مشکل کے حل کے لیے بچوں کی نگہداشت کے خصوصی مراکز (CHILD CARE CENTRES) بنا دیئے گئے جن کے اخراجات کی ذمہ داری ماں پر تھی، لیکن اس کے باوجود مشکل برقرار رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت مادرانہ فرائض انجام دینے سے گریز کی راہ اختیار کرنے لگی۔ (۹)

عورت نے کسب معاش کی راہ پر چلنے سے دو قسم کے نتائج محسوس کیے:

(۱) اب وہ مردوں کی بالادستی سے کچھ حد تک آزاد ہو رہی تھی۔

(۲) مرد اور عورت کی اجرتوں اور معاوضوں میں بڑا فرق تھا۔ وہی کام جب مرد کریں تو ان کی تنخواہ زیادہ اور عورتیں کریں تو ان کی اجرت کم، لہٰذا پہلے نمبر پر اس نے اجرت میں مساوات کا مطالبہ کیا مگر جب اسے یہ مساوات نہ مل سکی تو اس نے اپنے حقوق حاصل کرنے اور اپنے مطالبات منوانے کے لیے ووٹ دینے کا حق طلب کیا۔ مگر قانون مرد کے ہاتھ میں تھا وہ عورت کو مساوی اجرتیں دینے پر رضامند نہ تھا، بلکہ عورت نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایک جرم اگر مرد کرے تو اس کی سزا ہلکی مگر وہی جرم عورت سے سرزد ہو تو سزا زیادہ سنگین ...... مجبور ہو کر عورت نے پارلیمنٹ میں اپنے لیے نمائندگی کا حق مانگا اور مساوات مرد و زن کا نظریہ پیش کیا۔ مساوات کے لیے پہلی آواز

(۹) *"The Feminist challange"* the movement for women's Liberation in Britian and the united states by David Bouchier,Macmillan Press London. First Published in 1983, p.29

میری وولسٹن کرافٹ[۱۰] (MARY WOLLSTONE CRAFT) نے اپنی کتاب 'حقوق نسواں' (A VINDICATION OF THE RIGHTS OF WOMEN) کے ذریعے بلند کی۔ یہ مصنفہ برطانیہ کے ایک دہریہ فلسفی ناول نگار کی بیوی تھی۔ اس نے 1792ء میں اس کتاب میں یہ مطالبہ پیش کیا:

> ''تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدان میں عورتوں کی وہی حیثیت تسلیم کی جائے جو مردوں کو حاصل ہے۔ مزید دونوں صنفوں کے لیے اخلاقی معیار بھی یکساں ہونا چاہئے۔''[۱۱]

1792ء میں انگریز خاتون میری وولٹسن کرافٹ نے پہلی دفعہ بھر پور استدلال کے ساتھ عورتوں کے مساوی حقوق کی بات کی۔ میری وولٹسن کرافٹ کو تحریک آزادیٔ نسواں کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ میری کرافٹ کا بنیادی استدلال یہ تھا کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں، اسی لیے انہیں یکساں تعلیم، یکساں حقوق (ووٹ)، کام کرنے کے یکساں مواقع اور ان کے لیے یکساں اخلاقی ضابطے وضع کئے جائیں۔ میری وولسٹن کرافٹ کا کہنا تھا کہ عورتوں کو جسمانی اور ذہنی طاقت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنی جذباتیت، نرمی، نزاکت اور رقت قلبی، جو کہ کمزور صنف ہونے کی علامت ہیں، کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تاکہ وہ معاشرتی مساوات حاصل کر سکیں۔[۱۲]

میری وولسٹن کرافٹ نے مساوات مرد وزن پر اس قدر زور دیا کہ مساوات مرد وزن عورتوں کا ایک حسین رومانی خواب ٹھہرا۔ فرڈینینڈ لنڈبرگ کے خیال میں میری وولٹسن کرافٹ کی کتاب صرف ایک سحر انگیز رومانوی لفظ 'مساوات' کے گرد ہی گھومتی تھی۔[۱۳]

---

(۱۰) Mary WolstoneCraft (۱۷۵۹ء۔۱۷۹۷ء) اٹھارویں صدی کی برطانوی ادیب فلاسفر ہے اور فرانسیسی انقلاب کے دوران پہلی Feminist خاتون تھیں۔ لندن میں پیدا ہوئی۔ اس کی نفسیات مردوں کے خلاف بھری ہوئی تھی۔ دیکھیے:

(http://www.historyguide.org/intellect/wollstonecraft.html)

(۱۱) *"A Vindication of the rights of woman"* with structures on political and moral subject's by Mary wollstone craft, third edition , printed for J-Johnson-London on F-03, Johnson No.72, saintpaul church (firstly published on 1792.) Courier Dover publications mineola, New york 1996, p.1

(۱۲) www.Bartleby.com.1999

(۱۳) "Modern Women: The lost sex" by Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham, New York: Harper and brother's, 1947, pp.149-167

بعدازاں یہ نظریہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا، اس کے حق میں دلائل بھی فراہم ہونے لگے۔ جلد ہی یہ تحریک یورپ اور امریکہ میں پھلنے پھولنے لگی، پھر زندگی کے ہر شعبے میں مساوات حاصل کرنے کا نظریہ ترقی پسندانہ نعرے کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس کے خلاف کوئی بات کرنا پسماندگی کی علامت قرار دیا جانے لگا۔ ساتھ ساتھ فیملی پلاننگ کی تحریک بھی بڑھنے پھولنے لگی۔ فیملی پلاننگ کی تحریک کے تحریک آزادی نسواں کے ہمنوا ہونے کی بڑی وجہ یہ تصور تھا کہ عورت کی خوشی اور آزادی میں حائل جہاں مرد ہیں وہاں بچے عورت کو کمزور کرنے کا سب سے بڑا باعث ہیں عورت کی خودی اور ترقی کے قاتل ہیں اور مردانہ تسلّط کو عورت کی آزادی پر غالب کر کے عورت کی معاشی راہیں مسدود کرتے ہیں۔ (۱۴)

آزادئ نسواں کی تحریک کے صنعتی انقلاب سے وابستہ ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ تحریک اولاً ان ہی ملکوں میں شروع ہوئی جہاں سب سے پہلے صنعتی انقلاب آیا تھا۔ چنانچہ آزادئ نسواں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سب سے پہلے انگلینڈ میں شروع ہوئی۔ امریکہ میں صنعتی انقلاب دیر سے آیا۔ اس لئے امریکہ میں آزادئ نسواں کی تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوسکی۔ صنعتی انقلاب کی ترقی کے ساتھ آزادئ نسواں کی تحریک بھی ترقی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں پہنچ کر وہ اپنے آخری کمال تک پہنچ گئی۔

آزادئ نسواں کے علم برداروں کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ قدیم سماجوں میں عورت اور مرد کے درمیان جو فرق تھا اس کا سبب فطرت میں نہ تھا بلکہ سماج میں تھا۔ عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرتا ہے یا کرسکتا ہے۔ مگر قدیم سماجی حالات نے عورت کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا اگر یہ سماجی دباؤ ختم کردیا جائے تو عورت ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے گی، وہ کسی اعتبار سے مرد کے پیچھے نہیں رہے گی۔ انہوں نے اپنی تمام فکر کی بنیاد ہی اس نظریہ پر رکھی ہے جب کہ سنجیدہ علمی ذہن اس نظریہ کا ہی ناقد ہے، کیونکہ حیاتیاتی اور طبعی حقائق اس کے مخالف ہیں۔ (۱۵)

(۱۴)"The Feminist Challange" by David Bouchier, p.197

(۱۵)*"Womens Nature"* Rationalization of Inequelity, Edited by Marian (Boston University) and Ruth Hubbard (Horvard University) the Athene Series, pergamon press, New York, 1983, p.2

عورتیں اپنے مسائل کو سلجھانے کی کوشش انفرادی طور پر تو صدیوں سے کر رہی تھیں ،لیکن مغرب میں عورتوں کی اجتماعی جدوجہد کی باقاعدہ تحریک کی ابتدا انیسویں صدی میں ہوئی جب عورتوں کے مسائل سیاسی اور مذہبی حلقوں میں زیر بحث آنے لگے یہ وہ دور تھا جب ذاتی آزادی کا تصور مقبول عام ہو رہا تھا۔

۱۸۳۳ء میں اوبرلن(Oberlin)وہ پہلا کالج تھا جس نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لئے علم کے دروازے کھولے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا مقصد اچھی بیویاں اور مائیں پیدا کرنا تھا ان تعلیمی سرگرمیوں کا سہرا ایماولارڈ[۱۶](Emma Willard)،جس نے تعلیم نسواں کے لئے بہت کام کیا اور فرانسس رائٹ[۱۷] (Francis Wright)کے سرجاتا ہے جس نے تقریریں کر کے عوام کو مسئلے کی سنجیدگی کا احساس دلایا اس کا کہنا تھا:

''جب تک عورتوں کو معاشرے میں ان کا مقام نہیں ملے گا معاشرہ تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔''[۱۸]

۱۸۳۰ء کی دہائی میں عورتوں کی تحریک نے کھل کر سیاسی رنگ اپنایا جب انہوں نے غلامی کے خاتمے کی تحریک میں زور وشور سے حصہ لیا۔ سارا[۱۹] اور انجلینا[۲۰] گرمکی(Sarah & Angelina Grimke) جو ایک غلام خاندان کی بیٹیاں تھیں اس تحریک میں بہت فعال تھیں، انہوں نے معاشرے میں انتہائی ہلچل مچا دی،لیکن اس وقت کے

---

(۱۶) Emma Hart Willard (۱۷۸۷ء۔۱۸۷۰ء) امریکی خاتون ہیں عورتوں کے حقوق کے لیے بہت کام کیا اور خواتین کے لیے اعلیٰ تعلیم کے سکول کی بانی ہیں۔(http://www.emma.troy.ny.us/about/history/ehwillard/ehwillard.php)

(۱۷) فرانس رائٹ(1852-1795):آزاد خیال، قلمکار اور فلسفی مفکر ہے۔ انقلابی خیالات کی حامل یہ خاتون عورتوں کے حقوق کے لئے انتہائی متشدد اور تحریک آزادی نسواں کی سرگرم رکن ہے۔ معاشرہ اور اسلوب معاشرت پر آپ کے افکار نے امریکی معاشرے میں ہلچل مچا دی۔

http://www.librarycompany.org/women/portraits/wright.htm

(۱۸) مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں،مغربی عورت اور ادب زندگی از خالد سہیل، ناشر زاہد لودھی ،کرسٹولنک طباعت، رین پریس، لاہور، ۱۹۸۸ء،ص ر ۱۰۱

(۱۹) Sara Grimke (۲۶ نومبر ۱۷۹۲ء۔۲۳ دسمبر ۱۸۷۳ء) امریکی انقلابی ادیب ہیں۔ South Carolina میں بحیثیت اٹارنی اور جج کے فرائض انجام دیتی رہی ہیں اور متشدد Feminist ہیں۔(http://www.spartacus.schoolnet.co.uk/ USASgrimkeS.htm)

(۲۰) Angelina Grimke (۲۰ فروری ۱۸۰۵ء۔۲۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء) امریکی سیاست دان اور قانون دان ہیں۔ اور امریکی سماجی انقلاب کی پیش رو ہیں۔ آپ کی پیدائش South Carolina کی ہے۔ Angelina اور Sara دونوں Grimke sisters کے نام سے مشہور ہیں۔(http://www.spartacus.schoolnet.co.uk/USASgrimke.htm)

چرچ کے پادریوں کی ایک جماعت نے اعلان کیا:

''عورت کا مقام اور ذمہ داریاں بائبل پہلے ہی مقرر کر چکی ہے۔ عورت کی طاقت اس کی کمزوری اور مجبوری میں ہے جو خدا نے اسے عنایت کی ہے۔ جب وہ مردوں کی طرح کام کرتی ہے اور معاشرے کی فلاح چاہتی ہے تو وہ اپنی حقیقت بھول رہی ہوتی ہے۔''(۲۱)

گرمکی بہنوں نے جب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورتوں اور غلاموں کے مسائل میں یکسانیت ہے تو ان پر بہت سے حملے ہوئے انہوں نے اس مفروضہ کو چیلنج کیا کہ 'مرد عورتوں سے فطری طور پر بہتر ہیں' انہوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اور شادی دونوں نے عورت کا نقصان کیا ہے اور ملازمتوں میں بھی عورتوں کا استحصال ہوتا رہا ہے۔

۱۸۴۰ء میں لندن میں غلامی کے خلاف تحریک میں امریکہ کی نمائندہ عورتوں نے شمولیت کی اس سے عورتوں کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کے بعد الزبتھ سٹینٹن(۲۲) (Elizabeth Stanton)، سوزن انتھنی(۲۳) (Sosan Anthony) اور مٹلڈا گیج(۲۴) (Matilda Gage) نے مل کر 'عورتوں کی مظلومیت کی تاریخ' نامی کتاب مرتب کی جس سے عورتوں کی غلامی اور امریکہ کے نیگروز کی غلامی میں گہرا تعلق نظر آنے لگا۔(۲۵)

جولائی ۱۸۴۸ء میں نیویارک میں 'عورتوں کے حقوق کا کنونشن' (Womans Rights Conventions) کی

---

(۲۱) مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں، مغربی عورت اور ادب زندگی، ص ۱۰۱

(۲۲) Alizbeth cody stanton (۱۲ نومبر ۱۸۱۵ء۔ ۲۶/ اکتوبر ۱۹۰۲ء) امریکی، سماجی، انقلابی خاتون اور ایک متشدد Feminist ہیں۔ کثرت سے عیسائیت کے مذہبی موضوعات پر لکھتی رہتی ہیں۔ تحریک نسواں کے مبتدیین میں سے ہیں۔

(http://www.iep.utm.edu/stanton/)

(۲۳) Susan B. Anthony (۱۵ فروری ۱۸۲۰ء۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء) American Civil right leader ہیں۔ ۱۹ ویں صدی میں عورتوں کے حقوق کی جدوجہد کے لیے بہت کام کیا۔

(http://womenshistory.about.com/od/anthonysusanb/a/anthony.htm)

(۲۴) Matilda Joslyn Gage (۲۴ مارچ ۱۸۲۶ء۔ ۱۸ مارچ ۱۸۹۸ء) ادیب، معاشرتی ریفارمر، آزاد خیال، انقلابی ذہن کی حامل امریکی خاتون ہیں۔ عورتوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف نفرت کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔

(http://www.nyhistory.com/gagepage/gagebio.htm)

(۲۵) "The Feminist challange" by David Bochier, p.12-13

دعوت کا اعلان ہوا، جس میں تین سو مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ اس کنونشن کو عورتوں کی جدوجہد میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ یہ کنونشن ۱۸۴۸ء میں نیویارک کے قریب سنیکا فالز (Seneca Falls) کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں شریک خواتین نے ایک مشہور ومعروف 'جذبات کا منشور' (Declaration of Sentiments) پیش کیا۔ یہی منشور بعد میں خواتین کی تمام سماجی سرگرمیوں کی بنیاد بنا۔ اس منشور کا خلاصہ یہ تھا:

''تاریخ انسانی گواہ ہے کہ عورت ہمیشہ مرد کے ظلم وستم کا شکار رہی ہے۔ آج بھی عورت کی یہ حالت ہے کہ موجودہ جمہوری نظامِ سیاست میں اس کی کوئی آواز اور شنوائی نہیں...... اسے عوامی نمائندگی کا حق حاصل نہیں...... مرد اپنی مرضی سے حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے عورتوں کے خلاف قانون سازی کرتا ہے اور عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ مردوں کے بنائے ہوئے یک طرفہ اور من مانے قوانین کی پابندی کریں۔ ملک کے جاہل اور گنوار مردوں کو وہ حقوق حاصل ہیں جن سے تعلیم یافتہ عورتیں بھی بالکل محروم ہیں۔ معاشرے میں شادی شدہ عورت زندہ درگور ہے۔ اسے ملکیت کا حق حاصل نہیں یہاں تک کہ جو کچھ وہ خود کماتی ہے، وہ اس کا اپنا نہیں ہے۔ اس کی کمائی کا مالک بھی اس کا شوہر ہوتا ہے۔ بوقت شادی عورت سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ہر جائز ناجائز حکم کو مانے گی...... تمام اچھی ملازمتوں پر مردوں کی اجارہ داری ہے، عورتوں کو مردوں سے کم تنخواہ دی جاتی ہے...... آج ایک عورت بھی مذہبی معلم، ڈاکٹر یا قانون دان نہیں ہے۔ اسے کالجوں میں داخلہ نہیں مل سکتا۔ وہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں جا کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔ مذہب کا میدان ہو یا سیاست کا، عورت صرف ماتحت اور محکوم ہے...... اس ملک میں ہم محسوس کرتی ہیں کہ ہمیں مذہبی ومعاشرتی طور پر ذلیل وخوار کیا گیا ہے۔ ہم مظلوم ہیں ہمارا استحصال ہوا ہے۔ ہمیں ہمارے جائز حقوق نہیں دیئے گئے، اب ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں امریکہ کے مرد شہریوں کے برابر حیثیت دی جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے مقصد کے حصول میں بہت سی رکاوٹوں کا سامان کرنا پڑے گا مگر ہم ہمت نہیں ہاریں گی...... جائز ذرائع اور پرامن طریقے سے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گی۔ ہم جگہ جگہ کنونشن منعقد کر کے رائے عامہ کو ہموار کریں گی تاکہ حکومت سے اپنے جائز مطالبات منوا سکیں۔'' (۲۶)

پھر اسی 'منشور جذبات' میں طے کردہ ایجنڈے کے مطابق انہوں نے اپنی جدوجہد قراردوں اور مظاہروں کی شکل میں جاری رکھی جس کے نتیجے میں اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ جب ۱۸۶۱ء میں سول وار شروع ہوئی تو عورتوں کی نمائندہ انتھنی اور سٹینٹن اس بات پر اصرار بڑھانے لگیں کہ آزادی کی جنگ تب تک کامل نہیں جب تک اس میں عورتوں کی آزادی کی جدوجہد شامل نہ ہو۔ جنگ کے بعد جب (Amendment Abolishing Slavery) کا

(۲۶)"The Feminist challange" by David Bochier, p.12-13

بل پاس ہوا جس کے تحت غلامی غیر قانونی ثابت ہوئی تو عورتوں نے شادی کو عورتوں کے لئے غلامی قرار دے کر اپنے حقوق کے لئے احتجاج کیا۔ اگرچہ انہیں یہ کہہ کر خاموش کروانے کی کوشش کی گئی کہ مسئلہ غلاموں کا زیر بحث ہے عورتوں کا نہیں لیکن عورتیں اپنے استدلال پر مصر رہیں۔

۱۸۶۹ء میں عورتوں کی تحریک میں نظرِ ثانی اور عملی بنیادوں پر خلیجیں پڑنے لگیں۔ مئی ۱۸۶۹ء سوزن انتھنی اور الزبتھ سٹینٹن نے National Woman Suffrage Association قائم کی اور چھ ماہ بعد لوسی سٹون اور اس کی رفقاء نے American Woman Suffrage Association تشکیل دی۔ انتھنی اور سٹینٹن نے ایک رسالہ انقلاب Revolution بھی جاری کیا جس میں عورتوں کے مسائل اور حقوق پر زور دار بحث ہوئی۔ ان کارروائیوں کا ایک بنیادی مقصد عورتوں کے لئے ووٹ حاصل کرنا تھا۔

۱۸۷۵ء امریکہ میں سپریم کورٹ نے اعلان کیا کہ ووٹ کا حق صرف مردوں کو ہوگا عورتیں اس حق سے محروم رہیں گی۔ (۲۷)

۱۸۹۰ء میں دونوں جماعتیں یکجا ہوگئیں اور National American Suffrage Association معرض وجود میں آئی۔ الزبتھ سٹینٹن اس کی پہلی صدر اور دو سال بعد سوزن انتھنی اس کی دوسری صدر منتخب ہوئیں۔

سٹینٹن نے اپنی تمام تر توجہ عورتوں کے مسائل، مذہب اور گرجے کے باہمی تعلق پر مرکوز کردی اس نے ۲۳ عورتوں کے ساتھ مل کر عورت کی انجیل (The Woman's Bible) مرتب کی جس میں عورتوں کے نکتہ نگاہ کو پیش کیا گیا تھا اس نے اپنی کارروائیوں کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا:

"وقت آ گیا ہے کہ ہم بائبل کو بھی اور کتابوں کی طرح پڑھیں اس کی اچھی چیزوں کو قبول کریں اور بری چیزوں کو نکال دیں۔" (۲۸)

اس بائبل نے عورتوں کی تحریک میں کھلبلی مچادی اور حقوق نسواں کی تعبیر نو نے جنم لیا۔

انتھنی نے ایک طویل عرصے تک تحریک نسواں کی قیادت کی اس کے بعد فیمینسٹ تحریک کی دوسری نسل کی عورتوں نے سربراہی قبول کی۔

---

(۲۷) "The Feminist challange" by David Bochier, p.12

(۲۸) مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں، مغربی عورت اور ادب زندگی از خالد سہیل، ص ۱۰۳

۱۹۱۳ء میں یونین Congressional Union تشکیل دی گئی یہ بہت ہی زور دار جماعت تھی، جس کی اراکین نے زبردست مظاہرے کئے، بھوک ہڑتالیں کیں اور جیلوں میں گئیں۔ اس پوری جدوجہد میں عورتوں کا ووٹ حاصل کرنے کا مسئلہ ہمیشہ سرفہرست رہا۔ وہ تجویز جو ۱۸۷۸ء میں پیش کی گئی تھی پہلے Woman Suffrage Amendment اور بعد میں Anthony Amendment کہلائی کانگریس میں کئی دفعہ زیر بحث آئی، لیکن ردّ کردی گئی۔ اگست ۱۹۲۰ء تک پہنچتے پہنچتے عورتوں کی تحریک مسلسل محنت اور دشواریوں کا سامنا کرتے کرتے تھک کر نڈھال ہوگئی تھی اس لئے ووٹ حاصل کرنا جو کہ انقلاب کا پہلا قدم تھا وہ اس کے حصول کے وقت سے پہلے مرگئی۔ اور چالیس سال تک خاموش رہی۔

تحریک حقوق نسواں کی تاریخ اس چیز کی نشاندہی کرتی ہے کہ عورتوں کے حقوق اور معاشرتی رویّوں کی کشمکش انیسویں صدی کا خاصہ ہے لیکن بیسویں صدی میں تحریک حقوق نسواں کے تقاضوں میں جنونی شدّت کے بعد مذہب کو حقوق نسواں کا دشمن ٹھہرایا گیا اور مذہب کو معاشرتی رویّوں کا ذمہ دار سمجھا گیا۔ حقوق نسواں کے حصول کی جدّ وجہد کا دوسرا دور جو کہ ۱۹۶۰ء سے شروع ہوتا ہے خصوصی طور پر عورتوں کے حقوق کے ضمن میں مذہب پر عدم اعتماد سے عبارت ہے۔ لیکن مذہب کے خلاف تعصّبانہ فکر کو بھی کبھی کامل اعتماد نصیب نہیں ہوا۔

۱۹۵۷ء میں بیٹی فریڈن نے اپنی کتاب The Feminine Mystique کے متعلق ریسرچ کرتے ہوئے سمتھ کالج میں ۱۹۴۲ء میں پڑھنے والی اپنی کلاس فیلوز کے متعلق سروے کیا۔

''وہ چاہتی تھی کہ دیکھے کہ اس کی ہم جماعت لڑکیاں اب کیا کر رہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں مکمل طور پر مائیں اور بیویاں بننے میں غرق تھیں۔ ۱۸۹ عورتوں میں سے جنھوں نے سوالنامے واپس کیے، ۱۷۹ شادی شدہ تھیں، ۶ غیر شادی شدہ، ایک بیوہ اور ۳ طلاق یافتہ تھیں۔ صرف ۱۱ کے بچے نہ تھے۔ اوسطاً ہر عورت کے تین بچے تھے، ۵۴ عورتوں کے ۴ یا اس سے زائد بچے تھے۔ سمتھ کالج کی ان گریجویٹ لڑکیوں کی اکثریت 'ہاؤس وائف' (گھر ہستن) تھی۔ حتٰی کہ وہ عورتیں جن کے بچّے سکول میں تھے، انہیں بھی باہر کے ماحول میں دلچسپی کم ہی تھی، انہوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کی اس دانش کو مکمل طور پر اپنی سوچ کا حصّہ بنالیا تھا جس کی رو سے فیملی اور ملازمت کو ساتھ ساتھ چلانا ممکن نہیں ہے۔ ۱۸۹ میں سے صرف ۱۲/ ایسی تھیں جو ہمہ وقتی ملازمت کرتی تھیں اور صرف ایک ہی خاتون ایسی تھی جو اپنی ملازمت کو بطور پیشہ اپنانے میں بے حد سنجیدہ تھی۔ چند

ایک ایسی بھی تھیں جو جز وقتی کام کرتی تھیں۔" (۲۹)

Sylvia Ann Hewlette (۳۰) ۱۹۵۰ء کے عشرے کو امریکی عورت کی زندگی کا بہترین عشرہ شمار کرتی ہیں۔Sylvia کے نزدیک امریکی عورت نے اپنی زندگی کا خوشحال ترین دور اس عشرے میں گزارا۔عورتوں نے گھر کی زندگی کو معاشرتی زندگی پر ترجیح دی اور جدید سیکولر نظریات کو عملی میدانوں میں ٹھکرا دیا۔ (۳۱)

۱۹۲۰ء سے ۱۹۶۰ء تک بہت سی تبدیلیاں یا تو زیرِ سطح آتی رہیں یا انفرادی کوششوں کی مرہون منت رہیں۔ یہ وہ دور تھا جب سیمان دی بوا Simone De Beauvoir کی تصنیف The Second Sex نے عورتوں کے شعور کو نئی جلا بخشی، لیکن عورتوں کی مجموعی تحریک فعال نہ رہی۔ان تبدیلیوں کا ایک اثر یہ مرتب ہوا کہ ووٹ حاصل کرنے والی عورتوں کی پوتیاں ووٹ دینے کے قابل ہوئیں تو "فیمنسٹ" کا لفظ ایک گالی بن چکا تھا۔

اسی دوران پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا سانحہ پیش آیا۔ان میں بہت سے مرد ہلاک ہو گئے۔مردوں کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہونے سے عورتوں کو گھروں سے نکل کر باہر کام کرنے کے بہت زیادہ مواقع مل گئے، ان میں مزید خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اسی دور سے ان کو کچھ آزادیاں ملنے لگیں اور اس تحریک میں بھی بہت تیزی پیدا ہوئی۔ بالآخر عورتوں کو ووٹ دینے کا حق مل گیا۔امریکہ میں یہ حق ۱۹۲۰ء (۳۲)، میں برطانیہ میں ۱۸۱۸ء، سوئٹزرلینڈ میں ۱۹۱۷ء اور

---

(۲۹) *"A Lesser life, the myth of women's liberation in America"* by Sylvia Ann Hewlett, Publisher: william Morrow and com. Feb, 1986,p.160

(۳۰) sylvia Ann Hewlette برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی اور امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ فارغ التحصیل ہیں۔ اکنامکس میں P.hd ہیں۔امریکہ کی اکنامک پالیسی کونسل کی ڈائریکٹر اور امریکہ کے تھنک ٹینک میں شامل ہیں۔نسوانی نظریات کی ناقد اور انہیں ملکی معیشت میں ترقی کے مخالف گردانتی ہیں۔

(http://www.businessweek.com/bios/Sylvia_Ann_Hewlett.htm)

(۳۱) ایضاً ص/۱۵۳

(۳۲) *"The Best of Times, The Worst of Times: Feminism in the united states"* by Jahanne Brenner "Mapping the women movement" Edited by Monica Threlgall Introduced by Sheila Rowbotham Published by Newlft Review Verso London, 1996. First Publish, p.17

فرانس میں ۱۹۴۶ء میں مل گیا۔ جبکہ یو۔ این۔ او کی طرف سے یہ حق خواتین کو ۱۹۵۲ء میں ملا۔ (۳۳)

انہیں ذاتی ملکیت رکھنے کا حق بھی مل گیا۔ جنس کی بناء پر مرد وعورت کا امتیازی سلوک ممنوع قرار پایا۔ عورتوں کے لیے مردوں کے مساوی قوانین بنے اور یکساں حقوق بھی تسلیم کئے گئے۔ عورت کو طلاق دینے کا حق بھی مل گیا۔ آسٹریلیا میں عورتوں کو ۱۹۰۸ء میں مساوی حقوق ملے۔ نیوزی لینڈ نے عورتوں کو ۱۸۹۳ء میں مساوی حقوق دیئے۔ امریکہ نے انہیں ۱۹۶۰ء میں مساوی حقوق سے نوازا۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں عورتوں کی تحریک خواب سے ایک دفعہ پھر انگڑائیاں لیتی ہوئی بیدار ہوئی اس دور میں امریکہ میں ان عورتوں کی تعداد بڑھ رہی تھی جو تعلیم یافتہ تھیں، ملازمت کررہی تھیں، لیکن ماحول کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ صدر کینڈی (۳۴) نے ۱۹۶۱ء میں عورتوں کے مسائل کو زیرِغور لانے کے لئے قومی سطح پر Commission on the Status of Women ترتیب دیا۔ اس طرح تحریک کو دوبارہ توانائی حاصل ہوئی۔

حقوق نسواں کی تحریکوں نے جب بھی عورتوں کے حقوق کی بات کی ہے ان حقوق کو ملحوظ رکھا ہے جو عورت اور مرد کے یکساں ہیں۔ جہاں عورتوں اور مردوں میں فرق ہے وہاں یہ عورتوں کے حقوق امتیاز کی بنا پر نہیں چاہتیں بلکہ عورتوں کے صنفی امتیاز کی نفی چاہتیں۔ Now کے تحت انہوں نے جن مطالبات کا تقاضا کیا وہ ان کی فکر کے عکاس ہیں۔

۱۔ صنفی امتیاز پر مبنی قوانین کالعدم کیے جائیں۔

۲۔ عورتوں کو وہی حقوق دیئے جائیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔

۳۔ تعلیمی مواقع اور معاشی مواقع یکساں ہوں اور مخلوط ہوں۔

۴۔ عورت کو تولیدی امور پر کنٹرول حاصل ہوں۔

---

(۳۳) *"Feminism"* by Jane Freedman, Viva books Private Limited New Delhi. First south asian edition, 2002, p.4-7

(۳۴) کینڈی John F. Kennedy (1917-1963ء): امریکہ کا 35 واں صدر تعلیم، معاشرتی تحفظ، سیاست کے میدان میں عورتوں کی ترقی میں خوب نام کمایا۔ عورتوں کی ترقی کے لئے معاشرتی اصلاحات میں کئی قیمتی تجاویز دیں اور عملی پیش قدمی بھی کی۔

(http://womenshistory.about.com/od/laws/a/status_women.htm)

اپنے مطالبات میں انہوں نے مرد وزن کے درمیان حد بندی یا پردہ یا علیحدگی کی انتہائی مذمت کی۔

بیٹی فریڈین نے ۱۹۶۶ء میں National Organization for Women (NOW) تشکیل دی جس کے ساتھ ساتھ بعض بڑی جماعتیں

1. National Women's Political Caucus.

2. Women's Equality Action League.

3. Federally Employed Women (FEW).

اور سینکڑوں چھوٹی چھوٹی جماعتیں معرض وجود میں آئیں۔(۳۵)

۱۹۶۸ء میں امریکہ اور کینڈا کے ۲۰۰ سے زیادہ نمائندوں نے قومی سطح پر ایک کانفرنس منعقد کی اور ترقی خواتین پر سنجیدگی سے غور کیا۔تحریک فعال ہوئی تو رسالوں، اخباروں اور انٹرویوز کے ذریعے پیغام چاروں طرف پھیلنے لگا۔ اس تحریک کے افکار کے فروغ میں بیٹی فریڈن کی تحریروں کا نمایاں حصہ ہے۔بیٹی فریڈن کی کتاب Feminine Mysstique نے عورتوں کی تحریک کو دوسرا جنم دیا۔عورتوں میں بغاوت اور مردوں سے تصادم کے نظریات فروغ پانے لگے۔اس دور میں عورتوں کے نام پر فسادانگیزی پر مبنی لٹریچر سے بازارات گئے،ذرائع ابلاغ نے عورتوں کے نئے زاویے اور نئے رنگ دنیا کے سامنے پیش کیے۔(۳۶)

جسے مغرب میں قبولیت عامہ ملی تو ملت اسلامیہ میں مغربی تہذیب غلبہ کی یلغار کے ضمن میں لمحہ فکریہ کی بنا پڑی۔ حیفا جواد(۳۷)حقوق نسواں کے دوسرے جنم کے مسلمان ممالک پر اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

---

(۳۵)"The Feminist challange" The Movement for women's liberation in Britain and the United states, by David Bouchier, p.45-47

(۳۶) ایضا: ص/۴۲،۴۳

(۳۷) حیفا۔اے جواد: Westhill کالج برمنگھم میں مڈل ایسٹ اور اسلامک اسٹڈیز کی سینئر لیکچرار،اور پی ایچ ڈی ہیں۔ اسلامی معاشروں میں آزادی نسواں کے تصورات کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ The Right of women in Islam ان کی تصنیف ہے۔ (http://www.123people.com/s/haifaa+jawad)

''جو تحریک نسواں ۱۹۶۰ء کی دھائی میں اٹھی، یہ ایک سیکولر تحریک تھی۔اس کی بازگشت جب مسلمان معاشروں میں سنی گئی اور اس کے بینر تلے حقوق نسواں کی بات ہوئی تو مسلمان ممالک میں اسے زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔مثال کے طور پر پاکستان میں ۱۹۶۰ء کی دھائی سے یہ تحریک بروئے کار ہے لیکن معاشرہ اس سے بالعموم لاتعلق ہے۔''(۳۸)

ان تجربات کی روشنی میں مسلم ممالک کی آزاد خیال فکر نے خیال کیا کہ مسلمان معاشروں میں یہ مسئلہ اسلامی روایات کے پس منظر میں اٹھایا جائے تو زیادہ نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔اس حوالے سے جب بات آگے بڑھی تو یہ سوال بھی زیر بحث آیا کہ آج تک اسلامی ماخذ کی جو تعبیر کی جاتی رہی ہے اس میں عورت کے نفسیاتی و ذہنی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے یا نہیں؟اس سوال کے بارے میں اکثر خواتین کا جواب نفی میں تھا۔ان کی رائے میں چونکہ تفسیری لٹریچر مردوں کی علمی کاوش کا نتیجہ ہے اس لیے اس میں یہ پہلو سراسر نظر انداز ہوا ہے۔

یہ وہ مرحلہ ہے جب مسلم ممالک میں حقوق نسواں کی تعبیر نو کی بنیاد پڑی ہے۔یہ مسلمان خواتین اسلامی تعلیمات سے انحراف نہیں چاہتیں تھیں تاہم وہ مروّجہ مذہبی تصورات سے خوش نہیں تھیں۔درحقیقت مسلمان خواتین نے مغربی تحریک آزادی نسواں کے جواب میں تحریک آزادی نسواں کو اپنی دینی روایت سے پرکھا اور تعبیر نو کی بنیاد ڈالی ہے۔

مغرب میں عورتوں کی تحریک نے اس موڑ پر اپنی کارروائیوں اور مقاصد کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

(الف) پہلا گروہ جنسی برابری کو زیر بحث لانے لگا اور شادی، محبت، گھر بار، بچے اور جنسی مسائل پر تبادلہ خیال کرنے لگا۔

(ب) دوسرے گروہ نے معاشی، معاشرتی اور سیاسی برابری کا بیڑہ اٹھایا۔

اسی دوران امریکن کانگریس نے Equal Rights Amendment پاس کیا اور امریکن سپریم کورٹ کی ہمدردیاں اسقاطِ حمل کے حق میں ہونے لگیں۔

اسی دوران Rap Group معرض وجود میں آیا جس کا مقصد عورتوں کو یکجا کرنا اور معاشرے میں اہم تبدیلیاں لانا تھا۔عورتوں کو شعوری طور پر یہ احساس ہوگیا تھا کہ ان کی ابتر حالت کا معاشرے کی روایات سے گہرا تعلق ہے اس

(۳۸)"Women, A feministic Perspective" by Jo freeman May Field publishing company 285 Hamilton Avenue Palo Alto California 94301 second edition 1979, p.561

لئے جب تک معاشرہ نہ بدلے گا ان کی حالت بھی بہتر نہ ہوگی۔ اس گروہ کے اراکین نے جان بوجھ کر مردوں کو اپنی جدوجہد میں شامل نہ کیا ان کا خیال تھا کہ اگر مردان کی محفلوں میں موجود ہوں گے تو وہ روایتی انداز میں گفتگو کریں گے اپنے مسائل کو زیر بحث لائیں گے اور عورتوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کرنے میں مزاحم ہوں گے اس طرح عورتوں کے گروہ میں سالمیت پیدا ہونے میں دیر لگے گی۔[۳۹]

۱۹۷۳ء تک پہنچتے پہنچتے NOW (National Organization of Women) ایک بہت بڑی اور فعال جماعت بن چکی تھی اس کے چالیس ہزار سے زیادہ ممبر اور ۷۰۰ شاخیں تھیں۔[۴۰]

اپنے مقاصد کو خوش اُسلوبی سے پورا کرنے کے لئے اس کے تین حصے کر دیئے گئے۔

(الف) Administrative حصے کا مرکز شکاگو میں۔

(ب) Legislative حصے کا مرکز واشنگٹن ڈی سی۔

(ج) Public Relations حصے کا مرکز نیو یارک میں رکھا گیا۔

۱۹۷۱ء میں قومی سطح پر دوسری بڑی جماعت جو بہت اہم تھی اس کا نام National Women's Political Caucus تھا اس جماعت کی کارروائیوں کا محور سیاسی تھا اور مقصد عورتوں کو زیادہ سے زیادہ سیاسی قوت دلوانا تھا۔ مردوں کے برابر سیاسی حقوق کے مطالبے نے تمام معاشرتی حقوق میں بھی برابری کا دعویٰ کیا اور پھر اپنی کوششوں کو سیاسی قوتوں سے مضبوط کیا۔ 1992 میں امریکہ میں ہزاروں عورتوں نے واشنگٹن میں مظاہرے کیے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ قانون انہیں محفوظ اسقاط حمل کا حق دے اور وہ تولیدی حقوق کا حقدار عورت کو مانتی ہیں اور انہوں نے زنا بالجبر کے عام ہوتے واقعات سے استدلال کیا کہ جس کام میں ان کا حصہ نہ ہو تو اس کام کی انہیں سزا کیوں ملے لہٰذا وہ ایسے کسی بھی حادثے میں پیدا ہونے والے بچے کو اپنے پیٹ میں اٹھانے سے انکار کا حق رکھتی ہیں۔[۴۱]

(۳۹) "Women A Feministic Perspective" by Jo-Freeman, p.572

(۴۰) "The Best of Times, The Worst of Times" by Jahanne Brenner, p.33

ii- "Women a Feminist Perspective" by Jo Freeman, p.564

(۴۱) "'The Best of Times, The Worst of Times: Feminism in United states" By Jahanne Brenner, p.18,33,39.

تولیدی حقوق کے بعد عورتوں نے سیاسی قوت کی بدولت sex partner کے آزادانہ انتخاب کا حق مانگا اور پھر اسکے بعد اپنی معاشی سرگرمیوں میں حادثوں کا شکار ہونے کا بہانہ کر کے پہلے جنسی تعلیم پھر مانع حمل آلات کے آزادانہ استعمال کا حق مانگا۔ انہوں نے معاشی سرگرمیوں میں مصروف عورتوں میں پمفلٹ تقسیم کیے جس کے عنوان شرمناک حد تک اباحیانہ تھے۔ مثلاً "Pride at work"orgnizing for lesbian and gay rights in unions"(۴۲)

ان سرگرمیوں نے عورتوں کے حقوق کے نئے رجحان کو تقویت دی اور روایتی رجحانات کو دقیانوسی سمجھا جانے لگا۔ اور مذہب کو عورتوں کا دشمن اصلی سمجھا جانے لگا۔ اور آزادی کے حصول کے لیے عورتوں عورتوں کو تلقین کی گئی کہ وہ تمام معاشرتی اور اخلاقی ضابطے توڑ دیں۔ وگرنہ اس کے بغیر آزادی کا تصور محال ہے۔ نہایت شرمناک عریانیت پر مبنی نسوانی مجسموں کو عورت کی آزادی کی علامت بتایا گیا۔ جنسی اباحیت کو بازار میں قیمتاً بکنے والی اشیائے صرف کے طور پر عام کیا گیا۔ شادی اور بچوں کے بغیر زندگی کو قابل عزت گردانا گیا۔ طلاق کی شرح معاشرے میں انتہائی خطرناک حد تک بڑھ گئی اور خاندانی زندگی کا رجحان کم سے کم ہوتا گیا۔

نظریاتی طور پر بھی عورتوں کی جدوجہد میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ عورتوں کی زندگی کو بہتر بنانے اور ماضی کے شکنجوں سے آزاد کرانے میں کئی نئے خیالات پیش کئے گئے مختلف رویوں اور آوازوں میں سے دو نمایاں ہوکر سامنے آئے۔

(الف) Egalitarian Ethic کے نقطہ نظر کے مطابق مرد اور عورتیں برابر ہیں اس لئے جنسوں کے روایتی رول غیر ضروری ہیں۔

(ب) Liberation Ethic کے مطابق عورتوں اور مردوں کے ماضی کے رول قابل فخر نہیں ہیں اس لئے ہمیں نئے کردار اختیار کرنے ہوں گے۔(۴۳)

ان دونوں نظریات نے معاشرے میں مذہبی فکر پر تنقید کے دروازے کھولے۔ کیوں کہ معاشرتی روایتی فکر پر

---

(۴۲)"The Best of Times, The Worst of Times: Feminism in United states" By Jahanne Brenner, p.36.

(۴۳)"Women A Feminist Perspective" by Jo Freeman, p.572

مذہب کے تاریخی اثرات کا رنگ خوب گہرا تھا۔ مذہب اور تاریخ سے وابستہ روایتی ذہن کے انہدام کے ساتھ ساتھ تحریک حقوق نسواں نے تیز تر مقاصد کے حصول کے لیے مذہب کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے نئے مذہب کی قبولیت کے لیے معاشرتی ذہن سازی کا کام بھی شروع کیا۔اس طرح پرانے مذہب (مذہب کا نام پر بننے والی روایات) کا انہدام اور نئے مذہب کی تشکیل کا کام غیر محسوس طریقوں سے ذہنوں میں جنم لینے لگا۔

ان دونوں نظریات کا مقصد ایسا معاشرہ تیار کرنا تھا جس میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ انسانی برابری حاصل ہو سکے بعض نے اس مقصد کو Feminist Humanisim کا نام دیا۔

اس تحریک کی جدوجہد کے ارتقاء میں ایک نمایاں تبدیلی مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش تھی عورتوں کے مختلف گروہوں کو یہ احساس ہونے لگا کہ اگر مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ حلقوں میں رہیں گے تو نئے اور بہتر معاشرے کی تشکیل میں دیر لگے گی، لیکن اگر وہ مل کر جدوجہد کریں گے تو ایسے معاشرے کا کام زیادہ آسان ہوگا جس کی عمارت انصاف اور آزادی کی بنیادوں پر استوار ہوگی۔ (۴۴)

یہ تو تھی عورتوں کی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد۔اس جدوجہد کے نتیجے میں جو اثرات بین الاقوامی سیاست اور مذہب پر پڑے ان کا رنگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور گہرا ہوتا چلا آرہا ہے۔ان اثرات نے حقوق نسواں کو جہاں مضبوط کیا ہے۔وہاں انسان کے لئے سوچنے کے دو رخ متعین کئے ہیں اور یہ دو رخ حقوق نسواں کے مسئلہ پر اکثر متصادم ہوتے ہیں۔ ہم نوا کبھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہی حقوق نسواں کے صحیح محافظ ہیں۔دونوں عورت کے معاشرہ میں مختلف کردار کے حامی ہیں ایک رخ عورت کے لیے صرف نسوانی کردار کا حامی ہے اور دوسرا رخ عورت کے لیے نسوانی کردار کی حد بندی اور مردانہ کردار کے فروغ کا حامی ہے۔

اس سے عورت کو تحفظ ملتا ہے یا نہیں، پوری دنیا میں محاذ آرائی کا میدان ضرور گرم ہوتا ہے۔حقوق نسواں کی تعبیر نو اسی محاذ آرائی کی شدت کو کم کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔دونوں نقطہ نگاہ اپنے نظریات اختلافات کو وقت کے

---

(۴۴) جوڈتھ ایون اور جو فریمین کے مضامین کا خلاصہ

1."Women A Feminist Perspective" by Jo Freeman, p.557-569

2."Feminist Theory Today, and Introduction to 2nd wave Feminism" by Judith Evens.

ساتھ ساتھ زیادہ نمایاں کرتے گئے۔عورت کا نسائی اور گھریلو کردار اور تاریخ وروایت سے وابستہ مذہبی نقطہ نگاہ کا خاصہ بن گیا۔عورت کا معاشی اور معاشرتی کردار مردوں سے مسابقت، خاندانی تنظیم کا انکار ومادیت، مذہب پر تنقید جدید ترقی پسندانہ نقطہ نگاہ سمجھا گیا۔

مبحث چہارم

حقوق نسواں اور منظّم عالمی کوششیں

جب مغربی ممالک نے اپنے سیاسی عروج کے بعد اپنی تہذیب وثقافت کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کا ادارہ قائم کیا تو اس سے حقوق نسواں کی تحریک اور انگیز ہوئی۔ یہ ادارہ آغاز ہی سے مغربی تہذیب وثقافت کو فروغ دینے اور اسے تمام دنیا میں برتری دلانے کے لئے کوشاں ہے۔ یہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقتاً فوقتاً بے شمار سیمینار، ورک شاپس، کانفرنسیں اور کنونشن منعقد کرتا رہتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے تمام ممبر ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں تاکہ تمام ممبر ممالک کا نظام ان کی خواہشات اور ترجیحات کے مطابق چلے اور کوئی ان کے حکم سے سرمو سرتابی نہ کرسکے۔(۴۵)

عورت کے حقوق کے نام پر بھی یو۔این۔او کئی بین الاقوامی خواتین کانفرنس منعقد کر چکا ہے۔ مثلاً خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس ۱۹۷۵ء میکسیکو میں ہوئی اور پھر اس سال کو خواتین کا عالمی سال منایا گیا۔ اب ۸/مارچ کو ہر سال خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ دوسری عالمی خواتین کانفرنس ۱۹۸۵ء میں نیروبی میں ہوئی۔ تیسری عالمی کانفرنس ۱۹۹۰ء میں کوپن ہیگن میں منعقد ہوئی۔ جبکہ چوتھی عالمی خواتین کانفرنس ستمبر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ (چین) میں منعقد ہوئی۔ خواتین کے بارے میں بین الاقوامی کنونشنز اور کانفرنسوں میں سب سے زیادہ اہمیت بیجینگ کانفرنس ۱۹۹۵ء کے پلیٹ فارم برائے ایکشن (BPFA) کو حاصل ہے۔

خواتین کی پانچویں عالمی کانفرنس ستمبر ۲۰۰۰ء اقوام متحدہ نے منعقد کروائی اسے بیجنگ+5 کا نام دیا گیا۔ خواتین کی چھٹی عالمی کانفرنس بیجنگ+10 کے نام سے مارچ ۲۰۰۵ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں منعقد ہوئی۔ پانچویں اور چھٹی کانفرنس درحقیقت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ء کی سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنانے اور اس کے مقاصد اور اہداف کے تیز تر حصول کے لیے منعقد کی گئیں۔ ان کانفرنسوں نے عورتوں کے حقوق کے ضمن میں نئے مذہب کی تشکیل کے امر کو آسان بنانے کے لیے معاشرتی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا۔

(۴۵)UN- Briefing Papers "The World Confrences"Devloping Priorities for the 21st Century New York United Nations,(Report) p.32-33

ان کانفرنسوں کے نتیجے میں نسبتاً اب عورت آزاد فضا میں آزادی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگی۔ وہ شانہ بشانہ مرد کے ساتھ ہر جگہ کام کرنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں یہ شق رکھوانے میں بھی کامیاب ہو گئی کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق یکساں اور برابر ہیں۔ پھر اس نے اسقاطِ حمل کا حق بھی مانگا جو ۱۹۷۰ء میں اسے مل گیا۔ (۴۶)

یو این او نے مرد و عورت کے حقوق یکساں بنانے کے لیے ابتدا ہی میں ایک باقاعدہ کمیشن تشکیل دیا تھا، یہ کمیشن خواتین کی حیثیت کا جائزہ لینے اور ان کے حقوق کو تقویت دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کمیشن نے ۳۰ سال کام کرنے کے بعد ایک دستاویز تیار کی جس کا نام تھا۔

CEDAW DOCUMENT: CONVENTION OF U.N.O ON THE ELIMINATION OF ALL KINDS OF DISCRIMINATION AGAINST WOMEN.

یعنی "خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف یو این او کا کنونشن" (اس کو مختصر کر کے 'CEDAW' کا نام دیا گیا) اس 'سی ڈا' کی دستاویز کو ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تسلیم کیا۔ ۱۹۸۱ء میں یو این او کے بیس ممالک نے اس دستاویز پر رضامندی اختیار کی، جبکہ اس کنونشن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر یو این او کے ایک سو ممالک اس پر دستخط کر چکے تھے، جن میں دس مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ کمیشن نے خواتین سے ہر قسم کے امتیاز کے خلاف آواز اٹھائی۔ ہر پہلو سے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لیے تجویزیں اور سفارشات پیش کیں۔ کنونشن نے اپنے تمام ممبر ممالک پر لازم کیا کہ وہ قانون سازی کے ذریعے سے مردوں و عورتوں کا ہر قسم کا امتیاز ختم کریں۔ تعلیم، سیاست، ملازمت، معاشی، اخلاقی اور معاشرتی غرض ہر میدان میں عورت برابر کے حقوق کی مستحق ہے۔" (۴۷)

---

(۴۶) The Best of Times, The Worst of Times: Feminism in the United states by Jahanne Brenner, p.33

(۴۷) "***CEDAW,*** Convention on the Elimination of all kinds of Discrimination against women" published by the united nations for public information DPI/993/REV-2/wom-99-25918 December, 1999, p.1

"Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination Against Women", Illustrated by Freeda Asif Ali, p.1-2

اس دستاویز کی کل ۳۰ دفعات تھیں۔(۴۸)

جس میں پہلی سولہ تو اپنے اپنے ممالک میں دونوں کے حقوق کو مساوی کرنے کے وعدوں پر مشتمل ہیں۔ جبکہ باقی ۱۴ نکات عمل کرنے والی کمیٹی تشکیل دینے کے بارے میں ہیں، جو کنونشن پر عمل کی رفتار کا جائزہ لیتی ہے۔(۴۹)

ستمبر ۱۹۹۴ء میں قاہرہ میں یو این او کی طرف سے ' بہبود آبادی کانفرنس' کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ (جسے اسلامی معاشرے کے اسلام پسند ذہن نے جنسی بے راہ روی اور کنڈوم کلچر کی حمایت اور اسلامی معاشرے کے خاندانی نظام پر حملہ جیسے ناموں سے معنون کیا)(۵۰)

دنیا بھر کی مختلف خواتین، تنظیموں سے وابستہ 500 خواتین نے خواتین کے تولید حقوق اور آبادی کی پالیسیوں پر گفتگو میں شمولیت کی خاطر قاہرہ کانفرنس میں شرکت کی اور اس بات کا ابتدا ہی میں تعین کر دیا گیا تھا کہ قاہرہ کانفرنس میں آبادی سے متعلقہ مسائل یعنی پیدائش کے حق یا خلاف ہونے والی بحث کو حقوق اور خاص طور پر انسانی حقوق کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔(۵۱)

درحقیقت اس کانفرنس میں ترقی کی بنیاد عورت کی جنسی اور تولیدی صحت کو قرار دیا گیا تھا اور مختلف ممالک کی مختلف عمروں، طبقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کی آرا کو جنس اور تولیدی صحت کے بارے میں مرتب کر کے یہ اخذ کیا گیا کہ نسوانی جنسیت اور صحت کے تحفظ میں بہت سے سماجی، مذہبی تصورات اور صنفی تعصّبات رکاوٹ ہیں۔ جب

---

(۴۸) سی ڈا ڈرافٹ کے چیدہ چیدہ نکات عورتوں کی تعلیم اور ملازمت سے متعلق ہیں۔ اس ڈرافٹ کا مطالبہ ہے کہ معاشی وسماجی معاملات و کارکردگی میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیئے جائیں۔ شادی کے لئے ساتھی کے چناؤ میں، والدین بننے کا حق، جائیداد وغیرہ کے حقوق میں بھی مرد عورت یکساں ہونے چاہئیں۔ بچے کی پیدائش کا انحصار عورت کی مرضی پر ہو۔ مگر پرورش کے ذمہ دار دونوں برابر کے ہوں۔ عورت کی قومیت کا مرد کی قومیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ کچھ مزید بے باکانہ مطالبات تھے جو بیجنگ ڈرافٹ میں بیان کئے گئے ہیں۔

(۴۹)"Convention on The Elimination of All Kinds Of Discrimination Against Women".

Published by United Nations of Public Information, p.1 (Report)

(۵۰) جدید تحریک نسواں اور اسلام، علوی، ثریا بتول، ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ص ۲۶

(۵۱) ترقی، تولیدی صحت اور حقوق قاہرہ کانفرنس پر عملدرآمد، وینڈی ہرکورٹ، مترجم، نائلہ رضا، سوسائٹی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ، مینیج پبلی کیشنز شرکت گاہ لاہور، مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۱۱

تک اِن کو دور نہیں کا جائے عورت کو بااعتماد اور اطمینان بخش حیات میسر نہیں آسکتی۔نسوانی جنسیت کو اشاروں سرگوشیوں اور خاموشیوں سے آزاد کروا کر جامع اور صحت مند بہتر نظام سے منسلک کرنا وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔ اس کانفرنس میں نوجوانوں کے جنسی اور تولیدی حقوق وصحت کی آرا کو اظہار خیال کا موضوع بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا اس کانفرنس میں نئی صدی تولیدی صحت اور حقوق کا ایجنڈا پیش کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ عورتوں کے لیے تولیدی اور پیداواری زندگی میں تضاد کا سبب پیدا کرنے والے (سماجی، مذہبی تصورات پر مبنی) تناؤ کو ختم کیا جائے۔نیز ماں بننے کے انتخاب، ذاتی تکمیل اور جنسی لذت کے حصول کے لیے عورتوں کو جدید سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع دیے جائیں۔تعلیم، ابلاغ اور ٹیکنالوجی کو مداخلت اور کنٹرول کے نظام میں بدلنے کی بجائے ذاتی انتخاب کے آلہ کار کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ (۵۲)

بعد ازاں ستمبر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ میں خواتین کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جو یو این او کی طرف سے خواتین کی چوتھی بڑی عالمی کانفرنس تھی۔مندرجہ بالا 'سی ڈا' کی دستاویز کی روشنی میں اس کانفرنس کا ایجنڈا تیار ہوا تھا، جس میں تقریباً دنیا کے دوسو ملکوں کے پچاس ہزار نمائندے شامل ہوئے، (تیس ہزار کے قریب سرکاری جب کہ بیس ہزار کے قریب این جی اوز یعنی غیر سرکاری تنظیمیں) اس کانفرس کے ایجنڈے کا نام 'بیجنگ ڈرافٹ' تھا۔ (۵۳)

یہ دونوں کانفرنسیں تحریک آزادیٔ نسواں کو بڑھانے کے لئے مہمیز ثابت ہوئیں۔اور ان پر تنقید و بحث اسلامی معاشروں کا گرما گرم موضوع بنی۔اور آزادی نسواں کے خلاف اسلامی فکر کے مدافعتی رجحان کو شدید کیا۔اسلامی فکر ان سرگرمیوں کی انتہائی ناقد تھی۔ان کا کہنا تھا:

''کہ ان کانفرنسز میں کنڈوم کلچر، عورتوں کے لئے اسقاط حمل، عورتوں کے لئے بچے پیدا کرنے کا اختیار اور ہم جنسیت کے

(۵۲) ترقی تولیدی صحت اور حقوق از وینڈی ہرکورٹ، مترجم، نائلہ رضا، قاہرہ کانفرنس پر عمل درآمد، ص ۴۷

(۵۳) *"Fourth world conference on women Beijing sep.1995"* Pakistan National Report Govt. Of Pakistan, Ministry of Women Development and Youth Affairs prepared by Salma Waheed (Secretary Ministry of Women Development and Youth Affairs. Govt. of Pakistan) Printed by word Mate, Islamabad, p.1-121

قانونی جواز، عورتوں کے لئے ہر شعبہ میں مکمل مساوات جیسی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اور پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے غیر مسلم خواتین کے ساتھ پاکستانی مسلم خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے بے جھجک اس پر دستخط کر دیئے۔ قطع نظر اس بات کے مسلمان ممالک کے علماء نے اس کی شدید مخالفت کی تھی۔''(۵۴)

مسلم ممالک میں بہبودِ آبادی سے متعلق اظہار خیال کو اکثر ناپسند کیا جاتا ہے اور اس نوعیت کی کاوشوں سے مذہبی لوگ اکثر منفی تصورات کو ذہن میں جگہ دیتے ہیں اور اسے اسلام کی اخلاقیات پر ایک حملہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں ان الفاظ کی بدولت فوراً مغربی معاشرے کی تصویر جلوہ گر ہوتی ہے جہاں خاندانی منصوبہ بندی کی تعلیم اور آزادانہ اسلوب زندگی جنسی بے راہ روی کے نتائج سے بچنے اور حیوانی شیطانی گندگی پر پردہ ڈالنے کا کارآمد آلہ ہے۔ وہ ہر ایسے زاویہ نگاہ کو اسلام مخالف شمار کرتے ہیں لہٰذا مسلمان فکر میں یہ مخالفت اور ردعمل فطری تھا۔

۱۲۱ صفحات پر مشتمل اس بیجنگ ڈرافٹ کی چیدہ چیدہ دفعات درج ذیل ہیں:

① مردو عورت میں کوئی فطری فرق موجود نہیں ہے۔

② عورت کے روایتی کردار (یعنی بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو اس ڈرافٹ میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔(۵۵)

③ اسمبلیوں اور دیگر منتخب اداروں میں خواتین کا کوٹہ 50 فیصد ہونا چاہیئے۔

④ معاشرے کے ڈھانچے کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ مردو عورت میں برابری وجود میں آسکے۔

⑤ ملازمتوں میں 50 فیصد کوٹہ عورتوں کے لیے مخصوص کیا جائے۔

⑥ بچے پیدا کرنے کا حق عورت کو ملنا چاہیئے۔ یعنی اس پر خاوند یا کسی اور کا دباؤ نہ ہو۔ اپنی مرضی و اختیار ہو چاہے تو بچے کو جنم دے چاہے تو نہ دے۔

---

(۵۴) جدید تحریک نسواں اور اسلام از ثریا بتول علوی، ص ۵۴

(۵۵) اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام کے موضوع سے متعلق اگر ہم اپنی کتابوں کا عمومی جائزہ لیں تو اکثر کتابیں مسلم معاشرے میں عورت کا کردار بحیثیت ماں، بہن، بیٹی، بیوی پر ہی مشتمل ہیں۔ جدید نقطۂ نگاہ اس کا انتہائی مخالف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے اسلامی معاشرے میں عورت کا تعارف فقط اس کے بھائی، باپ، شوہر، بیٹے سے ہوتا ہے اور ایسا تعارف عورت کا اپنی ذات کی نفی پر مبنی ہے۔ جدید نقطہ نگاہ کے مطابق اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں کو عورتوں کا کردار اس کی اپنی حیثیت میں ذکر کرنا چاہیئے نہ کہ عورت صرف مرد سے منسوب ہو کر معتبر ہو۔ جدید نقطہ نگاہ عورت کے ان کرداروں پر کڑی تنقید کرتا ہے۔

⑦ اسقاطِ حمل کو جائز قرار دیا جائے اور اس کا حق عورت کے پاس ہونا چاہیئے۔

⑧ عورتوں کو بھی ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت دی جائے۔اسی طرح جسم فروشی کی بھی قانونی اجازت ہونی چاہیئے۔

⑨ اس ڈرافٹ میں شادی نکاح وغیرہ کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

⑩ اس میں بنیاد پرستی پر بھی تنقید کی گئی ہے۔اسی طرح خود مذہب پر بھی تنقید کی گئی ہے کہ یہ عورت کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔(۵۶)

ان کانفرنسز نے عورتوں میں مساوات کا شعور بیدار کیا ہے اور عورتوں کی ترقی کیلیے اقدامات کا لائحہ عمل تیار کیا ہے۔

اقوام متحدہ کی طرف سے ۱۹۸۵ء کو خواتین کا عشرہ قرار دیا گیا ہے۔خواتین کے بارے میں خصوصی اجلاس، جیسے میکسیکو ۱۹۸۵ء کوپن ہیگن ۱۹۸۰ء، نیروبی ۱۹۸۵ء، بیجنگ ۱۹۹۵ء کے باعث بین الاقوامی خواتین کے شعور میں اضافہ ہوا ہے۔یہ مہم خاص طور پر مسلمان معاشروں پر اثر انداز ہوئی، جہاں خواتین اب بھی ناانصافی کا شکار ہیں۔ان سب عوامل نے مسلمان خواتین کو یہ راہ دکھائی کہ وہ خواتین کے ساتھ ہونے والے مظالم کے خاتمے کے لیے آواز اٹھائیں اور انہیں اجتماعی زندگی میں زیادہ متحرک کریں۔ان کانفرنسز کی بدولت ان میں یہ رجحان پیدا ہوا کہ وہ اپنے سماجی مقام پر غور کریں اور اس سیاق وسباق میں یہ جانیں کہ اللہ کی کتاب دراصل کیا کہتی ہے۔(۵۷)

مسلمان معاشروں کا مذہبی طبقہ ہر بار کی طرح ان کانفرنسز سے تحفظات رکھتا ہے اور اِن کے انعقاد کو مسلمان عورت کے اخلاق ومذہب کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیتا ہے۔

ایک خاتون مفکر اس کانفرنس پر تنقید کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''یہ یو این او کے پلیٹ فارم سے منعقد ہونے والا سب سے بڑا خواتین کا اجتماع تھا۔گویا مردوں کی مخالفت کرتے کرتے عورتیں اس انتہا کو پہنچ گئی ہیں۔جس کو تذلیل انسانیت کہنا زیادہ موزوں ہے۔غور طلب امر یہ ہے یہ نکات پیش کرنے والی خواتین زیادہ تر وہ ہیں جو گھریلو سکون سے محروم ہیں۔خود کیتھولک عیسائیوں نے 'پاپائے روم نے بلکہ مغرب کی بیشتر خواتین نے بھی بیجنگ کانفرس کے مطالبات کو غیر معقول قرار دیا۔اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ مسلم ممالک کی خواتین بھی

---

(۵۶)"Fourth World Conference of Women, Beijing Sep.1995 Pakistan National Report Prepared by Salma Waheed, p.1-8

(۵۷)http/www.iran-bulletin.org/political-islamfeminism edited 2.html

اس میں شامل ہوئیں۔ البتہ سوڈان اور ایران کی خواتین نے اس حیاباختہ ایجنڈے کی مخالفت کی۔ سعودی عرب نے اس میں شرکت ہی نہ کی۔ مگر پاکستان کی وزیراعظم اس کی چیئرپرسن بنیں اور پاکستان کی طرف سے اس ترقی نسواں ایجنڈے پر دستخط کر دیئے۔ غور کیا جائے تو اس کانفرنس کے اثرات بہت زیادہ دور رَس اور تباہ کن ہیں۔ گویا مختصراً اس کانفرنس کے دو نکات تھے: اب عورت کو ماں بننے پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر بے راہ روی کے دوران میں وہ حاملہ ہو جائے تو حمل ضائع کرانا اس کا قانونی حق ہو، جرم نہ سمجھا جائے۔''(۵۸)

حالیہ سالوں میں عالمگیریت کو جس طرح فروغ ملا ہے اس کے باعث مغربی تصورات اور اصول عالمگیر بن گئے ہیں اور اس کے لیے سیٹلائٹ، انٹرنیٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے باعث مسلمان اور مغربی خواتین کے درمیان اختلاط ہوا ہے۔ اس اختلاط میں مغربی کلچر نے مسلم کلچر پر اثرات ڈالے۔ اس کے زیر اثر صنفی تعلقات کے روایتی طریقوں کو بھی اب چیلنج کیا جانے لگا ہے۔ اس چیلنج کے جواب میں مسلمان خواتین اور مرد موجودہ صورت حال کی روشنی میں اپنی روایت پر از سر نو غور کر رہے ہیں۔

معاصر اسلامی فکر کی ترجمان کے نزدیک

''عالمگیریت نے مسلمان معاشروں میں عورتوں کے اندر تحریکیت کو تقویت پہنچائی ہے اور دوسری مسلمان عورتوں کو بھی عالمگیریت کے راستے پر چلنے کی دعوت دی ہے۔''(۵۹)

خواتین کے بارے میں بین الاقوامی کنونشنز اور کانفرنسوں میں سب سے زیادہ اہمیت بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۵ء کے پلیٹ فارم برائے ایکشن (BPFA) کو حاصل ہے۔ تحریک نسواں کے لیے یہ کانفرنس بڑی کامیابی کا زینہ بنی اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک میں خاندان اور عورت کے لیے خطرے اور عدم تحفظ کا عنوان سمجھی گئی۔

اس کے پانچ سال بعد جون 2000ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس ہوا جس کا عنوان تھا "Women

---

(۵۸) جدید تحریک نسواں اور اسلام از حیفا جواد، ص ۲۷

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں:

ا۔ ''بیجنگ کانفرنس کے پس پردہ عوامل'' ایشیا رپورٹ، ہفتہ وار ایشیا، ۸ جون ۲۰۰۰ء، ج ۴۹، ش ۲۳

۲۔ اسلام اور نظریہ مساوات مرد و زن، محمد رفیق، چودھری، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۔۳۰

(۵۹) مسلم تحریک نسواں اور اسلام از حیفا جواد، ص ۴۳

2000:Gender Equality, Development and peace for the twenty first century"

عرف عام میں اسے Beijing+5 کا نام دیا گیا۔ اس کے ذریعے Fourth Wold Confrcnce of womem Beijing 1995 کی پانچ سالہ کارکردگی کا جائزہ اجلاس عمل میں آیا۔ کارکردگی اور اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا۔ اور تمام ممالک کی اس راہ میں پیش رفت پر تنقید وتبصرہ بھی کیا گیا۔ اور اس راہ میں حائل مشکلات کے ازالے کے لیے اقدامات تجویز کیے گئے۔ اپریل 2000 میں دس سالہ جائزہ اجلاس اور بین الاقوامی عورت کانفرنس کے انعقاد کے لیے تجاویز کا مطالبہ کیا گیا۔(۶۰)

مارچ ۲۰۰۵ء میں بیجنگ کانفرنس کے بعد ۱۰ برس کا جائزہ اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس ۲۸ فروری سے ۱۱ مارچ تک نیویارک میں منعقد ہوا۔ اس میں 184 سرکاری 2500 غیر سرکاری تنظیموں نے شرکت کی جس میں حقوق نسواں کی تحریک کی ترقی کی رفتار کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں تحریک کے اہم مقاصد اور اُمور کی نشاندہی کی گئی۔ یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ ۲۰۰۷ء سے ۲۰۱۰ء کے درمیانی عرصے میں کسی وقت خواتین کی ساتویں بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے۔ یہ تجویز بھی زیرغور آئی کہ تمام علاقوں کی این جی اوز اپنی اپنی سطح پر بھی کانفرنسز کا انعقاد کریں جو بین الاقوامی خواتین کانفرنس کی آواز کو مزید تقویت دینے کا باعث ہوں۔ بیجنگ پلس ٹین کا مرکزی نکتہ یہ تھا۔ بیجنگ ۱۹۹۵ء کے بعد کوئی نئی دستاویز تیار نہیں کی جائیں گی بلکہ ان ہی دستاویز کو زیادہ سے زیادہ موثر بنایا جائے گا۔ کانفرنس کے شرکاء نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومتوں پر مکمل دباؤ ڈالا جائے کہ وہ ہرصورت ہزاریے کے مقاصد اور میلینیم ڈیکلریشن پر عمل کریں۔ اس امر پر تشویش ظاہر کی گئی کہ ہزاریئے کی سربراہی کانفرنس میں صنفی تناظر (نسوانی نقطہ نظر) کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اس سے خواتین کی برابری اور ان کو بااختیار بنانے کے عمل کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اس کانفرنس میں ماضی کی کانفرنسز کی طرح اسلامی معاشرے میں خواتین کے حقوق کے بارے میں جارحانہ

---

(۶۰)*"Beijing+5 update,* [*Beijing+5, News Letter (Report)*] This Newsletter is issued by the gender programme of united nation development policies (UNDP) Pakistan July,1999. www.un-org/women watch/ daw/follow up/Beijing+5.utm, p.1

جذبات کا اظہار کیا گیا۔ یہ کانفرنس کل دس سیشنز پر مشتمل تھی۔ کانفرنس کا مرکزی موضوع جنس اور مسلمان عورتوں پر ڈھایا جانے والا ظلم تھا۔ بطور خاص دوسرے سیشن کا عنوان ہی یہ تھا کہ ''اسلامی معاشرے میں عورتوں پر ظلم و جور کا خاتمہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟'' اس سیشن کا کلیدی خطاب افغانی اباحیت پسند خاتون سکینہ یعقوبی کا تھا جس نے اس امر پر اصرار کیا کہ مسلمان عورتوں کو قرآن مجید کی تفسیر کرنا خود سکھایا جائے تاکہ وہ عورتوں کے حقوق از خود جان سکیں۔

بیجنگ پلس ٹین ۲۰۰۵ء کی سفارشات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۲۰۰۵ء کے بعد کے برسوں میں بیجنگ پلس ٹین اور انٹرنیشنل ویمن ائر پلس تھرٹی (International women year+30)(IWY+30) کے مواقع کو بھرپور طور پر منایا جائے۔
- ہر سطح پر بالخصوص بنیادی سطح پر خواتین کی تمام تحریکوں کو متحرک اور منظّم کیا جائے۔
- علاقائی اور عالمی سطح پر ایسی کانفرنسوں کا اہتمام کیا جائے جو بیجنگ پلیٹ فارم کا دس سالہ جائزہ تیار کریں اور ان پر غور کریں۔
- ان رکاوٹوں پر غور کیا جائے جو اس عمل کی تکمیل میں مزاحم ہیں۔
- حکومتوں اور اقوام متحدہ کے اداروں سے ایسی ضمانتیں حاصل کی جائیں جن میں ایک مقررہ ٹائم ٹیبل پر اہداف کے مطابق وعدے لئے جائیں اور نفاذ کو جانچنے کے پیمانے مقرر ہو سکیں۔
- خواتین کے اُمور کے حوالے سے حکومتوں پر زیادہ سے زیادہ فنڈ مختص کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔
- بیجنگ پلیٹ فارم، حتمی دستاویز اور اس طرح کے دوسرے کاموں کی طرح یہ کام بھی کیا جائے کہ ان کو باہم مربوط کیا جائے۔ تحفظ مقام خواتین کے کمیشن انسانی حقوق کے معاہدے اور خواتین سے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشنز کو مربوط کیا جائے۔
- CEDAW کو مضبوط بنایا جائے اور حکومتوں کو اس پر عملدرآمد پر آمادہ کیا جائے۔ حکومتوں پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس کے آپشنل پروٹوکول کی توثیق کر دیں۔

◉ ان دستاویز کے نفاذ میں ناکامی پر حکومتوں اور کثیر مقاصد اداروں کو جواب دہ ٹھہرایا جائے۔

◉ ان دستاویز پر عمل درآمد کا جائزہ جن تناظر میں لیا جائے اس میں یہ دیکھا جائے کہ وہ کون سی عالمی قوتیں ہیں جن سے خواتین متاثر ہو رہی ہیں۔ ان میں عسکریت پسندی، بنیاد پرستی اور گلوبلائزیشن پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

◉ اقوام متحدہ، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن اور اس طرح کے دیگر بین الاقوامی اداروں میں خواتین کی مساوی آواز کے لئے جدوجہد کی جائے۔

◉ صنفی تناظر میں خواتین کو بڑے دھارے میں شامل کرنے میں حائل مشکلات اور انکے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔

◉ ہر سطح پر صنفی تناظر میں خواتین کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے لئے نگرانی کی جائے۔

◉ اقوام متحدہ کے کاموں میں نوجوان خواتین کی شرکت کو لازمی بنانے پر زور دیا جائے۔

◉ خواتین کے حقوق کی بازیابی کے لئے مردوں سے تعاون میں اضافہ کیا جائے۔

◉ خواتین کو درپیش نئے چیلنجز اور معاملات کا جائزہ لیا جائے۔ دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سے پلیٹ فارم کا حصہ نہیں بن سکے۔[۶۱]

بیجنگ پلس ٹین ۲۰۰۵ء میں عمومی طور پر مسلمان عورت کے حالات پر بات ہوئی۔ اس بات چیت کا محور ''مسلمان عورت کی زندگی میں مذہب کا کردار'' تھا کہ مذہب کس طرح عورت کی زندگی تبدیل کرتا ہے۔ اس کانفرنس کے ایک سیشن کے اجلاس کا عنوان ہی یہ تھا کہ ''مسلم معاشروں میں ایشیائی عورت ...... تناظر اور جدوجہد'' اس میں اہم مقررہ

(۶۱)(i)*"Pakistan National Report Beijing+10"*, prepared by Suhail Safdar (Acting Secretary Women Development Division) Govt. of Pakistan. Ministry of women development Islamabad, State Life Building no V, Jinnah Avenue Blue Area, Islamabad, 15 feb. 2005, p.6-10,14-16

(ii)*"Bangladesh Country Papers Celeberating Beijing Plus Ten"* Fifth South Asian Regiond Ministerial Conference, Islamabad, Pakistan.3-5 May,2005, p.19, 40.

پاکستان کی تحریک نسواں کی علمبردار فریدہ شہید (۶۲) تھیں۔ان کی معاونت اور حمایت ملائشیا کی رشیدہ شعیب (۶۳) نے کی۔ایران کی محبوبہ عباس غالیزادے، انڈونیشیا کی فروا موہیٰ اور ترکی کی شہناز نے مسلمان معاشروں میں عورت کی حالت زار پر تشویش کا اظہار کیا۔

اس اجلاس میں تمام مقررین نے کہا کہ مسلم معاشروں میں مذہب یعنی اسلام کو ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر عورت کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ان معاشروں میں عورت کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ عورت کے بارے میں شوہر کی انفرادی تنگ نظری پر مبنی تعریف کو قبول کرے۔اس طرح کرنے سے عورت کی صفت، شہریت، طبقہ، مذہب، نسل کے بارے میں شناخت تبدیل ہو جاتی ہے۔ان کا اصرار تھا کہ:

غیر مسلم ممالک میں بسنے والی اقلیتیں بھی عورتوں پر تشدد کی سزاوار ہیں۔فرانس میں نوجوان لڑکیوں کو سر پر سکارف رکھنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ برطانیہ، امریکہ اور یورپ میں مذہبی بنیاد پرستوں کے کاموں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مذہب کی قدامت پرست قوتیں ایک دوسرے کو مضبوط کر رہی ہیں اس طرح سے عورتوں کے خلاف تشدد بڑھتا ہے۔ اسلامی ممالک کی سیکولر فکر کی نمائندہ خواتین نے مثالیں دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان کے معاشروں میں عورتوں کو کس طرح سے دبایا جاتا ہے۔ان کی جنسیت پر پہرے لگائے جاتے ہیں۔سیاسی اعتبار سے ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔انہیں لباس کے حوالے سے مخصوص ضابطوں کا پابند کیا جاتا ہے۔پردہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ نوجوان مسلم خواتین کی آواز دبا دی جاتی ہے۔(۶۴)

اجلاس نے ان مثالوں کے بعد فیصلہ کیا کہ ان امور کو اقوام متحدہ میں اٹھایا جائے تا کہ خواتین واضح طور پر دنیا کو یہ پیغام دے سکیں کہ مذہب کو کسی طور پر آگے نہ بڑھنے دیا جائے، کیونکہ مذہب عورت کے خلاف استعمال

(۶۲) رشیدہ شعیب، محبوبہ عباس غالیزادے، فروا موہنیٰ، شہناز: یہ تمام خواتین مختلف اسلامی معاشروں اور مختلف قومیتوں اور ان کی باسی مسلم عورت کے نسوانی افکار کی نمائندہ تھیں۔

(۶۳) فریدہ شہید: معاشرتی معاشی اور فلاحی کارکن ہیں۔شرکت گاہ کے نام سے عورتوں کی ترقی کے لیے لاہور میں ایک ادارے کی سربراہ ہیں اور تحریک آزادی نسواں کی سرگرم کارکن ہیں۔

(۶۴)See:Editorial, "Legislative watch" Aurat Publication. Issue # 6 & 7. pp.1-3

ہونے والے آلے کے طور پر رینگتا چلا آ رہا ہے چلا آ رہا ہے اور عورت کی زندگی پر قابض ہو رہا ہے، ان خواتین نے اجلاس میں مذہب اور تشدد کے خلاف نعرے لگائے اور مذہب مخالف ایجنڈے کی تکمیل کا اعلان کیا۔اس کانفرنس میں مذہبی تشریحات کو حقوق نسواں کے عالمگیر ایجنڈے سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا۔

کانفرنس میں جب یہ بحث جاری تھی تو بھارت کی نندیتا شا(٦٥) نے موضوع کو اپنی طرف موڑا اور کہا کہ وہ معاشرے کی ایک مسترد شدہ اکائی ہیں، کیونکہ وہ عورت ہیں اور کیونکہ وہ نوجوان ہیں۔نیز وہ ہم جنس پرست ہیں انہوں نے کانفرنس کے شرکاء پر زور دیا کہ ان جیسی ہم جنس پرست عورتوں کے حقوق کے لئے بھی انقلابی اقدامات اٹھائے جائیں اور ان کے مسائل پر بھی بات چیت کی جائے۔ اجلاس میں یہ نوٹ کیا گیا کہ ایشیا کے مسلمان معاشروں کی مذہبیت پسندی کی بنا پر ان کے علاقوں میں ہم جنس پرستوں کی کمیونٹی کو شدید دھچکے لگے ہیں اور اس کو بحال کرنا بہت مشکل ہے۔(٦٦)

تحریک حقوق نسواں کی بحثوں، قراردادوں اور لیکچروں کی بدولت اس تک پہنچنا مشکل نہیں کہ مذہب کی جارحانہ مخالفت اور مذہب کی تعبیر نو یکساں پروان چڑھتی ہیں اور ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ ہیں۔

بیجنگ پلس ٹین ٢٠٠٥ء کے بعد

بیجنگ +10 کانفرنس میں حقوق نسواں کے مسئلے کو جو نئی جہت دی گئی وہ مذہب کی تعبیر نو تھی خصوصاً اسلامی ممالک کے مذہب اسلام کی ایسی تشریح جس کی بدولت دنیائے اسلام اور دنیائے مغرب کو یک رنگ کیا جائے۔اس کے بعد سے مذہب کے بخیے ادھیڑنے کا عمل تیز تر ہو گیا، کیونکہ بیجنگ کانفرنس ١٩٩٥ء کے بعد سے یہ عنصر شدت سے محسوس کیا گیا کہ عورتوں کے حقوق میں تبدیلی لانے کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان معاشروں کی مذہبیت پسندی ہے جب تک اس عنصر کو نظر انداز کیا جاتا رہے گا حقوق نسواں کی ترقی کی رفتار کو تیز نہیں کیا جا سکے گا۔عورتوں کی مساوات کے ہدف کو جلد از جلد پایہ تکمیل پر پہنچانے کے لئے یہ ضروری ٹھہرا کہ مسلمانوں کی مساجد کے منبر اور محراب کو قبضہ میں کیا جائے اور اسلام کے سب سے بڑے مراکز یعنی مساجد پر قبضہ کیا جائے اور مساجد میں مرد و زَن کی تفریق کو ختم

(٦٥) نندیتا شا: Indian feminist movement کی سرگرم رکن ہیں اور Beijing+10 میں بھارتی خواتین کی نمائندہ تھیں۔

(٦٦) بیجنگ پلس ٹین ...... مقاصد، اہداف اور کام، مرزا محمد الیاس، ''آ ئین'' ج٤٣/٣، ش/٣، مارچ ٢٠٠٥ء

کیا جائے۔ مسجد کی معاشرت کی یہ تبدیلی ہی اسلامی معاشرے میں تبدیلی کی بنیاد بنے گی۔ لہٰذا بیجنگ+10 کے انعقاد کے محض ہفتے عشرے بعد ۱۸؍ مارچ ۲۰۰۵ء کو نیویارک کے ایک چرچ میں ڈاکٹر امینہ ودود(۶۷) نے جمعہ کی خطابت اور اس کے بعد نماز کی امامت کروائی۔ جس سے امریکہ کے مسلمانوں میں شدید رنج اور ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈاکٹر امینہ ودود کا ارادہ مسجد میں جمعہ پڑھانے کا تھا، لیکن ان عورتوں کے معلوم کردار کی بدولت امریکہ میں مقیم مسلمان اہلیان مساجد میں سے کسی نے انہیں مسجد کا سٹیج نہیں دیا۔ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں یہ جمعہ نیویارک کے ایک چرچ میں ادا کرنا پڑا۔ مساوات مرد وزَن کی یہ مجاہدات اس امر سے بخوبی آگاہ تھیں کہ ان کا یہ اقدام مسلمانوں کو انتہائی طور پر مشتعل کرنے والا ثابت ہوگا، لہٰذا یہ نماز امریکی پولیس کے پہرے میں ادا کی گئی اور جمعہ میں موجود شائقین تماشا کی حفاظت کی خاطر ان کی سیکورٹی کے انتظامات انتہائی مستحکم تھے۔(۶۸)

اس کے بعد اسریٰ نعمانی(۶۹) (بھارتی نژاد امریکی صحافی ہیں جو خود کو شبلی نعمانی(۷۰) کی نواسی بتاتی ہیں شبلی نعمانی برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم دین ہیں) اور اس کی ساتھیوں کا یہ طریق کار ہے کہ وہ اعلان کر دیتی ہیں کہ وہ فلاں فلاں دن فلاں مسجد میں مخلوط نماز پڑھیں گی۔ پھر اس دن وہ اس مسجد میں گھس جاتی ہیں۔ باہر امریکی پولیس ان کے تحفظ کے لئے موجود ہوتی ہے۔(۷۱)

مساوات مرد وزن کے حصول کی خاطر اسلامی ماخذ کی تعبیر نو کا فتنہ بنیادی طور پر امریکہ میں مقیم مسلمان خواتین کا

---

(۶۷) امینہ ودود: امریکی نژاد ہیں۔ Commonwealth یونیورسٹی میں اسلامیات کی پروفیسر اور پی ایچ ڈی ہیں۔ Women & Quran ان کی تالیف ہے۔ مذہبی اعتبار سے عصر حاضر میں افکار نسواں کی نئی تعبیر پر مصر ہیں۔

(http://en.wikipedia.org/wiki/Amina_Wadud)

(۶۸) "Feminism" Harmful To Muslim Women" By Faisal Sanai Daily Pakistan-04-04-05

(۶۹) اسریٰ نعمانی: بھارتی نژاد امریکی صحافی ہیں۔ خود کو انڈیا کے معروف عالم دین شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۷۹ء) کی نواسی بتاتی ہیں۔ اور عورتوں کے حوالے سے مذہبی افکار کی شدید ناقد ہیں۔

(۷۰) شبلی نعمانی: (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) برصغیر کے معروف عالم دین، تاریخ دان، سیرت نگار، شاعر اور ایک نقاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی مشہور تصانیف میں سیرت النبی، المامون، الفاروق شامل ہیں۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ج ۲، ص ۱۰۶۳)

(۷۱) "Feminism" Harmful To Muslim Women" By Faisal Sanai Daily Pakistan-04-04-05

اٹھایا ہوا فتنہ ہے۔امریکہ اسلامی دشمن اور اپنے فتنوں کی پیدائش میں انتہائی زرخیز آب و ہوا کا حامل خطہ ہے۔ مسلمان مرد وزَن کی امامت کرنے والی یہ خواتین آزاد خیال خواتین ہیں اور تمام مسلم و غیر مسلم خواتین کے لئے ہم جنس پرستی، شادی کے بغیر تعلقات، اسقاطِ حمل اور جنسی تجربات کی حامی ہیں اور ناجائز بچوں کو پیدا کرنے کے بعد یہی حقوق اسلام سے حاصل کرنے کی جدوجہد کررہی ہیں۔ اسریٰ نعمانی خود اس بارے میں کہتی ہے کہ اس کی جدوجہد خواتین کو بیڈروم میں اسلامی حقوق دلانے کے لئے ہے۔

اسریٰ نعمانی کا اس حوالے سے کہنا ہے:

" I offer two charters of Muslim justice...... and Islamic bill of rights for women in mosques and an Islamic bill of rights for women in the bedroom."(۷۲)

''میں مسلمانوں کے انصاف کے دو منشور پیش کرتی ہوں۔ ایک مساجد میں خواتین کے حقوق کا اسلامک بل اور ایک بیڈروم میں خواتین کے حقوق کا اسلامک بل۔''

ان اُمور کی وضاحت کے لئے اسریٰ دس ایسی وجوہات بیان کرتی ہیں جو ان کی خواتین کے لئے جدوجہد کو بے نقاب کرتی ہیں۔

(1) Women have an Islamic right to respectful and pleasuarble sexual experience.

(2) Women have an Islamic right to make independent decisions about their bodies, including the right to say no to sex.

(3) Women have an Islamic right to make independent decisions about their partner, including their to say no to a husband marrying a second wife.

---

(۷۲)*"Standing Alone in Mecca, An American Women's struggle for the soul of Islam"* by Asra Q Nomani, Harper san Francisco, A division of Harper Colins Publishers, Published in 2005, p.295-293

(4) Women have an Islamic right to make indepenent decisions about their choice of a partner.

(5) Women have an Islamic right to make independent decisions about contraception and reproduction.

(6) Women have an Islamic right to protection from physical, emotional and sexual abuse.

(7) Women have an Islamic right to sexual privacy.

(8) Women have an Islamic right to exemption from criminalization or punishment for consensual adult sex.

① عورتوں کا یہ اسلامی حق ہے کہ ان کے جنسی تعلق احترام پر مبنی اور خوش کن ہوں۔

② عورتوں کا یہ اسلامی حق ہے کہ وہ اپنے جسم کے بارے میں اپنی مرضی سے فیصلے کریں اور اس میں ہم بستری سے انکار کرنے کا حق بھی شامل ہے۔

③ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ اپنے شریک حیات چننے کے بارے میں بااختیار ہوں اور انہیں شوہر کو دوسری شادی سے روکنے کا حق بھی حاصل ہو۔

④ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کے انتخاب کے بارے میں مستقل طور پر خودمختار فیصلہ کرسکیں۔

⑤ مانع حمل ادویات استعمال کرنے اور بچے جننے کے بارے میں عورت کو فیصلہ کرنے کا اختیار بھی ملنا چاہئے۔

⑥ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ انہیں جسمانی، جذباتی اور جنسی استحصال سے تحفظ حاصل ہو۔

⑦ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ انہیں جنسی امور میں پرائیویسی حاصل ہو۔

⑧ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ انہیں بلوغت پر باہمی رضا مندی سے ہم بستری کی صورت میں مجرم بنائے جانے یا سزایابی سے استثناء کا حق حاصل ہو۔

⑨ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ انہیں بدگوئی اور تضحیک وتوہین سے تحفظ حاصل ہو۔

⑩ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ انہیں جنسی صحت کے اہتمام اور جنسی تعلیم کا حق حاصل ہو۔(۷۳)

یہ سب کی سب دفعات دونوعیت پر مبنی ہیں۔ایک تو اسلامی تعلیمات کے رد پر مشتمل ہیں۔اور دوسری نوع مسلمان ممالک کی مروجہ معاشرت اور ثقافت کے انکار پر مبنی ہیں۔جس طرح دفعہ نمبر 8 تو سیدھی سیدھی زنا کی اجازت پر مبنی ہے۔اور دوسری اسلامی معاشرے میں عورت کے استحصالی رویوں کی نشاندہی کر کے مغربی ثقافت کو فروغ دینے کی آئینہ دار ہے۔ان دفعات میں سارا زور اس امر پر دیا گیا ہے کہ مسلمان عورت بھی مغرب کی حیا باختہ عورت کی طرح آزاد ہو، وہ خود ہی تجربے کر کے اپنے شریک حیات کا انتخاب کرے، اور اس کے بعد بھی اس کا شریک حیات (پارٹنر) اس کے ماتحت رہ کر اپنا وقت گزارے۔حتیٰ کہ وہ بدکاری کا ارتکاب بھی کر لے، تو اسے مستوجب سزا نہ ٹھہرایا جائے، کیونکہ پاکدامنی کا تصور اب فرسودہ ہوگیا ہے اور یہ روشن خیالی کا دور ہے جس میں دیدارِ یار ہی کا اذنِ عام نہیں، بلکہ شادی سے بھی پہلے سب کچھ کرنے کا حق ہے۔اسی طرح عورت کو یہ حق بھی حاصل ہو کہ وہ اپنی مرضی سے جتنے چاہے بچے پیدا کرے، بچوں کی پیدائش کے بجائے اس کی صحت زیادہ عزیز ہونی چاہئے۔علاوہ ازیں اسے یہ حق بھی ہو کہ وہ خاوند کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہ دے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مغرب کے ان تصورات کو، جو اسلامی تعلیمات کے یکسر خلاف، بے حیائی اور بدکاری کی کھلی چھوٹ کے مترادف اور مسلمان عورت کی عزت و وقار کے منافی ہیں، انہیں 'اسلامی حقوق' باور کرایا جا رہا ہے۔

اسریٰ نعمانی کے ان خیالات اور خواتین کے حقوق کے لئے جدوجہد کی کوششوں کی حقیقت سامنے آنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسریٰ نعمانی کا اصل ایجنڈا کیا ہے؟ وہ خواتین کے جن حقوق کے لئے جدوجہد کررہی ہے اس کے پیچھے کون لوگ ہیں؟

اسریٰ نعمانی عورتوں کے جنسی اسلامی حقوق کے ساتھ ساتھ عورتوں کے معاشرتی مذہبی حقوق کے لیے بھی اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔مسجد میں خواتین کے حقوق سے متعلق بھی ان کا ایجنڈا اسی دلیری اور جرأت کا نشان ہے جس کا اظہار وہ جنسی حقوق میں کر چکی ہیں۔اس طرح وہ عورت کے اندرون خانہ اور بیرون خانہ دونوں

(۷۳)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.295

قسم کے حقوق کے لیے مسلمانوں کے مذہبی تصورات سے نبرد آزما ہیں۔ ان کی نظر میں مساجد سے متعلق خواتین کے حقوق درج ذیل ہیں جنہیں عورت کو لوٹانا ہی انہوں نے اپنا نصب العین بنالیا ہے۔[۷۴]

(1) Women have an Islamic right to enter a mosque.

(2) Women have an Islamic right to enter through the main door.

(3) Women have an Islamic right to visual and auditory access to the musalla(main sanctuary).

(4) Women have an Islamic right to pray in the musalla without being separated by a barrier, including in the front and in mixed gender congregational lines.

(5) Women have an Islamic right to adress any and all member of the congregation.

(6) Women have an Islamic right to hold leadership positions, including positions as prayer leaders and as members of the board of directors and management committees.

(7) Women have an Islamic right to full participants in all congregational activities.

(8) Women have an Islamic right to lead and participate in meetings, study sessions, and other community activities without being separated by a barrier.

(9) Women have an Islamic right to be greeted and addressed cordially.

(10) Women have an Islamic right to respestful treatment and exemption

(۷۴)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani (Preface)

from gossip and slander.(۷۵)

① عورتیں مسجد میں داخل ہونے کا حق رکھتی ہیں۔

② عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ بڑے دروازے سے مسجد میں داخل ہوں۔

③ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ مصلّہ پر کھڑے امام کو بلا واسطہ دیکھ اور سن سکیں۔

④ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ مردوں کی صفوں میں شامل ہو کر نماز ادا کریں اور وہ جماعت میں پہلی صف یا مردوں کے ساتھ مخلوط صف میں بھی کھڑی ہوسکتی ہیں۔

⑤ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ تمام جماعت کے مردوں سے خطاب کرسکیں۔

⑥ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ امامت پر مبنی عہدے سنبھال سکیں ۔ وہ مسلمانوں کی جماعت کی امامت بھی کروا سکتی ہیں۔اور انتظامی تنظیمی عہدے بھی لے سکتی ہیں۔

⑦ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ تمام جماعتی امور میں پوری طرح سے شریک ہوں۔

⑧ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ تمام تعلیمی، معاشرتی اور فیصلہ جاتی سرگرمیوں میں بلا واسطہ شامل ہوں نہ کہ انہیں مردوں سے الگ کیا جائے۔

⑨ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ وہ پر جوش مخاطب بن سکیں۔

⑩ عورتوں کا اسلامی حق ہے کہ ان سے احترام پر مبنی معاملہ کیا جائے اور ان کے بارے میں بیہودہ بکواس نہ کی جائے اور ان کا استہزاء نہ کیا جائے۔

مساجد میں خواتین سے متعلقہ بل انہوں نے اپنی حج سے واپسی پر پیش کیا۔ اسریٰ کا اپنا آبائی تعلق انڈیا اور پاکستان سے ہے۔ان دونوں ممالک میں انہوں نے خواتین کو مساجد میں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کے بعد وہ جس نتیجے پر پہنچی یہ بل اس کا عکاس ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اسریٰ نعمانی کی پرورش اصل میں امریکہ Morgan Town میں ہوئی ہے۔ان مسلم ممالک کی سیر میں ان کا زاویۂ

(۷۵)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.293

نگاہ امریکہ نژاد ہونے کا آئینہ دار ہے۔ وہ مسلم خواتین کا اپنی مذہبی عبادت گاہوں سے تعلق کو غیر مسلم عورتوں کا اپنی عبادات گاہوں سے تعلق کے پس منظر میں دیکھتی ہیں پھر غیر مسلم عبادت گاہوں میں صنفی امتیاز کے خلاف ڈٹ کر اسلامی تعلیمات کو حاکم بناتی ہیں پھر مغربی نقطہ نگاہ سے ہر صنفی امتیاز کو ملیا میٹ کر دیتی ہیں۔ اور اس پر مساوات مردوزن کا جھنڈا گاڑتی دکھائی دیتی ہیں لیکن اس کا نام ''اسلامی'' ہی رکھتی ہیں۔ مساجد میں عورتوں کے حقوق کے ضمن میں لکھی گئی ان کی کتاب Standing Alone in Mecca میں تقریباً ہر باب میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہ عام مسلمان عورتوں کی طرح منافق نہیں ہیں اور انہوں نے ہر خیال علی الاعلان وہی ظاہر کیا ہے جس طرح وہ سوچتی ہیں۔ اور وہ مسلمان عورتوں کے ظاہر اور باطن کی ایک تشریح پر یقین رکھتی ہیں اور وہ اپنے بیٹے کے باپ کو علی الاعلان غیر نکاح کردہ دوست ہی بتاتی ہے۔ اور اپنا شوہر ظاہر کرنے کی منافقت سے دور ہے۔(۷۶)

گویا کہ ان کے نزدیک بقیہ تمام مسلمان عورتیں جو اپنے بچوں کے باپ کو اپنا شوہر بتاتی ہیں وہ منافق ہیں اور عورتوں کے پردے ان کی جنسیت کی جھوٹی آڑ کی بناء پر ہیں اور عورتوں کا باطنی تقدس فقط ایک فریب ہے۔

اسریٰ نعمانی اور ڈاکٹر امینہ ودود ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلام کی جو تصویر پیش کر رہی ہیں اس سے مسلم کمیونٹی میں شدید جذبات پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر امینہ ودود نے نماز جمعہ کی امامت کے دوران عربی میں پڑھے جانے والے خطبہ کی کتاب اپنے پاؤں میں رکھ دی۔ اسریٰ نعمانی نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کو مسجد میں داخل ہونے کا، صف میں بیٹھنے کا اور منبر پر کھڑے ہونے کا حق ہے اور ان حقوق کے لئے کوششیں کی جائیں گی۔(۷۷)

اسریٰ نعمانی مغربی ایجنڈے کو آگے بڑھاتے اور مسلم کمیونٹی کے جذبات کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے یہ اسلام کی نئی تشریح کی اپنی سی کوششیں کر رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مساجد میں عورتوں کا برابر حصہ صرف مغربی ہیومن رائٹس کی ہی نہیں اسلامی حقوق کی بھی توثیق ہے۔(۷۸)

(۷۶)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.283

(۷۷) ایضاً، ص ۲۹۳

(۷۸) ایضاً، ص ۲۸۳

ان کا کہنا ہے کہ وہ مغرب میں رہتے ہوئے مشرقی عورت کے مذہب کی امامت کریں گی۔

The True Islam will be exported from the west to east, by wars and interpretation of the Holy Quran and Hadith, a fresh, by islamic scholars from the west.(۷۹)

وہ کہتی ہیں کہ "اگر مرد اور عورت حرم میں اکٹھے نماز پڑھ سکتے ہیں تو دنیا کی اور مساجد میں کیوں نہیں اور مورگن ٹاؤن میرے شہر کی مسجد میں کیوں نہیں۔"(۸۰)

جہاں تک خواتین کی مساجد کا تعلق ہے تو ماضی کے برعکس اس دور میں یہ کاوشیں بھی آئے روز بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب ہندوستان میں مالا بار کے علاقے میں مسلم خواتین اپنی علیحدہ علیحدہ مساجد بنا رہی ہیں، چینی حکومت کے قائم کردہ ادارے 'اسلامک ایسوسی ایشن آف چائنا' کے زیر اہتمام چین میں بھی ایک مسجد النساء کا افتتاح ہو چکا ہے جس میں حجاب اور نقاب کی پابند جن میہا نامی عورت امامت کراتی ہے۔ اور وہ مسجد کی مستقل امام ہے اور مسجد میں ہی رہائش پذیر ہے۔ اور اب عورتوں کی امامت چین کے دیگر شہروں میں بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔(۸۱)

ایسے ہی ہالینڈ کے دارالحکومت ایمسٹرڈیم میں بھی خواتین کی ایک مسجد کا افتتاح کیا جا چکا ہے، ورجینیا میں Adams کے نام سے ایک مسجد ہے۔ جسے وہاں کا طبقہ نسواں اپنی فتح مندی کی علامت قرار دیتا ہے۔ اس میں عورتیں سامنے والے دروازے سے داخل ہوتی ہیں اور بڑے ہال میں مردوں کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں۔(۸۲)

کچھ عرصہ قبل امریکہ میں چھ مردوں اور چھ عورتوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جسے بائبل کی غلطیاں درست کرنے کا فرض سونپا گیا تھا۔ ان دانشوروں نے ماڈرن طبقہ کے لئے عورت و مرد کی مساوات کے نقطہ نظر سے

---

(۷۹)"Standing alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.283

(۸۰) ایضاً، ص/۹۵

(۸۱)"Women imam play indispensable role in China's largest Muslim region" by Wang Hogjiang, www.chinaview.cn.23-06-2008

(۸۲)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.282

بائبل میں ترمیم کی۔ اس طبقہ کو خدا کے مذکر ہونے پر بھی اعتراض ہے۔ امریکہ سے پھوٹنے والی اس وبا نے بھی نام نہاد مسلم دانشوروں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ بائبل میں جہاں خدا کے لئے 'He'، 'لارڈ' یا 'فادر' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہاں 'گاڈ' کہنے پر گزارا کیا جارہا ہے۔ سینٹ پال کے جملے کہ ''بیویوں کو اپنے شوہر کی اس طرح اطاعت کرنی چاہیئے جس طرح خدا کی اطاعت کرتی ہیں۔'' کو بھی حذف کردیا گیا ہے۔ یہودیوں کے ہاں لبرل طبقہ نے بھی اپنی مرضی کی تورات ترتیب دے رکھی ہے۔ جہاں خدا کو مذکر ظاہر کیا گیا ہے، اس کی بجائے، ابراہیم کا خدا، اسحٰق کا خدا، یعقوب کا خدا استعمال کیا جارہا ہے۔ جہاں خدا کے بیٹے کا تذکرہ آتا ہے، وہاں 'خدا کی اولاد' لکھا جاتا ہے۔ Alizbeth Stanton ایک متشدد Feminist ہیں جو کثرت سے عیسائی مذہبی موضوعات پر لکھتی رہتی ہیں ان کا کہنا ہے۔

As a professional scientist my self, I agree with defination of God in terms of sexless Power evidenced by the immutable laws of the universe.(۸۳)

''میں بطور ایک پیشہ ور سائنس دان کے خدا کی اس تعریف سے متفق ہوں کہ وہ ایک بلاتمیز جنس ایک طاقت ہے جسے کائنات کے لامتناہی قوانین پر قدرت حاصل ہے۔''

اس طرح مغرب کی لادین، مادر پدر آزاد عورت نے مرد کی تخلیق کے حسد کا غبار نکالا۔ عورت کی امامت کے حالیہ فتنہ کے پیچھے بھی اہل کتاب کے اسی طبقہ کا ہاتھ ہے۔

خدا کے مذکر ہونے کا اعتراض کرنے والوں کو جیزز (حضرت عیسیٰؑ) کے مرد ہونے پر بھی صدمہ ہے۔ تمام پیغمبر مرد تھے، خدا مؤنث ہوتا تو پہلے حوّاؑ کو جنم دیتا اور اس کی پسلی سے آدمؑ کو پیدا کرتا۔ مرد کو حاکمیت و امامت دینے والا خدا یقیناً مذکر ہے جس نے آدم کی پیدائش کی اور اس کی پسلی سے عورت کو پیدا کیا۔(۸۴)

(۸۳)"The women's Bible" by Elizbeth Cady Stanton and the revising Committee Coalaition on woman and religion, seatle 1992 Edition- Sunshine for women book summaries. p.10...... http//www.Pinn.net/sunshine/book-sum/w-bible.html.

(۸۴)"The Bible, The Book, The Bridges, The Mellennia" by Maxine clarke, Maxine clarke Beach, 1998. http/gbgm-umc.org/bible/feminism.html.

اسلامی تاریخ میں ایسی مساجد کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا البتہ عام مساجد کے ساتھ خواتین کی نماز کے لئے مخصوص حصے ضرور موجود رہے ہیں اور اب بھی پاک و ہند کے بعض مخصوص مسالک کے علاوہ خلیجی ممالک میں بکثرت اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

عورتوں کے حقوق کے ضمن میں منظّم عالمی کوششوں اور مسلم ممالک میں اس کے اثرات کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں تہذیبی تصادم اپنی جڑیں گہری کر رہا ہے۔ جہاں اسلامی فکر، مغربی عالمی کوششوں سے تحفظات رکھتی ہے وہاں اسلامی فکر کو اپنی تہذیبی خطوط کی استواری کی مشقتوں کا سامنا بھی ہے۔ اسلامی فکر کو جہاں مغربی افکار کی یلغار سے اپنے نئے ذہنوں کو محفوظ کرنا ہے وہاں اسلامی تصورات و نظریات کو بھی گردوغبار سے صاف کرنا ہے ان نظریات پر پڑی ہوئی گردوغبار اسلام دشمنوں کے حق میں اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ اگر آج اپنی نظریاتی حدود کی حفاظت نہ کی گئی تو نام نہاد مسلمانوں کی وہ نسل نو جو یا تو مغربی ماحول یا مغربی اور مشرقی ماحول کی یکساں پروردہ ہے اُس کا اس دامِ ہم رنگ زمین کا شکار ہو جانا، آزادی نسواں کے افکار سے مرعوب ہو جانا اور استعمار کی اس سازش میں پھنس جانا زیادہ نا قابل فہم نہیں۔

مبحث پنجم

تحریک حقوق نسواں کی بنیادی نفسیات

گزشتہ تین صدیوں کے دوران یورپ میں سر اٹھانے والی بیشتر فکری تحریکوں مثلاً سیکولرازم، لبرل اِزم، سوشلزم، فاشزم اور پھر تحریکِ نسواں (Feminism) میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ان تحریکوں کی بنیاد نفرت کے جذبات پر رکھی گئی۔ انہوں نے کسی ایک مبینہ ظالم کی نشان دہی کی اور پھر اس کے خاتمے کے لیے بھرپور جدوجہد شروع کر دی۔ اشتراکیوں کے نزدیک نجی جائیداد اور اس کے مالکان اصل 'مجرم' تھے۔ فشار پسندوں (Anarchists) کے نزدیک ریاست ہی سب سے بڑا ظالمانہ اور جابرانہ ادارہ ہے جو فرد کی خوشیوں کا قاتل ہے، لہٰذا اسے نہیں ہونا چاہیے۔ فاشسٹوں کے خیال میں لبرل پارلیمانی جمہوریت ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ یورپ کے نسل پرستوں (Racists) کی رائے میں یہودی بطور قوم ان کی معاشی پریشانیوں کا اصل سبب تھے، اس لیے انہوں نے یہود کشی کو ان مسائل کا حل بتلایا۔ بقول فرڈیننڈ لنڈ برگ (Feminists) کے نزدیک تقریباً نصف انسانی نسل (یعنی مرد) ہی ظالم ہے، لہٰذا انہوں نے ان کے خلاف محاذ کھول لیا۔ (۸۵)

فرڈیننڈ لنڈ برگ اپنی معروف کتاب Modern Women the lost sex میں ایسی عورتوں کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

> ''حقوق نسواں کی علمبردار عورتیں نسوانیت سے نجات حاصل کرنے کا بھرپور تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ ان کے خیال میں یہی نسوانیت ہی تھی جو ان کی سیاسی، معاشی، سماجی اور جنسی محرومیوں کا بنیادی سبب تھی۔'' (۸٦)

وہ اس تحریک کی آئیڈیالوجی کے فروغ پانے کی وجوہات کا تعین کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"It was out of the disturbed libidinal organization of women that the ideology of feminism arose."

''یہ عورتوں کے جنسی اختلال کی بنا پر تھا کہ تحریکِ نسواں کا نظریہ آگے بڑھا۔'' (۸۷)

---

(۸۵) *"Modern Women: The lost sex"* Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham, New York: Harper and brother's, 1947, p.44

(۸٦) ایضاً، ص ۴۵ (۸۷) ایضاً

وہ مزید لکھتا ہے:

''عورتوں کے دائرہ کار میں اصلاح کے پس پشت اصل بات یہ تھی کہ یہ عورتیں لاشعوری طور پر اپنی جنسی زندگی کے دائرے میں تبدیلی چاہتی تھیں۔ یہ وہ عورتیں تھیں جو لاشعوری طور پر اپنے مغلوب یا تباہ ہونے کے خدشات کا شکار تھیں، انہوں نے اس مسئلے کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔''(۸۸)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مغرب میں عورتوں میں ہم جنس پرستی کا رواج دراصل مردوں سے نفرت کا اظہار اور ان کے تاریخی ظلم وستم کے خلاف شدید ردّعمل ہے۔ ان عورتوں کے خیال میں مردوں کی رفیقۂ حیات بننا ان کی جنسی غلامی کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔ تحریکِ آزادی نسواں میں شامل عورتوں کا ایک گروہ "Radical Feminists" کہلاتا ہے۔ یہ گروہ نسواں، مردوں کی تحقیر اپنا ایمان سمجھتا ہے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے میں انہی عورتوں نے ایسا لٹریچر پیدا کیا ہے، جس میں اعلان کیا کہ اکیسویں صدی میں عورتوں کو مردوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ عورتیں افزائش نسل کے لیے سائنسی طرز پر مصنوعی تخم کاری " Artificial Insemination " کی تبلیغ کرتی ہیں۔(۸۹)

مولانا مودودیؒ تحریک آزادئ نسواں کے محرکات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہرحال دونوں گروہوں نے کام ایک ہی کیا اور وہ یہ تھا کہ اپنی تحریکات کے اصل محرکات کو چھپا کر ایک جذباتی تحریک کی بجائے ایک عقلی تحریک بنانے کی کوشش کی۔ عورتوں کی صحت، ان کے عقلی و عملی ارتقا، ان کے فطری و پیدائشی حقوق، ان کے معاشی استقلال، مردوں کے ظلم و استبداد سے ان کی رہائی، اور قوم کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے ان کی ترقی پر پورے تمدن کی ترقی کا انحصار اور ایسے ہی دوسرے حیلے جو براہ راست یورپ سے برآمد ہوئے تھے، اس تحریک کی تائید میں پیش کئے گئے تاکہ عام مسلمان دھوکے میں مبتلا ہو جائیں اور ان پر حقیقت کھل نہ سکے۔''(۹۰)

یہ مردوں کی بالاتری کے غم اور غصے کے جذبات کو تحریک کی شکل دی گئی ہے۔ اس تحریک کے فروغ کے لئے کام

(۸۸)"Modern Women the lost sex" by Ferdinad Lundberg & Marynia F. Farnham, p.45

(۸۹)*"The Feminist challange"* the movement for women's Liberation in Britian and the united states by David Bouchier, Macmillan Press London. First Published in 1983, p.27.

(۹۰) پردہ از مودودی، ص ۴۴

کرنے والی خواتین اکثر وہ ہیں جن کا تعلق شکستہ گھرانوں سے ہے اور جو مرد کی قوت سے ٹکرا کر توڑنے کے جذبات رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کا کام شوہر اور بیوی کے درمیان نفرت کے جذبات کو ہوا دینا ہے نہ کہ محبت کے۔ ان کا کام مرد کی مردانگی کو توڑنا ہے نہ کہ مرد کو محبت دے کر ان کی مردانگی سے قوت حاصل کرنا۔

اور اسلامک فیمی نزم کی بنیاد مذہبی اجارہ داری کے خلاف نفرت پر مبنی ہے۔ یہ فکر عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مذہب علماء سے خار رکھتی ہے۔ انہوں نے ملاّ کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان عورتوں کا سب سے بڑا مسئلہ مذہبی تشریحات پر اندھا اعتماد ہے۔ مذہبی روایت پسندی اور دینی تاریخی علمی ورثہ، علماء اور مدارس سے انہیں انتہائی چڑ ہے۔ اسلامی شعائر کا استہزاء اور عورتوں کے لیے اسلامی تعلیمات سے اخذ ہدایت کی مزاحمت ان کا نصب العین ہے۔ مشرقی معاشرے کی اسلامی فکر سے نفرت اور مغرب کی حمایت ان کی پہچان ہے۔ اسلامی معاشرے میں پسماندہ عورت کی تصویر کشی کر کے انسانی حقوق کے نام پر ان کے خاندانوں کے خلاف ان کی استعانت ان کا منشور ہے۔ اسلام کی تشریحات اور مساجد پر قبضہ کر کے مساوات مرد و زن کا قیام ان کی منزل ہے۔

جو بھی نظام یا ازم نفرت کی بنیاد پر جڑ پکڑتا ہے وہ تعمیری اسلوب کی بجائے تخریب پسند ہوتا ہے وہ کئی پہلوؤں سے حق پر ہوتے ہوئے بھی انتہا پسندی اور تشدد کے باعث ناحق اور ناجائز قرار پاتا ہے۔ اس لیے عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اسلامی ماخذ کی تعبیر نو اسلامی احیا کی بجائے مذہبی تخریب کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اگر تعبیر نو کا تعلق ان کے اخلاص نیت سے ہوتا تو علماء کی مدد اور علماء سے مدد ان کی راہ ہوتی۔ اسی لیے حقوق نسواں کی تعبیر نو اصلاح مذہب کی بجائے مذہب کی مخالفت پر مبنی ہے۔ اور اسی لیے امینہ ودود اور اسریٰ نعمانی مسلمانوں کی امامت کی دعویدار ہونے کے باوجود سلمان رشدی کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔ مسلمان علماء کی آراء پر تنقید تو بجا عام مسلمان صحافی[۹۱] بھی انہیں ایک ہی لائن میں کھڑا کرتے ہیں اور اسلام کی تشریحات کے باوجود یہ دشمنانِ اسلام کی صف میں کھڑی پائی جاتی ہیں۔

---

(۹۱) See: "Feminism" Harmful to Muslim Women, by Faisal Sanai, Daily Pakistan Times, 04-04-05

فصل سوم

حقوق کے حصول کی جدوجہد کے معاشرتی اَثرات

حقوق کے حصول کی جدوجہد کے معاشرتی اثرات

عورتوں نے اپنے تقاضائے نسوانی کے تحت خاندانی نظام کے جس ڈھانچے کو تہہ و بالا کرنا چاہا تھا، کرلیا۔ انہوں نے اس سے اپنے مفادات بھی پورے کر لئے۔ خاندان کو ترقی کی ڈھب پر بھی ڈال لیا۔ عورتوں نے مردوں کی بالادستی کا انکار کردیا اور مساوات حاصل کرلی جس کی بدولت ان کی معاشی تنگدستی دور ہوگئی اور ان پر دنیا کے اُفق کھل گئے اور وہ آزاد فضا میں سانس لینے لگیں، لیکن عورتوں کی آزادی کے جو ضمنی اَثرات معاشرے پر پڑے وہ عورتوں سے وابستہ دیگر افراد کے لئے کچھ اتنے خوش کن نہ تھے۔ معاشی مسائل میں الجھنے سے قبل عورت جن وظائف کو پورا کرتی تھی ان سے محرومی کئی رُخ رکھتی تھی۔

خاندانی نظام کی تباہی، عورتوں کی مردوں سے مسابقت کے باعث مرد عورت کے تحفظ اور احساس ذمہ داری سے فارغ ہوگئے۔ اب وہ عورتوں کے معاشی کفیل بھی نہ رہے۔ عورت کی معاشی ذمہ داری نے عورت کی مادی طاقت میں اِضافہ کرنے کی بجائے ان کی کفالت کی جگہ لے لی۔ جس کی بدولت عورت کو آزادی تو ملی، لیکن ذمہ داری بڑھ گئی۔

معاشرتی رویوں میں لین دین سے انسانی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیازی افراد کو ایک دوسرے سے دور کردیتی ہے۔ ایسا ہی مرد اور عورت کے درمیان بھی ہوا۔ مرد اور عورت جو ایک جسم دو قالب تھے اور دو جسموں میں بٹ گئے۔ اب وہ ایک دوسرے کی تکمیل نہ رہے بلکہ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔ مرد کو معاشی ذمہ داری سے آزادی ملی تو عورت نے جنسی وظائف سے آزادی کا تقاضا کردیا۔ (یہی وجہ ہے کہ تحریک آزادئ نسواں سے وابستہ خواتین شادی کے بعد مرد کے جنسی تقاضے کے جبر کو قابل موردِ الزام ٹھہراتی ہیں اور اگر شوہر بیوی کی رضا کے بغیر اس سے اپنا جنسی حق وصول کرلے تو اسے Marital Rape قرار دیتی ہیں اور عدالت سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ مرد کو اس جبر کی سزا دے۔ (۱)

تحریک آزادئ نسواں کے نتیجے میں عورت پر معاشی ذمہ داری پڑی تو عورت نے مادرانہ وظائف کا انکار کردیا۔ عورت کی نزاکت دوہرے بوجھ کی متحمل نہ تھی۔ عورت نے ضبط ولادت میں سکون پایا۔ عورت کو چھٹی ملنا بھی مشکل

(۱) دیکھئے: بیجنگ ڈرافٹ دفعہ۔۱۶

"Fourth World Conference for Women, Beijing. Sep,1995." Pakistan National Report.

تھا۔عورت کو اولاد کو دودھ پلانا بھی مشکل تھا۔ اگر اس کے اجیروں نے اُسے اولاد کی پیدائش پر چھٹی دی تو اکثریت نے اسے نوکری سے ہی چھٹی دے دی۔عورت نے یہ کچھ دیکھا تو جانا کہ اس نے اپنے بوجھ کو گھر میں اتارنا ہے۔ اس نے اولاد کی رضاعت سے چھٹی لے لی اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے نوکرانی رکھ لی۔ ایسے میں عورت اور اولاد کا رشتہ بھی ٹوٹتا چلا گیا۔مردوں کو گھروں میں سکون نوکرانیوں کی بدولت ملا تو مردوں نے ان سے جنسی روابط بھی وابستہ کر لئے۔جس سے نوکرانیوں کے گھر بن گئے اور تحریک آزادئ نسواں کی پیروکاروں کے گھر اُجڑ گئے۔

اپنی فطری کمزوریوں کے باعث عورت دفتروں اور کارخانوں میں مردوں جتنا کام نہ کرسکی اور نہ ہی ان کے برابر معاوضہ پاسکی،عورت کو اپنے دفتروں اور کارخانوں میں جنسی تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اکثر عورتیں اپنے باس کی جنسی تسکین کے لئے کھلونا بن گئیں۔

تحریک آزادی نسواں کے نتیجے میں عورت کے معاشی استقلال کے نتائج بیان کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

”عورت کے معاشی استقلال نے اسے مرد سے بے نیاز کر دیا، یہ اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر سنبھالے قدیم ٹھہرا۔جدّت نے مرد وزن کو نیا سبق یہ دیا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا باقی نہیں رہا جوان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو اور ظاہر ہے کہ محض شہوانی خواہشات کا پورا کرنا کوئی ایسا کام نہیں جس کی خاطر مرد اور عورت لامحالہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق ہی کی گرہ میں باندھنے اور ایک گھر بنا کر مشترک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ جو عورت اپنی روٹی آپ کماتی ہے، اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اپنی زندگی میں دوسروں کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے، وہ آخر محض شہوانی خواہش کی تسکین کے لیے کیوں ایک مرد کی پابند ہو؟ کیوں اپنے اوپر بہت سی اخلاقی اور قانونی بندشیں عائد کرے؟ کیوں ایک خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے؟ خصوصاً جبکہ اخلاقی مساوات کے تخیل نے اس کی راہ سے وہ تمام رکاوٹیں بھی دور کر دی ہوں جو اسے آزاد شہوت رانی کا طریقہ اختیار کرنے میں پیش آسکتی تھیں تو وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے آسان، پرلطف اور خوشنما راستہ چھوڑ کر قربانیوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدا ہوا پرانا دقیانوسی Old Fashioned راستہ کیوں اختیار کرے؟ گناہ کا خیال مذہب کے ساتھ رخصت ہوا اور سوسائٹی کا خوف یوں دور ہو گیا کہ سوسائٹی نے اسے اب روشن خیالی اور مساوات کا نام دے لیا۔یہی وہ چیزیں ہیں جس نے مغربی معاشرت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ (۲)

(۲) پردہ از مودودی، ص/۲۵۔۲۶

عورتوں کے گھروں سے باہر نکلنے کی بدولت مرد و زَن کا اختلاط عام ہوا۔ جنسی آزادی کا رجحان بڑھ گیا۔ خوبصورتیوں کے مقابلوں کی بنا پر بیوٹی پارلرز اور بازاروں کے چکر بڑھ گئے۔ جس کی بدولت معاشی منڈی میں تیزی آئی اور عورتوں کا زیب و زینت پر اٹھنے والا خرچ بڑھ گیا۔ عورت کی دلچسپی اس کے آس پاس کے افراد کی بجائے اس کی اپنی ذات میں اور اپنے کام میں بڑھ گئی۔ افراد خانہ میں محبت و الفت کے بندھن ٹوٹ گئے۔ انسان اس سکون سے محروم ہوگیا جو صرف خاندان ہی فراہم کرسکتا ہے۔

تحریک حقوق نسواں کے نتیجے میں طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی۔ اور عورتوں نے معاش کے ساتھ ساتھ طلاق کا حق بھی مانگ لیا۔[۳]

عورتیں طلاق سے پہلے بھی گھر کا خرچ خود چلاتی تھیں۔ جو مرد طلاق سے قبل خرچ اٹھانے کا عادی نہیں تھا وہ طلاق کے بعد عورت کو بچوں کا خرچ کیوں دیتا۔ نتیجتاً Single parent families نے جنم لیا۔ اس طرح سے عورتوں پر ذمہ داریاں کئی گناہ بڑھ گئی۔ تحریک آزادئ نسواں کی حامیوں کو اسقاط حمل کے حق مانگنے پڑے۔[۴]

تحریک آزادئ نسواں کے نقطۂ کمال تک پہنچنے میں عورتوں اور مردوں میں شادی سے نفرت کا رجحان بڑھا۔ یہاں تک کہ دونوں نے شادی کو اپنے لئے قید تصور کیا۔

Abolitionists, The Family and Marriage under attack. جیسی کتب وجود میں آئیں، شادی سے انکار کی بدولت مجرد زندگی کے ذائقے بڑھے جنسی بے راہ روی بڑھی، قحبہ خانے وجود میں آئے۔[۵]

عریانیت نے ایک باقاعدہ ادارہ کی شکل اختیار کرلی۔ عورتوں پر جسمانی تشدد بڑھا۔ (تحریک آزادئ نسواں کے حامیوں کو اپنے ایجنڈے میں یہ منطق رکھوانی پڑی کہ 'قحبہ گری کرنے والی خواتین مجرم نہیں مظلوم ہیں۔ ان کو سزا نہ دی جائے)

جہاں جنسی جرائم حد سے بڑھے، وہاں ہم جنس پرستی کو فروغ ملا۔ ہم جنس پرستی نے معاشرتی ساخت میں جو تبدیلی

(۳) دیکھئے: بیجنگ ڈرافٹ کی دفعہ۔۱۷ (اسی لئے طبقہ حقوق نسواں یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق کا حق ہونا چاہئے)

(۴) دیکھئے بیجنگ ڈرافٹ، دفعہ۔۱۰

(۵) دیکھئے: بیجنگ ڈرافٹ، دفعہ۔۱۲

کی اس کے ساتھ ساتھ طب کی دنیا کو ایڈز جیسے تحفے دیئے۔ آتشک، سوزاک جیسی جنسی بیماریاں بھی بے شمار تھیں لیکن جو تباہی ایڈز نے مچائی وہ اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔

چنانچہ معاصر ناقدین تحریک نسواں کے معاشرتی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رواں صدی کے آغاز میں عورتوں کو ترفع (Emanicipation) عطا کرنے کے نعرے پر یورپ میں جو تحریک شروع ہوئی تھی وہ بیسویں صدی کے اختتام پر بالآخر عورت کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینکنے پر منتج ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ گھریلو زندگی کے تقدس مآب ماحول سے نکل کر وہ مرد کی گھٹیا شہوت رانی اور جنسی ہوسنا کی کی تسکین کا ذریعہ بن چکی ہے۔ اخلاقی اقدار کی چادر کو پھینک دینے کے بعد اب وہ بے لباسی کو عورت (چھپی ہوئی چیز) کی آزادی اور فیشن پرستی کی علامت سمجھتی ہے۔ ظالم مرد کے بیہمانہ استحصال سے چھٹکارا پانے کی خواہش نے بالآخر اسے مرد کی دلکش فریب کاری کے نئے پھندوں میں الجھا دیا ہے۔ مرد کی جنسی تسکین کے لیے جو کام پہلے وہ بامر مجبوری کرتی تھی، آج وہی فرائض وہ آرٹسٹ کے دل فریب اعزاز سے مزین ہو کر ادا کرنے میں مسرت محسوس کر رہی ہے۔ مرد کی داشتہ کا کردار اس کے لیے ذلت کا باعث تھا لیکن آج وہ سیکرٹری بن کر تقریباً وہی کام احساس تفاخر کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔ یورپ کی عورت کا شباب، جمال پرور، مخلوط مجالس میں دادِعیش دیتے گزرتا ہے اور بڑھاپا اولڈ ہوم کی وحشت ناک تنہائی میں ایڑیاں رگڑتے گزرتا ہے۔ وہ عورت جس کی جوانی نائٹ کلبوں میں مردوں کی باہوں میں گزری ہے جب مرتی ہے تو اس کی لاش کو اپنے بیٹوں کا کندھا نصیب نہیں ہوتا۔ افسوس کہ عورت مرد کے استحصال کی اس نئی صورت کا صحیح ادراک نہیں کر سکی۔''(۶)

تحریک آزادیٔ نسواں کی عورتوں نے اپنے گھر کے مردوں کے خلاف تحریک چلائی تھیں۔ جس کی بدولت گھر کے مردوں نے ان سے دست شفقت کھینچ لیا اور عورت گھر کے باہر کے مروں کے تشدد کا نشانہ بننے لگی۔ ایسی عورت کا محافظ کوئی نہیں تھا۔

تحریک آزادیٔ نسواں کی بدولت عورتوں میں مردوں سے محبت کی بجائے نفرت کا رجحان بڑھا اور وہ اپنے باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے کو محبت دینے کی بجائے ان سے نفرت کرنے لگی اور ان سے آزادی میں مسابقت چاہنے لگی۔ تحریک آزادیٔ نسواں کی ترقی کی بدولت محبت ایک جذبہ نہیں ایک تجارت بن گئی۔ گھر جائے سکون نہیں، میدان جنگ بن گیا۔ اولادیں والدین کی سرپرستی اور محبت سے محروم ہو گئیں۔ اس سے قبل کسی بچے کے لئے اپنے ماں باپ

(۶) عورتوں کے حقوق کے نام پر از عطاء اللہ صدیقی، محدث، جنوری ۱۹۹۷ء، ج ۱، ش ۱، ص ۶-۷

سے محروم ہونا صرف ہنگامی اسباب سے ہوتا تھا۔ ماں باپ میں سے کسی ایک کی اتفاقی موت سے،لیکن اس تحریک کی بدولت بچے والدین کی موجودگی میں یتیم ہوگئے۔ بچوں میں ڈیپریشن اور خودکشی کی شرح بہت بڑھ گئی عموماً بچے تنہائی کے کرب اور بے سہارگی کے صدمے سے دوچار ہوکر جرائم کی طرف متوجہ ہوئے۔تعلیمی اداروں میں شراب، منشیات، اسلحہ، ماردھاڑ اور جرائم کی کثرت حد سے بڑھ گئی۔......

تحریک آزادی نسواں نے ایک اور غضب یہ ڈھایا ہے کہ مردوزن کے درمیان صدیوں سے قائم الفت ومودت کے رشتے میں رخنہ پیدا کر دیا ہے۔مردوں کے خلاف یکطرفہ زہریلے پروپیگنڈے نے دونوں جنسوں کے درمیان باہمی اعتماد کی فضا کو بری طرح متاثر کیا ہے۔عورتوں نے آج سے ۵۹ برس قبل تحریک آزادی نسواں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا اس وقت ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ عورت اپنی جدوجہد میں اکیلی رہ جائے گی۔انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ مرد (خاوند) کے خلاف جدوجہد کے نتیجے میں بالآخرہ اپنے باپ اور بھائیوں کی اخلاقی امداد سے بھی محروم ہو جائے گی۔مرد کے مبینہ ظلم وستم کا اس قدر مبالغہ آمیز طریقے سے پراپیگنڈہ کیا گیا کہ شادی سے پہلے ایک عورت کا مرد کے بارے میں تصور ایک وحشی انسان کا ہوتا ہے۔مرد کے خلاف بغاوت کا رجحان اس کی فطرت میں شامل ہو جاتا ہے،ایسی صورت حال میں ازدواجی تعلق تادیر کیسے قائم رہ سکتا ہے۔یورپ میں طلاق کی خطرناک شرح کے پس پشت یہی جذبات کارفرما ہیں۔......(۷)

تحریک آزادیٔ نسواں جدت پرستی میں بزرگوں کی رہنمائی اور شفقت سے بیزار ہوئی۔ جوانی اور خودی پر اعتماد بڑھا۔ بزرگوں کا تجربہ اور جذبہ محبت دھتکارا گیا۔ بزرگ محض بوجھ بنے۔ جہاں بچے Day care centres میں گئے وہاں بزرگوں کے لئے اولڈ ہومز بنے اور آزادی کا جذبہ قدامت سے جان چھڑا کر نئے ذائقے ڈھونڈنے چل نکلا۔عورتوں کے تحفظ کے لئے عدالتوں، حکومتوں، اداروں اور تنظیموں نے وجود پایا اور عورتوں کے لئے استثنائی قانون سازی ہونے لگی۔غرض معاشرے کا پورا ڈھانچہ بدل گیا۔

تحریک آزادی نسواں کے فروغ کے نتیجے میں سروس سیکٹر میں عورتوں کی تعداد بڑھ گئی۔عورتوں کی تعداد بڑھنے کی بدولت مردوں کی بے روزگاری میں اضافہ ہوگیا۔اکثر اوقات ایسی صورت حال بنی کہ عورتوں کو ملازمت اور معاش مل گیا اور مرد گھر پر بیٹھ کر بچوں کی دیکھ بھال کے فرائض سرانجام دینے لگے۔یا ان مردوں میں سے اکثر نے معاش سے چھٹی کو غنیمت جانا اور گھر بیٹھے مکھیاں مارتے رہے،بچوں میں جرائم کا تناسب بڑھ گیا کیونکہ جس طرح مائیں

(۷)عورتوں کے حقوق کے نام پر از عطاء اللہ صدیقی، محدث، جنوری ۱۹۹۷ء، ج ر، ش ر، ص ر ۶

بچوں کی نقل وحرکت پر توجہ رکھتی ہیں مرد وہ توجہ نہ دے پاتے۔ان پیدا ہونے والے مسائل کی نشاندہی اہل علم کر رہے ہیں۔

''اگر عورتوں کی ملازمت کے نتیجے میں مردوں میں بے روزگاری پھیلتی ہے تو یہ کسی بھی ملک کی مجموعی ترقی پر منفی اثرات مرتب کرے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کی آبادی سو فیصد تعلیم یافتہ تو سکتی ہے لیکن سو فیصد تعلیم یافتہ کو روزگار مہیا کرنا ممکن نہیں۔اگر تمام تعلیم یافتہ خواتین اپنا مقصد تعلیم حصول ملازمت کو بنالیں تو ان کی اچھی خاصی تعداد کو بے روزگار رہنا پڑے گا۔اس کے مقابلے میں اگر خواتین تعلیم تو حاصل کریں مگر اپنے گھر کے نظم ونسق اور بچوں کی پیدائش ونگہداشت سے روگردانی نہ کریں۔گھر سے باہر کے معاملات مردوں کے لیے چھوڑ دیں تو اس صورت میں اس قوم کا خاندانی شیرازہ بھی قائم رہے گا اور پڑھے لکھے افراد میں ملازمت کا توازن بھی متاثر نہیں ہوگا۔عورتوں کی ملازمتوں میں برابری پر زور دینے کی بجائے اگر مردوں کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا جائے تو یہ معاملہ پہلے سے کہیں بہتر ہوگا۔''(۸)

پاکستان میں مغرب کی اتباع اور مساوات مرد وزن کی تعبیر کے نتیجے میں قومی دولت کا کثیر سرمایہ غیر پیداواری مدات میں خرچ ہو رہا ہے۔چند سال پہلے لاہور ہائیکورٹ نے میڈیکل کالجوں میں لڑکیوں کے لیے مخصوص کوٹہ کو مساوات کے اصول کے منافی قرار دیتے ہوئے اسے ختم کرنے کا حکم صادر کیا جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ بعض کالجوں میں طلبہ کی نسبت طالبات کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے مثلاً علامہ اقبال میڈیکل کالج میں ۔ باوجودیکہ طالبات کے لیے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی سہولت الگ سے موجود ہے۔ہائیکورٹ کو طالبات کے لیے الگ کالج کی سہولت میں تو عدم مساوات کی بات دکھائی نہ دی البتہ دیگر مخلوط کالجوں میں ان کی عدم مساوات کا خاص خیال رکھا گیا۔پاکستان کے معروضی حالات میں طالبات کی نسبت میڈیکل کے طلبہ کی زیادہ ضرورت ہے۔میڈیکل کی طالبات کی اکثریت فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت نہیں کرتی۔اگر کوئی خاتون ڈاکٹر ملازمت اختیار بھی کر لے تو لاہور، ملتان اور راولپنڈی جیسے بڑے شہروں سے باہر تعیناتی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتیں۔پنجاب میں شاید ہی کوئی بنیادی ہیلتھ مرکز ہو جہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر کام کر رہی ہو۔لاہور میو ہسپتال، جناح ہسپتال اور سروسز ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹرز کی بھرمار ہے۔جہاں ایک کی ضرورت ہے وہاں کم از کم چار کام کر رہی ہیں۔گویا چار کی تنخواہ لے رہی

(۸) عورت اور ترقی،محمد عطاء اللہ صدیقی،محدث، مارچ ۲۰۰۴ء، ج/۳۶،ش/۳،ص/۹

ہیں اور کام ایک کے برابر کر رہی ہیں۔ان کی اکثریت چونکہ غیر پیداواری ہے اس لیے وہ قومی خزانہ پر بوجھ ہیں۔ ہماری اعلیٰ عدالتوں کو میڈیکل کالج میں لڑکیوں کے لیے اوپن میرٹ کا تصور قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ملازمتوں میں ان کی تعیناتی کے متعلق مساوات کو بھی یقینی بنانا چاہیے۔بڑے شہروں سے باہر ملازمت نہ کرنے کے لیے وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اکیلی عورت ناساز گار ماحول میں بغیر کسی محرم مرد کے کسی طرح کام کرے گی؟ یہ گویا بالواسطہ اعتراف ہے اس بات کا کہ عورتیں وہ سب کام نہیں کرسکتیں جو مرد سرانجام دے سکتا ہے۔مگر کھلے لفظوں میں کوئی بھی خاتون یہ اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کیونکہ اسے وہ اپنی شکست سمجھتی ہے۔

فصل چہارم

حقوق کے حصول کی جدوجہد میں
عورتوں کی حقوق سے محرومی

جس طرح خیر اور شر کی قوتیں دنیا میں ساتھ ساتھ پائی جاتی ہیں، تنگی اور آسانی ایک دوسرے میں پیوست ہیں، نقصان اور فائدہ بھی ایک ہی راہ کے راہی ہیں، کبھی نقصان آگے بڑھ جاتا ہے تو کبھی فائدہ، جب کسی چیز کا فائدہ آگے بڑھنے لگتا ہے تو لوگوں کا ایمان اس روش پر پختہ ہونے لگتا ہے، جب نقصان فائدے سے آگے بڑھنے لگے تو لوگ متشکک ہوکر متذبذب ہوجاتے ہیں اور انتظار کی پالیسی اپنا لیتے ہیں اور ان کا ذہن شک اور ایمان کے درمیان ڈولنے لگتا ہے۔ جب نقصان فائدے سے آگے بڑھ جائے تو لوگ اس راہ سے واپس لوٹنے لگتے ہیں۔

تحریک حقوق نسواں کے فائدوں نے عورتوں کو ایک لمبی مدت دوڑایا۔ عورتوں نے دوڑنے میں بہت فائدہ پایا۔ ووٹ کا حق مل گیا، آزادی مل گئی، نیشنلٹی مل گئی، معاشرے میں جداگانہ شناخت مل گئی، معاشی تقویت مل گئی، لیکن کب تک؟ جب عورتیں دوڑ دوڑ کر تھکنے لگیں تو دیکھا کہ منزل ہنوز اتنی دور ہے جتنی ابتدا میں تھی، اب دوڑنے کا نقصان فائدے سے آگے بڑھنے لگا تو عورتیں ششدر ہوکر رک گئیں۔ دوڑنے کا صرف اتنا فائدہ ہوا تھا کہ نئے نقصان کی نوعیت سابقہ نقصان کی نوعیت سے مختلف تھی، لیکن نقصان کی شدت اتنی ہی سنگین تھی۔ بعضوں کے نزدیک اس کی سنگینی پہلے سے بڑھ کر تھی یہ قدامت پسند گروہ تھا۔ جو دوڑ کا حامی نہیں تھا۔ بعضوں کے نزدیک اس نقصان کی شدت پہلے سے کم تھی یہ جدت پسند گروہ تھا جو معاشرے میں جمود کے بعد حرکت کو بھی خیر مطلق کا نام دینے لگے، خواہ اس حرکت سے فائدہ ہو یا نہ ہو۔ جنہوں نے حقوق کی جنگ کو معاشرے کے ارتقاء کے لئے ناگزیر سمجھا۔ لیکن نقصان کو ہر گروہ نے محسوس کیا۔

نقصان کے محسوس کرنے کی کی بدولت یہ دوڑ کبھی اعتماد پر مبنی نہیں رہی بلکہ لڑکھڑاتی ہی رہی ہے۔ ان کی تحریروں کے عنوان بھی ان کے فائدے کے ساتھ ان کے نقصان کا آئینہ دار ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

Women of Pakistan Two step forward one step back.

یعنی یہ عورتیں دو قدم آگے بڑھتی ہیں تو ایک قدم پیچھے لوٹ آتی ہیں۔ کیونکہ حقوق میں آگے بڑھنے کی صورت میں وہ بہت سے حقوق سے محروم ہوجاتی ہیں۔ ایک اور عنوان ملاحظہ کیجیے:

Women,Women united, Women divided

یہ اپنے صنفی مفاد کے لیے اکٹھی ہوتی ہیں اور پھر (خاندانی مفاد کے لیے) بکھر جاتی ہیں۔یعنی ان دو میں سے ہر فائدہ پہلے کی قیمت پر ہوتا ہے۔

"The Best of Times, the Worst of Times Feminism in the United States"

(Feminism) اگر ایک لحاظ سے عورتوں کی آزادی کے عروج کا شادیانہ ہے تو دوسری طرف خاندانی زندگی کا سانحہ والمیہ ہے۔اگر ایک لحاظ سے بہترین ہے تو دوسرے لحاظ سے بدترین ہے۔

مغربی عورت نے اپنے جن مسائل کو حل کرنے کی خاطر آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگایا تھا۔اُسی آزادی کے نتیجے میں اُس کے لیے بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو عورت پہلے سے شوہر کی محکوم و خادم تھی اب اُسے کسی کمپنی، دفتر، کارخانے اور حکومت کا خادم ومحکوم بھی بننا پڑا۔جس پر اس سے پہلے صرف گھر سنبھالنے کا بوجھ تھا اور اسے وہ ناقابلِ برداشت سمجھتی تھی۔اب اسے گھر کے بوجھ کے ساتھ ساتھ فکرِ معاش کا دوسرا بوجھ بھی اٹھانا پڑا۔اس مخلوط معاشرت کے ماحول میں عورت اپنی نسوانیت کھونے لگی۔چنانچہ اہل علم ودانش نے حقوق کے حصول کے لیے اپنے وقت کی عورتوں کو یہ انتہائی مخلصانہ مشورہ دیا کہ:

''عورت کو چاہیے کہ وہ عورت رہے، ہاں عورت کو چاہیے کہ وہ عورت ہی رہے۔اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اس کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔یہی قدرت کا قانون ہے یہی قدرت کی ہدایت ہے، اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب تر ہوگی اس کی حقیقی قدر ومنزلت بڑھے گی اور جس قدر دُور ہوگی اس کے مصائب میں اضافہ ہوگا۔''(۱)

لیکن جدید فکر کی حامل عورتوں نے اس تصور کو دقیانوسی قرار دیا۔

پھر جب عورت زندگی کی دوڑ میں مرد کے شانہ بشانہ حصّہ لینے پر مصر ہوئی اور اُس نے اپنے آپ کو کسی بھی اعتبار سے مرد کے مقابلے میں کمتر نہ سمجھا اور وہ تمدنی فرائض کی ادائیگی کو آزادی اور نجات کا واحد راستہ تصور کرنے لگی تو پھر ظاہر ہے کہ وہ عورت اور صرف عورت بنے رہنے کے اُصول کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آنکھ بند کر کے مردوں کے مشاغل میں شریک ہوگئی اور اس نے اسی چیز کو مقصدِ حیات ٹھہرالیا۔لیکن یہ فطرت سے اجتناب عورتوں کو

(۱) اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن از محمد رفیق، چودھری، ص/۱۲۲

خوشی دینے سے محروم رہا اور عورتوں کی محرومیوں کی تلافی کی بجائے اس میں اضافے کا باعث بنا۔

ان عورتوں کو 'معاشرت' کے اصل اُصول یعنی فریضۂ زوجیت سے سخت نفرت ہے قدرت نے جس غرض سے ان کو تخلیق کیا ہے اور جس کام کے لیے ان کو جسمانی اور دماغی اعضاء عطا کیے ہیں۔ انہوں نے اس کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ ان میں وہ طبعی حلیہ اور جنسی امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا جوان کی ہم عمر عورتوں میں فطرتاً موجود ہونا چاہیے۔ ان کی حالت ایک ایسے درجے تک پہنچ گئی ہے جسے مالیخولیا سے تعبیر کرنا چاہیے۔ ان کو نہ تو مرد کہا جا سکتا ہے اور نہ عورت، یہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن گئی ہیں وہ مرد اس لیے نہیں ہیں کہ مردوں سے طبعاً اور ترکیباً مختلف ہیں۔ انہیں عورت اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا عمل اور وظیفۂ حیات فرائض نسوانی سے بالکل مختلف ہے۔ اگر عورتوں کی یہ افسوسناک روش اسی طرح کچھ عرصہ تک قائم رہی تو سمجھ لینا چاہیے کہ عنقریب سوسائٹی میں ایک زبردست خلل پیدا ہونے والا ہے جو تمدن اور معاشرت کی بنیادوں کو ہلا دے گا۔ (۲)

عورت نے اپنے حقوق اور مساوات کے حصول کے لیے جو تحریک شروع کی تھی وہ اب جنسی آزادی خاندان کی تخریب، ازدواجی فرائض سے انکار اور اسی طرح کے دوسرے مطالبات کے دائرے میں گم ہو چکی ہے جدید عورت اب صرف یہ نہیں چاہتی کہ اُسے کام کا حق مردوں کے مساوی مواقع اور اپنی زندگی کی آپ تعمیر کا حق حاصل ہو بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے معاشرتی بندھن سے آزاد ہو۔ وہ جنسی انارکی بھی چاہتی ہے اور افزائش نسل کے عمل میں اپنا تعاون دینے سے بھی انکار کرتی ہے۔ حال ہی میں امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں بعض سروے کیے گئے ہیں جن سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شادی اور بچے نہ پیدا کرنے کا فیصلہ کرنے والی عورتوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور اندازہ ہے کہ وہ دن دور نہیں جب ہر تین میں سے ایک عورت بچے پیدا کرنے سے انکار کر دے گی۔

ازدواجی ذمہ داریوں سے گریز اور جنسی خواہشات کی بے قید تسکین کے بڑھتے ہوئے رجحان کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کا نظام بگڑ رہا ہے۔ اس سلسلے میں ''دی اینٹی سوشل فیملی'' نامی کتاب نے مغرب کی اس صورتِ حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

''یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر خاندان کی بڑے پیمانے پر شکست دریخت خاندانی تعلقات میں روز افزوں عدمِ استحکام جس کی نشاندہی ہم جنسیت اور طلاق کے بڑھتے ہوئے رجحان سے ہوتی ہے۔

(۲) اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن از محمد رفیق، چودھری، ص ۱۲۳

معاشرے میں عورتوں کی نئی حیثیت اور کام کرنے کی خواہش، روایتی اخلاقی اقدار کا فقدان اور شرحِ پیدائش میں مسلسل کمی جو اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ اب تحدید آبادی کی سطح کو بحال رکھنا بھی مشکل ہے۔ یہ ایسے رجحانات ہیں جو یورپ کے تمام ملکوں میں مشترک پائے جاتے ہیں کہیں ان کی شدت کم ہے اور کہیں زیادہ چنانچہ ان ملکوں کا مستقبل اور ان کا وجود تک معرض خطر میں پڑ گیا ہے۔''(۳)

مغرب میں آزادیٔ نسواں کی تحریک اب اس حد تک پست سطح پر گر چکی ہے کہ اسقاطِ حمل اور ہم جنس پرستی کے خلاف اُٹھنے والی آوازوں کو عورتیں اپنی راہِ نجات کے لیے زبردست رکاوٹ قرار دیتی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لواطت، ہم جنسیت اور بے قید جنس کو اب عورتوں کے حقوق کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ تحریکِ نسواں کے اہم مطالبات بھی اب یہی ہیں۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ عورت کی نجات اور عورت کی آزادی کے نام پر جو شور و ہنگامہ برپا ہے اس کا اصلی مقصد عورت کی آزادی یا اسے معاشرے میں باعزت مقام دلانا اور اس کے تشخص کو تسلیم کرانا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا مقصود ہے جس میں عورت کا استحصال کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں اور عورت کو خود اُس کے اپنے ہی ہاتھوں سے ذلیل و رسوا کیا جا سکے۔

مولانا مودودیؒ تحریک حقوق نسواں کے تاریخی ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے محرکات کو ہمدردانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے حق کی اٹھان قرار دیتے ہیں لیکن پھر اس کے تقاضوں کی شدت کو حق کے بعد زوال پر محمول کرتے ہیں۔ وہ حقوق نسواں کی تحریک کے جنم سے قبل کے دور کو افراط اور موجودہ حقوق نسواں کے تقاضوں کو تفریط کا نام دیتے ہیں۔ اور دونوں ادوار کو حق سے دور قیاس کرتے ہیں۔ آپ حقوق نسواں کی تحریک کے پہلے دور کو حق پر مبنی تقاضوں پر مشتمل قیاس کرتے ہیں اور حقوق نسواں کی تحریک کے دوسرے دور کو جو ۱۹۶۰ کے بعد کا ہے۔ جس میں خاندان اور مذہب معتوب ٹھہرا ہے۔ کے بارے میں یہ ذہن دیتے معلوم ہوتے ہیں کہ اب حقوق نسواں کے تقاضے حق کی حدود سے باہر جا چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''جب وہ (تحریک نسواں) اس نقصان کی تلافی شروع کرتی ہے تو صرف تلافی پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ عورت کی آزادی سے خاندانی نظام جو تمدن کی بنیاد ہے، منہدم ہو جاتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے اختلاط

(۳) ***"The Anti-social family"*** by Michele Barrett and Mary McIntosh, published by verso books, second sub edition,1991, p.12

سے فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑتا ہے شہوانیت اور عیش پرستی پوری قوم کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ ذہنی، جسمانی اور مادی قوتوں کا تنزل بھی لازمی طور پر رونما ہوتا ہے۔جس کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔''(۴)

عورت کو مغرب کے دانشوروں نے انتہائی چالاکی سے آزادی، نجات حقوق، مساوات کے خوبصورت نعرے دیے اور صدیوں سے پسی ہوئی عورت ان نعروں اور نظریوں کی چمک دمک سے مسحور بھی ہوگئی اس نے یہ نہ سوچا کہ مرد ایک بار پھر اُس کے لیے ایک ایسا دام تزویر بچھا رہا ہے جو اس کی زنجیروں کو پہلے سے بھی زیادہ کسنے والا اور اذیت دینے والا ہے۔انیسویں صدی کے نصف اوّل سے لے کر آج تک عورت اپنی نجات کے لیے سرگرم عمل ہے، لیکن منزل ہے کہ آج بھی اتنی ہی دُور ہے جتنی پہلے تھی۔

اس نے کام کا حق طلب کیا اور اسے یہ حق مل گیا وہ دفتروں اور کارخانوں میں بھی جانے لگی اور حکومت کے اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہونے لگی مگر اسے یہ آزادی بہت مہنگی پڑی۔بعض نے اپنا کیریئر بنانے کی دھن میں گھر اور بچوں کی فطری ضرورت سے ہی انکار کر دیا۔بعض نے اسے قبول کیا تو اس طرح کہ وہ نہ تو گھر کی رہیں نہ گھاٹ کی۔ انہوں نے کام کرنے کا حق حاصل کر کے مردوں کے دوش بدوش باہر کی ذمہ داریاں بھی اٹھائیں اور گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کا بوجھ بدستور ان کے کندھوں پر رہا۔ وقت کی حکومتیں ان کے حقوق میں ان کی معاون تو رہیں لیکن گھر کا کام بہر حال ناقابل حل مسئلہ کے طور پر ہی ابھرتا رہا جس کے دباؤ عورتوں پر کم وبیش پڑتے رہے اور اس صورت حال میں حکومتیں اور قوانین ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔(۵)

اس ضمن میں جان نکلسن John Nicholson کی کتاب 'مین اینڈ وومین' Man and Woman کے ص ۱۱۵ پر ماہرین عمرانیات کے ایک سروے کی رپورٹ اس طرح درج ہے:

'' آج بھی ایک اوسط امریکی بیوی گھر کے کام کاج پر اتنا ہی وقت صرف کرتی ہے جتنا کہ اس کی دادی کیا کرتی تھی۔ اسے عام طور پر ہفتہ میں گھریلو کام کاج پر ۵۳ گھنٹے صرف کرنے پڑتے ہیں اور یہ سوچنے کی ٹھوس بنیاد موجود ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی صورت حال اس کے کچھ مختلف نہیں ہے۔علاوہ ازیں اس پر زور مطالبے کے باوجود کہ مردوں کو بھی گھریلو ذمہ داریوں

(۴) پردہ از مودودی، ص ۱۳۷

(۵)"The Feminist Challange" by David Bouchier, p.27

کے بوجھ کو سنبھالنے میں عورتوں سے تعاون کرنا چاہیے عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ مرد گھریلو کام کاج سے آج بھی پہلے کی طرح دُور ہے یہی نہیں بلکہ روزی کمانے والی وہ عورتیں جن کے اپنے بچے نہیں ہیں خرید وفروخت، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، ستھرائی اور اسی قسم کے دوسرے کام بھی خود ہی کر رہی ہیں جو جوڑے صاحب اولاد ہیں ان کے تعلق سے یہ چونکا دینے والی حقیقت سامنے آئی ہے کہ ہر اگلے بچے کی پیدائش کے ساتھ گھریلو کام کاج میں عورت کا حصّہ ۵ تا ۱۰ فیصد بڑھ جاتا ہے اور مردوں کی ذمہ داری اسی نسبت سے کم ہو جاتی ہے۔''(۶)

اسی طرح عورت نے 'مرد' بن کر اپنے حقوق حاصل کرنے کی جو جدوجہد کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نسوانیت سے محروم ہوگئی اور اس نے اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بھی مزید اضافہ کرلیا۔ اب اس حقیقت کا اعتراف وہ خواتین بھی کر رہی ہیں جو اس سے پہلے تحریکِ نسواں کی لیڈر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر بے ٹی فریڈن(۷) جس نے ۱۹۶۳ء میں آزادیٔ نسواں کی خاطر '' دی فیمینن مسٹیک The Faminine Mystique نامی کتاب لکھی تھی۔ اب اپنے اکثر خیالات ونظریات کی تردید کرتے ہوئے '' دی سیکنڈ اسٹیج " The second stage " میں لکھتی ہیں۔

''اب میں نے وہ سب کچھ سننا شروع کر دیا ہے پہلے جسے سننے کی روادار نہ تھی۔ اب میں ان عورتوں کے خوف اور ان کے احساسات کی آہٹ بھی سننے لگی ہوں جو ہماری تحریک کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں......عورت کی نجات کی تحریک کا پہلا مرحلہ ختم ہوگیا ہے ہم نے کچھ انقلابی نعرے بھی دیئے تھے اور ان کا اثر بھی پڑا تھا، لیکن وقت آ گیا ہے کہ ہم مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں خاندان اور کیرئیر کے درمیان توازن پیدا کریں۔ ہم نے اس سوچ کی حوصلہ افزائی کی کہ کیرئیر کو خاندان اور مادرانہ ذمہ داریوں پر ترجیح حاصل ہے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو اوّلین ترجیح ہر حال میں کیرئیر ہی کو دی جائے ہم نے اس خیال کو ذہنوں میں راسخ کیا کہ آزاد کیرئیر ہی عورت کو مرد کی بالا دستی خاندان کی گھٹن اور اولاد کی نام نہاد فطری خواہش سے نجات دلا سکتا ہے...... نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اس کے لیے شوہر کی صورت میں کسی مخصوص شخص سے جنسی تعلق استوار کرنا بھی ضروری نہیں رہ گیا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کچھ عورتیں تو یہ بھی محسوس کرنے لگی ہیں کہ کسی

---

(۶) *"Men and Women"* How different are they John Nicholson Oxford University Press 1984 oxford New York, p.115

(۷) Betty Friedan امریکہ میں ۴ فروری ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئی۔ نفسیات کی طالب علم اور امریکی ادیب ہے اس کی کتاب Feminine Mystique اس کی شہرت کا باعث بنی۔ اس کی کتاب نے نسوانی افکار میں ہلچل مچا دی۔ (See: Encyclopedia of World Biography) http://www.notablebiographies.com/Fi-Gi/Friedan-Betty.html

بھی مرد سے جنسی تعلق رکھنا ضروری نہیں ہے۔'' (۸)

پھر بے ٹی فریڈن پوچھتی ہیں کہ:

''کیا عورتیں اپنے جنسی وجود کا انکار کر سکتی ہیں؟ کیا وہ مرد سے مکمل طور پر الگ ہو سکتی ہیں؟ کیا اولاد سے نجات حاصل کر کے یا خاندان کے دائرے سے باہر نکل کر وہ حقیقی معنوں میں نجات پا سکتی ہیں۔؟'' (۹)

وہ کہتی ہیں کہ جنس پر مبنی سیاست آزادیٔ نسواں کی تحریک کا منتہائے مقصود نہیں ہے ہم نے اسے یہ مقام دے کر سخت غلطی کی ہے اور اب بھی وقت ہے کہ ہم اس سے رجوع کر لیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

''مرد ہمارے محبوب ہیں، ہمارے ہمدرد، ہمارے معاون ہیں، ہمارے دوست، ہمارے بھائی ہیں، ہمارے بیٹے ہیں ہاں کبھی کبھی ہمارے دشمن بھی ہیں اور جو ہمارے دشمن ہیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہو گا لیکن جو ہمارے ہمدرد ہیں غمگسار ہیں ان کے ساتھ مل کر ایک ایسے سماج، ایک ایسے ماحول، ایک ایسے نظام کی صورت گری کرنی ہو گی جو سب کے لیے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رحمت ہو۔'' (۱۰)

پھر یہی خاتون کی نجات کی تحریک کے مطالبات، نعروں کی کامیابیوں اور بحیثیت مجموعی پورے معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ:

''عورتوں کی نجات کی تحریک کے پہلے مرحلے کے مطالبات کی بنیاد پر مردوں اور بچوں کے ساتھ یا ان کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں کچھ اور سوچنا ہو گا تحریک کا ایک نیا مرحلہ شروع کرنا ہو گا جو کیریئر کی کامیابی اور گھریلو زندگی دونوں کی ضرورتوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے گا۔'' (۱۱)

آج سے چند برس پہلے ایم ڈیکٹر نامی خاتون نے اپنی کتاب ''دی نیو چیسٹیٹی'' The New Chastity میں آزادیٔ نسواں کی تحریک اس کے مطالبات اس کے مقاصد اور اس کے مضمرات پر زبردست تنقید کی تھی اس وقت اسے مردوں کی بالادستی کی طرفدار ''کُتیا'' جیسی گالیوں سے نوازا گیا تھا۔ اُس تنقید کا خلاصہ یہ تھا کہ:

---

(۸) *"The Feminine Mystique"* by Betty Friedan Published by pragma 2002, originaly Published in 1963, p.154

(۹) "The Feminine Mystique" by Betty Friedan, p.154

(۱۰) Ibid. p.155

(۱۱) Ibid. p.170

عورتوں کی نجات کی تحریک کے توسط سے کچھ لوگ عورتوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی سازش ہے جس کی شکار عورتیں، اپنے آپ کو عورت کہنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں۔ اب ایک آزاد عورت جنسی آزادی کا مطلب یہ لیتی ہے کہ شادی اور فرائض مادری سے نجات حاصل کر لی جائے۔ وہ اس فریب کی شکار ہے کہ اپنے وجود کو منوانے کے لیے بحیثیت عورت اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اُن سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے...... میں پیش گوئی کرتی ہوں کہ وہ دن دور نہیں جبکہ راہ گم کر دینے والی عورتیں میری آواز پر کان دھریں گی اور اس کی سچائی کو تسلیم کریں گی۔ (۱۲)

اور بہت جلد ہی اس خاتون کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی تحریک نسواں کی لیڈر خواتین بے ٹی فریڈن اور جرمن گریر (۱۳) اب اس خاتون کی سچائی کو تسلیم کر چکی ہیں اور اب مختلف انداز سے اُسی کی بات دُہراتی پھرتی ہیں۔ آج مغرب کی اکثر عورتیں یہ محسوس کر رہی ہیں کہ وہ حقیقی زندگی سے دور ہوگئی ہیں اور اب وہ اس کی طرف لوٹ کر آنا چاہتی ہیں خواہ وہ غیر شادی شدہ ہوں۔ اکیلی ہوں یا کام کاج کرنے والی شادی شدہ ہوں۔ یہ احساس سب میں موجود ہے۔ جو اکیلی ہیں ان کی خواہش ہے کہ ان کی شادی ہو، اولاد ہو۔ (۱۴)

خاندان بنے اور جو کام کاج کرنے والی عورتیں ہیں ان کے اندر بھی خواہش شدید طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ حقیقی معنوں گھر بسانے کی ذمہ داری سنبھالیں غیر شادی شدہ خواتین میں احساسِ تنہائی ہے اور کام کاج کرنے والی عورتیں

---

(۱۲) *"The New chastity and other arguments against women's liberation"* by Midge Decter.Publisher:Berkley publishing corp,1972, p.117.

(۱۳) جرمن گریر:(Germaine Greer) 1939ء میں آسٹریلیا میں پیدا ہوئیں۔ ایک پرجوش صحافی ہیں۔ 1967ء میں Cambridge یونیورسٹی سے Ph.D کیا۔ U.K. میں تعلیم حاصل کی۔ شاعروں اور فلاسفروں کے ساتھ کام کیا۔ "The Female Eunuch" آپ کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں عورتوں کے حقوق کے لئے آواز اُٹھائی۔

(http://www.biogs.com/famous/greer.html)

(۱۴) *"The Lonely Lady"* by Harold Robbins origionaly published by New English library London, 1976. Publishor,Pocket books, August 1993, p.448

یہ محسوس کرتی ہیں کہ جس کیرئیر کے لیے انہوں نے فرائض زوجیت کی ادائیگی بچوں کی پیدائش اور پرورش ونگہداشت سے انکار کر دیا تھا وہ کیرئیر بھی ان کے دکھوں کا مداوا نہ بن سکا۔ جس نام نہاد آزادی اور اپنے الگ تشخص کے لیے انہوں نے مردوں کی قید سے رہائی چاہی تھی وہ دفتروں کے اندر گھٹن کے ماحول میں پھنس کر دم توڑ رہی ہے۔ اب اُن کی صدائے حال یہ ہے کہ:

ہم نے فوق البشر بننا چاہا تھا، وہ تو نہ بن سکے، لیکن اس کوشش کے نتیجے میں یہ ضرور ہوا کہ نسوانی جذبات اور لطیف احساسات کی وہ دولت جو کبھی ہمارا طرۂ امتیاز ہوا کرتی تھی، ہم سے چھن گئی ہم نہ عورت رہے نہ مرد ہم نے مردوں کے معاشرے سے اس لیے بغاوت کی تھی کہ وہ ہمارا استحصال کر رہے ہیں۔ افسوس ہم نے بغاوت کی اس راہ پر چل کر اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے وہ بچی کھچی پونجی بھی لٹا دی جو مرد اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اب تک ہم سے چھین نہیں سکا تھا۔ ہمارا وجود نوع انسانی کی بقا اور اس کے تسلسل کی ضمانت ہے۔ ہمارے لیے اس سے بڑا اور کوئی اعزاز ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ہم ماں ہیں ہمارے ہی دم سے اس کارگاہِ حیات کی رونق ہے، کیونکہ زندگی کے کارواں کو جو لوگ آگے بڑھاتے ہیں، وہ ہمارے ہی بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری بھی ہمارے ہی کندھوں پر ہے۔ ہم نے اپنی اس اہمیت کی بنیاد پر عورت، یعنی ماں کے روپ میں اپنا حق مانگنے کی بجائے اپنے اس وجود کو منوانا چاہا جو ہمارا اپنا نہیں تھا ہم نے اپنی اس شخصیت کی شناخت پر اصرار کیا جو ہماری اپنی نہیں تھی، یہی ہمارا المیہ ہے۔

فصل پنجم

حقوق نسواں کے مغربی ناقدین

حقوق نسواں کے تاریخی ارتقا کی نسبت سے بیسویں صدی دو حصوں میں منقسم ہے تحریک حقوق نسواں کی پہلی سٹیج پر بھی معاشرتی تنقید سخت رہی اور دوسری سٹیج پر تنقید انتہائی جارحانہ ہوگئی۔ " A Lesser Life The Myth of Women's Liberation" یعنی'' حیات کمتر: عورتوں کی آزادی کا واہمہ'' کی مصنفہ ایک امریکی خاتون سلویا این ہیولٹ (Sylvia Ann Hewlett) ہیں جو برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی اور امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ تعلیم مکمل کر چکی ہیں، وہ اکنامکس میں پی ایچ ڈی ہیں اور امریکہ کی 'اکنامک پالیسی کونسل' کی ڈائریکٹر رہ چکی ہیں۔ نیویارک ٹائمز میں باقاعدگی سے لکھتی ہیں اور نصف درجن کتابوں کی مصنفہ ہیں۔

عورتوں کی ملازمت کے حوالے سے پیش آمدہ مسائل ان کی دلچسپی کا خاص محور رہے ہیں وہ عورتوں کے حقوق کی علمبردار تو ہیں مگر 'تحریکِ آزادی نسواں' کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں ان کے نزدیک اس تحریک نے عورتوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کیا ہے۔ ہیولٹ نے اپنی اس کتاب کے ایک باب کا عنوان رکھا ہے: "Ultra-domesticity: The return to Hearth and Home" یعنی'' بے تحاشہ خانہ داری؛ گھر کی طرف مراجعت'' ہیولٹ مزید لکھتی ہیں:

"In the United states the picture was dramatically different. In the 1950's Women with college degrees in the child-bearing group had a lower rate of employment than any other group of Women, for the plain fact was Women with college degrees were often married to prosperous men. And in America in the fifties, if the family could afford it, the wife stayed at home."

'' ریاست ہائے متحدہ کا منظر ڈرامائی طور پر مختلف تھا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں کالجوں سے فارغ التحصیل وہ نوجوان خواتین جو بچے پیدا کرنے کی عمر رکھتی تھیں، ان میں ملازمت کی شرح عورتوں کے کسی بھی دوسرے گروہ سے کم تھی۔ اس کی سادہ سے وجہ یہ تھی کہ کالجوں سے فارغ التحصیل عورتوں کی شادیاں اکثر خوشحال مردوں سے ہو جاتی تھیں۔ پچاس کے عشرے میں اگر خاندان اس بات کا متحمل ہوتا تو بیوی گھر میں ہی رہتی تھی۔''(۱۵)

---

(۱۵)*"A Lesser life, the myth of women's liberation in America"* by Sylvia Ann Hewlett, Publisher: william Morrow and com. Feb, 1986, p.153

۱۹۵۰ کا عشرہ تحریک آزادی نسواں کی پہلی سٹیج کا تتمہ ہے۔ ۱۹۲۰۔ ۱۹۶۰ کے درمیان تحریک آزادی نسواں خواب غفلت میں پڑی رہی۔ اس دور میں ہی مغرب میں اس کے خلاف ردّعمل ہو چکا تھا۔ ہیولٹ ۱۹۴۵ء اور اس کے بعد امریکی عورتوں کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتی ہے:

''۱۹۴۵ء میں امریکی عورتیں جتنی بااختیار تھیں، اس سے پہلے اتنی بااختیار کبھی نہ تھیں مگر جنگِ عظیم دوم کے بعد آنے والے برسوں میں ایک عجیب بات سامنے آئی۔ امریکہ جو کہ آزاد اور طاقتور عورتوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، اس پر خانہ داری کے جذبات عجیب طور پر حملہ آور ہوگئے۔ پھر یوں ہوا کہ لاکھوں عورتوں نے ایسا طرزِ زندگی اپنا لیا جو مکمل طور پر خاندان اور گھر پر مرکوز تھا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ عورتوں سے یہ توقع کی جاتی کہ ان کی توانائیاں گھریلو کاموں اور ممتا کا کردار نبھانے پر صرف ہوں۔

ما بعد جنگ کے یہ سال عجیب رجحان کے حامل تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی ایک عجب دور تھا، اس میں یوں ہوا کہ عورتوں نے پہلے سے نسبتاً چھوٹی عمر میں شادیاں کرنا اور بچے پیدا کرنا شروع کر دیے، وہ اپنی تعلیم اور ملازمت کو بھی درمیان میں چھوڑ کر ایسا کرنے لگیں۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں امریکی عورتوں کی شادی کرنے کی اوسط عمر ۲۳ تھی، جو ۱۹۵۰ء میں کم ہو کر ۲۰ رہ گئی۔ کسی بھی دوسرے ترقی یافتہ ملک میں شادی کرنے کی صنفی طور پر اوسط عمر اس قدر کم نہ تھی۔ شرح پیدائش میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۰ء کے آخری سالوں میں امریکہ میں شرح پیدائش میں اضافہ یورپ کے مقابلے میں دگنا جب کہ افریقہ اور انڈیا کے برابر تھا۔ یہ دور جو ۱۹۶۰ء تک رہا، اس میں تیسرے بچے کی پیدائش کی شرح دوگنی ہوگئی، چوتھے بچے کی شرح میں تین گنا اضافہ ہو گیا خاندانی زندگی سے محبت کی اس دہائی میں طلاق کی شرح کسی حد تک کم ہوگئی۔'' (۱۶)

وہ مزید لکھتی ہیں۔

''مختصراً یہ کہ ملازم پیشہ امریکی عورتیں (پروفیسر، ڈاکٹر، وکلاء، وغیرہ) کا تناسب ۱۹۵۰ء میں جنگ سے قبل کے سالوں کی نسبت انتہائی کم تھا اور امریکی عورتوں کا ملازمت کو بطور پیشہ اختیار کرنے کا رجحان اپنی یورپی بہنوں کی نسبت بہت ہی کم تھا۔ حتیٰ کہ امریکہ کے اعلیٰ درجہ کے کالجوں میں سب نوجوان طالبات کی آرزو یہ تھی کہ وہ گریجویشن کرتے ہی اعلیٰ تعلیمی اعزازات کی بجائے اپنی انگلیوں میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھی پہن سکیں۔ امریکی عورتیں عام طور پر بچوں کی پیدائش سے پہلے جاب کرتی تھیں یا پھر اس وقت جب ان کے بچے ہائی سکول میں داخل ہو جاتے تھے، مگر وہ ملازمتوں کو شاذ و نادر ہی مستقل پیشہ بناتی

(۱۶)"A lesser life, The Myth of women's liberation in America" by Sylvia Ann Hewlette p.152-153

تھیں۔ امریکہ میں پچاس کی دہائی میں عورتیں اپنی بہترین توانائیاں اور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال میں خرچ کرتی تھیں"۔(۱۷)

۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکی معاشرہ نسوانی فطرت کی حقیقت کی بہت حد تک عکاسی کرتا تھا۔اس معاشرے میں خاندان اپنی بچیوں کو تعلیم اس غرض سے دلاتے تھے تا کہ ان کے رشتے اچھے گھرانوں میں ہو جائیں نہ کہ انہیں اچھی ملازمت ملے۔ پاکستان میں بھی آج بہت سے خاندان ایسے ہیں کہ اگر ان کی بچیوں کے لیے اچھے رشتے میسر آجائیں تو وہ ان کی کالج یا یونیورسٹی کی تعلیم اُدھوری چھوڑ کر شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیوں کہ بڑی عمر کی لڑکیوں کے لیے مناسب رشتوں کا حصول ایک بہت بڑا معاشرتی مسئلہ ہے۔ امریکی مصنفہ نے تعلیمی اسناد کے مقابلے میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھیوں کو ترجیح دینے کی بات کر کے نوجوان طالبات کے رومانوی خوابوں کی دنیا میں اتر کر جھانکا ہے۔ وہ کیوں کہ خود ایک عورت ہیں، اسی لئے خواتین کی رومانوی ترجیحات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔

ہیولٹ کہتی ہیں کہ جنگِ عظیم کے بعد امریکی عورتیں بہترین تعلیم یافتہ تھیں اور کسی بھی ترقی یافتہ معاشرے کی عورت کے برابر تھیں۔ تو پھر وہ پوچھتی ہیں کہ انہوں نے اپنی آزادانہ خواہشات کو ترک کر کے گھریلو زندگی کو کیوں اپنایا۔اس کا جواب وہ خود دیتی ہیں:

"اُمور خانہ داری کی طرف یہ زبردست رجحان نتیجہ تھا حکومت کی ان پالیسیوں کا جو اس نے جنگِ عظیم کے بعد اپنائیں اس میں اہم ترین پالیسی عورتوں کے روایتی کردار کی زبردست حوصلہ افزائی تھی۔ معاشی حکمت عملی وضع کرنے والوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ عورتوں کو ترغیب دی جائے کہ جنگ کے دنوں میں انہوں نے جو کام اختیار کیے تھے، اس کو چھوڑ کر گھروں کی راہ لیں تا کہ وہ مرد جو میدان جنگ سے واپس آئیں ان کے لئے روزگار مہیا ہو سکے۔ ۱۹۴۶ء تک ۴۰ لاکھ سے زیادہ عورتوں کو پیداواری اداروں کی ملازمت سے چھٹی کرا دی گئی۔"

ہیولٹ لکھتی ہیں:

"Both persuation and coercion were used to lure women away from their jobs."

"عورتوں کو ملازمتوں سے دور رکھنے کے لئے ترغیب اور جبر دونوں طریقے استعمال کے گئے۔"

امریکی حکومت نے ایک نیا قانون (G-1 Bill) متعارف کرایا جس کے ذریعے عورتوں کو ملازمت چھوڑنے پر

(۱۷) "A lesser life" by Sylvia Ann Hewlett, p.153

معاشی فوائد کا لالچ دیا گیا۔ان پالیسیوں کا نتیجہ کیا نکلا:

''نتیجتاً، امریکہ میں جنگ کے بعد کا زمانہ عظیم خوشحالی کا زمانہ تھا، ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں معیشت بہت متاثر کن شرح سے ترقی کر رہی تھی۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان خام قومی پیداوار دوگنا بڑھ گئی۔ہم اپنی تاریخ کے عظیم ترین عروج کے ادوار میں سے ایک دور میں داخل ہوگئے۔''(۱۸)

مذکورہ امریکی قانون نے چھوٹی عمر میں شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے والی عورتوں کے لئے مالی منفعت کے سامان پیدا کئے۔(۱۹)

مرد وزَن کی غیر فطری مساوات کے خلاف ردّعمل ایک فطری عمل تھا۔اس تحریک کا شور وغل امریکہ میں نسبتاً زیادہ رہا۔تعجب یہ ہے کہ اس کے خلاف باقاعدہ منظّم ردّعمل دوسری مرتبہ بھی امریکہ میں ہی زیادہ شدّت سے سامنے آیا۔ ۷۴۔۱۹۷۳ء میں امریکی کانگریس میں جب ''مساوی حقوق کی ترمیم'' Equal Rights (ERA) Amendment. کا بل پیش کیا گیا تو اس کے خلاف ردّعمل نے تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ دنیا پر ایک بار پھر انکشاف ہوا کہ مساوی حقوق کی علمبردار محرک اقلیت کو امریکی عورتوں کی خاموش اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ E.R.A کی مخالفت میں اُٹھنے والی تحریک کی قیادت امریکی ریاست نارتھ کیرونیا سے تعلق رکھنے والی خاتون مادام شیلا فلائی(۲۰) (Schlafly) کررہی تھیں۔انہوں نے ریاست ہائے متحدہ کے طوفانی دورے کئے اور امریکی عورتوں میں یہ شعور پیدا کیا کہ ERA کے نتائج عورتوں کے حق میں نہیں ہوں گے۔انہوں نے اپنی تقاریر میں زور دے کر کہا:

"That a Woman should be treated like a woman, not a man and certainly not a sex-neual person".(۲۱)

---

(۱۸)"A lesser life" by Sylvia Ann Hewlett, p.155

(۱۹) ایضاً

(۲۰) مادام شیلد فلائی: امریکہ میں 1924ء میں پیدا ہوئیں۔آپ نے آزادیٔ نسواں کے نظریات کے خلاف ایک پلیٹ فارم تشکیل دیا جس کا نام Eagle Forum تھا۔آپ نے نسوانی نظریات اور آزادیٔ نسواں کے خلاف کئی کتب لکھیں۔''A.Choice''، ''No an Echo'' وغیرہ۔ (http://www.eagleforum.org/misc/bio.html)

(۲۱)*"Sex Gender and Politics of E.R.A"* by: Donald Methews, *An analysis of Political strategies*, Edited by Mia Yaumani, New York University Press, Washington Square 1996, p.102

''ایک عورت کے ساتھ برتاؤ ایک عورت سمجھ کر ہی کیا جانا چاہئے، نہ کہ ایک مرد کی حیثیت سے اور صنفی شناخت کے بغیر شخص کے طور پر تو یقیناً نہیں۔''

مادام شیلا فلائی کی تحریک نے جلد ہی زور پکڑ لیا۔ ان کی حامی عورتوں نے ERA کے خلاف جلوس نکالے۔ وہ جو کتبے اٹھا کر چلتی تھی، ان پر لکھا ہوا تھا: "We don't want to be man" ''ہم مرد نہیں بننا چاہتیں''(۲۲)

تحریکِ آزادئ نسواں کی متر جلات کے لئے امریکی عورتوں کی اس انداز میں مخالفت ایک عظیم صدمے سے کم نہ تھی۔ ان کے تمام تر پراپیگنڈے اور جارحانہ ہلڑ بازی اور امریکی ذرائع ابلاغ کی پشت پناہی کے باوجود ''مساوی حقوق کی ترمیم'' منظور نہ ہوئی اور آج تک امریکی کانگریس سے یہ پاس نہیں کرائی جا سکی۔ تحریک نسواں کی مذکورہ بالا تجاویز کے خلاف امریکی عورتوں کے ردّعمل ہی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ کانگریس نے ''عورتوں کے خلاف ہر طرح کے امتیازات ختم کرنے کے کنونشن'' (سیڈا) کی آج تک توثیق نہیں کی ہے۔ اکانومسٹ نے دسمبر ۱۹۹۹ء کے ایک شمارے میں اسے امریکہ کے دوہرے معیارات سے منسوب کیا ہے۔(۲۳)

جب معاشرتی سطح پر تو اس تحریک کو ایک قدم کامیابی اور دوسرا قدم ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو اس تحریک کے بانیوں نے عورتوں کے اس تذبذب کی بڑی وجہ معاشرتی رویوں کی بنیاد میں کام کرتے مذہبی ذہن کو قرار دیا۔ انہوں نے بائبل میں تبدیلی کے بھی تقاضے کیے اور چرچ کی تشریحات پر بھی تنقیدوں کے حملے کیے جس کے بعد مغرب میں بھی مذہبی طبقے کی طرف سے ان کا ردِ دیکھنے کو ملا اور مذہب مخاصمت اس تحریک کی جڑ میں بیٹھتی چلی گئی۔

عیسائیت کی مذہبی فکر کے نزدیک بھی Feminism بالکل قابل قبول نہیں اور ان کے نزدیک یہ تو وقتی دباؤ سے ابھر کر ظہور پذیر ہونے والا زاویۂ نگاہ ہے جو وقت کے دھارے میں ہی دوبارہ ضم ہو جائے گا۔ جبکہ مذہبی تعلیمات کی حیثیت وقتی نہیں ہوتی۔ وقت نے کئی ازم دنیا کے سامنے اٹھائے۔ وہ ابھرے اور چھا گئے لیکن جلد ہی مٹ گئے۔

مغرب نے عورت کو آزادی کے عروج پر پہنچا دیا اور مساوات کے نام پر ناہمواری عورت کا نصیب کر دی۔

(۲۲)"Sex Gender and politics of E.R.A" (A state and the nation) by Donald G-Methews and Jane Sherron De Hart, p.104

(۲۳)"A Survey of Nordic Countries" Economist, (weekly) 23-30 Janvary 1999, London UK England. p.4

Feminism کا حال بھی مارکس ازم کا ہوگا۔(۲۴)

Feminism کا مذہبی عقائد پر حملہ چرچ کی الجھن بن چکا ہے۔اور بائبل کے لیے مجوزہ تبدیلیوں کو عیسائیت سے وابستہ مذہبی فکر رکھنے والے افراد نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

John G Stackhouse(۲۵) لکھتے ہیں کہ بائبل میں تبدیلی والا پروجیکٹ کامیاب ہونے کے امکانات تھوڑے ہیں۔کیونکہ یہ بہت غیر فطری نوعیت کا کام ہے۔نیز ابتداء سے چلے آنے والا چرچ سے وابستہ فہم بھی اس کی نفی کرتا ہے۔اس کی وجہ سے بائبل سے وابستہ روایتی تقدس ختم ہو جائے گا۔مزید براں Feminism پر مبنی ہماری افکار گناہ گار انسانوں کا کام ہے جس کے غلطی پر مبنی ہونے کے قرائن واضح ہیں۔بائبل میں تبدیلی کی خواہش سوائے ہوس پرستی کے اور کچھ نہیں۔(۲۶)

اس تحریک نے عورت کو آزادی کے عروج پر پہنچا دیا اور مساوات کے نام پر ناہمواری عورت کا نصیب کردی۔مغرب کا مذہبی اور غیر مذہبی ذہن دونوں ہی اس کی نامعقولیت کا اظہار کرتے ہیں۔

---

(۲۴)http/www.aorourke.net/ministry/Feminism and ministry.htm.

(۲۵)John G. Stackhouse,Jr کینیڈا کے ادیب ،محقق اور صحافی ہیں۔ ۱۹۶۰ء کی پیدائش ہے۔صحافت کے میدان میں CanadianChurch press سے آٹھ ایوارڈ جیت چکے ہیں۔

(http://www.regent-college.edu/about_regent/faculty/stackhouse_john.html)

(۲۶)http/www.touchstonemag.com/archieves/article.php?id=19-07-046-b

باب سوم

حقوق نسواں اور مسلم ممالک کی کشمکش

فصل اول

مسلم ممالک میں سماجی اور فکری تبدیلی

اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں عالم اسلام کو ایک بہت ہی نازک، پیچیدہ اور اہم مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مسئلہ کے بارے میں اس کے صحیح رویہ اور نقطہ نظر ہی پر ایک مستقل اور آزاد دنیا کی حیثیت سے اس کی شخصیت اور وجود کا انحصار تھا۔ یہ تازہ دم زندگی، حوصلہ وعزم اور مادی ترقی میں وسعت کی صلاحیت سے بھرپور مغربی تہذیب کا مسئلہ تھا جس کا شمار تاریخ انسانی کی طاقتور اور وسیع ترین تہذیبوں میں کیا جانا چاہئے اور جو درحقیقت (اگر نظر غائر سے دیکھا جائے) ان اسباب وعوامل کا ایک قدرتی نتیجہ ہے جو عرصہ سے تاریخ میں اپنا کام کررہے تھے اور مناسب وقت پر اس نئی شکل میں ظاہر ہونے کے منتظر تھے۔ عالم اسلام سب سے زیادہ اس خطرہ کی زد میں تھا اس لئے کارگاہِ حیات سے قدیم مذاہب کی کنارہ کشی کے بعد اسلام دینی واخلاقی دعوت کا تنہا علمبردار اور انسانی معاشرہ کا واحد نگران اور محتسب رہ گیا تھا۔ بہت سے وسیع رقبہ، غیر معمولی جغرافیائی اہمیت اور زرخیز ممالک اسی رقبہ میں واقع تھے۔ چنانچہ اس مادی اور میکانکی تہذیب کے چیلنج کا رُخ بہ نسبت کسی دوسری قوم اور معاشرہ کے زیادہ تر عالم اسلام ہی کی طرف رہا۔

اگرچہ اُنیسویں صدی کی ابتدا سے ہی مشرقِ وسطی کے معاشروں میں بنیادی سماجی تبدیلی کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ مغرب کی معاشی چیرہ دستیاں، عالمی معیشت پر بندشیں، اکثر خطوں میں 'جدید' ریاستوں کا ظہور، اور اُنیسویں صدی کے اَواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں دنیا کے بیشتر علاقوں پر یورپی استعماری طاقتوں کا باضابطہ یا بے ضابطہ قبضہ؛ اس قلبِ ماہیت کے اہم معاشرتی اور سیاسی خطوط تھے۔

اُنیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ہی مصر اور شام جیسے ممالک کی کچھ عورتیں، بالخصوص دیہی محنت کار اور نچلے طبقے کی عورتیں، اس معاشی اور سیاسی تغیر سے متاثر ہوچکی تھیں جو ان ممالک میں یورپی اشیا کی آمد کے بعد رونما ہورہا تھا۔ یورپ سے اشیا کی آمد اپنے ساتھ یورپی ثقافتی یلغار ساتھ لا رہی تھی اور اس یورپی ثقافتی یلغار کے اثرات بالعموم عورتوں کے لئے پیچیدہ اور کچھ لحاظ سے فیصلہ کن طور پر منفی تھے۔ اس کے اثرات مسلمان معاشروں پر منفی ہوئے یا مثبت، اس سے قطع نظر یہ آنے والے وقت میں غیر اقوام کی بالادستی کا اشارہ تھے۔ کوئی بھی تہذیب جب اُٹھتی ہے تو تخلیقی طاقت کے زور پر قوت پکڑتی ہے۔ جب کوئی گروہ اپنی تخلیقی صلاحیت کے ذریعے نئی فکر اور عملی طاقتوں کو دریافت کرتا ہے تو یہ دریافت اس گروہ کو دوسرے لوگوں سے آگے کردیتی ہے۔ اس طرح ایک تہذیب وجود میں آتی ہے اور اس تہذیب کے حامل دوسروں پر فوقیت حاصل کرلیتے ہیں۔

اس تہذیب کی ثقافتی یلغار کا عورتوں کی زندگی پر منفی اثر اس لئے سمجھا گیا کیونکہ اس کی آمد کی بدولت عورتوں پر حاکمیت، ان کی خانہ نشینی اور معاشرے کے اہم شعبوں سے ان کے اِخراج کو تقویت دینے والی اقدار اور طور طریقے بتدریج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگے تھے۔ مشرقِ وسطیٰ کا سماجی نظام اس ثقافتی یلغار کے نتیجے میں عورت دشمن اور جاہلیت پر مبنی تصور کیا جانے لگا تھا اور عورتیں مقامی معاشرت کو اپنے ذاتی تشخص کا قتل قرار دینے لگ گئی تھیں۔ اس لئے ایسے نظام کی شکست و ریخت پر عورتوں کے متاسف ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، عورتوں نے نئی آنے والی ثقافت کو سراہا اور پھر اپنے عمل سے اس کو شاباش دی۔

معاشی تغیر اور مقامی یا استعماری افسر شاہی کے اختیار سے جاری ہونے والی ریاستی پالیسیوں کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں اور ثقافتی اور نظریاتی ارتقا نے مردوں اور عورتوں دونوں کی زندگیوں پر اثرات مرتب کئے۔ تاہم عورتوں کے لئے یہ تبدیلی خاص معنویت کی حامل تھی، عورتیں خود قومی بحث کا ایک اہم موضوع بن گئیں۔

ظہورِ اسلام کے بعد پہلی دفعہ عورتوں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق اسلامی رسم و رواج اور قانون، تعدد ازواج، مرد کو طلاق کا اختیار اور عورتوں کی علیحدگی و خانہ نشینی مشرقِ وسطیٰ کے معاشروں میں کھلے طور پر زیر بحث آئے۔ عورتوں کا موضوع پہلے مصر اور ترکی کے مسلمان مرد دانشوروں کی تحریروں میں اہم موضوع کی حیثیت سے سامنے آیا۔ آغاز ہی سے عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور ان کی حیثیت کے معاملات دوسرے مسائل کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ یہ دانشور ان مسائل کو معاشرے کے لئے بہت اہم قرار دیتے ہیں۔ ان مسائل میں قوم پرستی اور قومی ترقی کی ضرورت اور سیاسی، سماجی اور ثقافتی اصلاح کی ضرورت شامل تھی۔ ابتدا ہی سے عورت اور معاشرتی اصلاح کی بحث ان خیالات کے ساتھ پیوستہ تھی کہ یورپی معاشرے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور مسلم معاشروں کو اس سطح تک پہنچنا چاہئے۔ بہت سے نسوانی مفکرین نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جتنی عورت کی پستگی اسلامی ممالک میں دیکھنے میں آتی ہے، اتنی اور کہیں نہیں آتی۔ تمام اسلامی ممالک میں یکساں عنصر تو اسلامی تعلیمات ہی ہیں، دیگر وجوہات تو مختلف اقوام میں مختلف ہیں لہٰذا اُنھوں نے نسوانی ترقی کی خاطر مسلم معاشرے کے مذہبی رجحانات کو اپنی تنقید کا مرکز بنایا۔(۱)

اس طرح عورتوں سے متعلق ایک نئے مباحثے نے جنم لیا۔ اس نے جنسی تفریق سے متعلق پرانے کلاسیکی اور مذہبی

(۱) "Women and Work in Developing Societies" by N.Haggag yousef, Berhelay University of California, Population Mongragh series no 15,1974. p.12.

ضوابط کی جگہ لے لی اور عورت کے متعلق مسائل کو قوم پرستی، قومی ترقی اور ثقافتی تبدیلی کے ساتھ منسلک کیا۔ اس صدی کے اختتام تک عورتوں سے متعلق بحث ان مسائل پر بحث کا لازمی نتیجہ بن چکی تھی۔

ان بحثوں کے نتیجے میں عورتوں کے کردار کے حوالے سے مسلم معاشروں میں جس نئی فکر نے جنم لیا، وہ مغرب سے انتہا درجے کی مرعوبیت پر مبنی تھی۔ جس نے نقطہ آغاز میں تو معاشرہ کے اہم خطوط میں مغرب کی نقالی پر زور دیا لیکن اتنے کو ناکافی جانتے ہوئے معاشرے میں ہمہ گیر نوعیت کی تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ اس رویے نے مسلم معاشروں کے مقابلے میں مغرب کو خیر مطلق کی جگہ دے دی۔ یہاں تک کہ مغربی فکر کے قابل اعتراض عناصر بھی قابل تقلید ٹھہرے۔ جس راہ میں اسلامی تشخص آڑے آیا تو اس کی بھی اکھاڑ پچھاڑ ہونے لگی۔ اسلامی کلچر ایک مغلوب کلچر کی جگہ لینے لگا تو مسلم معاشروں میں طبقہ نسواں کی تحریکوں نے عورت کو اسلامی ثقافت کی قید سے آزاد کرانے کی ٹھانی اور مسلمان عورت کو غالب کلچر سے ہم نوا کرنے کے لیے مذہب کو بھی کئی بار معتوب ٹھہرایا اور کئی بار مذہب کی تشریح کرنے والوں کو دقیانوس بتایا۔ کبھی تنقید کے در کھولے اور کبھی اسلامی احکامات میں ترمیم کی راہیں بتائیں۔ سادے الفاظ میں ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مقامی ثقافت کی جگہ مغربی ثقافت کو دی جائے۔

ان کا کہنا تھا کہ عورت اور ثقافت کے مسئلے کے درمیان کوئی داخلی یا لازمی تعلق موجود نہیں۔ عورت کے مسئلے کو مقامی ثقافت سے آزاد کیا جائے۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی ثقافت مردانہ مرکزیت اور عورت دشمنی پر مبنی ہے اور وہ مشرقی ثقافت کو صرف تنقید کی نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں اور وہ عورت کے مسئلے کو عالمی سطح پر اٹھا کر اسے مقامی ثقافت سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

لیکن طبقہ نسواں اگر مغرب کی نقالی پر ہی مصر ہے تو بھی ان کا یہ فارمولا ان کی اپنی مغربی ثقافت پر صادق نہیں آتا۔ کچھ صدیاں قبل جب یورپ تاریکی میں تھا، اس دور میں عورتوں کو جادوگرنیاں قرار دے کر پھانسی پر چڑھایا گیا تھا۔ تب بھی مغرب میں کسی دانشور یا کسی عالم محقق نے یہ حل پیش نہیں کیا کہ عورتوں کے مسئلے کو مغربی ثقافت سے جدا کر کے ترقی کی راہ استوار کی جائے بلکہ اُنہوں نے اپنی ثقافت کی اصلاح کی کوشش کی اور اُسے عورتوں کے لئے سازگار بنانے کی جدوجہد کی۔ (۲)

---

(۲) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم: خلیل احمد، دستاویز مطبوعات مشعل، لاہور، ناشر: رانا مشعل پاکستان آرمی۔ ۵ سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶۷

چنانچہ ایسے حالات میں مغرب نے اپنی ثقافتی اصلاحات میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق مناسب ترمیم کی،اور تعمیری طور پر اپنی ثقافت کی نشو ونما کی۔ اُنہوں نے اپنے لئے ایک ثقافت کے اندر رہتے ہوئے عورت دشمنی کی ثقافت ترک کرنے کے لئے کسی دوسری ثقافت کو اختیار کرنا لغو جانا بلکہ اس خیال کو ہی اپنے ملی وجود کے لئے مہلک قرار دیا۔ثقافتی اثرات کی پیچیدگی اور انسانی نفسیات پر اس کے اثرات کی گہرائی ہی کچھ اسی نوعیت کی ہوتی ہے کہ جن سے افراد راہِ فرار اختیار کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ کہیں بھی جائیں ذہنی یا جسمانی طور پر پچھلی ثقافت کے اثرات اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں اس ثقافت کا معتد بہ حصہ دوبارہ پیدا کر لیتے ہیں۔ جب مغرب کے افراد خود دنیا کے دوسرے علاقوں میں گئے ہیں تو وہاں اُنہوں نے بھی اپنی ثقافت کا دفاع اور استحکام مدنظر رکھا اور خود پر کسی کو غلبہ پانے نہیں دیا۔ بلکہ اپنے نقطۂ نظر کو دوسروں پر حاوی کیا۔

اُنہوں نے اسلامی دنیامیں عورتوں سے متعلق بحث میں عورتوں کی حیثیت میں بہتری کا مشورہ اپنی ثقافت کے تابع ہوکر دیا، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مقامی ثقافتیں عورت دشمن ہیں اور نا قابل اصلاح ہیں۔اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ عورت دشمن رسم و رواج ترک کردیئے جائیں بلکہ اس کی بجائے اُنہوں نے یہ کہا کہ مقامی ثقافت کی جگہ دوسری یورپی ثقافت کو دی جائے۔ حالانکہ کیا جوحل اُنہوں نے اپنے لئے سوچا تھا، وہی حل مسلمان دنیا کے لئے درست نہ تھا۔آج اگر مسلمان دنیا مغرب کی اتباع کرنا چاہتی ہے تو ان کے اس پہلو کی اتباع کا کیوں نہیں سوچ سکی جس پہلو سے مغرب نے اپنے عورت دشمن رواجات کی اصلاح کے لئے اپنی ثقافت کو ختم کرنے کا نہیں سوچا بلکہ اس کی اصلاح کی۔ جو فارمولا آج مغرب کو سر بلند کر گیا ہے، وہی فارمولا مشرق کی خودی کا حل بھی ہے۔(مشرقی ممالک شوق سے مغرب کی اتباع کریں لیکن مغرب کے اصل فارمولے کی،جس کی پیروی مغرب نے عملاً کی ہے۔)

حقوقِ نسواں کی تحریک سے وابستہ آج بہت سے افراد ایسے بھی ہیں جو اسلام سے مخلص ہیں اور مسلمان معاشروں کے مسائل کا حقیقی حل چاہتے ہیں۔ وہ عورت کے مسئلے کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر حل کرنا چاہتے ہیں،لیکن ان کا ذہن مغرب کی سر بلندی کے اصل خطوط کی طرف ان کی رہنمائی نہیں کرتا۔ وہ عورت کے مسئلے کے حل کے لئے مقامی ثقافت کی جگہ مغربی ثقافت کو دینا چاہتے ہیں اور سچی بات یہی ہے کہ مسلم معاشروں میں یہی نقطہ اختلاف ہے۔ درحقیقت وہ ترقی کے نام پر مغرب کی نقالی کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ مشرق کے علما اس راہ میں ترقی کی بجائے

غلامی کی بو محسوس کرتے ہیں اور اپنی قوم کو غلامی سے بچانا چاہتے ہیں۔ اُنہیں اپنی قوم کے احساسِ کمتری کا بخوبی اندازہ ہے۔

مغربی تہذیب کا آغاز زیادہ واضح صورت میں سولہویں صدی میں ہوا۔ اس وقت یہ تہذیب فطرت کے قوانین یا فطرت میں چھپی ہوئی طاقتوں کی دریافت کے ہم معنی تھی۔ مگر یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ اپنے ابتدائی زمانہ میں مغربی تہذیب کے بانی سائنس دانوں نے عالمی فطرت کے جو حقائق دریافت کئے، ان سے قوت پاکر عرصۂ دراز سے چلی آنے والی مزعومہ مسیحی عقائد کی قوت کو چیلنج کر دیا۔ مسیحیت کے پیشوا چونکہ اس وقت اقتدار میں تھے، اُنہوں نے سائنس دانوں کی سخت مخالفت کی اور اُنہیں سخت سزائیں دیں۔ یہ تصادم اپنی اصل نوعیت کے اعتبار سے صرف اتفاقی تھا، حقیقی نہ تھا۔ مگر جذباتی ہیجان کی بنا پر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جا سکا اور مغربی تہذیب اپنے آغاز ہی سے عملاً ایک مخالف مذہب تہذیب بن گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی تہذیب کے لوگ مذہب کو اپنا دشمن جاننے لگے اور اہل مذہب نے مغربی تہذیب کو اپنا دشمن فرض کر لیا۔ یہ منفی ذہن ابتدا میں مسیحیت کے مقابلہ میں پیدا ہوا، اس کے بعد وہ توسیع پاکر دوسرے مذاہب تک پہنچ گیا۔ (۳)

مسلمان معاشروں کی مقامی ثقافتوں کے تقریباً تمام مسلم علماء اور دانشوروں کا رخ مغربی تہذیب کے معاملے میں ابتداءً منفی رہا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مغربی تہذیب جب اپنے عروج کو پہنچ کر مسلم دنیا میں داخل ہوئی تو یہ داخلہ صرف ایک تہذیبی داخلہ نہ تھا بلکہ وہ سیاسی اور ملک گیری کے جلو میں ہوا جس کو نو آبادیاتی نظام (Colonialism) کہا جاتا ہے۔

مغربی تہذیب کے اس سیاسی مارچ کی زَد سب سے زیادہ جن لوگوں پر پڑی، وہ مسلمان تھے۔ اس وقت ایشیا اور افریقہ کے بڑے رقبہ میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ مغربی تہذیب کے اس سیاسی مارچ نے ان مسلم حکومتوں کا خاتمہ کر کے ان کے اوپر اپنا غلبہ قائم کر دیا۔ اب یہ سیاسی تہذیبی یلغار تھی۔ ابتداءً اُنیسویں صدی کے مسلم علماء اور دانشور اس یلغار کے مختلف پہلوؤں میں فرق نہ کر پائے۔ اُنہوں نے مغربی سیاسی غلبہ کو غیر مطلوب جانتے ہوئے

---

(۳) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف، تدوین، افضال ریحان، دارالتذکیر رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء (یہ کتاب مختلف زاویہ نگاہ رکھنے والے مفکرین کے انٹرویو پر مشتمل ہے) (انٹرویو) از وحید الدین خان، ص ۱۱

مغربی تہذیبی ترقی کو بھی غیر مطلوب سمجھ لیا۔ انگریز سے متنفر ہوتے ہوئے وہ انگریزی سے بھی متنفر ہوئے۔ ابتدائی طور پر دو چیزوں کے درمیان یہی عدمِ تمیز تھی جس نے مسلمانوں میں نفرت پیدا کردی۔ بعض نے اس یلغار کو مذہبی رنگ دیا۔ بعض نے اس یلغار کو سیاسی طور پر تو برا جانا لیکن تہذیب کو خوش آمدید کہا۔

سرسید احمد خان (۴) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ان علما میں ہوتا ہے جنھوں نے مغربی تہذیب کو خوش آمدید کہا اور اسے مشرقی تہذیب کے حق میں ایک معاون واقعہ قرار دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اس سے مشرقی دنیا کے لئے نئے اِمکانات کی دنیا وسیع ہوگی۔ اگرچہ اُنہوں نے اس انقلاب میں بہت سے منفی پہلو بھی پائے، لیکن ان کا خیال تھا کہ اس انقلاب کا مؤیدِ اسلام ہونا مشتبہ نہیں ہے۔

اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مغربی تہذیب نے مسیحی مذہب کے خلاف ردّعمل میں آزادی کے تصور کو اتنا بڑھایا کہ آزادی کو خیر مطلق (Summum bonum) کا درجہ دے دیا۔ انسانی آزادی کے نام پر مذہبی قدروں کی وسیع پیمانہ پر پامالی شروع ہوگئی۔ اس کی آخری حدود مجرمانہ عریانیت (Criminal Pornography) ہے جو اَب شرمناک حد تک غیر انسانی صورت اختیار کرچکی ہے۔ (۵)

تاہم ان تمام منفی پہلوؤں کے باوجود مسلمان دانشوروں میں سے کچھ نے اسے خوش کن تبدیلی سمجھا لیکن اکثر مسلمان منفی پہلوؤں اور مثبت پہلوؤں کے میزان میں کوئی واضح رائے قائم نہ کرپائے۔ مسلمانوں کے مذہبی طبقے کی نگاہ سیاسی اور تہذیبی مغلوبیت کی بنا پر، تنقید پر مبنی تھی۔ لیکن جن مسلمانوں کی نگاہ میں اس کے مثبت پہلو زیادہ خوش آئند تھے، ان کا نقطہ نگاہ مغربی استعمار کی شدت کے ساتھ ساتھ تقویت پاتا گیا۔

اس سیاق وسباق میں عورتوں کے مسئلے اور قوم پرستی اور ثقافت کے مسائل کے درمیان تعلقات استوار ہوئے۔ ابتدائی طور پر یہ تعلقات مغرب کی معاشی اور ثقافتی یلغار کے پس منظر میں اور بعد میں شدید قوت کے ساتھ، اس کے سیاسی اور فکری غلبے کے پس منظر میں استوار ہوئے۔ یہی ثقافتی اور فکری غلبہ نوع بہ نوع طبقاتی اور ثقافتی کشمکش کا سبب

(۴) سرسید احمد خان: (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) برصغیر پاک و ہند کے معروف عالم دین اور مفسر قرآن ہیں۔ مذہبی افکار میں تجدد کے بانی اور معاشرتی افکار کو عقلی فلسفہ پر مرتب کرنے کے حامی، دانشور اور اسلامی مفکر ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی ہیں۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود، ج ۱/ص ۱۵۵)

(۵) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، (انٹرویو) از وحیدالدین خان، ص ۱۲

بنا۔عورتوں سے متعلق بحث ایک ایسا واسطہ بن گئی جس کے ذریعے دوسرے اہم اختلافی معاملات زیرِغور آئے۔اسی مرحلے پر پردے سے متعلق بحث نہایت اہمیت اختیار کرگئی، کیونکہ اس سے نہ صرف صنفی تفریق کے سماجی مفہوم بلکہ نہایت دوررَس سیاسی اور ثقافتی اہمیت کے حامل معاملات کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ تب سے ہی یہ بحث خاصی اہمیت اور معنویت کی حامل رہی ہے۔عورتوں کے مسئلے کا طبقے، ثقافت اور سیاسیات کے مسائل کے ساتھ منسلک ہونا اورعورتوں اور پردے کے مسئلے کا ان دوسرے مسائل کے ساتھ وابستہ ہونا عورتوں کے لئے بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ عورتوں کے حقوق اوران کے مقام میں بہتری یا تبدیلی بلا واسطہ طور پراس بات پر منحصر ہے کہ سیاسی اقتدار پر حاوی مرد، قوم پرستی اور ثقافت کی بحث میں کس جانب جھکاؤ رکھتے ہیں۔اسی لئے اُنیسویں صدی کے آخرتک طبقاتی اور ثقافتی تضادات کے ساتھ ساتھ جنسی تفریق کی بحث نے زور پکڑا۔

اُنیسویں صدی میں مغربی معاشی یلغار اور غلبہ، مشرقِ وسطیٰ کے معاشروں میں پیدا ہونے والے مختلف ردّعمل اور معاشی اور سماجی تبدیلیاں، ان کے حالات کی طرح تہہ دار اور پیچیدہ تھیں، جن میں عورتوں سے متعلق بحث کا آغاز وارتقا ہوا۔سارے مشرقِ وسطیٰ کے لئے اس تبدیلی کی سمت ایک جیسی تھی، تاہم ہر ملک میں تبدیلی کی رفتار مختلف تھی۔مصر، ترکی اور کچھ حد تک شام ہراول دستے میں شامل تھے۔ یہ وہ ملک تھے جہاں یورپی اشیا پہلے پہنچیں، جبکہ جزیرہ نمائے عرب بیسویں صدی تک براہِ راست کم ہی ان اثرات کے تحت آیا تھا۔ جیسے جیسے مختلف خطے عالمی معیشت کے دائرے میں سمٹے، مختلف شہری اور دیہی، خانہ بدوش اور قبائلی آبادیوں کے سبب مقامی عوامل نے ان خطوں میں مختلف تبدیلیوں کو ہوا دی۔ ہر ملک میں مخصوص سماجی تبدیلی یورپی ملکوں کے اس ملک کے ساتھ سیاسی تعلقات کے ارتقا پر منحصر تھی یعنی یہ کہ آیا مشرقِ وسطیٰ کا وہ ملک خودمختار رہا ہے یا استعماریت میں جذب ہوگیا ہے۔

اُنیسویں اور بیسویں صدی میں عرب دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں میں مصر اگلے محاذ پر تھا اور کئی لحاظ سے یہ مشرقِ وسطیٰ میں ہونے والی تبدیلیوں کا آئینہ تھا اوراب بھی ہے۔ پردے کے بارے میں بحث اُنیسویں صدی کے موڑ پر مصر میں ہی شروع ہوئی۔مغربی معاشرے کے اندراس بحث نے ایک تنازعہ کھڑا کردیا اورمشرقِ وسطیٰ کے دوسرے مسلمان ممالک کے دارالحکومت میں بھی یہ بحث چھڑ گئی۔ اس طرح یہ تنازعہ ایک نئے مباحثے کے ظہور کا سبب بنا۔

عورتوں کے حقوق سے متعلق مغربی تہذیب کے مثبت پہلوؤں کے ساتھ ساتھ وابستہ منفی پہلو خصوصاً پردے کا مسئلہ اسلامی مزاج کے قطعاً خلاف تھا۔ اس لئے مغربی تہذیب کے معاملے میں مسلم علما اور دانشوروں کے منفی ذہن میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ جب استعماریت کا پھیلاؤ اور طبقاتی تقسیم سنگین معاملے سمجھے جاتے تھے، اس وقت مصر میں اس کی نئی صورت بنیادی اور مثالی مباحثہ ثابت ہوئی۔ بیسویں صدی میں مشرقِ وسطیٰ کے کسی ایک معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مسلم معاشروں میں بھی عورت اور پردے کا مسئلہ (اگرچہ قدرے مختلف روپ میں) بار بار سر اُٹھاتا رہا۔ اس بحث میں ہمیشہ دوسرے مسائل بھی شامل ہوتے تھے جیسے کہ ثقافت اور قوم پرستی بمقابلہ 'مقامی' یا 'عالمی' اقدار وغیرہ۔

کبھی مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب کا حریف کہا جاتا تو کبھی حلیف۔ یہ مسائل آخر اُنیسویں صدی کے مصر میں ایک نازک مرحلے پر عورتوں سے متعلق مباحثے کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے۔ مطلب یہ کہ عورتوں اور پردے سے متعلق مباحثے میں ایک اور تاریخ بھی شریک ہے۔ یہ تاریخ استعماری غلبے اور اس کے خلاف جدوجہد اور اس جدوجہد کے گرد اُبھرنے والی طبقاتی تقسیموں کی تاریخ ہے۔ یہ ایک ایسی تاریخ ہے جو کسی نہ کسی طرح مشرقِ وسطیٰ کے تمام معاشروں کو متاثر کرتی ہے اور یہ ایک ایسا مباحثہ ہے جس میں تاریخ اور یہ جدوجہد ابھی تک زندہ ہے۔[٦]

مسلم ممالک میں پردے کی بحث یا تعلیم کی بحث درحقیقت معاشرے میں عورت کے کردار کے تعین کے ساتھ وابستہ ہے، کیونکہ پردے کی بدولت ہی عورت کے دائرہ کار کا تعین ہوتا ہے۔ پردہ ہی عورت کے لئے معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے اور پردہ ہی سفر اور تعلیم میں مؤید یا رکاوٹ بنتا ہے۔ پردہ ہی عورت کو مردوں کی نقالی سے روکتا ہے۔ یہ پردہ ہی ہے جو عورت کے لئے تحفظ ہے، یہ پردہ ہی ہے جو کسی بھی تہذیب وثقافت کے اخلاق، اَقدار کے اظہار کا سب سے بڑا نمائندہ ہی ہے۔ درحقیقت یہ پردہ ہی ہے جو معاشرے میں مرد و زَن کے کردار متعین کرتا ہے۔ مسلمان معاشروں میں نوجوان عورتوں کی اکثریت اپنے مستقبل کی لائحہ عمل کی تشکیل میں پردے کو اساسی جگہ دے کر اپنے اُفق کی حدود متعین کرتی ہیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

(٦) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم، خلیل احمد، ص ۱۷۰

''انسانی تمدن کے سب سے مقدم اور سب سے پیچیدہ مسئلے دو ہیں جن کے صحیح اور متوازن حل پر انسان کی فلاح و ترقی کا انحصار ہے۔ اور جن کے حل کرنے میں قدیم ترین زمانہ سے لے کر آج تک دنیا کے حکما و عقلا پریشان اور سرگرداں رہے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں مرد و زَن کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے، کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگِ بنیاد ہے۔ دوسرا مسئلہ فرد اور جماعت کے تعلق کا ہے جس کا تناسب قائم کرنے میں اگر ذرا سی بھی بے اعتدالی باقی رہ جائے تو صدیوں تک عالم انسانی کو اس کے تلخ نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔''(۷)

معاشرے میں مرد و زَن کے تعلق کے قیام میں پردہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے معاشرے میں عورت کا کردار اور عورت کے حقوق و فرائض پردے کے گرد گھومتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عورت سے وابستہ ہر بحث پردے پر ختم ہوتی ہے۔ اسی لئے مسلم ممالک میں جب بھی اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش چلی ہے، ہر نکتہ کی بحث کا منتہا پردہ ہوتا ہے۔

ایک معاصر مقالہ نگار معاشرتی ثقافت میں پردے کی اساسی اہمیت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک معاشرے کی ترقی اور ارتقا کا بنیادی تعلق افراد کے باہمی ربط و ضبط سے ہے۔ اس حوالے سے دیکھیں تو یہ ممکن نہیں کہ مرد و خواتین ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر زندگی گزار سکیں۔ اگر کسی معاشرے میں پچاس فیصد لوگ دوسرے نصف سے کوئی ربط نہ رکھیں تو اجتماعیت وجود میں نہیں آ سکتی جو انسانی تہذیب کے تسلسل کے لئے ناگزیر ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مرد و زَن کا اختلاط اگر کسی ضابطے اور اخلاقی نظام کے تابع نہ ہو تو معاشرہ لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے جس کے اسباب انسان کی جبلت اور فطرت میں موجود ہیں۔ اس لئے جب بھی معاشرتی ارتقا اور سماجی فکری تبدیلیوں کی بحث ہوگی، عورتوں کے کردار کے تعین میں پردہ سرفہرست ہوگا۔''(۸)

مسلم ممالک میں عورتوں پر سماجی و فکری تبدیلیوں کا اظہار سب سے پہلے وہاں کی عورتوں کے طرزِ لباس سے ہوتا ہے۔ اسی لیے مغرب زدہ فکر اور حقوقِ نسواں کی تنظیموں کا زور بھی پردے پر ٹوٹتا ہے۔ اسی لیے پاکستان میں ۱۹۸۰ء کی دہائی میں صدر پاکستان ضیاء الحق(۹) کے دور میں چادر اور چار دیواری کے نعرے نے مذہبی فکر میں کافی مقبولیت

(۷) پردہ از مودودی، ص/۱۱

(۸) پردہ اور عورت سماجی تعلق کے آداب، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/۱

(۹) ضیاء الحق: (۱۲ اگست ۱۹۲۴ء۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء) سابق صدر پاکستان، پاکستان میں اسلامائزیشن کی کوشش کیں۔ عائلی قوانین کو اسلامی ڈھب پر ڈھالا۔ پاکستانی معاشرے میں چادر چار دیواری کے تصور کو فروغ دیا۔

پائی۔عورت کے لیے چادر اور چار دیواری کے تحفظ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کافی سماجی تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں جس نے آزادیٔ نسواں کی فکر کو بہت پسپا کیا اور ان کی کوششوں کو اسلام مخالف رنگ دینے میں مہمیز کا کردار ادا کیا۔جس کے اثرات معاشرتی انتشار پر منتج ہوئے اور آزادیٔ نسواں کی حدود و قیود کی بحث نے مزید زور پکڑا اور حقوقِ نسواں کی تعبیرنو اپنے خدوخال زیادہ واضح کرنے لگی۔

فصل دوم

حقوقِ نسواں کی باگ ڈور
مسلم مفکرین کے ہاتھ میں

اس حصہ میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ حقوقِ نسواں کا پودا مسلمان فضا میں کس طرح پلا بڑھا اور مسلمانوں نے اس کی حمایت یا مخالفت میں کن رویوں کا اظہار کیا۔ حقوقِ نسواں کی تربیت ہی درحقیقت وہ اساس ہے جس نے مسلم دنیا میں معاشرے کی تعمیر نو کے نعرے کو جنم دیا۔ حقوقِ نسواں کی تعبیر نو مغربی تحریکِ آزادیٔ نسواں کو اسلامیانے کی کوشش ہے۔ وہ مغربی فکر کو اسلامی بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مغربی پودے کو پروان چڑھانے کے لئے جس زمین اور آب و ہوا کی ضرورت ہے، وہ اسلامی فکر کی تراش خراش کر کے اس کے لئے زمین اور آب و ہوا تیار کر رہے ہیں۔

مساواتِ مرد و زَن کا نعرہ اگرچہ خالصتاً اہلِ مغرب کا تحفہ تھا مگر ایشیا اور اسلامی ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مسلمانوں میں اس کا پہلا حامی ترکی کا مصطفیٰ کمال پاشا(۱۰) تھا جس نے ادارۂ خلافت توڑنے کے بعد اپنے ملک میں مخلوط معاشرے کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ اس کو اندازہ تھا کہ دینی و مذہبی حلقے مخالفت کریں گے لہٰذا اس نے بے دریغ علماے کرام کو تختہ دار پر لٹکایا، دینی تعلیم کو ملک سے ختم کر دیا، قرآن پڑھنے اور اذان و نماز پر پابندی عائد کردی، ملک کا دستور سیکولر بنا دیا، نئی اور جدید مغربی تعلیم کے ذریعے سے لوگوں کا رابطہ اپنے شاندار اور درخشاں ماضی کی روایات سے کاٹ دیا۔

اس وقت سے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے ذریعہ دین اور دینی روایات سے بغاوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔ نئی نسل کے سامنے مصطفیٰ کمال کو جدید مسلم دنیا کا ہیرو اور 'اتاترک' یعنی ترکوں کا باپ قرار دیا گیا۔ اس وقت سے ترکی میں حکمران طبقہ اور جدید تعلیم یافتہ لوگ سیکولرازم کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ چند سال پہلے ترکی کی چند طالبات نے اپنے تعلیمی اداروں میں سرڈھانپنے کی اجازت مانگی۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے عدالت تک پہنچا، وزیراعظم نے کہہ دیا کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ڈھانپنا چاہتی ہیں تو ڈھانپ لیں مگر صدر نے کہا کہ ہمارا سیکولر دستور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ ایک مذہبی علامت ہے۔(۱۱)

(۱۰) مصطفیٰ کمال اتاترک: (۱۹ مئی ۱۸۸۱ء۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء) ترک قوم کے عظیم رہنما، پیشے کے اعتبار سے فوجی تھے۔ ترکی سماجی مذہبی رویوں میں انقلاب برپا کیا۔ دیکھیے: (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: الفیصل، اردو بازار لاہور، ج ۱/ص ۱۳۵۔ ۱۳۷)

(۱۱) *"Turkey Faces West" A Turkish view of recent changes and their origion* by Halid Edib, Edward Earle, [Author's Review]. Donald C. Blaisdell, *'The American Historical Review'*, (Journal) Vol / 36, No 4 Jul,1931, p.65

لادین ریاست کے دعوے داروں کی لادینی حس اتنی تیز ہوتی ہے کہ سرڈھانپنا وہ ایک مذہبی علامت قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ ان کے نزدیک یہ عمل ان کے سیکولر نظریات کے مخالف پڑ جاتا ہے اور وہ دہائی دینا شروع کردیتے ہیں۔ صرف ترکی کیا، ہر جگہ آج کی غالب مغربی تہذیب نے زوال پذیر مسلمانوں کو اپنی تقلید پر مجبور کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں آزادیٔ نسواں کی تحریکیں پھل پھول رہی ہیں۔ ان تحریکوں کا ہدفِ اوّل اسلامی معاشرہ سے ستر وحجاب کے شرعی آداب کو ختم کرنا ہے۔ (۱۲)

انسانی آزادروی کے دور میں پردے پر پابندیاں لگانا مسلم دنیا کے بارے میں مغربی تعصب کا آئینہ دار ہے اور یہی تعصب مغرب اور مسلم دنیا میں ثقافتی اختلافات کے فروغ کی بنیاد بنا ہے۔

مصر میں خصوصی طور پر تحریکِ نسواں نے خدیو اسماعیل پاشا کے زمانے (۱۸۶۳ تا۱۸۷۹ء) میں زور پکڑا اور عورتوں کے لئے جدید طرز کے سکول کھلنے لگے۔ خدیو اسماعیل کا کہنا تھا کہ سکول ہر نوع کی ترقی کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اس نے برسراقتدار آنے کے فوراً بعد ایک ایجوکیشنل کمیٹی قائم کی جس کو اس نے سکولوں کی کتابوں کو مغرب زدہ بنانے اور اُنہیں ریاستی نظام میں شامل کرنے کی ہدایت کی۔ علی مبارک (۱۸۲۴ تا۱۸۹۳ء) بھی اس کمیٹی کا رکن تھا جس نے فرانس میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہ عورتوں کی تعلیم کی خاص طور پر حمایت کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عورتیں آخری حد تک علم کے حصول میں مشغول ہوں۔ اگرچہ وہ یہ تسلیم کرتا تھا کہ ان کا پہلا فرض بچوں کی دیکھ بھال اور شوہروں کی رفاقت ہے۔

ایجوکیشنل کمیٹی نے طہطاوی کو سکول کے بچوں اور بچیوں کے لئے مناسب نصابی کتابیں لکھنے کا کام سونپا۔ اس نے بچوں اور بچیوں کے لئے یکساں نصاب تجویز کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایسے نصاب کی بدولت لڑکے اور لڑکیوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگی جو ان کی شادی کے بعد ان کی رفاقت میں مددگار ہوگی اور اسی تعلیم کی بدولت ضرورت پڑنے پر عورتیں اپنی قوت اور استعداد کے مطابق مردوں کے پیشے اختیار کرسکیں گی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ مردوزن میں سوائے صنفی اعضا کے اور کوئی امتیاز نہیں۔ ہر وہ کام جو مرد کرسکتا ہے، عورت بھی کرسکتی ہے۔ (۱۳)

---

(۱۲)*"The Status of Turkish Women"* by Dr. Oya Arash, *"Women, Myth and Realities"* Edited and compiled by Kishwar Naheed. Sang-e-Meel Publications,25 Lower Mall, Lhr. Sep.1993, p.408

(۱۳) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم، خلیل احمد، ص ۱۷۸

یہ ایجوکیشنل کمیٹی مسلمان معاشروں میں جدید تہذیبی ارتقا کی حامی تھی۔آہستہ آہستہ یہ تحریک اور زور پکڑنے لگی، قاسم امین (۱۴) نے 'تحریر المرأة' اور 'المرأة الجدیدة' نامی کتب لکھ کر مغربی تہذیب ومعاشرہ کو اختیار کرنے کی زبردست ترغیب دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مردانہ زنانہ اختلاط عام ہونے لگے، بے حجابی بکثرت ہوگئی، آزادانہ کلچرل پروگرام، تفریحی مشاغل، مخلوط تعلیم کا عام رواج ہوا۔مصری طالبات حصولِ تعلیم کے لئے یورپ وامریکہ کا سفر کرنے لگیں۔ اس کے تتبع میں ترکی اور ایران نے بھی مکمل طور پر مغربی معاشرت اختیار کرلی۔ بعد ازاں شام اور عراق بھی اس رو میں بہہ گئے۔اب ہر جگہ دین اور شریعت کی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی تھی۔افغانستان جوں ہی آزاد ہوا، فوراً مغربی معاشرت پر مبنی قوانین بنائے، تعددِ ازواج کی آزادی کو محدود کردیا۔شوہر کے حقِ طلاق پر پابندیاں عائد کردیں، تمام ملازمتوں کے دروازے عورتوں پر کھول دیئے۔عورتوں کو قانون ساز اسمبلیوں کا ممبر بننے کا حق دیا۔ اب پردہ رخصت ہورہا تھا۔ باہر نکلنے والی عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ سیاسی محفلوں میں بھی ہر جگہ وہ مردوں کے دوش بدوش نظر آنے لگیں۔ پھر افغان قوم بھی تجدد پسندی کی راہ پر چل پڑی۔الجزائر، انڈونیشیا اور برصغیر پاک وہند میں بھی اسی طرح یہ اثرات نظر آنے لگے۔

خصوصاً ترکی اور مصر میں تجدد پسندی اور سیکولرازم کی رَو زوروں پر رہی۔جس کسی نے برسرِاقتدار آنے کے بعد ترکی میں سیکولرازم کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی تو اس پارٹی کی بساط لپیٹ دی گئی، مزید برآں نماز روزہ کے عادی لوگوں پر سخت پابندیاں عائد کی جاتی رہیں اور دین اسلام کے ایک ایک نشان کو ازسرنو چن چن کر ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ دینی مدارس اور علماے کرام کو سخت تعذیب کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ (۱۵)

ان ممالک میں خصوصاً عورتوں کا حجاب اور ستر آج بھی شدید پابندیوں کی زد میں ہے۔تعلیمی اداروں میں چادر، دوپٹہ یا سکارف اوڑھنے والی طالبات کو داخلہ ہی نہیں دیا جاتا۔ ہر جگہ عورتوں کو گھروں سے باہر نکل کر مردوں کی طرح

(۱۴) قاسم امین: (۱۸۶۳ء۔۱۹۰۸ء) قاسم بن محمد امین المصری ادیب اور ریسرچ سکالر تھے۔مصر کے جج رہے۔آزادی نسواں کے لیے جنون کی حد تک جدوجہد کی۔ان کی حمایت اور دفاع کے سلسلہ میں معروف ہوئے۔''المرأة الجدیدة اور تحریر المرأة'' ان کی معروف کتب ہیں۔دیکھیے: (الأعلام از زرکلی: ج۶/ص۱۹)

(۱۵)"The Status of Turkish Women " by Dr. Oya Arash," Women Myth & Realities" Complied & Edited by Kishwar Naheed.p.402

کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے، مخلوط تعلیم عام ہے، ساتھ ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف منصوبے اور پروگرام عورت کے لئے معاشرے میں نئے رُخ متعین کر رہے ہیں۔ اسی طرح تقریباً تمام مسلمان ممالک کم و بیش اس نظریۂ مساوات کی لپیٹ میں آتے گئے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا میں بے پردگی اور اختلاط مرد و زَن بہت بڑھا، البتہ سعودی عرب اس سے اس وقت تو متاثر نہ ہوا، لیکن خلیج کی جنگ کے بعد اب وہاں بھی معاشرتی حالات بدل رہے ہیں۔ ایران میں بھی تیزی سے بے پردگی اور فحاشی پھیلنے لگی مگر امام خمینی (١٦) کے انقلاب کے بعد وہاں کے حالات ایک بار پھر بدل گئے۔ (١٧)

مصر تو خصوصاً جغرافیائی محل وقوع اور بعض دوسرے وجوہ واَسباب کی بنا پر تجدد کے اس سیلاب سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ حتیٰ کہ بعض اہل فکر نے یہاں تک کہہ دیا کہ

''مصر کو مشرق کا ایک حصہ اور مصری فکر کو ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر کہنا ہی نادانی ہے۔'' (١٨)

مغربیت سے مرعوب ایک مصری مفکر نے یہ بھی کہہ دیا:

أنا كافرٌ بالشرقِ ومؤمنٌ بالْغَربِ (١٩)

مصر میں آزادیٔ نسواں کے تصور کو خوب پذیرائی ملی اور عورت کی آزادی اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لئے ملک کے مختلف گوشوں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ مصر کا وہ طبقہ جو مغرب کی مادی ترقیوں اور اس کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب تھا، یہ سمجھنے لگا کہ معاشرہ صرف اسی صورت میں صحیح خطوط پر چل سکتا ہے کہ مصری عورت یورپی عورت کے ہم پلہ بنے اور اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ مصری معاشرہ میں ان بے باکانہ افکار وخیالات کا ردّعمل ہوا اور مسلمانوں میں سے ایک دوسرے فریق نے عورت کی بے لگام آزادی کو ناپسند کیا اور ایسی کوششوں کو اِلحاد اور لادینیت کا نتیجہ قرار دیا۔ ان دونوں نظریات کے حامل اہل علم حضرات نے اپنے اپنے خیالات کے

(١٦) امام خمینی: (١٩٠٢ء۔١٩٨٩ء) روح اللہ مصطفیٰ احمد الموسوی الخمینی انقلاب ایران کے بانی، شیعہ مسلک کے مذہبی اور سیاسی راہنما ہیں۔ ایران میں جنم لینے والے مذہبی اور معاشرتی علماء آپ کی رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔

(١٧) "Turkey Faces West" by Halide Edibe, p.70

(١٨) مستقبل الثقافة في مصر ، طٰہٰ حسین، مطبع معارف، دار المعارف للطباعة والنشر ، سوسہ، تونس، ٢٠٠١ء، ص/٤١

(١٩) اليوم والغد، سلامہ موسیٰ، بحوالہ 'تحریکِ آزادیٔ نسواں اور مصر' از جمیلہ شوکت، فکر ونظر، اپریل ١٩٧٨، ج/١٥، ش/١٠، ص/٣٥

اظہار کے لئے کتب تالیف کیں اور دینی، ادبی اور علمی رسائل میں بھی یہ بحث ہوتی رہی۔

مصر میں جب محمد علی[۲۰] ۱۸۰۵ء میں برسر اقتدار آیا تو اس نے زندگی کے مختلف شعبوں کو مغربی طرز پر منظّم کیا۔ اس نے غیر ملکی ماہرین کی خدمات حاصل کیں جس سے مغربی اثرات مصر میں شدت کے ساتھ داخل ہوئے۔ محمد علی نے عورتوں کے حقوق کی طرف بھی توجہ دی اور دیگر معاشرتی اصلاحات کیں۔ وہ چالیس سال تک اقتدار میں رہا۔ محمد علی مصر کو خود مختار بنانا چاہتا تھا۔ اس غرض سے اس نے اپنی فوج کو جدید خطوط پر ترقی دی اور محاصل میں اضافے کے لئے اقدامات کئے۔ اس نے زرعی، انتظامی اور تعلیمی اصلاحات متعارف کروائیں اور صنعتوں کے قیام کے لئے کوشش کی۔ ان شعبوں میں اس کے اقدامات نے ایسی معاشی، فکری، ثقافتی اور تعلیمی تبدیلیوں کو فروغ دیا جو عورتوں کے لئے اہم تھیں، مغرب کی معاشی چیرہ دستیوں، شعبوں کی مغربی تنظیم، غیر ملکی ماہرین اور محمد علی شاہ کی پالیسیوں کے ابتدائی اثرات نے عورتوں کے طرزِ زندگیوں پر گہرے اَثرات مرتب کئے۔[۲۱]

اس کے بعد رفاعہ طہطاوی (۱۸۰۱ تا ۱۸۷۳ء) نے عورتوں کی تعلیم کے لئے آواز بلند کی۔ وہ الازہر کے تعلیم یافتہ اور پیرس جانے والے تعلیمی مشن کے رکن تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ عورتوں کو وہی تعلیم دی جائے جو مردوں کو دی جاتی ہے۔ اُن کی دلیل یہ تھی کہ طاقتور قوموں یعنی یورپی قوموں کے تجربات کا یہی نتیجہ ہے، لیکن محمد علی اور رفاعہ کی کوششیں زیادہ بارآور نہ ہوسکیں۔ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں یہ تحریک مصر کے بعض دیگر مصلحین نے آگے بڑھائی۔ سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ تا ۱۸۹۷ء) نے جو عالم اسلام کے اتحاد اور ان کی ترقی وخوشحالی کے بہت بڑے داعی تھے، عورتوں کے حقوق کی طرف بھی توجہ دی اور اس گروہ کی مخالفت کی جو اسلام پر عہدِ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کا الزام لگاتا تھا۔ اُنہوں نے تقریر وتحریر سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ اسلام بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کا ساتھ دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ساتھ ہی اُنہوں نے مسلمانوں کے جذبہ غیرت وخودداری کو

(۲۰) محمد علی پاشا المسعو دابن آغا البانین: خلافت عثمانیہ کا جنگجو راہنما ہے۔ محمد علی پاشا 1769 میں پیدا ہوا۔ مصر میں 80 سال کی عمر میں 2 اگست 1849ء میں فوت ہوا۔ 9 شادیاں کیں وہ جدید مصر کا بانی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس نے مصری افواج میں جدید اصلاحات کیں۔ قاہرہ میں اس کی یاد میں ایک بڑی مسجد بھی بنائی گئی۔ اس کی اصلاحات نے مصر کی مذہبی افکار کو نہایت متاثر کیا۔

(http://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Ali_of_Egypt#Cultural_impact)

(۲۱) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم، خلیل احمد، ص ر ۱۷۱

بھی بیدار کیا اور کہا کہ وہ غیر ملکی استعمار کے پنجوں سے آزاد ہوں۔

سید جمال الدین (۲۲) کے بعد ان کے شاگرد محمد عبدہ (۲۳) (۱۸۴۹ تا ۱۹۰۵ء) نے ان کے اصلاحی پروگرام کو جاری رکھا اور مسلمانوں کو تحصیل علم کے لئے رغبت دلائی اور کہا کہ ان کی پستی اور اغیار کی بالادستی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم علم سے دست بردار ہوگئے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کے بغیر ہم ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی جائے اور ان کے حقوق کا احترام کیا جائے۔ مزید برآں وہ لکھتے ہیں:

> ''جو بھی یہ جانتا ہے کہ اسلام سے قبل تمام قومیں مرد کو ترجیح دیتی تھیں اور عورت کو محض شے اور مرد کے لئے ایک کھلونا سمجھتی تھیں اور کس طرح کچھ مذاہب نے مرد کو اوّلیت دی، صرف اس لئے کہ وہ ایک مرد ہے اور عورت ایک عورت اور کیسے کچھ لوگ عورت کو مذہبی ذمہ داری کے لئے نااہل اور غیر قانونی اور مذہبی روح سے تہی جانتے تھے...... وہ قوموں کے عقائد اور عورتوں سے ان کے برتاؤ میں اس اسلامی اصلاح کی صحیح قدر و قیمت کو سراہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس پر یہ بھی واضح ہو کہ یورپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ سب سے پہلے اُنہوں نے عورت کو عزت اور برابری عطا کی۔ اس سلسلے میں اسلام ان سے مقدم تھا، یہ اور بات ہے کہ اب تک کے ان کے قوانین اور مذہبی روایات مرد کو عورت سے بلند درجہ دیتی ہیں۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم وتربیت، اور اُنہیں ان کے حقوق سے آگاہ کرنے کے ضمن میں مسلمان غلطی پر تھے۔'' (۲۴)

اور عبدہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہم اپنے مذہب کی دکھائی راہ پر چلنے میں ناکام رہے ہیں، بلکہ اس کے خلاف ایک دلیل بن چکے ہیں۔

عبدہ کی رائے تھی کہ ''عورتوں کو منفی طور پر متاثر کرنے والے ضوابط کا سرچشمہ اسلام نہیں بلکہ وہ خرابیاں اور غلط تعبیریں ہیں جو وقت کے ساتھ اسلام میں در آئی ہیں۔ یہ ضوابط، دوسرے 'پسماندہ' اور 'گھٹیا' رسم و رواج کی طرح

---

(۲۲) سید جمال الدین افغانی: (۱۸۳۸ـ۱۸۹۷ء) اسلامی جدت کے بانی ہیں معروف مذہبی عالم، سیاسی راہنما اور مسلمہ امہ کی فکری، سیاسی بیداری کے لیے بہت کام کیا۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ج۱/ص۲۴۳)

(۲۳) الشیخ محمد عبدہ (1849-1905ء): محمد عبدہ بن حسین خیر اللہ آل ترکمان میں سے تھے اور مفتی مصر تھے، متعدد کتب کے مصنف تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر بھی کی لیکن مکمل نہ کر سکے۔ مشہور تصانیف میں ''شرح نهج البلاغة، رسالة التوحيد'' وغیرہ ہیں۔ دیکھیے: (الأعلام از زرکلی: ج۷/ص۱۳۱)

(۲۴) زعماء الإصلاح، محمد عبدہ، ص۲۸۰

کثیر زوجی اور طلاق سے متعلق ہیں جنھوں نے اقوامِ اسلام کو افسوسناک جہالت کی حالت میں گرا دیا ہے۔ بحیثیت مجموعی اسلامی قوم کی بیداری کا انحصار اسلام کے بنیادی اُصولوں کی طرف مراجعت ہے۔ ایسی مراجعت سے یہ عیاں ہوجائے گا کہ 'طلاق' کثیر زوجی اور غلامی جیسے معاملات اسلام کے بنیادی اُصولوں میں سے نہیں ہیں۔''

عبدہٗ کی دلیل تھی کہ مثال کے طور پر کثیر زوجی کی اجازت اس وقت کے حالات کی وجہ سے دی گئی تھی، حالانکہ قرآنی نصب العین واضح طور پر یک زوجیت کی طرف مائل ہے۔ قرآن کے اصل منشا کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ضرررساں رسم و رواج کی درستگی کے لئے قانونی اصلاحات سمیت دیگر اصلاحات بھی عمل میں لائی جائیں۔ (۲۵)

اپنے عہد کے دوسرے سیکولر دانشوروں اور مصلحوں کے برخلاف، عبدہٗ مذہبی فکر پر بہتر دسترس رکھتے تھے، جدیدیت کے معاملے کو ان اصلاحات میں پیش کرسکتے تھے، جو 'اصل' اسلام سے متصادم ہونے والی اصلاح کی بجائے اس سے ہم آہنگی کی نمائندہ ہیں۔ اسی لئے ان کے تصورات نے دوسرے دانشوروں کے لئے اسلام اور جدیدیت کے معاملے کو سند کے ساتھ پیش کیا، لیکن خود عبدہٗ سرکردہ جدت پسند سیاست دانوں اور مصلحوں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور اسی گروہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، لیکن وہ قوم کو قرآن سے حل تلاش کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ (۲۶)

اگرچہ مصر میں ۱۸۷۰ء کی دہائی تک 'سکول برائے حکیمہ' ریاستی سرپرستی میں چلنے والا عورتوں کی تعلیم کا واحد ادارہ تھا لیکن بالائی طبقے کی خواتین میں یورپی مضامین کا مطالبہ رواج پاچکا تھا۔ محمد علی کی بیٹیاں یورپی اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ عربی اور مذہب کی روایتی تعلیم بھی حاصل کرتی تھیں۔ بالائی طبقے کے گھرانوں نے یورپی علوم اور مذہبی علوم کی اس ترکیب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، تاہم بیٹیوں کے لئے مرد اساتذہ ملازم رکھنا عام رواج نہ بن سکا۔ (۲۷)

---

(۲۵) زعماء الإصلاح، محمد عبدہ، ص/۲۸۰

(۲۶) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم، خلیل احمد، ص/۱۸۱

(۲۷) ایضا: ص/۱۷۶

محمد عبدہ کے بعد ان کے شاگرد رشید رضا نے اپنی زبان وقلم کو اصلاحِ احوال کے لئے وقف کر دیا۔ رشید رضا نے مسلمان معاشروں میں عورتوں کے حالات زندگی میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں لکھا۔ اُس نے بالائی طبقے میں ہر جگہ یورپی تہذیب کی نقالی کا مشاہدہ کیا۔ اُس نے اپنی کتاب حقوق النساء في الإسلام میں عورتوں کے پردے کے معاملے میں ہونے والی تبدیلیوں کو بھی موضوعِ بحث بنایا۔

سید رشید رضا نے عورتوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا۔ سید رشید رضا(۲۸) نے عورتوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور ان کی تعلیم وتدریس کا خاص اہتمام کیا تاکہ یہ طبقہ معاشرہ میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکے۔(۲۹)

رشید رضا کے بعد آزادئ نسواں کی تحریک کی باگ ڈور قاسم امین کے ہاتھ میں آئی۔ قاسم امین (۱۸۶۵ تا ۱۹۰۸ء) نے عورت کے حقوق کی بازیابی اور اس کی آزادی کے حصول کے لیے منظّم تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اسی بنا پر اس کا نام مُحرِّر الْمَرْأۃِ (عورت کو آزادی دلوانے والا) پڑ گیا۔(۳۰)

فرانس کا فارغ التحصیل یہ شخص اسلامی اقدار اور روایات سے بیزار نظر آتا تھا۔ وہ مصری عورت کو یورپی عورت کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا، اس نے اپنے خیالات کا اظہار اپنی دو کتابوں 'تحریر المرأۃ' اور 'المرأۃ الجدیدۃ' میں کیا ہے اس نے اپنے موقف کی حمایت میں مصری رائے عامہ کو ہموار کیا۔ تحریر المرأۃ میں اس نے چار مسائل: حجاب، زندگی کے جملہ معاملات میں عورت کی شرکت، تعدد ازواج اور طلاق پر طبع آزمائی کی ہے اور جدت کو اسلام کا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ عورت کے معاملے میں روایتی اسلامی فکر کا ناقد ہے۔ حجاب کے ضمن میں اس کا قول ہے کہ ''قرآنِ حکیم میں وارد حجاب کا حکم صرف ازواج مطہراتؓ کے لئے تھا۔''(۳۱)

---

(۲۸) سید رشید رضا (1865-1935ء): محمد رشید بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بہاء الدین، مصری مفکر ہیں۔ استعماری دور کے سیاسی فکر کے نمائندہ مفکر ہیں۔ اپنے افکار کے اظہار کے لئے ''المنار'' رسالہ شائع کیا۔ قرآنی علوم میں عقلی رجحانات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ 12 جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی، لیکن مکمل نہ کر سکے۔ (الأعلام از زرکلی: ج/۶،ص/۳۶۱)

(۲۹) تفصیل کے لیے دیکھئے: حقوقُ النساءِ في الاسلام وحَظُّهن مِنَ الاصْلَاحِ المُحَمَّدِيْ العام، محمد رشید، رضا، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۴ء (اس کتاب کی تحقیق وتخریج بیسویں صدی کے نامور محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی نے کی۔ اُنہوں نے اس موضوع کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی نکتہ نظر کی وضاحت بھی کی)

(۳۰) آزادئ نسواں یا فحاشی کا فروغ از محمد آصف احسان، عبدالباقی، محدث، (ماہنامہ) نومبر ۲۰۰۴ء، ج/۳۶، ش/۱۱، ص/۱۲۲

(۳۱) تحریر المرأۃ از قاسم امین، ص/۶۹

اس کے خیال میں پردہ مسلمانوں نے دوسری اقوام کے اختلاط سے اختیار کیا تھا، جسے بعد میں دین سمجھ لیا گیا۔ وہ پردہ کو صحت کے لئے مضر کہتا ہے۔ اسی طرح تعددِ ازواج کا بھی مخالف ہے اور اس نے اس معاملے میں اَعدائے دین کا سا موقف اختیار کیا ہے۔ طلاق کے معاملے میں کہتا ہے کہ عورت کو بھی حق طلاق ملنا چاہئے۔ اس کے خیالات اس بات پر دلیل ہیں کہ اس نے تحریکِ آزادیٔ نسواں کے مقاصد کو بہت تقویت پہنچائی ہے۔

المرأة الجديدة میں اس نے تمام مسلمات وعقائد کا انکار کردیا خواہ وہ دین کے ذریعے انسان کو ملے ہوں یا کسی اور ذریعے سے۔ اس نے علمی استدلال کی آڑ میں عورت کو اباحیت، دینی قیود سے آزادی اور معاشرہ کی تمام روایات و آداب کے خلاف بغاوت پر اُکسایا اور دل کھول کر مغرب کی تقلید کی دعوت دی۔ اس نے یہاں تک کہا کہ مسلمانوں کے انحطاط کا اصل سبب شرعی احکام کی پابندی ہے۔ (۳۲) وہ ماضی پر فخر کو ذلت وعبودیت اور بے چارگی سے تعبیر کرتا ہے۔

قاسم امین کی دونوں کتابیں مصر میں واضح سماجی تبدیلی اور فکری ہلچل کے وقت شائع ہوئیں اور شدید، تندوتیز بحث اور تنقید کا سبب بنیں۔ ان کتابوں کی اشاعت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخالفت کی شدت کی وجہ یہ تھی کہ قاسم امین کی تجاویز کی بنیاد انتہا پسندی پر مبنی تھی۔ امین مصری حقوقِ نسواں میں جدت کی طرح ڈالنے والوں میں سے ہے۔ وہ معاشرتی ثقافت میں بنیادی تبدیلیوں کو مصری قوم اور بالعموم مسلمان ممالک کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ اس کی کتاب کا مرکزی نکتہ عمومی ثقافت اور عورتوں کے کردار کی تبدیلی، خصوصاً پردے کی مخالفت ہے۔ (۳۳)

قاسم امین کے مؤیدین میں لطفی السید (تجدد پسند سیاست دان، صحافی اور الجامعة القاهرة مصر کے پہلے ڈائریکٹر) کا نام سرفہرست ہے۔ لطفی السید نے قاسم امین کے خیالات کی تائید کی اور عورت کی بے باک آزادی کا پرچار کیا۔ ابھی قاسم امین کی کتابوں کے بارے میں بحث جاری تھی کہ ملک حفنی ناصف (۱۸۸۶ تا ۱۹۱۸ء)(۳۴) نے حقوقِ نسواں کی حمایت میں تحریر وتقریر کا آغاز کردیا اور قاسم امین کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان کے مضامین کے مجموعے النِّسَائیات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریات میں بہرحال قاسم کی طرح متشدد نہیں۔ اُنہوں نے عورت کی تعلیم و

(۳۲) المرأة الجديدة، از قاسم امین، ص/۱۸۳

(۳۳) عورت جنسی تفریق اور اسلام، لیلیٰ احمد، مترجم، خلیل احمد، ص/۱۸۹

(۳۴) الأعلام از زرکلی، ج/۸، ص/۲۱۷

تربیت اور جائز آزادی کے لئے بڑا کام کیا لیکن وہ اپنے بعض نظریات میں بڑی معتدل رہیں۔ وہ حجاب کو پسند کرتی ہیں اور آزادانہ اختلاط اور رقص وسرود کی محفلوں کے حق میں قطعاً نہیں۔

۱۹۱۱ء میں ملک حفنی ناصف نے عورتوں کی طرف سے مجلس مقنّنہ میں دس مطالبات پیش کئے جس میں کہا گیا کہ عورتوں کو مردوں کے مساوی تعلیمی سہولتیں مہیا کی جائیں نیز نکاح وطلاق کے قوانین میں بھی ضروری اصلاحات کی جائیں۔ اگرچہ ان کی یہ تجاویز اس وقت مسترد کردی گئیں، لیکن اُنہوں نے اس ضمن میں اپنی مساعی کو جاری رکھا اور ان تجاویز کو بعد میں آنے والوں نے بنیاد بنایا۔

مصری مفکرین میں سے سلامہ موسیٰ (۳۵) نے بھی عورت کی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ وہ مصری عورت کو یورپی عورت کی طرح نام نہاد آزادی کی نعمت سے مالا مال دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایسی تعلیم کا حامی تھا جس میں دین کا عنصر شامل نہ ہو۔ قاسم امین کی طرح وہ بھی حجاب کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ حجاب سے آنے والی نسلوں پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ملک حفنی ناصف کے بعد تحریکِ نِسواں کی باگ دوڑ ایک انقلابی عورت مادام ہدیٰ شعراوی (۱۸۷۹ تا ۱۹۴۹ء)(۳۶) کے ہاتھ میں آئی۔ ان کے والد اور شوہر حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے جس کی وجہ سے ہر طبقے تک اسے رسائی حاصل ہوئی۔ ہدیٰ شعراوی نے ۱۹۰۹ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں خواتین کے لئے لیکچرز کا اہتمام کیا اور ۱۹۱۴ء میں خواتین کے اندر مغربی اندازِ زندگی پیدا کرنے کے لئے اَلاتِّحَادُ النِّسَائِيْ التَّهْذِيْبِي کی بنیاد رکھی اور اسی مقصد کے لئے ایک دوسری انجمن کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ان تنظیموں کا مقصد ادب وثقافت کے خوش نما نعروں کے پردے میں مصری خواتین کو اسلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں خواتین کی ایک اجتماعی ریلی منظّم کرنے کے بعد ہدیٰ شعراوی وفد پارٹی کی خواتین شاخ لَجْنَةُ الْوَفْدِ الْمَرْكَزِية لِلسَّيِدَاتِ (خواتین کے لئے مرکزی وفد کی کمیٹی) کی مرکزی صدر مقرر کردی گئیں۔ ۱۹۲۳ء میں آزادی کے حصول کے بعد ہدیٰ شعراوی نے

(۳۵) سلامہ موسیٰ: (۱۸۸۷ء۔۱۹۵۸ء) مصری صحافی تھے ثقافت اور سائنس کا گہرا مطالعہ کیا۔ اسلامی افکار میں علمی انقلاب برپا کیا۔

(۳۶) مادام ہدی شعراوی: ہدی بنت محمد سلطان پاشا 1879ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئیں۔ مصر میں آزادی نسواں کی تحریکوں کی قیادت کی۔ 1923ء میں ''جمعية الاتحاد النسائی''تشکیل دی۔ ایک میگزین ''المصرية'' بھی شائع کیا۔ 1947ء میں قاہرہ میں ہی وفات پائی۔ (الأعلام از زرکلی: ج۹، ص۷۰۔۷۱)

الاتحاد النسائي المصري کی بنیاد رکھی اور اس کی صدر مقرر ہو کر مصر میں تحریکِ نسواں کی بھرپور قیادت کی۔ اسی سال روم کی ایک بین الاقوامی خواتین کانفرنس میں شرکت کے بعد وطن واپس آئیں تو ایک سیاسی مظاہرے میں شرکت کرتے ہوئے اس نے پہلی مرتبہ عوام کے سامنے چہرے کا نقاب نوچ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد بے حجابی ان کا شعار بن گئی۔(۳۷)

اُنہوں نے ۱۹۲۵ء میں فرانسیسی زبان میں ایک ماہنامہ (Egyptienne) جاری کیا اور ۱۹۳۷ء میں عربی زبان میں ماہنامہ المصرية کا بھی آغاز کردیا۔ ان دونوں رسالوں نے تحریکِ آزادیٔ نسواں کے افکار و نظریات کی خوب اشاعت کی اور پردے سے متعلقہ اسلام کے روایتی تصورات پر حملے کئے۔(۳۸)

مصری خواتین کی کثیر تعداد نے اس کی پیروی کی۔ مصر میں اگرچہ پردہ ختم ہونے کے بارے میں بڑی دیر سے بحث چھڑی ہوئی تھی، لیکن ان تجدد پسندوں کی کوششیں بارآور نہیں ہوتی تھیں۔ مادام کی اس جرأت سے عورتوں میں بے باکی آ گئی اور رفتہ رفتہ پردہ ختم ہوتا گیا۔

مصر میں حقوقِ نسواں کی فکر کو تقویت دینے والی ڈاکٹر منیر قاضی بھی ہیں۔ انہوں نے قاسم امین کی طرح آیاتِ قرآنی کی تاویل کی۔ قرآن کی اس آیت: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾(۳۹) سے استدلال کیا کہ عورت بھی مرد کی طرح سیاست میں حصہ لینے کی اہل ہے، نیز مردوں کی طرح وہ بھی حاکم وقت کی بیعت کرسکتی ہے۔(۴۰)

ڈاکٹر منیر قاضی کی طرح عقیلہ احمد حسین بھی اپنے مضمون میں پردہ، طلاق وغیرہ کے بارے میں اپنے پیشروؤں کی ہم نوا نظر آتی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حق طلاق مرد کو تفویض کرنا عورت پر ظلم اور زیادتی ہے۔ کہتی ہیں:

إنَّ الْحَقَّ الْمُطْلَقَ لِلرَّجُلِ فِيْ أنْ يُطَلِّقَ امْرَأتَهٗ هَذَا الْحَقُّ الَّذِي يَبْدُوْ غَيْرُ عَادِلٍ بِالنِّسْبَةِ إِلَى

(۳۷) الثقافة الإسلامية از محمد خلف اللہ احمد، مصر، ۱۹۵۵ء، ص/ ۵۱۵

(۳۸) (i) آزادیٔ نسواں یا فحاشی کا فروغ از محمد آصف احسان عبدالباقی، محدث، نومبر ۲۰۰۴ء، ج ۳۶/ ش ۱۱/ ص ۱۲۳
(ii) کیا عورت آدھی ہے؟، وارث میر، پروفیسر، نگارشات میاں چیمبرز، ۳ ٹمپل روڈ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۹ء، ص/ ۱۰۵

(۳۹) سورۃ الممتحنۃ: ۱۲/۶۰

(۴۰) الثقافة الإسلامية از محمد خلف اللہ احمد، ص/ ۱۲۶

الْمَرْأَةِ"(۴۱)

''بنسبت عورت کے آدمی کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مطلق حق مبنی بر انصاف معلوم نہیں ہوتا۔''

نیز وہ کہتی ہیں کہ اب زمانے کے حالات بدل چکے ہیں، لہٰذا پردہ باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں۔

وَلَمَّا أَلْغى الرِّقُّ، وَتَغَيَّرَتْ قِيَمُ الْعَالَمُ، لَمْ يَعُدْ لِلنِّقَابِ سَبَبٌ لِلْوُجُوْدِ. (۴۲)

ایسے ہی خیالات کا اظہار مشرقِ وسطیٰ میں ہر جگہ اور خاص طور پر ترکی میں بھی ہو رہا تھا۔ ترکی سماجی اور تعلیمی اصلاحات کے معاملے میں مصر کے متوازی راستے پر ہی رواں دواں تھا۔ دونوں معاشروں کے دانشور ایک جیسے خیالات رکھتے تھے اور تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے۔ جن دہائیوں میں طہطاوی مبارک اور محمد عبدہ عورتوں، تعلیم اور اصلاح کے بارے میں اپنے خیالات پیش کر رہے تھے، اسی دوران نامق کمال (۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۸ء) نے ترکی میں عورتوں کی تعلیم کا علم بلند کر رکھا تھا۔ شمس الدین (۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۴ء) نے ۱۸۸۰ء میں ایک کتاب کدلینار (Kadlinar) یعنی 'عورتیں' شائع کی۔ اس میں شمس الدین نے عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا اور کثیر زوجی کے معاملے کی اِصلاح کی وکالت کی۔ اس کی دلیل تھی کہ اگرچہ قرآن اس کی اجازت دیتا ہے، لیکن اسے سراہتا نہیں ہے۔ کثیر الزوجیت کا معاملہ عمومی نہیں ہے یعنی عام حالات میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ یہ معاملہ خصوصی حالات کے ساتھ ہے۔ اس نے اپنے نقطہ نظر کے ثبوت میں آیات کا حوالہ بھی دیا اور تعدد ازواج کی اجازت پر مبنی قرآن کی تشریح کا انکار کر دیا۔ (۴۳)

ابوالحسن ندوی (۴۴) لکھتے ہیں:

''۱۹۵۲ کے انقلاب کے بعد مصر کا جو دستور مرتب ہوا، اس میں بھی عورت کو مرد کے برابر حقوق دیے گئے۔ مصر اور اس کے تتبع میں ترکی اور پھر ایران نے بھی کامل طور پر مغربی معاشرت اختیار کر لی۔ شام و عراق بھی مغرب کے گہرے ذہنی و اخلاقی اور

(۴۱) الثقافة الإسلامية از محمد خلف اللہ احمد، ص/۵۱۹ (۴۲) ایضاً، ۵۲۱

(۴۳) عورت جنسی تفریق اور اسلام، ص/۱۸۱

(۴۴) ابوالحسن ندوی: (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء) سید ابوالحسن علی ندوی علی میاں بیسویں صدی کے معروف عالم دین ہیں۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر رہ چکے ہیں۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی حساسیت کو سمجھتے ہیں۔ بہت سی عربی اور اردو کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیادہ مشہور کتابوں میں تاریخ دعوت وعزیمت، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، اور نبی رحمت ہیں (اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور، ج/۱، ص/۱۰۸۔۱۰۹)

معاشرتی اثرات کی جولان گاہ ہیں۔ روز بروز عام معاشرہ سے دین کی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی ہے۔عورتوں میں آزادی کا رجحان، اطوار زندگی میں مغرب کی نقالی اور حجاب سے بیزاری، کلچرل پروگرام، آزادانہ تفریحی مشاغل، مردوں عورتوں کا اختلاط روز افزوں ہے۔مخلوط تعلیم کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔''(۴۵)

تیونس بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔ تیونس کی آزادی کے بعد تین ہی سالوں میں آزادئ نسواں نے جو رنگ اختیار کیا، اس کے بارے میں ابوالحسن ندوی نے پیرس کے ایک اخبار کی رپورٹ نقل کی ہے جس کی رو سے تعددِ ازواج کی آزادی کو محدود ومقید کر دیا گیا ہے۔شوہر کے حق طلاق پر پابندیاں عائد کردی گئی ہیں۔ یہ خاندانی آزادی، سیاسی اور معاشرتی آزادی کے ساتھ مل کر دو چند ہوجاتی ہیں۔عورتوں کو تیونس میں رائے دہندگی اور مجلس قانون سازی کا ممبر بن سکنے کا حق بھی حاصل ہوچکا ہے۔ تمام ملازمتوں میں عورتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ پردہ کم ہوتا جارہاہے۔ باہر نکلنے والی عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور سیاسی محفلوں میں وہ مردوں کے دوش بدوش نظر آتی ہیں۔(۴۶)

افغانستان میں امیر امان اللہ خان(۴۷) کے دور تک اسلامی روایات اور تہذیب پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔لیکن اب افغانی قوم بھی تجدد کی اس راہ پر چل پڑی ہے۔ پردہ اب وہاں بھی پسماندگی اور غربت کی علامت بن گیا ہے۔ مغربی لباس عام ہے۔عورتوں میں یورپ کے پھیلائے ہوئے کامل مساوات مرد وزَن کے نظریہ کے اثرات بہت گہرائی تک اُتر چکے ہیں۔(۴۸)

الجزائر، انڈونیشیا اور برصغیر پاک و ہند میں بھی اس تجدد پرستی کے یہ اثرات بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں جن سے خاندانی اور قومی زندگی تباہی و بربادی کی راہ پر چل پڑی ہے۔ البتہ برصغیر پاک وہند میں اسلام پسندی کی

(۴۵) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش جائزہ، مشورہ، محاسبہ، ندوی، ابوالحسن ،سید، مولانا، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی طبع سوم، ۱۹۸۱ء، ص/۱۷۵

(۴۶) ایضاً

(۴۷) امیر امان اللہ خان بن امیر حبیب اللہ خان: (۱جون ۱۸۹۲ء۔ ۲۵ اپریل ۱۹۶۰ء) افغانستان کے امیر کا خطاب ملا۔ وہاں کا قومی ہیرو تھا۔ ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۲۹ء میں افغانستان کے حکمران رہے۔ افغانستان میں برطانوی استعمار کا شدید مخالف تھا۔

(۴۸) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش جائزہ، مشورہ، محاسبہ، ندوی، ابوالحسن ،سید، مولانا، ص/۱۹۳

جکڑ بندی ابھی بھی شدید ہے۔ یہاں کے علما کی فکر میں بھی عورت کے معاملے میں مغربی افکار کی مزاحمت غالب ہے۔ یہاں کا مذہبی طبقہ تجدد پسندی کو مغربی مغلوبیت کا شاخسانہ قرار دے کر حقوقِ نسواں کی تعبیر نو یا عورت سے متعلق کسی بھی نئی فکر کا مخالف ہے۔ وقت کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کسی بھی مذہبی معاملہ میں انتشار اور محاذ آرائی اس خطے کا خاصہ بنتی جا رہی ہے۔ جدید اور قدیم، تجدد پسند اور روایت پسند اپنے خدوخال کو نمایاں کرتے جا رہے ہیں اور اُنہوں نے جدید مسلمان عورت کو عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔

دراصل اس خطے کی تہذیب قدیم ہندو تہذیبی غلبے سے بھی عبارت ہے اور برطانوی سامراج سے بھی، سکھ یاتریوں کے اثرات سے بھی متاثر ہے اور بیسویں صدی میں معاشی غلبے کے تحت بڑھتی ہوئی غربت کی چیرہ دستیوں کی بدولت تشدد پسندی، جبر وقید اور روایت پسندی کی اسیر ہے۔ لیکن یہاں کی بھی اُمرا اور رؤسا کی بیگمات اپنی بے باکی، آزادروی اور پردہ بیزاری کے ساتھ خم ٹھونک کر تعبیر نو کے میدان میں اُتر چکی ہیں اور اس خطے کی عام عورت سے وابستہ مذہبی اور روایتی فکر کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ مذہبی فکر کے پاس تاریخی، دینی اور علمی اساسات کا ورثہ ہے تو جدید فکر کے نزدیک یہ ورثہ مغربی تنقید کی کڑی دھوپ میں ان کی چھتری بننے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے مسلمانوں کا ماضی چاہے کتنا بھی تابناک ہو، مگر ان کا مستقبل مغربی اقوام کا سہارا لیے بغیر تاریک رہے گا۔ برہان احمد فاروقی کے نزدیک طبقہ نسواں کی فکر فتنۂ استشراق سے متاثر ہے۔(۴۹)

سید ابوالحسن ندوی کہتے ہیں:

> ''ان سارے اثرات اور آزادیٔ نسواں کی تحریکوں اور عملی اقدامات کے باوجود شرعی نقطہ نظر اپنی جگہ قائم ہے۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام نے عورتوں کے لئے حجاب اور معاشرتی روابط کا ایک ضابطہ اخلاق تجویز کیا ہے جس میں بے ضرورت اختلاط کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اسی لئے مردوں اور عورتوں کے روابط کے متعلق اسلامی تاریخ اختلاط اور عام مجلسی میل جول کی مثالوں سے تقریباً خالی ہے۔ چودہ صدیوں پر محیط اسلامی معاشرہ کے ہر دور میں پردہ وحجاب اور دیگر معاشرتی آداب پر اُمت کا تعامل ایک اٹل حقیقت ہے جس کو عصر حاضر کے وقتی حقوقِ نسواں کے تقاضے کے تحت تعبیر نو کر کے دبایا، چھپایا یا تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح تمام مسلم اقوام کے حیثیتِ نسواں کے معاملہ میں یا دیگر معاشرتی اُمور سے متعلق انحراف اور

(۴۹) قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، سروسز بک کلب، ٹیم پرنٹرز ۶۲-۷ بینک روڈ، راولپنڈی، طبع دوم، ۱۹۹۶ء، ص/۱۰۹

بے راہ روی کو جائز قرار دے کر اسلام کی طے کردہ حیثیتِ نسواں کو ازکار رفتگی کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ انتشار، انحراف، کج روی اور بے راہ روی کی یہ وقتی لہر بالآخر ختم کر رہے گی اور ہادیٔ انسانیت سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے جگمگاتے نقوش اُمتِ مسلمہ کو اپنے اصل سانچے میں ڈھال کر رہیں گے۔"(۵۰)

مسلم ممالک میں آزادیٔ نسواں کی تحریک آگے بڑھتی رہی۔ عورت کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مردوں کے برابر دیئے گئے۔ اسی طرح مردوں کے برابر ہر شعبۂ حیات میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کا بھی مغربی نعرہ تسلیم کرلیا گیا۔ مسلمان معاشرہ میں اگر ان تجدد پسندوں کی آرا کو ایک طبقہ نے پسند اور قبول کیا تو دوسرے طبقہ نے اس نام نہاد آزادی کی مخالفت کی اور اسے دین اسلام اور عورت کی فطری صلاحیتوں کے خلاف ایک بغاوت قرار دیا۔ اس طبقہ کے اہل علم حضرات نے قاسم امین اور ان کے متبعین کی آرا کی سخت مخالفت کی۔ مصر کے اخبارات میں بے شمار مقالات ان کی مخالفت میں شائع ہوئے، نیز ایسی مستقل کتب بھی تالیف ہوئیں جن میں عورت کے مقام اور اسلام نے اسے جو حقوق عطا کئے ہیں، اس پر اظہار خیال کیا گیا۔

مصر کے نامور ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی (م ۱۹۲۴ء)(۵۱) عورت کی تعلیم و تربیت کے حامی ہیں، لیکن وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ عورت حیا کے پردے کو تار تار کردے۔ مصر کے شعرا نے بھی متجددین کی بے باک آزادی کی دعوت کو دین و مذہب کے خلاف سازش قرار دیا۔ اور مصر کے کثیر شعراء تجدد پسند ہونے کے باوجود عورت کو کھلی آزادی دینے کے حق میں نہیں۔ ایک ملی شاعر کہتے ہیں:

بِالرَّغْمِ مِنِّي مَا تَعَالَجَ فِي النُّحَاسِ الْمُقْفَّلِ
حِرْمِي عَلَيْكَ هَوىً وَمَنْ يَحْرُزْ ثَمِيْنًا يَبْخَلُ(۵۲)

"اس کے باوجود کہ میں نے سونے وچاندی کی طرح تمہاری حفاظت کی ہے (اور اس کے باوجود کہ) میری محبت ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور جو شخص قیمتی چیز سے اعراض کرتا ہے وہ بخل سے کام لیتا ہے۔"

---

(۵۰) دریائے کابل سے دریائے یرموک تک از ندوی، ابوالحسن، ص ۲۳۱، ۲۳۲

(۵۱) مصطفیٰ لطفی المنفلوطی: (1872-1924م): مصطفیٰ لطفی بن محمد لطفی بن محمد حسن لطفی المنفلوطی ادب و انشاء کے نابغہ روزگار تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں "النظرات" اور "العبرات" ہیں۔ (الأعلام از زرکلی: ج ۸، ص ۱۴۷)

(۵۲) الاتجاهات الأدبية فى العالم العربى الحديث، انیس مقدسی، بیروت، ۱۹۶۳ء، ص ۲۶۳

حافظ کہتے ہیں:

أَنَا لَا أَقُوْلُ دَعُوا النِّسَاءَ سَوَافِرًا
بَيْنَ الرِّجَالِ يَجُلْنَ فِيْ الأَسْوَاقِ[٥٣]

''میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو پردوں کے درمیان بے پردہ چھوڑ دو کہ وہ اسی حالت میں بازاروں میں گھومتی پھرتی رہیں۔''

شعراء ملت اسلامیہ طبقہ نسواں کی عورت کی بے پردگی کی دعوت کے جواب میں کہتے ہیں کہ عورت کے مصائب کا علاج بے پردگی میں نہیں اور نہ ہی حجاب اس کی ترقی میں رکاوٹ ہے:

نَصُّ الْكِتَابِ عَلَى الْحِجَابِ وَلَمْ يُبِحْ لِلْمُسْلِمِيْنَ تَبَرُّجَ الْعَذْرَاءِ
مَا فِيْ الْحِجَابِ سِوَى الْحَيَاءِ فَهَلْ مِنَ التَّهْذِيْبِ أَنْ يَهْتِكْنَ سَتْرُ حَيَاءِ[٥٤]

''موضوع حجاب پر کتاب اللہ کی دلیل (نص) واضح موجود ہے۔ مسلمان دوشیزاؤں کا اظہارِ زینت درست نہیں۔ حجاب سراپا حیا ہے کیا پردہ حیا کو تار تار کرنا تہذیب ہے۔''

تحریک آزادی نسواں کے اباحیانہ تصورات نے ملت اسلامیہ کے تمام معاشروں کو متاثر کیا ہے اور نئی بحثوں کو جنم دیا ہے لیکن اسلامی معاشرہ حجاب نسواں کو ترقی مخالف امر قرار دینے پر مطمئن نہیں۔

اسلامی جمہوریہ مصر میں تحریکِ آزادئ نسواں کی مخالفت بھی بہت ہوئی۔ چنانچہ مصری خواتین کو اسلام کے نظام ستر وحجاب سے آگاہ کرنے اور اجنبی مردوں سے ان کے آزادانہ میل جول کے خلاف 'الاخوان المسلمین' کی خواتین شاخ 'الأَخَوَاتُ الْمُسْلِمَات' نے بہت اہم کردار ادا کیا۔[٥٥] اس کے علاوہ نعمت صلاتی نے التبرج اور مصر کے نامور محقق اور ماہر انشا پرداز محمد فرید وجدی (۱۸۷۸ء تا ۱۹۵۴ء) نے 'اَلْمَرْأَةُ الْمُسْلِمَةُ' لکھ کر اسلام کے نظام عفت وعصمت کا مؤثر انداز میں دفاع کیا۔ اسی کتاب کا ترجمہ برصغیر میں مولانا ابوالکلام آزاد[٥٦] نے 'مسلمان

(۵۳) الاتجاهات الأدبية فى العالم العربى الحديث، انیس مقدسی، بیروت، ۱۹۶۳ء، ص/۲۶۵

(۵۴) تاریخ رفائیل بطی، ج/۲، ص/۵۱۔۵۷

(۵۵) آزادئ نسواں یا فحاشی کا فروغ از محمد آصف احسان عبدالباقی، محدث، (ماہنامہ) نومبر ۲۰۰۴ء، ج/۳۶، ش/۱۱، ص/۱۲۴

(۵٦) ابو الکلام آزاد (1888-1958ء): انڈین مسلم سکالر اور تحریک آزادی کے سپاہی اور رہنما ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور اردو زبان کے شاعر، فلسفی اور مذہبی راہنما ہیں۔ تحریک خلافت کی قیادت بھی کی۔ (امام الهند مولانا آزاد از امداد صابری: ط/۱، مکتبہ رشیدیہ کراچی، ۱۹۸۶ء ص/۲۹)

عورت' کے نام سے کیا۔

مصر میں حقوقِ نسواں کی جدوجہد میں زینب الغزالی[۵۷] (۱۹۱۷ء) کا نام بھی نمایاں ہے۔ زینب نے نوجوانی میں ہدیٰ شعراوی کی تحریکِ نسواں میں شمولیت اختیار کی مگر جلدی ہی یہ حقیقت سمجھ میں آ گئی کہ یہ تحریکِ آزادی عورتوں کو حقوق کے نام پر اسلام سے گمراہ کر رہی ہے اور یہ کہ اسلام نے خواتین کو ہر قسم کے حقوق فراہم کئے ہیں۔ اس لئے مزید کسی تنظیم یا تحریک سے وابستگی فضول ہے۔ ۱۹۳۶ء میں زینب نے 'جَمَاعَةُ السَيِّدَاتِ الْمُسْلِمَاتِ' کی بنیاد رکھی اور مسلمان طالبات میں اسلامی حقوق کا شعور بیدار کیا۔ اس وقت کی حکومت نے تنظیم کی مقبولیت اور توسیع کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۶۴ء میں اس پر پابندی لگا دی۔ اس وقت اس کے ارکان کی تعداد ۳۰ لاکھ کے قریب تھی۔[۵۸]

---

(۵۷) زینب محمد الغزالی الجبیلی: (2 جنوری 1917ء-3 اگست 2005ء): ان کے والد کا شمار مصری علماء ازھر میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں زینب ''الاتحاد النسائی'' سے وابستہ رہیں۔ لیکن بعد میں تائب ہو کر'' جماعۃ السیدات المسلمات'' کی بنیاد رکھی اور عورتوں سے وابستہ اسلامی افکار کو فروغ دیا اور بعد میں حسن البنا کے ساتھ'' اِخوان المسلمین'' میں شامل ہو کر مصر میں مذہبی تحریک کا پر جوش حصہ بنیں۔ متعدد کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ مثلاً ''نحو بعث جدید'' اور ''نظرات فی کتاب اللہ''۔ 88 سال کی عمر میں قاہرہ میں وفات پائی۔

(http://www.qassimy.com/st1/lesson-285-1.html)

(۵۸) تحریک آزادی نسواں اور مصر از جمیلہ شوکت، فکر و نظر، اپریل ۱۹۷۸ء، ج/۱۵، ش/۱۰، ص/۴۴

فصل سوم

پاکستان میں حقوقِ نسواں کی ثقافتی کشمکش

پاکستان میں اس مسئلہ نے وطن عزیز کے قیام کے ساتھ ہی شدت سے سر اُٹھایا۔ پاکستان میں عورتوں کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے فوری طور پر 'اَپوا' کا قیام عمل میں لایا گیا اور 'اپوا' کے تحت ان تمام خواتین کو دوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی گئی جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں پرجوش حصہ لیا تھا۔(۵۹)

یہ تمام خواتین آزادی پسند اور ترقی پسند خواتین تھیں جو مسلم ممالک میں دَر آنے والی مغربیت اور جدت کی لہر سے انتہائی متاثر تھیں اور پاکستان میں عورتوں کو ترقی کی راہ پر گامزن اور پردے سے آزاد ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی دیکھنے کی خواہاں تھیں اور اس راہ میں متوقع رکاوٹ (علمائے کرام) کے خلاف تعصب سے بھری ہوئی تھیں۔(۶۰)

حکومتِ پاکستان نے اس انجمن کو باضابطہ طور پر تسلیم کرلیا اور اعلان کیا کہ حکومت عورتوں کے معاملات میں قانون سازی کرتے ہوئے اس انجمن کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھائے گی۔(۶۱)

'اپوا': آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (All Pakistan Woman Association) کی بیگمات نے یہاں بھی مخلوط معاشرہ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بیگم رعنا لیاقت علی خاں(۶۲) اس کی روح رواں تھی، جنہوں نے ۲۸/جنوری ۱۹۴۹ء کو جہلم میں جموں و کشمیر کے پناہ گزینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چاردیواری میں بند بیٹھی رہیں۔ اب اُنہیں خوابِ غفلت سے بیدار ہونا ہوگا اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا ہوگا اور مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی عورتوں کی راہ میں حائل نہ ہوں، وہ اُنہیں اس بات کا موقع دیں کہ وہ ان فنون کو سیکھ سکیں جن کی اہلیت ان کے اندر پائی جاتی ہو۔"(۶۳)

(۵۹) "Women of Pakistan, Two steps forward One step back" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.75

(۶۰) ایضاً ص/۱۳۹

(۶۱) پاکستان ٹائمز، لاہور، ۲۵/جون ۱۹۴۹ء

(۶۲) بیگم رعنا لیاقت علی خان: (۱۹۰۵ء-۱۹۹۰ء) اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم رانا لیاقت علی خان کی اہلیہ ہیں۔ آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (اپوا) کی بانی ہیں صوبہ سندھ کی گورنر رہ چکی ہیں۔ (http://www.appwa.org.au/)

(۶۳) سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۲۹ جنوری ۱۹۴۹ء

مس فاطمہ جناح (۶۴)، بیگم خواجہ ناظم الدین، سلمیٰ تصدق حسین، بیگم جی اے خان اور سرکاری حکام کی بیگمات اس تنظیم میں شامل تھیں۔ حکومتِ پاکستان نے اس انجمن کو باضابطہ طور پر تسلیم کر کے اعلان کر دیا کہ جن معاملات کا تعلق عورتوں کے حقوق سے ہوگا، ان معاملات میں حکومت کی سرپرستی برقرار رہے گی۔

۲۴ر جنوری ۱۹۴۹ء کو یونیورسٹی ہال لاہور میں مغربی پنجاب زنانہ مسلم لیگ اور پاکستان زنانہ رضا کار سروس کے زیراہتمام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سابق وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خاں (۶۵) نے کہا:

''عورتوں پر بالخصوص پڑھی لکھی اور پردے کی قید سے آزاد عورتوں پر ایک بھاری ذمہ داری ہے۔ اُنہیں اپنی تعلیم اور آزادی سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایسی مثال قائم کرنی چاہیئے کہ دنیا دیکھ لے کہ ایک چار دیواری میں قید رہنے والی عورت اور اس عورت میں کیا فرق ہوتا ہے جو اپنی تعلیم کی مدد سے اپنے ملک اور اپنی قوم کو مضبوط بنانے کی جدوجہد کرتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عورتوں کے لئے مکمل آزادی کے معاملہ میں آپ سے متفق ہوں۔ ہم مرد عورتوں کو آزادی دیئے جانے کے خلاف نہیں ہیں جو بعض مرد بظاہر مخالف معلوم ہوتے ہیں، اُنہیں دراصل کچھ منفرد غلط مثالوں نے مذبذب بنا دیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہوگا عورتوں کو حکومت کے ہر محکمہ میں پوری نمائندگی دی جائے گی۔ پاکستان اس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے تاکہ دنیا کو اسلامی اُصولوں پر قائم شدہ ریاست کا نمونہ دکھایا جا سکے۔''(۶۶)

اپوا کی کانفرنسیں عموماً گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اس انجمن کو شروع سے یہاں خواتین میں بے پردگی عام کرنے، رقص و سرور کی محفلیں برپا کرنے اور مخلوط معاشرہ تشکیل دینے کی فکر تھی۔ بقول امین احسن اصلاحی وہ اپنے یہاں ہالی وڈ کی تہذیب کو عہدِ رسالت کے تاریخی حوالوں کے ساتھ رائج کرنا چاہتے تھے۔ (۶۷)

چنانچہ باقاعدہ: (۱) آرٹ اکیڈمی، (۲) زنانہ نیشنل گارڈز، (۳) گرل گائیڈز، (۴) بلیو برڈز (Blue birds) زنانہ رضا کار کور اور اینجلز آف مرسی (Angles of Mercy) یعنی زنامہ نرسوں کی تنظیم قائم کی گئی وغیرہ۔ خصوصاً

(۶۴) فاطمہ جناح (۱۸۳۹ء۔۱۹۶۷ء) قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ ہیں۔ تحریک پاکستان کے لیے سرگرم مسلمان خواتین کی قائد رہیں۔ اور پاکستان بننے کے بعد عورتوں کی ترقی کے لیے کام کیا۔ پاکستانی خواتین کے لیے آپ کا کردار مثالی مسلمان عورت کا ہے۔

(۶۵) لیاقت علی خان: (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۱ء) تحریک پاکستان کے سرگرم رکن ہیں۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم ۱۹۴۷۔۱۹۵۱ ہیں۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور، ج۲ر، ص ر۱۴۰۷)

(۶۶) سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۲۵ جنوری ۱۹۴۹ء

(۶۷) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص ر۲۷۔۵۷

مخلوط تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ بیرونی سربراہوں، اربابِ اقتدار، سول اور فوجی حکام کے سامنے بچوں اور خواتین کے دستوں کی پریڈیں، سلامیاں اور کھیلیں بہت پسند کی گئیں۔ موسیقی، رنگ، رقص اور زرّیں ملبوسات کے جلو میں مینا بازار اور ڈریس شو منعقد ہونے لگے۔ یہ ڈرامے، مینا بازار اور ڈریس شو پاکستان کے قومی وملّی مقاصد کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے کا کامیاب ذریعہ قرار دیئے گئے۔ بیشتر کالجوں میں مخلوط تعلیم دی جانے لگی اور یونیورسٹیوں میں آج تک علما کے شدید احتجاج کے باوجود مخلوط تعلیم ہی جاری ہے۔ بیرونی ملکوں میں خواتین کے ثقافتی طائفے جانے لگے۔

یہ خواتین مذہبی ذہن کے زیر اثر پلنے والے عورتوں کے پردے کے رجحان سے انتہائی پریشان تھیں کیوں کہ پردے کے احکامات عورتوں کو شمع محفل بنانے کی بجائے گھر واپس بھیجتے ہیں جبکہ ان کی تحریک کا مقصد ہی عورتوں کو گھروں سے نکالنا اور حقوق کی آواز بلند کروانا تھا۔

یہ معاشرتی زندگی میں عورتوں اور مردوں کی علیحدگی کی انتہائی مخالف تھیں۔ زنان خانے کا تصور ہی ان کے نزدیک دقیانوسی تھا۔ یہ علیحدہ خواتین یونیورسٹی کے قیام کے لیے اُٹھنے والی آوازوں کی بھی مخالف تھیں کیوں کہ ایسی یونیورسٹی سے عورتوں کو محفوظ اور مبنی برحجاب زندگی میسر آنے کا امکان تھا۔ ان کے نزدیک یہ عورتیں یونیورسٹی کے بعد معاشرے کے دیگر اداروں میں بھی علیحدگی کا مطالبہ کریں گی اور پاکستان جیسی ترقی پذیر مملکت اس مطالبے کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ نیز یہ عورتوں کی کھیلوں پر لگنے والی ہر پابندی کے خلاف تھیں، جب کہ پاکستان کے مسلم علمائے کرام عورتوں کی کھیلوں کے نام پر عورت کی عزت وپاک دامنی اور عفت وحیا کا قتل نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے نسوانی کھیلوں کے معاملے میں اس طبقے اور مذہبی طبقے میں اختلاف بڑھتا گیا۔ عورتوں کا یہ طبقہ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ثقافتی پروگراموں کا فروغ چاہتا تھا اور ثقافت کے نام پر بے حیائی اور بے باکی، رقص وسرود کو قانونی تحفظ دینا چاہتا تھا۔ (۶۸)

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''آزادیٔ نسواں اور پردہ شکنی کی اس تحریک ہی کو مقبول بنانے کے لئے ڈراموں، تھیٹروں، ناچ گانے کی مجلسوں اور مینا بازاروں کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ جس کی ہر دل عزیزی اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید پاکستان میں تہذیب وثقافت نام ہی ان چیزوں کا رہ جائے گا۔ ڈراموں میں بیشتر زنانہ نیشنل گارڈ، کالجوں کی طالبات اور سرکاری اداروں

(۶۸)"Women of Pakistan, Two steps forward One step back" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.156

کی پناہ گزیں لڑکیاں حصہ لیتی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ بیہودگی کو بطورِ آرٹ کے فروغ دینے کے لئے ہمارے اندر سے ایک مستقل طبقہ تحریکِ آزادیٔ نسواں کے ہاتھ آ گیا ہے جو عجب نہیں کہ بگڑتے بگڑتے ایک دن اس کو پیشہ ہی بنا بیٹھے۔''(۶۹)

مینا بازار پاکستان میں بیگم رعنا لیاقت علی کی اوّلیات میں سے ہے۔ اُنہوں نے ہی کراچی میں اس کا آغاز فرمایا۔ پاکستان کی ابتدا ہی سے 'اپوا' کی بیگمات نے آزادیٔ نسواں کے فروغ کے لئے جو اُسلوب اپنایا، اسی کی بنا پر پاکستان میں طبقہ نسواں اور طبقہ مذہب میں شروع سے ہی ٹھن گئی۔ یہ پاکستان کے مذہبی طبقے کو عورتوں کے لیے حیات کے دروازے بند کرنے کا الزام دیتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ مذہبی طبقے نے عائلی مسائل کی تشریح میں عورت کو حقیر جگہ دی ہے اور اس باب میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، حالانکہ ہر انتخابات میں ان کی ناکامی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ پاکستان کے عوام ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ یہ عورتوں کے لیے ترقی کے دروازے بند کر دیتے ہیں، ان کی تشریحات ردّعمل پر مبنی ہیں۔ (۷۰)

اُنہوں نے مذہبی طبقے کے خلاف تنفر کو ہوا دے کر ان کو حاصل ہونے والی گرانٹ بھی ہتھیانے کی کوششیں کیں اور چیریٹی شو کے نام پر فحش پروگرام شروع کیے۔ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''پاکستان میں تحریکِ آزادیٔ نسواں کی سرکردہ خواتین نے مینا بازار کے نام پر جو پردہ شکنی کی تحریک اور جنسی جذبات کو اشتعال دینے والے اُمور شروع کر رکھے ہیں آپ دیکھیں گے کہ ایک جنسی جذبہ کے سوا اس قوم کے دوسرے جذبات بالکل مردہ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر آپ مسجد بنانے کے لئے بھی چندہ مانگیں گے تو وہ تب تک آپ کو چندہ نہیں دیں گے جب تک آپ اُس کو مینا بازار کی سیر نہ کرائیں۔''(۷۱)

ان بیگمات کی بھرپور مدد پریس اور ترقی پسند دانشوروں نے کی، پھر تو یہ صورت حال پیش آئی کہ ہر جگہ اشتہار میں عورتوں کی نیم برہنہ تصاویر، ٹی وی، وی سی آر میں ہر جگہ ناچتی تھرکتی عورت میڈیا اور لٹریچر میں ہر جگہ نمودار ہونے لگی۔ پھر تو پاکستان میں مذہب مخالف فکر کا رجحان اور شدت پکڑنے لگا اور علی الاعلان یہ بھی کہا جانے لگا کہ ہم اب

---

(۶۹) پاکستانی عورت دوراہے پر، اصلاحی، امین احسن، ص ۲۳

(۷۰) "Women of Pakistan, Two steps forward One step back by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.156

(۷۱) پاکستانی عورت دوراہے پر، اصلاحی، امین احسن، ص ۲۴

تک جس انداز اور جن زاویہ ہائے نگاہ سے اپنی زندگی کے معاملات پر غور کرتے رہے ہیں، اب آزادی کے حصول کے بعد ان میں تبدیلی کرنی پڑے گی اور اگر یہ تبدیلی اختیار نہ کی گئی تو مصطفیٰ کمال کی طرح جبراً یہ تبدیلی کرائی جائے گی۔ ۱۹۵۰ء میں لاہور کے ایک روزنامے نے اپنے اداریئے میں لکھا:

''عورتوں کی آزادی یا پردہ، نقاب پوشی کے سوال پر فرنگی اقتدار کے دور میں ہم جس انداز اور جن زاویہ ہائے نگاہ سے بحث کرتے رہے ہیں، اب اس میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے، ورنہ ہماری معاشرت میں وہ توازن وہم آہنگی اور وہ تناسب ویک رنگی پیدا نہ ہوسکے گی جس کے بغیر قوموں کی سربلندی محال ہے۔''(۷۲)

انہی دِنوں راولپنڈی کے جریدہ میں ایک خط چھپا جو طبقہ نسواں کے دل کی آواز بن گیا:

''آج مسلمان عورتوں کی مثال اس قیدی کی طرح ہے جو مدتوں قید میں رہنے کے بعد اس کوٹھڑی سے ہی محبت کرنے لگ جاتا ہے جس میں وہ بند رکھا گیا ہے۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ پیغمبرؐ کی بیٹی فاطمہؓ پردہ کرتی تھیں مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قائداعظم کی بہن فاطمہ ایسا نہیں کرتی اور یہی (مؤخر الذکر فاطمہ کا) طریقہ صحیح ہے کیونکہ ہمارا ملک دوسرا ہے، ہماری دنیا دوسری ہے۔ ہمارے حالات دوسرے ہیں اور یہ سب کچھ اُس سے مختلف ہے جو تیرہ سو سال پہلے تھا۔ بالکل بے تکے پن سے قدیم زمانہ سے جواز تلاش کرنے کا رجحان صرف احمقانہ ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے۔ اس کا نتیجہ سماجی جمود اور ذہنی پستی ہے۔''(۷۳)

۱۹۵۴ء میں بیگم رعنا لیاقت علی خان پہلی مسلم سفیر کے طور پر ہالینڈ میں پاکستانی سفیر مقرر ہوئیں۔ ۱۹۶۲ء میں 'اپوا' انجمن نے صدر ایوب سے عائلی قوانین منظور کرائے۔ عائلی قوانین کی منظوری کے دوران ایک بار پھر طبقہ نسواں اور مذہبی طبقہ باہم صف آرا ہوئے۔ مذہبی طبقے کا یہ موقف تھا کہ یہ قوانین قرآن اور سنت سے متصادم ہیں اور طبقہ نسواں کا یہ موقف تھا کہ مغربی معاشرتی نظام ہی قرآن وسنت کے منشا کو صحیح پورا کرتا ہے۔ طبقہ نسواں نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن وسنت کی تاویلیں کیں اور تاریخ کی کمیاب مثالوں کے ذریعے حقوقِ نسواں کی تعبیر نو کے پودے کو پانی دیا۔

مسلمانوں کے عائلی قانونِ زندگی کا نام انگریزی دورِ حکومت میں 'مسلم پرسنل لاء' تجویز کیا گیا۔ یعنی مسلمانوں کے وہ مسائل جن کا تعلق شادی بیاہ، نکاح، طلاق، وراثت، وصیت اور فسخ وتفریق وغیرہ سے ہے۔ یہ قانون صرف

(۷۲) روزنامہ 'احسان' لاہور، ۴ فروری ۱۹۵۰ء

(۷۳) سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۲۷ اپریل ۱۹۴۹ء

مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے، غیر مسلموں اور ملک کے دوسرے مذہب کے باشندوں سے قطعاً کسی قسم کا تعلق نہیں۔ (۷۴)

پاکستان اپنے قیام کے فوراً بعد ہی UNO کا ممبر بن گیا تھا۔ لہٰذا اس دوران عورتوں کے حقوق کے نام پر منعقد ہونے والی تمام کانفرنسوں میں باقاعدہ پاکستانی خواتین کے وفد شریک ہوتے رہے اور پاکستان میں پلنے والے طبقہ نسواں اور مذہبی طبقہ کے درمیان کی کشمکش کے لئے رہنمائی اور لائحہ عمل ترتیب دیتے رہے۔ پاکستان کے عائلی قوانین بھی حقوقِ نسواں کے عالمی ایجنڈے سے مطابقت کی کوششوں کا ہی سنگِ میل تھے۔ ان ہی کاوشوں کے زیر اثر ۱۹۷۳ء میں عورتوں پر تمام سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھل گئے اور عورتوں کے لئے مکمل مساوات کا نظریہ ترتیب دیا گیا۔ اس دور میں عورتوں کی معاشی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ضبطِ ولادت کی تحریک کو بھی مقبول بنانے کے لئے طبقہ نسواں نے بہت کوششیں کیں۔

۱۹۷۵ء میں میکسیکو کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے بعد پاکستان میں کئی خواتین تنظیمیں غیر سرکاری طور پر وجود میں آئیں اور مغربی ایجنڈے کے طور پر پاکستانی خواتین کو بے حجاب اور مردانہ تحفظ سے آزادی دلوانے میں مصروف رہیں۔ اَپوا کی تنظیم جو قیامِ پاکستان کے بعد وجود میں آئی تھی اور سرکاری سرپرستی میں چل رہی تھی، اب وہ مزید سے مزید مضبوط ہوتی جارہی تھی اور اس کی مذہب دشمنی بھی وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ واضح اور بین ثبوت حاصل کرتی جارہی تھی۔

پھر جب صدر ضیاء الحق نے اپنے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کرنا چاہی اور ۱۹۷۹ء میں حدود آرڈیننس کا اِجرا کیا، قانونِ دیت وشہادت پاس کئے گئے۔ سرکاری دفاتر میں عورتوں کو ساتر لباس اور چادر کا پابند کیا گیا، نیز ان پر برسرعام کھیلوں میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تو حقوقِ نسواں کے داعی اس اقلیتی گروہ نے ضیاء الحق کے ان تمام اقدامات کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور حکومت کے ہر سطح کے اقدام کی پرزور مخالفت کی۔ اُنہوں نے اخباری پروپیگنڈے، مذاکروں، قراردادوں کے ذریعے سے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ خواتین کا دیت اور شہادت والا قانون تبدیل کرے۔ بے نظیر بھٹو (۷۵) نے بھی حدود آرڈیننس کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔

(۷۴) مسلم پرسنل لاء اور اس کے چند گوشے، محمد ظفیر الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم نمبر، (مسلم پرسنل لاء)، مارچ/اپریل ۱۹۸۶ء ص/۱۲۷

(۷۵) بے نظیر: (۲۱ جون ۱۹۵۳ء۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء) پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم ہیں۔ پاکستان کی دو مرتبہ وزیر اعظم رہ چکی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ عورتوں کی ترقی کے لیے بہت کام کیا۔

بعض نے کہا کہ ہمیں وہ قرآن نہیں چاہئے جو عورت کو آدھی شہادت کا مقام دیتا ہے، ہمیں وہ قرآن چاہئے جو ہمیں مساوات دے۔ ہمیں بہرحال مساوی حقوق چاہیں، وگرنہ ہمیں ایسے قرآن وحدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر ان خواتین نے خود مجتہد بن کر عورتوں کے لئے قرآن وحدیث سے مساوی حقوق برآمد کرنے کی ٹھانی۔(۷۶)

طبقہ نسواں سے وابستہ خواتین قرآن مجید کے ناظرہ پڑھنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوئے بھی قرآنِ مجید کی تفسیر کے میدان پر حملہ آور ہوگئیں۔ ایڈووکیٹ عاصمہ جہانگیر نے علیٰ الاعلان کہا:

''اگر ہماری دیت آدھی ہے، ہماری شہادت آدھی ہے تو پھر نماز بھی ہم آدھی پڑھیں گی، روزے بھی آدھے رکھیں گی۔ حج بھی آدھا کریں گی اور تمام اسلامی احکامات بھی ہمارے لئے آدھے ہوں گے۔''(۷۷)

عاصمہ جہانگیر(۷۸) نے مزید کہا کہ ''اگر مرد چار شادیاں کرسکتے ہیں تو عورت چار شوہر کیوں نہیں۔''(۷۹)

۱۹۸۸ء میں انتخابات کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو سربراہِ حکومت بنی ایک مستقل وزارت Ministry of Women کے نام سے قائم کی گئی۔ اس دور میں خواتین کے الگ بینک قائم ہوئے۔ الگ تھانے قائم ہوئے، عدلیہ میں بھی خواتین جج مقرر ہوئیں۔ تمام سرکاری ملازمتوں میں خواتین کا مستقل کوٹہ مقرر ہوا۔ مگر اس دور میں خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی نہ بن سکی، کیونکہ طبقہ نسواں اختلاطِ مردوزن کا حامی تھا۔ وہ زنان خانے اور مردان خانے کی علیحدگی کا تو حامی ہی نہیں۔ اگر ان کا مقصد محض عورتوں کی ترقی اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا تو یہ طبقہ خواتین یونیورسٹی کا حامی ہوتا۔ اس وقت پاکستان میں اسلامی جمعیت طالبات نے خواتین یونیورسٹی کی ضرورت کے لئے آواز اُٹھائی۔ طبقہ نسواں کا موقف یہ تھا کہ خواتین یونیورسٹی سے عورت کے خلاف صنفی امتیاز مستحکم ہوتا ہے۔ خواتین یونیورسٹی میں ان کو نسوانی قسم کے مضامین پڑھائے جائیں گے جو عورتوں کو سائنسی سوچ اور جدید علوم سے دور رکھنے

---

(۷۶)"Women of Pakistan, Two steps forward One step back by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.73

(۷۷) جدید تحریکِ نسواں اور اسلام از ثریا بتول علوی، پروفیسر، ص ۴۷

(۷۸) عاصمہ جہانگیر: پاکستان میں انسانی حقوق کمیشن کی چیئرمین ہیں پاکستان کی سپریم کورٹ بار کی رکن اور اعلی عدالتوں میں وکالت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ عورتوں کے حقوق کے ضمن میں بین الاقوامی شہرت کی حامل ہیں۔ ترقی نسواں کی خاطر منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوتی ہیں، روایتی مذہبی فکر کو مسلمان عورت کی پسماندگی کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں۔

(۷۹) طلوع اسلام، (ماہنامہ) باب المراسلات ''قانون شہادت، مؤلف ندارد، ج ۳۶/ ش ۳/ مارچ ۱۹۸۳ء

کی علامت ہے۔اس طرح ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند ہو جائیں گے۔
طبقہ حقوق نسواں عورتوں کی مغربی تعلیم کا انتہائی حامی ہے۔لیکن ان کے نزدیک تعلیم صرف وہی معتبر ہوگی جو مردانہ دائرہ کار کی ہے اور عورتوں پر معاش کے دروازے کھولے اور عورت کے لئے گھر سے باہر دلچسپی کی ضامن ہو۔ عورتوں کے لئے نسوانی دائرہ کار کی تعلیم اور طبقہ حقوقِ نسواں کے مقاصد باہم متضاد ہیں۔نسوانی دائرہ کار کی تعلیم میں یہ فقط ضبطِ ولادت کو اہمیت دیتے ہیں اور اُسی کی تعلیم کو مسلمان عورتوں میں عام کرنا چاہتے ہیں۔
دلچسپ بات یہ ہے کہ حقوقِ نسواں کی حامی خواتین کو خواتین یونیورسٹی کے قیام سے تو صنفی امتیاز اور ایک خاص طبقے سے خصوصی سلوک کا شکوہ ہے لیکن نسوانی حقوق کی علم برداران خواتین کو نہ تو ملازمتوں میں خواتین کے مستقل کوٹے سے کسی صنفی امتیاز کی بو آتی ہے اور نہ ہی خواتین کے لئے مستقل سیاسی نشستوں سے کوئی خصوصی سلوک پروان چڑھتا ہے۔ یہ دوطرفہ رویہ حقوقِ نسواں کی خواتین کی ثنویت اور دورخے پن کی دلیل ہے۔
۱۹۹۰ء میں پاکستانی خواتین وفد تیسری عالمی خواتین کانفرنس جو کوپن ہیگن میں ہوئی، اس میں شریک ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں ہی پاکستان نے CEDAW (عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمہ کے لئے عالمی کنونشن) کی دستاویز پر بھی دستخط کئے۔ یہ دستاویز عورتوں کے موضوع پر UNO کی تیس سالہ کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ایسے ہی ۱۹۹۴ء میں آبادی اور ترقی کے موضوع پر ہونے والی کانفرنس جو قاہرہ میں منعقد ہوئی اس میں بھی پاکستان نے شرکت کی۔
ستمبر ۱۹۹۵ء میں بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا ایجنڈا CEDAW اور قاہرہ کی بہبودِ آبادی کانفرنس کے نتیجے میں تیار ہوا تھا، اس وقت بے نظیر بھٹو پاکستان کی وزیر اعظم تھیں چنانچہ اُنہوں نے بھرپور تیاری کے ساتھ اس کانفرنس میں شرکت کی اور وہاں ایک اہم اجلاس کی صدارت کا اعزاز بھی حاصل کیا اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سربراہ ہونے کے ناطے برضا و رغبت اس پر دستخط ثبت کئے۔ [۸۰]
ستمبر ۱۹۹۴ء میں پاکستانی سینٹ کی ایک قرارداد کے ذریعے ایک 'خواتین انکوائری کمیشن' قائم کیا گیا جس کا مقصد پاکستانی خواتین کے بارے میں کتاب وسنت کی روشنی میں مؤثر سفارشات تیار کرنا تھا۔ اس کمیشن نے ۱۸۰ صفحات پر مشتمل رپورٹ ۱۹۹۷ء میں پیش کی۔ اس کی سفارشات کیا تھیں، دراصل یہ بیجنگ کانفرنس کے اقوام متحدہ کے دیئے

(۸۰) جدید تحریکِ نسواں اور اسلام، از ثریا بتول علوی، پروفیسر، ص ۵۴

ہوئے ایجنڈے کو بروے کار لانے کا ہی ایک ذریعہ تھیں۔اس کمیشن کے گیارہ ممبر تھے۔ بحیثیتِ مجموعی اس کی سفارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ حدود کے قوانین کو ختم کیا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کو بھی ختم کیا جائے۔

۲۔ عورت اور مرد کے درمیان ہر قسم کے صنفی امتیاز کا خاتمہ کیا جائے۔

۳۔ خاوند کی موت کی شکل میں بہو کو جائیداد میں اتنا حصہ دیا جائے جو کہ اس کا شوہر اگر زندہ ہوتا تو اس کو ملتا۔ عورت کی وراثت مرد کے مساوی کی جائے،اسی طرح پنشن میں بھی عورت کا حصہ مرد کے مساوی کیا جائے۔

۴۔ سولہ سال سے کم عمر میں بچی کی شادی کرنے پر اس کے ولی کو تین سے پانچ سال تک قید اور جرمانہ کی سزا دی جائے۔لیکن اگر لڑکی کی مرضی سے کم سنی میں شادی کی گئی ہے تو پھر قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔

۵۔ عورت کو سیاسی اداروں میں ۳۳ فیصد لازمی نمائندگی دی جائے۔

۶۔ مخلوط تعلیم کی کھلی اجازت ہو۔ تمام افواج، پولیس، ادارے، دفاتر اور انڈسٹریز میں عورت کو برابری کی بنیاد پر ملازمت دی جائے۔

۷۔شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر چسپاں کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

۸۔غیر مسلم مرد سے شادی کرنے پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہ کیا جائے۔

۹۔ دیت کے معاملے میں مرد وعورت میں برابری ہو۔ پھر دیت کی رقم کی تقسیم میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کا یکساں حصہ ہو۔

۱۰۔اسقاطِ حمل عورت کا قانونی حق قرار دیا جائے کہ ۱۲۰ دنوں تک عورت جب چاہے، جہاں چاہے وہ حمل ساقط کروا سکے اور اگر یہ حمل زنا کے نتیجے میں ظاہر ہوا ہے تو پھر اس مدت کے بعد بھی اسقاط کی اجازت دی جائے۔

۱۱۔اسلام کا قانونِ شہادت ختم کیا جائے اور عورت کی گواہی مرد کے برابر تسلیم کی جائے۔

۱۲۔قحبہ گری کرنے والی خواتین مجرم نہیں بلکہ مظلوم ہیں۔ان کو سزا نہ دی جائے بلکہ ان کے معاشی اخراجات وہ لوگ برداشت کریں جو ان سے یہ پیشہ کرواتے ہیں۔

۱۳۔ضبطِ ولادت کے لئے عورت کو اسقاط اور نس بندی کی غیر مشروط اجازت دی جائے۔

۱۴۔ مرد کی دوسری شادی پر سخت پابندی ہو، ایسا کرنے پر اسے پانچ سال قید بامشقت اور ۲ لاکھ روپیہ جرمانہ عائد کیا جائے اور پہلی بیوی کو حق حاصل ہو کہ وہ خود بخود طلاق لے لے۔

۱۵۔ زنا بالرضا کی سزا پانچ سال اور زنا بالجبر کی سزا عمر قید ہو (یہ سزا صرف مرد کے لئے ہو کیونکہ عورت تو ہر حال میں مجبور اور کمزور ہے)

۱۶۔ مرد عورت کو حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اگر وہ زبردستی حق زوجیت ادا کرے تو اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے۔ اسی طرح کمسن بیوی کے ساتھ جنسی وظیفہ کو ریپ قرار دے کر ان پر سخت سزائیں دینے کی سفارش کی ہے۔

۱۷۔ نکاح کے وقت عورت کو تفویض طلاق کا حق دیا جائے۔ (۸۱)

یہ سفارشات من وعن بیجنگ کانفرنس اور سی ڈا کا عکس ہیں۔ بلا شبہ یہ طبقہ نسواں کی طویل اور انتھک جدوجہد ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ عملاً یہ خواتین مسلمان پاکستانی خواتین کی نمائندہ نہیں تھیں۔ یہ صرف پاکستان میں مغربی فکر کی وکالت کررہی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کا تدارک اُمتِ مسلمہ میں کئی محاذوں پر کیا گیا۔

چنانچہ علماے حق نے بروقت اپنی ذمہ داری ادا کی اور مسلمان خواتین کو اس نئے فتنے سے بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ وعظ وتلقین کے ذریعے سے اور تحقیقی لٹریچر کے ذریعے سے بھی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب 'پردہ' اس سلسلے میں سنگِ میل ثابت ہوئی اور مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی کتاب 'پاکستانی عورت دوراہے پر' نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ عالم عرب میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ مثلاً سید قطب شہید(۸۲) کی کتاب 'شبهات حول الإسلام' اور علامہ فرید وجدی آفندی کی کتاب 'المرأة المسلمة' وغیرہ۔

علامہ اقبالؒ نے بھی شاعری کے ذریعے مسلمان عورت کو ''بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر'' کا پیغام دیا۔ عالم

---

(۸۱) *"Women's Rights in Pakistan, Next Steps Forward"* INGAD,(Interagency gender and development group in Pakistan) Report on Human Rights day seminar organised by the INGAD group 8th december 1998 Islamabad. Published by INGAD, 1998,. p.2-15

(۸۲) سید قطب شہید: (۹/ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء) مصر کے ضلع اسیوط میں پیدا ہوئے، مصر میں تحریک ''الأخوان المسلمون'' سے بھی وابستہ رہے۔ مختلف موضوعات پر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی مشہور تفسیر فی ظلال القران ہے۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور، ج ۲، ص ۱۳۵۴۔۱۳۵۵)

اسلام میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکوں نے بھی اس فتنہ سے خواتین کو بچانے کی جدوجہد جاری رکھی۔ مصر کی اخوان المسلمین اور برصغیر میں جماعتِ اسلامی نے خواتین کو صحابیات کے نقش قدم پر چلانے اور نیک صالح اور باپردہ بنانے کے لئے ہمہ جہت تحریک چلائی۔

دردمند مسلمان خواتین نے خود بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور احیاے اسلام کے جہاد میں مصروف ہوگئیں۔ مثلاً اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ، اپنے گھروں کے ماحول کو لادینی اثرات سے بچانا، اپنے محلے کے بچے بچیوں کو قرآنِ پاک ناظرہ و باترجمہ پڑھانا، جگہ جگہ ترجمہ قرآن کی کلاسیں شروع کرنا، ان میں قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کرنا، منظّم ہوکر جہالت کے خلاف کام کرنا، لوگوں کو اسلامی احکام کے فوائد سے آگاہ کرنا، مغربی تہذیب کے نقائص اور خرابیوں سے آگاہ کرنا، وغیرہ۔

چنانچہ صورتِ حال کی اصلاح کے لئے بہت سے زنانہ مدارس وجود میں آئے جہاں سے کتاب وسنت کی تعلیم کے چشمے اُبلنے لگے۔ اس کے بعد پاکستان کی یہ صورت حال ہے کہ جوں ہی ان افکار کے نتیجے میں کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے تو مسلمان مرد وخواتین اس کے مقابلے کے لئے یکسو ہوجاتے ہیں۔ مثلاً قاہرہ کانفرنس اور بیجنگ کانفرنس کے موقع پر بھی علماے کرام اور صحافیوں نے اس پر بہت نقد وجرح کی۔

ان ہی حالات میں پاکستان میں اسلامی ذہن رکھنے والی خواتین نے بھی اپنے آپ کو منظّم کیا اور پاکستانی تہذیب کے اسلامی احیا کے لئے برسرپیکار ہوگئیں۔ ان میں جمعیت طالباتِ اسلام اور انجمن حمایتِ اسلام نے ضیاء الحق کی حکومت کے تعاون سے ۱۹۸۰ء میں لاہور میں مسلمان خواتین کی پہلی بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی۔ یہ چار روزہ کانفرنس ۲۷ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں منعقد کی گئی اور اس میں ۳۰۰ سے زائد مختلف ممالک اور طبقہ ہائے فکر سے تعلق رکھنے والے شرکا نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس نئے سال اور اسلامی صدی ہجری کی ابتدا میں ۱۷ تا ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۰ کو اس مقصد کے ساتھ منعقد کی گئی کہ اگلی صدی کو مسلمان عورتوں کی ترقی کے ضمن میں بامعنی بنایا جائے اور مسلمان خواتین کی ترقی کے لیے ۱۴۰۰ سال پرانے دور خیرالقرون کے اسلامی معاشرے یعنی دورِ نبویؐ کی مثال کو جدید دور میں زندہ کیا جائے۔ (۸۳)

---

(۸۳)"The National Conference of Muslim women", p.1

اس کانفرنس کی صدارت صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کی۔اس کانفرنس میں عورتوں کے حقوق اور اسلامی احیا کے حوالے سے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیا گیا اور نوجوانوں کے ذہن سے اسلامی اور سائنسی تصورات پر مبنی ذہنی تضادات کو دور کرنے کی ضرورت اُجاگر کی گئی اور اسلامی تعلیمات کو نوجوان مسلمان عورت کے لیے عام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس کے لیے مختلف سہولتوں اور ترغیبات کے لیے بھی قرارداد پاس کی گئی۔ (۸۴)

اس کانفرنس کے موقع پر جنرل محمد ضیاء الحق نے قرآن اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورتوں کے حقوق سے قبل عورتوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور آنے والی صدی کو اسلامی اِحیا کے لیے اہم وقت ٹھہرایا اور اسلامی احیا میں پاکستان کے کردار کی اہمیت پر زور دیا اور عورتوں کے حقوق کی بہتری کے لیے دانشوروں سے آرا طلب کیں۔ (۸۵)

بعد ازاں پاکستان میں اسلامی ذہن رکھنے والی عورتیں دنیا بھر کی مسلمان خواتین کے لئے ایک نمائندہ عالمی فورم تشکیل دینے کے لئے بھرپور کوشش کرتی رہیں۔اس غرض سے سوڈانی، مصری اور ملائشیا کی خواتین سے مسلسل رابطے جاری رکھے۔

جولائی، اگست ۱۹۹۶ء میں سوڈان کے دارالخلافہ خرطوم میں خواتین کی ایک اور عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ یہ غالبًا اس سلسلے کی چوتھی کانفرنس تھی۔خرطوم کی نمائندہ خواتین کا لاہور کی متحرک اسلامی رہنما آپا نثار فاطمہ (۸۶) سے بارہ سالوں سے رابطہ تھا۔اس دوران نثار فاطمہ تو دارِ فانی سے کوچ کر گئیں، مگر سوڈانی خواتین انہی خطوط پر چل کر ۱۹۹۷ء میں مسلم خواتین کا عالمی فورم قائم کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

خواتین کے اس عالمی فورم کا نام ہے: "اتحاد النسائي العالمی للمرأة المسلمة"

(The international Movement of Muslim Women)

۷۰ مسلم ممالک کی خواتین اس میں شامل تھیں۔سوڈان کی مذہبی طور پر متحرک جدید تعلیم یافتہ خاتون کو فورم کا جوائنٹ سیکرٹری بنایا گیا اور اسلامی افکار کے دفاع کے لیے مالیزیا کی ایک متحرک مسلم خاتون کو چیئر پرسن منتخب کیا گیا۔

(۸۴) ایضاً، ص ۶۱-۶۳ (۸۵) ایضاً، ص ۲۱-۲۴

(۸۶) آپا نثار فاطمہ: جماعت اسلامی لاہور سے آپ کا تعلق تھا۔آپ نے تحریک آزادی نسواں کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کیں۔

اس کا ہیڈکوارٹر خرطوم میں ہے، اس فورم کا ہدف خواتین کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیجنگ کانفرنس نے ایک لولی لنگڑی تہذیب کا مکروہ رخ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یو این او خواتین کے مسائل حل نہیں کر سکتی، خواتین کے حقوق کا ضامن اسلام اور صرف اسلام ہے۔ یورپی دنیا کی خواتین کی فلاح و بہبود اور خصوصاً مسلمان عورت کے حقوق کا تحفظ اور شرف و مجد کی قدر صرف دامن اسلام میں پناہ لینے میں ہے۔

فصل چہارم

فکری وسماجی تبدیلیوں کے عورتوں پر اَثرات

مسلم ممالک میں سماجی اور فکری تبدیلیوں کی بدولت مسلمان عورتوں نے اپنی معاشرتی زندگی میں متعدد قسم کے رویوں کا اظہار کیا۔ مسلمان اسلام کو بطورِ نظام حیات لیتے ہیں اور اپنی پوری زندگیوں کو اس نظامِ حیات کے تابع کرنے کو اپنی سعادت جانتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اسلامی نظام کے تابع کرنے کی خواہش کی بدولت اُنہوں نے خود کو مسلمانوں کے موجودہ اسلامی کلچر سے باندھا۔ مغربی یلغار کے ردعمل میں وہ اسلامی نظامِ حیات اور موجودہ اسلامی کلچر میں فرق نہ کر سکے۔ مسلم ممالک میں ان ہمہ جہتی تبدیلیوں کی بدولت مذہب اسلام بطورِ سیاسی نظریے کے اُبھرا جس سے مختلف فرقوں کے مختلف مفادات وابستہ تھے۔ مذہبی اختلافات عام ہوئے، فرقہ واریت عروج کو پہنچی۔ مسلم ممالک میں انتشار اور انارکی بڑھ گئی۔ اختلاف وانتشار کو سرد کرنے کے لیے امن کی راہ مذہب سے دوری میں ڈھونڈی جانے لگی۔ مسلمان جو مذہب کے نام پر متحد نہ ہو سکے، سیکولرازم کی چھتری تلے متحد ہونے لگے۔ (۸۷)

اسلام اور عورتوں کے حقوق سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور شبہات جنم لینے لگے۔ جنہیں مغربی مفادات نے ہوا دی۔ مسلمان پریشان ہو کر منفی اندازِ دفاع اختیار کرنے پر مجبور ہوتے گئے۔ اسلامی تعلیمات کے ایجابی پہلو دبتے گئے اور اسلام بطورِ جبر کے ہتھیار کے عام ہونے لگا۔

مسلمانوں میں مغرب سے مقابلے کے جذبات مچلنے لگے۔ مسلمان عورتوں کی بے چینی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ ان کے ذہنوں میں نظریاتی کشمکش برپا رہنے لگی۔ تعلیم یافتہ مذہب کے بارے میں متشکک خواتین اسلام کو فرسودہ قرار دے کر نئی راہیں کھوجنے نکل کھڑی ہوئیں۔ اُنہوں نے اپنے شک کو اسلامی یقین کی طرف لوٹانے کی بجائے مذہب کے حاملین کو ترقی مخالف اور عورت دشمن قرار دے دیا۔ سامراجی نظامِ تعلیم نے نوجوان مسلمان عورت کو یہ ذہن نشین کرایا کہ عورتوں کا مفاد اسلام سے دور رہنے میں ہے۔ اس نے مغرب کے پیش کردہ بنیادی انسانی حقوق کو عورتوں کے لئے آزادی کی منزل قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اسلام کی افادیت وقت کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ اب اس میں کوئی معنویت باقی نہیں رہی۔ یہ فرسودہ اقدار اپنی قدر و منزلت کھو چکی ہیں۔ (۸۸)

اُنہوں نے نوجوان مسلمان عورت کو بتایا کہ انسان ہونے کے ناطے وہ آزاد ہے۔ وہ اپنی زندگی اور آزادی سے محظوظ ہونے کا پورا حق رکھتی ہے۔ جیسے یہ حق کسی ایک مرد کو ملتا ہے، ویسے ہی وہ بھی حقدار ہے۔ وہ اپنا جداگانہ

(۸۷) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، تدوین، افضال ریحان، (انٹرویو) منور حسن، سید، ص ۱۷۷/۱۷۷

(۸۸) این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، علوی، ثریا بتول، تدوین، موسیٰ خان، جلال زئی، فیروز سنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور طبع اوّل، ۲۰۰۰ء، ص ۹۶

تشخص برقرار رکھنے کا حق رکھتی ہے۔کوئی اس کے اس حق کو چیلنج نہیں کرسکتا ہے۔(۸۹)
غلامی کی تمام شکلیں ختم کی جاچکی ہیں۔تحریکِ آزادیٔ نسواں کا ذہن شادی کو شرعی غلامی کا نام دیتا ہے۔ ہر کوئی برابر ہے۔ ہر عورت بلا امتیاز اسی تنخواہ کی حقدار ہے جو مرد لیتا ہے۔(۹۰)
ہر کوئی اپنا معیارِ زندگی بہتر کرنے،اچھی خوراک لباس اچھی رہائش اور بہتر طبی سہولیات کا آزادانہ حق رکھتا ہے۔(۹۱)
ہر کوئی آزادانہ معاشرتی ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق رکھتا ہے۔عورتیں وہ تمام کھیل آزادانہ کھیل سکتی ہیں جو مرد کھیلتے ہیں۔ ہر کوئی آزادانہ سفر کرنے کا حق رکھتا ہے۔عورت سفر میں کسی کی اجازت یا رفاقت کی محتاج نہیں۔ ہر کوئی جداگانہ قومیت کا حق رکھتا ہے۔اگر کسی مرد کی بنا پر عورت کو نیشنلٹی ملتی ہے تو عورت کی بنا پر مرد بھی نیشنلٹی کا اہل ہوگا۔عورتیں اور مرد بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد حق رکھتے ہیں۔ ہر مذہبی، معاشرتی امتیاز کے بغیر اپنا لائف پارٹنر خود منتخب کریں۔ وہ نکاح اور طلاق میں برابر کا حق رکھتے ہیں۔(۹۲)
عورت اور مرد کے امتیاز کے بغیر ہر کوئی سیاست میں حصہ لینے کا حق رکھتا ہے اور آزادانہ طور پر اپنے گروہ تشکیل دے سکتا ہے۔(۹۳)
عورت اور مرد کے امتیاز کے بغیر ہر کوئی معاشی پیشہ اپنانے کی آزادی رکھتا ہے۔چھوٹے بچے چاہے شادی کے نتیجے میں پیدا ہوں یا زنا کے نتیجے میں معاشرے میں برابر کا حق رکھتے ہیں۔(۹۴)
مرد اور عورت آزاد ہیں کہ وہ جسے چاہیں اپنا زندگی کا ساتھی چنیں یا بغیر ساتھی کے زندگی گزاریں یا عورتیں عورتوں سے شادی کریں یا مرد مردوں سے شادی کریں۔ مرد اور عورت شادی کریں یا شادی کئے بغیر جنسی تعلقات استوار

(۸۹)"Human Rights in Islam and Refutation of the Misconceived Allagations associated with these Rights" Universal Declaration of Human Rights Article, 1-6 by Dr. Sulieman Abdul Rahman Al Hageel Professor of Education - Imam Muhammad bin Saud Islamic University (Faculty of Education) Riadh,first edition 1999. p.80

(۹۰) ایضاً، آرٹیکل۔۲۳،ص۸۴ (۹۱) آرٹیکل۔۲۵،ص۸۴
(۹۲) آرٹیکل۔۱۶،ص۸۲ (۹۳) آرٹیکل۔۲۱،ص۸۲
(۹۴) آرٹیکل۔۲۵،ص۸۵

کریں۔قانون اور معاشرہ ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتا۔

غرض عورت کے لئے تمام اقدار گرا کر نئے معاشرتی ڈھانچے تعمیر کئے گئے۔عورت سے وابستہ اسلام کے ہر حکم کو قابل نفرت ٹھہرایا جانے لگا، تاکہ مسلمان عورت ان سے گھن کھائے اور اگر اس کے اندر اسلام کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو تو وہ اپنے آپ کو اس سے پاک کرلے۔اب تک ہر مسلمان عورت اپنے لئے معیار حضرت خدیجہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کو ٹھہراتی تھی۔اب اس کو بتایا جانے لگا کہ ماضی میں تیرے لئے معیار یہ نہیں، فلاں اور فلاں ہیں جو یوں گاتی تھیں اور یوں بے پردہ پھرتی تھیں اور حاضر میں تیرے لئے اُسوہ اور نمونہ فلاں لیڈر کی فلاں بیٹی، بہن اور بیوی ہے۔

اب تک ہر عورت خواہ اس کا اخلاقی معیار کچھ بھی ہو، یہ سمجھتی تھی کہ ناچنا گانا کنجریوں اور رنڈیوں کا شیوہ ہے، لیکن مغربی استعمار کے بعد اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ فن تو اسلام کے دورِ اوّل میں پرورش پایا ہے اور حضرت حسینؓ کی صاحبزادی اور خلیفہ اوّل کی نواسی نے نعوذ باللہ یہ کارِسعید انجام دیئے ہیں۔(۹۵)

پہلے ہر مسلمان معاشرے کی لڑکی یہ سمجھتی تھی کہ اس کا اصلی میدانِ عمل گھر ہے۔اس وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے اندر سگھڑ پن اور سلیقہ پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کو اس کی گھر گرہست کی ذمہ داریوں کے لائق بنائے اور وہ علم و ہنر سیکھے جو ایک سلیقہ شعار بیوی اور ایک لائق ماں کے فرائض انجام دینے میں اس کے کام آسکے۔لیکن اب اسے تربیت اس بات کے لئے دی جارہی ہے کہ وہ باہر سے آنے والے معزز مہمانوں کے دل کس طرح بہلا سکے۔کس طرح اپنے جسمانی کرتبوں کی نمائش کرے اور کس طرح اپنی بے باکیوں سے لاکھوں مشتاقوں کے دل موہ لے۔

اب تک ہر شریف باپ کی شریف بیٹی اپنے لئے اس بات کو کمالِ شرافت سمجھتی تھی کہ جب تک باپ کے گھر میں رہے، باپ بھائی کی کمائی پر فراخی یا تنگی کی جیسی زندگی بھی میسر آئے، صبر و شکر کے ساتھ گزارے اور جب شوہر کے گھر میں جائے تو اس کی کمائی پر زندگی بسر کرنے کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھے اور قناعت و فرض شناسی کے ساتھ اپنی قابلیتیں ان خدمات کے ادا کرنے میں صرف کرے جو گھر اور خاندان سے متعلق ہیں، لیکن اب یہی لڑکی سبق لینے لگی کہ لعنت ہے اس زندگی پر جو باپ کے بخشے ہوئے ٹکڑوں اور شوہر کے دستر خوانوں کے ریزوں پر بسر ہوئی۔تو خود

(۹۵) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص ۱۱۴

گھر سے نکل کر جدوجہد کر شکار مار۔ خود بھی کھا اور دوسروں کو بھی کھلا !!

اب تک ہر لڑکی سینے پرونے، پکانے، ریندھنے بھائیوں اور بہنوں کو سنبھالنے اور ماں باپ کی خدمت کو اپنے لئے اعزاز سمجھتی تھی۔ شوہر اور بچوں کی خدمت کو اپنے لئے فخر قرار دیتی تھی۔ اب یہ غلامی اور محتاجی عورت کے ذوق پر پوری نہ اُتری اور اس نے اپنے ذاتی تشخص اور ذاتی شناخت کا مطالبہ کر دیا۔ اور اپنے لئے فن اور ہنر کا میدان اس کے علاوہ مانگا اور مفت کی ان خدمات کا انکار کر دیا۔

اب تک عفت وعصمت کو ہر بہن بیٹی اپنی سب سے بڑی دولت سمجھتی رہی ہے۔ اور اپنے ناموس کی حفاظت پر اپنی جانیں دیتی آئی ہے، لیکن اب اسے آزاد فکر نے یہ درس دیا کہ جنسی لذت اور اس کا حصول کوئی برائی نہیں۔ بازارِ حسن محض ایک آرٹ اور پیشہ ہیں جو اپنے معاشرے کی ثقافت کے فروغ کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ بری چیز اگر کوئی ہے تو وہ عصمت فروشی نہیں، فرسودہ طریقے ہیں جو بدنامی کا موجب ہیں۔

اب تک عورت کے لئے یہ کمال سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایک مرد کی ہو کر رہے اور اس کی اطاعت و وفاداری، اس کے گھر کی دیکھ بھال، اس کے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں اپنی پوری زندگی بسر کر دے، لیکن اب اس کے کانوں میں یہ فسوں پھونکا جانے لگا کہ صرف ایک شوہر تلاش کر لینا اور اس کی اطاعت و وفاداری میں زندگی بسر کر دینا کوئی کمال نہیں۔ کمال یہ ہے کہ عورت تعمیر ملت کے وسیع کاموں میں حصہ لے اور خدمتِ وطن کے وسیع میدان میں اپنی جولانیاں دکھائے۔ آج کل کے دور میں آبادی پر زور نہیں بلکہ 'کوالٹی آف لائف' پر زور دیا گیا ہے۔ آج کل عورت اپنی 'کوالٹی آف لائف' بہتر کرنے کے لئے زیادہ بچے پیدا کرنے کی حامی نہیں، وہ اپنے خاندان کی 'کوالٹی آف لائف' زیادہ بہتر کرنے کے لئے معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی حامی ہے۔

اب تک عورت کی ترقی یہ سمجھی جاتی تھی کہ وہ اپنے نسوانی اوصاف وفضائل میں ترقی کرے، لیکن اب اُسے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اس کی اصل ترقی مردوں کی ریس کرنے اور ہر پہلو سے مردانہ اُمور کی نقل کرنے اور زنانہ کام چھوڑ کر مردانہ کام کرنے میں ہے۔ عورت کے لئے اگر کوئی زنانہ کام موزوں رہ گیا ہے تو وہ یہ کہ وہ زیب و زینت کے کمال کو حاصل کر کے معاشرے کی رونق میں اضافہ کا سامان کرے۔ اسی لئے بقول امین احسن اصلاحی آج کی جدید عورت کے لئے سب سے مشکل کام پردہ ہے۔(۹۶)

(۹۶) پاکستانی عورت دوراہے پر، ص/۱۱۵

قدیم نقطہ ہائے فکر کے جہاں بہت سے مثبت پہلو تھے، وہاں بہت سے منفی پہلو بھی ابھر کر سامنے آئے ان منفی پہلوؤں نے بھی طبقہ نسواں کے مذاہب مخالف تصورات کے لیے خوراک تیار کی ہے۔ ہمارے مذہبی طبقے نے ان مثبت پہلوؤں سے محرومی کو اسلامی نسوانی اخلاقیات کے لیے خطرہ قرار دیا ہے جب کہ طبقہ نسواں کی نگاہ اس کے منفی پہلوؤں پر ہے۔ اب تک مسلمان عورت کو یہ سمجھایا جاتا تھا کہ حیا، شرم، پردہ ہی نسوانی گہنے ہیں۔ جنس اور مردوں سے متعلقہ ہر امر میں عورت کے کردار کو ان زیورات سے ہی مزین ہونا چاہیے، لیکن اب عورت کو یہ معلوم ہوا کہ پردہ حیا اور شرم کے نام پر عورت کا استحصال کیا جاتا ہے۔ شادی کے موقع پر شوہر کے انتخاب میں خاموشی کی جو اخلاقی تعلیم اسے دی جاتی ہے، اس کا سبب شوہر کے انتخاب میں عورت کو اس کے حق سے محروم کرنا ہے۔

اب عورت کو یہ بتایا گیا کہ عورت کو شرم وحیا کی تعلیم دے کر مرد فیصلہ سازی کے سارے اختیار اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی جیسے نازک موضوعات پر اظہارِ خیال کو شرم کے تقاضوں کے منافی گردانتے ہوئے عورت کو اس کی جنسی تعلیم سے دور رکھا جاتا ہے اور عورت کے جنسی اور تولیدی حقوق غصب کرنے کے لیے پردے کو آڑ بنایا جاتا ہے۔

اب عورت کو یہ بھی شعور دیا گیا کہ پردے کی بدولت عورت کے نہ صرف جنسی بلکہ طبی حقوق بھی سلب کیے جاتے ہیں۔ حمل اور زچگی سے متعلق سارے معاملات عورتیں پردے کے نام پر اپنی گھریلو حدود سے باہر نہیں لے کر جاتیں اور ان معاملات میں دقیا نوسی اور فرسودہ نسوانی تصوارت کی ہی اتباع کی جاتی ہے۔ ان تمام جہالت کے پروردہ نسوانی تصورات کو پردے اور حیا کی چادر سے تقویت پہنچائی جاتی ہے۔ اس تمام صورتِ حال کا الزام طبقہ نسواں نے مردانہ سرپرستی پر مبنی مذہبی تعلیمات کو دیا ہے اور ان دلائل کی بنا پر عورت کے لیے ناجائز اور غیر ضروری آزادیوں کا بھی مطالبہ کر دیا ہے۔ پردے کے ناجائز فروغ کی نشاندہی کے بعد اُنہوں نے عورتوں کے مردوں کے اختلاط پر مبنی رقص اور ناچنے کے حقوق کا بھی مطالبہ کر دیا ہے۔ (۹۷)

---

(۹۷)(i) ترقی وتولیدی صحت اور حقوق قاہرہ کانفرنس پر عمل درآمد، ص ۵۹

(ii)*"Voices 2000 & Beyound, Asia pacific women's Lobbying document, for Beijing+5"*

Published by Asia pacific women's watch printed UNSW, Sydney Australia. (Report), p.30

(iii)"Toward Beijing and Beyond women shaping policies in Areas of concern", p.34

اقدار اور نقطہ ہائے نظر کا یہ فرق کوئی معمولی اور سطحی فرق نہیں بلکہ اُصولی اور بنیادی فرق ہے۔ یہ صرف ماضی اور حال کے تقاضوں اور مطالبات کی محض ایک ظاہری آویزش نہیں ہے جو وقت کے ساتھ خود دور ہو جائے گی بلکہ یہ دو متصادم اخلاقی نظریوں کی ٹکر ہے جن میں سے ایک کی فتح دوسرے کی شکست کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اس فتح وشکست سے پہلے لازمی ہے کہ اس پوری قوم کے اندر ایک شدید ذہنی خلفشار برپا ہو جو بالآخر ایک سخت ہل چل پر منتہی ہو۔ اس پر مزید مستزاد یہ کہ یہ نئے سانچے عین اسلام ہیں۔ یہ رقص و ناچ اسلامی ناچ ہے۔ یہ عورتیں اس لئے ناچتی ہیں کہ یہ اسلام اور تہذیب اسلامی کا احیا ہے۔ یہ پردہ تو مولویوں کی ایجاد ہے، یہ عورتوں پر 'غیرت' کو مرد کی علامت بنا کر پابندیوں کو راہ دی گئی ہے۔ اسلامائزیشن کے نام پر عورتوں کو چادر اور چار دیواری کے پیچھے دھکیلنا غیر انسانی ہے۔ اسلام کے نام پر عورتوں کے لئے امتیازی قوانین پاس کرنا، بین الاقوامی بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ورزی ہے، اس لئے ان قوانین کو کالعدم کر دینا چاہئے۔

'پاکستانی عورت دوراہے پر' ہے، وہ کون سی راہ اختیار کرے؟ یہی عالم تمام مسلمان معاشروں کی عورت کا بھی ہے۔ وہ دونوں راہوں کے سنگریزے دیکھ دیکھ کر اسلام کی پہچان کی کوشش میں اَدھ موئی ہو چکی ہے۔ کبھی وہ عورت کے نسائی اور گھریلو کردار کو اسلام کی تعبیر قرار دیتی ہے اور کبھی وہ ترقی اور معاشی استحکام کو اسلام کا تقاضا جان کر اسلامی معاشروں کے روایتی نسوانی کردار سے نفرت کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے۔ کبھی وہ مغرب کی عورت کو تحسینی نگاہوں سے دیکھتی ہے تو کبھی اسے نسوانیت کی تذلیل قرار دیتی ہے۔ کبھی وہ اپنے ملی وقومی مفادات کے تقاضوں کو جانچنے کی کوشش کرتی ہے تو کبھی اپنی فطری نزاکتوں وکمزوریوں کو معاشرے میں تولنے لگتی ہے۔ اپنے لیے کسی بھی راہ کے شعوری انتخاب کے باوجود بھی وہ احساسِ طمانیت سے خالی ہے، ایسے میں اس کے حقوق کے نعرے اور اسلام کی تعبیر نو کا غلغلہ انتہائی کشش کا باعث ہے!!

مسلمان عورت کے لئے یہ مسئلہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر اسلام اسے بہت سے حقوق دیتا ہے تو مختلف معاشروں کے رسم ورواج میں گھر کر مردوں سے اسے یہ جائز حقوق بھی حاصل نہیں ہوتے۔ مسلم حکومتیں قرآن وسنت میں ان کو ملنے والے جائز حقوق پر مسلمان مردوں کو تعلیم وتربیت دینے کی بجائے ان کے لئے اصلاح کا جو ماڈل تجویز کرتی ہیں، وہ بھی مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب سے رہنمائی لیتا ہے۔ یہ امر شک وشبہ سے خالی نہیں کہ

اسلام نے خواتین کے متعدد حقوق دیے ہیں، لیکن خواتین کو یہ حقوق موجودہ معاشروں میں حاصل نہیں ہو رہے اور مسلم خواتین کی یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک قرآن کریم اور فرامین نبویہ ﷺ میں دیا گیا مقام اُنہیں حاصل نہیں ہو جاتا۔ اس لحاظ سے عورتوں کے یہ جائز حقوق مسلمان مردوں اور مسلم حکومتوں پر ایک گراں مایہ قرض ہیں، جس کی پاسداری کر کے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں روز آخرت سرخ روئی حاصل کر سکتے ہیں۔

باب چہارم

حقوق نسواں کی مروّجہ تعبیر
تحریک حقوق نسواں کے افکار کی روشنی میں

تحریک حقوق نسواں جدید افکار کی حامل روایتی اسلوب سے بیزار تحریک ہے جس نے اسلامی معاشرے میں اپنا اثر ورسوخ اچھی طرح بڑھا لیا ہے۔اب یہ تحریک صرف خواتین کی وہ جماعت نہیں ہے جو اپنے حقوق کے لئے لڑ رہی ہو بلکہ یہ ایک با قاعدہ فکر ہے جو مذہب دشمنی اور مرد دشمنی پر مشتمل ہے۔اب ان تحریکوں میں اچھے خاصے مرد بھی شامل ہیں جو عورتوں کے حقوق کی جدوجہد میں اُن سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں اور ان کا مقصود عورت کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد کروانا تو ہے ہی، علاوہ ازیں وہ عورتوں کے اس پلیٹ فارم کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مذہبی طبقہ کے خلاف بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں نیز معاشرے کی ترقی و رنگینی میں عورتوں کو شامل کرنے کے علاوہ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے نام پر دین اسلام کی حیاء پر مبنی تعلیمات کو بھی بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت اسلامی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب کو لانا چاہتے ہیں۔محمد علی شیخ کے بقول، جدید مغربی تہذیب کی اساس و بنیاد قدیم مغربی و یونانی تعلیمات و افکار پر ہے اور جدید سائنسی نظریات کی وجہ سے ان میں الحاد، لادینیت، دنیا طلبی، عیش پرستی اور مادی منفعت جیسی اقدار نے لے لی ہے۔اسلامی فکر نے عہد جدید کی حقوق نسواں کی تعبیر نو کو ان اقدار سے محبت کا الزام دیا ہے۔(۱)

مذہبی ذہن کے حاملین حقوق نسواں کی تعبیرِ نو کی جدید فکر کے انتہائی خلاف ہیں اور اسے چھپا دشمن یا چھپی بیماری قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے قرآن اور عورت کے نام سے اسی فکر کے رَد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔اس کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''بیماریوں میں خطرناک ترین بیماری وہ ہوتی ہے جس کی علامات عیاں نہ ہوں بلکہ وہ مریض کو صحت مندی کے دھوکے میں مبتلا رکھ کر اُسے آہستہ آہستہ سُوئے گور دھکیل رہی ہو۔ رہی وہ بیماری جس کی علامات واضح اور اُجاگر ہوں تو وہ چنداں خطرناک نہیں ہوتی، کیونکہ انسان اس کی علامات واضح ہوتے ہی اپنی مدافعانہ کاوشیں شروع کر دیتا ہے۔اس کے برعکس ایسا مرض جو اپنے آثار و علامات کو ظاہر ہی نہ ہونے دے اور اندر ہی اندر صحت کی جڑیں کاٹتا رہے۔انسان ایسے پُراسرار مرض کے سامنے لاچار اور بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔''(۲)

(۱) اسلام اور افکار نو، محمد علی، شیخ، اسلامک بک کارپوریشن، کراچی، طبع اوّل، اگست ۱۹۸۷ء، ص ۱۵/

(۲) قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، مقدمہ کتاب، ص ۷/

مزید لکھتے ہیں:

''عداوتوں میں بدترین عداوت وہ ہوتی ہے جو دوستی کے پیرائے میں اختیار کی جائے اور انسان کو پتہ ہی نہ چل پائے کہ اس لباس خُلّت میں ملبوس شخصیت اس کی دوست نہیں بلکہ دشمن ہے۔ انسان اپنے کھلے دشمن سے نقصان اُٹھا سکتا ہے مگر دھوکہ نہیں کھا سکتا، لیکن اس دشمن سے، جو عداوت کا لباس پہن کر نہیں بلکہ دوستی کا لباس پہن کر آتا اور باب عداوت سے نہیں بلکہ پُرخلوص دوستی کے دروازے سے وارد ہوتا ہے، انسان دھوکہ بھی کھاتا ہے اور نقصان بھی اُٹھاتا ہے۔''(۳)

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''اپنے آثار کو نمایاں کردینے والی بیماری کی نسبت اپنی علامات کو مخفی رکھنے والی بیماری ...... اور ...... کھلے دشمن کی واضح دشمنی کی نسبت دوستی کے بھیس میں چھپی ہوئی عداوت بدرجہا زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ہمارے دشمنوں کی ایک قسم وہ ہے، جس کے افراد کھلے بندوں ہمیں ہمارے دین سے برگشتہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ہماری تہذیب کے ان اعداء نے ہمارے دین کے مقابلے میں ایک خودساختہ دین پیش کیا ہے جو خُدا پرستی کی بجائے ہوا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کا پورا نقشۂ حیات ہمارے اسلامی نقشۂ حیات کی ضد واقع ہوا ہے جس میں خیروشر کی بنیاد انبیائے معصومین کے مبنی بروحی ٹھوس علم پر ہونے کی بجائے، آزادفکر فلسفیوں کے ظنی قیاسات پر قائم ہے۔ بدقسمتی سے تقریباً سارا عالم اسلام ہمارے دین وتہذیب کے ان کھلے دشمنوں کی سیاسی غلامی میں صدیوں مبتلا رہا ہے۔ عالم اسلام کا بیشتر حصہ اگرچہ اب سیاسی آزادی سے ہمکنار ہو چکا ہے، لیکن ابھی تک وہ ذہنی غلامی سے چھٹکارا نہیں پاسکا۔''(۴)

جن دنوں ہم سیاسی طور پر اسلام دشمن قوتوں کے غلام تھے اس وقت سامراج نے ہماری دینی روایات اور تہذیبی نشانات کو بڑے منظّم اور غیرمحسوس طریقے سے مٹانے کی کوششیں کیں۔ خُدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کی بجائے دہریت کی آغوش میں پلے ہوئے فلاسفہ کے نظریات کو پھیلایا گیا۔ ردّوقبول اور اخذ وترک کے اسلامی پیمانوں کی جگہ جدید تہذیبی اقدار کو باور کرایا گیا۔ ملکی قانون کو (جو کسی حد تک ابھی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ رہ گیا تھا) بدل کر استعماری آمیزش شدہ قانون نافذ کردیا گیا۔ درس گاہوں میں اسلامی تہذیبی فکر اور تمدنی آثار کی بجائے استعماری فکر اور مغربی آثار مدنیت کو فروغ دیا گیا تاکہ اُمت مسلمہ کا، قرآن اور نبی ﷺ سے تعلق ٹھوس علمی، عقلی اور

(۳) قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، مقدمہ کتاب، ص ۷

(۴) ایضاً، ص ۷۔۸

ایمانی اساس پر قائم رہنے کی بجائے (بشرطیکہ وہ رہ بھی جائے) جذباتی، تقلیدی اور موروثی بنیاد پر قائم ہو جائے۔

یہ سب کچھ ہماری تہذیب اور ہمارے دین کے خلاف مذکورہ بالا منفی اقدامات ہمارے دین کے دشمنوں کی تہذیبی و دینی مخالفت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اُمت مسلّمہ میں چونکہ ابھی کچھ بیداری موجود تھی اور وہ اپنے ان اعداء اور ان کی سازشوں سے واقف تھی، اس لئے ان سے فریب خوردہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان کی طرف سے مخلوط سوسائٹی کی ترویج کی کوشش ہوئی تو ملت اسلامیہ کی اکثریت نے اس پیش رفت کو یکسر مسترد کر دیا۔ انہوں نے بہت شور مچایا 'قربانی ایک 'وحشی' رسم ہے، مگر اُمت نے اس شعار کو برقرار رکھا۔ انہوں نے تعلیم کے ذریعے اپنی فکر کو مسلط کرنے کی کوشش کی مگر ملت اسلامیہ کے اکابر نے اس سامراجی تعلیم کے اثرات سے جسد اُمت کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے جداگانہ تعلیمی اداروں کا بندوبست کر لیا۔ انہوں نے دفتری نظام الاوقات میں نماز کی ادائیگی کے لئے کوئی وقت نہ رکھا مگر مسلمانوں نے نماز کو ترک نہ کیا۔ الغرض مسلمانان ملت نے اپنے ان مغربی دشمنوں کی ان چالوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ اگر ایک مختصر سی اقلیت نے تہذیب غالب کا رنگ اختیار کیا بھی تو اس کے اکثر افراد ان کے اس رویے پر طعنہ زن رہے۔

مسلمان مغربی تہذیبی یلغار سے انتہائی تحفظات رکھتے تھے۔ انہوں نے مغربی استعماری کوششوں کو اپنی معاشرت میں ہر ممکن جگہ پر دھتکارا اور عوام الناس کو ان سے بچنے کی تلقین کی اور مدافعتی اسلوب معاشرت کی بنا ڈالی۔ معاشرے کے جن افراد نے مغربی اسلوب معاشرت کی تقلید کی اور لوگوں کو بھی تقلید کی دعوت دی انہوں نے مغربی ترقی سے متاثر ہو کر ایسا کیا، ان کے نزدیک ترقی کے حصول کے لیے مغربی نقالی ضروری تھی۔ مسلمان معاشروں کی مذہبی فکر نے انہیں مغرب زدگی کا طعنہ دیا اور ان کے افکار کو اسلام دشمن فکر قرار دیا۔

اس فکر کے خلاف وہ اپنے خدشات کو یوں زبان دیتے ہیں:

''ان کھلے دشمنانِ دین (انگریزوں) کے بعد اب ذرا ان نقاب پوش اعداء اسلام کو بھی ملاحظہ فرمایئے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مصلحین کے رُوپ میں مسلم معاشرے میں نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی فکر اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جو ہمارے کھلے اعداء دین نے پیش کیا ہے ان کے ردّ وقبول اور اخذ وترک کے بنیادی معیار وہی ہیں جو ہمارے کھلے دشمنوں نے ایجاد کئے ہیں، اگر وہ لوگ اپنی لذت پرستانہ مدنیت فاسدہ کی بدولت حجاب نسواں کو جاہلانہ رسم قرار دیتے ہیں تو یہ لوگ قرآن ہاتھ میں لے کر

اُمت مسلّمہ کو یہ باور کرانے میں کوشاں ہیں کہ پردہ ملاؤں کی ایجاد کردہ رسم ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ لوگ اگر قربانی کو 'وحشی رسم' قرار دیتے ہیں تو یہ لوگ بھی اس میں کوئی 'تجربی فائدہ' اور 'حسی منفعت' نہیں پاتے۔ وہ لوگ اگر اپنی شہوت پرستانہ تہذیب کی بدولت مرد وزن کی مخلوط سوسائٹی کے قائل ہیں تو یہ 'فکر اسلامی' کے علمبردار، مخلوط سوسائٹی کو قرآن سے کشید کر ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ اگر اپنے دفتری اوقات میں نماز کا وقفہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ لوگ 'معارف القرآن' بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد سرے سے یہ نماز ہے ہی نہیں جو مساجد میں پڑھی جاتی ہے، بلکہ اس سے مراد ایک خاص قسم کا نظام قائم کرنا ہے۔(۵)

الغرض مذہبی ذہن اسلامی معاشرے میں پلنے والی اس جدید فکر کا انتہائی ناقد ہے اور اس کے حاملین کو مغربی دشمنوں سے بھی بڑھ کر ملت اسلامیہ کے لیے خطرہ شمار کرتا ہے، کیونکہ ان کے نام، لباس اور شناخت اسلامی ہے اور فکر مغربی ہے۔ درحقیقت یہ مغربی ذہن کے حاملین اسلام اور مغرب میں مماثلت کے رنگ ڈھونڈتے ہیں اور جب مغرب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں تو مقامی معاشرے کی بجائے مغربی معاشرے کو اسلامی قرار دینے لگتے ہیں جب کہ یہ ذہنی مرعوبیت زوال پذیر قوموں کا عمومی خاصہ ہوا کرتی ہے۔اسلامی معاشروں کا مذہبی ذہن فکرِ جدید کو مکاری اور دھوکہ دہی سے مطعون کرتا ہے اور انہیں اسلامی ثقافت کا دشمن سمجھتا ہے اور انہیں مغرب دوستی اور اسلام دشمنی کا الزام دیتا ہے۔ایک معاصر ناقد انہیں اگر دوست گردانتے ہیں تو بیوقوف دوست شمار کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''ہمارے کھلے مگر 'دانا دشمن' (انگریز) ہمیں اسلام سے منقطع کر کے اپنی جاہلانہ تہذیب کی طرف کھلے عام دعوت دیتے ہیں مگر اسلام کے یہ 'نادان دوست' اگرچہ ہمیں اسی جاہلیت کی طرف بلاتے ہیں مگر اس فریبِ یقین کے ساتھ کہ یہی جاہلیت دراصل عین اسلام ہے۔ہمارے کھلے دشمن جب ہم سے اسلام ترک کروا کر ہمیں اپنی گمراہ کن معاشرت کی طرف بلاتے ہیں تو وہ ہمیں یہ دھوکہ نہیں دیتے کہ اب تم جس معاشرت کی طرف آ رہے ہو یہی اسلام کی مطلوبہ معاشرت ہے، مگر تعبیر نو کے حامل یہ لوگ جب قرآن کے نام پر ہمیں مغربی معاشرت کی طرف دعوت دیتے ہیں تو اس فریب کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ اصل اسلامی معاشرت یہی ہے جس کی طرف ہم تمہیں بلا رہے ہیں۔ وہ لوگ اپنے فکر کو اپنے فلسفیوں اور سماجی مصلحین کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے قبول کرنے کی ہمیں ترغیب دیتے ہیں مگر یہ لوگ، اسی فکر کو مغربی مفکرین کے نام سے نہیں بلکہ اسلام اور قرآن کے حوالے سے اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نتیجتاً اگر ایک مسلمان کھلے اعداء دین سے متاثر ہو کر ان کی فکر و نظر کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہتا کہ وہ اب بھی مسلمان ہے مگر تعبیر نو کی تبلیغ کے نتیجے میں اگر ایک

(۵) قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، ص/۸

شخص اسلامی فکر کو ترک کر کے فرنگی فکر کو اپناتا ہے تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ بدستور اور حسب معمول مسلمان ہے، کیوں کہ حقوق نسواں کے علمبرداروں نے 'فقہ القرآن' بیان کرتے یہی یقین دلایا ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ مگر سادہ لوح مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اگر کارل مارکس اور اینجلز کے نام سے انہیں کمیونزم کی طرف دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت پر کان بھی نہیں دھرتے اور اسے خلاف اسلام نظام قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں، لیکن جب وطن عزیز کے اُفق پر ''طلوع اسلام'' ہوتا ہے اور اسی یہودی فکر کو ''اسلامی نظام ربوبیت'' کے نام سے اسلام ہی کا جدید ایڈیشن قرار دیا جاتا ہے تو وہ 'سادہ لوح مسلمان' جو اس نظام کو کارل مارکس کے نام پر لینے سے گریزاں تھے اب آمادۂ قبول نظر آتے ہیں۔ مغربی مفکرین جن خلافِ اسلام افکار و نظریات کو ہمارے قلوب و اذہان پر مستولی نہ کر پائے، ہمارے غلام فطرت مستغربین، انہی افکار و نظریات کو اُمت مسلمہ میں رواج دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں صرف فکر اور نظریئے ہی کی حد تک نہیں بلکہ عملاً مدنیت و معاشرت کا وہ پورا نقشہ، قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا جارہا ہے جو تہذیب مغرب کا تشکیل کردہ ہے۔ مثلاً مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترک حجاب، مرد و زن کی مطلق اور کامل مساوات، درون خانہ فرائض نسواں کی بجائے، اسے بیرون خانہ مردانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعدد ازواج کو معیوب قرار دینا عورت کو خانگی مستقر سے اکھاڑ کر، اسے مردانہ کارگاہوں میں لاکھڑا کرنا، خانگی زندگی میں اس کے فطری وظائف سے اُسے منحرف کر کے قاضی و جج بلکہ سربراہ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا وغیرہ وغیرہ''(۶)

اس مغرب زدہ جدید ذہن نے مسلمان معاشروں کی تنگ نظری اور محدود ذہنیت کو مذہبی دقیانوسیت کا نتیجہ قرار دیا اور ترقی پسندانہ افکار پر مبنی روشن خیالی کے نت نئے تصورات دیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ روشن خیال لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''روشن خیالوں کے منہ میں دو زبانیں ہوتی ہیں ایک دوسروں سے گفتگو کرنے کے لئے، ایک اپنوں سے بات چیت کرنے کے لئے اور سیکولرازم بلکہ الحاد و مذہب دشمنی کی ساری تبلیغ بھولے بھالے اسلامی ممالک کے لئے ہے جنھوں نے نئی نئی آزادی حاصل کی ہے۔''(۷)

ایک اور معاصر لکھتے ہیں کہ:

''یہ لوگ دوہری چال چلنے والے لوگ ہیں جن کی زبان پر آمنّا ہے، لیکن جن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ ﴿وَاِذَا قَامُوا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوا کُسَالٰی یُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَ لَایَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیلاً﴾(۸) اسلام کو برا کہنے کی یہ طاقت نہیں

(۶) قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، مقدمہ کتاب، ص/۹

(۷) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، از ندوی، ابوالحسن علی، ص/۲۳۱

(۸) سورۃ النساء: ۴/۱۴۲

رکھتے تو ان کی تان آ کر مولوی پر ٹوٹتی ہے۔ قرآن کو بدل نہیں سکتے تو اس کے معنی کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۹)

مسلمان معاشروں کی یہ دوراہی معاشرت نسوانی زندگی کے لیے فکر کے نئے باب کھولنے کا موجب بنی۔ پاکستانی عورت کے لیے دو راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی مشکل کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی مسلم ممالک کے ارباب کار کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہ انہیں اس مسئلے کو مذہبی ذمّہ داری کے طور پر حل کرنا چاہیے تھا اور اسلام کے مٹے ہوئے نقوش اور آثار کو اجاگر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ لیکن وہ اسلام کی جگہ مغربی فکر کو غالب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اسے اسلام کا نام دیتے ہیں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے مطابق وہ بیک وقت کفر اور اسلام دونوں کشتیوں پر سوار رہنا چاہتے ہیں۔(۱۰)

تحریک آزادی نسواں کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"تحریک آزادی نسواں کے بارے میں سب سے زیادہ شدید اور قبیح فریب جو اس سلسلہ میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث سے استدلال کر کے اس تحریک کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ اسلام اور اس تحریک کے مقاصد اور تنظیم معاشرت کے اصولوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔"(۱۱)

اس جدید ذہن نے ترقی پسندانہ اسلوب زندگی کو اسلام کا مقصود قرار دیتے ہوئے مروجہ اسلامی ذہن پر طعن و تشنیع کی یلغار کی اور اسلام کی نئی تشریح کا مطالبہ کیا۔ اس ضمن میں مقامی معاشرت میں عورت کا کردار سب سے زیادہ مطعون اور مکروہ ٹھہرایا گیا اور عورت کی پسماندگی کا الزام مسلمان مرد کو دیا گیا۔ علاوہ ازیں پردہ کی ضرورت کو نہ صرف غیر انسانی ٹھہرایا گیا بلکہ اسلامی احکامات کی تاویل کر کے انہیں بھی غیر اسلامی بھی بنا دیا گیا۔

مولانا مودودیؒ اس جدید ذہن پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی نظم معاشرت میں تو عورت کے لئے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ حسب ضرورت و موقع ہاتھ اور منہ کھول سکے اور اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکل سکے مگر یہ لوگ آخری حد تک کو اپنے سفر کا نقطہ آغاز بتاتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر اسلام رُک جاتا ہے وہاں سے یہ چلنا شروع کرتے ہیں اور یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ حیا اور شرم بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے۔ ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت مانگ نکلے سر، شانوں تک کھلی بانہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیئے

---

(۹) قرآن اور عورت از قاسمی محمد دین، مقدمہ کتاب، ص/۱۰

(۱۰) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص/٦

(۱۱) پردہ از مودودی، ص/۳٦

جاتے ہیں مستزاد اس پر یہ کہ جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے کہ وہ چیز ان میں سے بآسانی نظر آسکے جو مردوں کے سفلی جذبات بھڑکائے اور ان کی شہوانی پیاس کو تسکین دے۔محرموں کی فہرست وسیع کی جاتی ہے۔پھر پردے کے احکام فتنہ کی حالت کے ساتھ مشروط کرکے عمومی حالات سے پردے کا حکم اٹھا لیا جاتا ہے۔''(۱۲)

مولانا مودودیؒ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ قرآن وحدیث سے شرمناک طرز زندگی کے لئے جواز ڈھونڈنے کی مہم ہے۔جب تم کو اس راہ پر جانا ہے تو صاف اعلان کرکے جاؤ کہ ہم اسلام سے اور اس کے قانون سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔یہ کیسی ذلیل منافقت اور بددیانتی ہے کہ جس نظام معاشرت اور طرز زندگی کے اصول و مقاصد اور عملی اجزا میں سے ایک ایک چیز کو قرآن حرام کہتا ہے اسے علی الاعلان اختیار کرتے ہو۔مگر اس راستہ پر پہلا قدم قرآن ہی کا نام لے کر رکھتے ہو۔تاکہ دنیا اس فریب میں رہے کہ باقی قدم بھی قرآن ہی کے مطابق ہوں گے۔''(۱۳)

مولانا مودودیؒ طبقہ حقوق نسواں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ یا تو منافقانہ روش چھوڑ دیں اور اسلامی احکام کی پیروی کریں یا اسلام سے قطع تعلق کرلیں کہ جس کی طرف مغربی نظام معاشرت لامحالہ ان کو لے جانے والا ہے۔

اگرچہ علامہ یوسف قرضاوی(۱۴) کی رائے اس فکر کے متعلق وہی ہے جو مولانا مودودیؒ اور ابوالحسن ندویؒ کی ہے،لیکن آپ کا روّیہ اس فکر کی اصلاح میں مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالحسن ندویؒ سے بالکل جدا ہے۔آپ اس فکر جدید سے محبت کا رشتہ استوار رکھنے پر زور دیتے ہیں اور آپ کا یہ کہنا ہے کہ ان کو لعنت اور ملامت کا روّیہ ان کو ہدایت سے مزید دور کردینے کا باعث بنے گا اور اہل ایمان کے درمیان خلیج اور زیادہ وسیع ہوتی جائے گی۔

یوسف قرضاوی اس حدیث" لا تكونوا عون الشيطان على أخيكم"(۱۵)

(۱۲) پردہ از مودودی،ص/۳۹

(۱۳) ایضا

(۱۴) یوسف قرضاوی ۹ ستمبر ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔جامعہ الازہر مصر سے فارغ التحصیل ہیں اور Euorpean council for Fatwa and Research کے سرپرست ہیں،آج کل قطر یونیورسٹی میں بھی اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔قطر کے مفتی اعظم ہیں آپ ایک جدت پسند اسلامی مفکر ہیں جہاں یہ اسلام مخالف حملوں کا دفاع کرتے ہیں وہاں امت مسلمہ میں موجود خرابی عقیدہ و عمل کے بھی گہرے ناقد ہیں،دور جدید میں امت مسلمہ خصوصاً جدید طبقہ یوسف قرضاویؒ پر اعتماد کرتا ہے۔آپ اکثر سیکولر اذہان اور اسلام پسندوں کے درمیان سمجھوتوں کی راہ ہموار کرتے نظر آتے ہیں۔یوسف قرضاویؒ کا موقف ہے کہ اسلام پسند عناصر پہاڑوں سے اتر کر آبادی میں آئیں اور خود کو معاشرتی دھارے میں شامل کریں۔

''اپنے بھائی کے مقابلہ میں شیطان کے مددگار نہ بنو۔'' سے استدلال کرتے ہیں کہ:

''حقوق نسواں کی تشریح نو، جو مسلم اُمہ کے موقف سے باغی معلوم ہوتی ہے اس کے باعث ہمارا ان سے اخوت کا رشتہ ختم نہیں ہوگیا۔ اگرچہ معصیت بڑی ہے اور بار بار اس کا اعادہ ہورہا ہے، لیکن اسلامی رشتہ نے ہم سب کو جوڑ رکھا ہے۔ ہمیں ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے ہمیں عمیق نبوی نگاہ اور بلند تربیت محمدی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔''(۱۶)

آپ مزید کہتے ہیں:

''اس سے اُن لوگوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے جو گناہوں کے باعث لوگوں کی تکفیر کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر غور وفکر سے کام لیں تو حقیقت ان کے سامنے آجائے گی کہ جن کی وہ تکفیر کرتے ہیں وہ مرتد نہیں کہ ان کا قتل واجب ہو، وہ دین کی حقیقت سے جاہل ہیں اور ضروری ہے کہ انہیں اس سے آگاہ کیا جائے۔ یا بُری صحبت اور بُرے ماحول کے باعث وہ معصیت میں لت پت ہوگئے ہیں۔ ضروری ہے کہ انہیں اس سے بچایا جائے، نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔''(۱۷)

''اگر لوگوں پر صرف لعنت کی جائے تو اگرچہ وہ گنہگار اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن یہ لعنت نہ ان کی اصلاح کرسکتی ہے اور نہ انہیں خیر اور نیکی سے قریب کرسکتی ہے بلکہ یہ لعنت ان کو لوگوں سے اور دور کردے گی۔ لہٰذا اس سلبی موقف سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم اپنے گنہگار بھائی کے پاس جائیں اُسے نیکی کی طرف بلائیں اور اسے اس طرح نہ چھوڑیں کہ وہ شیاطین کا شکار بن جائے ایک دانشور کا قول ہے کہ ''تاریکی پر لعنت بھیجنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ایک شمع جلادو۔ وہ راستہ کو روشن کردے گی۔''(۱۸)

یوسف قرضاوی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے موقف کو واضح کرتے ہیں:

﴿إِنْ أُرِيْدُ اِلَّا الاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتَ وَإِلَيْهِ أُنِيْب﴾(۱۹)

وحید الدین خان(۲۰) بھی فکر جدید کے مخالف نہیں معلوم ہوتے بلکہ وہ ان کی فکر سے مذہب کی صداقت

(۱۵) صحیح بخاری از البخاری، محمد بن اسماعیل، دار السلام، الریاض طبع سوم، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، رقم الحدیث: ۶۷۸۱

(۱۶) اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں از قرضاوی، یوسف، مترجم، ندوی، سلیمان، ص/۲۸۸ (یوسف قرضاوی کی رائے کو اکثر تعبیر نو کے حامل اپنے موقف کی حمایت میں استعمال کرتے ہیں۔ یوسف قرضاویؒ ان کی رائے کے ہمنوا نہیں لیکن ان کی اصلاح کے لیے محبت کے طریقے کے حامی ہیں جیسا کہ درج بالا اقتباس بھی ظاہر کررہا ہے۔)

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) سورۃ ہود: ۱۱/۸۸

(۲۰) وحید الدین خان: ۱۹۲۵ء میں اعظم گڑھ، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ حنفی مسلک سے آپ کا تعلق ہے۔ ''الرسالہ'' آپ کے افکار کا ترجمان ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی مسلمان عورت کے معاشرتی مسائل پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''علم کی روشنی مذہب کی صداقت کو اور زیادہ واضح کرنے میں مددگار ہوئی ہے۔اس نے کسی اعتبار سے مذہب کو نقصان نہیں پہنچایا۔دور جدید کی ساری دریافتیں صرف اس بات کا اعتراف ہیں کہ آج سے ڈیڑھ ہزار برس پیشتر اسلام کا یہ دعویٰ (کہ ''وہ آخری صداقت ہے اور آئندہ کی تمام انسانی معلومات اس کی صداقت کو اور مبرھن کرتی چلی جائیں گی'') بالکل صحیح تھا۔''

وحیدالدین خان یہ یقین رکھتے ہیں کہ جدید فکر لوٹ کر دین کی طرف ہی آئے گی اور لوٹ کر آنے کے بعد ان کا دین حق پر ایمان زیادہ مضبوط ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''انسان نے اپنی علمی ترقی سے ماضی کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔وہ آج بھی اگر علم کی راہ گذر اپنائے تو مسلمان جلد اس پوزیشن میں ہوگا کہ اپنی انتہائی غلطیوں کی اصلاح کر سکے۔ یہ نیا علم اُسے علم الیقین دے گا۔''(۲۱)

پاکستان میں حقوق نسواں تو کئی سالوں سے انتہائی دلچسپی کا موضوع تھا،لیکن پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں جب پاکستان کی حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں آئی تو ہر آنکھ سوالیہ نشان بن گئی کہ کیا مسلمان قوم کی حکمران ایک عورت ہوسکتی ہے؟ ایسے میں پاکستان کے علمی حلقوں میں خصوصاً اور عامۃ الناس میں عموماً 'عورت اور اس کے فرائض کا دائرہ کار' جیسے موضوعات زیر بحث آنے لگے۔ مغرب کی پروردہ پاکستانی وزیراعظم کا ان حالات میں جبکہ وہ خود مغربی جدید افکار سے مرعوبیت کا شکار تھیں اپنے مفادات پر زد نہ پڑنے کے لئے اس تحریک کا ہر لحاظ سے ساتھ نبھانا ایک لازمی امر تھا۔ اس کے بعد پرویز مشرف صاحب کے دور حکومت نے اس طبقہ کی کافی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور تاحال اس کے نقیب کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ جن کے خیال میں ملکی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ انتہا پسند (یعنی اسلام پسند) ہیں اور ان کا آئیڈیل مصطفیٰ کمال ہے اور وہ مصطفیٰ کمال کی طرح اسلام کو مزعومہ ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں اور ترقی کی جدوجہد میں اسلام کی اصلاح چاہتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ ترقی کا اعلان کرنے والے کن مسائل کا شکار ہیں ۔ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی بنا پر آج وہ اس قسم کے ذہن کے پُرزور حامی ہی نہیں بلکہ ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے ہیں اور اس فکری لشکر کا دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ علمائے اسلام ان کے اس رویے سے سخت تشویش کا شکار ہیں۔

---

(۲۱) علم جدید کا چیلنج، وحیدالدین خان، مجلس نشریاتِ اسلام ،ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵/

فصلِ اول

رجعت پسندی

مبحث اوّل: ماضی سے الحاق ...... مستقبل سے غفلت

تعبیر نو کے حاملین کا ذہن روایتی فکر سے قدرے مختلف ہے۔ان کا یہ کہنا ہے کہ

روایتی فکر عورت کو قرون وسطیٰ کے دور میں چلانے کی کوشش کرتی ہے۔ درحقیقت علماء عورت کے حقوق کا تعین کرتے ہوئے اسلاف کی امثلہ سے رجوع کرتے ہیں اور عورت کا رشتہ ماضی سے جوڑتے ہیں اور مستقبل سے کاٹ دیتے ہیں۔رجعت پسندی کا یہ رویہ عورتوں میں اسلام کی طرف سے وحشت کی کیفیت پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے اور ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت حد تک بڑھ جاتا ہے۔ اگر اسے کچھ لوگ برداشت کرتے بھی ہیں تو وہ بہت تھوڑے ہیں جب کہ اسلام کے اصول تمام مردوں' عورتوں کے لئے ہیں۔علاوہ ازیں معترضین کا کہنا ہے کہ اس سے عورتوں کے بہت سے حقوق بھی متاثر ہوتے ہیں۔

فاطمہ مرنسی [۲۲] لکھتی ہیں:

"Muslims should stretch their direction to the future through reinterpretations and should leave the past now."

مزید لکھتی ہیں:

"But what Muslim women (and of course all others) are discovering in this apocalyptically shifting and thrilling galaxy in which we live is that stretching in the direction of the future is more operational than focusing on the past."[۲۳]

جدید فکر کا یہ کہنا ہے کہ

---

(۲۲) فاطمہ مرنسی: فاطمہ مرنسی کا مراکش سے تعلق ہے مسلمان عورت ہیں، لیکن معاشرت اور سیاست کے موضوع پر ان کی تحریروں کو مغرب میں جو قبول عام ملا ہے وہ کمیاب ہے۔مغرب میں آپ کو ایک جدید، آزاد خیال اور جرأت مند فکر کا حامل گردانا جاتا ہے۔ دانش ور اور مسلم فیمنسٹ خاتون، فرانسیسی اور عربی زبان میں لکھتی ہیں۔ ان کے افکار اور تحریریں کئی زبانوں میں شائع ہوئی ہیں۔ (http://www.arabianbusiness.com/arabic/ar-power500/profile/2644)

(۲۳) *"The Fundamentalist observation with women"* By Dr. Fatima Mernissi, Edited/compiled by Kishwer Naheed, p.116

''مسلم دنیا کے مفکرین نے عورت کو اسلام کی من چاہی تعبیر میں قید کر رکھا ہے۔ وہ عورت کو عملی زندگی کے ہر دائرے سے خارج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا ترقی نہیں کر پاتی، ان کا یہ کہنا ہے کہ علماء ایسی عورت کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن کی گود میں کوئی بڑا سائنس دان، کوئی انقلابی فلسفی یا کوئی بڑا فنکار اور سیاستدان پروان چڑھ سکے۔ یہ دین مُلا کا دین ہے۔ انہیں ایسی عورتوں کی ضرورت ہے جو خود بھی بند ذہنوں کی ہوں اور اپنی اولاد کو بھی ایسا متشدد اور بند ذہن بخشیں جو اغیار کے مفادات کی جنگ میں اپنے جسم و جاں اور جذبوں کو ایندھن کے طور پر جھونکتے رہنے کو جہاد زندگی تصور کرے۔ مُلا کے ذہن کا اہم نکتہ یہ ہے کہ عورت کو مغلوب رکھو، کیونکہ اگر عورت کو آزاد کیا گیا تو ایک اسلامی معاشرے پر عورت یعنی فتنہ فساد کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔''(۲۴)

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

''اسلام کی تشریح کرنے والوں کو درحقیقت یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ مسلمان عورت نے اگر انجینئر وکیل، ڈاکٹر، ماہر نفسیات، سائنس دان، فلسفی، استاد یا پائلٹ بننا شروع کر دیا تو کل کلاں یہ عورت قرآن فہمی کا دعویٰ کرنے لگے گی اور اگر یہ ہو گیا تو پھر مرد کے مقابلے میں عورت کی کمتری کو اسلامی جواز مہیا کرنا مشکل ہو جائے گا۔''(۲۵)

بے نظیر بھٹو (سابق وزیر اعظم پاکستان) عورتوں کے حقوق اور آزادی کی پُرزور حامی ہیں۔ اس سے ان کے ذاتی یا سیاسی مقاصد وابستہ ہیں یا نہیں، اس سے قطع نظر وہ طبقہ حقوق نسواں کی ایک بلند آواز سمجھی جاتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

''براہ کرم ہم اسلام کے بارے میں کسی ایک فرد کی بات کو آخری اور حتمی نہ سمجھ لیں۔ اسلام ایک ہمہ پہلو اور متنوع دین ہے۔ اس کی قوتوں اور توانائیوں کا انحصار اس کی تعبیر اور تشریح کرنے والے کی نیت اور ذہنی سطح پر ہے۔''(۲۶)

وہ عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرنے کا الزام علمائے اسلام کو دیتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ علمائے اسلام کی جہالت کی بنا پر آج ترقی پسندانہ اسلام کی جگہ رجعت پسندانہ اسلام اور ردِعمل پر مبنی اسلامی تشریحات نے لے لی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اب اسلام اپنی اصل وجود سے نکل کر مفاد پرستوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن چکا ہے۔

وہ کہتی ہیں:

"If today there are retrograde steps in Pakistan, If today a woman has been declared

---

(۲۴) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص/۹۸

(۲۵) ایضاً

(۲۶) ایضاً، ص/ ۹۹

half man, If today a woman con't give witness or evidence, it is not because Islam has changed. It is because the Islamic ideology about a woman has changed. Reactionary Islam has replaced progressive Islam."(۲۷)

مسلمانوں میں رجعت پسندی کا یہ عنصر مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں سے بھی ایک اہم سبب ہے۔ جس طرح اسلام کے بارے میں رجعت پسندی کا الزام لگانے والوں کو ناپسند کیا جاتا ہے، اسی طرح اسلام کو مستقبل کے سلسلے میں کارآمد نہ بنانے والوں کو بھی ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والے قابل تنقید سمجھتے ہیں کیونکہ اس سے دین میں تنگی اور دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام کا یہ نمایاں وصف ہے کہ وہ لوگوں کے بوجھ اور بیڑیاں اتارتا ہے۔

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(۲۸)

''وہ (نبی ﷺ) ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔''

شاہ ولی اللہ(۲۹) اسلام کو موجودہ معاشرے میں زندہ کرنے کی ترکیب بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہمیں اسلام کو رجعت پسندی سے بھی آزاد کروانا ہوگا۔ فقہائے متقدمین نے شریعت کو منضبط کرنے میں جو کام کیا ہے وہ مثالی ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اس کو بجنسہٖ اور بعینہٖ آج نافذ کر دیا جائے۔ موجودہ زمانے کے حالات کے مطابق اس میں اجتہادی ترمیم و تنسیخ کی جاسکتی ہے۔''(۳۰)

خلیفہ عبدالحکیم(۳۱) اسلام کی تعبیر نو کے حامی ہیں اور فلاحی ریاست کے تصور کو اسلام کا آئیڈیل بتاتے ہیں لیکن ان

(۲۷) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص/ ۹۹ (۲۸) سورۃ الاعراف: ۱۵۷/۷

(۲۹) شاہ ولی اللہ: (۱۷۰۳ء-۱۷۶۲ء) احمد بن عبدالرحیم ولی اللہ کے لقب سے معروف برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم دین ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی مشہور کتاب ''حجة الله البالغة'' ہے۔ (الأعلام از زرکلی: ج/۱، ص/۱۴۴)

(۳۰) قصص الانبیاء کے رموز اور ان کی حکمتیں، ولی اللہ، شاہ، اردو ترجمہ، قاسمی، غلام مصطفیٰ، مولانا، حیدرآباد، ۱۹۶۹ء، ص/۲۳

(۳۱) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (1896-1959ء): عظیم مفکر، ادیب، شاعر، قانون کے طالب علم رہے۔ مختلف زبانوں میں 350 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اردو انگریزی اور فارسی میں لکھتے رہے۔ جرمنی سے پی ایچ ڈی کی۔ فکر اقبال پر بھی کام کیا۔ آپ کی مشہور کتاب یہ ہے: ''Islamic Ideology, The fundamental beliefs and principals of Islam and their application to Practical life'' (http://openlibrary.org/authors/OL754A/Khalifa_Abdul_Hakim).

کے نقشے میں ضرورت کے مطابق ردّوبدل کی گنجائش موجود ہے۔وہ اسلام کو جامد نہیں مانتے وہ قرآن کی بنیادی تعلیمات کو زمانہ کی ضرورت کے مطابق ڈھلنے کا اہل سمجھتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اس عمل سے ان بنیادی اقدار Basic Values میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی جو اسلام نے دی ہیں۔(۳۲)

قوموں کی ترقی کے لیے جہاں مستقبل پر نظر رکھنا ضروری ہے وہاں ماضی سے الحاق قومی تحفظ کا ضامن ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اجتہاد وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس کے بغیر شریعت کا ہماری زندگی سے رابطہ ممکن نہیں،لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اجتہاد کے جوش میں اصلاح کی جائز حدود سے تجاوز کر جائیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ زندگی محض تغیر ہی نہیں۔ اس میں حفظ و ثبات کا بھی ایک عنصر موجود ہے۔ یہ ماضی کا بوجھ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ معاشرے میں تغیر و تبدیلی کا جو نقشہ ہم نے تیار کیا ہے اس میں تقلیدی قوتوں کی قدر و قیمت فراموش نہ کریں۔ اسلام ہر معاملے میں اعتدال و توازن پر زور دیتا ہے۔ اس لئے ہماری فلاح نہ صرف تقلید میں ہے اور نہ صرف اجتہاد میں۔ ثبات و تغیر، تقلید و اجتہاد، قدامت پرستی اور روشن خیالی میں توازن قائم کر کے ہی ہمیں آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ دونوں مل کر ہی اسلامی معاشرے میں نشو و نما کی ضمانت ہیں اور حقوق نسواں کی نوید ہیں۔(۳۳)

انحطاط ملی کے دور میں مذہب کی تعبیر نو کا نعرہ اسلامی فکر میں تحفظات کو جنم دینے کا باعث ہے۔اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

> ''یقین کے فقدان کے دور میں اسلامی احکام کی تشکیل نو کا نعرہ بے وقت کی راگنی ہے۔مسلمانوں کی زندگی کے اس مرحلہ پر جب اسلام پر ان کا یقین گزر رہا ہے، اسلامی احکام کی تعبیر نو ایک بے وقت کی کوشش اور ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی معاشرہ کے موجودہ قوانین بہتر نہیں بلکہ بدتر ہو جائیں گے۔ مجتہد کو جو چیز صحیح اجتہاد کے راستہ پر راہ نمائی کرتی ہے، وہ علوم قدیمہ و جدیدہ کا علم ہی نہیں، بلکہ خدا کی محبت اور معرفت کا نور بھی ہے۔ انحطاط دین کے اس زمانہ میں یہ نور نایاب نہیں تو مشکل ضرور ہے اس سے پہلے کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ نور پوری طرح سے روشن ہو، نہ صرف یہ ضروری ہے

(۳۲)*"Islamic Ideology"* by Khalipha Abdul Hakim Institue of Islamic Culture, 2-Club Road Lahore, Pakistan, p.157

(۳۳)اسلامی فلسفہ اخلاق، صدیقی، بختیار حسین، سید سنز پبلشرز، لاہور، ص ۲۹۴

کہ وہ عرصہ دراز تک قرآن اور حدیث کے گہرے مطالعہ میں لگا رہے اور صحابہ اور ائمہ اور صلحاء کی پاکیزہ اور مجاہدانہ زندگیوں سے اثر پذیر ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے، کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح سے اسلام کے اخلاقی اور مذہبی ضبط کے ماتحت رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اسلام کے معاشرتی قوانین کو بدلنے کی فوری ضرورت ہے لیکن جب تک ہم اسلام کے اخلاقی اور مذہبی قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، اس وقت تک ہم اسلام کے معاشرتی قوانین کی بھی کوئی عزت نہیں کر سکتے اور اس وقت تک ٹھیک طرح سے یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ہمیں اسلام کے معاشرتی قوانین کو کس طرح بدلنا چاہیئے اور آیا ان کو بدلنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں ہم اسلام کے معاشرتی قوانین کو کم از کم اسلام کے ان اخلاقی اور مذہبی قوانین کی روشنی میں نہیں بدل سکتے، جن کی خلاف ورزی ہم دن رات کرتے ہیں۔''(۳۴)

پرانے طریقہ کار کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کا مقصد قانونی دفعات کی تدوین نہیں بلکہ پیش آمدہ مسائل کا حل تھا۔اور یہ حل بہت صورتوں میں ان حالات سے اثر پذیر ہوتا تھا جو کسی موقع محل میں پائے جاتے تھے اگرچہ بعد میں آنے والے فقہاء نے بھی موقع کی مناسبت اور مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اصول اور احکام کا استخراج کیا۔

لیکن متقدمین اور متاخرین دونوں ہی اہل فکر ودانش کی تنقید کا نشانہ بنے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

''بلاشبہ متقدمین کا رویہ اپنے مسائل کے حل کی طرف بہتر تھا انہوں نے اصول فقہ اور اصول اجتہاد مرتب کیے اور خوب کیے یہاں تک کہ ان کی اہمیت انتہائی مسلم ہوگئی۔ بلاشبہ یہ کام ان کو کرنا چاہیے تھا لیکن جو کام نہیں ہونا چاہیے تھا وہ یہ کہ علماء اور فقہائے متقدمین کے کام کو حکم قطعی اور سند سمجھ کر متاخرین کے لیے صرف اس استخراج کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جو صغریٰ کبریٰ کو مطلق سمجھ کر ارسطو کی منطق کے مطابق صرف نتائج اخذ کر سکتا تھا۔اس عمل میں قضیہ کبریٰ کی کوئی نئی تفہیم ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہوگئی۔''(۳۵)

خلفائے راشدین کے عہد میں بالعموم قرآن وسنت کی تعبیر اور تطبیق میں ایک تخلیقی عمل کارفرما رہا (اس کا ثبوت وہ مشہور تاریخی فیصلے ہیں جو اولیات عمرؓ کے نام سے جانے جاتے ہیں) یہ طریق کار دراصل اس تاریخی تفہیم کے فلسفہ پر مبنی تھا جو تہذیبوں، احکام اور قوانین کی تعبیر کے لیے کلیدی اہمیت رکھتا ہے اور جس کے بغیر تاریخی احوال اور واقعات کی تفہیم ممکن نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہمیں ماضی سے سبق سیکھنا ہے اور مستقبل کے لئے تیاری کرنی ہے۔کوئی قوم یا فرد ماضی سے کٹ کر مستقبل کی اچھی تیاری نہیں کر سکتا۔ بزرگوں کا قیمتی اثاثہ ماضی کا تجربہ ہوتا ہے جبکہ جوانوں کا قیمتی ذہن

(۳۴) قرآن اور علم جدید از محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، تلخیص، محمد موسیٰ بھٹو، ص/۶۳

(۳۵) مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، از منظور احمد، المعارف، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۴ء، ج/۲۷، ش/۳۲۱، ص/۲۰

مستقبل کی آرزو اور بہتری ہوتا ہے۔ جوانوں کے لئے از بس ضروری ہے کہ مستقبل کا پلان کرتے وقت بزرگوں کے تجربات کو پیش نظر رکھیں اور ماضی میں ان سے سرزد ہونے والی لغزشوں کو نہ دہرایا جائے۔ اس کے لئے انہیں جوان جذبوں اور پختہ منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ اکابر کی سرپرستی اختیار کئے رہنا ناگزیر ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ماضی سے کٹ کر کبھی مستقبل کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ یقیناً ماضی سے سبق لے کر مستقبل کو سنوارا جاسکتا ہے۔

کسی بھی میدان کو لے لیا جائے تو ہمیں دکھائی دے گا کہ ہر آگے بڑھنے والا ماضی کے گذشتہ علم کے تسلسل کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔ وہ اپنا کام وہاں سے شروع کرتا ہے جہاں اس کے آباء نے ختم کیا۔ اس عمل میں وہ اپنے اسلاف سے حاصل ہونے والے تجربات پر تنقید بھی کرتا ہے اُن کی اصلاح بھی کرتا ہے اور کام کو بھی آگے بڑھاتا ہے یوں علم معاشرے میں قابل عمل ہوتا جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ اب تک کی مسلّمہ تمام بنیادیں گرا دی جائیں۔ ماضی کے تجربات اور ان کے نتائج کو بالکل کالعدم قرار دے دیا جائے اور کام کو دوبارہ الف سے شروع کیا جائے تو یہ کام تعمیری ہوگا یا تخریبی، خصوصاً اس وقت جب تخریبی عناصر کے پاس تعمیری صلاحیتیں عنقا ہوں، وہ فن تعمیر اور اس کی تعلیم و ہنر سے ناواقف ہوں اور وہ اس زمین کو برابر کر کے اغیار کو تعمیر نو کی دعوت دینے والے ہوں تاکہ معمار غیر اس زمین کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرلیں تو کیا یہ امر ملت اسلامیہ کے لئے سود مند ہے یا نقصان دہ، ایسے میں عمارت شکستہ بھی ہو تو قبول تر ہے، اپنی تو ہے، اغیار کی غلامی سے بہتر ہے اپنا جہاں۔

ہمیں اعتراف ہے کہ مسلمان آنے والے کل کے لئے خاطر خواہ تیاری نہیں کر رہے اور ان کے سروں سے ابھی تک غفلت کے اندھیرے پوری طرح سے نہیں چھٹ سکے لیکن اس اجتماعی غفلت اور سستی کی فضا میں ہمیں انہیں کوسنے کی بجائے ہوشیار کرنا اور غفلت کی چادر کو اتار پھینکنے کی راہ دکھلانی چاہیے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ ہر حال میں اپنی نگاہیں مستقبل کے مقصد پر رکھیں اور اس کو پانے کے لئے ماضی کی چھتری تلے مثبت راہ پر گامزن ہوں۔

✳......✳......✳

مبحث دوم: ثقافتی کشمکش سے اعراض

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین کا کہنا ہے کہ علمائے اسلام عورت کو خود ساختہ اسلام کی تشریح میں قید کرنا چاہتے ہیں اور عورتوں کے جدید مسائل کا جواب نہیں دیتے۔ اس طرح وہ بیسویں صدی کی تہذیبی یلغار میں عورت کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی ثقافتی کشمکش سے اعراض کر کے خود کو دین کے قلعے میں محفوظ کر لیتے ہیں، معاشرت سے علیحدگی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور دنیا کو تہذیبی یلغار میں راہ ہدایت دکھانے کی اہلیت نہیں رکھتے، کیونکہ آج کے مسائل کا حل ان کے فقہی علمی ورثے میں نہیں ہے جن پر ان کا ایمان ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علمائے اسلام کا ثقافتی کشمکش سے اعراض کا رویہ، جدید دور کی انسانیت کے لئے علمائے اسلام پر بے اعتباری کے دروازے کھولتا ہے اور ان کی پیش کردہ تشریح پر سے جدید انسان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ علمائے اسلام، ملت اسلامیہ کے کم فہم نوجوانوں اور عورتوں کو ثقافتی کشمکش سے اعراض کا ہی مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ثقافتی تصادم کے نتیجے میں مسلمان درجہ بدرجہ مات کھا رہے ہیں۔ جب تصادم کے نتیجے شکست ہی واضح ہونے لگے تو جان بچانے کے لیے اعراض کا ہی مشورہ دیا جاتا ہے۔

یہ بات بھی درست ہے کہ ہماری موجودہ فقہ کے بہت سے پہلو انتہائی محنت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور امت مسلمہ اکیسویں صدی کے دفاع کے لیے کما حقہ تیار نہیں اور مسلمانوں میں اس حوالے سے تشنگی کا احساس بڑھ رہا ہے۔

ثقافتی ملاپ یا اعراض کے سلسلے میں مسلمانوں کے دو موقف وقت کے دھارے میں سے اٹھ کر سامنے آ رہے ہیں۔ ایک موقف جدید فکر کا ہے جن کے نزدیک ہمارے مسائل کا حل مغربی اختلاط میں ہے اور ہم ترقی کے لیے مغرب کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ طبقہ نسواں بھی اسی فکر سے متاثر ہے اس کا کہنا ہے:

> ''مسلمان معاشروں کی مقامی ثقافت عورت دشمن ہے اور عورت کی حیثیت میں بہتری صرف اسی طور ممکن ہے کہ مقامی ثقافت کی جگہ دوسری ثقافت یعنی یورپی ثقافت کو دی جائے اور عورت دشمن رسم و رواج ختم کر دیئے جائیں اور مقامی ثقافت سے کنارہ کش کر کے عورتوں پر ظلم وستم کے دروازے بند کئے جائیں۔'' (۳۶)

جب کہ دوسرا گروہ اس ملاپ کے تصور سے خوش نہیں اور تا حال مزاحمت کی راہ اپنائے ہوئے ہے ان کے

(۳۶) عورت جنسی تفریق اور اسلام از لیلیٰ احمد، ترجمہ، خلیل احمد، ص ۱۶۸

نزدیک یہ ملاپ ترقی پسندانہ تو ہوسکتا ہے اگرچہ ترقی بھی یقینی نہیں وہ بھی شکوک وشبہات اور خطرات وخدشات ہی پر مبنی ہے لیکن اس ملاپ میں مسلمانوں کی موجود اسلامی شناخت کی ہلاکت یقینی ہے۔ ان کے نزدیک یہ ملاپ مسلمانوں کے لیے بطور قوم اور ملت، غیر مسلم اقوام میں مدغم ہو جانے کے معنی رکھتا ہے کہ جس کے بعد مسلمانوں کا دوبارہ احیاء پہلے سے زیادہ بعید از قیاس ہو جائے گا اور مسلمانوں کی مرعوبیت اور غلامی مزید شدید ہو جائے گی۔

لہذا وہ اپنے تحفظات ملحوظ رکھتے ہوئے مغربی تہذیب سے بیزاری پر مُصر ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

''حقوق نسواں کے جدید دانشوروں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کے مسائل کا حل مغربی تہذیب و فلسفہ میں ڈھونڈتے ہیں جب کہ اس کا حل فقط یہ ہے کہ اس تہذیب سے کامل برات کا اظہار کیا جائے۔ اسے کفر قرار دیا جائے۔ اس کفر کے خاتمے کے لئے ہر سطح پر ہر قسم کی جدوجہد مسلسل بنیادوں پر جاری و ساری کی جائے، ورنہ اسلام کا چہرہ مسخ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہ ایک مشکل کام ہے اور مغرب سے مرعوبیت و مسحور ذہنیت یہ کام کیسے کرسکتی ہے۔ حقوق نسواں کی تنظیمیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی ہیں کہ جو مغرب کی اچھائی ہے وہ لے لو، لیکن اصلاً اچھائی کے ساتھ بُرائی بھی لازماً آئے گی، کیونکہ مغرب کی مابعد الطبیعات اسلام سے بالکل مختلف ہے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اقدار بھی بالکل مختلف ہیں۔ یہ اپنے ساتھ اپنے مقاصد اور مفاسد ضرور لاتی ہے۔''(۳۷)

مسلمان ممالک پر استعماری غلبہ کے ساتھ ثقافتی ملاپ پر اصرار بڑھتا گیا ہے اور اس سیاق وسباق میں عورتوں کے مسائل، قوم پرستی اور ثقافتی مسائل کے درمیان تعلقات استوار ہوئے ہیں۔ ابتدائی طور پر یہ تعلقات مغرب کی معاشی اور ثقافتی یلغار کے پس منظر میں اور بعد میں شدید قوت کے ساتھ اس کے سیاسی اور فکری غلبے کے پس منظر میں ابھرے۔ یہی ثقافتی اور فکری غلبہ مختلف انواع کے درمیان طبقاتی و ثقافتی کشمکش کا سبب بنا۔ مسلم ممالک میں بڑھنے والی اس کشمکش میں مصر اور ترکی سرفہرست ہیں۔

ثقافتی ملاپ پر مبنی موقف کی حمایت کرنے والے مغرب سے متاثر ہیں اور ماضی سے انقطاع اور اسلام کی نئی تعبیر مصر ہیں۔ انہوں نے اسلام کی تعبیر نو، تشکیل نو اور تفہیم نو کے عنوان سے مسلمان معاشروں کی مروجہ اسلامی فکر سے علیحدگی کی راہ لی ہے اور اسلام سے اس فکر کو وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے جو آج انسانیت اور انسانی حقوق کے نام پر

---

(۳۷) حضرت تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں چند استفسارات (حصہ اوّل) از محمد حسن عسکری۔ ''ساحل''، دسمبر ۲۰۰۶ء، ج ا/ ا، ش/ ۱۲، ص/ ۹

عالمگیر اور آفاقی ہونے کی دعوے دار ہے اور گذشتہ صدیوں میں صنعتی انقلاب میں کامیابیوں نے اسے دیگر میدانوں کے بھی امام ہونے کا اعتماد دیا ہے۔ وہ سائنسی، عقلی پیمانوں پر مذہب کو تولتے ہیں اور سائنسی تجربہ گاہ میں ناکام ہونے والے نظریات کی طرح مذہبی افکار کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادہ کے بارے میں انسان کے تمام پچھلے تصورات ختم ہوگئے ہیں۔ اسی طرح پچھلی صدی میں علم کی جو ترقی ہوئی ہے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ ہے۔ جس کے بعد مذہب کے بارے میں تمام پرانے خیالات بھک سے اُڑ گئے۔''(۳۸)

اُسی دھماکے کے گرد وغبار میں مذہب کو ڈھونڈنے اور اس سے نیا تعلق قائم کرنے کے خواہاں یہ تعبیر نو کی جماعت ہے۔ یہ جہاں ملت اسلامیہ پر اغیار کا حملہ ہے وہاں ملت اسلامیہ کا احیاء بھی ہے۔

اسلام کی تعبیر نو، تشکیل نو اور تفہیم نو، اسلام کے مطالعے کا جدید انداز ہے۔ جسے بیسویں صدی میں تیزی سے مقبولیت حاصل ہورہی ہے۔ یہ دین اسلام سے بلاواسطہ استدلال نہیں کرتا، بلکہ جدید دور میں اسلام پر عمل پیرا ہونے کی مشکلات کو سامنے لانے کا رجحان ہے۔ تعبیر نو کا ذہن یہ اصرار نہیں کرتا کہ اس کی بات کو مسلمہ مانا جائے اور اس پر عمل پیرا ہوا جائے بلکہ اس کا کہنا ہے کہ اس کی بات سنی جائے اور ان کی مشکلات حل کی جائیں اگرچہ ظاہراً یہ ایک مشکل کام ہے تاہم ناممکن نہیں۔ جدید فکر اناڑی ہونے کے باوجود اس مشکل میدان میں اترنے پر مصر ہے۔ حق کے یقین سے ان کے اپنے دل بھی خالی ہیں، اپنے کھوکھلے استدلال سے وہ بخوبی واقف ہیں۔

وحید الدین خان لکھتے ہیں:

''جدید فکر (تعبیر نو) کو جہاں تک اس کے مخالف دین ہونے کی حیثیت کا تعلق ہے، الحاد کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس الحاد کا مطلب ایک مدعیانہ (علی الاعلان) انکار نہیں بلکہ اس کی اپنی تشریح کے مطابق یہ محض ایک طریق مطالعہ ہے جو ذہنی اور علمی ارتقاء کے ایک مخصوص دور میں انسان کو حاصل ہوا ہے۔ اس ارتقائی مطالعہ کا لازمی تعلق کسی چیز کے انکار یا اثبات سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ فقط ایک طریق جستجو ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جدید مفکرین کے نزدیک اس طریق جستجو نے مذہب کو باطل کردیا ہے۔ یہ ایک ڈھنگ کی طرح ہے نہ کہ مسائل کا قطعی جواب دینا ہے۔ یہ ایک نمایاں تبدیلی ہے جو پچھلی صدی کے اندر فلسفہ کی دنیا میں ہوئی ہے۔ یہ صورت حال ابھی جاری ہے اور بہت دور تک ابھی اس میں ٹھہراؤ کی اُمید نظر نہیں آتی۔''(۳۹)

---

(۳۸) یہ جولین ہکسلے کے الفاظ میں علم جدید کا چیلنج ہے۔ ہندوستان ٹائمز، سنڈے میگزین، ۲۴ ستمبر ۱۹۶۱

(۳۹) علم جدید کا چیلنج از وحید الدین خان، ص/۵۔۱۰

درحقیقت مغربی دنیا میں مذہب بیزاری کے بعد کائنات کی مادی توجیہ ڈھونڈنے میں انسان کو جو ناکامی ہوئی اور کائنات کے مفکرین کے افکار ونظریات پر اعتماد کرنے اور انسانیت کے زوال کے چہرے کی زیارت کے بعد، اسلام کی تعبیر نو کا یہ رویہ ایک خوبصورت جائے پناہ ہے جو اس نے تلاش کی ہے۔

اگر ان کے افکار کو صحیح طور پر جانے بغیر اس پر تنقید کی جائے تو بے جا ہوگا اور ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ لوگ اپنی مغرب سے مرعوبیت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی اماموں کے نزدیک جن تصورات کو علمی مسلمہ کی حیثیت حاصل ہوگئی وہ یقیناً علمی مسلمہ ہی ہوں گے۔ اس لئے وہ اسلام کی فتح مندی اس میں سمجھتے ہیں کہ ان مسلمہ تصورات کو قرآن وحدیث سے ثابت کر کے دکھائیں۔ یہ اسلام اور غیر اسلام میں مطابقت پیدا کرنے کا وہی انداز ہے جو مغلوب تہذیبیں اپنی غالب تہذیب کے مقابلے میں عموماً اختیار کیا کرتی ہیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جو طرز فکر اس طرح دنیا کے سامنے آئے وہ تہذیب کے جامے میں پیوند بن کر تو رہ سکتی ہے خود تہذیب کا جامہ نہیں بن سکتی۔ اس طرح کے تطبیقی بیانات سے اگر کوئی یہ اُمید رکھتا ہے کہ وہ دنیا کی علمی فضا کو بدل دے گا یا لوگوں کو ناحق سے پھیر کر حق کی طرف لانے میں کامیاب ہوگا تو یہ محض اس کی خوش خیالی ہے۔ افکار میں تبدیلی کے لئے انقلابی لٹریچر کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ تطبیقی لٹریچر کی۔

اگر ہم تحریک حقوق نسواں کے علمبرداروں کے مجوزہ حقوق نسواں کو مسلمہ حقیقت مان کر قرآن میں تاویل کریں تو اس سے بڑھ کر کسی بڑی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ان کے تصور کو قبول کرلیں تو سارا فلسفہ دین اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا مثلاً حقوق نسواں کی تعبیر نو کے ذہن نے نظریہ ارتقاء کو اس بنا پر قبول کرلیا ہے کہ جدید علماء کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے مطالعے اور تجربے سے اس کی صداقت پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ اس نظریہ کو مان لینے کی وجہ سے ان کو حقوق نسواں کی ایک ارتقائی تعبیر کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اسلام کے جامے کو ارتقاء کی ساخت کے مطابق بنانے کے لئے انہیں پورے کپڑے کی ازسرنو کتر بیونت کرنا پڑ رہی ہے۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام کا یہ کہنا کہ حقوق نسواں کی تعبیر نو اسلام کی بنیادوں کی بیخ کنی کرتی ہے، مبنی برحقیقت ہے، لیکن مسلمان ناامید نہیں ہیں۔

تعبیر نو کی ساری دریافتیں اور کاوشیں آج سے ڈیڑھ ہزار برس پیشتر اسلام کا یہ دعویٰ کہ وہ ''آخری صداقت ہے''

کو مزید مبرہن کرتی چلی جائیں گی اور انسان اس صداقت پر دوبارہ سے ایمان لائے گا۔﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾(۴۰)

''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور خود ان کے اندر (بھی) یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہی حق ہے۔''

مسلمانوں کو ثقافتی کشمکش سے اعراض کرنا چاہیئے یا اس کا سامنا کیا جائے۔مغربی تہذیب کو اپنا لینا چاہیئے یا رّد کر دینا چاہیئے یا مفاہمت کا راستہ اختیار کیا جائے۔اس قضیے کے حل کے لئے محمد امین ''اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش'' میں تینوں مختلف نقطۂ نظر کے مؤیدین کے دلائل پیش کرنے، اور اس کے نتائج سے بحث کرنے کے بعد اپنا نقطۂ نگاہ یہ پیش کرتے ہیں کہ

'' ہمیں مغربی تہذیب کو رد کر دینا چاہیئے، کیونکہ اس کی فکری اساسات اور دنیا کے بارے میں اس کا تصور ہماری فکری اساسات اور ہمارے دنیا کے بارے میں تصورات کے بالکل متضاد ہے۔اس دنیا میں ہماری کامیابی اور آخرت میں فلاح کا لازمہ ہے کہ ہم اپنے نظریہ حیات (اسلام) سے محکم طور پر وابستہ ہو جائیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ لیکن مغربی تہذیب کا رد کرنے اور اپنے نظریے پر اصرار کا مطلب یہ قطعاً نہ لیا جائے کہ ہمیں مغرب سے سیاسی، معاشی یا اسلحے کی جنگ کرنی چاہیئے، ہرگز نہیں بلکہ ہمیں مغرب کے ساتھ مفاہمت اور مکالمے کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تا کہ ہم کسی کشمکش میں الجھے بغیر اپنے نظریہ حیات کے مطابق تیز رفتار ترقی کر سکیں۔''(۴۱)

مسلم ممالک کی عورتیں تو مغربی تہذیب کے رد کرنے یا اس سے مفاہمت کرنے کا اختیار رکھتی ہیں؛ لیکن مسئلے کی سنگینی ان مسلمان خواتین کے لیے بڑھ جاتی ہے جو مغربی ممالک میں اقلیتوں کی صورتوں میں اسلامی معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے کوشاں ہیں۔غیر اسلامی تہذیبوں کا دباؤ ان پر ہر آن موجود رہتا ہے اور اپنی شدّت کو بڑھاتا رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حقوقِ نسواں کی تعبیرِ نو کے شدید تقاضے کا مرکز امریکہ کا مسلمان معاشرہ ہے۔ایسے میں ان خواتین کے لیے اسلام کی صحیح راہنمائی ان کی دینی زندگی کی نوید ہے۔(لیکن کبھی کبھی مسئلے کی سنگینی کی شدت کی بنا پر اضطرارا حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔اگرچہ اس کے استعمال کو آزاد اجازت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔اس لیے ثقافتی کشمکش سے

---

(۴۰) سورۃ حٰم السجدہ: ۴۱/۵۳

(۴۱) اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش ایک تجزیہ ایک مطالعہ، محمد امین، ڈاکٹر، ناشر: بیت الحکمت، لاہور، ص ۱۵۰۔۱۹۰

الجھنا ان خواتین کے لیے تو ایک ناگزیر حقیقت ہے لیکن مسلم معاشروں میں رہنے والی مسلمان عورتوں کے لیے اس وقت تک کوئی مستحسن امر نہیں، جب تک کوئی راجح مصلحت ان کی رہنما نہ ہو۔)

حقوقِ نسواں کا عورت اور ثقافتی کشمکش کے مسئلے کو اٹھانے کا اگر مقصد، غالب ثقافت کو کمزور ثقافت پر راہ دینا ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حق کی صداقت کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ جو اس طاقت کو زیر کرنا چاہے گا وہ خود زیر ہوجائے گا اور جو اس صداقت کو جھوٹے معنی پہنا کر اپنی کمزوریوں کے لئے ڈھال پکڑے گا' اس کا دنیاوی اور اُخروی انجام تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

دلائل کی دنیا میں آج کی سب سے بڑی طاقت اسلام ہے جو ماضی میں بھی اپنی حقانیت کے بل بوتے پر دنیا کو زیر کر چکا ہے اور مستقبل میں بھی کرلے گا۔ جو شخص بھی خلوص نیت سے اس کے قریب ہوگا وہ اس سے روشنی پائے گا اور اپنے حال اور مستقبل دونوں کو چمکا لے گا۔ جو اسے ڈھالنا چاہے گا وہ خود ڈھل جائے گا لیکن اسلام نہیں ڈھل سکے گا۔

مبحث سوم: پسماندگی، غیر ترقی یافتہ تہذیب

مغرب، اسلام کو رجعی اور متاخر ہونے کا طعنہ دیتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک اس کے ماننے والے رجعی اور متاخر ہیں۔(۴۲) حقوق نسواں کی تحریکوں کے افکار نے مغربی نظریات کو جوں کا توں تسلیم کیا ہے اور حقوق نسواں کے پردے میں اسلامی معاشروں کی اسلامی فکر کو رجعت پسندی کا اور متاخر ہونے کا الزام دیا ہے اور اسلامی معاشرے کی تنزلی اور پسماندگی کی وجہ ان کی مذہبی فکر کو ٹھہرایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مذہب فکر ایک ترقی مخالف، فکر ہے۔ نہ خود ترقی کرتی ہے نہ کسی کو کرنے دیتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ فکر جہالت اور اسباب قوت نہ اپنانے کا درس دیتی ہے۔

حقوق کی جدید تعبیر کے حاملین نو کا اسلامی فکر پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ

"علمائے دین عورت کے حقوق کی جو تصویر قرآن وسنت کی روشنی میں کھینچتے ہیں وہ قرون وسطیٰ کے دور کی عورت کی تصویر ہے۔ جو انتہائی جاہل، علم اور ترقی سے دور خاتون ہے۔ علمائے دین اسی تصویر کو جدید مسلمان عورت پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس جدید مسلمان عورت پر جس کو اکیسویں صدی کے چیلنجز کا سامنا ہے۔"(۴۳)

(۴۲) تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو، سیموئیل پی ہنٹنگٹن، مترجم، سہیل انجم، مرتب، مارٹن ای مارٹی اور اسکاٹ اپیل بی، ۵/ بنگلور ٹاؤن، شارع فیصل، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص/ ۲۶۵

(۴۳) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، ص/ ۱۹

مسلمان معاشروں میں اکیسویں صدی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے ترقی پسندانہ افکار کو فروغ ملا ہے۔ ترقی پسند اسلام کے تصورات نے عصرِ حاضر کے حکمرانوں کو بھی مروّجہ مذہبی فکر کا ناقد بنا دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ:

''ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہئے جو معاشرے کو پسماندہ رکھے۔ ہم ترقی پسند اسلام کے حق میں ہیں۔ ہمیں عالمی سطح پر دہشت گرد کہا جا رہا ہے۔ علماء ہوش مندی سے کام لیں۔ نفاذ اسلام کے لئے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔''(۴۴)

جب کہ اسلامی فکر مروّجہ مذہبی افکار کی تبدیلی کو مذہب کی تبدیلی کی طرف پیش قدمی گمان کرتی ہے اور مادیت کو مذہب مخالف قرار دے کر مسلمان عورت کے لیے مہلک قرار دیتی ہے، وہ عورت کے حوالے سے ترقی پسندانہ افکار کی شدید ناقد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''مغرب اسلامی انقلابی تحریکوں کے برخلاف مادے کے حصول کو اپنی کامیابی قرار دیتا ہے اور اسلامی انقلابی تحریکوں کے لئے بھی مادی کامیابی کو ترقی کی ضمانت سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف اسلامی انقلابی تحریکوں کو عورت کا دشمن بتاتا ہے دوسری طرف انہیں غیر ترقی یافتہ شمار کرتا ہے۔ طبقہ حقوقِ نسواں عورت کی آزادی کے لامحدود تصور پر یقین رکھتا ہے۔ چوں کہ پیداوار میں اضافہ لامحدود نہیں ہوتا بلکہ اس کی ایک حد ہوتی ہے، لہٰذا ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ عورت کی ہوس اور حرص کو زیادہ سے زیادہ بھڑکایا جائے اور اسے آزادی کے سنہرے باغ دکھائے جائیں تاکہ وہ آزادی کے حصول کے لئے سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل میں شریک ہوجائے چونکہ آزادئ نسواں کے نتیجے میں بننے والا معاشرہ سرمایہ دارانہ معیشت کے فروغ کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا سرمایہ دار، عورت کے گھریلو کردار اور کم سے کم تر پر راضی ہوجانے والے کردار کا دشمن ہے۔ اُس نے عورت کو غیر ترقی یافتہ ہونے کا طعنہ دے کر اپنے مفادات پورے کرنے ہیں۔''(۴۵)

یورپ نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ قرار دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی عیسائی اور یہودی اسلام اور مسلمانوں کے متعلق پسماندہ اور غیر متمدن ہونے کا اپنا تعصب پر مبنی صدیوں پرانا تصور، فراموش نہیں کر سکتے حالانکہ یورپ اور امریکہ کو ترقی یافتہ اور متمدن مسلمانوں نے ہی بنایا ہے۔ آج یورپی یونین اور امریکہ، ترکی کو صرف اس لئے پسماندہ قرار دیتا ہے، کیونکہ ابھی بھی اس کے باشندوں کی عظیم اکثریت مسلمان ہے۔(۴۶)

---

(۴۴) صدر پرویز مشرف کا خطاب، نوائے وقت ۸ (روزنامہ) ۱۱/ جون ۲۰۰۳ء

(۴۵) جدیدیت، اسلام اور مغرب دو مختلف مذاہب، خالد علی، انصاری، ڈاکٹر، ساحل، مارچ ۲۰۰۷ء، ج ۳/ ش ۳، ص ۲۴/

(۴۶) اتاترک کے چاہنے والوں کی نذر از ابن قادر، مصطفیٰ، نوائے وقت، (روزنامہ) راولپنڈی، ۴ مئی ۲۰۰۷ء

ترقی پسند نہ ہونے کا طعنہ اپنی جگہ لیکن جس ترقی کی طرف مغرب ہمیں لانا چاہتا ہے وہ بذات خود ترقی کے پردے میں غلامی اور پسماندگی ہے۔اسلامی فکر کے نزدیک یہ ترقی کے داعیے مغرب کو اسلام پر ترقی دلانے کے لیے بلند کیے جاتے ہیں۔ملاحظہ کیجیے:

''مسلمانوں کے ان (تعبیر نو کے حامی) تمام راہنماؤں نے مغربی لباس، مغربی طرز بودوباش کو ترقی کے نام پر اپنانے کو جدت پسندی قرار دیا ہے۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکوں پر پابندی لگائی کہ وہ مغربی کوٹ پتلون پہنیں۔ سر پر ترکی ٹوپی نہ اوڑھیں، یورپی ہیٹ پہنیں، ترکی عورتیں مغربی سکرٹ پہنیں اور سر پر چادر نہ اوڑھیں۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ ملک میں روشن خیالی آئے گی اور معاشرہ مغربی معاشروں کی طرح ترقی یافتہ ہوجائے گا۔یہی کام دیگر مسلمان حکمرانوں نے کیا اور آج یہی کام پاکستان کے جنرل پرویز مشرف (۴۷) کررہے ہیں۔ وہ میراتھن ریس، مردوں عورتوں کے آزادانہ اختلاط اور بسنت کے دوران ناچنے گانے کو روشن خیالی کی معراج سمجھتے ہیں، دراصل اس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ یورپ کی آنکھوں میں دھول جھونک لیں گے کہ ہم تو تم جیسے طور طریقے اختیار کر چکے ہیں اس لئے اسلامی عقائد اور اسلامی شعائر پر یقین رکھنے والوں سے بچو۔ اسی طرح اُن کا خیال تھا کہ مسلمان بھی روشن خیالی کے ان مغربی نظام سے متاثر ہوکر ان کے ہمنوا بن جائیں گے۔'' (۴۸)

اسلامی فکر ترقی ملت اور ترقی نسواں کے مغربی تصورات پر شدید تنقید کرتی ہے۔ایک معاصر اہل علم لکھتے ہیں:

''طبقہ حقوق نسواں کے نزدیک عورت کی حیثیت کا تعین افادیت پسندی کی اساس پر ہونا چاہئے۔ اس لئے وہ عورت کو مادی فائدوں میں جھونکنے کو عورت کی کامیابی سمجھے ہوئے ہیں۔ عورت کو اس بنیاد پر تولا جاتا ہے کہ وہ کس قدر فائدہ مند ہے اور کس قدر لذت فراہم کررہی ہے۔ یہاں اعمال لذتوں کی بنیاد پر جانچے جاتے ہیں، اسلام کے نزدیک تول کا یہ پیمانہ ہی درست نہیں۔'' (۴۹)

اسلامی فکر عورت کو ترقی کی بھینٹ چڑھانے کو درست قرار نہیں دیتے۔ اس لئے وہ عورت کے حوالے سے ترقی کے تقاضے کے ناقد ہیں۔مولانا مودودیؒ بھی عورت کو ترقی کا زینہ بنانے کے ناقد ہیں ان کے مطابق انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں' اُن کو روکنے کی ہر کوشش

---

(۴۷) پرویز مشرف: صدر پاکستان ہیں۔ جدت کی راہ رو اور روایتی مذہبی فکر کے سخت ناقد ہیں۔

(۴۸) 'حکم اذان' ترکی میں جمہوریت اور فوج آمنے سامنے'' حسین احمد پراچہ، ڈاکٹر، نوائے وقت، راولپنڈی، ۴ مئی ۲۰۰۱ء

(۴۹) 'ساحل'، خالد علی، انصاری، ڈاکٹر، مارچ ۲۰۰۷ء ج ۳/ ش ۳/ ص ۹

نادانی ہے اور اس کے نتیجے میں فلاح کی بجائے تباہی ونقصان کا زیادہ امکان ہے۔

مولانا مودودیؒ کہتے ہیں کہ

''مسلمان معاشروں کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے۔ مسلمان معاشروں کا مسئلہ یہ بھی نہیں ہے کہ عورت کو ترقی اور معاش کمانے سے روکنے پر پابندی لگا دی جائے۔ اسلام کا مسئلہ یہ بھی نہیں ہے کہ ترقی وتمدن کے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم اور بے انصافی کو کیسے روکا جائے، کیونکہ فطرت کا یہ منشا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ عدل ہو۔ ہر ایک کو اس کا حق بغیر چھینے مل جائے اور کوئی بھی ظلم کی چکی میں نہ پسے۔''(۵۰)

درحقیقت مغربی استعمار نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا بلکہ ان کے دل و دماغ کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی کہ لوگ الٹا انہیں اپنا محسن خیال کریں۔ اگر دیکھیں تو انہیں کی آنکھوں سے دیکھیں۔ سنیں تو ان ہی کے کانوں سے سنیں اور اچھے اور بُرے کا فیصلہ بھی ان ہی کے دماغ سے کریں۔ مختصر یہ کہ وہ مسلمان قالب میں ایسی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں جسے مغرب کی ہر چیز اور ہر ادا پسند ہو، لیکن مسلمان معاشروں میں اسے کوئی چیز لائق توجہ نظر نہ آئے تاکہ تہذیب وتمدن، فکر ونظر اور زندگی گزارنے کی اقدار کے باب میں اہل مغرب کو راہنما اور معلّم کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ انہی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے تعلیمی نظام کو اپنے رنگ میں رنگا۔ دین اور دینی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں سے الگ تھلگ کر کے پڑھے لکھے لوگوں کی ایسی کھیپ تیار کی جو مستقبل میں ان کی مشنری آرزوؤں کی تکمیل کے لئے سہارا بن سکتی تھی۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی جدّت کی مخالفت کی بجائے موجودہ صورت حال کو اسلامی بیداری قیاس کرتے ہوئے پرامید ہیں اور لکھتے ہیں:

''چنانچہ دینی تعلیم وتربیت اور دعوت اسلامی کی نشر واشاعت کے نتیجہ میں مسلم نوجوانوں کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہوئی تو استعماری نشریات ہی نہیں خود مسلم ممالک میں بھی ارباب حل وعقد نے ان نوجوانوں پر رجعت پسندی، انتہا پسندی اور دہشت پسندی کی تہمتیں لگا کر اس بیداری کا گلا گھونٹ دینا چاہا۔ نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا، عورتوں کا پردہ کرنا، مسلمان عورتوں کا مخلوط معاشرے سے اجتناب کرنا پسماندگی اور انتہا پسندی کی علامت بن گیا۔ نقاب استعمال کرنے والی عورتوں پر تعلیم

(۵۰) انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل، مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، طبع یازدھم، مئی ۱۹۶۶ء، ص۱۱۴

گاہوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔‘‘(۵۱)

غربت و جہالت مسلمان ممالک کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ ان مسائل کو ہوا دینے والے یہی انتہائی متمدن اور نام نہاد تہذیب یافتہ معاشرے ہیں جنہوں نے تہذیبی برتری اور اس کی ترقی کے لئے مسلمانوں کے جسم کا خون تک نچوڑ دیا ہے بلکہ وہ اس باقی ماندہ لاغر جسم سے ایمان کی روح بھی نکالنا چاہتے ہیں اور ان کے جسم کے کمزور ہونے کا سبب ان کی مذہبیت کو ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح یہ ’طبیب‘ مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کی مفلوک الحالی اور غربت کی علت ان کا مسلمان ہونا، اسلام اور علمائے اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بیماری کے پرہیز کے طور پر انہیں مسلمان علماء سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں کہ یہ علماء عورت کو جدت کی راہ سے دور رکھ کر غربت اور پسماندگی میں پیس دینا چاہتے ہیں گویا وہ اس عمل سے اپنے جرم کو بچاتے ہوئے اس خرابی کی تمام تر ذمہ داری اسلام پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۹ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے امریکہ جو کچھ مسلمان ممالک کے ساتھ کر رہا ہے وہ جدید فکر کی ترقی و ترویج ہی تو ہے، جس کے تحت مسلمانوں کو مزید پسماندہ، اقتصادی طور پر مزید بدحال، عسکری، تعلیمی اور معاشرتی لحاظ سے بدتر کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی قبروں پر عالمی امن پالیسی، دہشت گردی کا سدباب اور بنیادی انسانی حقوق کا جھنڈا لہرایا جا رہا ہے۔ درحقیقت یہ انسانی حقوق کا وہ چارٹر ہے جس میں مسلمان انسان ہونے کے بھی حقدار نہیں ٹھہرتے۔ مسلمانوں کو بنیادی انسانی آزادیاں بھی میسر نہیں:

’’امریکی فوجیوں نے ان ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ جس قسم کا وحشیانہ سلوک کیا ہے ایسی اذیت رسانی اور گھناؤنے پن کی ماضی قریب میں کوئی مثال نہیں ملتی یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انسان اس قدر سفاک اور بے رحم بھی ہو سکتا ہے اور بالخصوص وہ جس کے ہاتھ میں انسانی حقوق کا جھنڈا ہو۔‘‘(۵۲)

حق پرستوں کو پسماندگی اور غیر ترقی یافتہ ہونے کا طعنہ دینا کوئی نئی بات نہیں۔ حق کی طرف دعوت دینے پر اسی قسم کا جواب حضرت نوحؑ کو بھی ان کے وقت کے بڑے سرداروں نے دیا تھا:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا

(۵۱) الصحوة الإسلامية بين الجحود والتطرف، القرضاوی، یوسف، ڈاکٹر، (اسلامی بیداری، انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں) ترجمہ، ندوی، سلیمان، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۲ء، ص/۶

(۵۲) امریکہ طالبان اور اسلام از احمد کامران، ’’حقوق انسانی کی آڑ میں‘‘، (مرتب و مدوّن) محمد متین خالد، ص/۱۳۵

بَادِیَ الرَّأْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ﴾ (۵۳)

''ان کی قوم کے بڑے سردار کہنے لگے، ہم تو تمہیں محض اپنے جیسا ہی آدمی سمجھتے ہیں اور ہم ما سوائے ادنیٰ درجے اور سطحی سوچ والوں کے کسی کو نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کرنے والا ہو۔ اور ہم نہیں سمجھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔''

سورۃ الشعراء میں مذکور ہے کہ حضرت نوحؑ کے پیغام ہدایت کو جھٹلانے والے کہنے لگے:

﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ (۵۴)

''کیا ہم تمہاری بات مانیں، حالانکہ تمہاری پیروی تو نچلی سطح کے لوگ کرتے ہیں۔''

حق پرستوں کی دنیا طلبی اور عیش کوشی سے فرار نے ان کے ناقدین کو پسماندگی کا دھوکا دیا ہے حالانکہ ان کی زندگی کا یہ چلن مجبوراً نہیں بلکہ اختیاراً ہے۔ نیز حق کی دعوت پر دنیا میں پسنے والوں کے نسبتاً جلد جواب نے حق کے دشمنوں کے لیے اس طعنہ کی راہ ہموار کی ہے کہ اسلام کے پیروکار پسماندہ ہیں۔ دنیا والوں کو ترقی کے نام پر مادیت کا پیروکار رکھنا درحقیقت مغرب کے مفاد میں ہے۔ اسلئے وہ ترقی اور مادیت کے جال کو زیادہ سے زیادہ تنگ کرتا چلا آ رہا ہے۔ جب کہ اسلام مادیت سے زیادہ انسانیت پر یقین مضبوط کرتا ہے۔ اسی فرق کو مسلمان ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو مادیت سے بالاتر ہو کر جو انسانیت کا سبق دیتا ہے۔ ان کے دلوں میں مادیت کی بجائے حق شناسی اور حق پر ایمان کی قندیل روشن کرتا ہے۔ وہ مغرب کے لئے خطرہ ہے۔ مغرب محسوس کرتا ہے کہ اسلام کی یہ صفت دلوں کو جوڑے گی تو سرمایہ داری اور منڈی کی معیشت اور مادی ترقی کے تار پود بکھر جائیں گے۔ جب دولت مسئلہ نہ رہے گی تو رشتوں کی از سر نو تعمیر ہوگی یہی مرحلہ مغربی تہذیب کے کھوکھلے وجود کو ہلا دینے کا سبب بن جائے گا۔ (۵۵)

انسانیت پر یقین رکھنے کا مطلب مادیت کا انکار نہیں بلکہ مادیت کو انسانیت کے تابع رکھنا ہے۔ تمدن پر تنقیدی محاسبے کا یہ مطلب نہیں کہ تمدن کو رد کر دیا جائے اگر ہم چاہیں بھی تب بھی تمدن کو ختم نہیں کر سکتے۔ جس چیز کو ختم کرنے کی ضرورت ہے وہ اس تمدن کے بارے میں دیوہیکل تصورات ہیں۔ اس معیار کو توڑا جائے تو دنیا انسانیت سے ہم

---

(۵۳) سورۃ ہود: ۱۱/۲۷

(۵۴) سورۃ الشعراء: ۲۶/۱۱۱

(۵۵) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، ص/۱۹۱

آہنگ ہو جائے گی۔(۵۶)

اسلام ترقی کا مخالف نہیں بلکہ ترقی کا ضامن ہے۔اسلام روح ہے تو جسم بھی ہے۔اسلام دین ہے تو دنیا بھی ہے۔اسلام ابدی اور غیر متبدل ہے تو قابل عمل بھی ہے۔اسلام ماضی ہے تو مستقبل بھی ہے۔اسلام کو ترقی کی راہ پر رواں دواں کرنے میں مسلمانوں کو تاخیر کا سامنا تو ضرور ہے لیکن مایوسی نہیں ہے۔

............*

مبحث چہارم: ہندو تہذیب سے اثر پذیری

مساوات مرد و زن کے حامیوں کا کہنا ہے کہ پاک و ہند کے علماء،اسلام میں عورت کے مقام کا تعین کرتے ہوئے مقامی ثقافت سے متاثر ہیں اور ان کی پیش کردہ ثقافت، ہندو ثقافت سے اثر پذیر ہے،اگر عورت کے مقام کے تعین میں عربی ممالک کو دیکھا جائے تو وہ عربی ثقافت کے نمائندہ ہیں نہ کہ اسلام کے، اس لحاظ سے صحیح اسلامی ثقافت کہیں بھی موجود نہیں، تو کیوں نہ مغربی ثقافت کو ہی اپنا لیا جائے جو ترقی یافتہ بھی ہے اور ترقی کے تمام عوامل اپنے اندر سموئے ہوئے ہے؟ علماء اسلام ہمیں حقوق نسواں کے نام پر اسلام کی طرف نہیں مروجہ اسلامی ثقافت کی تعلیم دیتے ہیں جو موجودہ دور سے کسی طور ہم آہنگ نہیں بلکہ پژمردہ اور بدحال ہو چکی ہے۔''(۵۷)

ورجینیا یونیورسٹی نیویارک سے تقابل اَدیان کی استاد امینہ ودود لکھتی ہیں :

''مشرقی ممالک ایک مغلوب ثقافت کا شکار ہیں۔ وہاں عورتوں کو اپنے حقوق میسر نہیں' ان پر ہندو تہذیب کا بڑا اثر ہے۔ جس تہذیب نے عورت کی حیثیت کو پیس کر رکھ دیا ہے۔عربی ممالک میں بھی عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے جب کہ امریکہ ایک نہیں کئی ثقافتوں کے اتحاد کا علمبردار ہے اور اس میں تمام ہی رنگ پائے جاتے ہیں۔عورت کی حیثیت کا تعلق ثقافت سے بہت گہرا ہے۔عورت کے مقام کے تعین میں اگر ہمیں کسی ایک تہذیب و ثقافت کو ترجیح دینا ہی ہے تو ہم کیوں عربی ثقافت یا مشرقی ثقافت کو ترجیح دیں جبکہ مغرب، ثقافتی اعتبار سے انہیں شکست دے چکا ہے اور ان ثقافتوں میں عورتوں کو کوئی قابل عزت مقام

---

(۵۶)"Islam between East & West" by Ali Izzat Bagawatch President of Bosnia p.191

(۵۷)*"Women of Pakistan Two Steps Forward One Step Back?"* Khawar Mumtaz and Fareeda Shaheed, Vanguard Books,1st Edition. 45 The Mall, Lahore, Pakistan,1987, p.131

بھی حاصل نہیں۔ اگر اہل اسلام یہ چاہتے ہیں کہ ان کو شکست دینے والی قومیں ان کے تابع ہو کر چلیں تو یہ ممکن نہیں۔ اگر ہمیں اسلام کی روشنی میں عورتوں کے حقوق متعین کرنے ہیں تو ہمیں اسلام کو ان قوموں کے ثقافتی اثرات سے پاک کرنا ہوگا اور ایسا اسلام پیش کرنا ہوگا جو مغرب کی عورتوں کے لئے بھی اسی طرح قابل قبول ہو جیسا کہ مشرقی عورتوں کے لیے ہے۔'' (۵۸)

اسی قسم کے خیالات کا اظہار مختلف انداز سے اس طبقے کے مختلف لوگوں نے کیا ہے۔ مذہب اور ثقافت کے فرق کو موضوع بناتے ہوئے پاکستان کے ادیب ایک ادیب لکھتے ہیں۔

''پاکستان کے چار صوبے ہیں۔ ہر صوبے کی اپنی زبان ہے۔ ان کے اپنے رقص ہیں۔ ان کی اپنی تہذیب ہے۔ ان کا اپنا لباس ہے۔ اب سب چیزوں کو آپ اسلامی کلچر کے تابع کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر اسلامی کلچر یہ ہے کہ آپ سر پر رومال رکھ کر ایک رسی سے باندھ لیں اور عورتیں ایک کالا جبا اوڑھ کر آنکھوں کی جگہ سوراخ کر لیں تو وہ عرب کا کلچر ہے۔ اسلامی کلچر کوئی نہیں۔ عرب ملکوں کا جو کلچر ہے اسے ہم عربی کلچر تو کہہ سکتے ہیں مگر اسلامی نہیں۔'' (۵۹)

اسی فرق پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ایک مذہبی نکتہ دان لکھتے ہیں:

''دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے۔ اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ ہمیں اسلام اور مشرقی تہذیب کو جدا کرنا ہے اور اسلام کو اس کی روح میں سمجھنا ہے۔'' (۶۰)

محمد فاروق خان (۶۱) لکھتے ہیں:

''چہرے پر نقاب ڈالنے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ بھی تہذیبی مسئلہ ہے۔ چہرے پر نقاب کا طریقہ تو بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ چودہ سو سال پہلے یہ حکم دیا گیا ہو۔ اس سے پہلے بے شمار تہذیبوں میں اس طرح کے رواج موجود ہیں مثلاً بارہ سو قبل مسیح کے آشوری دور میں خواتین کے پردے کے لئے تفصیلی قوانین مرتب کئے گئے۔ صرف یہ نہیں بلکہ بہت سے معاشروں میں تو اہم مرد مثلاً بادشاہ وغیرہ بھی اپنے آپ کو رعایا کی نظروں سے دور رکھنے کے لئے نقاب اوڑھا کرتے تھے۔ آج بھی کئی غیر مسلم معاشروں میں پردے کا رواج موجود ہے۔ ہندوؤں کے بعض طبقوں کے ہاں پردے کی انتہائی سختی

---

(۵۸) awadud@saturn.vcu.edu.

(۵۹) جنگ، (روزنامہ) حبیب جالب، ۱۴/جنوری ۱۹۹۲ء

(۶۰) حیا اور حجاب، غامدی، جاوید احمد، اشراق، (ماہنامہ) مئی ۲۰۰۲ء، ج/۱۴، ش/۵، ص/۴۷

(۶۱) ڈاکٹر محمد فاروق خان: پیشے کے لحاظ سے نفسیاتی امراض کے معالج ہیں۔ دینی اور قومی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ بے روح مذہبیت کے شدید ناقد ہیں۔

کی جاتی ہے۔ آج بھی راجھستان جیسے کئی علاقوں میں غیر مسلم خواتین اپنے ہزاروں سال پرانے رواج کے مطابق چہرہ مکمل چھپاتی ہیں۔ اس طرح اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں بھی بہت سی خواتین نقاب اوڑھتی تھیں۔ اس کے بے شمار حوالے اسلام سے پہلے کی عربی شاعری سے ملتے ہیں۔ اسلام نے ان میں سے کسی چیز سے منع نہیں کیا اور نہ کسی چیز کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کا اصول ہے کسی بھی معاشرے کی ثقافت میں کم سے کم مداخلت کی جائے۔ اسلام نے صرف اتنی اصلاح کی ہے کہ غیر محفوظ مقامات پر جلباب کے استعمال کی ہدایت کردی۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو اپنے اپنے طریقے پر عمل کرنے دیا۔"(٦٢)

یہ بات درست ہے کہ مشرق وسطی کے اکثر مسلمان ہندو ثقافت سے متاثر ہیں اور وہ اسلامی ثقافت کی نمائندگی کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اسی طرح عربی ثقافت پر بھی وہاں کی تاریخ کے گہرے اثرات ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی آج قیادت وسیادت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ بھی درست ہے کہ مسلمانوں کے قومی تشخص کے زوال کے دور میں مسلمان عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے، لیکن کیا اس کا یہ نتیجہ نکالنا بھی درست ہی ہوگا کہ چونکہ موجودہ دور کی مسلمان ثقافتیں عورت کے حقوق کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہیں لہٰذا مسلمان ممالک میں اسلامی ثقافت کو ختم کر کے وہاں مغربی ثقافت کو رواج دیا جائے۔ کیا اس سے عورت کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ممکن ہو جائے گی؟ کیا اس سے اسلام سر بلند ہو جائے گا؟ کیا اس سے مسلمان ترقی یافتہ اور خوشحال ہو جائیں گے؟ کیا اس سے مسلمانوں کی مجموعی صورت حال بہتر ہو جائے گی؟ جب آج کے ترقی یافتہ ممالک میں تاریکی کا راج تھا اور ان کے ہاں عورت کی معاشرتی حیثیت زبوں حالی کا شکار تھی، کیا انہوں نے بھی اپنی مقامی ثقافت کو قتل کر کے غیروں کی ثقافت کو عام کیا تھا؟؟ ان تمام سوالوں کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ پس جو حل مغرب نے اپنے مسائل کے لیے اپنایا تھا آج وہی طریقہ مسلمانوں کے بھی زخم کا مداوا کرے گا۔ یہ وہی طریقہ ہے جس کا اصل اسلام سے پیوست ہے اس طریقہ علاج کو جس نے اور جب بھی استعمال کیا اسے مفید اور دکھوں کا علاج ہی پایا ہے۔ اغیار کی نقالی سے کبھی کسی قوم کا تشخص اور اعتماد بحال نہیں ہوا اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگا۔ اس تقلید کی بدولت غلامی تو ہمارا نصیب بن سکتی ہے امامت نہیں۔ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے دور میں یورپ نے علم کی روشنی سے اپنی تاریکی کو اجالوں سے بدلا

(٦٢) مرد اور عورت سماجی تعلق کے اسلامی آداب، مسلم معاشرے کی تشکیل نو۔ فاروق خان، محمد، ڈاکٹر، ادارہ برائے تعلیم وتحقیق، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص/٦٩

ہے۔مسلمانوں کو یورپ کے زریں اصولوں کی نقالی تو کرنی ہی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غلامانہ ذہنیت سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

مذہب کا ثقافت سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔مذہب اگر بیج ہے تو ثقافت درخت ہے۔مذہب اگر روح ہے تو ثقافت جسم ہے۔جسم کے اعمال،فکر کے تابع ہوتے ہیں لوگوں کے اعمال وکردار،تہذیب کی کشمکش کا موجب ہوتے ہیں۔مسلمانوں کی بداعمالیوں کی بنا پر اسلامی تہذیب آج شکست خوردہ تہذیب کا رنگ اختیار کر چکی ہے اس کے دشمن اس کمزور درخت کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ لینا چاہتے ہیں اور جب جڑیں اکھڑ جائیں تو پھر درختوں سے ہریالی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

سوال یہ ہے کہ اگر واقعتاً مذہب کا تہذیب وثقافت سے تعلق نہیں (جیسا کہ ان جدید مفکرین کا کہنا ہے) تو پھر مغرب کے سیکولر ذہن کے افراد اسلامی ثقافت کے مخصوص مظاہر کے معاملے میں اس قدر سخت مخالفت کا اظہار کیوں کرتے ہیں۔فرانس میں مسلم طالبات کے اسکارف اوڑھنے پر امتیازی سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ جبکہ فرانس کے سکولوں میں بچوں کو صلیب لٹکانے اور سر پر مخصوص ٹوپی پہننے کی اجازت ہے۔جو عیسائیوں اور یہودیوں کی مخصوص مذہبی علامات ہیں۔پھر درج ذیل نوعیت کے اقدامات کیا معنی رکھتے ہیں؟

کہ اس طرح ازبکستانی صدر (کریموف)(٦٣) کا داڑھی رکھنے پر پابندی لگانا،اور اسلامی لباس یکسر ممنوع قرار دینا،اور اسلامی تقریبات منانے پر پابندیاں لگانا،ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کا اسلامی ثقافت کے مظاہر چن چن کر ختم کرنا،مخلوط اجتماعات کو فروغ دینا،یورپی ٹوپی (Hat) پہننے کا حکم دینا،(٦٤) ہجری تقویم منسوخ کر کے عیسوی تقویم رائج کرنا،ترکی گھڑی کی بجائے یورپی گھڑی رائج کرنا،جمعہ کی بجائے اتوار کی تعطیل کرنا،ترکی رسم الخط کو عربی سے لاطینی حروف میں بدل دینا،اور نیا رسم الخط قانوناً لازمی کر دینا،(٦٥) اذان،نماز،دعا کے الفاظ کو عربی سے بدل کر

(٦٣) کریموف:ازبکستانی صدر،سمرقند میں پیدا ہوا۔1990ء میں ازبکستانی سویت سوشلسٹ ری پبلک کا صدر بنا۔اسلامی شعائر پر پابندی لگائی۔اس نے انسانی حقوق اور آزادی کے لئے آواز اُٹھائی اور معاشی اصلاحات کے لئے کام کیا۔

(http://www.telegraph.co.uk/news/worldnews/asia/uzbekistan/8383370/Uzbek-government-kicks-out-Human-Rights-Watch.html)

(٦٤)*"International Politics Since 1900"* by Vidy Dhar Mahajan, Schard & Company. New Dehli Bombay, p.130

(٦٥)ایضاً

مقامی زبان میں کرنا، اور اسلامی برقعہ یا سکارف لینے والی طالبات پر تعلیمی اداروں میں پابندیاں لگانا، یہ سب کچھ ناقابلِ فہم ہے۔ (۶۶)

مذہب اور ثقافت کے درمیان تعلق کی مضبوطی مسلمہ امر ہے اور اس رشتے کو کمزور کرنا درحقیقت مسلمانوں کے زوال کا موجب بھی ہے اور مسلمانوں کا احیاء بھی اس کی مضبوطی پر منحصر ہے۔

اگر تہذیب کا تعلق مذہب سے نہیں تو جدید فکر ہمیں ہماری تہذیب سے وابستہ کیوں نہیں رہنے دیتی۔ درحقیقت وہ جانتے ہیں کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب کی بنیاد بھی ہے وہ ہماری ثقافتی وحدت کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلامی شعائر کا تعلق مذہب سے نہیں محض ثقافت سے ہے اور ثقافت زیر ہو چکی ہے۔ (۶۷)

اگر ثقافت کا تعلق مذہب سے نہیں ہے تو مسلمانوں کو الگ وطن حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پاکستان کیوں بنایا گیا تھا۔ مسلمان ہندوؤں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرتے رہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان قوم ایک ثقافتی وحدت ہے۔ اس کے فرزندوں کے درمیان تمام اختلافات و امتیازات سطحی اور بے اصل ہیں جو اسلام کے احیاء کے کے ساتھ خود ہی زائل ہو جائیں گے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت کے تعین کا تعلق ثقافت سے بھی ہے، تاریخ سے بھی، معاشرت سے بھی اور ملکوں کے جغرافیائی، معاشی اور سیاسی حالات سے بھی ہے، کیونکہ اسلام ان تمام حقائق سے ماورا ہو کر عمل پذیر نہیں ہوسکتا۔ اسلام کو عمل میں ڈھالنے کے لئے ہمیں زمینی حقائق تسلیم کرنا ہوں گے۔

جہاں ثقافت کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے وہاں تاریخ سے بھی ہوتا ہے۔ ثقافت کو مذہب اور تاریخ سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات درست ہے کہ پاک و ہند کے مسلمان، ہندو تہذیب سے متاثر ہیں اور مسلمان عورت کے کردار پر ہندو ثقافت کے اثرات موجود ہیں۔ شروع میں اس کی بڑی وجہ ہندو اور مسلمان معاشروں کا اختلاط تھا اور اب اس

(۶۶) *"International Politics Since 1900"* by Vidy Dhar Mahajan, Schard & Company. New Dehli Bombay, p.131

(۶۷) مسلمانوں کا فکری اغوا، مریم خنساء، دار الکتب السّلفیہ، شیش محل، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ص/۱۵۵

کی ایک بڑی وجہ مسلم ممالک میں ہندو ثقافت پر مبنی بھارتی فلمیں اور ان پر مبنی کلچر کا فروغ ہے جو مسلمان معاشروں کی تفریح کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ جن کی بدولت ہندو ثقافت کے اثرات غیر محسوس طریقے سے مسلمان مرد و زن کے دل میں در آئے ہیں اور مغربی طور طریقوں کو ناپسند کرنے والی مسلمان خواتین نے مشرقی تہذیب کے نام پر اکثر ہندو عورتوں کی نقالی کو اپنے لئے راہنما جانا ہے، کیونکہ ہندو ثقافت میں 'پتی ورتا' عورت مشرقی وفا کا مثالی کردار ہے۔ اس طرح سے مغرب کی ضد میں ہندو معاشرے میں عورت کا مثالی کردار اور اسلامی معاشرے میں عورت کا کردار گڈمڈ ہو گیا ہے۔ معصومیت، وفا، حیا اور شوہر کی خدمت ہندو اور مسلمان عورت کے کردار کی زینت ہیں جو مغرب میں عنقا ہیں۔ اس لئے یہ صفات عورت کے مشرقی کردار کا خاصہ بن چکی ہیں۔

ہندو معاشرے نے مسلمان معاشرے سے مل کر یکساں معاشرتی اقدار مرتب کی ہیں جو مشرقی اسلامی ذہن کا عنوان بنی ہیں۔ ہندوستان میں حکومت کے خرچ پر ایک سکیم شروع کی گئی کہ عورتوں کی آزادی کی جنگ لڑنے والوں کی آوازوں کو ریکارڈ کر لیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں ان کے خیالات کو ان کی اپنی آواز میں سن سکیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر ایس ایم جوشی (۶۸) کے انٹرویو کا خلاصہ اخبارات میں شائع کیا گیا۔ ریکارڈنگ کے وقت مسٹر جوشی کی عمر ۸۶ سال ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں جو باتیں کیں ان میں سے ایک اخبار کے الفاظ یہ ہیں:

"The Shariat of the Muslims and Manusmruti of the Hindus, followed by both the communities for centuries, were equally and socially reactionary" (۶۹)

"مسلمانوں کی شریعت اور ہندوؤں کی منوسمرتی جس کو دونوں فرقے صدیوں سے اختیار کئے ہوئے ہیں، یکساں طور پر سماجی طور پر رجعت پسند ہیں۔"

(۶۸) مسٹر ایس ایم جوشی: 1904ء میں پیدا ہوئے۔ 1989ء میں فوت ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے رکن تھے اور پرجوش مقرر تھے۔ 1930ء میں سول نافرمانی تحریک میں حصہ لیا۔ آپ کے مخالفین بھی آپ کے جذبے اور جوش خطابت سے متاثر تھے۔ آپ نے مذہبی ذہن کے ہندو معاشرت پر اثرات کا گہرائی سے جائزہ لیا۔

http://rashtra-seva-dal.blogspot.com/2009/08/sm-joshi-socialist-movement-stalwart.html mister sm joshi)

(۶۹) ٹائمز آف انڈیا، ۶۔ اپریل ۱۹۸۶ء

ہندوستان ایک مذہبی ملک سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس کی مذہبی حیثیت دوسری حیثیتوں پر ہمیشہ غالب رہی ہے۔ ہندوستان کے مشہور مقنن 'منوراج' نے عورت کے بارے میں کہا ہے کہ

''عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خودمختار ہو کر کبھی نہ رہے۔''(۷۰)

''عورت کے لئے برت اور قربانی کرنا گناہ ہے۔صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہئے، عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔ کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔''(۷۱)

ہندو معاشرہ عورت کی معاشرتی حیثیت کی نفی پر مبنی ہے جب کہ مغربی معاشرہ عورت کی کلی آزادی پر زور دیتا ہے۔اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت ان دونوں تصورات کے درمیان راہ اعتدال پر ہے۔اگرچہ ہمارے آج کے معاشرے نے ہندو تہذیب کے غالب رنگ چرائے ہیں لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام اور ہندو معاشرے کو خلط ملط کر کے اس مشترکہ معاشرے کی منفی صفات کا الزام اسلامی تعلیمات کو دے کر مغرب اس سے اپنی سیاسی راہ ہموار کر رہا ہے۔

مسلمان خواتین کے لیے جہاں مغربی تقلید مضر ہے وہاں ہندو تہذیب کی نقالی بھی نقصان دہ ہے۔اسلام افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا مذہب ہے۔حقوق نسواں کی تعبیر نو کرنے والے،مسلمان عورت کے پردے کے معاملے کو ثقافتی اثرات پر محمول کرتے ہیں۔وہ پردے کو مذہبی حکم تسلیم نہیں کرتے۔ان کے نزدیک پردے کا حکم شریعت سے نہیں بلکہ کلچر سے وابستہ ہے وہ مذہب اور کلچر کو بھی جدا کرنا چاہتے ہیں یہی وہ حیلہ ہے جس کی بدولت وہ مسلمان عورت کو پردے سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔اگرچہ محمد فاروق خان کی بات اس حد تک درست ہے کہ اسلام،معاشرتی ثقافت سے کم سے کم بحث کرتا ہے۔ وہ معاشرت کو اسی طور پر باقی رہنے دیتا ہے جس حالت پر وہ ہو بشرطیکہ کہ وہ اسلامی اصولوں و اساسات کے خلاف نہ ہو۔وہ صرف معاشرت کی خوبیوں کو نمایاں کرتا ہے اور برائیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کرتا ہے۔

---

(۷۰) منوسمرتی ۵/۱۴۵ بحوالہ ''عورت اسلامی معاشرہ میں'' عمری، جلال الدین، ص ۳۲

(۷۱) ایضاً

اسلام کو بد تہذیب کلچر سے جدا کرنا ہی شریعت کا مقصود ہے اور اسلام کو بد تہذیب کلچر سے باندھ دینے کی بنا پر اسلام کی روح مر جاتی ہے۔کلچر ایک علاقے میں رہنے والے لوگوں کے رہن سہن، باہمی تعلقات، معاملات اور معاشرت سے خود بخود جنم لینے والی اقدار وروایات کو کہا جاتا ہے۔اسی بنا پر یہ بات درست ہے کہ شریعت ساری دنیا کے لیے ایک ہے وہ زمان ومکان کی پابند نہیں جب کہ کلچر ہر علاقے کا مختلف ہے اور کلچر وثقافت کی روایات واقدار میں علاقائی حوالے سے تنوع موجود ہے جو انسانی فطرت کا حصہ ہے اور اسلام بھی اسے تسلیم کرتا ہے۔ اسلام نے ثقافت کی اچھی قدروں کو باقی رکھا اور ان اقدار وروایات کا ایک ایک کر کے خاتمہ کر دیا جو آسمانی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں اور جن کی شریعت اسلامیہ کے احکام وقوانین میں گنجائش موجود نہیں تھی حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ میں یہ اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی تمام قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ علاقائی کلچر کی جن روایات کو اسلام نے باقی رہنے دیا ان کی حیثیت کیا ہے؟ وہ شریعت کا حصہ ہیں یا بدستور کلچر وثقافت سے ہی منسوب رہیں گی۔اس سلسلہ میں صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن اقدار وروایات کو شریعت کے احکام وقوانین میں شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا ذکر قرآن کریم یا سنت رسولؐ میں موجود ہے وہ شریعت کا حصہ بن گئی ہیں۔کیونکہ اگر وہ اقدار شریعت نہ ہوتیں تو یقیناً ان کے بارے میں کتاب وسنت میں صراحت آ جاتی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت کا حصہ نہیں ہیں۔لہٰذا انہیں کلچر کا حصہ قرار دے کر شریعت سے الگ کرنا انصاف کی بات نہیں۔عورت کے لیے پردے کے احکامات کی نوعیت بھی اسی طرح کی ہے۔البتہ جن امور کو صرف خاموشی کے ساتھ گوارا کیا گیا ہے ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ عرب کلچر کی باتیں ہیں جن سے اسلام نے تعرض نہیں کیا اور یہ اصول پھر صرف عرب کلچر کے لیے نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے کسی بھی کلچر اور ثقافت کی وہ روایات واقدار جن کی نفی قرآن وسنت میں موجود نہیں اور مسلمہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں انہیں گوارا کیا جا سکتا ہے وہ کلچر اور ثقافت کے نام پر اسلام کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔اسلامی قانون وفقہ کے ماہر علماء اس قسم کے رواجات وثقافت کو اصطلاحی طور پر 'عرف صحیح' کا نام دیتے ہیں۔اسلامی اصول قانون (Islamic jurisprudence) میں 'عرف' (custom) کے نام سے ایک مستقل باب (chapter) ہوتا ہے جو کسی بھی علاقائی مسلمان کلچر سے متعلق شرعی

احکام اور اس کی تفصیلات پر مبنی ہوتا ہے۔

پردے کے حکم کو اسلامی تعلیمات سے نکال کر کلچر کے ساتھ ملانے میں مسلم معاشروں کی اسلامی فکر تحفظات رکھتی ہے اور اس امر کو اولاً مسلم معاشروں پر خارجی دباؤ اور ثانیاً داخلی طور پر اسلامی شعائر سے غفلت کے خطرے سے منسوب کرتی ہے، لہٰذا وہ پردے کے احکامات کو اسلامی احکام کے ساتھ پیوست رکھنے کو حکمت کا تقاضا قرار دیتی ہے۔

بسا اوقات ظاہری حکم کے پیچھے حکمت بالغہ کو ملحوظ رکھنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ساتویں صدی ہجری کے معروف مفسر قرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاریؒ (۷۲) نے 'تفسیر قرطبی' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے علمی حلقے میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو کیا اس کے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نہیں۔اس کے لیے توبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔جب وہ شخص چلا گیا تو شاگردوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کی کہ ہمیں تو آپ نے یہ مسئلہ اس طرح نہیں بتایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ قاتل کے لیے بھی توبہ کی گنجائش ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں نے یہ مسئلہ پوچھنے والے شخص کے چہرے پر غضب کے اثرات دیکھے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے مسئلہ پوچھ رہا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد سعید بن عبیدہ کا کہنا ہے کہ ہم نے اس شخص کا پیچھا کیا اور تحقیق کی تو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اندازہ درست تھا۔(۷۳)

فکر جدید کے حاملین چہرے کے نقاب کو ثقافت سے باندھ کر اسلامی احکام سے جدا کرنا چاہتے۔مولانا مودودیؒ نے ان کی ان کوششوں کو اعدائے اسلام کی سازش قرار دیا ہے(۷۴) اور وہ کہتے ہیں کہ اگر چہرہ کھولنے کی اسلام میں

(۷۲) القرطبی: (۱۲۱۴ھ۔ ۱۲۷۳ھ) ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی مالکی فقیہ ہیں۔آپ مفسر قرآن بھی ہیں۔اس ضمن میں آپ کی کتاب "الجامع لأحکام القرآن" کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔(الأعلام از زرکلی: ج۶/ص۲۱۷)

(۷۳) الجامع لآحکام القرآن، القرطبی، ابوعبداللہ، محمد بن احمد الانصاری، مؤسسہ مناھل العرفان، بیروت۔ومکتبة الغزالی، دمشق، سورۃ النساء، ج۴/ص۹۳، ج۵/ص۳۳۳

(۷۴) پردہ از مودودی، ص۳۹

اجازت ہے بھی، تو بھی یہ لوگ اسلامی احکام کی انتہاء کو اپنی ابتدا بناتے ہیں اور پھر اس پر اپنی عقلی موشگافیوں کی عمارت کھڑی کر کے دشمنان اسلام کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو چاہنے والوں کی طرف سے مذہب اور کلچر کے جدا کرنے کا مطالبہ بھی ان کی کسی اور منشاء کے مقصود کی طرف راہنمائی کرتا معلوم ہوتا ہے۔اس لیے ان کا پردے کے بارے میں مذکورہ موقف غیر معروضی دکھائی دیتا ہے اور مغربی کلچر کی ہمہ گیر یلغار کے اس دور میں ان کا موقف بہرحال مسلم اور مشرقی ثقافت اور اس کی اقدار اور روایات کے خلاف ہی استعمال ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

ایک معاصر مقالہ نگار لکھتے ہیں:

''کسی دینی موقف کے بارے میں ذہن بناتے وقت یہ دیکھ لینا چاہیے کہ معاشرے میں خیر اور شر کی کشمکش کے عمومی تناظر میں ان کی رائے کس کے حق میں اور کس کے خلاف استعمال ہوگی۔''(۷۵)

پردے کو اسلامی تعلیمات سے جدا کر کے ثقافت سے منسوب کرنے کا مطالبہ غالب ثقافت کو راہ دینا، مذہب سے بیزاری اور نسوانی فرائض سے اجتناب کی راہ ہموار کرتا دکھائی دیتا ہے۔مغربی ثقافت اسلامی ثقافت کو زیر کرنے کے بعد اب اسے مزید نہتا کرنا چاہتی ہے۔

ثقافت کا تعلق جہاں مذہب سے ہے وہاں زمین اور صدیوں پرانی تہذیبی تاریخ سے بھی ہوتا ہے۔حقوق نسواں کا مغربی نقطہ نگاہ ثقافت کی تبدیلی کے مطالبے کی بدولت مسلمانوں کو ان کے صرف مذہب سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی کاٹ دینا چاہتا ہے ہندو معاشرت نہ تو اسلامی معاشرت ہے نہ ہی اسلامی نقطہ نگاہ سے پسندیدہ معاشرت ہے لیکن کثیر مسلمانوں کی تاریخ ضرور اس سے وابستہ ہے۔

پاکستانی ادیب و شاعر کے مطابق:

''ثقافت پر مذہب کی نسبت تاریخ کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔اور ہماری ثقافت پر ہندو ثقافت کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کی نعتیہ محفلیں، مجالس، میلاد کی محفلیں، شادی بیاہ کی رسومات عرب میں کہیں دکھائی نہیں دیتیں حالانکہ ہمارا مذہب اور ان کا مذہب ایک ہے۔''(۷۶)

---

(۷۵) ایک علمی وفکری مکالمہ غامدی، جاوید احمد،/، زاہد الراشدی، ابوعمار/معز احمد/خورشید ندیم/فاروق خان، ڈاکٹر۔ الشریعہ اکیڈمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ، طبع اوّل، فروری ۲۰۰۷ء، ص/۱۹۰۔۱۹۱

(۷۶) احمد ندیم قاسمی، نوائے وقت، (روزنامہ) لاہور، ۵/نومبر ۱۹۹۴ء

لیکن علماء کو اس (ہندووانہ) تاریخی الحاق پر اصرار نہیں، جس تاریخی الحاق پر ان کا اصرار ہے وہ دوسرا (مذہبی تاریخی سرمایہ) ہے، لیکن ثقافت کو مذہب اور تاریخ سے کاٹنے کی کوششیں مبنی بر خدشات ہیں۔

ثقافت مذہب اور تاریخ دونوں سے جنم لیتی ہے۔ حقوق نسواں کی فکر جہاں اسلامی ثقافت پر مذہب کے میدان میں حملہ آور ہے وہاں وہ مسلمانوں کو ان کی تاریخ سے بھی کاٹ دینا چاہتی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ انتہائی روشن ہے اور اسی روشن تاریخ کی بنا پر مسلمانوں کی مروجہ اسلامی فکر روشن مستقبل کی بنیاد ڈالنا چاہتی ہے اور اسلامی علوم کے تاریخی ورثہ کو "تابوت فيه سكينة"(۷۷) کی جگہ دیتی ہے۔

اسی لئے علمائے اسلام نے استعماری دور میں اپنا تاریخی دینی ورثہ محفوظ کرنے کے لئے دینی مدارس کی بنیاد رکھی تھی۔ تہذیب مذہب سے ہی نمو پاتی ہے۔ مغرب بظاہر پسماندہ تہذیب کی جگہ مغربی ترقی یافتہ تہذیب کو دینا چاہتا ہے، لیکن اصلاً دینی اداروں کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے۔ اسلامی فکر کے نزدیک حقوق نسواں جیسے افکار مغربی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں۔

معاشرے میں عورت کے کردار کی نفی اسلامی معاشرے کا نہیں ہندو معاشرے کا خاصہ ہے جسے مشرق کی وفا اور حیا اور پردہ داری کے نام دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے سادہ لوح مسلمان جو مغرب کے خلاف مشرقی اقدار سے پیار کرتے ہیں۔ ان اقدار کو مذہب کا لازمہ سمجھ کر اپنا لیتے ہیں اور ان کو مذہبی تناظر میں ہی دیکھتے ہیں اور جو عورت ان اقدار سے بغاوت کرے اسے وہ بے وفا اور بے حیا سمجھتے ہیں۔

ہندو اور اسلامی معاشرے کے اختلاط نے عورت کے لیے کچھ اقدار متعین کی ہیں، مثلاً مشرقی اقدار کا تقاضا ہے جو وقت کے چلن سے ابھر کر سامنے آیا ہے کہ عورت اپنی ذات کی مکمل نفی کرے اور شوہر کے تشخص کو ہی مضبوط کرے وہ اپنی پہچان اپنی ہستی سے نہیں شوہر کے خاندان سے کرائے، اپنی ساس کو ماں کا درجہ دے، شادی کے بعد اپنے دیور، نند کو بہن بھائی سمجھے، اچھی عورت وہ ہے جو میکے سے تعلق توڑ لے، وہ اپنے رشتوں کو اپنی حیثیت میں نہیں شوہر کی نظر سے دیکھے، جوائنٹ فیملی سسٹم بھی ہندو تہذیب کا حصہ ہے، عورت کے لئے سسرال ایک لازمی جبر ہے جس

(۷۷) سورۃ البقرۃ:۲/۲۴۸

سے اس نے سہہ لینے کی پالیسی پر عملدرآمد کر کے سرخرو ہوکر دکھانا ہے تبھی وہ کامیاب عورت متصور ہوگی۔ ان تصورات کی پرورش میں ہندوستان کی پروردہ اسلامی ثقافت کا بھی حصہ ہے اس لیے ان تمام امور کو نیکی کے کاموں کا عنوان دیا جاتا رہا ہے۔علاوہ ازیں رشتہ داری اور یہ خاندانی تصور عورت کے مرد سے مخلص ہونے کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

مشرق میں خاندان کا مطلب شوہر' بیوی اور اولاد نہیں ہوتا۔مشرق میں خاندان کا مطلب شوہر، بیوی، اولاد، شوہر کے والدین اور بہن بھائی ہوتے ہیں۔ حالانکہ اسلام عورت پر مرد کے خاندان کے جبر کو کوئی راہ نہیں دیتا۔ بھارت میں تو عورت شوہر کے بعد دیوروں کی جاگیر سمجھی جاتی ہے۔مشرق میں عورت سے بیوہ ہونے کی صورت میں یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اچھی اور باوفا مشرقی عورت ہے تو اب بقیہ زندگی اپنے پچھلے شوہر کے نام پر گزاردے ۔اسے حیا کے تقاضے ملحوظ رکھنے چاہیے، دوسرے نکاح کرنا یا اس بارے میں سوچنا بھی بے وفائی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔خاوند کی وفات کے بعد عورت کو اپنی زندگی بچوں کے نام کر دینی چاہئے،لیکن مشرق میں مردوں سے رنڈوا ہونے کی صورت میں ایسی کوئی امید نہیں رکھی جاتی کہ بیوی کے فوت ہونے کے بعد اب اُس پر بھی خوشی کے دروازے بند ہیں۔ مرد کا معاملہ عورت سے برعکس ہوتا ہے۔ حالانکہ عورت سے اس قسم کی امید اور تقاضا کوئی شرعی بنیاد نہیں رکھتا۔مشرق میں عورت کا جہیز لانا ہی اس کے مردانہ خاندان میں تحفظ کی ضمانت ہوگا۔عورت کے گھر والوں کو مرد کے گھر والوں کو سر آنکھوں پر بٹھانا ہوگا۔

مشرقی معاشرے میں نیکی کے نام پر عورتوں سے توقعات،عورتوں کے استحصال پر مبنی ہیں۔مشرق میں اچھی عورت سے اس کا شوہر یہ امید کرتا ہے کہ وہ پہلی ہی رات اس کا حق مہر معاف کر دے اور مرد کو آزاد کر دے۔حق مہر کا معاف کر دینا ،عورت کے لئے محفوظ زندگی کی ضمانت ہے۔اچھی بہن وہ ہے جو باپ کی وفات پر بھائیوں کے حق میں وراثت سے دستبردار ہو جائے۔عورت کو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل کلاں کو اس کے شوہر نے اسے گھر سے نکال دیا تو اس نے لوٹ کر میکے میں ہی آنا ہے۔ وہ میکہ سے تعلق باقی رکھنے کی خاطر بھائیوں کو ناراض نہیں کرسکتی، لہٰذا وراثت چھوڑ دیتی ہے۔

عورت کی مشرقیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے باپ بھائی اپنے مفادات پورے کرنے کے لئے جہاں مناسب

سمجھیں اس کا رشتہ کر دیں۔ عورت کا اس کے خلاف بولنا اس کے کردار کو مجروح کرتا ہے۔ عورت کی رائے کو رشتہ میں شامل کرنا غیر ضروری امر سمجھا جاتا ہے۔ عورت کی تمام ملکیت شادی کے بعد مرد کی ملکیت تصور کی جاتی ہیں۔ عورت آزادی سے اپنی مِلک میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتی۔ اگر عورت کی کمائی کا کوئی ذریعہ ہے بھی، تو وہ اس کمائی میں آزاد تصرف کی خود مختار نہیں ہے۔ اس کی حیثیت ایک غلام کی سی ہے جس کی آمدنی مالک کی ہوتی ہے۔ عورتوں کو اگر گھروں میں محبت اور حفاظت چاہئے تو اسے محبت اور حفاظت کا یہ ٹیکس ادا کرنا ہوگا یعنی عورت کی حیثیت ایک پراپرٹی کی سی ہے۔ جبکہ اسلام مرد وعورت کو ایک خاندان بتلاتا ہے جو ایک دوسرے کی ضرورت کی تکمیل ہیں اور ان کا رشتہ باہم محبت اور اعتماد پر استوار ہے۔ عورت کو غلام سمجھنے کا تصور اسلام کا نہیں، ہندو تہذیب سے مستعار ہے۔ ہمارے پاکستانی معاشرے میں بھی یہ کہانی اب تقریباً ہر گھر کی کہانی ہے اِلا ما شاء اللہ۔ مرد اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے عورت سے جو فائدہ اٹھانا چاہیں، اٹھا سکتے ہیں۔

جو بات ظلم پر مبنی ہوگی وہ قابل ردّ ہے۔ اسلام کمزور کے استحصال کی اجازت نہیں دیتا بلکہ کمزور کو مضبوط سے تحفظ فراہم کرواتا ہے اور مرد وعورت کے درمیان رشتۂ ازدواج کو محبت اور قربانی کی بنا پر استوار کرتا ہے نہ کہ کمزور اور طاقتور کی بنیاد پر۔ اسلام عورت کو اطاعت کے مسخ شدہ تصور کے نام پر مرد کی غلامی میں نہیں دیتا۔ اسلامی تعلیمات سے اگر کوئی منفی اور متشددانہ رجحان کشید کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فہم ہے نہ کہ اسلام کا مدّعا۔ ہمارے مسلم معاشرے میں عورتوں کی یہ بدحالی اور ہندو تہذیب کی نقالی اسلام دشمن عناصر کو یہ کہنے کا موقع دیتی ہے کہ اسلام عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کرتا ہے اور عورتوں کے حقوق مغرب میں زیادہ بہتر ہیں۔ تبھی تو حقوق نسواں کی تنظیموں کو یہ دعویٰ کرنے کے آسان ثبوت بھی مل جاتے ہیں کہ مغرب میں اسلام اپنی اصل حالت میں ہے، لہٰذا اسلام کے نام کی اتھارٹی بھی ان کے پاس ہونی چاہئے اور مسلم معاشرے اسلام سے خالی معاشرے ہیں، ہندو تہذیب کے اثرات نے مسلمان عورت کو اس کے حقوق سے محروم کر رکھا ہے اور اس سچائی کے اعتراف کے بغیر حقیقت کو پانا ناممکن ہے۔

✻......✻......✻

مبحث پنجم: عورت روایت پسندی کی قید میں

طبقہ حقوق نسواں' عورت پر دو قسم کے روایتی تسلط کی نشاندہی کرتا ہے ایک معاشرتی نوعیت کا ہے جب کہ دوسرا مذہبی و تاریخی نوعیت کا۔ طبقہ حقوق نسواں کا یہ دعویٰ ہے کہ عورت کو معاشرتی اعتبار سے روایتی کرداروں میں قید کر دیا گیا ہے۔ اُسے ہر وہ رُوپ دیا گیا ہے جو اس کی شناخت مرد سے کرواتا ہے اور اسے مردوں کا محتاج بناتا ہے۔ آخر عورت کے لئے صرف ماں، بہن، بیٹی، بیوی کے کردار ہی کیوں ہیں؟ اسلامی تاریخ سے بھی عورت کی یہی تصویر لی جاتی ہے کہ اس نے بھائی کے لئے کیا کیا، شوہر کے لئے کیا قربانی دی، ماں اور بیوی کی صورت میں وہ کس طرح شوہر اور بیٹے کے لئے خاک ہوئی۔ کیا اس کا کوئی کردار ان روایتی کرداروں کے علاوہ نہیں ہے؟

ان کا کہنا ہے کہ عورت کی تربیت میں روایت پسندی کا انتہائی دخل ہے۔[۷۸]

لڑکی کو بچپن سے ہی امتیازی کردار سکھائے جاتے ہیں جو عورت کے ساتھ زیادتی ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ اگر لڑکی کو بھی لڑکے کے ڈھب پر پالا جائے تو وہ بھی بڑے ہو کر وہ تمام کام سرانجام دے سکتی ہے جو لڑکا دے سکتا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلم تحریک نسواں، اسلام کے نام سے وہی فکر اور ذہن چاہتی ہے جو مغربی بالادست اداروں کا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی جنگ میں جس کنونشن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ CEDAW کے نام سے مشہور ہے یعنی عورتوں کے خلاف امتیازات کے خاتمہ کا بل۔

"Convention on the Elimination of all kinds of discrimination against women"[۷۹]

اس بل میں بھی عورت کے روایتی کردار کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اس بل نے عورت کے کردار میں تبدیلی پر اصرار کیا۔ ملاحظہ کیجیے۔

The convention is the only Human Rights treaty which affirms the reproductive rights of women and targets culture and tradition as influenced forces sharping gender

(۷۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: مبارزہ (نیوز لیٹر) 'اداریہ' جسے ڈاکٹر عنبرین احمد، حمیرا ملک، راشدہ دوہا، یاسمین زیدی، عظمیٰ قریشی پر مبنی ایڈیٹوریل بورڈ نے لکھا ہے۔ عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص/۱-۲)

(۷۹) CEDAW-Women 2000, Published by UNO. p.1

roles and family relations. It affirms women rights to acquire change-(۸۰)

CEDAW ہی انسانی حقوق کا وہ معاہدہ ہے جو عورت کا تولیدی وصف تو مانتا ہے، لیکن معاشرے کے روایتی رسوم ورواج کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ کیوں کہ یہ روایات ہی صنفی کردار اور خاندانی تعلقات پر اثر انداز ہونے والی طاقت ہے CEDAW کا معاہدہ عورتوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ تبدیلی کی راہوں کو اپنائے۔

یہی مطالبہ مسلمان Feminists کا بھی ہے وہ بھی روایات کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔

دوسری روایت پسندی، مذہبی و تاریخی نوعیت کی ہے۔ طبقہ حقوق نسواں چونکہ نئے خیالات کا حامی ہے اور روایت کے نام سے الرجک ہے اس لیے یہ اسلام کی تشریح میں مرویات سے خار کھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے متن کی تشریح میں جب کسی راوی کا نام آجائے تو ان کے لئے اسے گوارا کرنا ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ یہ اسلام کی تفہیم میں راویوں پر اعتماد کی انتہائی مخالف جماعت ہے ان کا مقصود اسلام کو روایت پسندی کی قید سے نکالنا اور جدت کی راہ پر ڈالنا ہے۔

یہ مغربی تہذیب اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کو عالمگیر اور زمان و مکاں سے ماورا تصور کرتے ہیں جو کہ ناقابل تغییر ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی پندرہ سو سالہ قدیم تعلیمات، روایات، اقدار، خصوصیات، ثقافت، تہذیب، قرآن کی آیات، سنت رسولؐ سب کچھ قابل تغییر و ترمیم ہے۔ اس لئے اسلام کو عالمی منشور انسانی کے مطابق کرنا ان کا مقصد زندگی ہے۔ ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ نئے دور کے نئے مذہب ہونے چاہئیں۔

حقوق نسواں کی تحریکوں کے رہنماؤں کے بقول ان کا مقصد مذہب کی اس مضبوط روایت کو توڑنا ہے جس نے عورت پر زندگی کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ مسلّمہ اصولوں کو غیر مسلّمہ بنایا جائے۔ عورت سے وابستہ ہر قدر کو توڑا جائے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ روایتی اقدار نے مرد اور عورت کو طاقتور اور کمزور میں تقسیم کر دیا ہے۔ عورت کو ابتداء ہی سے کمزور تسلیم کر کے اسے طاقتور سے لڑانے کو حقوق کی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ یہ معروف کیا گیا ہے کہ ہر معاشرہ مردوں کا یعنی طاقتوروں کا معاشرہ ہوتا ہے۔ اس میں عورت کو ان مراکز سے لڑنا ہوگا جو مرد کی طاقت کے مراکز ہیں۔ اسے معاش کے لئے لڑنا ہوگا۔ اسے اقتدار کے لئے لڑنا ہوگا۔ سیاسی غلبے کی جدوجہد کرنا

(۸۰) CEDAW-Women 2000, Published by UNO. p.1

ہوگی۔ فیصلہ سازی میں حصہ لینا ہوگا۔ پالیسی ساز بننا ہوگا۔ یہ مرد اور عورت کی کام کی روایتی تقسیم غیر حقیقت پسندانہ ہے۔عورت کو روایتی معاشرتی نظام کے خلاف جنگ کرنا ہوگی۔

آیئے دیکھتے ہیں آج کا اسلامی معاشرہ روایتی اقدار وافکار سے کس جذباتی وابستگی کا عکاس ہے اس کے مطابق:

''روایت پسندی وہ طرزِ عمل ہے جس کی بنیاد پر مسائل کے حل کے لئے قرآن وسنت، اسوۂ حسنہ، عمل تواتر اور اجماع اُمت کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ روایت، سنت اور قرآن کو مآخذات دین سمجھتی ہے۔ ان مآخذ سے استفادہ کے لئے روایت اسلام کے مسلّمہ مکاتب فکر سے رجوع کرکے ان کے ذریعے دین اخذ کرتی ہے، ان مسلّمہ مکاتب فکر سے ہٹ کر انفرادی آراء پر قائم مسالک ومکاتب فکر سے مکمل گریز کرتی ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے دین کی محفوظ تحصیل وترسیل مشکوک ہوجاتی ہے۔ روایت پسندی تمام مسلّمہ مکاتب فکر کو برحق سمجھتی ہے۔''(۸۱)

آج کا مسلم معاشرہ جدت پسندی کا ناقد ہے اور اسے اپنی اقدار پر حملہ شمار کرتا ہے اور جدید افکار سے تحفظات رکھتا ہے۔

''ان رویوں کو آگے بڑھانے کے لئے لازمی تھا کہ پرانے اور مروجہ رواج کو توڑا جائے۔ اس کام کو کرنے کے لئے ایک راہ نکالی گئی جسے نظریے پر تنقید کا نام دیا گیا۔ اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ فلاسفہ، دانشور، ادبی نقاد، وکلاء، مورخ اور دیگر شعبوں کے تخصیصی ماہرین عورتوں کو ان قدروں، روّیوں، شخصیات اور نظریات سے نجات دلائیں جن کا سحر ایک طویل عرصہ سے طاری ہے۔ اگر مذہب ہے تو اسے تحلیل کیا جائے۔ پیغمبر ہے تو اسے ہدف بنایا جائے۔ کوئی عمل ہے تو اسے ختم کیا جائے۔ اس ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے متوازی ایک نیا عمل شروع ہو جو ٹوٹنے والے رویوں کی جگہ نئے رویے لے کر آئے۔ بکھرتے اور منتشر ہوتے نظریات کی جگہ نئے نظریات لے کر آئے گویا پرانے کو نئے سے تبدیل کیا جائے۔ اس کشمکش میں سب سے زیادہ مزاحمت مذہب کی طرف سے تھی، لہٰذا حقوق نسواں کی فکر نے دفاع کی بجائے انقلابی تحریک شروع کی۔''(۸۲)

حقوق نسواں کی اسی انقلابی تحریک نے تعبیر نو کو جنم دیا۔ اپنے مذہب کے لئے جس ہتھیار کا انہوں نے استعمال کیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ مذہب کو دہشت گردی قرار دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ مذہب دہشت گرد پیدا کررہا ہے۔ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے۔ اسلام عورتوں کے حقوق کا مخالف نہیں ہے۔ مسلمان علماء مذہب کی قوت سے عورتوں کے

(۸۱) روایت اور جدت کی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، آئین، (ماہنامہ) اپریل ۲۰۰۵ء، ج ۴۳/ ش ۴/ ص ۱۷/۲

(۸۲) پوسٹ ماڈرن ازم از محمد الیاس، مرزا، آئین، (مغربی تہذیب، اشاعت خاص)، جون ۲۰۰۵ء، ج ۴۳/ ش ۶/ ص ۹۰۔۹۱

حقوق کی نفی کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ عورتوں کا استحصال ہے کہ انہیں اسلام کے نام پر غلامی اختیار کرنے کی تربیت دی جائے۔ ان کے نزدیک یہ مسلمان معاشروں کی تہذیبی اور مذہبی بنیاد پر پھلنے پھولنے والے روایتی مسلمان جونظریات کی قربانی نہیں دے سکتے یہی عورتوں کے خلاف ایک خطرہ ہیں۔

عورت کے مقابلے میں مرد کو ایک لازمی برائی کہا جائے تو تحریک نسواں کی اس سے بڑی خدمت اور کوئی نہیں۔ مرد ایک ایسی برائی بنا دیا گیا ہے جو عورت کی کمزوری کو طاقت بننے سے روک رہا ہے۔ تحریک نسواں عورت کی کمزوری کا مقدمہ لڑتے لڑتے 'مرد' کو توڑ دینا چاہتی ہے اور وہ اس کے لئے سرگرم عمل ہے۔ بظاہر جس قدر یہ بات عورت کے لئے خوش کُن معلوم ہوتی ہے اسی قدر مغالطہ آمیز اور خوش فہمی پر مبنی بھی ہے کہ ایک ایسی دنیا کا تصور کیا جائے جس میں مرد اور عورت کو ایک جیسے کام کے ایک جیسے معاوضے دیئے جائیں۔ مرد بھی گھر سنبھالے اور عورت کا ہاتھ بٹائے، لیکن آج کے ترقی یافتہ معاشروں میں بھی صورت احوال یہ ہے کہ عورت کو مرد کے مساوی معاوضہ نہیں ملتا۔

مرد و زن کی مساوات کے مطالبے کے بارے میں آج کا مسلم معاشرہ خدشات کا شکار ہے۔ ان کے نزدیک:

> ''حقوق نسواں کی تنظیمیں عورت کے لئے معاشرتی اصلاحات کا مطالبہ نہیں کر رہیں بلکہ وہ عورت کے لئے ایک الگ تمدن اور الگ دنیا کا مطالبہ کر رہی ہیں، وہ مارکس اور اینجلز کی طرح معاشرے کو یکسر بدل دینا چاہتی ہیں۔ وہ مذہب، سیاست، معاشرت، معیشت، اخلاقیات، حکومت سازی، ریاستی امور غرضیکہ ہر طبقے کی تنظیم نو اس طرح چاہتی ہیں کہ جس سے وہ نظام عورت کے گرد گھومنا شروع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس مذہبی اور سیاسی منظر نامے کی بات کرتی ہیں وہ عملی زندگی کا حصہ ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تحریک نسواں کے مطالبات فلسفیانہ موشگافیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔''(۸۳)

وحید الدین خان عورتوں کو مساوی مواقع دیئے جانے کے پُر جوش حامی ہیں۔ عورتوں پر معاشرتی روایتی کردار کے اثرات پر تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اب تک میں سماجی علماء کے اس نقطۂ نظر کو مانتا رہا ہوں کہ یہ روایت اور ماحول ہے جس نے ان کے خلاف کام کیا ہے۔ مگر سماجی توجیہہ سے مجھے پورا اطمینان نہیں ہوسکا، میں محسوس کرتا رہا کہ ماحول یا مواقع کے فقدان کے علاوہ بھی کچھ اسباب ہیں جنھوں نے عورتوں کو مردوں سے پیچھے رکھا اور اب میں پروفیسر آئی سنک کا حامی ہوں جنھوں نے ذہانت کا حسابی پیمانہ ایجاد کیا ہے اور جن کا کہنا ہے کہ عورتیں بحیثیت جنس مردوں سے کم ذہانت رکھتی ہیں۔ حمل کے دوران ہی ان کے جین ان کی

---

(۸۳) پوسٹ ماڈرن ازم از محمد الیاس، مرزا، آئین، (مغربی تہذیب، اشاعت خاص)، جون ۲۰۰۵ء، ج ۴۳/ ش ۶/ ص ۱۰۲/

اس طرح پرورش کرتے ہیں کہ ان کے اندر ان کا جنسی رجحان متعین ہوتا ہے۔علمائے سماجیات کے دعویٰ کے برعکس یہ روایت اور ماحول کا اثر نہیں۔"(۸۴)

اس تحریک کو اب پورے دوسو برس ہو چکے ہیں۔جدید ترقی یافتہ ممالک میں وہ اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو چکی ہے کہ اب وہاں وہ سماجی حالات باقی نہیں ہیں جو اس تحریک کے علم برداروں کے نزدیک عورت کی مساویانہ حیثیت کو حاصل کرنے میں رکاوٹ تھے۔ ہر ملک میں برابری کے قوانین بنائے جا چکے ہیں۔قانون یا رواج کے اعتبار سے آج عورت کی راہ میں مطلق کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہے۔اس کے باوجود عورت ابھی تک مرد سے پیچھے ہے وہ کسی بھی شعبہ میں مرد کی برابری حاصل نہیں کر سکی۔

حقوق نسواں کی فکر روایات کی باغی ہے اس لئے وہ اسلامی معاشرے میں خاندان کے روایتی کردار پر تنقید کرتی ہے اور خاندان کی ضرورت اور اہمیت سے انکاری ہے۔ وہ عصری تقاضوں کے تحت معاشرتی روّیوں کی نئی تعبیر چاہتی ہے،لیکن وہ کبھی خود عورتوں کے حقوق سے متعلق کسی ایک تعبیر یا تعریف پر متفق نہیں ہو سکی اور ایسا ممکن بھی نہیں۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ عصر حاضر میں ایک متعین نظریے پر زندگی گزارنے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ میڈیا کی حیرت انگیز ترقی نے لوگوں کو یہ سمجھایا ہے کہ دنیا نظریات سے بھری پڑی ہے۔اعتقاد اور ایمان بدل رہے ہیں اور بدل سکتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ حقیقی سچائیوں سے محروم ہو رہا ہے۔ مذہب کا جادو ٹوٹ رہا ہے۔ ایمان اور اعتقاد کی گرفت کمزور ہو رہی ہے۔اب گھر،عورت اور رشتوں کی نئی تعبیر سامنے آ رہی ہے۔اب عورت آزادی چاہتی ہے۔روایات کا ٹوٹنا بکھرنا غلط عمل نہیں۔انسانی معاشرت میں یہ عام بات ہے۔اصل بات یہ کہ جب کسی چیز سے نکلیں تو سچائی کا رخ کریں۔جب کسی چیز میں داخل ہوں تو سچائی میں داخل ہوں۔

﴿رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيْرًا﴾(۸۵)

............*

(۸۴) خاتون اسلام ،اسلامی شریعت میں عورت کا مقام اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل ، وحیدالدین خان ،مولانا، دارالتذکیر، رحمٰن سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص/۳۶

(۸۵) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/۸۰

مبحث ششم: تنگ نظری اور عالمگیر اصولوں سے اجتناب

حقوق نسواں کی تحریکوں کا اسلام پسند فکر پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ عورت کے لئے ان کی تشریح تنگ نظری پر مبنی ہے اور عورت کو کنویں کا مینڈک بنا دیتی ہے۔ دنیا کے افق عورت کی دسترس سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ عورت کے معاملے کو عالمی تناظر میں دیکھنے کی بجائے عورت کو اپنی من چاہی تشریح کا قیدی بنا دیتے ہیں اور عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کر دیتے ہیں۔

طبقہ حقوق نسواں کی راہنما فریدہ شہید پاکستان کی مذہبی جماعتوں کو تنگ نظری اور مذہبی اجارہ داری کا الزام دیتے ہوئے لکھتی ہیں۔

"Islam in Pakistan thus became the virtual monopoly of the more conservative ulama, and there fore linked to reactionary forces"(۸۶)

''پاکستان میں مذہبی علماء نے اسلام کے نام پر تنگ نظری پر مبنی تشریح کی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ یہ سب ردّ عمل پر مبنی قوتوں سے وابستگی کی علامت ہے۔''

طبقہ حقوق نسواں کا موجودہ عورت کے اسلامی کردار کی تشکیل میں مؤثر اسلام پسند طبقہ پر یہ بڑا اعتراض ہے کہ وہ عورت کی حیثیت کا تعین علاقائی سطح پر کرتے ہیں اور کوئی ایسا کردار تشکیل نہیں دیتے جو آج کے عالمگیر تقاضوں پر پورا اتر سکے اور جو پوری دنیا کی مسلمان عورتوں کے لئے قابل عمل ہو۔ وہ عورت کے کردار کو مقامی ثقافت کے ساتھ اس طرح باندھتے ہیں کہ ثقافت کے تبدیل ہونے کے بعد عورت اسلام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتی۔ انہیں آج حقوق نسواں کے عالمگیر اصولوں سے سبق لینا چاہئے اور آج کی اس سمٹتی ہوئی دنیا میں عورت کا ایسا کردار پیش کریں جو پوری دنیا کی ثقافتوں میں یکساں طور پر قابل نفاذ ہو، کیونکہ جدت پسند طبقہ کی اکثریت آج مسلمان ممالک سے باہر دوسرے ممالک میں غالب ثقافتوں کے زیر سایہ جی رہی ہے اور چونکہ عورت کے معاشرتی کردار کا گہرا تعلق معاشرہ کی نوعیت کے ساتھ ہے۔ اس لئے یہ مسلم اقلیتیں اپنے لئے اسلام پر عمل پیرا ہونا گراں پاتی ہیں اور غالب ثقافتوں سے بھی

(۸۶)"Women of Pakistan" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.132

بلاواسطہ تعلق کی بنا پر ان کے اثر سے آزاد ہونا محال پاتی ہیں۔اس لئے ثقافتی اورمقامی کشمکش کا احساس ان میں شدید تر ہوجاتا ہے۔

مولانا مودودیؒ تحریک حقوق نسواں کے تنگ نظری کے الزام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طبقہ حقوق نسواں نے اسلام پسند نظریات کو تنگ نظری قرار دے کر جس روشن خیالی کے دور جدید کا افتتاح کیا ہے اس کی بنیاد بظاہر عقل اور فطرت پر رکھی ہے۔مگر بعد میں اصل حقیقت کھلی مگر اعتراف کی جرأت نہ ہوئی۔ مادہ پرستی اور خواہشات کی غلامی اور مطالبات نفس و جسد کی بندگی پر منافقت کے ساتھ عقلی استدلال و ادعیائے فطرت کے پردے ڈالے جاتے رہے لیکن اب انگریزی محاورے کے مطابق بلی تھیلے سے باہر آ چکی ہے۔ غیر معقولیت اور فطرت کی خلاف ورزی اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لئے اب کھلم کھلا عقل اور فطرت دونوں سے بغاوت کا اعلان کیا جارہا ہے۔ایک قدامت پرست مومنوں کی جماعت کو مستثنیٰ کرکے دنیائے جدید کے تمام راہنما اپنی تہذیب پر صرف خواہش اور ضرورت کی حکمرانی تسلیم کررہے ہیں۔''(۸۷)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ طبقہ حقوق نسواں 'تبدیلی' کا خواہاں ہے۔اس کے پیچھے یورپ کے نشاۃ ثانیہ کا ذہن کارفرما ہے۔یہ ذہن تبدیلی کی خواہش کو مزید انگیز کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔(۸۸)

عورت کے کردار میں تبدیلی سے مادی ترقی کے خواہاں تبدیلیوں کی ظاہری صورتوں کو اہمیت دیتے ہیں اور باطنی صورت سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔آج کے جدید مادی معاشرے میں ظاہر نے باطن کو پچھاڑ دیا ہے اور مادی اصولوں کو معیار نقد و قدر قرار دیا ہے۔کیا اصول مادی کسی مخصوص انسانی ثقافت وتہذیب کا نمائندہ ہے یا یہ ایک بین الاقوامی بین التہذیبی انسانی فطرت کا رویہ ہے جو کلچر،نسل ، زبان ، علاقے ، رنگ اور خطے سے ماورا ایک تصور جہاں ہے جس کی حقیقت،سچائی اور بالادستی مسلّم ہے۔یہی وہ متنازعہ نقطہ ہے جو طبقہ حقوق نسواں کے مادی افکار اور ملت اسلامیہ کے حقیقی اور روحانی افکار کو یکجا نہیں ہونے دیتا۔

---

(۸۷)تنقیحات ،مودودی، ابوالاعلیٰ،سید،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ،۱۳۔ای رشاہ عالم مارکیٹ لاہور۔طبع دوازدھم،دسمبر ۱۹۷۶ء،ص ر۱۳۰

(۸۸)*"The Daughters of Amazons. Voices from Central Asia"* by Murfa Takhtakhodjaeva and Elmira Turgumbekova Translated by Sufain Aslem Edited by Cassandra Balchin. Shirkat Gah Women Resource Centre Lahore, Pakistan. First Edition May 1996, p.64.

طبقہ حقوق نسواں کا اسلام کی بجائے یو این او کے انسانی چارٹر پر ایمان ہے۔ یہ اسلام کو اس کا تابع کرنا چاہتے ہیں۔ طبقہ حقوق نسواں کا عالمگیریت کا مطالبہ کوئی انوکھی حقیقت نہیں ہے۔ تاریخ میں بہت سارے فلسفے، نظام اقدار اور طرز ہائے زندگی، تجارت کے راستے ایک تمدن سے دوسرے تمدن تک جاتے رہے ہیں۔ ثقافتی اثر ونفوذ کا یہ بین الاقوامی اور بین التہذیبی عمل بالکل فطری اور لا بدی ہے۔ اس کی بدولت مقامی ثقافتوں کے رنگ بدلتے اور مٹتے رہے ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے انسانی تہذیبوں کے مابین باہمی معاشی تبادلے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشروں کی اجتماعی، علمی، فنی اور اخلاقی نشوونما ہوتی ہے۔ باہمی ثقافتی اثر ونفوذ تک تو معاملہ ٹھیک ہے، اسلام اس کا مخالف نہیں مگر جب اس باہمی معاشی وتجارتی تبادلے کے بین السطور ایک ثقافت یا ثقافتوں کا کوئی گروہ اپنے سے کمزور مادی اور معاشی مراکز کو اپنے اقتدار اور غلبے کا نشانہ بنالیتا ہے اور ان کے وسائل معاش وحیات پر جبری حق قائم کرلیتا ہے تو چاہے وہ اسے عالمگیریت کا خوش نما عنوان دے لے، لیکن وہ دراصل اسی جبری حق کا زوردار ثقافتی اظہار ہے جس نے آج مسلمان عورت کے معاشرتی کردار کو عالمگیریت کے عنوان سے اپنے تابع فرمان کرنے کی کوشش کی ہے۔

کیا عورت کے معاشرتی کردار میں تبدیلی کی واحد صورت عالمگیر اصولوں کی اتباع ہے، یا اس کا کوئی بہتر اور متبادل حل بھی ہے؟ یقیناً کوئی صائب الرائے مسلمان تبدیلی کی اس ضرورت سے انکاری نہیں ہے، لیکن جس چیز سے تبدیلی کی کوششیں کی جارہی ہیں اور جس سسٹم کو خوش آمدید کہا جارہا ہے اسے مسلمان معاشرہ اپنے لئے بہت بڑا خطرہ قرار دیتا ہے۔ کیا اس عالمگیری حقوق نسواں کے ایجنڈے کا متبادل اسلامی آفاقی قانون حیات نہیں ہوسکتا!؟

اس اخلاقی وروحانی اصول کی بنا پر تشکیل کردہ دنیا میں تمام انسان امین، جوابدہ، بالفعل برابر اور مساوی ہیں۔ تمام ارضی وسائل جن میں پانی، جنگلات نقل وحمل کے ذرائع، آلات وایجادات، معیشت وتجارت، زرودولت، معاشرتی ونفسیاتی نظام ہائے کار، غرض ہر وسیلہ جو انسانی تمدن اور بقائے نوع انسانی کے لئے ناگزیر ہے ایک ذمہ داری اور امانت کے طور پر تمام انسانوں کے زیر تصرف اور زیر استعمال ہے۔ چنانچہ اسلامی آفاقیت میں معاشی و معاشرتی تبادلے کی بنیاد مسابقت کی نفسیات کی بجائے مساوات کی نفسیات ہے۔ وسائل میں شرکت، برابری، مساوات،

حریت اور عقیدے کی آزادی راہنما اصول ہیں۔کوئی نسلی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی، نفسیاتی تفوق اور کوئی فضیلت معیار قدر نہیں بلکہ نیکیوں میں مسابقت اور حسن کردار کی بدولت جنت کے حصول کی کوشش قدر غالب کا درجہ رکھتی ہے۔

''عالمگیریت ایک معاشی تبادلے کے زاویہ نگاہ کے طور پر تو قابل قبول ہوسکتی ہے، لیکن عورت کے معاشرتی کردار کو تبدیل کرنے کے جذبے کے تحت عالمگیریت مسلمان عورتوں کے لئے زہر قاتل ہے۔جس کی بدولت اسلام کا پورا نظام عفت و عصمت گرداب میں پھنس جاتا ہے۔پردہ اور حجاب کی چادریں ہوا برد ہوجاتی ہیں۔عورت پر معاشی بوجھ لاد کر انسانیت اور نسوانیت کی تحقیر ہوتی ہے۔لہٰذا عالمگیریت کو ایک کلی سماجی، ثقافتی اور اخلاقی نظام کے طور پر تمام اسلامی معاشروں کے لئے ایک علاج قرار دینا انتہائی خطرناک اثرات کا حامل تاریخی رویہ قرار دیا جاسکتا ہے۔جس سے نہ صرف احترام نسوانیت بلکہ نسل انسانی کی حرمت بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔''(۸۹)

اسلامی معاشروں میں بسنے والی مسلمان خواتین کو عالمگیریت کے باطن میں چھپے ہوئے مسابقانہ معاشی وحدت کے فلسفے کی بنیاد پر زیادہ محفوظ نہیں بنایا جاسکتا، بلکہ اس سے استحصال، ظلم اور طاقت کے بے محابا استعمال کا بے جا جواز ضرور فراہم کیا جاسکتا ہے۔اس لئے عالمگیریت کی سیاست، اسلامی ثقافت اور نسوانی اخلاقی اقدار کے لئے ایک اَن دیکھا خطرہ ہے جسے خوش نما عنوان دیئے گئے ہیں۔عالمگیریت کا یہ ٹائٹل جو کہ آج اصول مادی کی بنا پر انسانی وحدت کے تصور کے طور پر سامنے لایا گیا ہے اسلام کے وجود کے لئے شدید خطرے کا باعث ہے۔

اسلام کا اصول وحدتِ انسانی ان بنیادوں کو تسلیم نہیں کرتا جو آج مسلمانوں سے تسلیم کروایا جارہا ہے۔اسلام نے انسانی فضیلت اور قدر کو منفعت کی منطق کی بجائے مساوات اور ہم آہنگی کے عالمگیر روحانی و اخلاقی اصولوں پر استوار کیا ہے۔ان راہنما اصولوں کا سب سے طاقتور تاریخی فکر اسلامی آفاقیت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو انسانی معاشروں کی ثقافتی اکائیوں کو سچی کھری اور بے لاگ وحدت میں ضم کر دیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے علمبردار عورت کے حقوق کے ہر مسئلے کو عالمی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ (جب کہ مسلمان علماء اسلامی معاشرے کے تناظر میں دیکھتے ہیں) اور عالمی تناظر سے ان کی مراد آج کل کی سپر پاورز کی نظر ہے۔یعنی جو کچھ دنیا میں آج کی سپر پاور دیکھتی ہیں وہی دیکھنا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کی

(۸۹) ماخوذ از عالمگیریت اور اسلامی آفاقیت، از مخدوم احمد رضا، 'ترجمان القرآن'، (ماہنامہ) اپریل ۲۰۰۶ء، ج/۱۳۳، عدد/۴، ص/۶۹

تحریکوں اور اقوام متحدہ کے مجوزہ حقوق نسواں میں بال برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔ یعنی ان تحریکوں کے افکار کی روشنی میں اگر حقوق نسواں مرتب کئے جائیں تو اسلام اور باطل ایک ہو جاتا ہے۔

مغرب ہو یا امریکہ، آج کل کی سپر پاورز ہوں یا دنیائے عالم ہر کوئی مسلمانوں کو غلام بنانے اور غلامانہ ذہن دینے پر تلا ہوا ہے وہ اس بات سے انتہائی خوش ہیں کہ مسلمان اسلام کو بھی ان کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جدت پسند طبقہ مغرب کے مفاد میں کوشاں ہے جبکہ اسلام پسند طبقہ اس کے مخالف ہے۔

مسلم معاشرے کے دینی عناصر خود انحصاری، خود اعتمادی اور خودی کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں جبکہ جدت پسند عناصر اپنی مغربی سرکار کی خوشنودی کے حصول کے لئے۔ مسلم معاشرے کے دینی عناصر کے نزدیک مسلمان اور کافر کبھی ایک نہیں ہوسکتے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ مغرب کبھی بھی مسلمانوں کا خواہاں نہیں ہوسکتا۔ جدت پسند عناصر مغرب کی اسلام دوستی پر ہمارے یقین کو متزلزل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ جس کے لئے یہ اسلام کو بھی بطور ایک مذہب کے لیتے ہیں اور پھر اسلام کو دوسرے مذاہب کے ساتھ یکجا کر کے ایک عالمی دین بنانا چاہتے ہیں۔ یہ جدید فکر، کفر اور غلامی قبول کرنے کی راہ ہموار کرنے میں کوشاں ہے۔

اب علماء حق کی صورت میں ایک ایسی طاقت ہے جو اس فکری سیلاب کے سامنے آہنی دیوار بنی ہوئی ہے۔ جدید فکری راستے کو ہموار کرنے کے لئے ان کے گماشتوں کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ راستے کے اس اہم پتھر کو کسی نہ کسی طریقے سے ہٹاتے، سو انہوں نے علماء کو دنیا کے سامنے دہشت کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا۔ انہیں دقیانوس، رجعت پسند باور کرایا گیا تا کہ عوام الناس اور ان کے درمیان تنفر پیدا کیا جائے اور عوام اور ان کے درمیان کا صدیوں سے چلے آنے والا مذہبی و جذباتی رشتہ ختم ہو کے رہ جائے، باہمی اتحاد کی فضا نفرتوں میں بدل جائے اور اس طرح معاشرے کو راہنمائی کی وہ چھتری جو علماء کی صورت میں میسر تھی ہٹا دی جائے۔ مذکورہ بالا اقدامات سے ہی معاشرے کو مغرب کے ذہن کے تابع بنایا جاسکتا تھا تا کہ وہ اللہ کی بندگی سے نکل کر انسانوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ نظاموں کا غلام بن جائے اور یہ بات ان کیلئے اظہر من الشّمس ہے کہ مغربی فکر کے نفوذ میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو وہ علماء ہیں۔

مغرب، مسلمان معاشرے سے کٹ کرنہیں رہنا چاہتا بلکہ مسلمان معاشرے کواپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔مغرب چاہتا ہے کہ اس کا اثر ونفوذ قائم رکھنے کے لئے مسلمان معاشرے میں سیکولر فکر کے افراد کو آگے لایا جائے اورحکومت کی باگ ڈور سیکولر ہاتھوں میں ہو،تاکہ مسلمان معاشرہ مغرب کے لئے تر نوالہ ثابت ہو۔

مسلمان علماء،عوام الناس کو امریکہ اور اس کے حواریوں کا شکار بننے سے بچاتے ہیں اور انہیں اسلام کی پناہ میں لانے کے لئے مسلسل کوشش میں ہیں،لیکن افسوس جہاں علمائے حق کا جدت پسندوں سے ٹکراؤ ہے وہاں انہیں کچھ جاہل علماء کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہے۔مغرب اسی طبقہ علماء کو مثال بناتے ہوئے عوام الناس کو جدت پسندی کا یہ چہرہ دکھاتے ہیں۔یقیناً یہ طبقہ مغرب کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے پنیری کا کام کر رہا ہے۔مزید برآں مغرب، مسلمان معاشرے کی ہر خرابی، بُرائی جو اقتصادی بدحالی یا جہالت یا غلامی کی بنا پر ہو، اس کا الزام اسلام کی تشریح پر رکھ کر علماء کو مزید بدنام کرتے ہیں کہ علماء نے اسلام کو صحیح سمجھا نہیں اور آج مغرب والوں نے اسلام کی روح سمجھ لی ہے اور جدت پسند عوام الناس کو یہ بتاتے ہیں کہ درحقیقت ہم ہی تمہارے مخلص ہیں جو تمہیں ترقی کی طرف لے کر چلیں گے۔علمائے اسلام تو تمہیں غربت اور پسماندگی کا تحفہ دیں گے۔

ثبوت کے لیے نیلوفر بختیار[۹۰](سابقہ وفاقی وزیر برائے حقوق نسواں، اسلامی جمہوریہ پاکستان) کا اعلان ملاحظہ فرمائیے۔

پاکستان کی وفاقی وزیر نیلوفر بختیار خواتین کے حقوق کی جنگ کی سرگرم رکن ہیں اور پاکستان میں روشن خیالی اور جدت کی خواہاں ہیں۔لکھتی ہیں:

''میں پاکستان میں انتہا پسندی اور مولوی ازم کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھوں گی۔''[۹۱]

یہی وجہ ہے کہ اگر ہمیں کبھی کسی ایسے مباحثے میں بیٹھنے کا اتفاق ہو جو حقوق نسواں کی نئی اور اسلامی تعبیر کے درمیان ہو رہا ہو تو ہمیں یہ واضح معلوم ہو جائے گا کہ تعبیر نو کی فکر کا حملہ اسلامی معاشرے میں مردوں کے ظلم کا شکار ہونے والی

(۹۰) نیلوفر بختیار: پاکستان میں سیاحت کی وفاقی وزیر ہیں۔سیاسی وسماجی کارکن ہیں۔ترقی خواتین کے لیے کوشاں ہیں،فرانس میں ۱۰ اپریل ۲۰۰۷ کو ایک مرد کے ساتھ مل کر پیرا شوٹ کے ذریعے چھلانگ لگائی جس کی وجہ سے طبقہ علماء دین میں خاصی تنقید کا نشانہ بنی۔

(۹۱) نوائے وقت،(روزنامہ) لاہور،(رپورٹ) ۲۳ جون،۲۰۰۷ء،ص/۱۰

عورتوں کی تصویر پر ہوگا اور وہاں بھی تعبیر نو کی فکر ہمیشہ مغرب کی آزادی نسواں کو آزادی کی نیلم پری کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ آپ ان کے پیش کردہ البم میں کوئی ایک بھی ایسی تصویر نہ پائیں گے جو اسلام کے حقوق نسواں اور اسلام کی آزادی نسواں کی تصویر ہو یا مغرب میں عورتوں کے حقوق کی پامالی کی تصویر ہو یعنی ان کا مقصود اسلام کو سراسر الزام دینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

مسلمان معاشرہ مغرب کی خوراک ہے۔ خوراک سے ہر کوئی لگاؤ رکھتا ہے۔ مغربی اقوام کی صحت کا راز اچھی خوراک پر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا ایک حد تک اچھا ہونا ان کے مفاد میں ہے جس سے ان کا کام چلتا رہے۔ ان کا مسلمانوں سے لگاؤ ایسے ہی ہے جیسا کہ بلی چوہے سے لگاؤ رکھتی ہے۔ اگر آج دنیا میں مغرب کا قد اُونچا ہے تو فقط اس لئے کہ مغرب مسلمانوں کے کندھوں پر سوار ہے۔ مغرب مسلمانوں سے اتنا اُنس تو رکھتا ہے کہ مسلمان سیدھے کھڑے ہوں گے تو مغرب کا قد زیادہ اونچا ہوگا۔ اتنا پیار نہیں کرتا کہ مسلمان مغرب کو ہی للکارنے لگ جائیں۔ اس لئے مغرب کو سب سے بڑا خطرہ اس سے ہے جو مغرب کے ماتحت کھڑا ہونے سے انکار کردے اور وہ مشرق کا اسلام پسند ذہن ہے جو تمام عالم اسلام میں نمایاں ہے۔ جو اسلام کے تحفظ کی خاطر انگریزی زبان اور انگریزی کلچر سے نفرت کرتا ہے۔ جو اسلام اور مغرب کو دو الگ الگ نظریے شمار کرتا ہے۔ اسلامی ممالک میں سے پاکستان ایک ایسا ملک ہے جو دوقومی نظریے کی بنیاد پر بنا ہے۔ آج بھی اگر دنیا میں اسلامی معاشرے کو اپنا وجود بچانا ہے اور کچھ بننا ہے تو اس کو بھی دوقومی نظریہ ہی بچا سکتا ہے۔

آج عالمگیریت کے نام پر دنیا کی مادی طاقتیں اسلام دشمنی میں متحد ہوچکی ہیں، لیکن مسلمان کا متحد ہونا ان کے مفادات سے ٹکراتا ہے۔ اس لئے یہ کبھی بھی مسلمانوں کو متحد نہیں ہونے دیں گے۔ اس لئے ان کے نزدیک سب سے بڑا خطرہ وہاں ہے جہاں مسلمان اسلام کے نام پر اکٹھے ہوتے ہیں یعنی مسجد، مدرسہ یا کوئی دینی اجتماع یا کوئی دینی تحریک یا تنظیم۔ یہی وجہ ہے کہ آج اقوام عالم کڑی نظر رکھے ہوئے ہے کہ اسلام کے نام پر کوئی متحد نہ ہو۔

یوسف قرضاویؒ لکھتے ہیں:

''یہ عالمگیریت نہیں بلکہ خوفناک جہنمی ثالوث ہے جو اُمت مسلّمہ کے خلاف سازش جاری رکھے ہوئے ہے۔ جس طرح

کھانے کے دستر خوان پر لوگوں کو دعوت دے کر بلایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ ثالوث اپنی طاقتوں کو مسلمانوں کے خلاف بلاتا ہے کہ مل کر اور متحد ہو کر مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں۔ یہ ثالث یہودیت، صلیبیت اور شیوعیت کا ثالوث ہے یہ تینوں گروہ ہم مسلمانوں کے وجود کے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ غنیمت کی تقسیم پر ان تینوں نے اتفاق کر لیا اور یہ بھی طے کر لیا کہ مالی بوجھ ہم پر ہوگا، تاوان ہمیں دینا ہوگا بلکہ یہاں تک طے کر لیا ہے کہ یہ طاقتیں قصاب کا کردار ادا کریں گی اور ذبیحہ مسلمان ہوں گے۔ اب رہے ہمارے حکام تو یہ شطرنج کی بساط کے مہرے ہیں اور دنیا پر حکمران یہ خفیہ طاقتیں انہیں حرکت دیتی ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں۔ یہ آئے دن کے انقلابات اور تبدیلیاں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان ہی طاقتوں کا کھیل ہے، جسے یہ سیاسی سٹیج پر کھیلتی رہتی ہیں۔"(۹۲)

مسلمانوں کا تھوڑا تھوڑا تعلیم یافتہ ہونا ان کے مفاد میں ہے، تا کہ وہ ان کی زبان سمجھ سکے اور ان کے مفاد پورے کر سکے۔ اس لئے اکثر پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی سرپرستی مغرب کرتا ہے، لیکن اسلامی تعلیمی ادارے مغربی افکار کے فروغ کے لئے تباہ کن ہیں اس لئے وہ ان کے خلاف ہے۔

مغرب نے مسلمانوں پر ایک عرصہ سے اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کر رکھے ہیں اور اب اگر کھولے ہیں تو اعلیٰ تعلیم مغرب کی گود میں بیٹھ کر حاصل کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اسلامی معاشروں کے تعلیمی اداروں کی تعلیم، مغربی افکار سے ٹکراتی ہے۔ (اگرچہ اب کچھ زیادہ تفاوت نہیں رہا۔ اب وہ بھی مغرب کی زبان ہی سے بات کرتی ہے اور مغرب کی زبان ہی سے دیکھتی ہے) لہٰذا مقامی تعلیمی ادارے قابل اعتبار نہیں رہے۔

اب اعلیٰ تعلیم وہی ہوگی جسے مغرب کی سند حاصل ہوگی۔ نوکری بھی مغرب کی سند پر اچھی ملے گی۔ مقامی تعلیم پسماندگی اور غربت کے علاوہ کچھ نہیں۔ مغرب کو مسلمان معاشروں کے مزدور طبقہ سے پیار ہے جن کے پاس ذہن نہیں ہوتا صرف کام کرنے والے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جن کو مفادات کا علم نہیں اپنی آمدنی میں اضافے کا علم ہوتا ہے۔ جنہیں yes، yes کا پتہ ہوتا ہے No نہیں کرنا آتا، جن کے پاس بصارت ہوتی ہے، بصیرت نہیں۔ رہے عام لوگ جو عوام کا لانعام کے زمرے میں آتے ہیں۔ انہی میں وہ لوگ جو امریکی فوج کا سپاہی بن جانے پر کامیابی سے پھولے نہیں سماتے۔ اکبر الٰہ آبادی نے ان کے بارے میں کہا تھا:

(۹۲) اسلامی بیداری، انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں (مترجم)، ندوی، سلیمان، ترجمہ "الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف" از قرضاوی، یوسف، ص/۱۴۳

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا(۹۳)

عالمگیر حقوق نسواں کے نام پر مغرب کو مسلمان معاشروں کی عورتوں سے پیار ہے۔ عورت جو اپنی فطری نزاکت اور جذباتیت کی بنا پر زندگی کی تلخ حقیقتوں پر نظر ڈالنے کی بجائے رنگوں اور روشنیوں اور ظاہریت سے بہل جاتی ہے، ان کے لئے آزادیٔ نسواں کا نعرہ یقیناً مفید رہے گا۔ جس کے نتائج چادر (پردہ) و چار دیواری سے آزادی، مردوں کے تحفظ اور خاندان سے آزادی، معاش کی ضمانت اور مغرب کے لئے سستی لیبر کی صورت میں نکلے گا۔ ہوسکتا ہے ان باتوں میں کچھ مبالغہ بھی پایا جاتا ہو، لیکن یقینی طور پر اس میں کچھ سچائی بھی ہے۔ مختلف موقعوں پر اپنائی جانے والی پالیسیوں اور موقف سے اس کی تصدیق بھی ہوجاتی ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس نے بہت سے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی ہے کہ

''اسلامی بیداری کو ناکام بنانے اور تحریک اسلامی پر ضرب لگانے کی سازش میں ہمارے حکام اسلام دشمنوں کے ساتھ شریک ہیں تاکہ اسلام کا قافلہ نہ اپنی منزل پاسکے اور نہ دعوت اسلامی برگ و بار لاسکے۔ یہ حکام بظاہر قوم کے راہنما ہیں جو اپنے وطن کے لئے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن بباطن کرائے کے ایجنٹ ہیں۔ ان کا حملہ قوم کے دین پر ہوتا ہے اور ان کی تگ و دو دشمنوں کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔''(۹۴)

✵......✵......✵

مبحث ہفتم: تہذیبی افلاس

تحریک حقوق نسواں سے وابستہ خواتین کا کہنا یہ بھی ہے کہ:

اسلام پسند طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ہم آج سے ہزاروں سال قبل خیموں میں رہنے والی عورتوں کی سی زندگی گزاریں یا صحرا میں رہنے والے وحشی اور اجڈ بدوؤں کا انداز اختیار کریں۔ ان کی پیش کردہ تہذیب، جامد تہذیب ہے اور اس میں وقت کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں۔ جب تک ہم عورتوں کے اس تاریخی کردار سے کنارہ نہیں کرلیتیں آج کی

---

(۹۳) کلیاتِ اکبر، اکبر الہ آبادی، مرتب، خضر سلطان، رانا، بک ٹاک، میاں چیمبر، ۳، ٹیمپل روڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء: ج ۱/ص ۶۴۷

(۹۴) اسلامی بیداری، انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں (ترجمہ)، ندوی، سلیمان، ص ۱۴۴

ترقی یافتہ اور مہذب اقوام کی صف میں شامل نہیں ہوسکتیں۔ اسلام نے ہمارے لئے تفریح کے تمام دروازے بند کردیئے ہیں۔خوش لباسی پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ہمیں بدنما لباس پہننا ہے، بدنما اطوار اپنانے ہیں، ہم آزادانہ سفر نہیں کرسکتیں۔ گھر سے باہر کھیلوں میں حصہ نہیں لے سکتیں۔ میدانوں اور پارکوں میں نہیں گھوم سکتیں۔ گھر کے اندر موسیقی سے لطف اندوز نہیں ہوسکتیں۔عورتیں اپنی دوست نہیں بناسکتیں۔عورتیں ٹیلیفون پر اپنی دوستوں سے گپیں نہیں لگاسکتیں۔عورتیں نیٹ پر تفریح نہیں کرسکتیں، بازاروں میں نہیں جاسکتیں، اگر گھر سے باہر چلی جائیں تو کسی مرد سے ہم کلام نہیں ہوسکتیں۔کسی کے سامنے ہنس نہیں سکتیں۔کہیں اونچی آواز میں بات نہیں کرسکتیں۔ہم چلیں تو پاؤں دبا کر چلیں، تاکہ کہیں کسی مرد کا دل نہ کچلا جائے۔ہم بات کریں تو درشتگی سے کریں۔

ہمارے فیشن اور ناز و ادا کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ہم پر تعلیم کے دروازے بھی بند کردیئے گئے اور ہم سے کہا گیا ہے کہ ہمارے لئے صرف شوہر کی اطاعت اور بچوں کی خدمت ہے اور اتنی ہی تعلیم کافی ہے جو گھروں میں معمولی نوعیت کی ہوتی ہے۔ہمیں کہا گیا ہے کہ ہم سخت بنیں، جھوٹا موٹا کھائیں، صبر کے گھونٹ پئیں۔ پرانے کپڑے استعمال کریں تاکہ مردوں کے لئے فتنہ نہ بنیں۔ مردوں سے برابری نہ کریں یہ بے دینی کا جذبہ ہے۔ ہم زندگی میں جدوجہد کی بجائے کم سے کم پر گزارہ کرنے کی عادت اپنائیں۔مردوں سے بھی زیادہ کا مطالبہ نہ کریں اس کی بدولت حرام کے دروازے کھل جائیں گے۔

حقوق نسواں سے وابستہ خواتین وحضرات نے اسلام کو گنوار پن سے منسوب کرکے بے بنیاد الزام تراشی کی ہے۔وہ اسلام کی روح سے آگاہ نہیں۔اسلام کی پسماندہ معاشروں میں اسلام کی پراگندہ تصویر دیکھ کر اجڈ پن، درشتگی، خانہ بدوشی، وحشی پن اور گنوار پن کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں اور اسلام کی نفرت اپنے دلوں میں زیادہ کرتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ مسلمان معاشروں میں عورتوں کے ساتھ اکثر انتہائی توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔ ان پر تفریح اور جائز خواہشات کے دروازے بھی بند کردیئے جاتے ہیں اور ان کی زندگی کو قید خانہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کے کردار سے وابستہ غلط رجحانات ہیں جنہیں اسلام تحفظ فراہم نہیں کرتا۔اسلام عورتوں کی عصمت کے تحفظ کا ضامن ہے تو عورتوں کی نزاکت، نسوانیت، جذباتیت اور جمالیت کا بھی محافظ ہے۔اسلام عورت کو کھردرا نہیں بناتا۔

اسی لئے اسلام نے عورتوں پر معاش کا بوجھ بھی نہیں ڈالا۔ یہ بوجھ عورتوں پر مسلمان معاشروں کی جہالت نے ڈالے ہیں۔

سید محمد قطب شہیدؒ لکھتے ہیں:

''یہ اسلام پر قطعاً بے بنیاد الزام ہیں کہ وہ عورت کو غیر مہذب بناتا ہے جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان اعتراضات اور شبہات کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ اسلام پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جب یہ ترقی اور تہذیب کی راہ میں رکاوٹ بنا ہو۔ اسے خوامخواہ ترقی اور خوشی کی راہ میں سنگ گراں سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلام تو دیہاتی پن اور گنوار پن کا ناقد ہے۔ ﴿اَلاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا﴾(۹۵) یہ بدوی عرب کفر اور نفاق میں زیادہ ہیں۔ اگر آج مسلمان معاشروں نے گنوار پن کو اسلام سمجھا ہے تو وہ غلطی پر ہیں۔''(۹۶)

دوسری طرف تحریک حقوق نسواں سے وابستہ ذہن اسلامی معاشرے میں عورت کا مہذب کردار چاہتا ہے اور ان کے نزدیک مہذب کردار یہ ہے کہ عورت سیاست میں حصہ لے۔ پارلیمانی اداروں میں خواتین کی نمائندگی بڑھائی جائے۔ عورت کو گھریلو کردار سے نکال کر معاشی میدان فراہم کر کے مہذب بنایا جائے۔ عورت کو گھر سے نکال کر میڈیا کی زینت بنایا جائے۔(۹۷)

صدر جنرل پرویز مشرف پاکستانی معاشرے کے لئے ترقی پسند اسلام کے حوالے سے کہتے ہیں:

''پاکستانی معاشرے میں طالبان طرز کے اسلام کی کوئی جگہ نہیں۔ ایسے اسلام سے سارے منصوبے دھرے رہ جائیں گے۔ ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہئے جو عورتوں کو پسماندہ رکھے۔''(۹۸)

---

(۹۵) سورۃ التوبۃ: ۹/۹۷

(۹۶) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، (مترجم) کیانی، محمد سلیم، ترجمہ، '' شبھات حول الاسلام'' از محمد قطب، ص ۲۴۹

(۹۷) ''مقامی حکومت میں عورتوں کی بھرپور نمائندگی، متوازن، منصفانہ، جمہوری معاشرے کی نوید'' ''عورتوں کی شرکت کے بغیر جمہوریت ادھوری ہے۔'' ''مقامی حکومتوں میں عورتوں کی نمائندگی کی انتخابی مہم۔ ضلعی رابطہ کمیٹی سرگرمیاں، طریقہ کار اور لائحہ عمل'' یہ اور اسی نوعیت کے کتنے ہی کتابچے اور پمفلٹ جو عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کے دل کی آواز ہیں' اس پر شاہد ہیں کہ یہ طبقہ منصفانہ معاشرے کے قیام کے لیے عورت کی سیاست اور پارلیمانی زندگی کا انتہائی خواہاں ہے۔

"Women's rights in pakistan, Next steps forward" Published by INGAD.

(۹۸) پرویز مشرف کا کوہاٹ میں خطاب۔ نوائے وقت، (روز نامہ) ۱۱ جون ۲۰۰۳ء

مغربی میڈیا نے اسلام کے شعائر کو گنوار پن سے منسوب کیا ہے اور ہر اس بات کو تہذیب کی علامت گنوایا ہے جو مغرب میں ہے۔ اس کے ساتھ افغانستان میں طالبان نے عورتوں کی معاشرتی کیفیت کی جو تصویر کشی کی ہے' اسے طالبان کا نقطۂ نظر سمجھنے کی بجائے اسلام کا نقطۂ نظر سمجھا جاتا ہے۔

درحقیقت اسلامی معاشرے اپنے زوال اور مفلوک الحالی کے بعد ایک مثالی اسلامی ریاست کی تصویر پیش کرنے میں ناکام ہوگئے ہیں اور ان کی ناکامی ان کے خلاف آج سب سے بڑی دلیل ہے۔ آج ہمیں جہاں اپنے دشمنوں کی سازشوں کو سمجھنا ہے وہاں اپنی اصلاح بھی ضروری ہے۔

مغرب اس وقت عالم اسلام میں پائے جانے والے فکری ونظریاتی انتشار سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اس کے خیال میں اگر مسلم ممالک کے جدید ذہن کو ہمنوا بنالیا جائے، تو اسلامی تحریکوں کے آگے بند باندھنا آسان ہوگا۔ اس سے امریکہ کو مشرق وسطیٰ میں قدم جمانے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اس نے مہذب اسلام کی نئی تشریح کی ہے۔

"Support of "Civil Islam" Muslim civil society groups that advocate moderation and modernity is an essential component of an effective U.S. policy toward the muslim world- Assistance in efforts to develop cultural activities by secular and moderate muslim organization should be a prioreity." (۹۹)

''مہذب اسلام، کا مطلب ہے وہ سول سوسائٹی جو اعتدال پسند اور جدیدیت کی وکالت کرے، ان کی امداد کرنا امریکہ کی مسلم دنیا کے متعلق خارجہ پالیسی کا اہم جز ہے۔ سیکولر اور اعتدال پسند مسلم تنظیموں کی طرف سے ثقافتی سرگرمیوں کے لئے مدد کرنا ہماری ترجیح ہونی چاہیے جبکہ انتہا پسندوں کے لئے وسائل کا حصول ناممکن بنادیا جائے۔''

مذہب اسلام کی یہ تشریح امریکی افکار و اہداف اور مقاصد کا آئینہ ہے۔ جس میں آج کی مسلمان عورت اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔ وہ اندازہ لگا سکتی ہے کہ اس کے اسلامی کردار میں دراڑیں ڈالنے کے لئے کن عوامل کو بطور ہتھیار استعمال کیا جارہا ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں انگڑائیاں لیتی حقوق نسواں اور روشن خیالی کی لہر کا حقیقی سرچشمہ کہاں ہے۔ مسلم معاشرے میں خاندانی ونظریاتی قلعوں سے کھیلتی فتنہ گر ہوائیں کہاں سے آرہی

---

(۹۹) یہ امریکہ کے تھنک ٹینک "Rand" کی رپورٹ ہے۔ جو انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ www.Rand.org

ہیں اور پاکستان میں حقوق نسواں کی تہذیب اور این جی اوز کی سرپرستی جیسے انقلابی اقدامات کس اُفق سے طلوع ہو رہے ہیں۔

بدصورتی، بدنظمی، گنوار پن، وحشی پن، بربریت، اسلام سے وابستہ نہیں۔ یہ اسلام کی غلط تصویر ہے۔ جو مسلمان معاشرے آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور جس کی بدولت اسلام آج عورت کے لئے قید خانہ بن گیا، بجائے اس کے کہ وہ عورت کے عزت و شرف میں اضافہ کرتا، اس کے کردار کا حسن بنتا، اس کی اللہ سے محبت کی تصویر بنتا، غیر مسلم عورتوں کے لئے راہنما بنتا۔ یہ درحقیقت اسلام کی تصویر نہیں، ان معاشروں کی تصویر ہے جنھوں نے اپنی جہالت، غربت، پسماندگی، بیچارگی کے احساس کے بعد اُسے اسلام سے تعبیر کیا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر اسلام کی حقانیت کی چادر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اسلام کو اپنے اچھے کردار سے مضبوط کرنے کی بجائے، اسلام کے نام کی بدولت دنیا میں اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ گنوار پن اور وحشی پن، درحقیقت اسلام کی بُرائی نہیں، بلکہ اسلام کے ماننے والوں کی بُرائی ہے۔ انہوں نے اسلام کے نام کو اپنے لئے ڈھال بنا رکھا ہے اور اسلام کے نام پر اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

............*

مبحث ہشتم: اسلام کے نام پر پرانے عربی کلچر کی حمایت

حقوق نسواں کے داعویداروں کا کہنا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے معاشرتی ثقافت سے بحث نہیں کی اور جب اسلام آیا تو جس خطے میں اسلام کا چشمہ پھوٹا، اس خطے کی ثقافت جیسی تھی اسے ویسے ہی رہنے دیا۔ پس اس کے وہ پہلو جو اسلام کے خلاف تھے ان کو تبدیل کیا۔ یعنی اسلام نے نئی ثقافت کو جنم اور سابقہ ثقافت کو ختم نہیں کیا بلکہ پہلے سے موجود ثقافت سے صرف غیر اسلامی عناصر کو ختم کیا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ چہرے کا نقاب یا عورتوں کا دوپٹہ اوڑھنا شریعت کا حصہ نہیں بلکہ عربی ثقافت کا حصہ ہے۔ اسلام ثقافت کی رعایت کرتا ہے۔ اسلام نے ثقافت سے بحث نہیں کی۔ بلکہ اس وقت جو عورتیں فحاشی، عریانی کی راہ پر تھیں انہیں پردہ کی تلقین کی اور ان کے لئے حدود متعین کیں کہ وہ اپنے لباس کو باوقار بنائیں اور بے حیائی سے اجتناب کریں۔

حقوق نسواں کے داعیین کا کہنا ہے کہ علماء، اسلام کے نام پر پرانے عربی کلچر کو آج کی جدید عورت پر مسلط نہ

کریں۔ کلچر آج کا رہے گا۔ احکامات مجرد ''اسلام'' سے آئیں گے۔ اسلام صرف وہ قبول ہوگا جو ماضی اور تاریخ کے عربی کلچر سے کٹ کر آئے گا۔

ان کا کہنا ہے:

''اسلام نے کچھ اقدار وروایات کو باقی رکھا جو شرعی اصول سے متصادم نہیں تھیں اور وہ اقدار وروایات کا ذکر قرآن میں یا سنت رسولؐ میں موجود ہے۔ وہ شریعت کا حصہ ہیں۔ انہیں کلچر قرار دینا ضروری نہیں۔ البتہ جن امور کو صرف خاموشی کے ساتھ گوارا کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ عرب کلچر کی باتیں ہیں۔ جن سے اسلام نے تعرض نہیں کیا اور یہ صرف عرب کلچر کی بات نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی کلچر اور ثقافت کی وہ روایات واقدار جن کی نفی قرآن وسنت میں موجود نہیں۔ انہیں اسلامی معاشروں میں گوارا کیا جاسکتا ہے۔ وہ کلچر اور ثقافت کے نام پر اسلام کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔ پردہ عورتوں کے لئے شرعی حکم نہیں بلکہ کلچر کا حصہ ہے۔''(۱۰۰)

اس قسم کی آراء کا اظہار اب کئی جہتوں سے اٹھ رہا ہے اور اب یہ صرف طبقہ نسواں کی آواز نہیں ہے۔ اب یہ ایک باقاعدہ زاویہ فکر ہے جسے جدت کا عنوان دیا جا رہا ہے۔ جدت جہاں معاشرتی مباحث پر اثر انداز ہے وہاں مذہبی بحثوں کو بھی لپیٹ رہی ہے۔

دہلی سے راشد شاذ(۱۰۱) تعبیر نو کی حمایت میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید عربی مبین میں نازل ہوا ہے ایک ایسے صاف ستھرے شفاف اسلوب کو اختیار کرنے کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ ترسیل کی سطح پر یہاں کسی ابہام کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ اس لئے محض زبان اور ثقافت کی وجہ سے ایک عالمی کتاب پر اہل عرب کی اجارہ داری کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔ مختصراً یہ کہ اسلام کی صحرائی اٹھان کے باوجود صرف ثقافت اس کا جزو لاینفک نہیں ہے۔ جسے آسمانی پیغام کی طرح تقدس حاصل ہو۔﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاكُمْ﴾(۱۰۲) کی صدائے عام

---

(۱۰۰) ایک علمی وفکری مکالمہ، غامدی، جاوید احمد،ر زاہد الراشدی، ابوعمار رمعز احمد، رخورشید ندیم رفاروق خان، ڈاکٹر، ص ر۱۹۲

(۱۰۱) راشد شاذ: بین الاقوامی کونسل برائے اسلام کے مؤسس وسرپرست، مسلم مفکر اور دانشور ہیں۔ مستقبل میں اسلامی معاشرے کی تشکیل نو کے لئے راہنما خطوط پیش کرتے ہیں۔ فروغ دین میں آپ کی تجدیدی، اجتہادی اور احیائی کاوشیں ایک الگ حیثیت کی حامل ہیں۔ عوام کو اسلامی معاشرے کے تمدنی ارتقا اور مذہبی احیاء کا خواب دیتے ہیں۔ Future Islam آپ کی فکر کا نمائندہ مجلّہ ہے۔ 25 سے زائد اردو، عربی اور انگریزی تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

(http://www.futureislam.com/OnlineBooks/ReadonlineBooks01.asp)

(۱۰۲) سورۃ الحجرات: ۱۳/۴۹

اس بات سے عبارت ہے کہ مستقبل کا اسلامی معاشرہ عرب وعجم، سیاہ وسفید، نسب و رنگ کے امتیازات سے بالاتر ہوگا نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہوگی اور نہ ہی کسی خاص ثقافت کو اسلام کا اصل الاصل قالب گردانا جائے گا۔ بعض ثقافتی، تاریخی اور سیاسی عوامل کے سبب مسلم معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت کی نفی کی جاتی ہے۔ احکام حجاب کو ثقافت کا تابع کر دینے کی وجہ سے مسلم معاشرے کی آدھی قوت صدیوں سے کالعدم ہے۔ مختلف زمانوں میں فقہائے اسلام نے عورت کے دائرہ کار کے تعین اور حجاب سے متعلق جو راہنما خطوط تشکیل دیئے ہیں اسے وحی کی لازوال تعبیر کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ بسا اوقات یہ تعبیریں عہد رسول کی مدنی زندگی سے متصادم نظر آتی ہیں۔ عالمی سطح پر ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کا قیام عورتوں کو ان کے قرآنی حقوق لوٹائے بغیر ممکن نہ ہوگا۔''(۱۰۳)

مذہبی افکار کی ناقد حقوق نسواں کی نئی تعبیر پر مصر عورتیں موجودہ اسلامی ثقافت کو عورت دشمن سمجھتی ہیں، دیکھیے:

''عورت اور مذہب کو زیر بحث لانے کے لئے ضروری ہے کہ مذہب اور کلچر کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے معاملات میں جس چیز کو مذہبی تصورات اور رسوم کے نام سے بیان کیا جاتا ہے وہ ماسوائے اس کے کچھ نہیں ہوتیں کہ مذہبی کتابوں کی کسی مخصوص ماحول کے زیر اثر ایک تشریح ہوتی ہے۔ اس پہلو سے صرف نظر کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی دینی کتب کی مذہبی تفسیر کرتے وقت کلچر کے کردار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر ہم اسلام کے تناظر میں دیکھیں تو دوسرے بڑے مذاہب کی طرح صنفی مسائل کے حوالے سے تہذیبی رسوم نے مذہبی کتابوں (یعنی قرآن وحدیث) کی شرح و تفسیر کو متاثر کیا ہے، اگر ہم اسلامی فقہ وقانون پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو اس سے بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ سماجی مسائل کی تفہیم میں معاشرتی ماحول کس حد تک اثر انداز ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے ہماری روایتی تفاسیر میں خواتین کے مسئلے پر ایک پدر سرانہ اور مردانہ رویے کا غلبہ واضح دکھائی دیتا ہے۔''(۱۰۴)

طبقہ حقوق نسواں سے وابستہ مسلم ممالک کی خواتین بیک آواز کہتی ہیں کہ قرآن کے مردانہ تفسیری رجحانات سے تعلیم یافتہ جدید مسلمان عورتوں میں ناراضگی کا عنصر پیدا ہوا ہے۔ جس کے تحت وہ یہ خیال کرتی ہیں کہ عالم اسلام میں مردوں کی طرف سے جو سماجی تانا بانا بُنا گیا ہے وہ عورت کو ایک کمتر حیثیت دیتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتی ہیں کہ اسلام کو آزادی کے ہتھیار کی بجائے جبر کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ پدرسرانہ اقدار اور جبر پر مبنی سماجی روایات کو چیلنج کرنے کے لئے اپنی آواز بلند کریں گی جو اس وقت مسلمان معاشروں کی مشترکہ

(۱۰۳) دہلی پلیٹ فارم ۲۰۰۶ء بین الاقوامی کاؤنسل برائے اسلام، راشد شاذ، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص/۲

(۱۰۴) مسلم تحریک نسواں از حیفا جواد، ترجمہ خورشید احمد ندیم، ص/۳۶

آواز بن گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مآ خذ کی نئی تعبیر اور نئے مطالعے کے میدان میں زیادہ سے زیادہ خواتین آ گے آ رہی ہیں تا کہ وہ مسلمان معاشرے میں موجود جنسی امتیاز کو سمجھ سکیں اور اس حوالے سے اپنا کردار ادا کر سکیں۔ (۱۰۵)

راشد شاذ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید رہتی دنیا تک کے لئے کتاب ہدایت ہے۔ قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مفصل ہے کسی لمبی چوڑی تشریح و تعبیر کے امکان کی نفی کرتا ہے۔ خدا جو قادر مطلق ہے۔ وہ یقیناً بندوں کے مقابلے میں اظہار پر کہیں زیادہ قادر ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ عورتوں سے متعلق موجودہ تفسیری اور تعبیری ادب کو کلیدی اہمیت کا حامل سمجھا جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شان نزول کی غیر معتبر روایتوں میں وحی کے معنی کو مقید کرنے کی بجائے، قرآن مجید کو عصر حاضر کی وحی کے طور پر پڑھا جائے۔ 'بیان للناس' کا قرآنی دعویٰ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اسے کتاب ہدایت کی حیثیت سے پڑھنے اور برتنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ ایسا کرنا قرآن کی بنیاد پر ایک ہمہ گیر عوامی تحریک کو جنم دینے کا موجب ہوگا۔ اسلام جس نظام عدل، اخوت اور مساوات کا علم بردار ہے اس کی عملی تفسیر ایک ایسی فضا میں ہی ہوسکتی ہے جہاں انسان اور خدا کے درمیان کوئی انسانی ادارہ یا کسی مذہبی پیشوائی کو کوئی دخل نہ ہو۔ قرآن جس حریت فکر کا داعی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۱۰۶) کے جس فریضہ منصبی پر مامور بنایا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان خلوص نیت سے قرآن کی طرف لوٹیں۔ وہ قرآن کو اپنے لئے زیادہ قابل عمل، زیادہ آسان، زیادہ فراخ اور زیادہ قابل فخر پائیں گے۔'' (۱۰۷)

اسلام کسی کی جاگیر نہیں اور کسی کی اجارہ داری نہیں، جو شخص اسلام سے ہدایت کے حصول کے لئے رجوع کرے گا اسے ہدایت مل جائے گی اور جو اپنے نقطہ نظر کو مضبوط کرنے کے لئے قرآن سے استشہاد ڈھونڈے گا وہ کتاب ہدایت کا غلط استعمال کرے گا۔ قرآن اُسے ہدایت دینے کی بجائے گمراہ کردے گا۔ ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ (۱۰۸)

---

(۱۰۵) تحریک نسواں کے تاریخی تناظر، (بالخصوص مشرق وسطی) میں اس کو سمجھنے کے لئے دیکھیں۔

1:"Feminism and Feminist Movements in the Middle East" by L. Ahmed in Aziza Hibri.

2:"Women and Islam, Gendering the Middle East, Emerging perspectives" by D. Kandiyoti.

3:"Feminism and Nationalism in the third world" by K. Jayawardena.

(۱۰۶) سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۷

(۱۰۷) دہلی پلیٹ فارم ۲۰۰۶ء بین الاقوامی کاؤنسل برائے اسلام، راشد شاذ، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ۲/ (۱۰۸) سورۃ البقرہ: ۲/۱۴۲

مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کو دینی تاریخی ورثے سے بھی کاٹ دینا چاہتے جو اسلامی تعلیمات پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عروج کی حکایت بھی ہے' مسلمانوں کے اعتماد کو زندہ کرنے کا سبب بھی اور موجودہ اسلامی ثقافت کی مذہبی بنیاد بھی ہے۔ایسا کرنا مغربی سیاسی مقاصد کی تکمیل میں مد ہوگا اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں مسلمان اپنے مذہبی مقاصد کے ساتھ ساتھ اپنے دفاعی مقاصد کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

درحقیقت حقوق نسواں کی تعبیر نو کے دعویداروں کی خواہش یہ ہے کہ تہذیبی اقدار مغربی ہوں اور مذہب اسلام ہو اور اسلام کو اسلامی تہذیب سے جدا تصور کیا جائے۔ پھر اسے مغربی ذوق اور ذائقہ پر پیش کیا جائے۔اس طرح وہ اسلام کو نیا کریں گے۔

یہ رویہ مغربی رجحانات کو راہ دینے کا اور مغرب کو مسلمان معاشروں پر ترجیح دینے کا ہے جو مغربی استعمار کا نتیجہ ہے۔مغرب تو مشرق کو مغلوب کرنا اپنا حق سمجھتا ہی ہے۔کیا مشرقی مسلمانوں کو بھی مغرب کو ہی اپنا مقتدا اور مرجع تسلیم کر لینا چاہیے اور اپنی آزادی کو غلامی سے بدل لینا چاہیے۔اس لئے اسلامی فکر مغربی ثقافت سے اعراض کرتی ہے اور اسلام کے غلبے کی جدوجہد پر یقین رکھتی ہے۔آج کے اسلامی فکر کے دشمن دیگر ادیان نہیں ہیں بلکہ دیگر تہذیبیں ہیں جنھوں نے اسلامی تہذیب کے لئے خطرہ پیدا کر رکھا ہے۔آج کا مسلمان معاشرہ اپنا دین ہی نہیں اپنی تہذیب بچانے کی کوشش میں بھی لگا ہوا ہے۔

جہاں تک اسلام کی تشریح کو کلچرل رجحانات سے بچانے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔اسلام کسی بھی کلچر کی خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکتا ہے اور اپنی حقانیت کی بنا پر اس کو برائیوں سے پاک کر سکتا ہے بشرطیکہ مقصود اخلاص نیت ہو۔ ﴿أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾(۱۰۹)

عربی تہذیب وثقافت تاریخ انسانی میں اپنا فاتحانہ حصہ رقم کر چکی ہے اور مسلمانوں نے دنیا کے ایک کثیر حصے پر کافی عرصہ حکومت کی ہے۔مسلمانوں کا عروج اور فتح آج روبہ زوال ہیں۔

برصغیر پاک وہند کے مسلمان اپنے قومی و ملی احیاء کے لیے بہت سے چیلنجز سے برسرِ پیکار ہیں ایک طرف یہ

(۱۰۹)سورۃ الزمر:۳۹/۳

اپنے مسلمانوں کے انحطاط پذیر معاشرتی رویوں کی اصلاح چاہتے ہیں تو دوسری طرف مغرب سے مغلوبیت اور شکست کے خطرے سے دو چار ہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ استعماری جکڑ بندیاں شدید ہوتی جا رہی ہیں۔عرب ثقافت جس نے ایک وقت میں دنیا کے سینے پر اپنی کارکردگی کے تمغے سجائے تھے،آج انہیں راہنمائی ،مدد، ہمدردی اور پناہ دینے سے عاری ہے۔دل ان کے عرب ثقافتی طور طریقوں سے خوش ہوتے ہیں۔مسائل ان کے مغربی ثقافتی طرز اپنانے سے حل ہوتے ہیں۔

مسلمان اسلام کا احیا چاہتے ہیں اور قدیم عربی تابنا کیوں کو اپنی مثال بناتے ہیں۔ہمیں سیاستی و ثقافتی تصادم کی الجھنوں سے بچ کر طاہر اور مطہر اسلام کی طرف لوٹنا ہے۔سیاست تو اسلام میں ہے لیکن اسلام صرف سیاست میں مقید نہیں ہے۔اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے سیاسی حکمت عملیاں تو تشکیل دی جا سکتی ہیں لیکن سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اسلام میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (١١٠)

مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

﴿وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (١١١)

ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے وہ اسی کو رخ کرتا ہے،لہٰذا نیکیوں کے حصول میں سبقت کی راہ لو،تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو اکٹھا کر کے لے آئے گا۔

(١١٠) سورۃ البقرہ:١٤٢/٢

(١١١) سورۃ البقرۃ:١٤٨/٢

فصل دوم

عورتوں کے خلاف منفی رویے

مبحث اوّل: عورت دوسرے درجے کی شہری

حقوقِ نسواں کی تعبیرِ نو کرنے والوں کا یہ دعویٰ ہے کہ:

مسلمان علماءؒ مرد اور عورت میں مساوات کے مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک عورت دوسرے درجے کی شہری ہے اور دونوں کے حقوق یکساں نہیں ہیں۔(۱)

ترکی کے ضیاء گوئک الپ (۱۸۷۵-۱۹۲۴ء)(۲) نے اسی ذہن کو ایک نظم میں سمو دیا ہے۔ جسے ترکی معاشرہ میں بہت قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

"There is the woman my mother, my sister, my daughter.

It is she who calls up the most sacred emotion from the depth of my being.

There is my beloved, my moon and my stars;

It is she who teaches me to understand the poetry of life.

How could the holy law regard. These beautiful creations as contamptible?

Surely the learned have erred in the interpretation of Quran.

The foundation of the nation and of the state is family.

So long as the full worth of the woman is not realized , the life of the nation remains incomplete.

The up bringing of the family must correspond with justice.

Therefore equality is necessary in three things, in divorce, in separation and in inheritance.

So long as the woman is counted half the man in inheritance and one quarter of man

---

(۱)"Women of Pakistan" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.153

(۲) Zia Goek Alp جدید ترکی کا معاشرتی مفکر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہے۔ مصطفیٰ کمال اتاترک کے حامی اور (جمعیۃ الاتحاد والترقی) کی تنظیم کے بانی ہیں۔ اس نے سماجی فلسفہ اور عورت کو مساوات دلوانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بحوالہ "Modern Trends in Islam" by H-A-R Gibb, p.91

in marriage

neither the family nor the country will be raised up.

عورت کی وکالت کرتے ہوئے جدید ترکی کا یہ شاعر پرزور اسلوب میں کہتا ہے:

''اور پھر عورت میری ماں، میری بہن، میری بیٹی ہے۔

یہ عورت ہی تو ہے جس کی بدولت میری زندگی کی گہرائیوں سے مقدس ترین آرزوئیں بیدار ہوتی ہیں۔وہ میری محبوبہ ہے۔ میرا آفتاب، میرا مہتاب، اس نے مجھے زندگی سے آشنا کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقدس قانون اس حسین وجمیل مخلوق کو قابل نفرت ٹھہرائے۔علماء نے قرآن کی تفسیر وتعبیر میں ضرور ٹھوکر کھائی ہے۔

جب تک عورتوں کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوگا حیات ملّی نامکمل رہے گی۔خاندان کی عمارت کے لیے تین چیزوں میں مساوات لازمی ہے۔(۱) طلاق (۲) خلع (۳) وراثت۔

جب تک وراثت میں عورت کو مرد کا نصف اور شادی میں چوتھائی سمجھا جائے گا نہ تو ملک سربلند ہوسکتا ہے اور نہ خاندان۔''

وہ مزید کہتا ہے۔

''ہم نے دوسرے حقوق کے لئے عدالتیں قائم کررکھی ہیں لیکن گھریلو زندگی کی باگ دوڑ ابھی تک مذاہب فقہ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم نے عورتوں کو کس لئے بے بس بنا رکھا ہے۔کیا وہ ملک کی کوئی خدمت بجانہیں لاتیں یا پھر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی سوئی ایک تیز سنگین میں بدل جائے۔ وہ انقلاب برپا کردے اور اپنے حقوق ہمارے ہاتھوں سے چھین لے۔''(۳)

ترکی کے جدید فکری رجحان کی اہمیت ابھی تک برقرار ہے اور رفتہ رفتہ تمام مسلم ممالک ان ہی مسائل سے دوچار ہوتے جارہے ہیں۔ یہ آوازہ تمام مسلم دنیا میں مقبولیت حاصل کررہا ہے۔ اس کے پیچھے وہی اسلام کی کمتری اور مغربی نظریہ مساوات کی برتری کا ذہن کام کرتا ہے اور الزام اسلام پسند طبقے پر آتا ہے۔

فاروق خان لکھتے ہیں:

''یہ بات باعث افسوس ہے کہ بہت سے اسلامی معاشروں میں عورت کو دوسرے درجے کا مقام دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی

---

(۳) اس نظم کا حوالہ علامہ اقبالؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں بھی دیا ہے۔ ترجمہ سید نذیر نیازی، ص/۱۶۰، فکر اسلامی کی تشکیل نو، علامہ اقبالؒ کی شہرہ آفاق انگریزی خطبات کا ایک مطالعہ، ترجمہ: محمد عثمان، پروفیسر، سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۵ء، ص/۷۲

ایسی ہی صورت حال ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود پاکستان میں روشن خیال اعتدال پسندی کا بہت چرچا ہے۔ اس کے باوجود 'کاروکاری' اور 'غیرت' کے نام پر عورت کا قتل جاری ہے۔ عورت کو عام طور پر حقیقی سلامتی کے مسائل درپیش ہیں۔ کثرت ازدواج، غربت اور طلاق کے علاوہ بچوں کی نگہداشت کے معاملات میں اسے عدم مساوات کا سامنا ہے۔ ان امور کو صحیح اسلامی تناظر میں حل کرنے کی پوری کوشش کی جانی چاہئے۔ عورت کے انسانی حقوق کو یقینی بنانے کا راستہ مشکلات اور مسائل سے اٹا ہوا ہے۔ اگرچہ پاکستان کی حکومت اس کے لئے کام کر رہی ہے مگر اسے اسلام پسند طبقے کی طرف سے سخت نامساعد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مسلمانوں کو ترقی پسند ہونا پڑے گا۔ رواداری سے کام لینا ہوگا اور شدت پسندی کو ترک کرنا ہوگا۔''(۴)

انگریز مستشرق ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء-۱۸۷۶ء) نے قرآن مجید کے منتخب حصوں کا انگریزی ترجمہ تیار کیا تھا۔ یہ ترجمہ پہلی بار لندن سے ۱۸۴۳ء میں چھپا۔ اس ترجمہ کے ساتھ ایک دیباچہ شامل تھا۔ اس دیباچہ میں مترجم نے اسلامی تعلیمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کا تباہ کن پہلو عورت کو حقیر درجہ دینا ہے۔

"The fatal point in Islam is the degradation of women"(۵)

یہ بات اتنی عام ہوئی کہ ہر شخص اس کو دہرانے لگا۔ اس بیان پر اب تقریباً ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی تک لوگوں کے تصور میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ہندوستان کے سابق چیف جسٹس (انڈیا) مسٹر چندرا چوڑ نے محمد احمد۔شاہ بانو کیس ۱۹۸۵ء میں جو فیصلہ دیا ہے اس میں بھی اس بیان کو اس طرح بے تکلف دہرایا گیا ہے۔ جیسے کہ وہ کوئی مسلّمہ حقیقت ہو۔(۶)

تعبیر نو کے حامی مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ مغربی معاشرے تو عورت مرد کے درمیان مساویانہ حقوق کے قائل ہیں جبکہ اسلام عورتوں کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیتا ہے۔

---

(۴) عورت کا مقام و مرتبہ مذہبی اور بنیاد پرستانہ تصورات میں امتیاز فاروق خان، ڈاکٹر، ترجمہ: مرزا محمد الیاس، 'آئین' (ماہنامہ) دسمبر ۲۰۰۵ء، ج ۴۳/ ش ۱۲/ ص ۸۳-۸۴

(۵) "Selection from Kuran" Edward William Lane, London 1982. p.XC-(introduction).

(۶) خاتون اسلام، اسلامی شریعت میں عورت کا مقام اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل، وحیدالدین خان، مولانا، دارالتذکیر، رحمٰن سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱/

سوال یہ ہے کہ اگر اسلامی معاشرے میں عورت دوسرے درجے کا شہری ہے تو پھر اسلام میں پہلے درجے کا حامل کون ہے؟ کیا مرد پہلے درجے کا حامل ہے؟ جب کہ حقائق تو اس سے انکار کرتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ اسلام عورت و مرد کے درمیان چند بنیادی طبعی، نفسیاتی اور جسمانی اختلافات کی وجہ سے ان پر الگ الگ ایسی ذمہ داریاں ڈالتا ہے جو ان کی طبعی و فطری مزاج سے میل کھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تو مرد وعورت اسلام کی نگاہ میں برابر ہیں۔ اگر عورت کو غض بصر کا حکم ہے تو مرد بھی اس حکم کا پابند ہے، اگر عورت کو اپنے جسم کو مناسب طریقے سے چھپانے کا حکم ہے تو یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے۔ اگر عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے بے تکلفانہ ملنا ممنوع ہے، تو مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، اگر مرد اپنی پسند سے شادی کرسکتا ہے تو عورت بھی ایسا کرسکتی ہے، اگر مرد کسی مجبوری کے باعث اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرسکتا ہے تو عورت بھی خلع کا حق رکھتی ہے۔ اگر مرد اپنے مال کا مالک ہے، تو عورت بھی اپنی ملکیت میں پورا اور مکمل تصرف رکھتی ہے، اگر مرد نیکی وتقویٰ کی بدولت اجر وثواب کے اعلیٰ مدارج طے کرسکتا ہے تو عورت کے لئے بھی قرب الٰہی کا بلند مقام حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بیٹی حقوق میں بیٹوں کے برابر مقام رکھتی ہے، بہن ہونے کی حیثیت سے وہ بھائی کی طرح اپنے حقوق کی مستحق ہے۔ ماں ہونے کی حیثیت سے وہ باپ سے تین گنا زیادہ مقام رکھتی ہے، البتہ بیوی ہونے کی حیثیت سے مرد کو اس پر ایک درجہ زائد حاصل ہے۔ مگر وہ انتظامی معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے ہے نہ کہ عورت کو دوسرے درجے کا شہری قرار دینے کے لئے۔

تعبیر نو کے حامی افراد کا یہ دعوی غلط ہے کہ مغرب میں مرد اور عورت مساوی طور پر گھر کے سربراہ ہیں۔ مغرب میں بھی مرد ہی گھر کا حاکم ہے۔ مغربی معاشروں میں ایک طویل تحریک نسواں چلنے کے باوجود آج بھی گھر (ٹوٹے پھوٹے جیسے بھی ہیں) میں مرد ہی حاکم ہے۔ وہی اپنے گھر کی پالیسی طے کرتا ہے' پھر ملک کی پالیسیاں بھی مرد ہی طے کرتے ہیں۔ سول، فوج، ملازمتوں میں غرض ہر جگہ مرد ہی کا کنٹرول ہے۔ لہٰذا مغرب میں بھی خواتین اپنے نظریہ مساوات مردوزن کا نئے زاویوں سے جائزہ لینے پر مجبور ہوگئی ہیں، مگر ان کے نظریات میں ابھی تک ٹیڑھ موجود ہے۔ اب وہ ملازمت اور گھر دونوں میں اس طرح توازن پیدا کرنا چاہتی ہیں کہ اپنے مردوں کے ساتھ تصادم نہ ہو بلکہ ان کے ماتحت بن کر دونوں کام چلائیں۔ فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ وہ پہلے مردوں کو اپنا مدمقابل، فریق ثانی

سمجھتی تھیں اور اب ان کے ساتھ موافقت کرنا چاہتی ہیں، لیکن معاملات ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔ مرد خود ان کے مدمقابل اور حریف بن چکے ہیں۔(۷)

اس لئے یہ بحث کہ مرد افضل ہے کہ عورت؟ یا دونوں برابر ہیں، سرے سے غلط ہے۔ جہاں کہیں عورتوں نے فطرت کی عطا کی ہوئی ذمہ داریوں سے گریز کرتے ہوئے مرد بننا چاہا، چاہے سڑکوں پر گھومیں، ہوائی جہاز اڑائیں، جج اور وکیل بنیں، عمر بھر شادی نہ کریں، مرد کے مساوی بننے کے شوق میں مسلسل اپنے شوہروں کو طلاق دیتی چلی جائیں، جوانی سے قبر تک برتھ کنٹرول کرتی چلی جائیں، مرد بننے کے لئے جو کچھ چاہیں کریں، کوئی مرد ان پر رشک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ ان سب افعال سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہیں اور جس قدر وہ برتری کا اظہار کرتی ہیں' اسی حساب سے ان کے اندرونی احساس کمتری کا اندازہ ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا صحیح راہ یہی ہے کہ وہ مردوں کے ماتحت رہیں اور ان کے ساتھ موافقت سے اپنے معاملات چلائیں یعنی فطری ذمہ داریاں ادا کریں۔ چنانچہ اب مغرب کی دانشور خواتین جو خود کچھ عرصہ پہلے مساوات مرد وزن کے نظریہ کی شدت سے قائل تھیں، اپنے نظریات سے رجوع کرتے ہوئے خواتین کو گھروں میں واپس لوٹ آنے کے مشورے دے رہی ہیں۔

بے ٹی فریڈن (آزادی نسواں کی بہت بڑی علمبردار) نے ۱۹۶۳ء میں دی فیمینن مسٹک (The Feminine Mystique) نامی ایک کتاب لکھی تھی۔ اب خود ہی اپنے پرانے خیالات کی تردید میں اس نے ایک اور کتاب لکھی ہے: دوسری سٹیج (The Second Stage) اس میں وہ لکھتی ہیں:

''اب میں نے وہ سب کچھ سننا شروع کر دیا ہے جسے پہلے سننے کی میں روادار نہ تھی۔ اب میں ان عورتوں کے خوف اور ان کے احساسات کی آواز سننے لگی ہوں جو ہماری تحریک کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتی تھیں ...... اب عورت کی نجات کی تحریک کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا۔ ہم نے کچھ انقلابی نعرے دیئے تھے اور ان کا اثر بھی پڑا تھا۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں خاندان اور کیریئر کے درمیان توازن پیدا کریں ...... پہلے ہم کیریئر کو خاندان اور مادرانہ ذمہ داریوں پر

---

(۷) تفصیل کے لیے دیکھئے:

"Modern Women: The lost Sex" by Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham

"Abolitionists the family and marriage under attack" by Ronald Fletcher Routledge London and New york Ny 10001, First Edition, 1988.

ترجیح دیتے تھے......

اب وقت ہے کہ ہم ان نظریات سے رجوع کر لیں۔ مرد ہمارے محبوب ہیں، ہمارے ہمدرد، ہمارے معاون، ہمارے دوست، ہمارے بیٹے۔ ہاں! کبھی کبھی ہمارے دشمن بھی ہیں اور جو دشمن ہیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ مگر جو ہمارے ہمدرد اور غمگسار ہیں ان کے ساتھ مل کر ایک ایسے سماج، ایک ایسے ماحول اور ایسے نظام کو تشکیل دینا ہوگا جو سب کے لئے، مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے باعث رحمت ہو...... اب ہمیں وہ مرحلہ شروع کرنا ہوگا جو کیریئر اور گھریلو زندگی دونوں کی ضرورتوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے گا۔''(۸)

اسی طرح ایک اور خاتون جرمن گیریئر نے ۱۹۷۰ء میں کتاب (The Female Unique) مساوات مرد وزن کے حق میں لکھی، مگر یہی خاتون اپنی تازہ ترین کتاب (Sex and Destiny) میں اپنے پرانے نظریات سے رجوع کرتے ہوئے لکھتی ہے:

''وقت آ گیا ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟ ہمیں اپنے وجود کی بنیادی حقیقت کو پہچاننا اور نئے پیش آمدہ سوالوں کے جواب تلاش کرنے ہیں۔ ان نئے سوالوں اور بنیادی ضرورتوں کا تعلق عورت کی اپنی ذاتی شناخت، اس کے وقار اور خاندان کے ساتھ اس کے تعلقات سے ہے۔''(۹)

اس طرح اسلام مرد کو گھر کا حاکم بناتا ہے، گھر کی زیادہ ذمہ داریاں اس کے سر پر ڈالتا ہے اور عورت کے مادرانہ وظائف اور گھریلو ذمہ داریوں کو مستحسن نظروں سے دیکھتا ہے۔ عورت کو عورت کی حیثیت سے معاشرے میں عزت، وقار اور احترام دیتا ہے۔ اس کے ناموس کو تحفظ دیتا ہے جبکہ یہ جدید مغربی خواتین مردوں کو گھر میں حاکم سمجھنے پر بھی اپنے آپ کو مجبور پا رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں دوگنا کام بھی کر رہی ہیں جبکہ ان کی عفت وعصمت کے آبگینے بھی چور چور ہو رہے ہیں، معاشرے میں عزت و وقار بھی نہیں رہا۔ تو پھر کیا مسلمان خواتین کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے احسانات پر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں اور برضا و رغبت اپنے مالک کے دیئے ہوئے عائلی نظام کے مطابق شوہروں کی قدر کرتے ہوئے مادرانہ وظائف اور خانگی ذمہ داریاں ادا کریں۔

طویل تجربے نے یہ بات ثابت کر دی کہ عورت اور مرد پیدائشی طور پر یکساں نہیں۔ اس لئے دونوں کو یکساں فرض

(۸)"The Feminine Mystique" by Betty Friedan, p.50

(۹)"Sex and Destiny, The politics of Human Fertility" by Jermain Greer, p.88

کر کے جو سماج بنایا جائے وہ لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔

وحید الدین خان عورت کو کمتر سمجھنے کے تصور کے ناقد ہیں، لکھتے ہیں:

''عورت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کو درجہ گرانے سے تعبیر کرنا اصل میں بات کو بگاڑ کر پیش کرنا ہے۔ عورت کے بارے میں اسلام کا کہنا یہ نہیں کہ وہ مرد سے کم ہے۔ اسلام کا کہنا صرف یہ ہے کہ عورت مرد سے مختلف ہے۔ یہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فرق کا معاملہ ہے نہ کہ ایک کے مقابلہ میں دوسرے کے بہتر ہونے کا "No Better but different" عورت اور مرد کے بارے میں اسلام میں جو قوانین ہیں وہ سب اس اصولی حقیقت پر مبنی ہیں کہ عورت اور مرد الگ الگ صنفیں (Sex) ہیں۔ تخلیقی اور حیاتیاتی اعتبار سے دونوں کے اندر واضح فرق پائے جاتے ہیں، لیکن یہ فرق کسی کو کلی طور پر افضل نہیں کرتے۔''(۱۰)

اصل بات یہ ہے کہ عورت اور مرد میں فطری صلاحیتوں کے زبردست نوعی اختلافات ہیں۔ ان دونوں کو مساوی حیثیت دینا اپنے اندر ایک حیاتیاتی تضاد رکھتا ہے۔ ڈاکٹر الکسس کیرل عورت اور مرد کے فعلیاتی (Physiological) فرق کو بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

''مرد اور عورت کا فرق محض جنسی اعضا کی خاص شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلیم ہی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلافات بنیادی قسم کے ہیں، خود نسیجوں کی بناوٹ اور پورے نظام جسمانی کے اندر خاص کیمیائی مادے جو خصیۃ الرحم سے مترشح ہوتے رہتے ہیں، ان اختلافات کا حقیقی باعث ہیں۔ صنف نازک کی ترقی کے حامی ان بنیادی حقیقتوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جنسوں کو ایک ہی قسم کی تعلیم، ایک ہی قسم کے اختیارات اور ایک ہی قسم کی ذمہ داریاں ملنی چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت، مرد سے بالکل ہی مختلف ہے۔ اس کے جسم کے ہر ایک خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے۔ اس کے اعضا اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ فعلیاتی قوانین (Physiological Laws) اتنے ہی اٹل ہیں جتنے کہ فلکیات (Sidereal world) کے قوانین اٹل ہیں۔ انسانی آرزوؤں سے ان کو بدلا نہیں جاسکتا۔ ہم ان کو اسی طرح ماننے پر مجبور ہیں جس طرح وہ پائے جاتے ہیں۔ عورتوں کو چاہئے کہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں اور مردوں کی نقالی کرنے کی کوشش نہ کریں۔''(۱۱)

---

(۱۰) خاتون اسلام، اسلامی شریعت میں عورت کا مقام، اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل، از وحید الدین، خان، ص ۳۴؍

(۱۱) Man the Unknown, by Dr Alkasis p.93 بحوالہ علم جدید کا چیلنج از وحید الدین، خان، ص ۲۶۲؍......

ڈاکٹر الکسیس کاریل حیاتیات کے میدان میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی دنیا آپ کی رائے پر اعتماد کرتی ہے۔ ڈاکٹر الکسیس کاریل (Carel 1873-1944) فرانس کے شہر لیون میں پیدا ہوئے۔ لیون سے ڈاکٹری اور ویجون سے سائنسی علوم میں ڈگری لی۔ =

وحیدالدین خان لکھتے ہیں:

''عملی تجربہ بھی اس فرق کی تصدیق کررہا ہے۔ چنانچہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اب تک عورت کو مرد کے برابر درجہ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ وہ شعبے جو خاص طور پر عورتوں کے شعبے سمجھے جاتے ہیں، وہاں بھی مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ میری مراد فلمی ادارے سے ہے۔ نہ صرف یہ کہ فلمی اداروں کی تنظیم تمام تر مردوں کے ہاتھ میں ہے بلکہ اداکاری کے اعتبار سے بھی مرد کی اہمیت عورت سے زیادہ ہے۔ چنانچہ آج ایک مشہور ترین فلم ایکٹر ایک فلم کے لئے چھ لاکھ روپے لیتا ہے جب کہ مشہور ترین فلم ایکٹریس کو چار لاکھ روپے ملتے ہیں۔مگر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے اگر ہم طبیعی اور فلکیاتی قوانین کو تسلیم نہ کریں اور ان کے خلاف چلنا شروع کردیں تو یہ صرف ایک واقعہ کا انکار ہی نہیں ہوگا بلکہ ہمارا سر بھی ٹوٹ جائے گا۔اسی طرح عورت اور مرد کی جداگانہ حیثیت کو نظر انداز کرکے انسان نے جو نظام بنایا' اس نے تمدن کے اندر زبردست خرابیاں پیدا کردیں۔مثال کے طور پر اس غلط فلسفے کی وجہ سے دونوں صنفوں کے درمیان جو آزادانہ اختلاط پیدا ہوا ہے' اس نے جدید سوسائٹی میں نہ صرف عصمت کا وجود باقی نہیں رکھا' بلکہ ساری نوجوان نسل کو طرح طرح کی اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے۔''(۱۲)

اسلام مرد و عورت میں حقارت اور فضیلت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ دونوں انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کا مسلمان معاشرہ اصل اسلام کی سچی تعبیر نہیں ہے۔اگر اس فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے طبقہ حقوق نسواں کی تنقید کو بے جا شمار کیا جائے گا تو یقیناً انصاف تک رسائی مشکل ہو جائے گی۔انصاف کے تقاضوں کے حصول کے لیے مسلمانوں کو اپنی زندگی میں عورت کو اس کا جائز مقام دلوانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اسلام اس کا انکار نہیں کرتا۔

............*

= کئی سال تک ویجون یونیورسٹی میں تدریس کے بعد امریکہ چلے گئے اور نیویارک میں علمی تحقیقات میں مصروف ہوگئے۔ یہاں تقریباً ۳۰ سال کام کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں فرانسیسی وزارت صحت میں جنگ سے متعلق ایک اہم مہم پر فائز کئے گئے۔انہوں نے فرانس، برطانیہ اور امریکہ کی افواج میں ایک جراح کی حیثیت سے کام کیا۔آپ کو گرانقدر طبی خدمات کے صلہ میں ۱۹۱۲ء میں نوبل پرائز دیا گیا۔اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل از محمد قطب، سید، مترجم، ساجد الرحمٰن، صدیقی، ص ۵

(۱۲)علم جدید کا چیلنج از وحیدالدین خان، ص ۲۶۱-۲۶۲

مبحث دوم: عورتوں کے خلاف تعصّب

تحریک حقوق نسواں کی فکر عصر حاضر میں قانون شریعت سے متفق نہیں ہے۔ان کا موقف ہے کہ:

''ہمارے قوانین شریعت مردوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان میں مردوں کو ہر حال میں بالا دست رکھا گیا ہے اور عورت بیچاری کو کچل دیا گیا ہے۔مردوں کی فطرت ہی ایسی ہے کہ یہ اپنے آپ کو بالا دست رکھنا چاہتے ہیں۔عورت کو اپنا محکوم ومغلوب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اسے مردوں کا حیوانی جبلی تقاضا نہیں سمجھتے کیونکہ حیوانوں نے مادہ کے بارے میں ایسی جبلت کا اظہار نہیں کیا۔حیوانی جبلت کے علاوہ جن خصوصیات کو انسانی فطرت کہا جاتا ہے وہ درحقیقت وراثت، ماحول، تعلیم وتربیت وغیرہ کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا چونکہ ہمارے مروجہ قوانین مردوں نے بنائے تھے ان میں عورت کو اس درجہ پست حیثیت دی گئی ہے۔اس کے بجائے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ چونکہ یہ قوانین اس ماحول میں بنے تھے جس میں عدل کی بجائے استبداد کا دور دورہ تھا اور عورت کو بنگاہ نفرت دیکھا جاتا تھا اس لئے ان قوانین وتصورات کی رُو سے عورت کی حیثیت مغلوب ومحکوم اور ذلیل وحقیر ہی قرار پاگئی۔عورت کے معاملے میں استبداد کے علاوہ مردوں کے دل میں نفرت اور حقارت کے جذبات بھی موجزن تھے۔''(۱۳)

تحریک حقوق نسواں کی فکر آج اس تعلیم سے غیر مطمئن ہے جو اسلام پسند ذہن عورتوں کو دین اسلام کے نام پر دیتے ہیں۔اُن کا یہ کہنا ہے کہ:

''اس تعلیم پر عمل کرنے کی بدولت وہ حق کو نہیں پاتیں بلکہ حق سے دور ہوجاتی ہیں۔ یہ علم ہمیں حق کی دعوت دینے کی بجائے جہالت اور قدامت پرستی کا سبق دیتا ہے۔ یہ علم' دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ جہالت اور غلامی کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علماء کے دیئے ہوئے سبق پر ایمان رکھنے والا طبقہ جاہل، رجعت پسند اور کاہل ہے۔جنہیں حق کی تلاش سے کوئی مطلب نہیں۔''(۱۴)

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ

آج برقعہ نیکی کی نہیں عورتوں کی ذہنی پسماندگی اور مردوں کی تنگ نظری کی علامت ہے۔تعدد ازواج، عفت و عصمت کی حفاظت نہیں مردانہ جبر اور مردانہ شہوت پرستی کی علامت ہے۔آج عورتوں کا گھروں سے بھاگ جانا اور خاندان کے حلقہ وفا کو توڑ دینا، یاری دوستی اور معاشقے کا نہیں بلکہ خاندان میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے اور گھر کے

(۱۳) طاہرہ کے نام خطوط، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵۔B، گلبرگ، لاہور، طبع چہارم، ۱۹۷۹ء، ص/۲۱-۲۳

(۱۴) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، (انٹرویو) از عاصمہ جہانگیر، ص/۲۸۳

مردوں کے ناجائز جبر سے آزادی چاہنے کی خواہش کا اظہار ہے۔(۱۵)

طالبان کے دورعروج نے افغانستان اور پاکستان میں عورت کی جو تصویر کشی کی ہے وہ عورت کی ترقی اور خوشحالی کی نہیں قیداور سختی کی داستان ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ آج کے دور میں جاہلیت اور عدم مساوات اور غلامانہ اطاعت جیسے منفی رویوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ آج کا دور علم وعمل، مساوات، انصاف اورنسوانی مسائل کے بروقت حل پرزور دیتا ہے۔ ہمیں عورتوں کے بارے میں اپنے رویوں کو مثبت اور تعمیری کرنا ہوگا۔(۱۶)

امریکہ میں منعقد ہونے والی مسلمان خواتین کی ایک بین الاقوامی کانفرنس جس میں امریکہ میں رہنے والی کثیر مسلمان عورتوں نے شرکت کی اور آپ کے لیے نئے محاذ عمل تشکیل دیئے اور مجموعی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا وہ یہ تھے۔

''ہمیں صدیوں تک پھیلی ہوئی غلط قرآنی تاویلات کے خلاف جنگ کرنا ہوگی۔ اس کے لئے عورتوں کو اپنی الگ تنظیم بنانے کی ضرورت ہے۔ جو خاص طور پر تعلیم وتحقیق کا کام کر سکے۔ ہمیں ایک ایسا مذہبی ادارہ یا سکول آف Theology بھی قائم کرنا ہوگا جو قرآن کی تعبیر وتشریح میں مرد اور عورت کے درمیان انصاف کا پلڑا برابر رکھ سکے۔''(۱۷)

اکثر خواتین نے یہ کہا کہ

''ہمیں قرآن کے الفاظ کی بجائے قرآن کی تعبیر وتشریح کو زیادہ اہمیت دینا ہوگا۔''(۱۸)

وہ سب کی سب روایتی مسلمان معاشروں میں عورت کی حیثیت سے متفق نہیں ہیں اورعورت کی حیثیت کو غلامی سے تعبیر کرتی ہیں، لیکن دوسری طرف وہ مغرب میں پلنے والے Feminism کے تصورات سے بھی غیر مطمئن ہیں اور انہیں بھی مسلمان معاشروں کے لئے خطرہ قرار دیتی ہیں اور وہ Feminism کا متبادل تلاش کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔''

حقوق نسواں کی تعبیر نو اسی نوعیت کا ایک کام ہے۔ جسے انہوں نے اب قرآنی آواز کا نام دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ
''ان تفسیروں کو صرف مردوں اور وہ بھی رجعت پسند مردوں نے لکھا ہے۔ ملاّ قرآن کو ہمارے خلاف استعمال کر رہا ہے۔

(۱۵) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، (انٹرویو) از عاصمہ جہانگیر، ص ۲۷/۷

(۱۶) ایضاً

(۱۷) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص ۱۱۱/
(۱۸) ایضاً

لیکن ہم بھی اسی بساط پر ان کے مہروں سے انہیں شکست دیں گے۔''(۱۹)

بعض عورتوں کا نقطہ نظر مردوں کے خلاف انتہائی متشددانہ ہے لیکن بعض مردوں کو الزام نہیں دیتیں اور کہتی ہیں:

''ہم قرآن کی تشریح وتعبیر صرف اپنے مفادات اور مقاصد کے حصول کے لیے نہیں چاہتیں۔ ہم اسلام کی اصل اور سچی روح تلاش کر رہی ہیں۔ ہمارا یہ عمل جاری رہے گا اور عورت کو نئے شعور کی روشنی سے منور کردے گا۔''(۲۰)

بے نظیر بھٹو(۲۱) نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار ریڈکلف کالج (کیمبرج) میں سو سے زائد مسلمان عورتوں کے ایک بین الاقوامی مباحثے منعقدہ اپریل ۱۹۸۵ء میں اپنے لیکچر کے دوران کیا۔ وہ کہتی ہیں:

''قرآن نے تو عورت کو کمتر حیثیت نہیں دی پھر کیا وجہ ہے کہ آج کے مسلم معاشروں میں عورت کے حقوق کا ذکر اس قدر نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیے۔ ہم مسلمان معاشروں میں عورت کو اس مقام پر نہیں دیکھتے جس مقام پر پہنچنا ان کا حق ہے۔ آخر عورتوں کو الگ تھلگ کیوں کردیا گیا ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ عورتوں کو جائز حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔''(۲۲)

پھر وہ خود ہی اپنے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرماتی ہیں۔

''اسلام اصولی طور پر ایک مساوات پسند مذہب ہے۔ قرآن جو اسلامی روایات اور اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ عورت اور مرد میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ یہ تو کسی ملک...... خاص طور پر اسلامی ملکوں میں پائے جانے والے مخصوص سیاسی نظریات ہیں جو قرآن کی رجعت پسندانہ تعبیر وتشریح کے علمبردار ہیں اور اسی انداز سیاست کی بدولت عورت کے خلاف امتیازی سلوک کے فلسفے کو ہوا دی گئی ہے۔ عورت پر پابندیاں عائد کرنے یا اسے امتیازی سلوک کا نشانہ بنانے کی ذمہ داری قرآن پر عائد نہیں ہوتی' اس کا ذمہ دار صرف مرد ہے۔''(۲۳)

حقوق نسواں کا جدید فکر جن حقائق کی نشاندہی کررہا ہے' اس سے پہلو تہی کرنا اور انہیں جھوٹا قرار دینا فائدہ سے خالی ہوگا۔ یہ سوچ اگر علما کے روایتی انداز فکر کو جہالت اور عورتوں کے حق میں ان کی طرف سے کی جانے والی تفسیر کو تشدد اور قید سے تعبیر کرتی ہے تو مسلمان مردوں کو یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ انہوں نے عورتوں کو نہیں بتایا کہ آج کے

---

(۱۹) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر ص/۱۱۱ (۲۰) ایضاً

(۲۱) سابق وزیراعظم پاکستان' مغرب کی پروردہ پاکستانی نژاد مسلمان خاتون ہیں۔ عورت کی حیثیت کو مغرب اور اسلامی معاشروں کے تناظر میں دیکھنے کے بعد عورت کی جرات مندانہ آزادی کی علامت ہیں۔ (آپ کو ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کو ایک جلسے میں قتل کردیا گیا۔)

(۲۲) کیا عورت آدھی ہے؟، وارث میر، پروفیسر ص/۱۰۰

(۲۳) ایضاً

اس ترقی یافتہ دور میں اسلامی تعلیمات کو عصر حاضر کے ساتھ کیسے ہم آہنگ کر کے چلنا ہے۔ جدید فکر نے اسلام پسند طبقے پر اعتراض کیا کہ وہ عورتوں کی ترقی کے مخالف ہیں اور مسلمان مردوں نے اسے ثابت کر کے دکھایا کہ وہ واقعی عورتوں کو تعمیری کاموں میں مصروف کرنے کی بجائے عورت کو اپنی بندگی اور اطاعت کا درس شدومد سے دیتے ہیں جبکہ اسلام نے عورت کو ذلت اور رسوائی کے مقام سے نکال کر اسے اس کے حقوق و مراعات سے نوازا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"كنا نتقى الكلام والانبساط إلى نساء نا على عهد النبى هيبة أن ينزل فينا شيئ فلما توفى النبى تكلمنا وانبسطنا"(۲۴)

''نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم اپنی عورتوں سے گفتگو کر کے اور بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نہ نازل ہوجائے۔ جب نبی ﷺ کا انتقال ہوگیا تو ہم ان کے ساتھ بے تکلف رہنے لگے۔''

ہمارے مسلمان معاشروں میں جہالت کی بنا پر بہت سی ایسی باتیں عام ہیں جو دین اسلام کی تعلیمات نہیں ہیں۔علاوہ ازیں قرآن وسنت سے استدلال کرنے والے ایک طبقے کی علمی حالت بھی مایوس کن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر رسوخ فی العلم نہ رکھنے والے علماء کی بدولت' دین اسلام اور علماء دونوں بدنام ہوتے ہیں۔ یہ کم فہم علماء اسلامی سرمایہ کتب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین اسلام میں عورتوں کی حیثیت نہایت ہی کم تر ہے۔ اس کے بعد اسلامی تعلیمات سے ناواقف، جاہل مرد، عورت کو اپاہج، معذور اور ناقص العقل ثابت کرنے کے لئے شریعت کا سہارا لیتا ہے۔ اسطرح مرد حاکم بن بیٹھتا ہے اور زندگی کے ہر میدان میں اپنی بالادستی منواتا ہے اور عورت کا کام محض ہر کام کو برداشت کرنا اور صرف سہنا رہ جاتا ہے۔یہی جاہل مرد عورتوں میں تازگی نہ پانے کی بدولت دوسری شادی کا راگ الاپنا شروع کرتا ہے۔ اس راگ سے اس کی مراد' عورت کی قید اور اپنی آزادی ثابت کر کے اپنی حاکمیت منوانا یا دنیا میں نئے اُفق کی تلاش میں ایک نچڑی ہوئی (عورت جو بچوں سمیت اب ایک بوجھ ہے) سے جان چھڑانا ہوتا ہے۔

تحریک حقوق نسواں سے وابستہ تعلیم یافتہ مسلمان عورتوں میں جاہل مسلمانوں کی یہ تشریح مذہبی علماء سے ناراضگی کا

(۲۴) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء رقم الحدیث:۵۱۸۷؛ ابن ماجہ، باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ، رقم الحدیث:۱۶۳۲

عنصر پیدا کرتی ہے۔ جس کے تحت وہ یہ خیال کرتی ہیں کہ عالم اسلام میں مرد کی طرف سے جو سماجی تانا بانا بُنا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو کمتر حیثیت دی جائے۔ وہ یہ خیال کرتی ہیں کہ اسلام کو آزادی کے ہتھیار کی بجائے جبر کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔(۲۵)

عبدالحلیم ابوشقہ (۲۶) عورتوں کے حقوق سے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کہ جتنا میں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ؐ کے عہد کا مطالعہ کیا ہے اس کے نتیجے میں یہاں پہنچا ہوں کہ جو کچھ آج ہماری نظر عورتوں کے حقوق سے متعلق دیکھتی ہے یا تشریح کرتی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے متضاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج عورتوں کی اکثریت اسلام سے دور ہے۔ اسی لئے میں نے اسے اپنا فرض سمجھا ہے کہ میں عورتوں کے حقوق سے متعلق ان خامیوں کی نشاندہی کروں جو کہ اصل میں جاہلیت سے وابستہ ہیں لیکن انہیں اسلام سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔''(۲۷)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی میں اسلام سے وابستہ عورتوں کی تشریح نے عورتوں میں غیر اطمینانی کی کیفیت پیدا کی ہے۔ اس غیر اطمینان کیفیت نے انہیں خود شریعت کے مطالعہ کی طرف مجبور کیا ہے اور اب عورتیں زیادہ جوش اور جذبے سے اسلام کی تشریح کے میدان میں داخل ہورہی ہیں۔''(۲۸)

عبدالحلیم ابوشقہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام عورتوں کے مخصوص مسائل کی رعایت رکھتا ہے۔(۲۹)

آج ذرائع ووسائل کی جدید ایجادات نے زندگی کا گزران آسان بنا دیا ہے اور عصر حاضر کی نت نئی ایجادات

---

(۲۵) دیکھئے: مسلم تحریک نسواں از حیفا جواد۔ ترجمہ خورشید احمد، ندیم، ص ۳۷

(۲۶) عبدالحلیم ابوشقہ: نامور مصری سکالر، عالم اسلام کے ممتاز مفکر اور شہرہ آفاق کتاب'' تحرير المراة فی عصر الرسالة ''کے مؤلف ہیں۔ آپ کی کتاب ۴ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا جاچکا ہے۔

(http://www.biblioislam.net/ar/Scholar/Card.aspx?ID=22&UICollectionID=19)

(۲۷) ''تحرير المرأة فی عصر الرساله'' از عبدالحلیم ابوشقہ۔ بحوالہ Helen "The Muslim concept of Law" Afshar یہ ہیلن افشر کے مقالے کا عنوان ہے، جسے میایمانی نے مدون کیا۔ میایمانی کی تدوین کا نام "Islam & Feminism" ہے۔

An analysis of Political strategies" Edited by Mia Yaumani, p.2

(۲۸) ایضاً، ص ۸۹ (۲۹) ایضاً، ص ۸۹

وانکشافات جہاں زندگی کی سہولیات پیدا کرنے کا موجب بنیں وہاں انہوں نے بہت سے مسائل کو بھی جنم دیا ہے۔علمائے اسلام کو ان مسائل کے حل میں راہنمائی بہم پہنچانی چاہیے تھی، جس سے وہ قاصر رہے اور انہوں نے بدلتے ہوئے حالات کو نظر انداز کر کے اسلامی تعلیمات کو اس کی روح اور مقاصد سے ہم آہنگ کیے بغیر چلانے کی کوشش کی جسے مسلمانوں نے بالعموم اور طبقہ حقوق نسواں نے بالخصوص قبول نہ کیا اور آج عورتوں کی اکثریت اسلام سے دور ہے اور عورتوں کے مسائل کی قدیم تشریح سے غیر مطمئن ہے جس کا اطلاق جدید دور میں ایک مشکل امر بن گیا ہے۔

............*

مبحث سوم: عصمت کے دوہرے معیار

طبقہ حقوق نسواں کا دعویٰ ہے کہ مسلمان معاشروں میں عصمت کے دوہرے معیار ہیں۔ جو مردوں کے لئے کچھ اور ہیں اور عورتوں کے لئے کچھ اور، عورتوں کا تو گھر سے باہر قدم نکالنا، کھڑکی سے جھانکنا، چھت پر جانا، زینت کا شوق کرنا، کردار کی برائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر کنواری لڑکی کے متعلق کوئی بے بنیاد بات بھی عام ہو جائے تو وہ ساری عمر کے لئے مردود قرار پاتی ہے اور اسے کوئی شریف گھرانہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن مردوں کے لئے آزاد منش ہونا، آدھی رات تک باہر رہنا، گندی دوستیاں رکھنا، مرد کی شرافت پر کوئی داغ نہیں لگاتا۔[۳۰]

حقوق نسواں کی تحریکوں کا کہنا ہے کہ معاشرے میں عورت کی جنسیت کو خاندان کی غیرت تصور کیا جاتا ہے جس کی پامالی کی صورت میں قتل غیرت کو خاندان کی عزت وآبرو سے منسوب کیا جاتا ہے اور اسی لیے نہ صرف شادی سے پہلے بلکہ شادی کے بعد بھی عورت کی مکمل حفاظت کی جاتی ہے۔ عورت کی کمزوری اور فرمانبرداری کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔[۳۱]

لڑکیوں کو معاشرتی دباؤ اور دوہرے معیار کے باعث لڑکوں کے مقابلے کہیں زیادہ پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[۳۲]

---

(۳۰) طاہرہ بیٹی کے نام خطوط از پرویز، ص ۱۹۴

(۳۱) ترقی، تولید صحت اور حقوق از وینڈی ہر کورٹ، مترجم نائلہ رضا، ص ۴۴

(۳۲) ایضاً

حقوق نسواں کی تنظیموں کا یہ کہنا ہے کہ معاشرے میں ہونے والی زنا کی وارداتوں میں اکثر عورتوں کے ساتھ حق تلفی ہوتی ہے۔ جبکہ اسلامی معاشرے میں عورتیں عموماً زنا کیس میں زنا بالجبر کا شکار ہوتی ہیں اور شاذ و نادر ہی عورت خود ملوث ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کے نتیجے میں عورت کا گناہ حمل کی شکل میں ظاہر ہوجاتا ہے لہٰذا عورت کی یہ صورت حال اس کو معاشرے میں زندہ درگور کردیتی ہے۔(۳۳)

نیز اخلاقی اور قانونی لحاظ سے اس حادثے کے بعد عورت کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ خود کشی کرے، اپنی اور اپنے بچے کی جان ضائع کردے' اس کے بعد اس معاشرتی اور قانونی ناانصافی سے چھٹکارا پالے۔ معاشرہ اس جرم کی سزا عورت کو دیتا ہے لیکن مرد کو نہیں۔ معاشرتی سزا میں کاروکاری بہت عام سزا ہے۔ قانونی طور پر حدود آرڈیننس کی وجہ سے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ عورت کے پاس اس زیادتی کے گواہ نہیں ہوتے لہٰذا مرد قانون کی گرفت سے آزاد رہتا ہے اور عورت کے ساتھ زیادتی کی گواہی اس کا حمل ہوتا ہے لہٰذا وہ حد کیس میں قانون کی گرفت میں آتی ہے۔ مزید برآں قذف یعنی مرد پر بہتان تراشی کی سزا بھی پاتی ہے(۳۴) اور وہ چیخ چیخ کر یہ کہتی ہے کہ یہ مسلمان معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے' جہاں مذہب، قانون، معاشرہ سب مرد کا ہے اور یہ سب مل کر عورت کے دشمن ہیں۔(۳۵)

غیرت کے نام قتل کے خلاف ''نمائشی نہیں، ناقص نہیں'' مضبوط اور مؤثر قانون چاہیے۔(۳۶)

ایسی صورتوں میں اکثر عورتیں حمل ضائع کرانے کی مرتکب ہوتی ہیں اور اکثر اپنی جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔(۳۷)

(۳۳) 'جہد حق' پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (رپورٹ)، ج ۱۴/ش ۵/مئی ۲۰۰۷ء/ص ۲۲۔۲۵

(۳۴) ایضاً

(۳۵) تحفظ نسواں بل جون ۲۰۰۶ء کی منظوری کے دوران اخبارات میں اکثر اس بل کے حامی لوگوں کا یہی موقف رہا جس کی بدولت اس بل نے جان پکڑی ہے۔ طبقہ حقوق نسواں کی پاکستان میں مشہور جماعت (APWA) نے ۱۹۸۲ء میں لاہور میں پہلی دفعہ زنا بالجبر کے نتیجے میں ہونے والے حمل کے اسقاط کے حق کے لیے آواز اٹھائی، لیکن اس نعرہ کو تکمیلی شکل تحفظ نسواں بل ۲۰۰۶ کی صورت میں ملی۔

(۳۶) عورت فاؤنڈیشن، اسلام آباد (یہ عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کردہ مطالبات ہیں جو پمفلٹ کی صورت میں ان کے مرکز سے دستیاب ہیں۔)

(۳۷) "Women of Pakistan" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.112

حقوق نسواں کی تنظیموں نے پاکستان میں اسی لئے اب زنا بالجبر اور زنا بالرضا کے لئے الگ سے قانون سازی کروالی ہے تا کہ عورت کے حقوق کم از کم قانوناً تو محفوظ ہوں۔ ان کے نزدیک ابھی عورت کو معاشرے سے جنگ لڑنا باقی ہے اور اس قانون فطرت سے بھی کہ جس کی بدولت اس کے دشمن کا نطفہ اس کے پیٹ میں پل رہا ہے اور اگر وہ جنم لے لیتا ہے تو اس کا والی وارث کون ہے۔ (۳۸)

جس نے اسلامی معاشرے کے رسوم و رواج کی روشنی میں اسلام کی تشریح کی ہے انہوں نے نہ صرف اسلام کے ساتھ بلکہ اپنے ساتھ بھی زیادتی کی ہے۔ عفت و عصمت کے تحفظ میں جہالت کی پالیسی تو دوغلی ہوسکتی ہے، لیکن اسلام کی نہیں۔ اسلام جہاں عورتوں سے عصمت کے تحفظ کا مطالبہ کرتا ہے بعینہٖ مردوں سے بھی وہی مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن مجید اس پر گواہ ہے۔ جہاں عورتوں کو نگاہیں جھکانے کا حکم دیا' وہیں مردوں کو بھی وہی حکم دیا۔ عورتوں کے لئے حجاب کی پابندی کے علاوہ اسلام میں عصمت کا کوئی دوہرا معیار نہیں۔ عورتوں کے لئے بھی حجاب کی پابندی عورتوں کے تحفظ کے لئے ہے۔ یہ عورت کے بارے میں بدگمانی کے نتیجے میں نہیں، کیونکہ جنسی و شہوانی میدان میں مرد کے حصے میں اقدام ہے اور عورت کے لئے گریز، لہٰذا عورت کا زیب و زینت کے ساتھ مردوں کے سامنے آنا بھی دعوت گناہ دینا ہے جبکہ مردوں کے معاملے میں ایسا نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جنسی معاملے کے نتیجے میں عورت نطفہ اپنے پیٹ میں رکھ کر نو ماہ کی تکلیف برداشت کرتی ہے۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا قانون فطرت ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ابتدائی نو مہینے عورت کے بطن میں گزارتا ہے' عورت یہ بوجھ اٹھاتی ہے اور مرد اس فطری بوجھ سے آزاد ہے جو عورت کے حصے میں فطرت نے رکھا ہے۔ عورت کی مرد کے مقابلے میں کمزوری کی بہت بڑی وجہ بھی یہی ہے۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے وہ اسے عورت کی بہت بڑی قربانی سمجھ کر ماں کی انتہائی فضیلت کا قدر دان ہے۔ مادی معاشرہ اسے قربانی کی بجائے کمزوری سمجھ کر کمزور کا استحصال کرتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا آزمائش کا گھر بنتی ہے۔

غیر مسلم معاشرے کے برخلاف اسلام' نکاح اور خاندان کو لازمی قرار دیتا ہے' وہ بھی اسی لئے کہ ایسی صورت میں پیدا ہونے والی عورت کی کمزوری مرد کی قوت میں پناہ حاصل کرے۔ جو بھی معاشرہ یا مرد عورت کی اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا وہ ایک ظالم سماج ہے کہ جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام ظلم کو کسی بھی صورت

(۳۸)"Women of Pakistan" by Khawar Mumtaz & Fareeda Shaheed, p.112

برداشت نہیں کرتا۔ جس نے بھی اس قسم کے ظلم وستم کو اسلام سے وابستہ کیا ہے اس نے اسلام کو سمجھنے میں غلطی کی اور جہالت کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا۔ باقی رہا مسلمان معاشرہ' تو مسلمانوں کی بداعمالیاں ان کے نظریات کو گندا کرنے کا باعث بنی ہیں اور آج مسلمان اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔

بات عورتوں کے حقوق کی ہو یا تحفظ کی ، معاملہ عورتوں کی ترقی کا ہو یا عورتوں کے دشمن اور زانی مردوں کو سزا دینے کا ہو، کوئی بھی صحت مند رائے رکھنے والا مسلمان ان باتوں کا مخالف نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب درست بات کا استعمال غلط ہوتو درست باتیں غلط ہوجایا کرتی ہے۔ زنا بالجبر اور زنا بالرضا کے درمیان امتیاز کا انکاری کوئی نہیں۔ جس نے جرم نہیں کیا وہ سزا سے بری ہے۔ نہ صرف یہ کہ سزا سے بری ہے بلکہ مظلوم بھی ہے جس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ ہونا چاہئے۔ لیکن جب صحیح بات کے پس پردہ دشمن غلط بات منوانے پر تل جائے تو اسلامی معاشرہ میدان جنگ کی کیفیت اختیار کرلیتا ہے اور دشمن، مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے مقاصد پورے کرتا ہے اور پوری دنیا کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع دیتا ہے اور جب یہ دشمن دین مخالف عناصر کی پیٹھ ٹھونکتا ہے تو معاشرے میں عورت کے تحفظ کی بجائے اسلام کے تحفظ کا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے اور مسلمان تحفظ نسواں بل کا مخالف بن جاتا ہے۔ پھر مسلمانوں میں اپنی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کا احساس بیدار ہوتا ہے اور حق و باطل اس طرح گڈمڈ ہوجاتا ہے کہ سادہ لوح مسلمان انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

حیرت میں پڑے سادہ لوح مسلمانوں کو مزید تعلیم دینے کا بقیہ کام میڈیا کرتا ہے اور اسلام دشمن عناصر میدان جنگ سے مال غنیمت لوٹ کر اس کی آپس میں بندر بانٹ کرتے ہیں۔ مخالفین' اسلام کو غیر منصف مذہب ، عورت دشمن مذہب قرار دے کر پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور بظاہر سادہ لوح مسلمان عوام کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ اسلام کی تشریح کرنے والا طبقہ دہشت گرد، عورت دشمن، ترقی دشمن ہے اور ہم ہی تمہارے حقیقی خیر خواہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان معاشروں کی اکثر خواتین اس دھوکے کا شکار ہیں کہ طبقہ حقوق نسواں ان کا محسن اور محافظ ہے اور مسلمان علماء ان کے دشمن ہیں۔ یہی مغرب کا فریب ہے اور آج مسلمانوں کے دین سے دوری کی وجہ ہے۔ جدت پسند طبقہ ان ہی وجوہات کو انگیز کرکے، مسلمانوں کو ان کے دین سے اور دور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں میں خلیج بڑھتی جارہی ہے اور مسلمان پسماندہ سے پسماندہ تر ہوتے جارہے ہیں اور اسلام مزید تنزلی کا

شکار ہوتا جا رہا ہے۔علاوہ ازیں اسی وجہ سے مسلمان معاشروں میں جتنی دینی و اسلامی تحریکیں، تنظیمیں کام کرتی ہیں وہ تحفظ نسواں بل کی مخالف ہو جاتی ہیں اور مسلمان معاشروں میں جتنے لادین عناصر ہیں وہ تحفظ نسواں بل کے منظور ہونے سے شاداں و فرحاں ہو جاتے ہیں۔تحفظ نسواں بل کے پاس ہو جانے سے فلم انڈسٹری، بازار حسن، ثقافتی تھیٹروں سے وابستہ افراد خوشی سے نہال ہو جاتے ہیں اور راسخ العقیدہ مسلمان علماء شرم سے سر جھکا لیتے ہیں۔ سچی بات سے غلط استدلال رسول اکرم ﷺ کے وقت میں بھی کیا جاتا تھا اور منافقوں کی روش ہمیشہ ظاہر اور باطن کے تضاد پر مبنی رہی ہے۔وہ الفاظ کچھ بولتے تھے اور مراد کچھ اور لیتے تھے۔سورۃ المنافقون کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اسی رویے کو بیان کرتے ہیں:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ (۳۹)

''جب آپؐ کے پاس منافق آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔''

یہاں بھی منافقوں کی زبان پر کلمہ حق ہے اور وہ آپؐ کی رسالت کی گواہی دے رہے ہیں لیکن اللہ انہیں جھوٹا کہہ رہا ہے جبکہ سچ کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔منافق لوگ جب سچ کا استعمال غلط کرتے ہیں تو سچ' جھوٹ ہو جاتا ہے۔آج یہی کیفیت مسلمان عورتوں کی حمایت میں ان کے حقوق کی جنگ لڑنے والوں کی بھی ہے۔جنہیں مولانا مودودیؒ اور ابوالحسن ندویؒ جیسے اکابر علماء نے بھی منافق قرار دیا ہے۔(۴۰)

اور دیگر علماء جو انہیں منافق قرار نہیں دیتے وہ انہیں اسلام دشمنوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلیاں قرار دیتے ہیں اور انہیں جاہل اور نادان مسلمان سمجھتے ہیں جو حق و باطل اور دوست و دشمن کی تمیز نہیں کر سکتے۔مسلمان معاشروں کے علماء میں طبقہ حقوق نسواں کی اصلاح کے رویوں میں اختلاف ضرور ہے' لیکن مسلمان معاشرے میں ان کے مقام کے تعین

---

(۳۹) سورۃ المنافقون:۶۳/۱

(۴۰) (i) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از ندوی، ابوالحسن، ص/۲۳۵

(ii) تنقیحات ازؒ، ابوالاعلی، ص/۱۸۴

(iii) پردہ از مودودیؒ، ابوالاعلی، ص/۳۷، ۱۱۵

میں اختلاف نہیں۔

البتہ حقوق نسواں کا وہ گروہ جو عورتوں کے مقام کے تعین کے بارے میں اسلام کی طرف لوٹ رہا ہے اور وحی الٰہی کی تعبیر میں اختلاف کر رہا ہے' ان کے مقام کا تعین ان کے مقاصد کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔کسی کے بارے میں اپنے تعصب کے اظہار کو بے لگام نہیں کرنا چاہئے' کیونکہ عناد اور تعصب کسی بھی قوم کے لئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں اور تعصّبات سے بالاتر افہام وتفہیم ہی راہ حق کی جستجو کا نام ہے۔

مبحث چہارم: مذہبی تعصب کی بنا پر عورت کی جنسی اور تولیدی صحت سے غفلت

تحریک حقوق نسواں کے دعویداروں کا کہنا ہے کہ عورت کی تولیدی زندگی مذہبی تعصّبات کی بنا پر مختلف رکاوٹوں اور تناؤ کا شکار ہے۔ (۴۱)

عورتوں کی جنسی تعلیم پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔عورت کے جنسی مسائل پر اظہار گفتگو ناپسندیدہ اور شرم کے منافی سمجھا جاتا ہے۔بچوں کی پیدائش پر کنٹرول جیسے معاملات میں اس کی خواہش کے اظہار کو سخت ناپسندیدہ شمار کیا جاتا ہے۔ (۴۲)

بچے کی پیدائش دائی کی مدد سے گھر پر ہی کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے،کیونکہ ہسپتال نہ صرف مہنگا پڑتا ہے بلکہ پریشان کن بھی ہے۔ (۴۳)

جنس کا موضوع مذہبی شرم اور پردہ داری کے نام پر خاموشیوں،سرگوشیوں اور رکاوٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ (۴۴)

عورتوں تک معلومات کی رسائی نہ ہونا شرم اور عزت وقار جیسے معاشرتی اقدار کے سبب ہے۔کتنے ہی موضوعات ایسے ہیں کہ جن کے گرد خاموشی کی دیوار حائل ہے۔عموماً مائیں بھی اپنی بیٹیوں سے جنسی موضوعات پر بات نہیں کرتیں،کیونکہ اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بیٹی کو بد اخلاقی کی اجازت دے رہی ہیں۔ (۴۵)

---

(۴۱) ترقی،تولیدی صحت اور حقوق از وینڈی ہرکورٹ،مترجم نائلہ رضا،ص ۴۳/۷

(۴۲) ایضاً،ص ۴۴/

(۴۳) ایضاً،ص ۴۹/

(۴۴) ایضاً،ص ۵۴/

(۴۵) ایضاً،ص ۵۷/

اس رویے سے عورت کی جنسی و تولیدی صحت کو کئی خطرات لاحق ہیں۔ (۴۶)

تولیدی حقوق اور صحت کے مسئلے پر خاموشی کی دیواریں توڑنے کی ضرورت ہے جنہیں خود عورتیں بھی برقرار رکھنا چاہتی ہیں، کیونکہ انہیں توڑنے سے ان کی کئی مشکلات اور پریشانیوں سے پردہ اٹھ سکتا ہے جو ان کی نفسیات اور شناخت کے احساس کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ (۴۷)

ان پابندیوں کو ایک مقدس مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ یہ صورت حال عمل اور نظریے میں فرق کا نتیجہ ہے اور اس کے منفی اثرات کی زد میں عورت زیادہ آسانی سے آتی ہے، کیونکہ یہی مذہبی اور قانونی نظام' غیر مساوی صنفی رویوں کے تحت مردوں کی حمایت کرتا ہے۔ (۴۸)

واقعہ یہ ہے کہ عورت کے جنسی حقوق اور تولیدی حقوق و فرائض اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہیں۔ حفاظت فرج کی انتہائی اہمیت و ضرورت کا حامل مذہب ہونے کے باوجود اسلام جنسی اور تولیدی مسائل جیسے اہم موضوعات سے صرف نظر نہیں کرتا۔ انسانی آبادی میں بے ہنگم اضافے کی حمایت اور عورتوں کی تولیدی صحت سے غفلت' موجودہ مسلمان معاشرے کا مسئلہ تو ہے اسلام کا مسئلہ نہیں۔ اس کی وجہ مسلمانوں کا نہ صرف معاشرتی بلکہ مذہبی تصوراتی زوال بھی ہے۔

اسلام میں نسل کی حفاظت مقاصد الشریعہ کا حصہ ہے اور شریعت کے مقاصد میں سے نسل کی حفاظت کے مسئلے کو آج جس قدر اغیار کے حملہ سے خطرات درپیش ہیں' اس قدر کوئی اور حملہ شدید نہیں۔

نظریاتی طور پر آج مغرب اور اسلام بنیادی انسانی حقوق کے ضمن میں ثقافتی' معاشرتی، سیاسی میدانوں میں باہم صف آراء ہیں۔ عملی لحاظ سے تو مغرب تمام مسلمانوں کو دہشت گرد اور انسانی امن کے لیے خطرہ قرار دے کر ان کی جانیں لینے کا حق بھی ضبط کیے ہوئے ہے۔ لیکن نظریاتی اعتبار سے جان و مال' عزت و انصاف اور مساوات کے تحفظ کے حق جیسے حقوق کو تو مغرب بھی بنیادی انسانی حقوق کے منشور کے ضمن میں تسلیم کرتا ہے اور نظریاتی خطوط پر اس حوالے سے اسلام اور مغرب کے موقف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

(۴۶) ایضاً، ص ۶۰

(۴۷) ایضاً، ص ۴۳

(۴۸) ترقی، تولیدی صحت اور حقوق از وینڈی ہرکورٹ، مترجم نائلہ رضا، ص ۶۲

مغربی انسانی حقوق اور اسلامی انسانی حقوق کے تقابل سے جس قدر تفاوت جنسی حقوق میں دیکھنے کو ملا ہے وہ دیگر حقوق میں شاذ ہے۔ زنا بالجبر اور جنسی تشدد نہ صرف اسلامی بلکہ مغربی انسانی حقوق کی بھی خلاف ورزی پر مبنی ہے کیونکہ اس کی بدولت عورت اپنے انسانی اور جسمانی حقوق سے محروم ہو جاتی ہے، لیکن مغرب اور اسلام کا فرق رضا کارانہ جنسی بے راہ روی، فحاشی کا فروغ، عریانیت، مرد و زن کا اختلاطِ عام کے ضمن میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور یہی وہ نکتہ امتیاز ہے جس کی بدولت اسلامی معاشرہ باوجود غیر ترقی یافتہ ہونے کے مغربی معاشرے سے ممتاز ہو جاتا ہے اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بنا پر مغربی معاشروں میں رہائش پذیر اکثر و بیشتر مسلمان باوجود معاشی آسانیوں کے مسلمان معاشروں میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

جب ہم بین الاقوامی منظر پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح گلوبلائزیشن کے سائے مسلم ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ اس پس منظر میں وہ موضوعات جو اب تک ہمارے بزرگوں نے ہماری ضروریات کو مقامی تناظر میں سمجھتے ہوئے ہمارے لیے غیر ضروری سمجھے تھے' ان سے واقفیت ہماری آنے والی نسلوں کے لیے ضروری ہے ورنہ نئی نسل مغربی حملوں کی یلغار میں مذہبی اور معاشرتی قدروں کے اعتبار سے غیر محفوظ ہو جائے گی۔ ان موضوعات سے مزاحمت کی بجائے ہمیں ان علوم کی مدد سے اسلامی احیاء میں مدد لینی چاہیے اور ان سے منفی اثر لینے کی بجائے ان کے درست اور مثبت اثر سے فائدہ لینا چاہیے اور یہی اسلام کا منشا اور مقصود ہے جو قرآنی تعلیمات سے عیاں ہے۔

آج کے جدید دور میں زوال پذیر مسلم معاشرت نے عورت کے لیے پردے اور شرم کی وہ تشریحات کی ہیں جنہوں نے جدید مسلمان عورت کے لیے اکیسویں صدی کے چیلنجز کو پورا کرنا مشکل کر دیا ہے۔ اسلام علم دوست مذہب ہے جو جہالت اور تعصّبات کا کبھی ہمنوا نہیں ہوتا۔ ہمیں جہاں ترقی کے ضمن میں اکیسویں صدی کے چیلنجز کا سامنا ہے وہاں ہمیں اپنے مذہبی تصورات کی بھی وہ صفائی کرنی ہے جس کی بدولت اکیسویں صدی' اسلامی احیاء کی صدی کہلا سکے۔

شرعی حدود کا نفاذ اسلام میں انسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر ہے نہ کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مشتمل ہے۔ اسلام میں سزا کا تصور بھی اصلاح کی خاطر ہے' غصہ نکالنے یا انتقام لینے کی خاطر نہیں، لیکن مسلمان معاشروں میں

مروجہ حدود آرڈیننس کو نفاذ کی مشکلات اور رکاوٹوں کی بنا پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دینا مغرب کا سیاسی ہتھیار رہے۔ مذکورہ بالا تصور کو سلیمان بن عبدالرحمٰن الہیکل (۴۹) نے اسلامی انسانی حقوق اور مغربی انسانی حقوق سے تقابل کے مطالعے میں بیان کیا ہے اور یہی درست ہے۔ (۵۰)

✳......✳......✳

مبحث پنجم: عورت پابند سلاسل

حقوق نسواں کا حامی تعبیر نو کا جدید ذہن عورتوں کے لئے اسلام کو قید سے تعبیر کرتا ہے جس میں حبس و تسلط کی فضا ہے۔ عورت فتوؤں کے جال میں بندھ چکی ہے۔ کشور ناہید (۵۱) آزادی نسواں کی پرجوش حامی ہیں۔ انہوں نے ایک آزاد نظم میں اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت کو پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ عورت کے لئے آزادی کی جنگ لڑنے والے اسلام کے استبداد کے نرغے میں ہیں اور عورت بجائے آزاد ہونے کے زیادہ قید ہوتی جارہی ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔

میری چھت پر منیر نیازی نے
لڑکیاں دیکھی تھیں
دھانی چنریا اوڑھے ہوئے
میری چھت پر قتیل شفائی نے
لڑکیاں دیکھی تھیں

نعرے مارتی، آگے بڑھتی ہوئی
میں دیکھ رہی ہوں
اب میری چھت پر کالے برقعے
لمبے ڈنڈے، شریعت فتوے
کالے عمامے پہنے لڑکے

(۴۹) ڈاکٹر سلیمان الہیکل: پروفیسر آف ایجوکیشن، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی۔ آپ نے حقوق انسانی کے اسلامی تصور پر کام کیا۔ نیز اس سے وابستہ غلط تصورات اور بے جا تنقید کی اصلاح کی۔ 1361ء میں Sudair میں پیدا ہوئے۔ دینی اور عصری دونوں تعلیمی سلسلے بخوبی نبھائے۔ ایک ایم۔اے۔ جامعہ الازھر مصر سے کیا، دوسرا ایم۔اے۔ امریکہ سے کیا۔ پی ایچ ڈی محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی سعودی عرب سے کی۔ "Human Rights in Islam and Refutation of the Misconcieved Allegations Associated with these Rights" by Dr.Suleman Alha

(۵۰) "Human Rights in Islam and Refutation of the Misconcieved Allegations Associated with these Rights" by Suleman Bin Abdur Rehman, p.49-64

(۵۱) کشور ناہید: عورتوں کے حقوق کی جدوجہد کا نشان ہیں۔ Woman Myth & Realities کی مولف ہیں۔
(http://www.poetrytranslation.org/poets/Kishwar_Naheed)

پائل چھنکاتی ہوئی
میری چھت پر احمد فراز (۵۲) نے
لڑکیاں دیکھی تھیں
عشق نہاتی ہوئی
میری چھت پر زہرہ آپا نے
لڑکیاں دیکھی تھیں
پرچم لہراتی ہوئی
میری چھت پر فہمیدہ اور عاصمہ نے
لڑکیاں دیکھی تھیں

خون کہ جن کی آنکھوں میں ہے
زہر کہ جن کے لفظوں میں ہے
دیواروں پر کلاشنکوف کی
گولی ناچ رہی ہے
خوف سا ہر ہنستی لڑکی کے ماتھے پر لکھا ہے
ڈرتی ڈرتی سہمی سہمی پوچھ رہی ہے
میں فتوؤں کے جال سے کیسے نکلوں
حبس کے اس ماحول میں
میں کیسے زندہ رہوں (۵۳)

مختلف زاویوں سے عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والوں کے نام مذکورہ نظم میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے زاویہ نگاہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور عورت کو مولویوں، اسلام اور فتووں سے بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

طبقہ حقوق نسواں کے نزدیک عورت صرف معصوم اور مظلوم ہے اور پاکیزہ محبت کرتی ہے۔ایسے میں اگر وہ عشق نہالے تو مُلّا کو کیا تکلیف ہے۔اسلام جہاں عورتوں کی نسوانیت و نزاکت کا محافظ ہے اور معصوم غافل عورتوں پر بہتان لگانے والوں پر لعنت کرتا ہے۔(۵۴) وہاں وہ عورتوں کو محتاط رویے اپنانے کا درس بھی دیتا ہے۔ طبقہ حقوق نسواں پردے کو 'قید' عورت کی بے راہروی کو 'پاکیزہ محبت' عشق نہالے کو 'معصومیت' آزادی کا پرچم لہرانے کو 'حق کی

---

(۵۲) سید احمد فراز: کوہاٹ میں 14 جنوری 1931ء کو پیدا ہوئے۔اسلام آباد میں 25 اگست 2008ء میں انتقال کر گئے۔پاکستانی معروف اردو شاعر تھے اور گزشتہ صدی کے جدید اردو شاعر تصور کئے جاتے ہیں۔انہیں ہلال امتیاز اور ستارہ امتیاز سے نوازا گیا۔http://en.wikipedia.org/wiki/Ahmed_Faraz

(۵۳) شہزاد کا سوال از کشور ناہید، جہد حق (ماہنامہ) مئی ۲۰۰۷ء، ج ۱۴/ش ۵/ص ۱/۲

(۵۴) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔سورۃ النور:۲۴/۲۳

جنگ' اور اسلام کے احکامات کو حبس بے جا قرار دے لے تو سادہ لوح مسلمان معاشرہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

ایسا ہی واقعہ پاکستان کی وفاقی وزیر و مشیر نیلوفر بختیار کے ساتھ پیش آیا جو پیرا شوٹ سے چھلانگ لگانے کے بعد فرط جذبات سے اپنے ہم نشیں کے ساتھ بغل گیر ہوگئیں۔ اسلام آباد (پاکستان) میں واقع لال مسجد کے خطیب عبدالرشید غازی نے اس معصومانہ حرکت کو غیر شرعی قرار دیا تو نیلوفر بختیار آگ بگولا ہوگئیں اور علمائے اسلام کے خلاف تل کھڑی ہوئیں کہ وہ تنگ نظر اور تنگ ذہن ہیں۔ نیلوفر بختیار کا موقف تھا کہ یہ عمل تو فقط خوشی کے جذبات کا اظہار تھا' اس میں کوئی غلط ارادہ تو شامل نہیں تھا۔ جب کہ مولانا عبدالرشید کا موقف تھا کہ

''زنا بھی جذبات کے نتیجے میں ہی ہوتا ہے۔ جذبات کے کنٹرول کا کوئی اسلامی قانون ہے یا نہیں۔''(۵۵)

اب الجھن یہ آن پڑی ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ علماء کا عورت کے خلاف تعصب ہے یا کہ عورتوں کا اسلام اور علماء کے خلاف تعصب۔ حقوق نسواں سے وابستہ افراد نے یہ طے کر رکھا ہے کہ عورت کو ہر حال میں معصوم اور مظلوم ہی قرار دینا ہے اور پردے کو قید۔ اس ذہن کے نتیجے میں اگر غلط قدم اُٹھ جائے تو قصور مردوں کا۔ یہ درحقیقت علماء کا عورت کے خلاف تعصب نہیں بلکہ اسلام کی روح کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے' جس نے زنا کی مبادیات کو بھی مہلک شمار کرتے ہوئے ان پر پابندیاں عائد کی ہیں اور بے پردگی کو ہی زنا کی مبادی قرار دیا ہے۔

حقوق نسواں کے حامیوں کے نزدیک اسلام' عورت کا دشمن ہے اور عورت کی معصومیت اور نسوانی جذباتی نزاکتوں کا قاتل ہے یا پھر جاہل مولویوں نے اسلام کی یہی تشریح کی ہے یا عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والوں نے اسلام سے استفادہ نہیں کیا یا پھر محض مولویوں سے تعصب میں مذہب سے دشمنی پال رکھی ہے۔ صورت حال کچھ بھی ہو' ہمارے دشمنوں نے مسلمان معاشرے میں ہونے والی اس کشمکش سے انتہائی فائدہ اٹھایا ہے اور اسلام کے خلاف حقوق نسواں کی تنظیموں کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں۔ اُمر واقعہ یہ ہے کہ اس طبقہ سے وابستہ افراد کو اپنے مخلص دوست اور دشمن کے فرق کو پہچاننا بہت ضروری ہے۔

ترقی پسند مسلمان، عورت کے حجاب کے مسئلے پر انتہائی حساس ہیں اور حجاب کو تنگ نظری کی علامت گردانتے ہیں اور اسے عورت کی قید سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ اسے ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ گردانتے ہیں۔ یہ حجاب کو

(۵۵) (رپورٹ) نوائے وقت، (روزنامہ)، لاہور، ۲۸ جون ۲۰۰۷ء

اسلام سے نہیں عورت کے حقوق کی نفی سے تعبیر کرتے ہیں۔

پرویز مشرف (صدر پاکستان) بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''خواتین کو گھروں میں بند رکھنا ایک رجعت پسند نظریہ ہے۔ نقاب میں چھپی خواتین اسلام کی پسماندہ تصویر کشی کر رہی ہیں کچھ لوگ خواتین کو گھروں کے اندر رکھنا اور انہیں پردہ کروانا چاہتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔''(۵۶)

وہ مزید کہتے ہیں:

''پسماندہ اسلام ملکی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ کسی نے داڑھی رکھی ہے تو بسم اللہ، میں داڑھی نہیں رکھنا چاہتا۔ فلمی پوسٹر، میوزک، داڑھی نہ رکھنا۔ خواتین کا برقعہ نہ پہننا، چھوٹے معاملات ہیں۔ یہ چھوٹی سوچ اور چھوٹے ذہن کی بات ہے۔ پاکستان کو بڑے چیلنج درپیش ہیں۔''(۵۷)

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

''ہمیں انتہا پسند مولویوں کے اسلام کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کو برقعہ یا داڑھی پسند ہے تو اسے اپنے گھر تک محدود رکھے۔ ہم برقعہ یا داڑھی کو ملک پر مسلط نہیں کرنے دیں گے۔''(۵۸)

ان کے نزدیک عورتوں کا حجاب مولویوں کی عورت دشمنی کا شاخسانہ ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے:

''ہمیں مولویوں کا اسلام نہیں چاہیے۔ ہم روشن خیال اسلام کی بات کرتے ہیں۔''(۵۹)

مندرجہ بالا فکر، روشن خیال مفکرین کی ذہنی عکاسی کرتا ہے جب کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ اور اس سے گہری محبت رکھنے والے شخص کو اس قسم کی گفتگو زیب نہیں دیتی جس میں شعائر اسلام کے متعلق اتنی ہلکی زبان استعمال کی گئی ہو۔ سر سید احمد خان اپنے دور میں انتہائی روشن خیال اور ترقی پسند سمجھے جاتے تھے۔ آج بھی انہیں اسی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغربی تہذیب سے بھی انتہائی مرعوب تھے۔ مگر پردہ اور حجاب کے بارے میں ان کا نقطہ نظر اور طرز عمل اس وقت کے راسخ الاعتقاد مسلمانوں سے بالکل مختلف نہ تھا۔

ہمارا آج کا جدید طبقہ مولویوں کے مقابلے میں سر سید احمد خان کے روشن خیال اسلام کا بار بار تذکرہ کرتا رہتا ہے'

(۵۶) صدر پاکستان، پرویز مشرف، انٹرویو برائے بی بی سی، نوائے وقت، (روزنامہ)، لاہور، ۸ دسمبر ۲۰۰۴ء

(۵۷) ایضاً

(۵۸) صدر پاکستان، پرویز مشرف، نوائے وقت، (روزنامہ)، لاہور، ۱۶ دسمبر ۲۰۰۴ء

(۵۹) صدر پاکستان، پرویز مشرف، نوائے وقت، (روزنامہ)، لاہور، ۱۶ دسمبر ۲۰۰۴ء

لیکن سرسید احمد خان کے خاندان کا اسلوب اور آپ کے پردے کے بارے میں افکار ان کے خیالات کی نفی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''ان دنوں میں عورتوں کے پردے کی نسبت سے متعدد تحریرات اخباروں میں شائع ہوئی ہیں اور ہمارے بعض عزیز جن کو ہم لحمك لحمی کہہ سکتے ہیں اور بعض ہمارے مخدوم جن کو ہم فخر قوم کہہ سکتے ہیں، پردے کے مخالف ہیں مگر ہم کو چاہے لوگ نئے فیشن کا سمجھیں مگر ہم تو اسی پرانے فیشن کے ہیں۔ نہیں تو دقیانوسی مزاج کے تو ضرور ہیں اور اسی لئے ہم اپنے مخدوموں کی رائے کے مخالف ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اگر پردے کی رسم اُٹھ جائے تو ہندوستانیوں کو انگریزوں سے زیادہ راہ و رسم اور ارتباط کا موقع ملے گا، محض غلط خیال ہے۔''(۶۰)

اس طبقہ فکر سے وابستہ افراد عورت کی معاشرتی حیثیت کی بہتری کی خاطر اجتہاد کے بہت بڑے داعی ہیں اور چاہتے ہیں کہ عورت کو دقیانوسیت اور قید و جبر سے آزاد کروایا جائے اور یہ لوگ اکثر دینی ذوق کے جمود و تقلیدی رجحانات پر تنقید کرتے ہوئے' علامہ اقبالؒ کے افکار و اقوال کو اپنی تائید میں نقل کرتے ہیں کیونکہ علامہ اقبال ان کے نزدیک ایک روشن خیال مسلمان تھے۔ لیکن عورتوں کے پردے کے بارے میں تو علامہ اقبالؒ مرحوم بھی انتہائی دقیانوس اور بنیاد پرست واقع ہوئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی والدہ تینوں بہنیں اور تینوں بیویاں پردے کی سخت پابندی کرتی تھیں۔ کیا علامہ اقبالؒ کے اس رویے کو تاریک خیالی سمجھا جائے گا یا روشن خیالی؟ آپ مسلمانوں کی ترقی کے انتہائی خواہاں تھے' لیکن عورتوں کے پردے کے حامی تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو(۶۱) (سابق وزیر اعظم پاکستان) بے حد ترقی پسند اور روشن خیال حکمران ہونے کے ساتھ عورتوں کی ترقی کے انتہائی خواہاں تھے' مگر ان کا سندھی گھرانہ پردے کا پابند تھا۔ ان کی پہلی بیوی امیر بیگم(۶۲) نے مرتے دم تک پردے کی پابندی کی۔

اکثر مسلم ممالک میں خواتین حجاب کرتی ہیں اور حجاب میں آزادی محسوس کرتی ہیں۔ عورتوں میں حجاب کا انکار کرنا

(۶۰) مقالات سرسید، احمد خان، سید، مرتب: محمد اسماعیل، پانی پتی، مجلس ترقی ادب، لاہور، حصہ پنجم، ص ۱۸۲/

(۶۱) ذوالفقار علی بھٹو (۵ جنوری ۱۹۲۸ء۔ ۴ اپریل ۱۹۷۹ء) پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی، ۱۹۷۱ء۔ ۱۹۷۳ء تک پاکستان کے صدر اور ۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۷ء تک پاکستان کے وزیر اعظم رہے۔

(۶۲) امیر بیگم: پاکستان کے سابق صدر اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی اہلیہ ہیں۔

اسلامی شعائر کا استہزا ہے اور اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں عورتیں اپنے آپ کو قیدی کیوں تصور کرتی ہیں۔

یوسف قرضاوی اس کی ایک وجہ مولویوں کی شدت پسندی کو گردانتے ہیں۔ ان کے نزدیک علماء کے ایک متشدد طبقے نے اسلامی احکامات میں تحریم کے سلسلے میں اسراف کا رویہ اپنا رکھا ہے۔ یہ علماء دینی امور میں ہمیشہ تنگی اور شدت پیدا کرتے ہیں۔ عورتوں کے لئے محرمات کے دائرے کو وسیع کرتے ہیں۔ شریعت کی وسعت سے عدم آگاہی اور علم دین میں عدم رسوخ کی بنا پر یہ عورتوں کا دائرہ تنگ کر دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں:

''اسلاف کا یہ رویہ تھا کہ جس چیز کے حرام ہونے کا یقینی علم حاصل ہوتا تھا اس کو حرام کہتے تھے اور اگر اس کے حرام ہونے کا یقینی علم نہیں ہوتا تو ایسے مواقع پر کہتے کہ ''ہم'' اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جائز نہیں یا اس سے ملتی جلتی عبارت استعمال کرتے۔ لیکن کھلے طور پر اسے حرام قرار نہیں دیتے تھے۔ لیکن جن لوگوں میں علم نہیں پایا جاتا وہ بغیر کسی تحفظ کے چیزوں کو حرام قرار دینے میں جلدی کرتے ہیں۔ حسن ظن سے کام لیتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں وہ ایسا پرہیز گاری اور احتیاط کے پیش نظر کرتے ہیں، ورنہ حقیقت کا علم اللہ ہی کو ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں فقہا کی دو آراء ہوں ایک میں آسانی اور نرمی پائی جاتی ہو اور دوسری میں سختی اور تنگی پائی جاتی ہو تو ان کا جھکاؤ ہمیشہ سختی اور تنگی کی طرف رہے گا۔ یہ ہمیشہ ابن عمرؓ کی شدت پسندی کا ساتھ دیں گے۔ اور کسی دن بھی ابن عباسؓ کی رخصتوں کے ساتھ کھڑے نظر نہ آئیں گے۔ شدت پسندی کا یہ مظاہرہ اکثر اس لئے ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دوسرے پہلو سے آگاہی نہیں ہوتی۔ یہ نہیں جانتے کہ اس میں رخصت اور آسانی کا پہلو بھی ہے۔

اصول شریعت اور مقاصد رسالت کے سلسلے میں اس بے بصیرتی اور سختی نے اسلامی اقدار اور اس کی بنیادوں کو سمجھنے میں بڑی مشکلات پیدا کی ہیں۔ نئی نسل کے ذہن کو پراگندہ کیا ہے۔ ان میں سے بہتوں کے ذہنوں میں صحیح اور غلط گڈ مڈ ہو گیا ہے۔''(۶۳)

درحقیقت اسلام آسانی کا مذہب ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے لئے وسعت اور آسانی چاہتا ہے۔ جنہوں نے عورتوں کے لیے پردے کے اسلامی حکم کو قید بنا دیا ہے انہوں نے بھی اسلامی احکامات کی غلط تعبیر کی ہے۔

---

(۶۳) اسلامی بیداری، افکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں (مترجم)، ندوی، سلیمان، ص/۸۳-۸۴

﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(٦٤)

''اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے اور سختی نہیں کرنا چاہتا۔''

﴿يُرِيْدُ اللهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (٦٥)

''اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

حدیث میں آتا ہے:

" إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه ولا ينزع من شيء إلا شانه"(٦٦)

''تنگی اور سختی جب کسی چیز میں داخل ہوتی ہے اُسے عیب دار کردیتی ہے اور نرمی جس چیز میں آتی ہے اُسے حسن بخش دیتی ہے۔''

آزادی کی فضا میں ہی افکار اُجالے میں آتے ہیں۔ عورت کے لئے مذہب کی طرف سے قید کا احساس ہونا' ان کے عقائد کے لئے تباہ کن ہے۔ اگر جبر کے یہ احساسات فکر کے تہہ خانوں کی تاریکی میں پڑے رہے اور عورتوں کو بغیر احکام کی حکمت سمجھائے ان سے اندھی اتباع کی توقع جاری رکھی گئی تو یہ معاملہ دن بدن خراب ہوتا جائے گا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ کچھ خواتین اپنے آپ پر سختی کو لازم کرلیں اور اپنے عمل میں احتیاط کے طور پر وہ ان رویوں کو اپنا لیں جن میں شدت پائی جاتی ہے۔ لیکن ایسے رویوں سے قبولیت عامہ کی خواہش رکھنا بے سود ہوگا۔

علامہ یوسف قرضاوی احکامِ شریعت میں مقاصد کا اعتبار کرتے ہوئے سختی کی بجائے آسانی کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں:

''آج کے دور میں عورت بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے اگر سفر میں خطرہ کا امکان نہیں تو عورت کے ساتھ محرم کی شرط ایک سخت رویہ کی علامت ہے۔ لیکن سفر میں جہاں دقت اور گمراہی کا امکان ہو تو پھر حکم اپنی اصل کو لوٹ آئے گا۔''(٦٧)

یوسف قرضاوی عورت کے پردے کے معاملے میں بھی اس شدت کے قائل نہیں کہ عورت کو گھٹن کا احساس ہو۔

(٦٤) سورۃ البقرۃ: ۱۸۵/۲

(٦٥) سورۃ النساء: ۲۸/۴

(٦٦) صحیح مسلم ،مسلم بن الحجاج القشیری ،ابی الحسین، دار السلام، الریاض ،طبع سوم، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ، کتاب البر والصلہ ،باب فضل الرفق ،رقم الحدیث: ۲۵۹۴

(٦٧) اسلامی بیداری، انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں (مترجم)، ندوی ،سلیمان، ص ۶۹/

وہ ہاتھوں پر دستانے اور پاؤں پر جرابوں جیسے پردے کے ناقد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ضعیف لغزشوں کو گناہ شمار نہ کیا جائے یہ بدگمانی کی علامت ہے۔(۶۸)

پردے کے ضمن میں جہاں انتہا پسندی بری ہے وہاں پردے کے احکامات کا انکار بھی برا ہے' جس انکار پر مبنی رویے نے طبقہ حقوق نسواں پر الزام کے دروازے کھولے ہیں۔جس طرح مادر پدر آزاد مغربیت سے نجات ضروری ہے اسی طرح دین میں غلو سے بھی چھٹکارا لازم ہے۔اسلام کو سیکولر مغربی افکار کا چیلنج تو درپیش ہے ہی' جامد فقہی ذہن بھی اس کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔بہر حال اعتدال کی راہ بہتر راہ ہے۔

محمد فاروق خان حقوق نسواں کی تعبیر نو کرنے والے جدید ذہن کے انتہا پسندی کے خلاف منکرانہ تصورات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلام خواتین کو دوسرے درجے کا شہری سمجھتا ہے وہ ان کو بے جا پابندیوں کا نشانہ بناتا ہے۔خواتین کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہر چیز میں مردوں کا محتاج رکھا جائے۔شادی سے پہلے وہ اپنے باپ' بھائی اور شادی کے بعد وہ اپنے خاندان کی محتاج ہوں۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو مکمل طور پر چھپائے۔ وہ اجازت کے بغیر اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم بھی نہیں رکھ سکتی۔گویا اس کے کوئی حقوق نہیں ہوتے وہ بس مردوں کی خدمت کے لئے ہی زندہ رہتی ہے۔''(۶۹)

آج کا تجدد پسند ذہن اسلام اور عورتوں کے حقوق کے ضمن میں اس سے وابستہ ہر نقطہ فکر سے انتہائی نفرت رکھتا ہے۔اس نفرت کے اظہار کے لئے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ان کی ہر بات کی تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ دیکھو مسلمان معاشروں میں عورت کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور مغرب کی عورت کو وہ آزادی کی نیلم پری بنا کر پیش کرتے ہیں۔ان کی زبان پر آپ کبھی عورتوں کے وہ مسائل نہ سنیں گے جو مغرب کی آزاد عورت کو پیش آ رہے ہیں۔اس کی بہت بڑی وجہ آج مسلمانوں کی ذہنی غلامی اور ذلت ہے جو بحیثیت قوم ان پر مسلط ہے۔اسلام کی تعبیر نو کے داعی حضرات' دینی انتہا پسندی کی مخالفت کرتے کرتے' خود دین اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کا وطیرہ اپنا لیتے ہیں۔دینی علم سے دوری اور مغرب سے قربت انہیں اس تشدد تک لے جاتی ہے کہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر

(۶۸) ایضاً، ص/۵۱

(۶۹) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق، خان، ڈاکٹر، ص/۲

مسلمانوں پر کوڑے برسانے والوں میں سے ہوتے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھنے والوں میں سے۔ جب اقوام ذلت اور غلامی کا شکار ہو جاتی ہیں تو ان کے ذہن آزاد نہیں رہ پاتے۔ وہ ہر بات کو اپنے حاکم کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ وہی کچھ دیکھتے ہیں جو یورپ و امریکہ انہیں دکھاتا ہے۔ وہ وہی کچھ بولتے ہیں جو مغرب انہیں سناتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو اپنی نگاہ رکھتے ہیں نہ زبان' نہ اپنا ذہن نہ فکر۔ اور یہ ہر آن اہل مغرب کے سامنے معذرت کے لیے دست پھیلائے کھڑے ہوتے ہیں اور ان سے یہ درخواست کر رہے ہوتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کے ساتھ مسلمان معاشروں میں جو کچھ ہو رہا ہے' اس کو ختم کروائیں کیونکہ صحیح اسلام بھی آپ ہی سمجھتے ہیں۔ یہ مغرب والوں کی طرف معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے اسلام کو جہالت سے تعبیر کر کے اپنی آواز کو ان کی آواز کے ساتھ ملاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

''ہمارے اسلام اور اسلام کی تعبیر سے وابستہ مولوی تو جاہل ہیں ہمارے ہاں تو اسلامی قانون بہت سخت اور ناقابل عمل ہے اس کے تحت ہاتھ کاٹنے کی اور کوڑوں کی وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں اس قانون کے اندر کوئی لچک نہیں۔ (۷۰)

وہ مزید لکھتے ہیں:

اسلام کی رو سے ایک مرد بغیر کسی رکاوٹ کے چار چار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتا ہے۔ عدالت میں عورت کی گواہی آدھی تصور کی جاتی ہے۔ اگر کوئی عورت غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کا خون بہا مرد کی نسبت آدھا ہے۔''(۷۱)

غرض یہ وہی کہتے ہیں جو مغرب چاہتا ہے اور اس کی ہمنوائی میں اتنے بڑھ چکے ہیں کہ علماء کی اسلامی تشریحات و افکار کو مبنی بر غلط تصور کرتے ہیں۔ (اللہ کے نیک بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں یا اللہ کے دشمنوں کی؟)

حقوق نسواں سے وابستہ اسلام سے غافل لوگ بنیادی انسانی حقوق کا تجویز کردہ منشور پڑھتے ہیں تو اس کی روشنی میں اسلام کی غلطیاں نکالتے ہیں یعنی اقوام متحدہ کے منشور کو حاکم بناتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ کو زندگی تصور کرتے ہیں اور پھر وہ ان کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔

''اسلام میں آزادئ رائے کا کوئی تصور نہیں۔ اگر کوئی فرد اپنے ضمیر کے مطابق کچھ بولنا یا لکھنا چاہے تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی اسلامی ریاست میں اخبار، رسالہ اور کتاب حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہوتے بلکہ اپنے ضمیر کے مطابق لکھنے

---

(۷۰) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق، خان، ڈاکٹر ص ۳/

(۷۱) ایضاً ص ۲/

والوں کو اکثر اسلام کی توہین کا مرتکب گردانتے ہوئے سزا دی جاتی ہے۔"(۷۲)

ان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی اہانت اور توہین آزادی رائے کا شاخسانہ ہے۔ یہ ہمارے پیارے رسول عزت ماب (فداہ ابي و امی) کی عزت خاک میں ملا کر اس پر بنیادی انسانی حقوق کا پرچم لہراتے رہیں اور مسلمان آنکھیں اور کان بند کر کے بیٹھے رہیں کہ بنیادی انسانی حقوق کے دین کا یہ ایک بنیادی تقاضا ہے کہ جو چاہے آپ کے دشمن آپ کے خلاف کرے آپ کے اس دین پر کوئی حرف نہیں آنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دین آپ کے آقا کا پسند کردہ اخلاقیات کا دین ہے۔ان کے آقا کا پسند کردہ دین تو انسانی ونسوانی حقوق ہیں۔انسانی حقوق کے دعویدار اور مسلمانوں سے معاملہ کرتے ہوئے غیر انسانی اور مادی، حیوانی پیمانوں پر یقین رکھتے ہیں۔

انسانی حقوق کے تحت عراق کے بے بس باشندوں کو آئے روز بمباری میں تڑپایا جاتا ہے اور اقتصادی شب خون سے وہاں کے عوام کی زندگی جہنم بن گئی ہے یا افغانستان کے اس مجبور و مقہور کو بنیادی حقوق کا پرچم لہراتے دیکھ لیں جن پر پابندی لگا لگا کر ان سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا گیا ہے۔ یا مقبوضہ فلسطین و کشمیر کے اس نہتے مسلمان کی سن لیں جس پر آتش و آہن کی بارش جاری ہے یا بلقان اور چیچنیا کے اس درماندہ اور مقہور انسان کی جسے طیاروں اور ٹینکوں کی مدد سے خون میں غسل دیا گیا ہے۔(۷۳)

واقعہ یہ ہے کہ یہ گستاخ رسول ملعون سلمان رشدی(۷۴) اور تسلیمہ نسرین(۷۵) کو انسانی حقوق دے سکتے ہیں مسلمانوں کو نہیں۔ یہ مغرب کی پروردہ این جی اوز کو تو تحفظ دے سکتے ہیں دینی اداروں کو نہیں۔

صلیبی سامراج اور یہودی سازش کے تحت تعلیم نسواں کا مدعا یہ نہیں کہ خواتین تعلیم حاصل کریں کیونکہ اسلام تو پہلے ہی عورت کی تعلیم پر زور دیتا ہے' ان کا یہ مدعا ہے کہ مسلمان عورت جدت اور مذہب کی تعبیر نو کے لیے وہ تعلیم

(۷۲) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، (انٹرویو) از عاصمہ جہانگیر،ص/۲۷۶

(۷۳) انسانی حقوق حق و باطل کے درمیان، عبدالعزیز کامل، حقوق انسانی کی آڑ میں اسلام مخالف اور پاکستان دشمن این جی اوز کا بھیانک کردار"، ترتیب و تحقیق، محمد متین خالد، طابع، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان، مارچ، ۲۰۰۳ء، ص/۲۴۶

(۷۴) سلمان رشدی ۱۹ جون ۱۹۴۷ء میں بمبئی میں پیدا ہوا۔ شیطانی آیات کا مصنف اور ادیب، اہانت رسول اکرمؐ کا مرتکب، مسلمانوں میں بدنام، بدنصیب اور مرتد ہے۔ ۱۹۶۵ء سے برطانیہ میں رہائش پذیر ہے۔

(۷۵) تسلیمہ نسرین: ۱۹۶۲ء میں بنگلہ دیش میں پیدا ہوئی۔۲۴ سے زیادہ شعر و شاعری کی کتابوں کی مصنفہ اور مشرقی ادیب ہے۔ مذہبی افکار کے خلاف تحریری ادب کی بدولت مسلمانوں میں ناپسندہ سمجھی جاتی ہے۔آج کل یورپ میں رہائش پذیر ہے۔

حاصل کرے کہ جس سے وہ اسلام سے آزاد ہو جائے اور ہمارے تعبیر نو کے حاملین ان مقاصد کے حصول کے لئے ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔حقوق نسواں کا دعویدار طبقہ جدید فکر کا غلام ہے۔جدیدیت کی تشریح میں انسائیکلو پیڈیا آف فلاسفی لکھتا ہے:

''جدیدیت کی فکر کے مطابق انسان مکمل طور پر آزاد ہے کہ وہ جو چاہے چاہ سکے۔جدیدیت خواہشات نفسانی کی الوہیت کا اعلان ہے۔اس کے خیال میں انسان آزاد تب ہوگا جب وہ اپنی عقل پر انحصار کرے۔یعنی آزادی کا نصب العین عقل ہی کے ذریعے ممکن ہے۔جدیدیت کے مطابق ہر انسان مکمل طور پر آزاد ہے کہ وہ اپنے خیر وشر کے پیمانے جیسے چاہے بنا سکتا ہے۔اس فکر نے انسان کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔''(۷۶)

اسلامی احکامات کے انکار پر مبنی حقوق نسواں کی صرف یہی شکل باقی رہتی ہے کہ نسوانی حقوق کے تحت عورت کو مرد کے جبر سے آزاد کیا جائے' مرد و عورت کو باہم میل جول کے مواقع میسر کئے جائیں' عورتوں کو بے حیا بنایا جائے' ان کے اندر سے حیا ختم کردی جائے اور حقوق نسواں کا پرچم بلند رکھا جائے۔اس کی زد میں آنے والے گھرانے ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں، عورت ایک شہوت پرستانہ جسم بن جائے جس کی زد میں آکر خاندان اُجڑ جائیں۔معاشرہ برباد ہو جائے۔اخلاق بے معنی قدر بن کر رہ جائے۔جنس معاشرتی قدر کی بنیاد بن جائے۔مسلمان معاشرے ڈارون (I) اور فرائڈ (II) کے نظریات کے علمبردار بن جائیں۔جس کے نتیجے میں انسان کی زندگی محض مشینی اور حیوانی زندگی بن کر رہ جائے گی۔(۷۷)

✵......✵......✵

(۷۶)"The Encyclopedia of Philosphy" by Paul Edward collier, volume 5-6, p.359

(۷۷)(i)ڈارون چارلس رابرٹ ڈارون: (۱۲ فروری ۱۸۰۹ء-۱۹ اپریل ۱۸۸۲ء) حیات انسانی کا ماہر، انگریزی سائنسدان ہے اس کے مطابق جانداروں کی تمام انواع ایک ہی اصل سے مربوط ہیں۔اس لیے اس کے متعارف کردہ سائنسی حیاتیاتی نظریات' ڈارون تھیوری' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔(http://darwin-online.org.uk/biography.html)

(ii) (فرائڈ مغرب میں ایک مقبول عام نفسیات دان ہے جس کے تصورات کا کل جنس ہے جس کے مطابق انسان سراپا جنس ہے اور جنسی اختلاط ہی صحیح راہ عمل ہے۔)

http://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%D8%B1%D8%A7%D8%A6%DA%88

مبحث ششم: نسوانی تجربات سے لاعلمی

حقوق نسواں کے علمبرداروں کی طرف سے ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کی تشریح کرنے والے علماء سارے مرد ہیں۔ وہ عورت کو مردانہ تناظر میں دیکھتے ہیں' نسوانی ونفسیاتی تجربات سے لاعلم ہیں اور عورتوں کے انسانی تقاضوں سے بھی بے بہرہ ہیں۔ امینہ ودود اسی لئے اس عزم کا اظہار کرتی ہے کہ عورتوں کے حقوق کی اسلامی تشریح کے لئے مردوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے عورتوں کو خود میدان میں آنا ہوگا۔ اسی فکر کے پیش نظر اس نے قرآن کی نسوانی تفسیر لکھی ہے۔(۷۸)

امینہ کی اس فکر کو اگر درست بھی مان لیا جائے تو بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ محمد قطب کے نزدیک تعبیر نو کی یہ فکر حدود آشنا نہیں ہے۔ ان کا ذہن انسان کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے غافل ہے۔ ان کا انسان کے بارے میں بھی نقطہ نظر خالص مادی نقطہ نظر ہے۔(۷۹)

یہ نقطہ نظر آج کے سائنسی دور کی پیداوار ہے جو انسان کو ایک جامد اور ٹھوس مادے کی حیثیت سے ہی پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کے تمام تجربات کی بنیاد ہی یہ ہے کہ نفس انسانی بھی ایک مادہ ہے جو یکساں حالتوں میں اور ایک موثر کی تاثیر پر مادے کی طرح یکساں ردعمل کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات جسمانی عمل سے متعلق درست بھی ہے مگر خود جسم اگرچہ مادی ضرور ہے لیکن ایک انسانی جاندار مادہ ہونے کی حیثیت میں جامد مادے سے یقیناً مختلف ہے۔ پھر یہ کہ ہر فرد دوسرے فرد سے مختلف ہے اور خود ایک ہی فرد کے نفس کی کیفیت، حالات کی یکسانیت کے باوجود بھی مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اس اختلاف کی معمولی سی مثال، 'فلاسفہ' کا یہ قول ہے کہ جو بھی گھڑی گزرتی ہے انسان کے تجربے اور علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور یہ بات ممکن نہیں رہتی کہ ایک ہی انسان ایک ہی حالت سے دو مرتبہ گزرے۔
اس تعبیر نو کے ذہن پر سوار مادیت کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ یہ تمام انسانی اعمال کا سرچشمہ جسم کو قرار دیتی ہے۔ اور اس طرح غیر جسمانی مشاعر کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتی۔ گویا کہ اس مادیت میں انسان کے

---

(۷۸)"Quran & Women" by Amina Wadud, Tital page

(۷۹)اسلام اور جدید مادی افکار، محمد قطب، سید، ترجمہ، کاندھلوی، سجاد احمد، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۳/ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، پاکستان، طبع ثانی، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۴

اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کا کوئی وجود نہیں ہے' کیونکہ یہ پہلو جسم سے پیدا نہیں ہوتے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ تجربی نفسیات کے ماہرین کسی وقت کچھ ایسے جسمانی تغیرات دریافت کرلیں جن سے کوئی اخلاقی تصور یا ضمیر یا بلند انسانی قدریں پیدا ہوتی ہوں۔

اسی لئے تجربی نفسیات اس چیز کی قائل ہے کہ سماج، اخلاق اور مذہب سب فضول ہیں۔ ان کا جسم انسانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اہل مغرب اس خرافات پر سائنس کا نام سن کر یقین کر بیٹھے ہیں یا یہ کہیے کہ پہلے ہی یقین رکھتے تھے، کیونکہ ڈارون اور فرائڈ کے اثرات اور شدید ترین مادیت کی لہریں انہیں اس یقین پر مجبور کر چکی تھیں پھر نسوانی تجربی نفسیات نے یہ کہہ کر کہ وہ نفس انسانی ونسوانی کے بارے میں اٹل حقائق پیش کر رہی ہے ان کے اس یقین میں مزید اضافہ کر دیا اور ان کی کج فطرت خواہشوں کی تکمیل کا سامان فراہم کر دیا۔

اس طرح اہل مغرب نے یہ بھی سمجھ لیا کہ عالمی نظام' انسان کا من گھڑت نظام ہے۔ جسم انسانی میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو انسان کو خاندانی نظام سے ربط وتعلق رکھنے پر آمادہ کرے۔ اس کے جسم میں صرف جنسی توانائی ہے جو حیاتیاتی Biological مسئلہ تو ہے مگر اخلاقی اور اجتماعی مسئلہ بہرحال نہیں ہے۔ عورت ہو یا مرد' وہ صرف اس حیاتیاتی اور جسمانی ضرورت کو کسی نہ کسی شکل میں پورا کرنے پر مجبور ہے اور اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اسے اخلاق، سماج اور خاندان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ کسی تجربہ گاہ میں یہ انکشاف نہیں ہوسکا کہ یہ اخلاق وغیرہ انسانی جسم کے کس حصہ میں فروکش ہیں۔

ان نسوانی ونفسیاتی تجربات کے علمبرداروں کے نزدیک بلند انسانی قدریں بھی فضول ہیں۔ جو کچھ ہے وہ صرف مادی اور ارضی ہے۔ انسان میں بھی بعینہٖ وہی جبلتیں ہیں جو حیوان میں ہیں۔ اور انسانیت کا ہر فرد اپنی لذتوں کا تابع اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے۔

تجربی نفسیات کے ماہرین فرائڈ کی بیان کردہ شعوری جبریت پر بھی یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں حیات نفسی کا سرچشمہ جسم ہے جو ایک ایسا کیمیائی اور خودکار عمل ہے جس میں ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ پس جب ارادہ نہ رہا تو انسان کی اپنے اعمال پر ذمہ داری بھی ختم ہوگئی۔

جسم کا دباؤ مسلسل ہے۔ ہر جسمانی حرکت لازمی طور پر بعد والی حرکت پر منتج ہوتی ہے اور بالآخر اس سے کچھ شعور،

کچھ میلانات اور مخصوص قسم کا طرز عمل پیدا ہوتا ہے اور یہ سارا جسمانی اور حیاتیاتی عمل انسان پر لاگو ہے۔ اس میں انسان کے انتخاب و اختیار کو کوئی دخل نہیں کیونکہ انسان کو پتہ ہی اس وقت چلتا ہے جب یہ سارا عمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے جب انسان کا اختیار ہی کوئی باقی نہ رہا تو اس کی کوئی اخلاقی ذمہ داری بھی نہ رہی اور جب اخلاقی جواب دہی کا تصور ہی ختم ہو گیا تو انسان اور انسانیت کا مفہوم بھی ملیا میٹ ہو گیا۔

حقوق نسواں کی تحریکوں نے حیاتیات کا یہ نظریہ مکمل طور پر اقتصادی اور اجتماعی ارتقاء پر چسپاں کر دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ تمام نتائج جو انہوں نے حاصل کئے ہیں بالکل درست ہیں کیونکہ ان کی تعمیر ایک صحیح بنیاد پر اٹھائی گئی ہے۔

انسان کو مادی اور حیوانی نقطہ نظر سے دیکھنا اور روحانی پہلوؤں اور بلند قدروں کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے صرف جسمانی اور مادی محسوسات ہی کو تسلیم کرنا یہ بعینہٖ وہی مادہ (matter) پرستانہ اور مادہ (female) پرستانہ نقطہ نظر ہے جس کا یورپ قائل ہے۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ حقوق نسواں کی تعبیر' مغربی تہذیب کا پرتو ہے' اگرچہ اس کے علمبردار شرق و غرب میں اسلام کی جدید اور حق پر مبنی تشریح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (۸۰)

مادیت میں حق و انصاف کی اپنی کوئی قیمت نہیں اور نہ ہی یہ اس قابل ہے کہ انسان ان کی تلاش و جستجو میں اپنا وقت صرف کرے۔ اس طرح اس تعبیر کے مطابق نبوت، عقائد اور مذہبی جذبات و میلانات بھی بے معنی ہیں۔ بس حقیقت تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے معیشت۔

ان کے نزدیک مذہب تو درحقیقت ایک ایسی افیون ہے جو جاگیردار اور سرمایہ دار' غریب عوام کو طبقاتی کشمکش سے باز رکھنے کے لئے دیتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک خاندان بھی کوئی ایسی نفسیاتی ضرورت نہیں جو مرد اور عورت کے نفوس میں جاگزیں ہو بلکہ یہ ایک معاشی ضرورت ہے جو اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ عورت کو اپنی معیشت کے لئے مرد پر اعتماد کرنا پڑتا ہے' کیونکہ تمام وسائل پیداوار پر مرد قابض ہے اور اس بالادستی کی بنا پر مرد عورت کو جبر اور دباؤ کا نشانہ بناتا ہے کہ وہ اسی کی ہو کر رہے۔ (۸۱)

اسی مسئلہ کے حل کے لئے ان کے نزدیک عورت کو معاشی طور پر مضبوط کرنا' اس کی جنسی خواہشات کو ہوا دینا اور اس کو خاندان سے گریز کی راہ دکھانا' عورتوں کے مادی اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ رہا دین و مذہب، اس کی

(۸۰) اسلام اور جدید مادی افکار از محمد قطب، سید، ترجمہ، کاندھلوی، سجاد احمد، ص/۱۰۴-۱۰۶، ۱۰۹

(۸۱) قرآن اور علم جدید از محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، ص/۵۱۱

تعبیر نو.......

نسوانی تجربات سے مراد اگر وہ تجربات ہیں جو عورت بحیثیت مختلف صنفی اعضا کے حامل ہونے کی بنا پر محسوس کرتی ہے تو اسلام نے عورت کے اس امتیاز کی بھر پور حفاظت کی ہے اور عورت کے لیے تمام خصوصی احکامات جو مردوں سے جدا ہیں اسی امتیاز کی بدولت ہیں جو امتیاز عورت کے حصے میں آیا ہے۔ یہ اعتراض تو مساوات مرد وزن کے علمبرداروں پر آتا ہے کہ انھوں نے مساوات مرد وزن کے چکر میں عورت کے تمام نسوانی تجربات سے صرف نظر کر کے اسے مرد کی نقالی کی راہ دی ہے اور اس کے امتیاز کو شکست دینا' اپنا ہدف ٹھہرایا ہے۔

اگر نسوانی تجربات سے مراد نیکی کے لیے تگ ودو کا حق یا اجر وثواب کی برابری کا معاملہ ہے تو عورت اور مرد ہر لحاظ سے برابر ہیں، عورت اپنی سعی و جہد میں مرد کے برابر کی حصہ دار ہے۔ اگر نسوانی تجربات کی روشنی میں نتائج اخذ کرنے کے بعد فیصلہ سازی میں شمولیت کا حق ہے تو اسلام اس کی نفی نہیں کرتا۔ ہاں فیصلہ سازی میں شمولیت کے بعد مرد پر حاوی ہونے اور اس کو اپنا تابع کرنے کی کوشش کرنے کا اسلام حامی نہیں ہے، کیونکہ یہ انجام کے اعتبار سے مردوزَن اور خاندان کے لیے تباہی کا باعث ہے۔

طبقہ حقوق نسواں' نسوانی تجربات کے ضمن میں مردوں کے کثرت ازدواج کے حق اور حق طلاق پر ناقد ہے، کیونکہ اسلام میں طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے (جسے طبقہ حقوق نسواں سے وابستہ عورتوں کے حقوق کی نئی تشریح کرنے والوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مرد کو طلاق کے حوالے سے عورت پر فضیلت حاصل ہے۔) اور مرد ایک سے زیادہ بیویوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ عورت کے لیے ایک وقت میں ایک شوہر ہے۔ یہ بات بجا ہے کہ بظاہر یہ نسوانی نقطہ نگاہ کی تذلیل محسوس ہوتی ہے اور اسے مولویوں کا عورت کے خلاف تعصب سمجھا گیا ہے اور انہیں نسوانی تجربات کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کا الزام دیا گیا ہے۔ جیسے کہ ترکی اور دیگر اسلامی معاشروں میں بھی یہی آوازہ سنا گیا ہے کہ ان حقوق کی تشریح میں نسوانی تجربات اور احساسات کو کچلا گیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مختلف صنفی ساخت کی بدولت مردوں کا بھی کوئی امتیاز ہے یا کہ نہیں۔ اسلام جہاں عورتوں کے امتیازات کا محافظ ہے وہاں مردوں کے امتیاز کا بھی نگہبان ہے۔ مردوں کے لیے جنسی پاکدامنی عورت کے مقابلے میں قدرے مشکل ہے۔ یہ ان کا جسمانی' جذباتی اور نفسیاتی امتیاز بھی ہے اور ان کے دائرہ کار کی نوعیت

کے جداگانہ تقاضے بھی۔

اسلام ہر صنف کے امتیاز کا محافظ ہے۔ صنفی امتیاز کی مخالفت اسلام نے نہیں کی' طبقہ حقوق نسواں کے افکار نے کی ہے۔ اسلام نے عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین اس کے امتیاز کی روشنی میں کیا ہے۔ یہ ہمارے وقت کا بہاؤ ہے جو کسی امتیاز کو منفی سمجھے یا مثبت جانے۔ طبقہ حقوق نسواں نے عورت کے امتیاز کی حفاظت کو عورت کی انسانیت کی نفی قرار دیا ہے اور مرد کے امتیاز کی حفاظت کو بھی عورت کے حق میں منفی قرار دیا ہے۔ لیکن طبقہ حقوق نسواں کو اس موقف پر طعنہ زنی کرنا ذرا محسوس نہیں ہوتا کیونکہ آج کے دور کے اسلامی معاشروں نے امتیازی کرداروں کی تشریح میں جو انتہا پسندانہ اسلوب اختیار کیا ہے نے اس امتیاز کو ترقی مخالف قرار دے کر انکار کی راہ اختیار کی ہے، لیکن طبقہ حقوق نسواں کی مذہب مخالف جرأتیں ان کے عقیدے کی گمراہی کا اشتہار ضرور ہیں۔

............*

مبحث ہفتم: عورت، آدھا انسان

مسلمان معاشروں میں ہر طرف یہ بازگشت سنائی دیتی ہے کیا عورت آدھی ہے، کیا عورت ناقص العقل ہے، کیا اسلام عورت کو کمزور رکھنے کا حامی ہے، اسلام اور عورت سے وابستہ لٹریچر مسلمان معاشروں میں کثرت سے شائع ہو رہا ہے جو عورت کی حیثیت کے تعین میں عورت کے مسئلے کو ہر زاویے سے دیکھ رہا ہے، لیکن عورت کا مسئلہ ہے کہ حل ہونے نہیں پاتا۔

جب حق' حق نہ رہے تو ناحق' حق کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ لیکن لبادہ اوڑھنے سے ناحق، حق نہیں ہو جاتا۔ آج اسلام کے زوال کے دور میں مسلمانوں کا رویہ اسلام کے ساتھ انتہائی ناانصافی پر مبنی ہے۔ وہ اپنے ہر ناحق عمل کی دلیل اسلام سے لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی رویہ آج مسلمان معاشروں کے مردوں نے عورت کو ذلیل کرنے کے لئے اپنا رکھا ہے۔ وہ عورت کی تحقیر کرتے ہیں' عورت کو مطعون کرتے ہیں اور دلیل کے لئے اسلام کو پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ کیا عورت آدھی ہے یا پوری، سوال یہ ہے کہ عورت کو آدھا یا پورا پیش کرنے والوں کے مقاصد کیا ہیں۔ اگر وہ مقاصد اسلام کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں اور مقصود اسلامی معاشرہ کی اصلاح و استحکام ہے تو شریعت ظاہری باتوں سے نہیں الجھتی۔ اسلام کے نظام معاشرت میں مرد اور عورت ہمنوا ہو کر چلتے ہیں اور ایک

دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں اور ان کی مضبوط چھت کے نیچے نئی نسل آزادی اور خوشی کے سانس لیتی ہے۔ خاندان کے بزرگوں کو تحفظ ملتا ہے۔ اسلامی معاشرہ خوشحالی کی راہ اپناتا ہے۔ جہاں ظلم کو راہ دینے کے لئے اسلام سے کھیلا جائے یا قانونی راہیں نکالی جائیں تو مسلمان قوم تنزل کا شکار ہوجاتی ہے اور مسلمان معاشروں کے زوال کی ایک بڑی وجہ عورتوں کو ان کا جائز مقام نہ دینا بھی ہے۔

''مسلمان معاشروں کی مزید بدقسمتی یہ ہے کہ دشمن انہیں اور ان کے نظریات کو جھوٹا کرنے کے لئے میدان میں اتر آیا ہے اور بہت سی تنظیمیں، تحریکیں دشمنوں کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کٹھ پتلیوں کا کردار ادا کررہی ہیں اور وہ خود بھی اس سے واقف نہیں بلکہ انہیں زعم ہے کہ وہ جدت اور ترقی کی نقیب ہیں۔ ان کا یہ تقاضا ہے کہ اسلام میں اجتہاد کے طور پر کچھ ایسی ایجادات کی جائیں کہ اسلام کے درخت پر ماڈرنزم اور مغربیت کے برگ وبار آنے لگیں'' (۸۲)

اگر مسلمانوں کا رویہ دین سے غلط فائدہ لینے کا ہے تو حقوق نسواں کے علمبرداروں کا رویہ دین کو مسخ اور تحریف کا ہے اور نتیجہ مسلمان اقوام کی ذلت اور کمزوری ہے۔ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (۸۳)

''حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو کہ تم حق کو چھپالو حالانکہ تم جانتے ہو۔''

مسلمان اپنی بات کی سند کتاب وسنت سے حاصل کر کے عورتوں کے خلاف اپنے متعصّبانہ رویے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

عورت تو ناقص العقل ہے لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

عورت کا تو ایمان پورا نہیں۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

عورت تو ناشکری ہے۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

عورت کی تو دیت آدھی ہے۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

عورت کا تو درجہ مرد سے کم ہے۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

مردوں کو تو عورتوں کو مارنے کی اجازت ہے۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

---

(۸۲) عورت معرض کشمکش میں، نعیم صدیقی، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۹۳ء، ص/۱۲۵

(۸۳) سورۃ البقرۃ:۲/۴۲

مرد تو کئی شادیاں کر سکتے ہیں۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

عورتوں پر تو مردوں کی اطاعت واجب ہے۔ لو دلیل دیکھو رسول اللہؐ نے فرمایا۔

مردوں کی بات درست ہے یا نہیں (اس سے اس جگہ بحث نہیں)۔ مردوں کی عموماً اس قسم کے دلائل کو پیش کرنے سے مقصود، عورت کی تحقیر و تذلیل اور بحث میں اس کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ (۸۴)

عورتیں خاندان کے مفاد میں معاشرے کے جبر میں یہ سب کچھ سہہ تو لیتی ہیں لیکن کیا وہ اسے تسلیم بھی کر لیتی ہیں اور اگر وہ لاعلمی اور ناآگہی کی بنا پر اسے تسلیم بھی کر لے تو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس پر راضی بھی ہو جائے اور اس کا مرد سے پیار اور محبت کا رشتہ بھی باقی رہے۔ یہ عورت سے وہ ناروا توقعات ہیں جو مردوں نے اسلام کے نام پر عورت سے وابستہ کر رکھی ہیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمان معاشروں میں عورت کی حقارت اور کمتر درجہ سے متعلق اسلام سے استشہادات بہت زبان زدِ عام ہے اور ہر کس و ناکس اس سے واقف ہے۔ لیکن عورت کی فضیلت اور مردوں پر عورتوں کی برتری یا برابری سے متعلق اسلام سے استشہادات انتہائی نایاب ہیں۔ جس طرح اسلام کے زوال کے دور میں مسلمانوں نے اسلام کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا اسی طرح مردوں نے اپنی کوتاہیوں اور جہالتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلام کا سہارا لیا۔ جس طرح اسلام کا نام مسلمانوں کو ان کے زوال سے نہیں بچا سکا اسی طرح اسلام کا نام مردوں کے ناروا روّیوں کو کوئی تحفظ نہیں دے سکے گا۔

کیا عورت آدھی ہے؟ اس سوال کے جواب میں علماء اسلام کا طبقہ عورت کو مرد سے آدھا ثابت کرنے کے لئے اسلام سے استشہاد کرے گا اور حقوقِ نسواں کا حامی طبقہ مرد کے خلاف میدان میں اُتر آئے گا۔ اگر عورت کو آدھا ثابت کرنے کا مقصد عورت کی تحقیر اور تذلیل ہے تو اسلام عورت کو عورت ہونے کے ناطے حقیر خیال نہیں کرتا، اگر حقوقِ نسواں کا طبقہ مردوں کے خلاف عورتوں کو مضبوط کرنے کی دعوت دیتا ہے تو اسلام عورتوں کو مردوں کے مقابل لانے کا حامی نہیں، اگر حقوقِ نسواں کا طبقہ حقوقِ نسواں کی آڑ میں علماء اسلام پر طعن و تشنیع کر کے اسلام کو بدنام

(۸۴) ان تمام استشہادات اور ان کے بالاستیعاب رد کے لیے دیکھیے: انقلابی جدوجہد میں خواتین کا کردار، محمد رفیق، پروفیسر، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، طبع دوم، اپریل ۱۹۹۵ء، ص/۵۷-۶۶

کرنا چاہتا ہے تو اس سے اسلام نہیں مسلمان ہی بدنام ہوتے ہیں ۔پس اس صورت حال میں سب کی کاوشیں باہم ایک دوسرے کو توڑنے اور کمزور کرنے کی ہیں اور اس کی بدولت اسلام کے دشمنوں کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

مبحث ہشتم: غیر لچکدار رویہ

روزنامہ 'احسان' تحریک نسواں سے وابستہ طبقہ حقوق نسواں کے جذبات کو زبان دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''اب تک ہماری عورتوں کو صرف مردوں کا دست نگر ہونا سکھایا گیا ہے۔ان سے صرف یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی سے پہلے باپ بھائی اور شادی کے بعد شوہر کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کا ہنر سیکھیں۔گھر کے مرد جو کچھ پیدا کریں اسی میں تنگی و ترشی کے ساتھ اپنا وقت گزاریں اور قومی زندگی کو خوشگوار بنانے میں اپنا دائرۂ عمل صرف زچہ خانے اور باورچی خانے تک محدود رکھیں۔سوال یہ ہے کہ کیا زندگی کا یہ نظریہ اب بھی ہمارے لئے سودمند ہے یا نہیں۔کیا خواتین کو قومی و ملی مشاغل کے وسیع تر میدانوں سے علیحدہ رکھنے اور انہیں صرف مردوں کی خدمت گزاری یا تفریحِ طبع کا آلہ کار بنائے رکھنے کا یہ طریقہ نفع بخش ہے یا خطرناک''۔

''شادی کے لئے ایک شوہر تلاش کرلینا اور زندگی کو اسی شوہر کی خدمت گزاری کے سانچے میں ڈھالتے رہنے کی کوشش کرنا کوئی مطمع نظر نہیں۔کوئی مقصد نہیں، اصل مقصد اور اصل مطمع نظر یہ ہونا چاہئے کہ تعمیر ملت کے وسیع تر مفاد کے لئے خود کو سازگار بنائیں اور اپنی خودی اور خودداری کو دبانے کی بجائے اسے ابھاریں اور جلا بخشیں مردوں کو اپنے رویوں میں لچک پیدا کرنا ہوگی۔''(۸۵)

حقوق نسواں کے علمبردار مذہب پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ وہ عورت کو اپنی قوت حیات کے کچلنے اور دبانے کا درس دیتا ہے۔ بالآخر اسے دائمی احساس گناہ کی ایک ایسی دلدل میں جا گراتا ہے جہاں اسے اپنا ہر فعل گناہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ نظر نہیں اٹھا سکتی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں جا سکتی۔ وہ اپنے حق کے لئے آواز نہیں اٹھا سکتی۔ وہ اپنی مرضی سے سفر نہیں کرسکتی۔ وہ دوست نہیں بنا سکتی۔ وہ اپنا جیون ساتھی نہیں منتخب کرسکتی۔اسے ہر آن اپنے اطراف کے مردوں کو دیکھنا ہے۔اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ تمام مسرتوں اور خوشیوں سے کنارہ کش ہوجائے۔اس دعویٰ کی تائید میں یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک یورپ مذہب کے چنگل میں گرفتار تھا اس کو ہر سو جہالت کی تاریکیوں نے گھیرا ہوا تھا۔مگر جب وہ اس مذہبی استبداد سے آزاد ہوا تو امنگوں اور جذبات کا تھما ہوا سیلاب اُمڈ پڑا اور کشت آرزو کے

---

(۸۵)اداریہ۔ 'احسان'،(روزنامہ)، ۴ فروری ۱۹۵۰ء......بحوالہ پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص۷۴

ویرانوں میں فصل بہار آ گئی۔(۸۶)

حقوق نسواں کی علمبردار خواتین اکثر یہ سوال کرتی ہیں کیا تم ہمیں مذہب کی طرف لوٹ جانے کا مشورہ دیتے ہو۔ کیا تم ہماری ترقی کی راہ میں دوبارہ مذہبی عقائد کے روڑے بچھا دینا چاہتے ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنی خواہشات کو دبا دبا کر اپنی زندگیاں اجیرن کر لیں۔

ہم اس خدا سے باز آئے جن کے نام پر تم ہمیں اپنا غلام بنانے چلے ہو۔ ہم پر بلا مشروط اطاعت اور غلامی کے بوجھ لادتے ہو۔ ہمیں اپنے ظلم وستم کا تختہ مشق بناتے ہو۔ تمہارے اس خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا جہاں سے منہ موڑ کر صرف تمہاری چار دیواری میں گھٹ کر مر جائیں۔ ہمیں ایسا خدا اور ایسا مذہب نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے اب ہم اپنے لئے ایک نیا مذہب بنائیں گے، جس میں تمہارے مذہب کی صفات بھی ہوں گی مگر اس میں تمہیں ہمیں غلام بنانے کے لئے کوئی نظام نہیں ہوگا اور نہ وہ ہم پر اس طرح کا کوئی اخلاقی و روحانی یا مادی ونسوانی پابندیاں عائد کرے گا جو تمہارے مذہب کا طرّہ امتیاز ہے۔(۸۷)

مصر کی مسلمان خواتین مطالبہ کرتی ہیں کہ:

''معاشرے اور خاندانی زندگی میں عورتوں کو مساوی حیثیت دی جائے اس طرح وہ مسلمان معاشروں میں نمایاں ہوں گی اور اس غالب کلچر کے لئے ایک چیلنج بن کر رہیں گی جو عورتوں کا مخالف ہے۔''(۸۸)

وہ مزید کہتی ہیں۔

''یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ مسلمان خواتین کی حیثیت سے ملک کی سیاست اور اس سیاست میں جو خواتین کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارا بھی حصہ ہو، سیاست محض مردوں کا اقلیم نہیں ہے جیسا کہ بعض مرد کہتے ہیں بہت سے مسلمان اس زاویہ نگاہ کے قائل ہیں کہ عورتوں کو محض باورچی خانے یا بستر کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔''(۸۹)

---

(۸۶) اسلام اور جدید دور کے مسائل از امینی، محمد تقی، ص ۲۷۴-۲۷۵

(۸۷) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (مترجم)، کیانی، محمد سلیم، ترجمہ، شبهات حول الاسلام، از محمد قطب، سید، ص ۲۸۰

(۸۸) *"New Veils and New voices: Islamist wormen's groups in Egypt"* by Soroya Duval, Karin Ask and Marit Tjomsland, eds, in *women and Islamisation* contemporary dimensions of Discourse on gender Relation, (Oxford:Berg 1998), p.58

(۸۹) ایضاً

سید قطب اس تصور کی نفی کرتے ہیں جس کا یہ ذہن ہے کہ یورپ کی زندگی کو جب تک مذہب نے قید رکھا تھا' وہ پابند سلاسل تھی۔ مذہبیت کی قید سے آزاد ہو کر اس میں تازگی اور بہار آ گئی ہے اور اس کی لذت و لطف سے ہر قسم کی قدغن دور ہو گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''کچھ حضرات کا خیال ہے کہ کلیسا کی لچک اور اس کی ثقافت کی بنا پر اسے معاشرے میں نفوذ کا موقع ملا اور دور احیا' عصر روشن اور مادیت کے بعد بھی مسیحیت کو اپنا وجود برقرار رکھنے کی ضمانت مل گئی حقیقت میں یہ خیال ایک وہم ہے۔ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں''۔(۹۰)

جو اشخاص کلیسا کی لچک کو یورپی معاشرتی زندگی کی تازگی کی وجہ قرار دیتے ہیں وہی اشخاص آج مسلم معاشروں کے عروج و ترقی کے لیے اسلام کو اس کے ہمنوا بنانے کی یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اسلامی افکار کو بھی لچکدار ہونا چاہیے۔

طبقہ حقوق نسواں کو عورت اور اسلام کے موضوع کے تحت غیر لچکدار رویے کی شکایت ہے۔ درحقیقت آج کا اسلام تقلید جامد کے اصول پر قائم ہے اور اسلام میں تحقیق اور نئے مسائل کے حل کے دروازے مسلمانوں نے خود پر بند کر لیے ہیں۔ وگرنہ اسلام نرمی کا مذہب بھی ہے اور لچک کا بھی ہے اور نہ ہی اسلام میں گھریلو زندگی کے علاوہ باہر کی زندگی کے دروازے عورت پر بند ہیں۔

اسلام کے اپنے مخصوص اخلاق و اقدار ہیں۔ اگر وہ پامال نہ ہوں تو اسلام اس سے بحث نہیں کرتا کہ معاشرہ اپنے ارتقاء کی کون سی شکل اختیار کرتا ہے۔ عورتوں کے لیے اسلام میں معاش کی کوئی پابندی نہیں۔ چاہے تو عورت ان سرگرمیوں میں شامل ہو اور اگر نہ چاہے تو کنارہ کر لے۔ لیکن دونوں صورتوں میں اسے پردہ، خاندان سے وفا، اولاد کی ذمہ داری، عفت و عصمت کی حفاظت جیسے اسلامی احکام سے آزادی نہیں۔

عورت کے گھر سے باہر یا گھر کے اندر کردار کے بارے میں علما کی آراء تو مختلف ہو سکتی ہیں کچھ کے نزدیک عورت کا گھریلو کردار معاشرے کے حق میں زیادہ فائدہ مند ہے اور کچھ کے نزدیک عورت کو تمدنی ارتقاء میں معاشرے کا معاون بننا چاہیے، لیکن دوسری فکر بھی یہی کہتی ہے کہ عورت کی پہلی ترجیح اس کا گھر ہی ہونا

---

(۹۰) اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، صدیقی، ساجد الرحمٰن، ترجمہ (الاسلام و مشکلات الحضارۃ) محمد قطب، سید، احباب پبلی کیشنز، ۴۳۔اے ریٹی گن روڈ لاہور، طبع دوم، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۹۰

چاہیے۔گھر کی قیمت پر وہ تمدنی ارتقاء کا حصہ بنے گی تو اس کا ایسا قدم اس کی اپنی ذات اور معاشرہ دونوں کے لیے مہلک ہوگا۔علمائے اسلام کے دونوں طبقے (ایک وہ جو عورت کے گھریلو کردار کی زیادہ حمایت کرتے ہیں اور دوسرا وہ جو عورت کو معاشی میدان میں لانا چاہتے ہیں) عورت کے استحصال کو اسلام کی روح کے منافی جانتے ہیں' چاہے وہ گھر میں عورت کو باندھ کر ہو یا آزاد فضاؤں کی آزاد نیلم پری بنا کر ہو۔

مسلمان تو مساوات مرد و زن کے مخالف ہیں ہی لیکن روس کے صدر گورباچوف[91] کے الفاظ پر حیرت ایک یقینی امر ہے جو انہوں نے انسانی نفسیات سے سمجھی ہے۔انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا:

> ''خواتین کو اپنی خاندانی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں۔مرد جنگ کی آگ اور خواتین باورچی خانے کی آگ جلانے کی زیادہ اہل ہیں۔''[92]

درج بالا الفاظ اگرچہ کسی مسلمان کے تو نہیں' لیکن فطرت کی طرف راہنمائی ضرور کرتے ہیں۔جس طرح ہر شر کے ساتھ خیر و ابستہ ہے۔کوئی شر خیر سے خالی نہیں اور کوئی خیر شر سے دور نہیں۔پس انسان کی دانش مندی اسی میں ہے کہ وہ شر اور فتنہ سے بھی خیر اخذ کرلے۔مسلمان کی زندگی جہدِ مسلسل کی ہی تصویر ہے۔عورتوں نے بھی اس آزمائش اور کٹھن مرحلے کو اپنے لئے ایک ناقابل عبور گھاٹی کے طور پر لیا ہے اور اسے عبور کرنے کی ٹھانی ہے۔عورتیں اب اسلام کا مطالعہ زیادہ زور و شور سے کررہی ہیں۔

> ''ایک بے نظیر (پاکستان کی سابقہ وزیراعظم) ہی کیا ملک کے اندر اور باہر یونیورسٹیوں سے وابستہ کئی خاتون اساتذہ قرآن اور اسلامی فقہ کے منابع کا براہ راست مطالعہ کررہی ہیں۔گویا مسلمان عورتوں نے حقوق نسواں کی اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے قرآن کا خود مطالعہ شروع کردیا ہے اور وہ وقت قریب آرہا ہے جب قرآنی آیات کی تعبیر وتشریح میں خارجی سہاروں سے نجات پانے کی کوشش کرتی بھی نظر آئیں گی۔اس وقت کو قریب لانے میں سب سے بڑا کردار علمائے کرام کا ہے۔''[93]

---

(۹۱) گوربا چوف: مشہور روسی صدر 1931ء میں پیدا ہوا۔ 1985ء سے 1951ء تک کمیونسٹ پارٹی یونین کا جنرل سیکرٹری رہا۔ 1988-1991ء میں روس کا صدر بنا۔اپنے دور میں معاشرتی، خاندانی اصلاحات کا بیڑا اُٹھایا۔روس میں ان کے نظریات کا خوب چرچا ہے۔(http://en.wikipedia.org/wiki/Mikhail_Gorbachev#Domestic_reforms)

(۹۲) جنگ، (روزنامہ) لاہور، ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء

(۹۳) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص ۱۰۰

حقوق نسواں کی تنظیمیں عورتوں کے کردار میں جدت اور ترقی کو آگے لانا چاہتی ہیں۔ مسلمان طبقوں میں عورتوں کا کردار ہر جگہ موضوع بحث ہے۔ ان عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ کیا وجہ ہے' مردوں کے لئے کردار متنوع ہے اور عورت کو صرف ایک ہی کردار کے لئے خاص کرلیا گیا ہے اور اس پر مختلف نوع کی دلچسپیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ حقوق نسواں سے وابستہ اسلام پسند طبقہ اسلامی تاریخ سے ایسی خواتین کا ذکر آگے لانے کا خواہاں ہے کہ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں زبردست معاشرتی کردار ادا کیا۔

بینظیر بھٹو (سابقہ وزیراعظم پاکستان) نے اپنی تقریر میں حضرت خدیجہؓ کی مثال سامنے لانے کی اہمیت پر زور دیا اور اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ:

''یہ خاتون اسلامی تاریخ کا انتہائی چمکدار نگینہ ہیں اور یہ معاشی لحاظ سے خود کفیل تھیں۔ آمدنی کے آزاد اور ذاتی ذرائع رکھتی تھیں۔ ان کی شخصیت ایک زبردست محکوم عورت کے اس امیج کے مطابق نہیں تھی جس کا ذکر مسلمان معاشروں میں سننے کے ہم عادی ہو چکے ہیں۔''(۹۴)

اگرچہ حضرت خدیجہؓ کا یہ آزادانہ معاشرتی اور معاشی کردار اسلام کے ظہور سے قبل کا ہے لیکن اس کے باوجود بہرحال اسے اسلامی اقدار کے منافی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

............*

مبحث نہم: خودی کی نفی

عورتوں کے حوالے سے مذہب کی تعبیر نو عورتوں میں خودی کے تحفظ کو یقینی دیکھنا چاہتی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''اسلام سے وابستہ مذہبی فکر عورت کو ذات کی نفی سکھاتی ہے۔ خود اعتمادی' خود انحصاری کی بجائے غیر کے سہاروں کا محتاج بننے کا درس دیتی ہے۔ معاشی طور پر محتاجی کو عورت کے لیے پسندیدہ امر ٹھہراتی ہے۔ عورت کے ذہن کو قید کرتی ہے اس کے آزادانہ استعمال پر پابندیاں لگاتی ہے۔ یہ عورت کو آزادی اور خود مختاری سے محروم کر کے اپاہج بناتی ہے۔ عورت کی اہلیت وقابلیت کے فروغ کے دروازے ان پر بند کرتی ہے۔ سماجی ڈھانچے کی تشکیل اور انتظامی امور میں عورت کی کردار کی نفی کرتی ہے۔ اگر عورتیں کوئی آزادانہ کام کو اختیار کرتی ہیں تو ان کے اس عمل کو مردوں کی طاقت کے خلاف خطرے کی آواز سمجھا جاتا ہے اور اسے روایت شکنی کی ابھرتی آواز سمجھا جاتا ہے۔''(۹۵)

---

(۹۴) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص/۱۰۰

(۹۵) (مردوں کے ساتھ صنفی ٹریننگ، تجرباتی انعکاس ازملٹن او بوٹے جوشوا، (ترجمہ) حمید اللہ ستی اور عظمی قریش، مبارزہ، (نیوز لیٹر) ص/۹

(ii)Womens Rights in Pakistan, p.25

کیا شریعت 'عورت میں خود انحصاری کی نفی کرتی ہے؟

خود انحصاری اور خودی کا فروغ اسلام کی روشنی میں مرد وزن کے لیے پسندیدہ امر ہے۔اسلام کی تعلیمات میں کہیں سے بھی یہ اخذ نہیں ہوتا کہ خود انحصاری مردوں کے لیے تو اچھی ہے لیکن عورتوں کے لیے بری ہے۔اسلام جہاں مردوں کی کمائی کا ذکر کرتا ہے وہاں عورتوں کی کمائی کا بھی ذکر کرتا ہے۔وہ کمائی اعمال کی ہو یا معاش کی ہو'اللہ کا فضل ہے اور اس کی بڑھوتری کی کوشش کرنا ،انسان کی معاشی و معاشرتی اور اخلاقی و تعلیمی حیثیت میں فروغ کا باعث ہے۔قرآن مجید میں ہے:﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِمَا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوْا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾[(۹۶)] ''مردوں کے لیے حصہ ہے جو وہ کمائی کریں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے جو وہ کمائی کریں اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔''

معاش اور کسب معاش سے متعلق اسلام کے جتنے بھی احکامات ہیں ان میں انسان کو مخاطب کیا گیا ہے اور انسان مرد وعورت دونوں ہی ہیں۔معاشی جدو جہد میں عورت کی کوشش کی نفی کہیں بھی اسلام میں نہیں ہے۔اسلام انصاف کا مذہب ہے وہ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کو راہ نہیں دیتا۔عورت پر معاشی بوجھ لادنا،عورت کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہے اور اس کے فطری فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ ہے۔عورت پر بچوں کی پیدائش ،رزق اور تربیت کی جو گرانقدر ذمہ داری فطرت نے ڈالی ہے اس کے ساتھ ساتھ معاشی بوجھ بھی اس پر لادنا حقوق نسواں نہیں بلکہ نسوانیت کے ساتھ ظلم ہے۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے قائلین بھی عورتوں پر معاشی بوجھ لادنے کے قائل نہیں۔وہ عورت کی اس فطری ذمہ داری کو عبوری دور کے طور پر لیتے ہیں اور اس کی پہلی حیثیت جس میں وہ مرد کے برابر ہے' اس کو عورت کی لازمی حیثیت سمجھتے ہیں یعنی معاش اس کی لازمی ذمہ داری ہے،لیکن فطری فرائض کی بجا آوری میں وہ معاش سے کنارہ کر سکتی ہے اور اسے یہ آزادی ملنی چاہیے۔مذہبی فکر سے وابستہ افراد عورت کی تخلیق انسان کی ذمہ داری کو لازمی حیثیت دیتے ہیں اور معاش کی اجازت وہ بھی دیتے ہیں،لیکن وہ عورت کے لیے کسب معاش کو عبوری دور کے طور پر لیتے ہیں۔یعنی اگر عورت کے لیے کوئی معاشی سہارا نہ ہو تو وہ کوئی ذریعہ معاش ختیار کر سکتی ہے۔حقوق نسواں کی جدید فکر

---

(۹۶) سورۃ النساء:۳۲/۴

کے نزدیک عورتوں کو بھی مردوں کی طرح کسب معاش میں برابر کا حصہ لینا چاہیے،لیکن ان کے نزدیک بھی عورت کی حیثیت لازم کفیل کی نہیں ہے۔ان کے نزدیک اگر عورت پر گھریلو ذمہ داریاں ہوں تو عورت کی پہلی ترجیح معاش کی بجائے گھر ہی ہونا چاہیے،لیکن وہ عورت پر معاش کو محدود کرنے کی بجائے عورت پر معروف عام فطری ذمہ داریوں کو محدود کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ طبقہ حقوق نسواں ضبط ولادت کا حامی ہے' Day care Centres کے نتیجے میں ابھرنے والی ثقافت کے فروغ کا حامی ہے' عورت کے لیے معاش کے دوران پیدا ہونے والی مشکلات کے حل کے لیے سرگرداں ہے۔ یہ عورت کی معاشی تگ ودو کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اورعورت کے خاص نسوانی کردار کی مخالفت نہیں کرتا۔

جب کہ روایتی مذہبی طبقہ عورت کے لیے معاش کو محدود کر کے عورت کے نسوانی فرائض کو عورت کے لیے لازمی حیثیت میں دیکھتا ہے۔ یہ طبقہ بھی عورت کے لیے معاشی جدوجہد کا انکار نہیں کرتا،لیکن ضبط ولادت کا مخالف ہے۔ Day care Centres کے نتیجے میں ابھرنے والی ثقافت کو مغربیت سے منسوب کرتا ہے۔معاشی جدوجہد کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مشکلات کے حل کے لیے عورت کو گھریلو امور کی طرف رغبت دلاتا ہے اورعورت کی معاشی جدوجہد کی حوصلہ شکنی کا رویہ رکھتا ہے'اگرچہ معاشی تگ ودو کی نفی نہیں کرتا۔ دونوں کے نزدیک عورت کے لیے گھر،اولاد' خاندان اور گھریلو ذمہ داریاں پہلی ترجیح ہے،لیکن گھر' اولاد' خاندان کے سانچے کی تشکیل میں دونوں کی آراء میں تفاوت ہے۔طبقہ حقوق نسواں اور جدید ذہن' اولاد کتنی ہو،کب ہو میں پلاننگ کا خواہاں ہے اور اس کی منصوبہ بندی میں عورت کی رائے کو مرد کے برابر درجہ دیتا ہے۔

روایتی مذہبی طبقہ عمومی طور پر اولاد کی منصوبہ بندی کا ہی مخالف ہے ان کے نزدیک خاندانی منصوبہ بندی لادینی اور مادہ پرستانہ تہذیب کا نتیجہ ہے اور اسلامی معاشرے میں اخلاقیات کی ہلاکت کا نشان ہے۔(۹۷)
اور اگر حامی ہو بھی تو خاندان کی تشکیل میں نسوانی رائے کو معتبر نہیں سمجھتا اور خاندان کی تشکیل میں فیصلہ کن حیثیت مرد کو ہی دیتا ہے۔(۹۸)

حقوق نسواں کا جدید ذہن،خاندان کی تشکیل میں مردوں کے رویے کے غیر ذمہ داری کے عنصر کو نمایاں کر کے یہ

(۹۷)اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ از علوی،ثریا بتول،ص/۲۲۴ (۹۸)ایضاً،ص/۵۷

حق عورت کو دینا چاہتا ہے کہ عورت اس فیصلہ میں آزاد ہو کہ وہ کتنی اولاد چاہتی ہے اور کب چاہتی ہے۔حقوق نسواں کا جدید ذہن عورت کے مانع حمل طریقوں کے استعمال کی تعلیم کا حامی ہے اور اسے عورت کا حق سمجھتا ہے۔فیصلہ سازی میں عورتوں کی شراکت جدید ذہن کا نعرہ ہے اور مردوں کی خدمت اور اطاعت مذہبی ذہن کا نعرہ ہے۔(۹۹)

اسلامی معاشرے کا مذہبی طبقہ مرد کی رائے کو عورت کی رائے پر فوقیت دینے کا ذہن رکھتا ہے اور عورت کو خاندان کے فیصلہ کن امور میں رائے دینے کا اہل تو سمجھتا ہے لیکن آخری فیصلے کا اختیار مرد کو دیتا ہے۔ان ذہنی اختلافات اور مختلف ترجیحات کی بنا پر قدیم روایتی اور جدید ذہن نے عورت کے کردار سے وابستہ عدل و مساوات اور انصاف کی مختلف تعبیریں کی ہیں اور دونوں کے پاس اسلامی ماخذ سے دلائل موجود ہیں۔

مردوں کے فیصلہ سازی میں اختیارِ کل کے دعوے کے بعد نسوانی مسائل میں ان کے غیر ذمہ داری کے رویے نے فکر جدید کو جنم دیا ہے اور جدید ذہن کی عورت میں خودی اور خود انحصاری جنم لے رہی ہے۔آج کی عورت اپنی مہار مرد کے ہاتھ میں دینے پر تیار نہیں۔مسلمان معاشروں میں خودی کا فقدان اور غیر ذمہ داری اور خود انحصاری کا نہ ہونا' مسلمانوں کے زوال کے بڑے اسباب میں سے ہے۔اسلام مردوں میں بھی غیر ذمہ داری کو ناپسند کرتا ہے اور عورت ہونے کے ناطے کئی ایک مسائل میں عورت کے مرد پر انحصار کو پسند نہیں کرتا اور عورت کو بھی اسی طرح ذمہ دار اور باشعور خود اعتماد دیکھنا چاہتا ہے جس طرح مرد کو دیکھنا چاہتا ہے۔وہ عورتوں کی صلاحیتوں کے فروغ کا بھی اسی طرح حامی ہے جس طرح مردوں کی قابلیتوں و اہلیتوں کے فروغ کا حامی ہے۔عورت کی نسوانیت کا یہ قطعاً مطلب نہیں ہے کہ اسلام اپاہج عورت کو پسند کرتا ہے۔اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”عن عبد الله بن عمر قال قال رسول اللهﷺ ألا كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته فالإمام الذى على الناس راع وهو مسؤول عن رعيته والرجل راع على أهل بيته وهو مسؤول عن رعيته والمرأة راعية على بيت زوجها وولده وهى مسؤولة عنهم وعبد الرجل

(۹۹) (i) ایضاً،ص ۷/

(ii) اسلام دین معاشرت، وائی کے نفس، مترجم، محمد فضل حق، جامعہ تعلیمات اسلامی، پاکستان، پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی، طبع اوّل، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۵/

راع علی مال سیدہ وھو مسؤول عنه ألا فکلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته"(۱۰۰)

''عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واضح رہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک اپنی ذمہ داری کے بارے میں جوابدہ ہے۔ امام الوقت لوگوں کا نگہبان ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دہ ہے۔ ایک مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دہ ہے اور ایک عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگہباں ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ کسی آدمی کا غلام اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور وہ اس کے بارے میں جوابدہ ہے۔ خبردار واضح رہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

اسلام عورت کو بھی اسی طرح ذمہ دار بناتا ہے جس طرح وہ مرد کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ گھر و خاندان سے متعلقہ فیصلوں میں عورت کو بھی شریک کرے، اگرچہ وہ آخری فیصلے کا اختیار مرد کو ہی دیتا ہے۔ اس عمل میں اختیار واہلیت کے مدارج اور طبقوں کا تعین حتمی اصولوں پر کیا جانا دانشمندی کے خلاف ہوگا۔ مردوں کے لیے مستحسن امر یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو قوام اور ذمہ دار ہونے کے ناطے عورت کی نسبت زیادہ پورا کرنے کی کوشش کریں اور عورتوں کے لیے مستحسن امر یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ مفاہمت اور تطبیق کے لیے مردوں کی نسبت زیادہ معاون ہوں لیکن بہرحال ان حدود کے تعین میں خطوط نہیں کھینچی جاسکتی۔ جو چیز اپنے انجام کار کے اعتبار سے اپنے کو زیادہ فائدہ مند ثابت کرے اسی کو بقا اور دوام ہے۔﴿وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾(۱۰۱)

مسلمانوں نے اپنے زوال کے دور میں مختلف رویوں کا اظہار کیا ہے، کہیں وہ بے معنی طور پر ہی مغربیت کی مرعوبیت سے متاثر ہو کر اس کی بے جا نقالی کرتے ہیں اور کہیں مغربیت میں نفرت سے ان کے تصوارت کے ردعمل میں کچھ تصورات کو اسلامی نقطہ نگاہ سے منسوب کرتے ہیں، حالانکہ وہ تصورات اسلام کا لازمہ نہیں ہوتے۔ درحقیقت اگر وہ اسلام کے مقاصد کو تقویت دیں تو اسلامی ہیں اور اگر وہ اسلامی مقاصد کی کمزوری اور تخریب کا باعث بنیں تو وہ غیر اسلامی ہیں۔ Day care centres سے وابستہ خاندانی ثقافت کو آج اسلامی معاشرہ مغربیت زدگی سے تعبیر کرتا ہے۔(۱۰۲)

حالانکہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں نہ صرف بچے کی تربیت پرداخت بلکہ رضاعت کے لیے بھی بچے کی اصل

---

(۱۰۰) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قوا أنفسکم وأھلیکم نارا، رقم الحدیث: ۵۱۸۸

(۱۰۱) سورۃ الرعد: ۱۳/۱۷

(۱۰۲) جدید تحریک نسواں اور اسلام از علوی، ثریا بتول، ص ۲۹

ماں کے علاوہ دیگر معاشرتی عورتوں کے ماحول میں ان کے پلنے بڑھنے کے ثبوت ملتے ہیں اور دینی نقطہ نگاہ سے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا گیا۔

اگرچہ اس صورت میں مامتا کے روایتی جذبات کا فقدان محسوس ہوتا ہے اور اس کی کمیاں' انسانی تربیت میں تشنگی کا اظہار کرتی ہیں لیکن اسکی بدولت عورتوں کو ملنے والی سہولت اور مختلف النوع معاشرتی مسائل میں ان کی مشغولیت کی ترجیحات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اسلام معاشرتی صورتوں اور ثقافت کے رنگ ڈھنگ سے بحث نہیں کرتا، لیکن حدود اللہ کی نگہداشت وحفاظت پر زور دیتا ہے۔

............*

فصل سوم

اسلام کی تابعداری کی بجائے تشریحات کی پیروی

مبحث اوّل: مذہبی پیشوائیت

پاکستان کے پہلے وزیر خزانہ غلام محمد نے کراچی میں ہونے والی بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس کے آخری اجلاس میں ۶ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اپنے لیکچر کے دوران عورتوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ کچھ اس طرح ہیں:

''اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ اپنے ہاں کی تمام تحریکوں میں عورتوں کو صف اوّل میں جگہ دے کر ان کے ساتھ انصاف کریں۔ اس کے بغیر اقتصادی بحالی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگی۔ میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہالت اور تحکمانہ ملائیت نے مسلمان عورتوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اب ہم نے ان کو اقتصادی بندھنوں سے آزاد کرنا ہے۔''(۱)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کی کوشش کرنے والے اسلام کو بطور مذہب، ضابطہ حیات، الہامی ہدایت نہیں، بطور پیشوائیت پیش کرتے ہیں۔ یہ رسول اللہؐ کے حرم کی خواتین کے اُسوہ کو ملائیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

''مذہب کی دنیا میں تیسری چٹان یا زنجیر۔ زنجیر کیا پورے کا پورا جیل خانہ یہ پیشوائیت کی لعنت ہے۔ وہی جسے انگریزی میں Theocracy یا Priesthood کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں برہمنیت اور ہمارے ہاں 'ملائیت' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ زنجیریں ہیں جو عورت کو ایک قدم بھی اپنی مرضی سے نہیں اٹھانے دیتیں۔ یوں بیٹھو، یوں اٹھو، یوں سو، یوں جاگو، یوں چلو، یوں پھرو، یوں کھاؤ، یوں پیو۔ دایاں پاؤں ادھر رکھو، بایاں ادھر، سیدھا ہاتھ یوں اٹھاؤ' الٹا یوں۔''(۲)

ان متجددین کے نزدیک شریعت سے وابستہ تو سارے آداب قید خانہ اور زنجیر ہیں اور برقعہ خود ایک قید خانہ ہے۔ جبکہ ڈنر سوٹ، شام کی چہل قدمی کا لباس، سلیپنگ سوٹ، نہانے کا لباس swiming costume اور کھانے کی میز پر چھری کانٹے کا استعمال' کلب میں جائیں تو اس کے مراسم کی پابندی' تہذیب و شائستگی اور ایٹی کیٹس اگر آپ کو نہیں آتے تو آپ گنوار اور وحشی ہیں یہاں تک کہ اگر آپ کو میوزک کی تال پر سر کنا نہیں آتا تو بھی گنوار ہیں۔ اسلام بھی اپنی پوری تہذیب و ثقافت رکھتا ہے، لیکن اس ذہنی مرعوبیت اور احساس کمتری کا کیا کریں جس کے نزدیک ساری خرابیوں کی جڑ پیشوائیت (اسلام) ہے۔ اس کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا انتہائی دشوار ہے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی اور سراب کے پیچھے دوڑنے والے پیاسے ہی رہا کرتے ہیں۔

حقوق نسواں کے علمبردار جب بھی اسلام یا مذہب کا نام لیں گے تو ان کا ذہن مذہبی پیشوائیت کی طرف جائے گا

---

(۱) پاکستان ٹائمز، لاہور، ۸ دسمبر ۱۹۴۹ء

(۲) سلیم کے نام خطوط، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔B، گلبرگ، لاہور، طبع: ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص/۹

یہ اسلام سے مراد حقیقی اسلام نہیں لیتے۔ کیونکہ ان کا نقطہ نگاہ مغربی ہے اور یہ اسی نظر سے اسلام کو دیکھیں گے۔ مغرب میں مذہب اور سائنس کے مابین ایک طویل سرد جنگ رہی ہے۔ یہ اسی تناظر میں آج کی جدید سائنس سے اسلام کو لپیٹ دینا چاہتے ہیں۔ یہ قطعاً اس بات سے آگاہ نہیں کہ اسلام اور سائنس آپس میں مخالف نہیں ہیں۔ مذہب اور ترقی ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ نہیں۔ اسلام' پادریوں' چرچ یا کلیسا کی اجارہ داری کا مذہب نہیں۔ قرآن وسنت میں کسی بھی جگہ یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ مذہبی پیشوا کسی خاص خاندان سے ہی ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ملاؤں اور علماء پر اعتراضات کرتے ہیں وہ خود بھی ایک خاص نصاب سے گزر کر ملا' عالم یا مذہبی پیشوا بن سکتے ہیں۔

حقوق نسواں کے ضمن میں دین سے راہنمائی لینے کے رویے کو پیشوائیت سے تعبیر کرنا' درحقیقت اسلام سے متعلق لاعلمی کا اظہار ہے۔ ان کے نزدیک دین اسلام فقط عبادات اور کچھ مذہبی رسومات سے عبارت ہے اور معاشرتی معاملات میں دخل درمعقولات کا مرتکب ہے۔

مغرب کے دانش وروں کی ذہنی مجبوری یہ ہے کہ یہ جب مذہب اور اس کے لوازم کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں تو ان کے سامنے خدا کے بارے میں اہل یونان کے دیو مالائی تصورات سے لے کر عیسائیت تک اور پھر ہندومت' مجوسیت اور زرتشت کے غیر تاریخی گوشے بھی اوجھل نہیں رہنے پاتے اور تو اور ان کے مطالعہ کی وسعتیں ہندوستان کے قدیم آریائی مذاہب تک کو گھیر لینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ مگر خبر واطلاع کے اس دائرے میں اسلام کسی طرح سے نہیں آ پاتا۔ اسلام پر یہ جب بھی گفتگو کریں گے' سرسری اور صلیبی لڑائیوں کے تعصّبات کی روشنی میں اور حریفانہ اسلوب میں کریں گے۔ وگرنہ کہاں اسلام کا آفاقی ،شائستہ ومعقول' انسانی و معاشرتی تصور اور کہاں تھیا کریسی۔ (۳)

حقوق نسواں کے علمبردار اسلام کی تعبیر نو میں داخل ہونے کے باوجود مذہب اسلام پر حملہ کرتے ہوئے خود اس سے باہر چلے جاتے ہیں اور اسے ایک' پیشہ یا پیشوائیت' کے طور پر لیتے ہیں اسی لیے ان کے نزدیک مُلّا ازم ایک گالی ہے۔ یعنی اسلام کی تشریح کرنے والے کو یہ نفرت سے مُلاّ کی گالی دیتے ہیں۔

اگر ملاّ ازم یا اسلام کی تشریح کرنا اتنا ہی برا ہے۔ تو یہ خود تعبیر نو کے نام سے جو سعی وکوشش کر رہے ہیں وہ کیا

---

(۳) اساسیات اسلام (اسلام کی روشنی میں فرد اور معاشرہ کے فکری اور تہذیبی مسائل کا تجزیہ اور حل) ندوی، محمد حنیف، مولانا، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۷۳ء، ص/۱۸۳

اسلام کی تشریح سے باہر امر ہے (جب کہ یہ خود تو ایسا نہیں سمجھتے ان کے نزدیک تو اسلام کو سمجھا ہی انہوں نے ہے۔) اور مولویوں کو تو یہ توفیق ہی نہیں ہوئی کہ وہ اسلام کو سمجھیں۔ ملائیت سے ان کی مراد مذہبی پیشوائیت ہوتی ہے۔

غزالیؒ لکھتے ہیں:

''حق کا پیمانہ خود نفس حق ہے اہل حق نہیں۔ عارف کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے بھی حق کی تجلیات کو پا لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جب انبیاء سے سہو ہوسکتا ہے تو ائمہ معصومین سے کیوں نہیں۔''(۴)

حضرت علیؓ کا قول ہے:

"قال علی إن الحق لا یعرف بالرجال أعرف الحق تعرف أھله"(۵)

''حق و راستی کو آدمیوں کے ذریعے نہ پہچانو بلکہ پہلے حق کو پہچاننے کی کوشش کرو پھر اہل حق کی معرفت خود بخود حاصل ہو جائے گی۔''

اسلام میں پادریوں کا کوئی طبقہ نہیں ہے دین اسلام کسی خاص گروہ یا شخص کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ یہ تمام ایمان رکھنے والوں کی مشترکہ میراث ہے اور ہر کوئی اپنی فطری روحانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق اس سے مستفید ہونے کا یکساں حقدار ہے۔ اسلام کی نظر میں مرد وزن برابر ہیں۔ ان میں جو فرق و امتیاز ہے وہ ان کے اعمال کے لحاظ سے ہے۔ عزت و تکریم کے مستحق وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ڈر سے شیطان کے سکھائے ہوئے رستوں سے بچیں' چاہے وہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہوں یا معلم، معمولی مزدور ہوں یا کاریگر' مذہب اسلام ان پیشوں میں سے کوئی پیشہ نہیں ہے۔ نہ پیشہ ور مذہبی آدمیوں (پادریوں) کا کوئی طبقہ اسلام میں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی عبادات بجا لانے کے لیے کسی پادری کی ضرورت نہیں ہوتی البتہ اسلامی معاشرے میں معاشرتی قوانین اور اصولوں کے ماہرین کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی اور آئین کے ان ماہرین کو اسلامی معاشرے میں وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو اس طرح کے ماہرین کو دوسرے ممالک میں بالعموم حاصل ہوتی ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں انہیں نہ تو کوئی

(۴) سرگزشت غزالی، ندوی، محمد حنیف، اردو ترجمہ المنقذ من الضلال از غزالی، امام ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان، طبع دوم ۱۹۶۹ء، ص/۱۳۵

(۵) فیض القدیر، المناوی، عبدالرؤف، مکتبہ التجاریہ الکبری المصر طبع اوّل، ۱۳۵۶ھ، ج/۱، ص/۲۱۰، شرح کوکب المنیر، ابن نجار، محمد بن احمد بن عبدالعزیز الفتوحی، تحقیق، احمد الزحیلی، ڈاکٹر، مکتبہ العبیکان، الریاض، طبع ۱۹۹۳ء، ج/۴، ص/۵۹۱، اعرف الحق تعرف أھله

برتری حاصل ہوتی ہے اور نہ کوئی خصوصی مراعات۔ قانون کے ماہرین کی حیثیت سے یہ ریاست کے مشیروں کا کام کرتے ہیں۔ اسلام پر کسی فرد یا طبقے کی اجارہ داری نہیں بلکہ مسائل دین میں صرف ان لوگوں کو اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں اور ساتھ ہی ان میں یہ صلاحیت بھی موجود ہو کہ وہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے قطع نظر کر کے زندگی کے عملی مسائل میں دینی احکام کی روشنی میں راہنمائی دے سکیں۔

اسلام میں یورپی کلیسا کی طرح کا کوئی ایسا نظام نہیں پایا جاتا جو اس کے پیروؤں کو کفر و الحاد پر مجبور کر دے مگر اس کے باوجود جب اسلامی ممالک میں حقوق نسواں کے پردے میں مغرب کی نقالی کی دعوت دی جاتی ہے تو ہمارے ذہنوں میں خود بخود یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔

ایک معاصر صاحب علم لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے سابق نوآبادیاتی آقاؤں کے اندھے مقلد ہیں اور ان کی تقلید میں چاہتے ہیں کہ انہیں دین اور دینی عبادات پر الٹی سیدھی تنقید کرنے اور مسلمان عورتوں کو مردوں سے باغی کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے اس چیز کو یہ لوگ آزادی نسواں کا نام دیتے ہیں۔''(٦)

یورپ والوں نے تو اس لیے مذہب سے مخالفت کی تاکہ وہ چرچ کے مذہبی استبداد اور توہمات وخرافات سے آزاد ہوں اور حقیقی معنوں میں ذہنی و جسمانی آزادی سے بہرور ہوں۔ وہ لوگ ایک لحاظ سے اس طرز عمل میں حق بجانب بھی تھے اور مجبور بھی، مگر اسلام میں تو نہ تو چرچ کا سا استبداد ہے اور نہ اس میں توہمات وخرافات کے لئے کوئی گنجائش ہے وہ تو عورت کو خود ہی آگے بڑھ کر وہ تمام ضروری آزادیاں عطا کرتا ہے جو اس کے لئے ضروری ہیں اور جن کے نام پر ہمارے نام نہاد روشن خیال حضرات شوروغوغا کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمیں نہیں سمجھ آتی کہ آخر اس ہنگامہ اور شوروغوغا کی وجہ کیا ہے اور اسلام سے یہ طبقہ حقوق نسوں اتنا ناراض کیوں ہے۔

سید محمد قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ آزادی فکر اور آزادی نسواں کے ان نام نہاد علمبرداروں کو آزادی فکر سے کوئی حقیقی دلچسپی نہیں، بلکہ ان کا مقصود آزادی نسواں اور آزادی فکر سے معاشرے کو اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی کا روگ لگانا ہے۔ آزادی کے نعرے کو یہ لوگ محض اپنے مخصوص، مذموم مقاصد پر پردہ ڈالنے کے لئے بلند کرتے ہیں۔ اخلاق اور مذہب کے خلاف ان لوگوں نے جو

(٦) سرگزشت غزالی از ندوی، محمد حنیف، ص ١٣٦/

مکروہ جنگ چھیڑ رکھی ہے اس میں آزادی کے نعرے کا مدّ عا محض دوسروں کو فریب دینا ہے۔ان کی دین اسلام سے دشمنی کی اصل وجہ یہ ہے کہ دین اسلام انسان کو گھٹیا اور پست جذبات وخیالات کی غلامی سے نکال کر اونچے آورش دیتا ہے یہی چیز دلدادگانِ آوارگی کو پسند نہیں۔''(۷)

محمد الیاس لکھتے ہیں:

''حقوق نسواں کے علمبرداروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمان عورتوں کو قرآن مجید سے تعلق توڑنے پر مجبور کر دیں تا کہ وہ قرآن سے دور ہی رہیں۔مسلمان عورتوں کو قرآن سمجھنے کی اجازت نہ دو اور نہ ہی انہیں قرآن پر عمل کرنے کی اجازت دو۔انہیں جدیدیت کو اختیار کرنا ہے ۔انہیں مغربی تہذیب وافکار کو تسلیم کرنا ہے۔ انہیں مغربی معاشروں کے ساتھ جڑنا ہے۔''(۸)

وہ مزید کہتے ہیں:

''اسلام کسی کا دشمن نہیں ۔مغرب کے خدشات کا کوئی جواز نہیں۔اسلام اس کے لئے مستقبل کا خطرہ نہیں ۔مغرب کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ اس کے معاشروں میں خاندان اور سماج کی شکست وریخت کا سلسلہ اگر جاری رہا تو مغربی دنیا جلد یا بدیر ایک ایسے نظام کی تلاش میں ضرور نکلے گی جو زندگی کو اخلاقی بے راہ روی سے بچا سکے۔جس نے اب ایڈز کی شکل اختیار کر لی ہے کل کوئی اور شکل اختیار کر سکتا ہے''۔(۹)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حامی افراد کی مذہبی پیشوائیت پر تنقید اور اسلامی احکام کی تشریح میں دست درازی پر ابو عمار زاہد الراشدی(۱۰) لکھتے ہیں:

'' ایسے اصحاب دانش کی حالت انتہائی قابل رحم ہے جو مولوی پر یہ الزام لگاتے ہوئے نہیں تھکتے کہ وہ ضدی ہیں،ہٹ دھرم ہیں اور دوسرں کے نقطہ نگاہ کا احترام نہیں کرتا لیکن خود ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ امت کے چودہ سو سالہ اجتماعی تعامل اور آج کے جمہور علمائے امت کے اتفاقی موقف کے سامنے چند افراد اس بات پر مصر ہیں کہ قرآن وسنت کے احکام

(۷) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات از کیانی،محمد سلیم ،اردو ترجمہ، شبهات حول الاسلام ،از محمد قطب ،سید،ص۲۸۴

(۸) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش ،محمد الیاس،مرزا،ص۱۷۰

(۹) ایضاً

(۱۰) زاہد الراشدی:علامہ،معلم ومفکر اور جدید دانشور ہیں۔الحمد للہ بقید حیات ہیں۔ابو عمار کنیت ہے۔ ماہنامہ'' الشریعة'' گوجرانوالہ کے مدیر ہیں۔مغربی ذہن کے تابع مسلمانوں کی کردار کشی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہیں۔ حالیہ مغرب کے مقاصد اور عزائم کو سمجھنے میں عوام کے راہنما سمجھے جاتے ہیں۔(www.alsharia.org)

وسائل میں ان کی تشریحات وتعبیرات کو ہر حال میں قبول کیا جائے اور صرف ان ہی کو معیار حق قرار دے کر احادیث نبویہ اور فقہ اسلامی کے پورے ذخیرے کو ان کے سامنے سرنڈر کرا دیا جائے' ورنہ وہ مغرب کے ساتھ ہیں اور سرے سے اسلامی احکام وقوانین کے نفاذ کو غیر ضروری قرار دینے والوں کی صف میں کھڑے ہیں۔''(۱۱)

مذہبی پیشوائیت پر تنقید سے طبقہ حقوق نسواں کا مقصود یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکام ومسائل میں ان ہی کی تعبیرات کو ہر حال میں قبول کیا جائے۔اور اسی چیز کا تجزیہ آج مسلم امہ نے کرنا ہے کہ شریعت کی تعبیر وتشریح میں کس کا موقف راجح ہوگا۔اور تعبیر نو کے ظہور کے بعد امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ تعامل کی کیا حیثیت ہوگی جس پر قدیم و جدید دور کے جمہور علماء وفقہاء کا اتفاق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی نظریہ مساوات اور اسلامی نظریہ مساوات کی باہم آمیزش سے اگر اسلامی نظام زندگی کے خطوط متعین کیے جائیں تو قدم قدم پر ان دونوں نظریات کے مابین باہم تصادم نظر آئے گا۔اس میں کس کس چیز کو ملائیت کہا جائے گا اور کس کس بات کو فقیہوں اور مولویوں کا مذہب بتا کر رد کرنے کی کوشش کی جائے گی اور کہاں چشم پوشی برتی جائے گی اور کہاں اغماز سے کام لیا جائے گا۔نتیجتاً اگر کسی انوکھے نظام زندگی کی تشکیل میں کامیابی مل بھی گئی تو وہ کیسا ہوگا اور اس کا اطلاق کیسے ممکن ہو سکے گا۔مسلمان معاشروں کے عوام جاہل سہی لیکن ان کے متعلق یہ گمان رکھنا کہ وہ بالکل عقل اور علم سے کورے ہیں شاید صحیح ثابت نہ ہو۔

اس قسم کی کوشش کا نتیجہ ایک سخت ذہنی انتشار اور فکری خلفشار کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔لوگ جب اسلام اسلام کی پکار کے ساتھ ہر قدم پر کھلم کھلا اسلام کشی کے مناظر دیکھیں گے تو ممکن نہیں کہ اس کا ردّعمل نہایت افسوسناک شکل میں ظاہر نہ ہو۔

امین احسن اصلاحی طبقہ حقوق نسواں کی تعبیر نو کرنے والوں کو چند نصیحتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''سیدھا راستہ تو یہ ہے کہ آپ اسلام کا نام لیتے ہیں تو اسلام کے لئے یکسو ہو جائیے۔اور معاشرہ کی تربیت بھی اسلامی خطوط پر کیجئے اور اسلامی نظم معاشرت کے لئے اپنا سر جھکا دیں۔اگر اس کی ہمت یا اس کا علم آپ کو نہیں یا یہ آپ کے نفس کی خواہشات کے خلاف ہے تو پھر شریفانہ طریقہ یہ ہے کہ راہ کا پتھر نہ بنیں،اسلام کی تشریح کرنے والوں کو ملائیت اور پیشوائیت کی گالیاں نہ دیں۔ان لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیجئے جو اسلام کا علم رکھتے ہیں۔اگر یہ بات بھی آپ کو منظور نہیں تو پھر

(۱۱) ایک علمی وفکری مکالمہ از غامدی، جاوید احمد، زاہدی الراشدی، معز امجد، خورشید ندیم، فاروق خان، ص ۱۷۳

تیسرا راستہ آپ کے لئے یہ ہے کہ اتاترک اور ان کے ساتھیوں کی طرح اپنے بل بوتے پر (اسلام کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر نہیں) میدان میں آیئے اور ان ہی کی طرح پوری جرأت کے ساتھ اعلان کیجئے ہمیں اسلام وسلام کچھ نہیں چاہیئے۔ ہم مغربی حکومتوں کی طرز پر ایک لادینی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں عورتوں کو اسی طرح مطلق العنان رکھنا چاہتے ہیں جس طرح یورپ کی لادینی ریاستوں میں ہیں۔ انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی خلق اور خالق کو دھوکا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ دنیا کی نجات اگر ہے تو بس اسلام کے اندر ہے۔ اور ہم دنیا کو پھر ایک صحیح اسلامی حکومت کا جلوہ دکھانے کے لئے اٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک لحہ کے لئے بھی قرآن کا بحیثیت ایک نظام زندگی کے اعتراف نہیں کیا اور کبھی قرآن اور سنت کی تعلیمات کو پارہ پارہ کر دینے والی حرکتوں کو اسلام سے موسوم نہیں کیا۔ آپ بھی منافقانہ روش چھوڑیئے جو نہ تو دنیا میں سرخروئی کا باعث ہوگی نہ آخرت میں۔''(۱۲)

امین احسن اصلاحی کے اس موقف میں مولانا مودودیؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں اور اسی قسم کا نقطہ نگاہ پیش کرتے ہیں۔(۱۳)

مبحث دوم: ظاہر پرستی

تعبیر نو کے حاملین کو مسلمان علماء پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ علماء ظاہر پرست ہیں۔ اسلام کے حقیقی مفہوم اور مقاصد سے صرف نظر کر کے ظاہری اور لفظی مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔ تعبیر نو کے حاملین کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہم خواتین سے متعلق قرآن مجید کے نقطہ نظر کو پوری طرح صحیح معنوں میں سمجھ لیں تو یہ عورتوں کے مقام میں اضافے کے لئے ایک تحریک انگیز قوت بن سکتا ہے۔

حیفا جواد کہتی ہیں:

''قرآن کے تمام مقامات اپنے نزول کے اعتبار سے وقت اور تاریخ کا خصوصی حوالہ رکھتے ہیں اور بعض خصوصی اور کچھ عمومی حالات میں نازل ہوئے ہیں اس بنا پر جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ ان حالات کی رعایت لئے ہوئے ہے۔ تاہم تاریخی اعتبار سے قرآن کا پیغام عہد نزول یا ان حالات کا پابند نہیں ہے لھذا قرآنی آیات کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قاری ان اسالیب بیان کے مضمرات کو اچھی طرح سمجھے جو اس وقت کے مطابق تھے۔ اس سے ان قوانین اور اصولوں کی روح معلوم ہوگی جو ایک خاص آیت میں بیان ہوئے ہیں۔''(۱۴)

---

(۱۲) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص/۸۲۔۸۳

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: پردہ از مودودی، ص/۳۹

(۱۴) مسلم تحریک نسواں، حیفا جواد، ترجمہ: خورشید احمد، ندیم، ص/۸

امینہ ودود بھی علما اسلام کی ظاہر پرستی کی ناقد ہیں۔ان کا اپنا کا طریقہ تعبیر متن کے اعتبار سے تاویلی ہے۔وہ سب سے پہلے قرآن کے زیر تفسیر حصے کے شان نزول کو دیکھتی ہیں اس کے بعد اس کی زبان کو گرائمر کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں جسے وہ (Holistic) طریقہ کا نام دیتی ہیں۔(۱۵)

حقوق نسواں کا فکر قرآن کے معنی کے تعین میں تاویلی طریقہ کا حامی ہے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ عورت کی حیثیت کے تعین میں قرآن کے ظاہر کی اتباع کی بجائے قرآن مجید کے باطنی معنی سے استنباط کیا جائے۔

امینہ ودود خواتین کے حقوق کے حوالے سے قرآن کی تعبیر کے تین مکاتب فکر کا ذکر کرتی ہیں۔روایتی، ردعمل پر مبنی، اور مکمل (Holistic)۔روایتی تفسیر میں بعض خصوصی مقاصد' مفسر کے پیش نظر ہوتے ہیں جیسے گرائمر، تاریخ، خطبات یا قانون، ان کے خیال میں یہ مکتب فکر (Atomistic) ہے اور اس میں ایسے تفسیری اصولوں کا خیال نہیں رکھا جاتا جن کے مطابق قرآن کی ہر آیت کو اس کے مجموعی تناظر میں سمجھا جائے۔وہ کہتی ہیں:

''تمام روایتی تفاسیر، ان کا تعلق جدید دور سے ہو یا قدیم سے، مردوں نے لکھی ہیں۔لہٰذا نسوانی تجربات کو یا تو نظر انداز کیا گیا ہے یا اسے مردانہ تناظر میں سمجھا گیا ہے۔ردعمل پر مبنی تفاسیر میں مسلمان معاشروں میں عورت کی کمزور حیثیت کو بنیاد بنا کر اسلام اور قرآن پر تنقید کی گئی ہے اور اسے اپنے ردعمل کا جواز بنایا گیا ہے۔اس تفسیری مکتب کے مقدر میں ناکامی لکھی ہے کیوں کہ ایسے سکالر جب تفسیر اور متن کے فرق میں ناکام رہتے ہیں تو اس کا الزام کتاب الٰہی پر دھرتے ہیں۔مکمل (Holistic) تفسیر وہ ہے جو جدید سماجی، اخلاقی، معاشی اور سماجی مسائل میں خواتین کے معاملات کو پیش نظر رکھتی ہے۔''(۱۶)

امینہ ودود نے خود' قرآن اور عورت' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مساوات مرد وزن کو قرآن سے ثابت کرنے کی نئی کوششوں کی دلیل ہے۔امینہ ودود نے خود بھی آیات کی تفسیر میں تاویلی طریقہ اختیار کیا ہے اور کثیر مقامات پر وہ روایتی نقطہ نظر پر تنقید بھی کرتی ہیں۔بعض ایسے مباحث کو وہ جنسی امتیاز کے بغیر دیکھتی ہیں جنہیں روایتی انداز میں جنسی امتیازی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔کئی معاملات کو وہ ایک خاص مفہوم میں قید کرتی ہیں جنہیں اس سے قبل آفاقی قرار دیا گیا ہے۔

اپنی ساری کتاب میں امینہ ودود مسلمانوں کے اس منفی رویے کے خلاف دلائل دیتی ہیں جو انہوں نے عورت کے

(۱۵)See: Internet = awadud@saturn.vcu-ed

(۱۶)Internet = awadud@saturn.vcu-ed; My muslim.com.Malysia kolalumpur 2001.

بارے میں روا رکھا ہے اور جس نے ان کے دعوے کے مطابق عورتوں کے مقام کے حوالے سے قرآن کی تفسیر کو متاثر کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں۔

''اگرچہ مرد اور عورت میں فرق ہے مگر اس کی حیثیت لازم کی نہیں ہے۔''(۱۷)

ان کا اصرار ہے کہ قرآن کی رو سے انسان مختلف طرح کے سماجی ماحول میں رہتا ہے جن کے اپنے امتیازات ہیں۔ اب یہ سماجی ماحول جس طرح ترتیب پاتے ہیں ان میں یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ مرد موروثی طور پر عورت سے برتر ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کے مطابق عورت کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ وہ بچے پیدا کرتی ہے اب اس بنیاد سے یہ غلط نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عورت کو تو صرف ماں ہی ہونا چاہیے۔ امینہ کا اصرار ہے کہ قرآن جب یہ بات کہتا ہے تو اس کی مراد وہ نہیں ہے جو بیان کی جا رہی۔ قرآن سے ایسا مطلب نکالنا' ظاہریت پرستی ہے۔ قرآن دراصل اس بات کی اہمیت کو نمایاں کر رہا ہے کہ بچہ پیدا کرنے کا عمل ایسا ہے جو عورتوں ہی کے ساتھ خاص ہے۔(۱۸)

امینہ کے نزدیک عورت کا یہ کردار اس وجہ سے بنیادی قرار پائے گا کہ اس پر نسل انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ گویا وہ شخص غلط فہمی کا شکار ہے جو اس سے یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ یہ صلاحیت صرف عورتوں میں پائی جاتی ہے اس لیے وہ ماں کا ہی کردار ادا کریں۔ جب مردوں کے لیے کوئی کردار ایسا نہیں ہے جو ان کی جنس کے لیے ان کی اہلیت کی بنا پر خاص کر دیا گیا ہو تو عورت کو بھی ایک کردار سے خاص کرنا روایتی مفسرین کی غلط فہمی ہے۔

امینہ ودود کہتی ہیں:

''کہ مردوں کو بعض خصوصی صفات سے نوازا گیا ہے۔ جیسے رسالت کا منصب، لیکن یہ خصوصی منصب صرف مردانگی کے ساتھ خاص نہیں عورتوں کی طرف بھی وحی آئی ہے جیسے حضرت مریمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مردوں کے لیے کوئی ایسا آفاقی اور خصوصی قانون بنا دیا گیا ہے جس کے تحت صرف وہی رسول بن سکتے ہیں، عورتیں نہیں۔''(۱۹)

امینہ ودود قرآن میں مذکور درجہ اور فضیلت کے الفاظ کی تاویل کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ قرآن میں جہاں مرد کو

(۱۷)Internet = awadud@saturn.vcu-ed

(۱۸)"Quran and Woman" by Amina Wadud, p.55

(۱۹)ایضاً

عورت پر درجہ دینے کا ذکر ہے اس کا تعلق محض طلاق کے امور کے ساتھ ہے' یعنی مرد عورت کی نسبت زیادہ آسانی سے طلاق دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ان کے نزدیک اس آیت کی یہ تفسیر درست نہیں کہ تمام مردوں کو تمام عورتوں پر درجہ حاصل ہے' یعنی مردوں کی برتری کو عمومی قانون نہیں بنایا جا سکتا' کیوں کہ اس صورت میں قرآن کی دوسری تعلیمات کے ساتھ تضاد پیدا ہو جائے گا۔جن کے مطابق وہ ہر فرد کو مرد ہو یا عورت' مساوی کہتا ہے۔ جہاں پر قرآن میں مردوں کی فضیلت کا ذکر ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾(۲۰)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

امینہ ودود کے نزدیک یہاں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ معروضی اور مشروط ہے اور اس آیت کی جو روایتی تفسیر کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں درست نہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

''یہاں بعض کا لفظ عمومی انسانی تناظر میں استعمال ہوا ہے۔تمام مرد تمام عورتوں پر فضیلت نہیں رکھتے۔گویا اللہ نے جس فضیلت کا ذکر کیا ہے وہ مطلق نہیں۔''(۲۱)

وہ عورتوں کے لیے مردوں کی اطاعت کو بھی غیر ضروری قرار دیتی ہیں اور (قٰنِتٰتٌ) کی بھی تاویل کرتی ہیں۔تاویل کی بدولت ہی حقوق نسواں کا طبقہ اپنے موقف کو مضبوط کرتا ہے۔

امینہ ودود نسوانی نقطۂ نظر سے قرآن کا تاویلی مطالعہ کرتی ہیں اور نسوانی معنی اخذ کرنے کے لیے الفاظ اور ان کے سیاق وسباق کو نئے معنی دیتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ

''قرآن کی افادیت کو ثابت کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ آج کی جدید عورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن کے معنی کی نئی تعبیر کی جائے۔ان کا کہنا ہے کہ روایتی تفاسیر قرآنی ہدایت کو بنیادی قدیم معاشرے کے مخصوص تناظر میں اور الفاظ کی ظاہری نقالی تک محدود رکھتی ہے۔ یہ عورتوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کا تاویلی طریقہ قدیم تفاسیر کی حدود سے ماورا ہے۔ روایتی تفاسیر نے مسلمان عورتوں کے مقام کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ان کے نزدیک یہ تفاسیر قرآن کو فی الجملہ بیان کرنے میں ناکام ہوئی ہیں جو قرآنی پیغام کا جوہر ہے۔''(۲۲)

---

(۲۰)سورۃ النساء:۴/۳۴

(۲۱)"Quran and Woman" by Amina Wadud p.70-71

(۲۲)My muslim.com.Malysia kolalumpur 2001.

تعبیر نو کا فکر روایتی طرز استدلال سے نالاں نظر آتا ہے۔اور عورتوں کے حقوق کے حوالے سے روایتی طریق کار پر اعتماد نہیں کرتا۔تعبیر نو کے حاملین کا یہ کہنا ہے کہ روایتی علماء کا گروہ احکام کی علت کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ قدیم ظاہریت کی پیروی کرتا ہے اور احکام کے علل اور مقاصد و مصالح سے صرف نظر کر کے عبادات اور عادات و معاملات کو ایک ہی لڑی میں پرونے کی کوشش ہوتی ہے۔ان ظاہریوں کے نزدیک عورتوں کو قرآن میں ذکر ہر حکم یا بات کو ثواب کے لیے تعبدی طور پر تسلیم کر لینا چاہیے اور اس کی طاعت کرنی چاہیے۔کسی حکم کے سلسلے میں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس کی علت اور سبب کیا ہے۔اس کے پیچھے کیا حکمت پوشیدہ ہے ۔یہ احکام کے علل ومقاصد،حکم واسرار کا انکار کرتے ہیں اور حکم کے سلبی پہلو کی اتباع کرتے ہیں۔(۲۳)

جب کہ مذہبی ذہن تاویلی طریقے کا ناقد ہے اور اس طریقے کو قرآنی فہم پر حملہ قرار دیتا ہے۔

”جب تک تاویلی طریقے کا حامی نہ ہوا جائے معنی کی الٹ پھیر نہیں کی جا سکتی۔کیوں کہ قرآن کے سیدھے مفہوم سے اس کے متضاد معنی اخذ کرنے ہوں تو پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ تاویل کا سہارا لیا جائے۔تب ہی یہ طبقہ حقوق نسواں ایک نئی شریعت ایجاد کرنے نکلا ہے۔

اقبال نے ان ہی کے لیے کہا تھا:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند(۲۴)

ان کے دماغ پر مغرب سوار ہے لیکن اخذ قرآن سے کرتے ہیں۔انہوں نے اسلامی احکام میں جدت کی پیوندکاری کی ہے۔(۲۵)

اسلامی معاشروں کے مذہبی ذہن نے حقوق نسواں کی تحریک کو موجودہ دنیا میں پلنے والے سیکولر اور عقل پرستی پر مبنی رجحانات کا نتیجہ قرار دیا ہے اور جدید نسوانی تصورات کو مذہب مخالفت کے طور پر لیا ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

”حقوق نسواں کے باب میں نیا آوازہ اٹھانے والے بظاہر وحی کی اتباع ہی کی تلقین کرتے ہیں لیکن وحی کے معنی ہی بدل کر

(۲۳)اسلامی بیداری،انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں،ندوی،سلیمان،ص؍۶۷

(۲۴)پازند پارسیوں کے مذہبی عقائد اور رسومات کے مجموعے کا نام ہے۔

کلید کلیاتِ اقبال،بال جبریل،اردو مع اشاریہ و کشف الابیات،مرتب،احمد رضا،ص؍۳۵۷

(۲۵)قرآن اور عورت،قاسمی،محمد دین،ڈاکٹر،پروفیسر،ادارہ مطبوعات تکبیر،ناکوسینٹر کیمبل اسٹریٹ،کراچی،نومبر ۱۹۸۹ء،ص؍۵

انہیں ''باطنی معنیٰ'' پہناتے ہیں اس طرح عقل پرست زبانی طور پر وحی اِلٰہی کی برتری کے قائل ہوتے ہیں لیکن عملاً ہر دور کے غالب رجحانات اور مخصوص نظریات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور وحی اِلٰہی کی تاویل وتحریف کر کے ان نظریات وافکار کو الہامی کتابوں سے ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔''(۲۶)

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآنی فہم کو ہر دور میں تازہ کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

''قرآن کے احکام کو لغوی طور پر نافذ کرنے کی کوشش اور اس تبدیلی سے جو معاشرے میں واقع ہو چکی ہے اور برابر واقع ہو رہی ہے شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے قرآن کے اخلاقی اور سماجی مقاصد کو دھچکا پہنچتا ہے۔اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ منتہائے وحی کو پورا نہیں کرتے۔''(۲۷)

اسی لیے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ:

حکم کے ظاہری الفاظ معنیٰ کی دلالت میں معتبر نہیں ہوتے بلکہ اس کے پس پشت جو قدر (value) کام کر رہی ہوتی ہے وہ معتبر ہوتی ہے۔اور وہ قدر وقتی نہیں ہوتی، عالمگیر ہوتی ہے۔ اور یہ قدر الفاظ کی ظاہری ترتیب سے معلوم نہیں کی جاسکتی اور نہ زبان پر کامل عبور اور رسوخ سے۔بلکہ یہ تاریخی سیاق اور بصیرت سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے جس کے پیش نظر وہ حکم دیا گیا تھا۔(۲۸)

وہ معاشرتی امور میں مذہبی طرز استدلال میں تبدیلی کی حمایت کرتے ہیں ان کے مطابق:

قرآن نے وقتی حقائق اور مسائل سے متعلق جو فیصلے صادر فرمائے ہیں آج کے سماجی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے عمومی اصولوں کا استخراج کیا جائے اور پھر ان عمومی اصولوں سے آج کے مختلف حالات کو سامنے رکھتے ہوئے قانون سازی کی جائے۔اس طرح قرآن کو بحیثیت مجموعی سامنے رکھتے ہوئے آج کے سماجی ،اخلاقی اور معاشی مسائل کا حل ممکن ہے۔روایتی مقلد مسلم علماء صدیوں سے اس اجتہادی روش کو ترک کر چکے ہیں اور قرآن سے قوانین کے ایک کلی اور مربوط نظام کی بجائے اس کو مختلف ٹکڑوں اور غیر مربوط انداز میں اخذ کرتے ہیں۔

(۲۶) آئینہ پرویزیت، کیلانی، عبدالرحمٰن، مکتبہ السلام، وسن پورہ، لاہور، طبع سوم، جنوری ۲۰۰۱ء، ص/۴۸

(۲۷)"Islam & Modernity" Transformation of an Intellectual Tradition, by Dr.Fazal-u-Rahman, p.19

(۲۸)*"Major Themes of The Quran"* by Fazal-ur-Rahman, Publisher: Bibliotheca Islamica, 2nd edition , June, 1989,, Lesson No 1-3

فضل الرحمٰن (۲۹) کا کہنا ہے کہ: اس طرح قرآن کے الفاظ کے ظاہری معانی مقصود بالذات بن جاتے ہیں اور قاری صحیح زاویہ سے معانی کی گہرائی میں اترنے سے دور رہ جاتا ہے۔''(۳۰)

سرسید اور اقبال کی عقلیت پسندی کا اثر فضل الرحمٰن پر نمایاں ہے۔ وہ حمیدالدین فراہی (۳۱) کے پیش کردہ نظم قرآن اور ربط قرآن سے بھی متاثر ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ بعض مقامات پر ان کی تنقید' فکر کے نئے زاویے کھولتی ہے۔ آج کا جدید ذہن اسلام کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہے اور یہ غلط فہمیاں انسانیت کے مستقبل کے متعلق خوفناک اندیشوں کا روپ دھار لیتی ہیں۔ آج مسلمان علماء کو جہاں مادر پدر آزاد مغربیت کی اسلامی افکار پر یلغار کا مقابلہ کرنا ہے وہاں جمود، دقیانوسیت اور غلط فہمیوں سے بھی اسلام اور حقوق نسواں کو آزاد کروانا ہے۔ اسی طرح مسلمان معاشروں میں تعمیر و ترقی کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے اور عورتوں کو ان کے حقوق کے حوالے سے مطمئن کیا جا سکتا ہے۔

جو لوگ شرعی امور میں بغیر کسی رسوخ اور دلیل کے دخل اندازی کی جرأت کرتے ہیں اور احکام کی علتوں کو معلوم کرنے کی بجائے' شریعتِ اسلامیہ کو عورتوں کے حقوق کے خلاف بطور دلیل کھڑا کرتے ہیں' وہ عورتوں کے دلوں میں اسلام سے نفرت کی آبیاری کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے صحیح فکر کی اشاعت میں رکاوٹ ہیں۔

---

(۲۹)IBID

"Islam & Modrernity" by Dr. Fazal-u-Rahman, p.13,140

(۳۰) فضل الرحمٰن ملک: (26 جولائی 1988ء۔21 ستمبر 1919ء) اسلام کے معروف سکالر، بیسویں صدی کے نامور مفکر، مغربی فلسفہ اور مذہبی مباحث پر خوب دسترس رکھتے ہیں۔ آپ شکاگو یونیورسٹی امریکہ میں اسلام علوم کے استاد رہے۔ آپ مشرقی اور مغربی مذہبی ذہن کے فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر آپ کی فکر کو وسط ایشیائی مذہبی فکر میں کافی مقبولیت حاصل ہے۔ (http://en.wikipedia.org/wiki/Fazlur_Rahman_Malik)

(۳۱) حمید الدین فراہی الہندی: عبد الحمید بن عبد الکریم بن قربان قنبر بن تاج علی حمید الدین ابو احمد الانصاری الفراہی 1280ھ میں اتر پردیش اعظم گڑھ کے ایک قصبہ (قریھا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کو بیک وقت ہندی فارسی اور عربی پر دسترس حاصل تھی۔ آپ شبلی نعمانی کے ہم عصر ہیں۔ متعدد کتابوں کے مؤلف تھے۔ آپ کی مشہور کتاب'' امعان فی اقسام القرآن'' اور'' مفردات القرآن ''ہے۔ 1349ھ بمطابق 1930ء میں دارفانی سے کوچ کر گئے۔ (حمیدالدین فراہی، حیات وافکار، مقالات فراہی سیمینار، انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء، ص/۳۷)

اس ضمن میں علامہ یوسف قرضاوی تعبیر نو کی روایتی ظاہریت پر تنقید کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں:

''میں خود اس سلسلے میں محقق علما کے ساتھ ہوں۔اسلام میں عبادات کا معاملہ تعبدی ہے۔اس میں اصل اطاعت ہے۔اس میں مقاصد اور مصالح کے تتبع کی بجائے اطاعت اور تعبدی طرز کو ترجیح دینا ہوگی،لیکن عادات،معاملات زندگی، سماجی انداز،عورت کا معاشرتی مقام،معیشت و سیاست میں مقاصد و مصالح راجح رہیں گے۔''(۳۲)

مبحث سوم: نظریاتی وتخیلاتی تفسیر

تحریک حقوق نسواں سے وابستہ اَفراد کا یہ کہنا ہے کہ علمائے اسلام عورتوں کے حقوق کی نظریاتی وتخیلاتی تفسیر کرتے ہیں جو محض ایک خیالی دنیا(Utopia) پر مبنی ہے جو عملی لحاظ سے بیکار ہے۔ یہ آج کے دور کو رسول اللہ ﷺ کے دور پر قیاس کر کے حکم لگاتے ہیں۔ رسول اللہ کا دور بہترین دور تھا' جس میں آپؐ نے عورت کی حیثیت بحال کی اور اس کا مقام اونچا کیا۔ اس کے بعد کے ادوار میں وہ اچھائی دیکھنے کو نہیں ملتی۔ان لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ کون سا معاشرہ ہوگا جہاں ظلم نہیں ہوگا۔ انصاف ہوگا۔ اللہ کا ڈر ہوگا۔ کمزور کو اس کا حق ملے گا۔عورتوں کے حقوق محفوظ ہوں گے۔ طاقت کے اصول کی بجائے نیکی کا اصول چلے گا۔ ہر طرف مساوات ہوگی۔عورتوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں مرد اللہ کے ڈر سے حق پر مبنی فیصلہ کریں گے۔درحقیقت مسلمانوں کو عملاً اپنا تحفظ خود کرنا ہے۔وقت نے یہی سکھایا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ علمائے اسلام کی تشریح عورتوں کو خود انحصاری کی بجائے دوسروں پر انحصار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ہم اپنی زندگیوں کی خوشیوں،غمیوں کے لئے کیا ہمیشہ مرد کے ہی محتاج ہوں گے کہ وہ ہمارے حقوق دے تو ہم محفوظ اور اگر نہ دے تو ہم محروم۔

علمائے اسلام کی نظریاتی تفسیر کا یہ کہنا ہے کہ ہم طاقت کی بجائے نیکی کو اختیار کر کے راضی ہو جائیں اور مردوں کی سی قدرت اور اختیار حاصل کرنے کے خواہاں بھی نہ ہو۔یہ امر بھی نیکی کی حدود سے تجاوز ہے۔ اگر ہم نسوانی دائرہ کار چھوڑ کر مردانہ دائرہ کار میں شامل ہوں تو یہ اللہ کی ناشکری ہے اور مرد بننے کی سعی ناممکن ہے۔ہمیں ہر آن قربانی دینا ہے۔ ماں بن کر انسانوں کو اپنا خون پلانا ہے۔عورت بن کر مردوں کو اپنے جسم سے کھیلنے کی طوعاً یا کرھاً آزادی دینا ہے۔

---

(۳۲)اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں،ندوی،سلیمان،ترجمہ ''الصحوۃ الاسلامیہ بین الجحود والتطرف''، قرضاوی، یوسف،ص/۶۸

مرد ہمیں بوجھ تصور کریں گے۔ وہ ہمیں اپنا محتاج بنا کر ذلیل کریں گے اور ہمیں اس محتاجی کی بنا پر ان پر انحصار کرنے کی قیمت دینا ہوگی اور ان کی صحیح غلط ہر چیز ماننا ہوگی اور ان کی اطاعت ہمارے لئے واجب ہوگی اور ہماری رائے ماننے کے مرد پابند نہیں ہوں گے۔ (۳۳)

علمائے اسلام عورتوں کے حقوق کی جو تشریح کرتے ہیں وہ نظریاتی طور پر تو خوب ہے۔ عملی طور پر بیکار ہے۔ ہم عورتوں کو عمل کی دنیا میں رہ کر دنیا اور آخرت کی کمائی کرنی ہے۔ علمائے اسلام کو عورتوں کے حقوق کے ضمن میں اپنی تشریح پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ اور عورتوں کے لئے راہیں مسدود کرنے کی بجائے راہیں کھولنا ہوں گی۔ ہمیں تو شریعت کے نام پر یہی پڑھایا جاتا کہ اگلے گھر سے تمہارا جنازہ ہی اُٹھے۔ اس کے بغیر تمہارا واپس لوٹ کر آنا بغاوت ہے۔

علمائے اسلام کے نزدیک عورت پر 'جہیز' لانے کی کوئی پابندی نہیں جبکہ عملاً اسلامی معاشرے میں جس کے پاس جہیز نہ ہو وہ عورت باوجود حسین وجمیل، سلیقہ شعار ہونے کے شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہے۔ (۳۴)

علمائے اسلام کہتے ہیں کہ حق مہر نکاح کے لئے لازم ہے اور وہ عورت کا حق ہے۔ عورت اس میں آزادانہ تصرف کر سکتی ہے جبکہ اسلامی معاشرے میں عورت سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ مرد کے حق میں حق مہر سے بری ہو جائے۔ عورت یہ جانتی ہے کہ اس نے رہنا مرد کے گھر میں ہے۔ مرد کا دل جیتنا اس کے لئے لازم ہے۔ حق مہر کا مطالبہ یا حق مہر میں آزادانہ تصرف کا اختیار مانگنا اس کے لئے زہر قاتل ہے۔ اگر مرد اس کے یہ تقاضے پورے کرے گا تو اسے اس پیار اور تحفظ سے محروم کر دے گا جو مرد کے گھر میں اس کی بقا کے لئے ضروری ہے۔

علمائے اسلام کہتے ہیں عورت حق وراثت رکھتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں عورت اگر باپ کی وفات کے بعد بھائیوں سے ورثہ طلب کرے تو وہ اپنے میکے سے محروم ہو جائے گی۔ اگر شوہر نے اسے گھر سے نکال دیا تو وہ کہاں جائے گی۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں تو شوہر اور باپ کے بعد اس کا کفیل بھائی ہے۔ عورت کو اپنے بھائی کے اعتماد کو باقی رکھنے کے لئے اپنا حق وراثت بھائی کے حق میں چھوڑنا ہوگا۔ (۳۵)

---

(۳۳) گھریلو تشدد، عورت فاؤنڈیشن، عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی ۶، اسلام آباد، ص ۱/۴

(۳۴) "Papers Presented at Human Rights Day (Seminar) by I.A Rahman Published by INGAD in the name of "Women's Rights in Pakistan, Next steps forward" p.1-9

(۳۵) اس قسم کے معاشرتی جبر کا تذکرہ ثریا بتول علوی نے بھی کیا ہے۔ دیکھئے: جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص ۳۱/۱

اگر اسلامی معاشرے میں عورت اپنا حق وراثت بھائیوں سے وصول کرلے تو اسے شوہر کے حق میں اس سے دستبردار ہونا ہوگا۔لہٰذا وہ اپنے ولیوں میں سے کسی کا بھی حسن سلوک کی بنا پر انتخاب کرکے ولایت کا ٹیکس ادا کرے گی' کیونکہ اسلامی معاشرے میں عورت اپنے مالی معاملات میں تصرف کے ضمن میں پھر اپنے ولیوں کی محتاج ہے۔ عورت اگر مال اپنے میکے سے لائے تو شوہر اس کے مال کا مالک بن جاتا ہے۔عورت کا کام صرف شوہر اور شوہر کے گھر بار اور اولاد کی خدمت کرنا ہے۔ اگر وہ شادی کے بعد محنت مزدوری سے کمائے تو شوہر اس بنا پر اس کے مال کا مالک بن جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو محنت مزدوری کرنے کی آزادی دی لہٰذا وہ اس کے مال کا حقدار بن جاتا ہے۔ یعنی اس آزادی کی بدولت عورت کو اپنی ملکیت سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔عورت کی حیثیت غلام کی سی ہے۔ اسلامی معاشرے میں چونکہ عورت اپنے ذاتی اور معاشی فیصلوں میں اپنے ولیوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہے لہٰذا اکثر عورتوں کو لوٹنے والے ان کے ولی ہیں۔

اسلامی معاشرے میں عورتوں کو اپنی کفالت کے ضمن میں شوہروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ معاشی تگ و دو مرد کے حصے میں آتی ہے۔ مرد کا بینک بیلنس آئے دن بڑھتا ہے۔عورت سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ مرد کو معاشی ذمہ داریاں بخوبی نبھانے کے لئے گھر سے مکمل آزاد کردے۔عورت میں جب گھر کی خدمت کی ذمہ داریاں اٹھاتے رعنائی کم ہونے لگتی ہے' مرد اس وقت اپنی معاشی قوت کے نشے میں مست ہوتا ہے۔ وہ عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو عورت کے پاس کوئی معاشی سہارا نہیں ہوتا۔ اسے دوبارہ اپنے ولی اور کفیل ڈھونڈنے ہیں جو عورت کی حالت کو دیکھ کر اپنا گھریلو دامن تنگ پاتے ہیں۔عورت دوبارہ دھتکاری جاتی ہے۔وہ اپنے سابقہ شوہر کی دھتکار قبول کرلیتی ہے۔لوٹ کر بھائی کے گھر نہیں آتی۔(ایسی صورت میں اکثر عورتوں کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں) جن سے عورت اپنی جبلی محبت کی بنا پر جان نہیں بچا سکتی۔ وہ بچے اپنے غافل شوہر کو نہیں دے سکتی۔ وہ اپنے بچے سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔ مرد جس عورت کو اپنی معاشی ترقی کے لئے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں۔عروج پر پہنچنے کے بعد زینہ ہٹا دیتے ہیں۔ مردوں کو ایسے کاموں سے روکنے والا کوئی قانون نہیں۔عورتوں کے پاس حق ملکیت ہے تو نام نہاد ہے۔عورتوں کے پاس حق وراثت ہے تو نام نہاد ہے۔عورتوں کے پاس اگر ولیوں کا تحفظ ہے تو نام نہاد ہے۔ وہ عورت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے۔ عورت کو اپنی پراپرٹی سمجھتے ہیں' جسے صرف خدمت کرنا ہے اور اس کا ملازم بننا ہے۔ جو اگر کمائی بھی کرے گی تو ان کے بینک بیلنس میں اضافہ کرے گی۔

اسلامی معاشرے میں عورت کا وجود ایک معاشی بوجھ ہے جو اس بوجھ کو اٹھاتا وہ اس سے کماتا ہے۔ تو پھر کیوں سیدھے سبھاؤ عورت پر معاشی تگ ودو کے دروازے شریعت کے نام پر بند کئے جاتے ہیں۔ عورت کے نرم دل میں اُمید کے وہ بیج کیوں ڈالے جاتے ہیں جو حقائق میں برگ و بار نہیں لاتے۔ ہم اولادوں کے وہ لمبے جھنجھٹ نہیں پالنا چاہتیں جو ہمیں مجبور سے مجبور اور مرد کو آزاد سے آزاد کر دیں۔ ہم تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں، ہم معاش کمانا چاہتی ہیں، ہمیں مردوں کا اسلام نہیں چاہئے۔ ہمیں نظریاتی وتخیلاتی میدان میں رواں دواں مذہب کی تفسیریں نہیں چاہئیں۔ (۳۶)

یہ تصاویر مسلمان معاشروں کی عام بکھری ہوئی تصاویر ہیں ان کی تلاش میں ہمیں کوئی کوشش نہیں کرنے پڑے گی۔ اس سے قطع نظر کہ مغرب میں عورت کے ساتھ کیا زیادتیاں ہوتی ہیں وہ زیادتیاں زیادہ بڑی ہیں یا مسلمان معاشروں کی زیادتیاں۔ یہ بات حق ہے کہ جس معاشرے میں جب بھی ظلم بڑھتا ہے تو عورت پہلے سہتی ہے۔ کیونکہ وہ کمزور ہے۔ اور وہ اندرون خانہ ہونے کی بدولت زمانے کی اونچ نیچ اور تحفظ کے طریقوں سے ناواقفیت کی بنا پر اکثر ظلم کا شکار ہوجاتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اس کے ولی ہی اُسے غیر محفوظ کر دیں تو عورت کہاں جائے۔ ایسی صورتوں میں عورتوں کے لئے حکومتی سرپرستی میں دارالامان قسم کے ادارے ہی آخری پناہ گاہ ثابت ہوتے ہیں۔ مسلمان معاشروں میں عورتوں کی اپنے حق کے لئے قانونی چارہ جوئی کی سہولت اور آسانی بھی لازماً رہنی چاہئے۔ ہمارے مسلمان مردوں کو عورتوں کے حقوق کی تعلیم دینی انتہائی ضروری ہے۔

عورت کا استحصال اکثر اولاد کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ حاملہ عورت اور چھوٹے بچوں کی ماؤں کا استحصال عام ہے۔ اس استحصال کا مشاہدہ کرنے کے بعد عورت اولاد کی خواہاں نہیں بلکہ تعلیم اور معاش کی خواہاں ہے۔ جو اُسے آزادی بھی دیتے ہیں، خود انحصاری بھی سکھاتے ہیں جس میں وہ دوسروں کے آگے جھکنے پر مجبور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کی تنظیمیں عورت کی تعلیم، عورت کا معاش، عورت کے مانع حمل طریقوں کی آسان رسائی اور عورتوں کے لئے ان کے ولیوں کے خلاف قانونی امداد فراہم کرنے کا وسیلہ مہیا کرتی ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ عورت تمام معاشروں میں پستی ہے۔ الا یہ کہ کوئی معاشرہ عدل وانصاف کے قوانین پر مبنی ہو اور

---

(۳۶)"Papers Presented at Human Rights Day (Seminar) by I.A Rahman Published by INGAD in the name of "Women's Rights in Pakistan, Next steps forward" p.1-9

وہ معاشرہ صحیح اسلامی معاشرہ ہوگا۔ آج کے اسلامی معاشروں کو اسلام کی تشریح سمجھنا خود عدل و انصاف کے ساتھ ظلم ہے۔ اسلام صرف 'فقہ الاحکام' کا نام نہیں، اسلام 'فقہ الواقع' بھی ہے۔ اسلام صرف دین کا نام نہیں دین کی عملی تطبیق کا نام بھی ہے۔ اسلام ہر معاشرے میں وہی رہتا ہے۔ اس کی عملی تطبیق معاشرے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتی ہے۔ جب قوموں میں جمود اور تقلید عام ہو جائے اور اجتہاد کے دروازے بند ہو جائیں تو دین کی عملی تطبیق ممکن نہیں رہتی جب دین کی عملی تطبیق مشکل ہو تو دین کے ابدی احکامات بھی عام سطحی ذہنوں میں مشکوک ہونے لگتے ہیں' جبکہ خرابی ابدی احکامات میں نہیں ہوتی بلکہ اس کی تطبیق میں ہوتی ہے' جیسا کہ پاکستان میں حدود آرڈیننس کے ضمن میں ہوا۔ یہ قانون پاکستان میں اسلامائزیشن کے نام پر بنا تھا لیکن اس کی مؤثر تطبیق نہ ہونے کی بدولت تحفظ نسواں بل کے نام پر اس کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اس نوعیت کے معاملے اسلام کو مسلمان معاشروں میں بھی مشکوک بنا دیتے ہیں اور عالمی سطح پر اسلام دشمنوں کو اسلام کی غلطیاں نکالنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اسلام اگر مسلمان معاشروں میں عدل و انصاف کا ضامن نہیں بنتا تو مسلمان اسلام کو سربلند کرنے والے نہیں بلکہ اس کو رسوا کرنے والے ہیں۔ واضح رہے کہ عدل و انصاف کا آخر سربلندی ہے اور باطل کا انجام ذلت و خواری ہے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کا تعلق حاکم اور محکوم جابر اور مجبور کا نہیں۔ ان کا باہمی تعلق محبت کا ہے اور زندگی میں ایک دوسرے کی تکمیل کا ہے۔ مردوں کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ عورتوں کے زبردستی کے حکمران اور وارث بن جائیں۔ اگر عورتوں کو مردوں سے ظلم اور زیادتی کا خطرہ ہے تو شریعت کبھی یہ نہیں کہتی کہ عورت لازماً ظلم اور زیادتی سہتی جائے اور مردوں کا ظلم دراز ہوتا جائے۔

عورتوں کو اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانے کا بھی حق ہے اور مردوں کے خلاف انصاف طلب کرنے کا بھی حق ہے۔

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا أَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا......﴾ (۳۷)

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کرلیں۔''

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا إِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا﴾ (۳۸)

(۳۷) سورۃ النساء: ۱۲۸/۴

(۳۸) سورۃ النساء: ۳۵/۴

''اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔''

فریقین میں سے جب بھی ایک ظلم کرتا ہے اور دوسرا ظلم سہتا ہے تو دونوں اللہ کی حدود کو پامال کرتے ہیں اور اللہ کی حدیں پامال ہونے کی بنا پر معاشرے میں بے سکونی بڑھتی ہے۔ اگر عورتوں نے یہ سمجھا ہے کہ مذہب اسلام ان کو ظلم سہنے کے لئے آمادگی کا درس دیتا ہے تو یہ ان کی اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے نہ کہ اسلام نے ایسا چاہا ہے۔ یہ تو کارل مارکس (۳۹) کا مذہب کے بارے میں نقطہ نظر ہے کہ مذہب غریبوں کے لئے ایک افیون ہے جو انہیں ظالم کا ظلم سہنے پر آمادہ کرتا ہے اور طبقاتی اونچ نیچ کو برداشت کرنے پر اکساتا ہے۔

جہاں تک عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ انہیں اسلام کے نام پر یہ کہا جاتا ہے کہ تمہاری معراج مرد کے ظلم سہنے میں ہے اور اب اس گھر سے تمہارا جنازہ ہی اُٹھے۔ اس معاملے کی نوعیت بھی قضیۂ سابقہ کی طرح ہے۔

شریعت اسلامیہ نے عورت کے لئے مرد سے خلاصی اور خلع کی راہ بھی رکھی ہے۔ عورتیں اگر مرد کے کردار سے مطمئن نہیں ہیں تو وہ جدائی اختیار کرلیں نہ مرد کو یہ موقع دیں کہ وہ اللہ کی حدیں پامال کرے، نہ عورتیں مردوں سے بغاوت کی روش اپنائیں۔ خلع میں عورت کا مرد کو کچھ دینا بھی نہیں ہوتا فقط وہ لوٹانا ہوتا ہے جو مرد اس رشتہ کے عوض انہیں دے چکے ہیں۔ جب کہ مردوں نے اگر عورتوں کو طلاق دینی ہو تو ان کے قاعدے کچھ اور ہیں۔ اور اس قاعدہ سے مزید اضافہ ہیں کہ ﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ (۴۰)

---

(۳۹) کارل مارکس: (۱۸۱۸ء۔۱۸۸۳ء) یہودی ہے اور عالمی صیہونیت نے اس کے مادی نظریات کو اپنے مخصوص مصالح کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ اس کے نظریات کی روشنی میں عالمگیر جبری اقتصادیات کا کنٹرول سنبھالنا چاہتے ہیں۔ اس سے جو اسلامی، اخلاقی فکر میں زوال پیدا ہوتا ہے پورا مسلم معاشرہ آج اس کی لپیٹ میں ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک کائنات کی حقیقی وحدت اور ہم آہنگی اس کی مادیت ہی کے طفیل ہے۔ کارل کے ''قانون مادی'' کے مطابق اخلاقیت اور روحانیت سرمایہ داروں کی تراشی ہوئی خرافات ہیں جو انہوں نے عوام کو خوف زدہ اور غافل رکھنے کے لئے گھڑی ہیں تاکہ عوام طبقاتی جنگ نہ برپا کرسکیں۔ (http://www.historyguide.org/intellect/marx.html) کارل مارکس اینٹی ڈوہرنگ "Anti Dihring" عربی ترجمہ، راشد برادی، ص/۴۴، بحوالہ ''اسلام اور جدید مادی افکار''، محمد قطب، اردو ترجمہ، کاندھلوی، سجاد احمد، ص/۱۱۱

(۴۰) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۴۹

''انہیں فائدہ دو اور اچھے طریقے سے رخصت کرو۔''

مردوں کو طلاق کے موقع پر حق مہر بھی پورا ادا کرنا ہوگا (اگر اس کا حق مہر اس سے قبل ادا شدہ نہیں ہے۔)

جہاں تک عورتوں کا مردوں سے طاقت میں کمزور ہونے کا تعلق ہے تو وہ فطرت کا قانون ہے اس میں علماء یا مردوں کا قصور نہیں۔ عورتیں بھی وہی رزق کھاتی ہیں جو مرد کھاتے ہیں لیکن مرد وہی کھا کر ان سے زیادہ طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ (لیکن اس طاقت کے حصول کی بنا پر انہیں کمزور کو دبانے کا حق نہیں بلکہ کمزور کے محافظ بننے کا حکم ہے) یہ قسمت کی وہ تقسیم ہے جس سے لڑنے پر عورتیں قدرت نہیں رکھتیں۔ یہ وہ تقسیم ہے جس پر راضی ہونے کی علمائے اسلام تبلیغ کرتے ہیں اور اسلام کی نظر میں آپ کا مرتبہ عورت یا مرد ہونے کی بنا پر نہیں اور نہ ہی قسمت کی بنا پر ہے بلکہ انسان کو قدرت جس آزمائش میں ڈالتی ہے' اس آزمائش سے کامیابی سے عہدہ براء ہونے کی بنا پر ہے۔ جہاں عورتوں کے لئے عورت ہونا آزمائش ہے وہاں مردوں کے لئے مرد ہونا آزمائش۔ جو اللہ سے ڈر جائے اور نیکی کی راہ اختیار کرے' کامیابی اس کا مقدر ہے۔

جہاں عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ علمائے اسلام ہمیں خود انحصاری کی بجائے اپاہج بننے کی تعلیم دیتے ہیں اور مرد ہمیں بوجھ تصور کرتے ہیں۔ ہمیں محتاج سمجھ کر ذلیل کرتے ہیں۔ تو واضح رہے کہ اسلام کبھی بھی خود انحصاری کی بجائے اپاہج بننے کی تعلیم نہیں دیتا۔ جنہوں نے ایسا سمجھا ہے یہ بھی اسلامی تعلیم سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اسلام عورتوں کی تعلیم، ہنر ومحنت کا بھی ویسا ہی قدر دان ہے جیسا کہ مرد کی تعلیم' ہنر اور محنت کی قدر کرتا ہے۔ لیکن اسلام عورتوں پر دوہرے بوجھ ڈالنے کا حامی نہیں کہ عورتیں پیٹ میں بچہ بھی اٹھائیں اور بچے اور اپنے لئے معاش بھی کمائیں۔ ایسے میں وہ مردوں کو پابند کرتا ہے کہ وہ عورت اور کمزور بچے کو تحفظ دیں تاکہ معاشرے کی دوڑ دھوپ میں عورت اور کمزور بچہ تنہا نہ ہو جائیں انہیں دھوپ سے بچانے کے لئے سایہ دار چھت ہونی چاہئے جو مضبوط ہو۔

خاندان کا وجود عورت کو طاقت دینے کے لئے ہے نہ کہ کمزور کرنے کے لئے۔ جن عورتوں کے سر پر شوہر کی، باپوں اور بھائیوں کی چھت نہ ہو ان عورتوں سے پوچھ دیکھیں کہ وہ دنیا میں محفوظ ہیں یا غیر محفوظ۔ جن عورتوں کو اپنے شریک زندگی خود منتخب کرنے پڑتے ہوں ان عورتوں سے پوچھ دیکھیں کہ وہ زیادہ دھوکہ کھاتی ہیں یا شریک زندگی کے انتخاب میں باپ بھائیوں کی رائے کو اہمیت دینے والی۔ معاشقہ اور گندی یاری دوستی میں فائدہ میں کون رہتا ہے مرد یا عورت۔ مرد تو عورت سے اپنا حق لے لیتا ہے عورت کو نان ونفقہ، تحفظ، گھر، چھت نہیں دیتا۔ اپنا نام اور عزت

نہیں دیتا۔ خاندان اور نکاح کے بغیر مرد سے جنسی تعلق کی صورت میں نقصان ہمیشہ عورت کا ہوتا ہے اور مرد اپنے حقوق لینے کے بعد ہر قسم کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔ نکاح مرد کو ذمہ دار بناتا ہے۔ نکاح کے بغیر جنسی تعلق عورتوں پر ذمہ داریوں میں اضافے کا باعث ہے۔

اگر عورتوں کو ماں بن کر قربانی دینا پڑتی ہے تو اسلام نے مردوں پر دیگر معاشرتی، معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ رکھ دیا ہے اور اسلام تو عورت کے بوجھ کو کم کرتا ہے نہ بڑھاتا ہے۔ مردوں پر کتنی ہی ذمہ داریاں ایسی ہیں جو عورتوں پر نہیں ہیں۔ اگر عورتیں معاشی طور پر مردوں کی محتاج ہیں تو مرد کئی اور پہلوؤں سے عورتوں کے محتاج ہیں اور عورتوں کی محتاجگی سے بڑھ کر عورتوں کے محتاج ہیں۔ مادہ پرست معاشرے میں جب مادیت ہی خدا بن جائے تب تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ عورت کو اس خدا کی پرستش کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اسلام تو مادہ پرستی، خود غرضی کا مذہب نہیں ہے۔ ایسے میں اسلام ہی ہے جو عورتوں کی نسوانیت و نزاکت کا محافظ ہے۔ تحریک حقوق نسواں کا منشور تو عورتوں کی نسوانیت کو ختم کرنا اور ان پر معاشی بوجھ لادنا ہے۔ اس کا الزام اسلام کو نہیں دیا جا سکتا۔

اور جہاں تک مردوں کی اطاعت و اتباع کی بات ہے اور مرد کی گھر کی سربراہی کی بات ہے۔ وہ آزاد اور ذمہ دار پر ذمہ داری ڈالنے اور عورت کو اس کو ہمنوا ہونے کی بات ہے۔ تابعین کی آزمائش، اطاعت، خلوص اور نیک نیتی سے ہوتی ہے۔ آزاد اور خود مختار کی آزمائش ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی پورا کرنے سے ہوتی ہے۔ دنیا کی اس طبقاتی تقسیم کو ہم کسی طور بھی ختم نہیں کر سکتے اور یہ صرف مرد و عورت میں نہیں ہے بلکہ حکمران و محکوم' افسران و ماتحت' امراء و غرباء وغیرہ سب اس تقسیم کا حصہ ہیں جس میں ایک طبقہ دوسرے سے کام لیتا ہے اور اسی طرح دنیا کا یہ نظام چل رہا ہے۔

مبحث چہارم: اجتہادِ نو سے احتراز

حقوق نسواں کی تعبیر نو کا تقاضا کرنے والے آج کے دینی تعلیمی نظام پر طعنہ زن ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ نظام تعلیم' جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔ آج علمائے اسلام' قرآن اور سنت سے استفادہ کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اسلام کے نام پر جو کچھ بھی وہ اسلام کی تشریح کر رہے ہیں وہ فقط ماضی کے اجماع ہیں جو اپنی تاریخی حیثیت کے بعد حالیہ حیثیت میں بیکار ہیں۔ آج اسلام کی تشریح کے لیے صرف فقہ کی کتابوں سے رجوع کیا جاتا ہے جو ماضی کے فقہا کے

زاویہ نگاہ پر مبنی ہیں۔آج فقہ اسلام کو دین کی حیثیت سے لیا جاتا ہے حالانکہ دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔(۴۱)

طبقہ حقوق نسواں عورتوں کے حقوق کی تشریح میں علمائے کرام سے پرخاش رکھتا ہے۔اس طبقے کی طرف سے اجتہاد کا مطالبہ اگر خلوص پر مبنی ہو(جیسا کہ ہونا چاہیے)تو جائز ہے اور مسلم معاشروں میں عورتوں کی موجودہ صورت احوال تبدیلی کا تقاضا بھی کرتی ہے۔اہل دانش کو اس امر کو اپنے سامنے ملحوظ رکھنا چاہیے،لیکن جیسا کہ عموماً محسوس کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کا اجتہاد کا مطالبہ کرنا درحقیقت علما کو طعن دینا ہے کہ وہ معاشرتی حالات سے واقف نہیں یا وہ دین کی تشریح کرتے ہوئے عقل اور معقولات سے دور ہیں اور صرف نقل اور منقولات پر انحصار کرتے ہوئے ماضی کے دور کو لوٹا کر جدید عورت کو قرون اولی کی سوچ میں قید کرنا چاہتے ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیرِ نو کرنے والوں کا یہ کہنا ہے:

''ہمارا آج کا تعلیمی نظام ایسے جید علما تیار کرنے سے قاصر ہے۔جو دور جدید میں عورتوں کے مسائل کا جواب دیتے ہوں۔یہ نظام تعلیم' تقلید جامد کے اصول پر قائم ہے۔اس کا اصرار ہے کہ دین کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے قدیم علماء کا کام ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ان کے کام کی تفہیم اور شرح وضاحت تو ہوسکتی ہے۔مگر اس پر نظر ثانی کی کوئی گنجائش نہیں۔دور اوّل کے فقہاء نے جو اصول وقوانین مرتب کیے ہیں وہ تغیرات زمانہ کے باوجود قابل عمل ہیں اس ضمن میں تحقیق واجتہاد کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ اس بات کا اب کوئی امکان ہے کہ کوئی شخص مجتہد کے منصب پر فائز ہو سکے۔ہمارے علماء اسی نظام تعلیم کی پیداوار ہیں۔چنانچہ وہ انفرادی حیثیت میں ہوں یا کسی ادارے کی صورت میں مجتمع ہو کر اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہوں وہ شریعت کی شرح وضاحت کی اہلیت سے ہی محروم ہیں۔آج ہمیں اسلام اور عورت سے وابستہ ان شکوک وشبہات کو دور کرنا ہے جن کا اسلام کو عالمی سطح پر سامنا ہے۔

''عورت اور اسلام کے بارے میں جو شکوک وشبہات یا سوالات اس وقت دنیا میں پیدا ہورہے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق فقہ وشریعت سے ہے۔پردہ،تعدد ازواج،طلاق،شہادت ودیت وغیرہ کے متعدد موضوعات ہیں جن کے بارے میں سوالات زبان زد عام ہیں۔ہمارے علماء کے پاس چونکہ ان سوالوں کے تسلی بخش جواب نہیں اس لیے یہ تصور قائم کیا جارہا ہے کہ اسلامی شریعت عہد رفتہ کی یادگار ہے۔تمدن کے ارتقا کے نتیجے میں عورتوں کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں جو تغیرات ہوئے ہیں،آج کا اسلام ان سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت سے محروم ہے۔آج اجتہاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔''(۴۲)

---

(۴۱)"Ijtehad to built in Mechanism for Change in Islam" by Qadeer-uddin Ahmad " The Changing World of Islam" Editors Jameel Jalibi and Kazi a-Kadir p.224-227

(۴۲)اجتہاد از غامدی، جاوید احمد،**''اجتہاد''**،(سہ ماہی)جون ۲۰۰۷ء،عدد/۱،ش/۱،ص/۱۴۲

گذشتہ پانچ سو سال سے اسلام کے اندر مذہبی فکر جامد رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب یورپ کا فکر دنیائے اسلام سے کسب فیض کرتا تھا۔ قرون وسطیٰ کے بعد جب ہمارے فقہی مکاتب پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے' انسانی فکر وتجربہ کے میدان میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ لیکن مسلمانوں نے ترقی کے اس تسلسل کو جاری نہ رکھا۔ وہ اس شجر کے پھل کھانے لگے لیکن انہوں نے نئے شجر نہ لگائے۔ آج پچھلے وقت میں لگائے گئے درختوں سے مزید روزی کا حصول ناممکن ہوگیا ہے۔ اسلامی فکر پر تقلید اور جمود چھا چکا ہے۔ آج یہ فکر قابل عمل نہیں رہا۔ آج ہمیں مذہب کی طرف اپنے زاویہ نگاہ کو بدلنا ہوگا۔ آج مذہب کی نئی تعبیر وقت کی ضرورت بن چکی ہے، لیکن مسلمان علماء ابھی تک اجتہادِ نو سے احتراز کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ انہیں حالات کے تقاضوں کے مطابق معاشرے میں عورتوں کے کردار میں تبدیلی کرنا ہوگی۔ اسلام نے عورتوں کے ضمن میں جو پردہ، مردوں سے اختلاط یا تعدد ازواج کے ضمن میں جو احکامات دیئے ہیں۔ ان کو حالات اور ماحول کے تقاضے کے تحت بدلا اور توڑا جاسکتا ہے' اس لئے کہ معاشرتی مسائل میں ہمیشہ ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے اس ارتقا کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ ورنہ اسلامی معاشرہ تمدنی بدحالی کا شکار ہوجائے گا اور ظاہر ہے یہ بات اسلام کی منشاء کے خلاف ہے۔ اس سے معاشی بدحالی اور دیگر مسائل پیدا ہوجائیں گے۔ اس لئے ان معاملات میں ہمیں دوسرے ملکوں کے باشندوں کے ساتھ پوری ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیئے۔[۴۳]

اس حلقہ میں کچھ لوگ تو واقعی اخلاص سے اپنی کم علمی کی بنا پر یہی رائے رکھتے ہیں اور کچھ لوگ مغربی نظام کی مرعوبیت یا ترقی پسندی کی بنا پر یا آزادروی اور اباحیت پسندی کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں۔ یہ حلقہ اپنی رائے کو مدلل بنانے اور قوی ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں سے بھی کچھ دلائل پیش کرتا ہے اور مزید وزنی بنانے کے لئے خلفائے راشدین اور اسلام کے دور عروج کی مثالیں اور میدان جہاد میں عورتوں کی کارکردگی کے

---

(۴۳) تفصیل کے لیے دیکھیں:

(۱) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف، (انٹرویو) جاوید اقبال، ڈاکٹر، تدوین، افضال ریحان، ص ۷۱-۹۱

(۲) احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت از تقی امینی، ص ۲۰

(۳) اجتہاد اور تبدیلی احکام از ندوی، مجیب اللہ، مولانا، ص ۱۰-۱۱

(۴) اجتہاد، اجتہاد کا تاریخی پس منظر، مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر، از تقی امینی، ص ۵۸-۶۲

(۵) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از فاروق خان، محمد، ڈاکٹر، ص ۶-۱۸

ثبوت پیش کرتے ہیں۔

محمد رفیع الدین کا کہنا ہے کہ

''حقوقِ نسواں کے اجتہاد کا تقاضا غیر اسلامی نظریات سے محبت کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سچا اجتہاد ہمیشہ اسلام سے گہری محبت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اور اس محبت کی وجہ سے وہ اس شریعت کی ایک قدرتی اور بے ساختہ نشو ونما کی صورت اختیار کرتی ہے جو حضور ﷺ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے۔''(۴۴)

یہ سچ ہے کہ اگر نظریات کو پہلے پختہ کر لیا جائے اور پھر اسلام سے دلیل حاصل کرنے کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر دلیل واضح نہ ملے تو اسلام کی تاویل کی جائے۔ یہ طریقہ اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے والوں کا ہے نہ کہ اسلام کے مطابق ڈھلنے والوں کا۔ اگر مرد و عورت اسلام کے خلاف تعصّبات سے جدا ہو کر اسلام کا مطالعہ کریں گے تو وہ اسلام سے بہت سے فیوض بھی پائیں گے اور راہ نجات بھی۔ اسلام اگر مردوں کا مذہب ہے تو ویسے ہی عورتوں کا بھی ہے اور صرف جنس کی بنا پر اسلام کی نظر میں کوئی برتر اور کمتر نہیں ہوتا۔ لیکن ہمیں غیر اسلامی نظریات سے پیمان وفا باندھنے کے بعد اسلام کی طرف رجوع کر کے اسلام کو غیر اسلامی نظریات کے تابع بنانے کے نقطۂ نظر سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں گے۔

اس بات میں تو مسلمانوں کے کسی گروہ کو اختلاف نہیں کہ موجودہ دور میں جب بھی اسلامی دستور کے نفاذ کی کوششیں ہوں گی' ملک کا سماجی ڈھانچہ بدلے گا۔ تمدنی مسائل کی نوعیت کے مطابق اجتہاد ہوگا۔ ان مسائل میں اسلامی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں کو اجتہاد سے کام لینا پڑے گا۔

جن اسلامی ممالک میں اسلامی معاشرت اور اسلامی قانون کے نفاذ کی سنجیدہ کوششیں جاری ہیں۔ وہاں بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ جن معاشرتی یا نسوانی مسائل میں کتاب وسنت کی صریح ہدایات موجود ہیں' ان پر بھی موجودہ دور میں عملدرآمد نہیں ہو رہا۔ مثلاً عورت کی وراثت، قرآن سے شادی، کاروکاری، وٹہ سٹہ کی شادی، غیرت کے نام پر قتل وغیرہ جیسے تمام معاملات میں شریعت' وضاحت سے عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ عورتوں کو ان حقوق کا نہ ملنا درحقیقت ظلم و زیادتی ہے اور اسلام سے دوری کا نتیجہ۔ جاہل لوگ اسلام کو اپنے غلط مفادات کی خاطر ڈھالنے کی

(۴۴) قرآن اور علم جدید، از رفیع الدین، محمد، ڈاکٹر، تلخیص محمد موسیٰ بھٹو، ص ۸۳

کوشش کرتے ہیں جس سے معاشرے میں سطحی نظر رکھنے والے اسلام سے بدگمان ہونے لگتے ہیں۔ اسلام عورتوں کے حقوق کا صراحت سے تحفظ کرتا ہے۔ اور جہاں مسلمان معاشروں میں ایسا ہوتا نظر نہیں آتا وہاں قصور معاشرے کے مسلمانوں کا ہے نہ کہ اسلام کا۔

ایسے میں ہمیں چاہئے کہ اسلام نے عورتوں کے لئے حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی جو حدیں مقرر کی ہیں ہم ان سے تجاوز نہ کریں اور اگر حالات اور معاشرہ ساتھ نہ دیں تو اسلامی احکام کو حالات و معاشرہ کے موافق بنانے کی بجائے خود معاشرہ کو اسلامی تعلیمات کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور جہاں بالکل مجبوری پیش آجائے یا جن مسائل میں صراحتاً کوئی ہدایت موجود نہ ہو وہاں کتاب وسنت کے اصولی احکام کی روشنی میں استنباط و اجتہاد کیا جائے۔ لیکن استنباط و اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے اصولی احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے اور اسلام کے صریحی احکام کے منشاء کے خلاف کوئی ترمیم یا اضافہ کیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی احکام میں جو لچک اور وسعت موجود ہے اس سے فائدہ اٹھا کر پیش آمدہ مسائل کی دشواری کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔

اسلام میں اجتہاد کا حکم صرف ان صورتوں میں ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی ہدایت موجود نہیں، لیکن ان امور میں جن کا صراحتاً ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے ان میں ایک شخص کا تو کیا پوری امت کو بھی تبدیلی کا حق نہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں کچھ ایسے احکامات کو بھی کتاب وسنت کے مسلمہ احکامات کا درجہ حاصل ہو گیا ہے جو کتاب وسنت سے مسلمہ نہیں بلکہ انہیں مسلمہ سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ انکے بارے میں کلام کیا جا سکتا ہے اور انکے بارے میں کسی بھی نئے فہم اور نئے ذہن کو نقطہ بحث بنا کر اسلامی احکامات کی وسعت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

احکام کی تعمیل میں جو تخفیف و رعایت اور وسعت قرآن وسنت میں دی گئی ہیں ان کے پیش نظر فقہاء نے متعدد قواعد وضع کر دیئے ہیں تا کہ جن احکام میں بھی ان کی مماثلت پائی جائے ان پر ان کا انطباق آسانی سے کیا جائے مگر ان قواعد کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسلامی احکامات کو ان کا نشانہ بنایا جائے۔ ان میں چند قواعد اور ضابطے یہ ہیں۔

"الضرورات تبیح المحظورات" (۴۵) — ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔

"الضرر یزال" (۴۶) — تکلیف دور کی جانی چاہیے۔

---

(۴۵) فیض القدیر، المناوی، عبدالرؤف، ج ۱/ص ۵۴

(۴۶) الاشباہ والنظائر بمع شرح، ابن نجیم مصری، ابراہیم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اوّل، ۱۹۸۵ء، ج ۱/ص ۲۷۴

"الضرر يدفع بقدر الامكان" (۴۷) حتی المقدور تکلیف دور کی جائے گی۔

"الاصل فی الشئی الاباحة" (۴۸) ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے۔

ان اصولوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ضرورت و مصلحت اور دشواری کے وقت ان محرمات کو بھی حلال قرار دیا جا سکتا ہے جن کو کتاب وسنت میں حرام کیا گیا ہے۔ بظاہر ان اصولوں سے اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے' اس لیے بہت سے لوگ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ واقعی اسلام کے قطعی احکام میں اجتہاد کے ذریعہ ہمیشہ تبدیلی کی گئی ہے' اس لیے اگر اس زمانے میں بھی کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ان ضابطوں کو جن فقہاء نے وضع کیا ہے انہوں نے اس سے نہ تو یہ نتیجہ کبھی نکالا تھا اور نہ ان کے ذہن میں کبھی یہ بات تھی کہ وہ ان اجتہادی اصولوں کے ذریعے کتاب وسنت کو منسوخ کر دیں یا ان کی حرام وحلال کی مقرر کردہ قیود کو توڑ دیں گے۔

مثال کے طور پر تعدد ازواج کا مسئلہ ہے کہ ایک مرد آج بھی بیک وقت متعدد عورتوں کو اپنے عقد میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ یا عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش اسمبلیوں میں نمائندگی دی جائے یا نہیں؟ اس بارے میں حقوق نسواں کی تعبیر نو چاہنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ قانوناً ایک مرد کو بیک وقت دو یا اس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کو ممنوع قرار دیا جائے۔ اسی طرح بغیر کسی قید کے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی آبادی کے تناسب سے دستور ساز اسمبلیوں میں اور پارلیمنٹ میں نمائندگی دی جائے کیونکہ مصلحت اور موجودہ تمدن کا یہی تقاضا ہے۔ (۴۹)

اس کے برخلاف علمائے اسلام کا یہ موقف ہے کہ اس بارے میں اسلامی احکامات کو پس پشت ڈالنے اور اس میں بے وجہ اجتہاد کرنے اور قانون بنانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے قوانین کے بغیر نہ تو معاشرت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے نہ سیاست میں۔ بلکہ جن ممالک میں عورتوں کو نمائندگی دی گئی ہے اور ایک سے زائد شادی پر پابندی لگائی گئی ہے، ان ممالک میں جنسی جرائم اور معاشرہ میں عورتوں کے حالات کی بہتری کی بجائے' معاشرتی بدحالی پیدا

---

(۴۷) المدخل الفقهي العام، زرقاء، مصطفیٰ احمد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء، ج ۲/ص ۹۷۸

(۴۸) الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقه الشافعيه، السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض، المملكة العربية السعودية، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ج ۱/ص ۱۰۲

(۴۹) مقامی حکومت میں عورتوں کی بھرپور نمائندگی، متوازن، منصفانہ، جمہوری معاشرے کی نوید، عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن (عورت فاؤنڈیشن تمام عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے مطالبات پیش کر رہا ہے۔)

ہوئی ہے۔معاشرتی تباہی و بربادی کے یہ واقعات اس قدر زیادہ ہوگئے ہیں کہ خود وہاں کی حکومتیں اب اپنے حقوق نسواں کے قانون پر نظرثانی کررہی ہیں۔(۵۰)

اسی طرح مردوں اورعورتوں کو ہرسطح پر مساوی حقوق دینے کی جو بات مشرقی ملکوں میں ہورہی ہے اس کے بارے میں علمائے اسلام کا یہ کہنا ہے کہ

''ایسا کرنے سے خاندانی نظام،جس پر اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے وہ درہم برہم ہوجائے گا اورمحبت ومروت کی ساری قدریں نفسانی تسکین تک محدود ہوکر رہ جائیں گی۔ان کے لئے زندگی کے بیشمار میدان ہیں جن میں ان کی سرگرمیوں سے کام لیا جاتا ہے۔غرض یہ اختلاف مساوات کے تصور میں نہیں بلکہ اس کی حدود میں ہے۔''(۵۱)

یہ ایک درست بات ہے کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت موجود ہے۔تعدد ازواج کی اجازت کا غلط استعمال اگر عام ہو جائے۔انصاف اور مساوات کے زمین بوس ہونے کا خطرہ ہوتو اس اجازت پر پابندی یا اس کی حد بندی کو شریعت کے منافی امر قرار نہیں دیا جاسکتا اوراس بارے میں کوئی بھی نیا قانون بنایا جاسکتا ہے لیکن اسے تعبیر نو کے نام پر شریعت کا اصل فہم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔اس صورت میں یہ اجتہاد نہیں ہوگا بلکہ اسلامی احکام کو بدلنے کی کوشش شمار ہوگی جو کہ ایک حرام امر ہے۔

غرض یہ کہ شرعی احکام کی بجاآوری میں انسان کو جو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آجاتے ہیں شریعت میں ان کی رعایتیں موجود ہیں۔شریعت میں جو آسانیاں اور تخفیف دی گئی ہے ان کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رہنی چاہییں۔تخفیف اور آسانی کا یہ مطلب نہیں کہ کسی مشقت اور دقت کی وجہ سے کسی حرام چیز کے استعمال اور کسی حلال چیز کے ترک کی مستقل صورت پیدا کی گئی ہے' بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان صورتوں میں اگر عارضی طور پر کوئی شخص حرام چیز کا استعمال کرے یا کوئی حلال چیز ترک کردے تو اتنی دیر تک جب تک وہ عارض موجود ہے اس کو گناہ گار' قابل ملامت اور سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ورنہ حرام اپنی جگہ پر حرام اور حلال اپنی جگہ حلال ہی باقی رہے گا۔

مشقت اور تنگی کا اعتبار وہاں کیا جائے گا جہاں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہ ہولیکن اگر مشقت وحرج کے

(۵۰)تحریک نسواں: نظریات واثرات از صدیقی، عطاء اللہ، 'محدث'(ماہنامہ) اپریل ۲۰۰۰، ج ۳۲/۲،ش ۴/،ص ۶۲/

(۵۱)دیکھیے: اجتہاد اور تبدیلی احکام، کتاب، سنت، فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کی روشنی میں از ندوی، مجیب اللہ، مولانا، ص ۱۰/-۱۴

تقاضے کے خلاف کتاب وسنت کا تقاضا ہوتو پھر اس مشقت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اللہ کی حدود کو قائم رکھنا شریعت کا منشاء اور مقصود ہے جہاں حلال چیزوں سے حدوداللہ پامال ہوتی ہوں' وہاں عارضی طور پر حلال کو حرام قرار دینا شریعت کے منافی نہیں مثلاً قرآن مجید نے کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتے ہوئے احصان پاکدامن، غیر مسافحین ،و لا متّخذی أخدان، کی قیود لگائی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اس بات کا امکان ہوگا کہ ان قیود کی پابندی نہیں ہو سکے گی وہاں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

غرض یہ کہ جو لوگ اجتہاد کے نام پر اپنی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں اور کسی بھی امر میں دینی وسیاسی مصالح کے تقاضوں سے نابلد ہیں' دین کی تعلیم اور اس کے مقاصد سے عاری ہیں' تعبیرنو کے نام پر ان کو شریعت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خیرالقرون اور بعد کے زمانہ کے لوگوں کے طرزعمل کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

''تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں لوگ اپنی خواہشات کو اعمال واحکام کے تابع رکھتے ہیں۔لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں لوگ اعمال واحکام کو اپنی خواہشات کا تابع بنالیں گے۔''(۵۲)

مجیب اللہ ندوی (۵۳) لکھتے ہیں:

اجتہاد کی حیثیت شریعت میں تازہ خون کی سی ہے جو شریعت کو ہر دور میں قابل عمل رکھتا ہے لیکن اجتہاد بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کوئی وہ منصب سنبھال لے۔اس کے لیے بہت شرائط ہیں جن کی تکمیل کیے بغیر اجتہاد کرنے کی کوشش کرنا تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں۔''(۵۴)

---

(۵۲)الموافقات فی اصول الشریعہ از شاطبی، ج۲/ص۱۲۸

(۵۳) مولانا مجیب اللہ ندوی: 4 جنوری 1918ء میں صوبہ اتر پردیش کے شہر غازی پور کے ایک قصبہ ''کسمی خورد'' میں پیدا ہوئے۔آپ حافظ قرآن اور علوم دینیہ کے ماہر تھے۔ فارسی، عربی کے علاوہ دیگر بہت سے علوم پر مہارت حاصل تھی۔ 1939ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں آئے اور کبار اساتذہ سے استفادہ کیا۔ دار المصنفین میں تقریباً 22 سال خدمات سرانجام دیتے رہے۔آپ سید سلیمان ندوی کے شاگرد تھے۔آپ'' جامعة الرشاد'' اعظم گڑھ کے بانی ہیں۔مختلف علوم وفنون میں 25 سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ 12 مئی 2006ء کو آپ نے وفات پائی۔

An Artical on Mujeebullah Al-Nadvi by Qamar Shaban

Al-Nadvihttp://majmaulbahs.blogspot.com/2010_03_01_archive.html

(۵۴)اجتہاد اور تبدیلی احکام از ندوی، مجیب اللہ، ص/۵

لیکن محمد تقی امینی کی رائے ان کے موافق نہیں ان کے خیال میں مسلم قوم کے زوال نے جدید دور میں جن تقاضوں کو ابھارا ہے، اس نے معاشرے کی تشکیل جدید اور تعبیر نو جیسی اصطلاحات کو جنم دیا ہے۔ان کے خیال میں اجتہاد کی ضرورت سے صرف نظر کر کے آج اسلامی معاشرہ اپنی ارتقائی منازل طے نہیں کر سکتا۔(۵۵)

مذکورہ دونوں آراء میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جدید مسائل کے حل کے لیے اجتہاد نو اور تعبیر نو کو ایک ناگزیر عمل قرار دیا جائے، لیکن ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے باصلاحیت اور اہلیت کے حامل رجال کار کا ہونا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ اسلام کے عالمگیر ہونے کی حقانیت کا اثبات ہو سکے۔دوسری طرف وقت کے ان تقاضوں سے صرف نظر کرنا امت کی تباہی پر منتج ہوگا اور اسلام کا تصور وتشخص عالم دنیا کے سامنے ایک جامد اور ناقابل عمل دین کی شکل میں اجاگر ہوگا۔

مبحث پنجم: مذہب کے نام پر قدامت پرستی

طبقہ حقوق نسواں کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی معاشروں کا مذہبی طبقہ عورت کی تصویر کشی کرتے ہوئے عورت کو قرون وسطیٰ کی عورت شمار کرتا ہے۔آج کی جدید عورت کے مسائل کا حل مولویوں کے پاس نہیں ہے۔ یہ اکیسویں صدی کا زمانہ ہے۔ہمیں آج کے چیلنجز درپیش ہیں۔جدید عورت کو آج اپنا کردار منوانا ہے۔جب تک وہ اپنے فطری اور بنیادی کردار کے دائرہ میں قید کی جاتی رہے گی وہ ترقی کی منازل طے نہیں کر پائے گی۔عورتوں پر ہی یہ ظلم وستم کیوں؟

ان کا کہنا ہے کہ:

> ''یہ بالکل بے تکے پن سے ہر معاملہ میں قدیم زمانہ سے جواز تلاش کرنے کا رجحان صرف احمقانہ ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے۔اس کا نتیجہ سماجی جمود اور ذہنی پستی ہوگا۔''(۵۶)

انسانیت غاروں سے نکل کر شہروں میں آباد ہو چکی ہے۔ وحشت و بربریت، تہذیب میں بدل چکی ہے۔صنعتی انقلاب نے دنیا کے رُخ موڑ دیئے ہیں۔مذہبی علماء کا طبقہ آج بھی عورت کو چودہ سو سال پچھلے معاشرے میں دھکیلتا ہے۔عورت کے لئے جدت کے دروازے کیوں بند ہیں۔(یہ بالاختصار ان کے ذہن کا ایک جائزہ ہے جو ان کی

(۵۵) (i) اجتہاد، اجتہاد کا تاریخی پس منظر، مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر، از تقی امینی، ص/۱۲۰

(ii) احکام شریعت میں حالات وزمانہ کی رعایت، از تقی امینی، ص/۱۹

(۵۶) سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۲۷ اپریل ۱۹۴۹ء بحوالہ ''پاکستانی عورت دوراہے'' پر، از اصلاحی، امین احسن، ص/۳۱

اکثر تحریروں اور رویوں سے مترشح ہے۔)

عورت کا بنیادی کردار نسل انسانی کو جنم دینا اور اس کا تحفظ کرنا ہے۔ جدید فکر اسے اس کردار سے نکال کر مردانہ کردار عطا کرنا چاہتا ہے اور عورت کے اس فطری کردار کی نفی نہیں تو محدود ضرور کرنا چاہتا ہے۔اسلام عورت کے اس کردار کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دیگر کرداروں کی نفی نہیں کرتا لیکن عورت کے حقوق کی پامالی کا مخالف ہے جو عورت کو معاش میں دھکیلنے سے ہوتی ہے۔

جدید ذہن عورت کی آزادی کا خواہاں ہے۔ مذہبی اقدار کو آزادی نسواں کی دیوار نہیں بننے دینا چاہتا۔ یہ نسوانی حریت فکر اور عقلی دلائل سے مذہبی قدروں کی روک تھام چاہتا ہے۔اس نے مذہبی تشریحات پر مبنی نسوانی معاشرتی اسلوب کو قدامت پسندی کا طعنہ دے کر اکیسویں صدی کے لیے ناقابل عمل قرار دیا ہے۔ یہ جدیدیت کے درخت پر لگنے والے ثمرات کو عورت کی جنت قرار دیتا ہے۔ہمیں عورت کے کردار سے متعلق جدیدیت کے تقاضوں کو سمجھنا ہوگا۔ خالد علی انصاری جدیدیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جدیدیت کا دعویٰ ہے کہ سچائی تک پہنچنے میں وحی کوئی آخری ذریعہ نہیں ہے۔ انسان عقل، وجدان، حواس، تجربات، مشاہدات سے بھی حق اور خیر پاسکتا ہے۔حصول حقیقت کے لئے کسی خارجی ذریعے کی ضرورت نہیں۔صرف آزادی اور عقل پر ایمان لانا ضروری ہے۔''(۵۷)

طبقہ حقوق نسواں،عورت کے کردار کے تعین میں وحی الٰہی کی بالا دستی میں شکوک وشبہات کا شکار ہے اور وحی الٰہی کی بجائے مغربی افکار سے راہنمائی لیتا ہے۔عقل کو وحی الٰہی پر فوقیت دیتا ہے۔تبھی تو وہ سائنسی افکار کو وحی الٰہی پر حاکم بناتا ہے۔

خالد علی انصاری(۵۸) لکھتے ہیں:

''جدیدیت خواہشات نفسانی کی الوہیت کا اعلان ہے جو اصلاً مذہب دشمنی ہے۔اس کی علمیت عقل ہے۔جبکہ مذہب کی علمیت

(۵۷)اداریہ، از خالد علی انصاری،'ساحل' (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۷ء ج ۳/ ش ۳/

(۵۸)خالد علی انصاری: مولوی ڈاکٹر خالد علی انصاری۔ بانی و مدیر و منتظم ماہنامہ ''ساحل'' کراچی۔ جدیدیت کے انتہائی ناقد ہیں۔مغربی افکار اور نام نہاد مغربی انسانی حقوق اور مغربی فلسفہ حریت فکر، نسوانیت زن اور عقلی رجحانات و تصورات پر سخت جرح کرتے ہیں۔ (lodhisahil@hotmail.com)

وحی ہوتی ہے۔ جدیدیت نے وحی کی علمیت کو جہالت و جاہلیت قرار دیا ہے۔دوسرے معنوں میں جدیدیت آخرت کا انکار کرتی ہے۔کرۂ ارض کو جنت ارضی بنانا اس کا اصل ہدف ہے۔ جدیدیت حصول لذت پر کسی پابندی کو تسلیم نہیں کرتی۔ جدیدیت ہر تصور، خیر اور حق کو یکساں قرار دے کر اصلاً خیر وشر کے تصورات کو لغو قرار دیتی ہے۔ خیر اور حق کوئی چیز نہیں۔ معاشرے کے بدلنے سے یہ تصور بدلتے رہتے ہیں۔''(۵۹)

طبقہ حقوق نسواں عورت کی حیثیت کے تعین میں معاشرتی ارتقاء کو انتہائی اہمیت دیتا ہے اور معاشرتی ارتقا نے جس جدیدیت کو جنم دیا ہے یہ اس کی نشوونما چاہتا ہے اور عورت کے مسئلہ کو مذہبی میدان کی بجائے معاشرتی ارتقا کے میدان میں حل کرنا چاہتا ہے۔ پس پردہ یہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب معاشرتی رجحانات کی تبدیلی کے ساتھ چلنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لئے مذہب کا دائرہ کار محدود کردیا جائے اور معاشرے کو ترقی کی اُڑان دی جائے۔ ان کا یہ نظریہ دیگر مذاہب کے بارے میں تو درست ہوسکتا ہے لیکن اسلام کے بارے میں نہیں۔ یہ اسلام کو دیگر مذاہب پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ اسلامی فکر کی بجائے مغربی فکر سے ہمنوا ہوتے ہیں' یہی دراصل دونوں طبقوں کے درمیان نقطہ اختلاف ہے۔

خالد علی انصاری مزید لکھتے ہیں:

''جدیدیت عیش وعشرت کی ثقافت کا نام ہے۔ اس لئے تمام جدید معاشروں میں حرامی بچوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی اتنے حرامی بچے پیدا نہیں ہوئے جتنے آج کے جدید معاشرے نے جنم دیئے ہیں حالانکہ آج سائنس کی ترقی کی بدولت مانع حمل طریقے قدیم معاشرے کی بنسبت کئی گنا زیادہ آسان اور محفوظ ہیں۔ جدیدیت کے تین خدا ہیں۔ تین عقیدے ہیں، جو اس کی الٰہیات اور مابعد الطبیعات کا حصہ ہیں۔ جمہوریت، مساوات، آزادی۔ ان پر ایمان لانا فرض ہے ان کا انکار کفر ہے۔ ان خداؤں کے خلاف قانون سازی کی اجازت جدیدیت کسی حالت میں نہیں دیتی۔ ہر وہ دین و مذہب جو حقوق انسانی کی راہ میں مزاحم ہو مغرب اسے ختم کرنے اور قتل کرنے کا کھلم کھلا اعلان کرتا ہے۔''(۶۰)

نیز وہ کہتے ہیں:

''جدیدیت کی فکر مذہب کے خلاف بغاوت ہے۔ جدیدیت سے پہلے کے دور کو دانستہ سوچ سمجھ کر تاریخی دور Darkages، یا قدیم دور کہا جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ قدیم دور میں علمیت مذہب سے آرہی تھی۔ یعنی عیسائیت سے عیسائیت کا دعویٰ تھا

(۵۹) اداریہ، از خالد علی انصاری، 'ساحل' (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۷ء ج ۳، ش ۳

(۶۰) ایضاً

کہ سچائی ایک ہے جسے انسان جنم نہیں دیتا بلکہ وحی کے ذریعے صرف دریافت کرتا ہے اور اگر آپ نے وحی سے انکار کیا تو آپ سچائی نہیں جان سکتے۔ یہی تمام مذاہب کا مشترکہ موقف ہے۔ جدید سوچ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سچائی تک پہنچنے کے لئے وحی کوئی آخری ذریعہ Ultimate Source نہیں۔ انسان کے پاس ایسے ذرائع Faculties ہیں جن پر انحصار کر کے انسان حق کو جان سکتا ہے۔ مثلاً عقل، وجدان، حواس، تجربہ، مشاہدات حصول حق کے لئے کافی ہیں۔''(۶۱)

انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی انیسویں صدی کے آخر میں اٹھنے والی جدیدیت کی لہر کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتا ہے:

"One of the most and lasting achievement of modernism in all its manifestation is the devaluation of the premise that we occupy an objective reality accesible to but independent of human perception."(۶۲)

فرڈینڈ لنڈبرگ کے مطابق طبقہ حقوق نسواں عورت کے لئے جس جدت کا متلاشی ہے وہ عورت کو عورت نہیں دیکھنا چاہتا وہ عورت کو اس کی نسوانیت سے آزاد کروانا چاہتا ہے۔ وہ عورت کو جدت کے نام پر آزادروی اور اباحیت سکھانا چاہتا ہے۔

Ferdinad LundBurg نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام "Modern Women The lost sex" ''جدید عورت صنف گم گشتہ''، یعنی جدید عورت نسوانیت سے عاری ہے اور صنفی امتیاز سے انکاری ہے۔

Ferdinad Lundburg and Mavynia F-Farnham, M-D- "Modern Women the lost sex" New York & London.

مولانا مولانا مودودیؒ معاشرتی تصورات میں قدامت پرستی کے ناقد ہیں لیکن مروجہ جدیدیت کے حامی نہیں وہ اتباع اور تقلید سے مسلمانوں کی جان چھڑا کر انہیں امام دیکھنا چاہتے ہیں لیکن حریت فکر کے نام پر مذہب کی شکست نہیں چاہتے۔

مولانا مودودیؒ قدامت پسند رویوں کو اسلام کے لئے خطرہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''اتباع کا یہ تصور جو دور انحطاط کی کئی صدیوں سے دیندار مسلمانوں کے دماغوں پر مسلط رہا ہے۔ درحقیقت روح اسلام کے

(۶۱) اداریہ، از خالد علی انصاری، 'ساحل' (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۷ء ج ۳/ ش ۳/

(۶۲) "Encyclopedia of Philosphy", Routledge, Vol/6, p.447

بالکل منافی ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں کہ ہم جیتے جاگتے آثار قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہمیں رہبانیت اور قدامت پرستی نہیں سکھاتا۔ اس کا مقصد دنیا میں ایک ایسی قوم پیدا کرنا نہیں ہے جو تفسیر و ارتقا کو روکنے کی کوشش کرتی رہے۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس وہ ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جو تفسیر اور ارتقا کو غلط راستوں سے پھیر کر صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ہم کو قالب نہیں دیتا بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان و مکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں ان سب میں یہی روح بھرتے چلے جائیں جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں ہمارا مشن ہے۔ ہمارا کام یہ نہیں کہ ارتقا کے راستے میں آگے بڑھنے والوں کے پیچھے عقب لشکر Rear Guard کی حیثیت سے لگے رہیں بلکہ ہمارا کام امامت و راہنمائی ہے۔ ہم مقدمۃ الجیش بننے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔''(۶۳)

علامہ محمد اقبالؒ اسلامی فقہ کی تجدید کے قائل ہیں لیکن وہ ایسے تجدد کو پسند نہیں کرتے جو ماضی سے کٹ جائے بلکہ وہ ماضی کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید وقدیم

چنانچہ وہ لکھتے ہیں

''میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگوں کے دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں''۔(۶۴)

علامہ اقبالؒ نے اسلامی احکامات کی تعبیر نو کی ضرورت کا کبھی انکار نہیں کیا لیکن وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اسلاف کی راہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے۔ آپ لکھتے ہیں۔

''زندگی محض تغیر ہی نہیں اس میں حفظ وثبات کا ایک عنصر بھی موجود ہے۔ زندگی چونکہ ماضی کا بوجھ اٹھائے ہوئے آگے بڑھتی ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ جماعت میں تغیر وتبدل کا جو نقشہ ہم نے قائم کیا ہے اس میں قدامت پسندانہ قوتوں کی قدر و قیمت اور وظائف کو فراموش نہ کریں۔ تعلیمات اسلامی کی یہی وہ جامعیت ہے جس کا لحاظ رکھتے ہوئے جدید عقلیت کو اپنی ادارت کا

(۶۳) تنقیحات از مودودی، ص/۳۱۴

(۶۴) اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال از شیخ عطاء اللہ، ج/۱، ص/۱۵۹

جائزہ لینا ہوگا۔''(٦٥)

وہ مزید کہتے ہیں:

''کوئی قوم اپنے ماضی سے قطع نظر نہیں کر سکتی اس لیے کہ یہ ان کا ماضی ہی تھا جس سے ان کی موجودہ شخصیت متعین ہوئی۔''(٦٦)

جدیدیت درحقیقت کیتھولک مذہبی افکار کے رد میں فروغ پائی ہے۔اس تحریک نے انیسویں صدی کے آخر میں پہلی جنگ عظیم کے بعد مقبولیت حاصل کی۔اس کا مقصد کیتھولک روایتی فکر کو جدید معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظریات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تھا۔جدیدیت' تحریکِ حریتِ فکر کے برابر پروان چڑھی ہے۔دونوں تحریکیں مذہبی جبرو تشدد اور سخت روایتی رواج کے خلاف تصورات پر مبنی تھیں اور مذہبی عقلیت پسندی کا رجحان رکھتی تھیں۔یہ مذہبی نظریات کو سائنسی نظریات سے ہمنوا کرنا چاہتی تھیں۔

انگلستان میں ان کا بانی George Tyrell اور Maude Petre اٹلی میں Antonio fogazzro، Romole Murri اور Salvtore Minocch اور جرمنی میں Framz Xavier krans and Hermann Schnell ہیں۔تاہم جدیدیت کی سب سے زیادہ کشمکش کا مرکز فرانس رہا ہے'جہاں Loisy و Edward Le Row اور Luu'en laberthonniere کی تحریروں نے اس میں زیادہ جان ڈالی۔یہ تحریریں مذہبی عقائد کو عصری سائنس اور فلسفہ سے مغلوب کرنا چاہتیں تھیں۔Loisy اور Renan نے مذہب کو نزولی اور خدائی اصول کی بجائے انسانی نظریہ کے طور پر لیا اور اس پر زور دیا کہ مذہبی عقائد ہمارے اعمال و افکار کے تابع ہوتے ہیں۔یہ عقائد کو عقل کے ماتحت دیکھنا چاہتے تھے۔ان کے نظریات نے انسانی فکر میں بہت سے طوفانی خیالات کو جنم دیا،اور ابھی تک جدیدیت اور مذہبی عقائد باہم صف آرا ہی ہیں۔فرانس کے اکثر کیتھولک مذہبی اذہان نے جدیدیت کے خلاف باقاعدہ محاذ کھولا اور 1910ء میں تمام مذہبی عہدیداروں سے جدیدیت کے خلاف جنگ کے حلف لیے گئے۔اس قرارداد کو Sacrorum Antis کا نام دیا گیا۔اس کے بعد جدیدیت فرانس کی حدود سے

---

(٦٥)تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اقبال،علامہ، مترجم، نذیر نیازی، سید، مطبوعات بسلسلہ گولڈن جوبلی، بزم اقبال کلب روڈ، لاہور، طبع چہارم،١٩٩٤ء،طبع پنجم، جنوری ٢٠٠٠ء،ص/٢٤١

(٦٦)ایضاً،ص/٢٤١۔٢٤٢

نکل کر پورے مغرب میں پھیل گئی اور اس کے ساتھ مذہب کی مخالفت بھی کم وبیش چلتی رہی۔(٦٧)

جدیدیت یہ نہیں دیکھتی کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ اس کا صرف ایک اصول ہے کہ ہر جدید اچھی ہے، قدیم بُرا ہے۔ حالانکہ اسلام جدت اور قدامت سے بحث نہیں کرتا' اچھے اور بُرے کی بحث کرتا ہے۔ اچھا قدیم عنصر بھی ہوسکتا ہے جدید بھی۔ قدامت اگر جاہلیت ہے تو اسلام کی نگاہ میں جدت بھی جاہلیت ہے۔ طبقہ حقوق نسواں کے علمبردار عورت سے قدیم بوجھ تو اتار نہیں سکتے (یعنی انسان کی پیدائش کا) وہ اس پر جدت کے شوق میں نئے بوجھ ضرور لاد دیں گے (یعنی معاش کا)۔ وہ جدید دور میں عورت کے تحفظ کی ضمانت تو نہیں دے سکتے' ہاں قدیم پردے سے اُسے ضرور آزاد کروا دیں گے۔ یہ عورت کو مرد جتنا طاقتور تو بنا نہیں سکتے لیکن مردوں کو عورتوں سے بدگمان ضرور کردیں گے۔ یہ عورتوں کو مردوں سے جدا نہیں کرسکتے لیکن انہیں لڑا ضرور دیں گے۔ اسلام کو قدیم اور جدید جاہلیت دونوں سے نبٹنا ہے' نہ کہ قدیم جاہلیت کی جگہ جدید جاہلیت کو دینی ہے۔

مبحث ششم: قرآن مجید کی مردانہ تشریح (جانبدارانہ تشریح)

طبقہ حقوق نسواں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کی موجودہ تفسیر درحقیقت مردانہ تفسیر ہے جس میں عورت کو کمتر رکھا گیا ہے یا عورت کو مردانہ تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امینہ ودود موجود تفسیری سرمائے کو Culturaly biased یعنی جانبدارانہ تشریح قرار دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔

''آخر معاشرے میں عورت کا کردار Passive ہی کیوں ہے Active کیوں نہیں۔ ہم عورتوں کے ایسے کردار کی نفی کرتے ہیں۔ یہ سب تانا بانا عورت کی مخالفت میں بنا گیا ہے۔''(٦٨)

مولانا مودودیؒ اس الزام کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زوجیت میں اصل یہ ہے کہ ایک شے میں فعل ہو دوسری شے میں قبول وانفعال۔ ایک شے میں تاثیر ہو اور دوسری شے میں تاثر۔ ایک شے میں عاقدیت ہو اور دوسری شے میں منعقدیت۔ یہی عقد وانعقاد اور فعل وانفعال اور تاثیر وتاثر' مرد وزن کے درمیان زوجیت کا تعلق ہے۔ اسی تعلق سے تمام زوجی ترکیبات واقع ہوتی ہیں اور انہی ترکیبات سے عالم خلق کا سارا کارخانہ چلتا ہے۔''(٦٩)

---

(٦٧)"Encylopedia of Philospy" by paul Edward, Vol/5-6, pp.9, 359

(٦٨)My muslim.com.Malysia kolalumpur 2001.

(٦٩) پردہ از مودودی، ص/١٨٣

مولانا مودودیؒ عورت اور مرد کے اس فرق کو مرد وزن کے درمیان فضیلت کی بنیاد نہیں بناتے۔ آپ اُن کے کردار کے فرق کو واضح کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''فعل و انفعال دونوں اس کارخانے کو چلانے کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ فاعل اور منفعل دونوں کا وجود اس کارگاہ میں یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ نہ فاعل کی حیثیت فاعل میں کوئی عزت ہے اور نہ منفعل کی حیثیت انفعالی میں کوئی عزت۔ فاعل کا کمال یہی ہے کہ اس میں قوت فعل اور کیفیات فاعلیہ پائی جائیں تاکہ وہ زوجیت کے فعلی پہلو کا کام بخوبی سرانجام دے سکے اور منفعل کا کمال یہی ہے کہ اس میں انفعال اور کیفیت انفعالیہ بدرجہ اتم موجود ہوں تاکہ وہ زوجیت کے انفعالی اور قبولی پہلو کی خدمت باحسن وجوہ بجالاسکے۔''(۷۰)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اگر مرد وزن دونوں میں قوت یکساں ہو اور کسی کو کسی پر غلبہ حاصل نہ ہو تو ان میں کوئی کسی کا اثر قبول نہیں کرے گا۔ یہ دونوں ایسے پتھر بن جائیں گے جو ٹکرا تو سکتے ہیں مگر آپس میں کوئی امتزاج اور ترکیب قبول نہیں کرسکتے۔''(۷۱)

راشد شاذ، انقلابی تبدیلی کے لیے عورتوں سے متعلق روایتی طرز فکر پر تنقید اور نئے مسلم ذہن کی تشکیل کو کلیدی اہمیت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں:

''عورت کی دنیا میں ایک انقلابی تبدیلی کے لئے نئے مسلم ذہن کی تشکیل کو کلیدی اہمیت حاصل ہونی چاہئے۔ ہمیں انقلاب کے لئے تاریخی علمی سرمائے پر انحصار ترک کردینا چاہئے۔ ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ نئے ذہن کی تشکیل کے لئے تیرہ صدیوں پر مشتمل تعبیری ادب میں بنا بنایا فکری سرمایہ عورت کی موجودہ صورت حال کو تسلیم کرنے کے لئے ناکافی اور ناموافق ہے۔ عورتوں سے متعلق روایتی طرز فکر جو قرآن کی بجائے اساطیری ماحول سے غذا حاصل کرتی ہے نسل بعد نسل ایک مصنف سے دوسرے مصنف کی کتابوں میں نقل ہوتے رہنے کے سبب راسخ العقیدہ فکر کا ترجمان بن گئی ہے۔ ایسی صورت میں قرآن مجید کو نسوانی تناظر میں پڑھنے کی دعوت ایک ہمہ گیر علمی تحریک برپا کئے بغیر موثر نہ ہوسکے گی۔ ماضی میں بعض اصحاب نے روایتی ذہن پر ضرب لگانے کے لئے جو فکری کوششیں کی ہیں اس کے نتیجے میں آج کی عورت غیر محفوظ ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کی فکری کوششوں کو عورتوں میں قبول عام نہیں مل سکا۔ عصر حاضر کے شارحین کے لئے لازم ہوگا کہ وہ علمی تفردات میں اضافے کی بجائے قرآن مجید کو عملی راہنمائی کا مرکز بنائیں۔ خالص علمی مباحث اور تفردات کی نکتہ آفرینی کی

(۷۰) پردہ از مودودی، ص ۱۸۴

(۷۱) ایضاً

بجائے قرآن مجید کو عورتوں کے حقوق کی محافظ کتاب کے طور پر پڑھنے کی کوشش کی جائے جو متبعین محمد کی قیادت میں طبقہ نسوانیت کو مژدہ جانفزا سناتی ہو۔''(۷۲)

اسلامی مآخذ کے فہم نو کا انکاری کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا' الا یہ کہ وہ اپنے تعصّبات میں جکڑا ہوا ہے۔ مگر فہم نو کو اہمیت دیتے ہوئے ہمارا حقیقت حال تک رسائی کے لئے فہم قدیم اوران کی وجہ استدلال اوراصول استدلال سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔ آج مستقبل کا دیو بہت قوی ہے۔ وہ ہمارا ماضی سے رابطہ کاٹ کر ہمیں نہتّا کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو آج انتہائی بصیرت سے اپنی حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی۔

حالیہ سالوں میں عالمگیریت کو جس طرح فروغ ملا ہے اس کے باعث مغربی تصورات اور اصول عالمگیر بن گئے ہیں اوراس کے لئے سٹیلائٹ، انٹرنیٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی نے اہم کردارادا کیا ہے۔ اس کے باعث مسلمان اور غیر مسلم خواتین کے درمیان تہذیبی اختلاط ہوا ہے۔ اس اختلاط میں مغربی کلچر نے مسلم کلچر پر اثرات ڈالے ہیں۔ اس کے زیر اثر صنفی تعلقات کے روایتی طریقوں کو بھی اب چیلنج کیا جانے لگا ہے۔ اس چیلنج کے جواب میں بعض مسلمان خواتین اور مرد موجودہ صورت حال کی روشنی میں اپنی روایت پر از سرنو غور کررہے ہیں۔ ان حالات نے عورت کے اندر ایک قوت اور ایک تحریک بیدار کی ہے اور انہوں نے مردوں اور مذہب سے مقابلے کی ٹھانی ہے۔ یہ عورتیں اپنے کردار کے اعتبار سے تبدیلی کی خواہاں ہیں۔ امینہ ودود، ورجینا کامن ویلتھ یونیورسٹی میں اسلامیات کی استاد ہیں۔ انہوں نے 'قرآن اور عورت' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عورتوں سے متعلق نئے اور جدید ذہن کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا مقصود اسلام سے وابستہ تاریخی تصورات پر ضرب لگانا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کو بھی چیلنج کرتی ہیں اوران کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ تفاسیر عدل و انصاف کی بجائے مردوں کی ذاتی اغراض ومقاصد پرمبنی ہیں۔ جیسا کہ اس کی کتاب کا پہلا صفحہ اس کی عکاسی کرتا ہے۔

"Fourteen centuries of Islamic thought have produced a legacy of interpretive reading of the Quran written almost entirely by men, Now with Quran and women, Amina Wadud provides a first interpretive reading by a women, A reading which validates the female voice in the Quran and brings it out of the shadows Muslim

(۷۲) دہلی پلیٹ فارم ۲۰۰۶ء بین الاقوامی کاؤنسل برائے اسلام، راشد شاذ، ص۹

progressive have long argued that it is not religion but patriarchal interpretation and implementation of the Quran that have kept women oppressed. For many, the way to reform is the re-examination and re-interpretation of religious texts"(۷۳)

''چودہ سو سال سے لکھی جانے والی تمام تفاسیر مردانہ رجحانات کی حامل ہیں اور صرف مردانہ کاوشیں ہیں۔ اب امینہ ودود قرآن وسنت کے عنوان سے ایک تعبیرِ نو پیش کرنے کا عزم کرتی ہیں۔ جس میں قرآن مجید کی تشریح میں نسوانی نقطۂ نگاہ مقدم رکھا جائے گا۔ ترقی پسند مسلمانوں نے اکثر نشاندہی کی ہے کہ یہ مذہب نہیں بلکہ پدرسرانہ تشریح ہے جس نے عورت کو قید کر رکھا ہے۔ اس کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب اسلامی مقدس ماخذ کی تعبیرِ نو کی جائے۔''

امینہ ودود کا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ تفاسیر نے عورت کے مقام کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ امینہ تمام تفسیری ذخیرے کو عورتوں کے خلاف متعصّبانہ قرار دیتی ہیں۔ ان کے نزدیک ان تفاسیر میں انصاف کے بنیادی وسماجی اصولوں اور مساوات وانسانیت کے پیمانوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی بھی تفسیر معروضی نہیں۔ ہر تفسیر مفسر کے رجحانات کی ترجمان ہے جو ضروری نہیں کہ قرآنی پیغام کی عکاس ہوں۔ اس لئے وہ کسی تفسیر کو حتمی نہیں مانتی۔ وہ کہتی ہیں، پہلی تفاسیر اپنے وقت کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں اور کچھ خصوصی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہیں۔ نئے عہد نے نئے سوالات کو جنم دیا ہے اور ان کے جوابات کے لئے نئے طریقے اختیار کرنا ضروری ہے۔(۷۴)

اَمینہ ودود کی یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ نئے عہد میں نئی تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر قرآن کو زندہ پیغام کے طور پر باقی رہنا ہے تو پھر لازم ہے کہ ہر دور میں اس کی نئی تفسیر کی جاتی رہے۔ بصورت دیگر قرآن بھی اس انجام سے دوچار ہوگا جس سے قدیم الہامی کتب دوچار ہوئی ہیں اور اس طرح اس کا بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا کہ وہ زمان ومکان سے ماورا ہو کر انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید ایک ہے اور تفاسیر کئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں تفاسیر لکھی جاتی رہی ہیں اور آج بھی لکھی جارہی ہیں۔ کوئی دور تفسیری کارناموں سے خالی نہیں رہا اور ہر دور میں لکھی جانے والی تفاسیر حق سے قریب ہونے کی کوشش کا مظہر ہوتی ہے۔

اس بات کے اعتراف میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اُمت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ اسلامی، دینی اور تحقیقی زوال کا شکار

---

(۷۳)"Quran and Women" by Amina wadud, p.1

(۷۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: مسلم تحریک نسواں، حیفا جواد، ترجمہ: خورشید احمد، ندیم، ص۱۶/

ہے اور اُمت مسلمہ جمود اور تقلید میں پھنسی ہوئی ہیں اور ان کی تحقیقی صلاحیتیں گھن کھا چکی ہیں الا ما شاء اللہ۔ آج اُمت مسلمہ جس فرسودہ تحقیقی اور تعلیمی نظام کا نتیجہ ہے کہ اُمت مسلمہ تنزل کا شکار ہے۔

اِسلام آباؤاجداد کی غلامانہ تقلید کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام نے سابقہ اقوام کے عقائد میں موجود روایتی تقلید کو پاش پاش کیا ہے، قرآن ہمیں کائنات کے مظاہر اور دوسری خاص چیزوں میں عقلی استدلال اور تحقیقات کی دعوت دیتا ہے تاکہ جن چیزوں کی طرف قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے ان کے متعلق یقین کامل ہوجائے۔ اسلام نے مذہبی اقتدار اور پیشوائیت کو ختم کیا ہے۔ اس کے برعکس قرآن دلائل اور شہادت کا دین ہے۔ لیکن تقلید اور جمود کے خلاف جہاد کرتے ہوئے یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ خدا کا دستور ناقابل تغیر وتبدل ہے۔ تشریحات تو بدل سکتی ہیں۔ نئی تعبیرات تو ہوسکتی ہیں' اسلام نہیں بدل سکتا۔ یہ قیامت تک کے لئے اٹل دستور ہے۔ جب بھی اسلامی معاشرہ قائم ہوگا اسی دستور پر ہوگا۔ جب تک قرآن وسنت دنیا میں باقی ہیں اس دستور کی ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے ہٹائی یا تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ طبقہ حقوق نسواں کو اسلام کو مغربی ماڈل پر پرکھنے کی روش ترک کر دینی چاہیے اور اسلام کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے جو مغرب میں عیسائیت کے ساتھ ہوا ہے۔

طبقہ حقوق نسواں مسلم معاشروں میں عورت کی حیثیت کا ناقد ہے اور وہ اپنے سامنے مغرب کی مثال رکھے ہوئے ہے۔ وہ مسلم معاشرے میں اُسی طرح تبدیلی کا خواہاں ہے جیسے مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے بعد تبدیلی کی ایک تیز لہر آئی ہے۔ آج ہمارے ہاں جو تعبیر نو کی نئی لہر اٹھی ہے اُسے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے پس منظر اور اثرات کی روشنی میں بہتر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی اس تحریک کی پس منظر میں مسمانوں کی بجائے اسلام کی اصلاح کی جارہی ہے۔ جسے آج کے اسلامی معاشرے کا مذہبی ذہن اسلامی افکار پر حملہ قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

''جیسا کہ نشاۃ ثانیہ تاریخ یورپ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد کا یورپ ماضی کے یورپ سے قطعی مختلف ہوگیا ہے۔ اور یہ اس حد تک ہوا ہے کہ نئے یورپ کے تمام ادارے بشمول کلیسا، مذہب، سیاست، معیشت، اخلاقیات، خاندانی رسم ورواج اور سائنس سب کچھ بدل گئے۔ قدیم سماجی رویے شکست وریخت کا شکار ہوگئے۔ اس فکر کے اثرات پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہاں تک کہ نشاۃ ثانیہ کے بطن میں پوشیدہ افکار آہستہ آہستہ مذہبی فکر میں نفوذ کرتے گئے۔ جس کے نتیجے میں عیسائیت اپنی ماہیت اور ہیئت کے لحاظ سے تبدیلی کے عمل سے دوچار ہوگئی۔ سولہویں صدی تک یہ تبدیلیاں واضح اور منظّم رخ اختیار کرچکی تھیں۔''(۷۵)

---

(۷۵) روشن خیالی اور اعتدال پسندی نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں از رضا خان، محمد، ترجمان القرآن (ماہنامہ)، فروری ۲۰۰۷ء، ج ۱۳۴/، ش ۲/، ص ۵۴/

آج طبقہ حقوق نسواں بھی معاشرتی ڈھانچے کی بنیادوں کو ڈھا کر نئی تعمیر چاہتا ہے، اور مغرب سے قربت کی بنا پر اپنی کامیابی کا اعتماد رکھے ہوئے ہیں۔ مغرب میں بھی سولھویں صدی میں اصلاح مذہب کی تحریک اُٹھی تھی۔ اس نے یورپ کی مذہبی فکر کو دیوار سے لگانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ ظاہر میں یہ عیسائیت کی اصلاح چاہتی تھی مگر انجام کار' انتشارِ عیسائیت کی صورت میں برآمد ہوا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ عیسائیت اپنی اصل سے اور دور ہوگئی۔ پروٹسٹنٹ فرقے کا ظہور اس تحریک کا نتیجہ تھا۔ نظریاتی حملوں کے شکار آج کے مذہبی ذہن نے اسی کوششوں کو اسلام مخالف امر قرار دیا ہے اور وہ ان کو اصلاح مذہب کی بجائے انہدام مذہب سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں

''اگرچہ عیسائیت میں خرابیوں نے جنم ضرور لیا تھا مگر ان کی اصلاح کر کے انہیں دور کیا جا سکتا تھا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ اصلاح کے نام پر مذہب کو ہی منہدم کرنے کی کوشش کی گئی۔ آخر ایسا کیوں ہوا کہ معاشرے کے ہر ادارے سے مذہب کا خاتمہ کر کے انہیں سیکولر اداروں میں تبدیل کیا گیا پھر مذہب کو صرف دینی عقائد اور ذاتی معاملے تک محدود کر دیا گیا۔ مذہب اور معاشرتی اداروں میں مشرق ومغرب کا بُعد پیدا کر دیا گیا۔ جس طرح کسی بھی فکر کو زندگی عطا کرنے کے لئے اسے اداروں کے ذریعے معاشرے پر منطبق کرنا ضروری ہوتا ہے بالکل اسی طرح کسی بھی فکر کو محدود اور کمزور کرنے کے لئے اداروں سے اس کے رشتے کو منقطع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی کچھ صورت حال مشرقی نشاۃ ثانیہ میں بھی نظر آتی ہے جس کے ذریعے معاشرتی اداروں سے مذہبی فکر کا خاتمہ کر کے انہیں سیکولر بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔''(۷۶)

طبقہ حقوق نسواں آج عیسائیت اور یورپ میں مذہبیت کی مثالوں کو سامنے رکھ کر عورتوں کے حقوق کی جنگ اسلام سے لڑ رہا ہے اور اسے 'روشن خیالی' اور 'اعتدال پسندی' کا نام دیتا ہے۔ پس مغرب ان حقوق نسواں کی این جی اوز کے ذریعے مسلمان معاشروں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ جہاں بھی مذہب کی روشنی غلبہ کرے گی اس کا انجام ایک ہی صورت میں برآمد ہوگا یعنی جہالت، نشاۃ ثانیہ کے دور میں جس طرح عیسائیت کی بنیادوں کو منہدم کیا گیا تھا۔ لوتھر ایراسس، کالون اور زونگلی(۷۷) نے عیسائیت کی عمارت کو ڈھانے میں خاص کردار ادا کیا۔ انہوں نے پوپ کے اختیارات کو چیلنج کیا اور مذہبی تشریح کا حق عام لوگوں کو منتقل کر دیا جس کے تحت اب ہر شخص اپنے فہم وفراست کے مطابق انجیل کی

---

(۷۶) حوالہ سابق

(۷۷) یہ نام مغرب میں ماضی میں پلنے والے اصلاح مذہب کے فتنے کے سرکردہ افراد کے ہیں۔ جنہوں نے protestant school of thought کی بنیاد رکھی۔

تشریح کرسکتا تھا۔کلیسا کی طرف سے متعین کردہ مذہبی تشریح عام لوگوں کے لئے لازمی نہیں رہی۔ بعینہٖ یہی نیا رجحان آج حقوق نسواں کی تعبیر نو کی شکل میں نمو پا رہا ہے۔امینہ ودود آج حقوق نسواں کی تعبیر نو کا رُوپ دھار کر اسلام کے ساتھ نبرد آزما ہیں' جس سے اسلام کا ضابطہ حیات مشکوک قرار پاتا ہے۔پس منظر اپنے پیش منظر کو خود متعین کرتا ہے۔یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا پس منظر یورپ کے معاشرتی اداروں سے مذہبی افکار کا خاتمہ کرکے انہیں مکمل سیکولر بنیادوں پر کھڑا کرنا تھا، جیسا کہ اس کا پیش منظر مسلم دنیا کے معاشرتی اداروں سیاست، معیشت، تعلیم، اخلاقیات، خاندانی روایات اورابلاغیات سے مذہبی فکر کو علیحدہ کرکے انہیں سیکولر بنیادوں پر استوار کرنا اور عیسائیت کی طرح اسلام کو بھی فرد واحد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر اسے انفرادیت تک محدود قرار دینا ہے۔ یہ روّیے اسلام سے بغاوت کی بُو لئے ہوئے ہیں۔ان کی مراد یہ ہے کہ لوگوں کے سیکولر مخالف جذبات کو نرم کیا جائے اور بعد میں پیدا شدہ نرمی کو راسخ خیال میں تبدیل کیا جائے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں بھی دو تحریکوں نے افکار مغرب کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ایک تحریک 'عقلیت' اور ایک تحریک 'انسانیت' Rationalism & Humanism آج یہی دو تحریکیں حقوق نسواں کی تعبیر نو کی جان ہیں، امینہ ودود کی تفسیر' تاویلی طریقے پر مبنی ہے۔امینہ ودود خود اجتہادی طریقے کی بڑی حامی ہیں، ان طریقوں کی مدد سے وہ اسلام سے وہ حقوق نسواں اخذ کرکے دکھاتی ہیں جس کا منشور UNO کا حقوق انسانی کا چارٹر پیش کرتا ہے۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو تحریک 'عقلیت' اور تحریک 'انسانیت' کے ضمیر میں پوشیدہ ان اغراض و مقاصد کا مکمل احاطہ کرتی ہیں جن کے لئے نشاۃ ثانیہ کی تحریک برپا کی گئی۔سیموئل پی ہن ٹنگٹن (۷۸) نے تہذیبوں کے تصادم میں مغربی تہذیب کے لئے اصل خطرہ اسلامی تہذیب کو قرار دیا ہے۔(۷۹)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کی لہر ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لئے ایک پیش بندی ہے۔

خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد یورپی ممالک نے جن ملکوں پر قبضہ کیا وہاں کے تمام علمی سرمائے کو یورپ منتقل کیا گیا۔علمی سرمائے کی منتقلی کا اصل سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا رشتہ ان کی علمی تاریخ سے کاٹ دیا جائے۔ پھر یورپ

(۷۸) سیموئل پی ہن ٹنگٹن برطانیہ کی Hovard یونیورسٹی میں پروفیسر ہے جنھوں نے اکیسویں صدی میں دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ اسلام کو قرار دیا ہے اور عالم مغرب میں اس پیشین گوئی نے کھلبلی مچادی ہے۔

(۷۹) تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو از سیموئیل پی ہنٹنگٹن ،مترجم سہیل انجم ،ص ۱۵۳۔۱۶۰

ہی سے ان کتابوں کی تشریحات اور ترجمے شائع ہوتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے مغربی فکر کو بھی ان ترجموں اور تشریحات میں داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ مغربی فکر با آسانی مسلم معاشروں میں نفوذ کر جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ مسلم معاشروں میں معروف و مسلمہ مذہبی شخصیات کی علمی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل اسلام کیا ہے اور اس تک رسائی کیسے ممکن ہے۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو جیسی مذہب کش تحریکوں کو رواداری، روشن خیالی اور نئے دور کے نئے تقاضوں جیسے نعروں کے ذریعے فروغ دیا جا رہا ہے۔ عقل کی بنیاد پر مذہبی عقائد کی سائنسی ضابطوں کے تحت تشریحِ جدید کی جاتی ہے۔ جہاں ایسا ممکن نہیں وہاں تاویلی طریقے کے نام سے پُرفتن خیالات کو مذہبی لبادے میں عام مسلمان عورتوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ، تحریک اصلاح مذہب، صنعتی انقلاب، نظام سرمایہ داری، جدید سائنسی ارتقا' قدیم و جدید فلسفے کے اغراض و مقاصد اور مغرب پر ان کے اثرات کا عمیق نگاہ سے جائزہ لے کر ہی حقوق نسواں کی تعبیر نو کی ہیئت اور ماہیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

مبحث ہفتم: غیر معروضی تفسیر

طبقہ حقوق نسواں کا دعویٰ ہے کہ چودہ سو سال قبل سے آج تک اکٹھا ہونے والا تمام تفسیری سرمایہ غیر معروضی ہے۔ ہر تفسیر Subjective ہے۔ ہر تفسیر میں بیان کی گئی تفصیلات مفسر کے اپنے رجحان کی ترجمان ہیں۔ جو قرآن کے جوہر سے متصادم ہیں۔ یہ قرآنی احکامات کے منشاء کے خلاف ہیں۔ یہ تفاسیر مراد الٰہی پیش کرنے کی بجائے کلام الٰہی سے انسانی فہم پیش کرتی ہیں اور انسانی فہم غلطیوں پر مبنی ہوسکتا ہے۔ اس جانبدارانہ رجحان کی بنا پر عورتوں سے حق تلفی ہوئی ہے۔(۸۰)

دہلی سے راشد شاذ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کا بار بار تدبر، تفکر اور تعقل پر اصرار ہم سے اس بات کا طالب ہے کہ ہم سلف صالحین کے فہم کو حرف آخر سمجھنے اور ان کی تفسیری غلطیوں کو اپنے کندھے پر ڈھونے کی بجائے اپنی غلطیوں کی طرح ڈالیں یعنی خود اسلامی ماخذ کی تعبیر نو کا فریضہ سرانجام دیں۔ سلف صالحین جن کی لغزشوں کو بوجوہ تقدس کا مقام حاصل ہوگیا ہے۔ اس کے مقابلے میں عصر حاضر کے انسانوں کی لغزشوں کا محاکمہ اور ان کی اصلاح کا کام نسبتاً آسان ہوگا۔''(۸۱)

اگر طبقہ حقوق نسواں تفسیر کی تعریف سے آگاہ ہے اور دینی علم کی بنیادوں سے واقف ہے تو اُسے تفسیر پر یہ اعتراض جچتا نہیں کیونکہ تفسیر سے مراد الہامی فہم نہیں ہوتا' الہامی کلام کا انسانی فہم ہوتا ہے۔

علم تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے محمد حسین الذھبی(۸۲) لکھتے ہیں:

---

(۸۰)1. " The Muted Voices of Women Interpreters" by Bottania Shaaban, in "Faith and Freedom, Women's Human Right in the Muslim world" Edited by Mehnaz Alghami, p.61-63

2. "Feminist Reinterpretation of Islamic Sources, Muslim Feminist thology in the light of the christion tradition of Feminist thought," by A-S- Roald, p.25-29

(۸۱) دہلی پلیٹ فارم ۲۰۰۶ء بین الاقوامی کاؤنسل برائے اسلام، راشد شاذ ص ر ۱۰

(۸۲) ڈاکٹر محمد حسین ذہبی: علوم القران اور حدیث کے استاد۔ جامعہ ازہر میں کلیۃ الشریعہ کے استاد ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف ''التفسیر و المفسرون'' ہے۔

''تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآن سے خداوند تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔''(۸۳)

کثیر آئمہ نے مختلف نوعیت سے تفسیر کی تعریف بیان کی ہے اور مفسرین میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہی یقینی طور پر مراد الٰہی ہے۔ تفسیر میں ہر مفسر معروضی طرز اپنانے کی اور اپنی ذاتی رائے کی نفی کی سعی و کوشش کرتا ہے۔ (اور وہ بھی انسان کے تقویٰ پر منحصر ہے) اور حق تک رسائی کی اس انسانی کوشش کو تفسیر کہتے ہیں۔ اگر طبقہ حقوق نسواں یا جاہل عوام نے تفسیر سے مراد کچھ اور لیا ہے تو اس میں علماء و مفسرین خطار کار نہیں ہیں۔ ہر انسان جب آسان رستے کو اپناتا ہے اور جو اس کے رب نے اس پر حق تک رسائی کی ذمہ داری رکھی ہے اسے دوسروں پر ڈال کر خود سو جاتا ہے' تو ایسے میں قصور سونے والوں کا ہے نہ کہ جاگنے والوں کا۔ اور اگر جاگنے والے قابل اعتماد نہیں تو سونے والوں کو ان کی غفلت کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ دین تو ہر ایک کا دین ہے صرف مولوی اور مفسر کا نہیں۔ رب ہر ایک کا ہے صرف آئمہ کرام کا نہیں۔ آئمہ کرام اپنے انسانی علم کی بدولت راہ حق کی جستجو میں اس کی راہنمائی تو کر سکتے ہیں جو راہنمائی کا طالب ہے اور جو آئمہ کرام کو گمراہ سمجھتا ہے اور اپنی آنکھ سے راستہ پہچاننا چاہتا ہے تو اسلام کوئی مذہبی پیشوائیا اجارہ داری نہیں کہ اس کی راہ روک کر اسے ان کی تقلید پر مجبور کرے۔ آئمہ کرام نے لوگوں پر جمود طاری نہیں کیا۔ آئمہ کرام نے تحقیق اور راہ حق کی جستجو کی طرح ڈالی ہے۔ ان کے معتقدین نے ان پر اعتماد کر کے اپنے پر جمود اور تقلید کو لازم کیا ہے اور عوام نے آئمہ کی نہیں ان معتقدین کی اندھی پیروی کی ہے۔

لہٰذا یہ بات درست ہے کہ تفسیر میں رجحانات اپنی جگہ رکھتے ہیں اور مختلف تفاسیر، متنوع رجحانات کی نمائندہ ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حقوق نسواں کی تعبیر نو بھی غیر معروضی ہے اور نسوانی مفادات پر مشتمل ہے، بلکہ اس کے غیر معروضی ہونے کے شواہد اور زیادہ ہو جاتے ہیں۔ جب یہ آئمہ مفسرین کی کثیر جماعت کے اصول تفسیر سے بھی میل نہ کھاتی ہو تو پھر اس نسوانی تفسیر کی حقانیت جانچنے کا معیار کیا ہوگا۔ خصوصاً اس وقت اس کی حیثیت اور نازک ہو جاتی ہے جب یہ تاویلی طریقہ تفسیر پر مبنی بھی ہو۔ جب یہ حق تک رسائی کے لئے کسی زاویہ اور پیمانہ سے بھی آزاد ہو اور فیصلے کا معیار گواہاں شہادت اور قرائن کے علاوہ محض قاضی کے دل کی آواز ہو۔ اب یہ کس رجحان کی حامل تفسیر ہے۔ یہ جدت پرستی، مغرب پرستی، مادیت پرستی، عقل پرستی کے رجحان کی حامل یا خدا پرستی کے رجحان کی؟ اس کا فیصلہ بھی حریت مسلمان کرے گی جیسا کہ اب تک فیصلہ اسی نے کیا ہے۔

---

(۸۳) التفسیر والمفسرون از الذہبی، محمد حسین، ج۱/ص۱۵

باب پنجم

تحریک حقوق نسواں کے افکار
اسلام پسند طبقہ کی نظر میں

حقوق نسواں کی تحریکوں کے افکار اسلام پسند طبقہ کی روشنی میں

جس طرح کسی ملک کے اطراف و حدود کا تعین اس کی سرحدیں کرتی ہیں اسی طرح کسی نظام یا نظریے کا تعین اس کے بنیادی اُصول اور اس کے اساسی اعتقادات کرتے ہیں ان اعتقادات و نظریات کی حفاظت کے لیے اتنا ہی چوکس و مستعد رہنا ضروری ہے جتنا دشمنوں کے درمیان گھری ہوئی سلطنت کی حفاظت کے لیے اس کی فوجوں کا تیار و ہوشیار رہنا، دشمن کے محاذوں اور مورچوں کی خبر رکھنا، دشمن کے نقل و حمل کی خبر رکھنا دشمن کو ملنے والی خوراک اور عسکری کمک پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ البتہ سرحدی دشمنوں کے حملے دیکھے جا سکتے ہیں، ان کا بروقت نوٹس لیا جا سکتا ہے اور ان کا جواب فوری طور پر دیا جا سکتا ہے لیکن نظریات اور عقائد پر لگنے والی ضرب کا احساس ٹوٹ پھوٹ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نظریاتی حدود کی پیشگی حفاظت اور ان پر ہونے والے حملوں اور دشمنوں کو ملنے والی مدد اور دشمنوں کے ذہنی سانچے، خطرات، خدشات اور دشمن کے جاسوسوں پر نظر رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اسلام اور نظریہ اسلام کو ہر قسم کی سازشوں کا سامنا رہا ہے اور اپنی حفاظت کے لیے اسے اسلحہ ہی کی نہیں بلکہ نظریات کی جنگ بھی لڑنی پڑی ہے۔

الحاد، مادّہ پرستی، عقل پرستی، تجدد پرستی، مغرب پرستی عصر حاضر کے بڑے بڑے خدا ہیں کہ جن کی بندگی میں آج کا انسان اللہ کی بندگی اور پرستش کو بھول بیٹھا ہے۔

آج کے مسلمان دو قسم کی وفاداریوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ایک طرف وہ بین الاقوامی انسانی (UNO Based) مذہب چاہتے ہیں جس میں تمام انسان بلا تفریق مرد و زن برابر کے شریک ہوں۔ دوسری طرف وہ اسلام کی برتری کو دوسرے مذہب پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ایک طرف وہ عالمگیر مذہب کو پسند کرتے ہیں دوسری طرف وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ مسلمان اپنی اجتماعی شخصیت کو ختم کر دیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ عالمگیریت بذات خود کوئی قدر نہیں۔ قدر حد بندی اور تخصیص سے اخذ کی جاتی ہے۔ جب کبھی ایک گروہ یا فرقہ عالمگیر اقدار کی

بنیاد پر منظّم کیا جاتا ہے تو وہ اپنی شخصیت اور تشخص کی قربانی دیتا ہے۔موجودہ عالمگیریت نے اسلام کے وجود کو ایک سیاسی اور سماجی خطرے میں ڈالا ہے۔

حقوق نسواں کے حاملین کا نظریہ مساوات ومردوزن پر ایمان ہے نہ کہ عورت کے دائرہ کی تقسیم پر،عورت کو مرد بنانے پر اصرار ہے نہ کہ عورت کی نسوانیت کے نام اس کے حقوق و فرائض کا دھیان۔عورت کی ترقی پر توجہ ہے نہ کہ اس کے تحفظ پر،حقوق نسواں کے حاملین مغرب زدگی میں اس حدتک آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان کی نظر وہی دیکھتی ہے جومغرب دکھانا چاہتا ہے۔مغرب نے عورت کو اس کے گھر سے نکالنے کے لیے جو خوبصورت لفظ استعمال کیا ہے،حقوق نسواں کے حاملین کا اس پر ایمان انتہائی مضبوط ہے۔'مساوات مردوزن' کا نعرہ ان کے لیے اتنی کشش کا حامل ہے کہ یہ اس کے پس پردہ عورت کے ساتھ ہونے والی تمام زیادتیوں سے بھی صرف نظر کر جاتے ہیں۔ان کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ ہر کام جسے مرد سرانجام دے سکتا ہے، عورت بھی کرسکتی ہے۔عورت پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی جس سے مرد کو آزاد رکھا گیا ہو۔آزادی نسواں کے اس پرفریب نعرے سے حقوق نسواں کے حاملین،عورت کو کوئی آزادی تو نہیں دے سکے کیونکہ جو کام فطرت نے عورت کے سپرد کیے ہیں وہ عورت تو مرد پر نہیں ڈال سکی۔لیکن اس پُر فریب نعرے کی آڑ میں مردوں نے وہ تمام کام عورتوں پر ڈال دیئے ہیں جو کائنات کے نظام نے اِن کے سپرد کیے تھے۔

مسلمان معاشروں کے اسلام پسند طبقے کے حقوق نسواں کی تحریکوں کے افکار پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ پیش خدمت ہے۔ساتھ ساتھ ان کے اعتراضات کے اسباب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

فصل اول

اِسلامی فکر سے عدم واقفیت

مسلم معاشروں میں جنم لینے والے بچے اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے شروع دن سے ہی ایسے معاشرہ میں آنکھ کھولی جہاں اسلامی اقدار وروایات پر عمل ہوتا ہے۔ جہاں کئی نسلوں سے لوگ مسلمان چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے اسلام اور کفر کی کشمکش میں آنکھ نہیں کھولی۔ ان کے کانوں نے شروع دن سے اللہ کی بندگی کا کلمہ سنا ہے۔ انہوں نے اسلام کو وراثتاً پایا ہے۔ نہ تو اس کو تجربہ کی کسوٹی سے گزارا اور نہ کبھی شک کی آنکھ سے دیکھا۔ انہوں نے قرآن اور اسلام کو اُس آنکھ سے دیکھا ہے جس سے ان کے آباؤ اجداد نے دیکھا اور انہوں نے اُس آنکھ سے دیکھا جس سے اُن کے آباؤ اجداد نے دیکھا۔ اس طرح یہ تو تاریخی طور پر چلی آنے والی اسلامی فکر کے محافظ ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تاریخی چشمے کو حالات وزمانہ نے جس طرح آلودہ کیا اور اس میں مختلف آلائشیں ڈال دیں یہ اسی سچی اسلامی فکر کے آلودہ سرچشمے سے سیراب ہونے والے ذہن ہیں۔ اس چشمے کی تطہیر کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے کتاب وسنت کی طرف دوبارہ لوٹایا جائے۔ اور جس طرح یہ ایک لمبا عرصہ مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے لیے بنیاد فراہم کرتا رہا ہے اس سے آج بھی اسی طرح روشنی اخذ کی جائے۔

ہدایت کے اخذ وحصول میں آئمہ سلف آج کے مسلمانوں کے راہنما ہیں لیکن ان کا تجویز کردہ حل آج کے جدید دور کے مسائل حل نہیں کر پاتا۔ ہمیں اسلاف پرستی نہیں کرنی بلکہ جس طرح ہمارے اسلاف نے دین کے بنیادی اصولوں اور حقیقی تصورات کو اپنے معاشرتی مسائل کے حل کا ذریعہ بنایا تھا اسی طرح ہمیں بھی اسی چشمہ صافی سے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ آج ہم تقلید اور جمود کی بنا پر اسلام سے فیض یاب ہونے کی بجائے آج کے مسائل کے حل کے لیے ماضی کی دوا لاتے ہیں جو Expire ہو چکی ہے اور جو کہ ماضی کے مسائل کا جواب تھی، ہمارے مسائل کا نہیں، آج مسلمانوں کو اسلاف کے طرز پر اپنے مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں تلاش کرنا ہے۔ اور علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جدید مسلمان ذہن کو صحیح اسلامی چشمے سے سیراب کرائیں اور اُسے ماضی میں چلنے پر مجبور کرنے کی بجائے اس کے مسائل حل کریں تا کہ وہ اپنا مستقبل سنوار سکے۔ وگرنہ یہ رویہ اسلام سے دوری پر منتج ہوگا۔

جدید ذہن چونکہ اسلامی تعلیم سے دور ہے، اس لیے وہ حقوق نسواں کے سلسلے میں اسلام کی صحیح روح اور مقاصد سے آگاہ نہیں۔ اُس کا اسلام پر یقین نہیں بلکہ وہ حادثاتی مسلمان ہے۔ لہذا وہ اسلام کے بارے میں یقین کی بجائے شک اور تذبذب میں ہے۔ ایسے میں مغربی استعمار اور سائنسی مادّی افکار کی یلغار اُسے مذہب سے اور دور

لے جانے کا باعث بنی ہے۔ یا پھر اسلام کی طرف لوٹتا ہے بھی تو مغربی اور سائنسی افکار کی طرح کی ایک فکر دین اسلام کو بھی سمجھتا ہے۔کبھی اسے پیشوائیت پر قیاس کرتا ہے،کبھی مسیحیت پر اور کبھی سائنسی نقطہ نگاہ سے تجربوں کی کسوٹی پر پرکھ کر تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔

مبحث اوّل: تعبیر وتفسیر کے معروف اصولوں سے انحراف

حقوق نسواں کے حوالے سے قرآن کی مضحکہ خیز تشریح کرنے والوں نے تفسیر قرآن کے مسلمہ اصولوں سے انحراف کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آزادی نسواں اور مساوات مرد وزن سے متعلق اپنی رائے پر پختہ یقین رکھتے ہیں پھر اپنی رائے کے حق میں قرآن کو بطور دلیل استعمال کرتے ہیں تو مسلمہ اصول تفسیر کی روشنی میں قرآن کی بیان شدہ حقیقی تفسیر کو اپنی من پسند تاویلات کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ قرآن حکیم دین اسلام کا دستور ہے، جسے نبی اکرم ﷺ کے قلب پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی صورت میں نازل فرمایا ہے۔ آپؐ سے بہتر اس کے متن اور مفہوم کو کوئی اور سمجھ ہی نہیں سکتا۔ علماء اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ وحی الٰہی کی جو تفسیر وتشریح آپؐ نے فرما دی، وہ قطعی ہے۔ اس کے خلاف کوئی اور تفسیر قابل قبول نہیں۔ حقوق نسواں کے حاملین نے تھوڑی بہت عربی سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد تفسیر قرآن کے نت نئے دعوے کیے اور ایسی ایسی عجیب وغریب تاویلات پیش کیں کہ جو سابقہ چودہ صدیوں میں کسی صحابی، تابعی، امام، عالم دین یا مفسر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوں گی حالانکہ ان کی مادری زبان عربی تھی اور قرآن ان میں سے بعض کے گھروں میں اترتا تھا۔ اس طبقہ نے اپنی خواہشات کے مطابق قرآن کی ایک ایسی نئی تفسیر ایجاد کر لی ہے جو اِس سے پہلے کسی مفسر کے عقل وفہم میں نہ سما سکی۔ کم سے کم الفاظ میں اگر ان کا دعویٰ بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ اسلام کی مکمل تعلیم صرف اور صرف قرآن حکیم ہی ہے اور شریعت کے فہم کا ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ہر روز ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرنا ایک ضروری اُمر ہے، اس لیے سابقہ تمام تفاسیر قابل تنقید ہیں۔

بظاہر وہ تعبیر نو کے ماخذ قرآن وسنت دونوں ہی کو مانتے ہیں لیکن جب بھی ان کی تحریریں پڑھی جائیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے نعرے کی آڑ میں ان کے اُصول، سنت سے انحراف کی بناوٹی اساس پر مبنی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ چاہے کوئی عربی کا بہت بڑا ماہر ہو یا فہم وادراک میں یکتا ہو، ماہر لسانیات ہو یا وضاحت وتشریح کی

غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک، سنتِ مطہرہ کے بغیر قرآن مجید کے اصل مفہوم کو مکمل طور پر سمجھ ہی نہیں سکتا۔

جدید فہم کے حاملین کل شریعت صرف قرآن کو مانتے ہیں، اُس میں سے بھی اہمیت صرف قرآن کے الفاظ کو دیتے ہیں، قرآن کے نئے معانی متعین کرتے ہیں، تمام صحابہ کرامؓ اور علمائے اسلام کے فہم کا رد کرتے ہیں[1] حدیث کا انکار کرتے ہیں، اجتہادِ نو کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اس جتہاد میں بھی شریعت کے مسلمہ اُصولوں کے تابع ہو کر شرعی مقاصد کے تحت اَحکام کی وسعتیں تلاش کرنے کی بجائے شریعت پر اضافہ کرنے میں دلیر ہیں۔(جبکہ شرعی اجتہاد، شریعت پر اضافے کا نام نہیں۔)[۲]

جدید فکر پر یہ اعتراضات اپنی جگہ بجا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جدید فکر معاشرتی مسائل میں عموماً اور مسئلہ نسواں میں خصوصاً تعبیر وتشریح کے معروف اصولوں سے غیر مطمئن ہے۔اگر ان کی بے اطمینانی کی وجوہات سے صرف نظر کیا جائے تو حق تک رسائی مشکل ہوجائے گی۔

صنعتی انقلاب کے بعد مسلم معاشروں میں مغربی افکار کی اسلامائزیشن کا عمل تیز ہوگیا۔معاشرت ونسائیت سمیت تمام میدانوں میں نئے نقطہ نگاہ اور نئے زاویے معروف ہوئے۔امت مسلمہ اتنے بڑے انقلاب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔نہ ہی اس نے اس انقلاب کی پرداخت ہی میں کوئی حصہ لیا۔نتیجتاً جب یہ انقلاب برپا ہوا تو امت مسلمہ تنہا بے دست وپا اور بے یارومددگار رہ گئی۔جس کا پہلا نتیجہ اس کی غلامی کی صورت میں نمودار ہوا اور اس کا دوسرا نتیجہ اسلام کی تعبیر وتشریح کے معروف اصولوں سے عدم اعتماد کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔پرانی فقہ بے شمار نئے سوالوں کا جواب دینے سے معذور ہوگئی۔اب وہ لوگوں کی انفرادی زندگی کے دائرے میں (اور وہ بھی زیادہ تر عبادات میں)ہی ان کی راہنمائی کرسکتی تھی۔لیکن لوگوں کی معاشرتی زندگی اور اجتماعی زندگی کے نئے رویوں کی راہنمائی کرنا اس کے بس میں نہ رہا۔درحقیقت یہ تعبیر وتشریح کے پرانے اصولوں کی خامی نہ تھی، کیونکہ جس طرح آج کا انسان دوسوسال کے بعد کے حالات کا نہیں سوچ سکتا اور نہ ہی اس کے لیے حل نکال سکتا ہے اس طرح سابقہ فقہاء سے یہ توقع رکھنا کہ کئی سوسال بعد جو حالات پیش آئیں ان میں بھی ان کی کتابیں راہنمائی کریں، اسلامی فکر سے عدم واقفیت کے سوا کچھ نہیں۔یہ امت مسلمہ کے دینی وسیاسی راہنماؤں کی کمزوری تھی کہ انہوں نے پیش آمدہ حالات میں

---

(۱) چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد، اعزازالدین احمد خان، طلوع اسلام، اگست ۱۹۹۰ء ج ۴۳/ش۸/ص ۲۲

(۲) اجتہاد کے ضمن میں بقیہ بحث مقالے کے آخری صفحات دیکھیے

براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط کا ملکہ اپنے اندر پیدا نہیں کیا اور پرانے ذخیرہ فقہ پر انحصار کو کافی جانا۔(۳)
آج کے عامی مسلمانوں کے پاس دوراستے ہیں۔اگر وہ اسلام کے معروف ومانوس راستے پر چلتے ہیں تو قدامت پرستی کی گود میں گرتے ہیں۔دوسرا راستہ اغیار پر انحصار کا ہے جس میں اسلام کا بھی قتل ہے اور خودی بھی کالعدم ہے۔اگر عامی مسلمان ان دونوں صورتوں کا انکار کرتے ہیں تو اسلاف کے بعد اخلاف میں وہ کوئی راہنمائی نہیں پاتے۔یہی وہ بےسکونی ہے جس نے مسلمان کو مقصد سے تہی دامنی کی بناء پر دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردیا ہے۔

مبحث دوم: تعبیر نو میں حدیث وسنت کا کردار

کسی بھی مسئلے کو از سرنو حل کرنے کر لیے اہل علم اسے اس کی اساس کی طرف لے جاتے ہیں اسے اس کی اصل سے مربوط کر کے اس کی حیثیت کا دوبارہ تعین کیا جاتا ہے۔مسئلہ اسلام کے معاشرتی نظریات کی تعبیر نو کا ہو تو چودہ سو سال قبل کے اسلامی معاشرے کی تصویر کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے یہ قولی تصاویر آج ہمارے پاس سرمایہ حدیث کی شکل میں موجود ہیں۔عورت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے تحریک نسواں سے متاثر مسلمان معاشروں کی بے نیازی ناقابل فہم ہے اس سرمائے پر تنقید کرنے والوں نے مسلمانوں کے اختلافات کا فائدہ اٹھایا ہے فکر جدید کے نزدیک

''حدیثوں کی بدولت معاشرتی جزئیات دین بن گئی ہیں جو درست نہیں''(۴)

ان کے نزدیک حقوق نسواں کی تشریح کے لیے احادیث سے استدلال کا رویہ جدید مسلمان عورت کے مسائل کو حل کرنے کی بجائے پیچیدہ بناتا ہے۔یہ معاشرتی مسائل کے حل میں احادیث سے استنباط پر مطمئن نہیں۔
اسلامی فکر کے نزدیک یہ موقف کئی رخ سے قابل تنقید اور اہل اسلام کے ہاں شک کے مترادف ہے:

''اگر حدیث میں یہ لوگ اختلاف رکھتے ہیں تو ایسا اختلاف تو تعبیر قرآن میں بھی ممکن ہے۔''(۵)

اسی امکان کا فائدہ اٹھا کر فکر جدید نے قرآن وسنت میں تجدد کی راہ نکالی ہے۔حدیث وسنت اور اس کے کردار کے حوالے سے جدید ذہن کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث وسنت میں فرق ہے ''کل حدیثیں روایت بالمعنی بیان

(۳) اکیسویں صدی اور پاکستان، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، المورد، ادارہ علم وتحقیق، طبع اوّل، جولائی ۱۹۹۶ء، ص/۲۵۸

(۴) اسلامی نظام از پرویز، طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۲، ج/۵، ص/۵، ص/۳۸،

(۵) اختلاف تعبیر قرآن اور منکرین حدیث از قاسمی، محمد دین، محدث، اگست۔ستمبر ۲۰۰۲، اشاعت خاص، فتنہ انکار حدیث ج/۳۴، ش/۱۱، ص/۴۷

کی گئی ہیں نہ کہ بالالفاظ، اس لیے الفاظ حدیث اس آخری راوی کے متصور ہوتے ہیں جس سے اس نے روایت کی۔اس لیے اس باب میں حدیثوں اور سِیَر کی روایتوں سے بحث کرنا ہمارے نزدیک فضول اور بے فائدہ ہے۔''(٦)

فکر جدید کے نزدیک سنت حضورؐ کی عملی زندگی کی وہ تفصیل ہے جو قرآن کی طرح تواتر عملی سے ثابت ہوتی ہے وہ تو قطعی الثبوت ہے۔ وہ قرآن کی طرح اہم ،اس کے قلب کے لیے مثل روح اور اسی کی طرح حجت ہے اس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

حدیث ان کے نزدیک سنت کا تحریری ریکارڈ ہے جو تواتر سے ثابت نہ ہونے کی بنا پر 'خبر واحد' کا درجہ رکھتی ہے لہذا ظنی الثبوت ، مجموعہ رطب و یابس اور صحت کے لحاظ سے نا قابلِ اعتماد ہے۔ پس فہم قرآن کے حوالے سے بنیادی اور کلی طور پر ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز ہے نہ اس سے اس کے عموم کی ایسی تخصیص کی جاسکتی ہے جو قرآن اور لغت کے معروف مفاہیم کے خلاف ہو۔

قرآن کے فہم کا بنیادی انحصار، اس کی زبان ، اس کے داخلی نظم اور تفسیر القرآن بالقرآن پر ہے۔ اخبار آحاد سے اگر اس فہم کی نفی ہوتی ہو اور کسی صورت ان میں تطبیق نہ دی جاسکے تو اخبار آحاد کو ردّ کر دیا جائے گا۔(٧)

حدیث وسنت اور قرآن فہمی میں اس کے کردار کے حوالے سے فکر جدید کا یہ موقف بہت سے مغالطّوں پر مبنی ہے اور بہت مسائل کو جنم دیتا ہے۔

اہل علم، حدیث وسنت میں اس طرح فرق نہیں کرتے جس طرح فکر جدید نے کیا ہے۔(٨)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سنت مطہرہ، آپؐ کی عملی زندگی اور اُمت کے لیے آپؐ کی عملی راہنمائی

---

(٦) مقالات سر سید، حصہ دوم، ص/١٨١

(٧) i۔ مبادی تدبر حدیث، از اصلاحی، امین احسن، مولانا، فاران فاؤنڈیشن، ١٢٢۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، ٢٠٠٠ء، باب اوّل و دوم ، خصوصاً ص/١٩، ٢٨، ٣٨، ٤١

ii ۔ مبادی تدبر قرآن، اصلاحی، امین احسن، فاران فاؤنڈیشن، ١٢٢۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، طبع چہارم، اگست ١٩٩٩ء، ج/١، مقدمہ، ص/ب ومابعد

iii ۔ مبادی تدبر قرآن، از اصلاحی، امین احسن، مولانا، ص/٥٢، ١٦٩

(٨) میزان، غامدی، جاوید احمد، المورد، ادارہ علم و تحقیق، لاہور، طبع دوم، اپریل ٢٠٠٢ء، ص/٦٥

صرف آپؐ کے 'افعال' پر مبنی نہ تھی بلکہ آپؐ کی گفتگو اور اقوال بھی اس کا اہم حصہ تھے۔ اسی طرح کتب احادیث میں حضور ﷺ کے محض اقوال ہی محفوظ نہیں کیے گئے بلکہ آپ کی سنت (عملی زندگی) بھی محفوظ کی گئی ہے، یہاں تک کہ بہت سے مؤلفین نے اپنے مرتب کردہ احادیث کے مجموعوں کے نام ہی 'سنن' پر رکھے اور وہ 'سنن' کے نام ہی سے اہل علم میں معروف ہیں جیسے سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ۔ اس طرح اہل علم یہ جاننے کے باوجود کہ کتبِ احادیث میں مذکور حضور ﷺ کے اقوال و اعمال حضورؐ کی سنت کا ریکارڈ ہیں، بعض اوقات انہیں صرف حدیث یا صرف سنت کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ حدیث وسنت کو مترادف کے طور پر استعمال کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

چونکہ ان لوگوں کا ایمان صرف قرآن کے الفاظ پر ہے، قرآن کے معانی کے محفوظ ہونے کا انہیں یقین نہیں، لہذا ان کا کہنا ہے کہ حدیث سے دین میں کسی عقیدے اور عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ پس حدیث کا انکار اس لیے ان کے لیے لازمی ہوگیا کہ احادیث کے الفاظ کی وہ حیثیت نہیں جو قرآن مجید کے الفاظ کی ہے۔ حدیث میں اہمیت، حدیث کے معنی کی ہے لہٰذا جو معنی قرآن اور حدیث میں یکساں طور پر بیان ہوا ہے اور ان میں کہیں کوئی اختلاف نہیں تو وہ قابل قبول ہے۔ یہ حضرات تاویل کے ذریعے سے قرآن کے معنی بدلتے ہیں اور حدیث کے الفاظ کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے نزدیک احادیث ظنی الثبوت اور مجموعہ رطب ویابس ہیں۔ حالانکہ محدثین روایت کرنے کے بعد احتیاط اور ادب کی وجہ سے اَوْکَمَا قال رسولُ اللّٰہؐ کے الفاظ لکھ دیتے تھے لیکن اس فقرے سے یہ مطلب نکالنا کہ تمام حدیثیں قابل اعتماد نہیں، درست نہیں۔

اسلام پسند حلقے کے نزدیک فہم نو کے حاملین نے اپنی منفی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے اسلام کے اس موقف کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا اُصول، تفسیر کا پہلا ماخذ ہے۔ اسلاف کا مقصد اس سے یہ تھا کہ قرآن کے ایک مقام کی تفسیر اگر قرآن میں کسی دوسرے مقام سے ہو جائے تو یہ ایک کافی امر ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کیا کہ تفسیر القرآن بالقران کے لیے جو اُصول انہوں نے ازخود وضع کیے تھے اُن کی بنیاد پر صحیح اور ثابت شدہ تمام ایسی احادیث جو ان کے مزعومہ مقاصد کے خلاف جاتی تھیں اور امت کے نزدیک چودہ سو سال سے مقبول اور معمول بہ تھیں، کا انکار رد کر دیا۔

اہل علم، حدیث وسنت میں اس طرح کوئی فرق نہیں کرتے جیسا کہ قرآن کی نئی تفسیر کرنے والوں نے کیا ہے۔ اس فرق سے درحقیقت وہ یہ سہارا لیتے ہیں کہ وہ منکرین سنت نہیں ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم تو قرآن کے ساتھ ساتھ سنت کو بھی حجت مانتے ہیں۔ حالانکہ سنت سے اُن کی مراد وہ نہیں ہوتی جو اہل علم مسلمانوں کی ہے۔ اس طرح یہ عام مسلمانوں کو غلط تاثر دیتے ہیں۔ (۹)

ان لوگوں نے امت مسلمہ سے اختلاف ہی سنت نبوی کے ثبوت کے بہانہ سے کیا ہے۔ امت مسلمہ سنت نبوی یعنی احادیث کی روایت کے پرکھنے کے محدثانہ ذرائع کو اس طرح قابل اعتماد سمجھتی ہے جس طرح کوئی جج اپنے عمر بھر کے تجربے کے باوجود اپنے فیصلے کا مدار گواہان پر رکھتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی نے 'الرسالہ' میں رواۃ حدیث کو گواہان سنت سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ تعبیر نو کے حاملین فتنہ استشراق اور منکرین حدیث کے شبہات سے اس قدر متاثر ہیں کہ روایت کے نام سے ہی مضطرب ہیں۔ جس کام میں روایت آجائے وہ اس کو اہمیت دینے سے کتراتے ہیں۔ اس میں غلطی کا امکان ان کے ذہن میں ایسا سمایا کہ وہ اس سے باہر نہیں نکل پا رہے۔ اسلام پسند طبقے کے نزدیک یہ حدیث وسنت کا فرق محض اپنی من مانی کرنے کے الفاظ کا جال ہے' جس میں مسلمان الجھ کر رہ جائے اور فقہ اسلامی کی تشکیل نو کرنے والے علمی موشگافیوں کے ذریعے اپنی مرضی کا اسلام بھی جاری کر لیں اور اس طرح حدیث نبوی کی پابندی کرنے سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیں۔ (۱۰)

درحقیقت فکر جدید، سنت کے الفاظ کی پابندی کے بجائے سنت کی روح کی حمایت کرتی ہے اور یہ دلیل رکھتی ہے کہ سنت وحدیث کی اس قدر سخت اتباع کے باعث سنت کی روح مفقود ہو جاتی ہے۔ جس کی بدولت انسان حدیث کی اتباع لفظی طور پر تو کر لیتا ہے' لیکن اتباع کے فائدوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ مثلاً

علامہ یوسف قرضاویؒ اپنی کتاب كيف نتعامل مع السنة النبوية:معالم وضوابط بين فهم الاحاديث فى ضوء أسبابها وملابستها ومقاصدها (احادیث کو ان حالات اور اسباب کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت جن کے بارے میں آئی ہیں، نیز ان کے مقاصد کو سامنے رکھنے کی ضرورت) کے عنوان کے تحت

(۹) قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار از محمد امین، ڈاکٹر' قرآن فہمی کے بنیادی اُصول' نامور مفسرین کے قلم سے، مرتب: حافظ حسن مدنی، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۴

(۱۰) ایضاً ص ۱۱۳۔۱۲۳

لکھتے ہیں:

''اسی قبیل کی بات وہ ہے جو بخاری اور مسلم کی روایت کردہ مرفوع حدیث میں ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں کے حوالہ سے آئی ہیں کہ (نبی اکرمؐ نے فرمایا) ''عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے'' اس پابندی کی بنیادی وجہ یہ ڈر ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کے کے بغیر اس زمانہ میں سفر کرتی جب اونٹ یا خچر پر بیٹھ کر مسافت طے کی جاتی تھی اور اس حال میں وہ ایسے دشت وصحرا سے گزرتی جس میں نہ آدمی نہ آدم زاد تو ایسے سفر میں اگر عورت کو کوئی گزند واقعی نہ بھی پہنچتا تو بھی لوگ اسے شبہ کی نظر سے دیکھتے۔ لیکن اگر حالات بدل جائیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں واقعتاً بدل چکے ہیں اور سفر مثال کے طور پر ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ہو جس میں سو یا زیادہ مسافر بیٹھتے ہوں یا ریل گاڑی سے ہو جس میں سینکڑوں لوگ ساتھ ہوں اور عورت کے اس طرح اکیلے سفر کرنے میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے تو شرعاً اس کے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں نہ اس کا ایسا کرنا حدیث کے خلاف عمل شمار ہوگا۔''(۱۱)

فکر جدید زمانہ اور صورت کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احکامات کی تبدیلی کی قائل ہے۔ جبکہ دینی ذہن اسے عمل بالسنۃ کی بجائے عمل بالرائے کہتا ہے اور سنت اور حدیث کی اتباع سے خارج سمجھتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ طریقہ دین اسلام کو غیر محفوظ کر دے گا اور بدعتوں کو فروغ دے گا جب کہ فکر جدید کے نزدیک تبدیلی کی رعایت نہ رکھنا قوم میں جمود اور تقلید کا موجب ہے دونوں افکار کی انتہاء اختلاف کی شدت کا باعث بنتی ہے۔

(۱۱) کیف تعامل مع السنة النبوية ، القرضاوی، یوسف، مکتبه المؤید، الریاض ، ۱۹۹۱ء، ص ۵۷

مبحث سوم: اجتہادی بصیرت سے دوری اور اجتہاد پر اصرار

اس وقت حقوق نسواں کے باب میں جو تشریح نو کی کوششیں کی جارہی ہیں ان کا بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تفسیر تو کرتے ہیں لیکن مسلمہ اُصول تفسیر سے آگاہ نہیں۔ یہ تعبیر نو کے داعی ہیں لیکن تعبیر کے معروف تقاضوں سے متنفر ہیں۔ تفقہ فی الدین کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن اُصول فقہ سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اجتھاد کے حامی ہیں لیکن مجتہدین کے اوصاف سے خالی ہیں۔ علماء کے میدان کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں لیکن علماء سے خار بھی کھاتے ہیں۔ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں لیکن احادیث، اقوال صحابہ اور تابعین کے فہم قرآن سے اعراض بھی کرتے ہیں۔ عورتوں کو حقوق دینے کے دعویدار ہیں لیکن اس کے برعکس ان کو حقوق سے محروم کر کے اُس پر ذمہ داریوں کے بے پناہ بوجھ لاد دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ ماں کی فضلیت کے دعویدار نہیں، یہ دوشیزہ کی آبرو وعصمت اور حیا کے حامی نہیں بلکہ یہ ہر اُس عورت کی عظمت کے گن گاتے ہیں جو مردانگی کے جوہر دکھا کر اپنی قابلیت کا لوہا منوا لے، جو اپنے لیے مغربی اقدار کو سامنے رکھے، جسے انگریزی آتی ہو۔ رہا معاملہ عربی زبان کا تو وہ قدامت پسندوں کی زبان ہے۔ (۱۲)

حضرت علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال (۱۳) چیف جسٹس پنجاب ہائیکورٹ نے سرگودھا بار کونسل سے اجتھاد کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے وکلاء کے سامنے اجتھاد کی ضرورت پر انتہائی زور دیا اور یہ تجویز پیش کی کہ

''اجتھاد کے لیے عربی دانی کی شرط ختم کر دی جائے تا کہ وکلاء اجتھاد کر سکیں۔'' (۱۴)

اس سے شریعت فکر جدید کے ہاتھ کا کھلونا بن جائے گی کیا کوئی اہل علم یہ تصور کر سکتا ہے کہ کوئی شخص انگریزی قانون میں پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھے اور اسے انگریزی نہ آتی ہو۔ یہ مغربی فکر سے مرعوبیت کی جلوہ آفرینیاں ہیں جس کا اظہار تعبیر نو کے محققین بھی گاہے بگاہے کرتے رہتے ہیں۔ (۱۵)

---

(۱۲) مجتہد اوصاف وشرائط از ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، منہاج، (سہ ماہی) جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۱/ ش ۱/ ص ۱۵۳

(۱۳) ڈاکٹر جاوید اقبال: مشہور شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے فرزند ارجمند اور پاکستان کے نمایاں قانون دان اور دانش ور محقق ہیں۔ روایتی مذہبی فکر کے ناقد ہیں۔

(۱۴) سرگودھا بار سے خطاب، محمد جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسارت، (روزنامہ) کراچی، ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء

(۱۵) اجتھاد اور اس کی عصری تطبیقات از محمد امین، ڈاکٹر، فکر ونظر، (سہ ماہی) اپریل جون ۱۹۸۵ء، ج ۲۲/ ش ۴/ ص ۶

ابوالحسن ندوی فرماتے ہیں:

''یہ عربی زبان کو ایک پسماندہ زبان قرار دے کر علم و تعلیم کے میدان سے ہٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہر آن انگریزی کی حمایت کرتے ہیں۔'' (۱۶)

اگر ہم پچھلی صدیوں کے عظیم فقہی سرمائے پر ذرا ایک نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا، جیسا کہ تشریح نو کے حامل اصرار کرتے ہیں کہ قرآن و سنت سمجھنے والا عربی زبان میں مہارت رکھنے والے تعبیر کے اہل نہیں ، کیا اس عرصے میں کوئی ایک بھی ایسا عالم فقیہ یا اصولی گزرا ہے، جس نے یہ کہا ہو کہ اجتہاد کے لیے قرآن و سنت اور عربی زبان میں مہارت شرط نہیں ہے۔ اس کے برعکس فقہائے کرام تو علوم عربیہ سے نا آشنا لوگوں کو اجتہاد میں قدم رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتے تھے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

''ایک عام آدمی اجتہاد نہیں کرسکتا کیونکہ اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اس کام کے لیے اسی طرح نااہل ہے جس طرح نابالغ بچہ اور فاتر العقل آدمی''۔ (۱۷)

امام شافعی نے فرمایا:

''اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے والا اگر اجتہاد کرے تو اس کی حیثیت اُس اندھے کی سی ہے جو خود بھی راستہ نہیں دیکھ سکتا دوسرے کو کیا دکھائے گا۔ اس کے باوجود اگر وہ اجتہاد کرے تو گنہگار ہوگا۔ حکومت کو چاہیے کہ زبردستی اسے اس کام سے روک دے۔'' (۱۸)

عربی زبان کے متعلق تو امام شاطبی (۱۹) نے یہاں تک کہا ہے کہ

''اجتہاد کرنے والے کو مجتهد فی اللغة ہونا چاہیے اگرچہ یہ اجتہاد کے وسائل میں سے ہے۔'' (۲۰)

علمائے اسلام کے نزدیک یہ دین سے ناواقف گروہ ہے جو مجتہدین کے اوصاف سے خالی ہے۔ ایسے لوگوں کا اجتہاد جن کی زبان پر اجتہاد، اجتہاد ہے اور اجتہادی بصیرت سے تہی دامن ہیں، لوگوں کے لیے قابل قبول نہ ہوگا۔

---

(۱۶) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از ندوی، ابوالحسن، ص/۲۳۳

(۱۷) المستصفٰی از غزالی ج/۱، ص/۱۸۲

(۱۸) الرسالہ، الشافعی، محمد بن ادریس، دار التراث، القاہرہ، ص/۵۰۹

(۱۹) ابواسحاق شاطبی: (وفات ۷۹۰ھ) ابراھیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی الغرناطی ہے۔ فقہ اور اصول فقہ کے ماہر اور ملت اسلامیہ کے معروف امام ہیں۔ ''الاعتصام'' ''الموافقات فی أصول الفقه'' آپ کی مشہور کتب ہیں۔ (الأعلام از زرکلی: ج/۱، ص/۷۱)

(۲۰) الموافقات فی اصول الشریعۃ از الشاطبی، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۹۷۵ء۔ و مطبعة المدنی، القاہرۃ، مصر ج/۴، ص/ ۱۰۸

اگر دین سے ناواقف لوگ اجتہاد کرتے بھی رہیں اور قانون بناتے بھی رہیں (جیسا کہ تحفظ نسواں بل) تو ان کی رائے کو اہل علم میں کوئی پذیرائی نہ ہوگی۔ وہ غیر اسلامی قانون بناتے رہیں گے اور لوگ اُن کی مخالفت کرتے رہیں گے اور اس طرح ہماری صلاحیتیں باہمی انتشار کا شکار ہوتی رہیں گی۔(۲۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامل واکمل شریعت دے کر ہماری ذہنی تگ وتاز اسی میں محدود کر دی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کسی ایک شخص کو شریعت میں غور وفکر کرتے ہوئے کوئی بات سمجھ نہ آئے لیکن یہ ناممکن ہے کہ تمام انسانیت اس سے محروم رہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی حجیت پوری نہ ہوگی۔ عام طور پر جب ہم حالات وزمانے کا تغیر مشاہدہ کرتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ شریعت کو اس کے مطابق بدل جانا چاہیے۔ پہلی شریعتوں کی حد تک تو یہ بات کسی حد تک درست تھی، لیکن نبی اکرم ﷺ کو وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کا منصب دے کر ان کے ذریعے جو ہماری کامل واکمل راہنمائی فرمائی گئی ہے، اس کی رو سے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ صراط مستقیم کے لیے ہم شریعت کو عالمگیر اور دائمی راہنما بنائیں۔ کئی مرتبہ فقہ واجتہاد میں تبدیلی نظر آئی ہے تو اس کا اصل سبب عموماً فقہ الواقع کی تبدیلی ہوتی ہے۔ واقعہ کی صورت حال تبدیل ہونے سے احکام کے اطلاق کی تبدیلی کی ہی کی بناء پر یہ مسلمہ امر ہے کہ جو فتویٰ عرف کی بناء پر ہو، عرف کے بدلنے سے وہ فتویٰ بدل سکتا ہے۔ دیگر وجوہات میں مجتہدین کا باہمی اختلاف یا تو ان کے سامنے پیش آنے والے پہلو کی اہمیت کی وجہ سے ہوتا ہے یا غیر معصوم کے استنباط واطلاق کی غلطی بھی اس کا باعث ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے معاملات چلانے کے لیے ایسی اجتہادی غلطی ہمیں معاف بھی کر دی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجر وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"(۲۲)

مسلمان ملکوں پر ان کے سیاسی انحطاط کے بعد جب سامراج نے پوری طرح غلبہ پالیا تو ان کی معاشرتی زندگی سامراجی ایجنٹوں کا خاص نشانہ بن گئی، چونکہ سامراجی غلبے کی بنیادی وجہ استعمار کا تمدنی ارتقاء تھا لہٰذا استعمار نے اپنی سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بناء پر مسلمانوں کی یہ ذہن سازی کی کہ تمہاری ترقی کا اصل راز یہی ہے کہ تمارے ہاں کی تہذیب بھی مادی طور پر ترقی یافتہ قوموں کی ہونی چاہیے۔ حالانکہ تہذیب اور تمدن کے درمیان بہت سی

(۲۱) اجتہاد اور مجتہد از منیر احمد مغل، ڈاکٹر، منہاج، (سہ ماہی) جنوری ۱۹۸۳، ج ۱، ش ۱، ص ۲۷

(۲۲) صحیح مسلم مع شرح النووی، کتاب الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ج ۱۲، ص ۱۳

اساسات میں فرق ہے۔

جس طرح میڈیکل سائنس ہو یا انجینئر نگ اس کا ارتقاء اپنے ماضی سے وابستہ رہتا ہے اور نت نئی تحقیقات انہی اصولوں کے پھیلاؤ سے ہوتی ہیں جو ماضی سے مسلمہ چلے آرہے ہوں۔خواہ حالات کچھ بھی ہوں، مذکورہ بالا اصولوں کا وسیع تر معنی میں پھیلاؤ ہی ہوگا جسے تعبیر نو کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ سامراجی دور میں اجتہاد کی ایک ایسی تعبیر وضع ہوئی ہے جس سے ہمارے اسلاف آشنا نہیں تھے وہ یہ ہے کہ اجتہاد خالص انسانی عقل اور تجربات پر مبنی ہوگا اور وہ اس وقت کیا جائے گا جب ہمارے مسائل کا حل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو۔حالانکہ اس بات کو مان لیا جائے کہ زندگی کے بے شمار مسائل اور بدلتے ہوئے حالات کا حل وحی میں موجود نہیں تو یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہمیں یا تو نئی نبوت کی ضرورت ہے یا شریعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رشد وہدایت ناقص ہے۔اور یہ دونوں نظریات اسلام کے مسلمہ عقائد کے منافی ہیں۔اگر انسانی عقل وتجربہ کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو شریعت کے اتنے بڑے اہتمام کی ضرورت کیا تھی؟ پھر اس چیز کو باور کرنا بھی بڑا مشکل ہے کہ شریعت کی جزئیات اور پیش آمدہ مسائل میں تمام انسانوں کی اجتماعی عقل معلوم کی جاسکتی ہے۔بلکہ عموما یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں باہمی مشاورت کرتے ہوئے جب تک اس کے مختلف پہلو سامنے نہ آئیں اس کا اطمینان بخش حل نہیں ملتا۔سوچوں کا یہی اختلاف اجتماعی معاملات میں شوریٰ کی روح ہے،لہذا ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی یہ بے پایاں رحمت ہے کہ ہمارے لیے وحی کی روشنی میں غور وفکر کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کی سبیل جاری فرمائی، جسے ہم اجتہاد کہتے ہیں۔ہمارے ہاں جدید تہذیب وتمدن کے مسائل میں تعبیر نو اور تشکیل نو کی اصطلاحات کا بہت زیادہ استعمال ہورہا ہے۔اگرچہ اللہ کی کامل واکمل راہنمائی کے بعد ہم کسی مزید تصدیق وتصویب کے محتاج نہیں،لیکن ظاہری طور پر فقہ الواقع (نئی صورت حال) کی وجہ سے شریعت کا اطلاق جب نئے حالات پر ہوتا ہے تو اسے تعبیر نو کہنے میں کوئی حرج نظر نہیں آتا بشرطیکہ وہ انہی اصولوں سے استنباط ہو جو اہل علم نے ہمارے سامنے رکھے ہیں،لیکن تشکیل نو کا مسئلہ اسلامی فکر کے بارے میں ماڈرن لوگوں کے حوالے سے اس تجدید کی بازگشت ہے جو عیسائیت (مذہب) کو انسانوں کے باہمی معاملات سے الگ کر کے سیکولرزم کی تشکیل کا باعث بنی،لیکن شریعت محمدیہ میں اس طرح کا سیکولرازم نہ تو گوارا ہے اور نہ ہی شریعت محمدیہ کو ایسے نئے فکر کی تشکیل کی ضرورت ہے۔

علمی ارتقاء اور فکر واجتہاد کی خدمات کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے اس پر ہم بلاشبہ، فخر کر سکتے ہیں اگرچہ اس کا قطعاً یہ معنی نہیں ہے کہ ہم کسی خاص دور کی خاص صورت حال پر شرعی نصوص کو بند رکھیں، جسے ہم تقلید وجمود کہتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مخصوص دور کے پیش آمدہ مسائل شرعی نصوص کے مصداق تھے جب کہ نئے حالات میں نئے نئے مصداقات سامنے آسکتے ہیں۔اجتہاد کا یہی وسیع اور حرکی تصور ہے، جو خطبات اقبال کے چھٹے خطبے سے مثبت طور پر لیا جاسکتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ وحی الٰہی کی روشنی میں وسعتوں کا پھیلاؤ اسلام کا مطمح نظر ہے خواہ یہ اجتہاد اصول فقہ میں ہو یا فقہ میں، لیکن اسلاف کی تمام کوششیں نظر انداز کر کے تجدد کا رویہ ہماری تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

مبحث چہارم: شوقِ تجدد میں اُمت کے اجتماعی موقف سے بیزاری

اسلام پسند طبقے کے نزدیک حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین بظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں لیکن پس پردہ مغربی مقاصد پورے کرتے ہیں۔ یہ قرآن کی تعلیم کے انتہائی مخالف ہیں۔شوق تجدد میں امت کے اجتماعی موقف سے پوری طرح بیزار ہیں۔ یہ قرآن مجید کی تمام تفاسیر کے مخالف ہیں اور صرف اپنی نسوانی تعبیر کو کل دین سمجھے بیٹھے ہیں۔ان کے نزدیک قرآن درحقیقت مغرب والوں نے سمجھا ہے۔اُس دین کی اشاعت کی ذمہ داری حقوق نسواں کی تنظیموں کے سپرد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''ہم اتنا عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن کو مروّجہ ترجموں (بلکہ تفسیروں) کے ساتھ پڑھ لینے سے قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا، اگر اس طرح قرآن سمجھ میں آسکتا ہوتا تو ہمارے علمائے کرام سے بڑھ کر قرآن سمجھنے والا اور کون ہوسکتا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔اور جس چیز کو وہ قرآن کہہ کر پیش کرتے ہیں، اس میں قرآن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔''(۲۳)

اسلامی فکر پر طعن کرنا اور علماء اسلام کی کاوشوں کا انکار کرنا خود ان کی ذہنیت کو عیاں کرنے کا موجب بنتا ہے اور ان پر تنقید کے دروازے کھولتا ہے۔

''جی ہاں! قرآن بھلا ترجموں اور تفسیروں سے کب سمجھ میں آسکتا ہے؟ پھر بھلا قرآن کو سمجھنے کے لیے 'قرآن' کی ضرورت بھی کیا ہوسکتی ہے؟ قرآن کو صحیح معنوں میں اُن لوگوں نے سمجھا ہے جو قرآن کو ماننا تو رہا ایک طرف جانتے تک نہیں ہیں۔

---

(۲۳) لمعات از پرویز، طلوع اسلام، جون ۱۹۵۶ء، ج/۹، ش/۵، ص/۶

اگر آپ بھی قرآن سمجھنا چاہتے ہیں تو 'ترجموں اور تفسیروں' کو گلدستہ طاقِ نسیان بنا کر۔۔۔ بلکہ خود قرآن کو بھی بالائے طاق رکھ کر۔۔۔ دانشورانِ مغرب کی قدم بوسی کیجئے۔ آخر چارلس ڈارون نے جو نظریہ ارتقاء پیش کیا ہے وہ قرآنی نظریہ ہی تو ہے، جسے اُس نے بغیر کسی قرآن کے پیش کیا ہے اور پھر مغربی معاشرت کا پورا نقشہ (جس کے اہم اجزا: مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترک حجاب و نقاب، مردوزن کی مطلق اور کامل مساوات بلکہ اب اس سے بھی آگے بڑھ کر نظریۂ افضلیتِ اُناث، تعدّد ازواج کی مخالفت وغیرہ ہیں)۔ یہ سب کچھ اہل مغرب نے بغیر کسی قرآن ہی کے تو پایا ہے۔ جسے بعد میں تعبیرنو کے جدید دانشوروں کو قرآنی اسناد فراہم کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ بس اب آنکھیں بند کرتے ہوئے مغرب کی تقلید کرتے جایئے، یہی 'اتباع قرآن' ہے۔ یہی 'تمسک بالکتاب' ہے یہی روشن خیالی ہے اور یہی عقل وفکر کے تقاضوں سے ہم آہنگ روش ہے۔ مولوی حضرات کا پیچھا چھوڑو ورنہ تمہیں اُن 'اغلال و اِصر' کا بھاری بوجھ اُٹھانا پڑے گا جو قرآن وسنت پر مبنی عجمی اسلام کا لازمہ ہیں۔'' (۲۴)

یہ اس فکر جدید کی دینی تعلیم سے انتہائی دشمنی اور بےزاری ہے۔ اسی فکر کا رد کرتے ہوئے یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

''اسلام کی اساس کتاب وسنت ہے لیکن جو شخص کتاب وسنت کو سمجھنا چاہتا ہے وہ مفسرین کی تفسیروں، شارحین حدیث کی شرحوں اور فقہاء کی فقہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ان ہی بزرگوں نے کتاب وسنت کی خدمت کی ہے۔ اُصول وفروع مرتب کیے ہیں اور ہمارے لیے ایک عظیم دینی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں۔ اس سے اعراض وہی کرسکتا ہے جو ناداں ہو یا فریب نفس میں مبتلا ہو۔'' (۲۵)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''جو شخص کتاب وسنت کے علم کا مدعی ہو اور علمائے امت پر طعن بھی کرتا ہو اس پر دین کی تعلیم کے سلسلے میں اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔'' (۲۶)

اہل علم قرآن وسنت کی نئی تعبیر وتشریح سے تو اتفاق نہیں کرتے کہ اس سے چودہ صد سالہ اجماعی تعامل سے کٹ جانے کا تصور اجاگر ہوتا ہے مگر فقہ اسلامی پر اجتماعی نظر ثانی کو وقت کی ناگزیر ضرورت سمجھتے ہیں اور ان کا کہنا ہے۔

(۲۴) قرآن اور عورت از قاسمی، محمد دین، ص/۲

(۲۵) اسلامی بیداری۔ انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ترجمہ الصحوة الاسلامیه بین الجحود والتطرف از قرضاوی، یوسف، (مترجم)، ندوی، سلیمان، ص/۲۵۹

(۲۶) ایضاً

''فقہ اسلامی پر اجتماعی نظر ثانی دینی اداروں اور علمی مراکز کے ذمے اُمت کا قرض ہے کہ وہ کوئی ایسا اجتماعی نظام وضع کریں تاکہ قدیم فقہی ذخیرے پر موجودہ حالات کی روشنی میں نظر ثانی کر کے عرف و عادات، تعامل اور دیگر احوال و ظروف کو تفسیر کی وجہ سے جن مسائل کی از سر نو وضاحت ضروری ہے اسے سرانجام دینے کی کوئی معقول اور قابل قبول صورت نکل آئے''۔(۲۷)

دینی تعلیمات کو قابل عمل بنانے کے لیے علماء کرام کو انتہائی بصیرت اور حکمت سے کام لینا ہوگا۔ تعبیر نو کے لیے علمی ماخذ یعنی قرآن وسنت اور ان سے متعلقہ علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن حالات اور محل پر اس کا اطلاق کیا جانا ہے اس سے بھی کماحقہ واقفیت حاصل کی جائے۔ یعنی تعبیر کے ماخذ اور محل دونوں سے یکساں آگاہی تعبیر نو کے عمل کے صحیح ہونے کا ناگزیر تقاضا ہے۔ مگر ہمارے دینی علما دوسرے پہلو کو عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں۔(۲۸) اور تعبیر نو کے حاملین پہلے پہلو یعنی ماخذ سے بیزار ہیں اس بنا پر ان کی تعبیر نو کی کوششیں بے بنیاد ہیں۔

مبحث پنجم: مغربی نقطہ نظر سے اسلامی احکام کی تعبیر نو

عورتوں کے مساوی حقوق کو قرآنی تعبیر نو سے ثابت کرنے والوں نے مختلف رجحانات کا اظہار کیا ہے انہوں نے دیگر ادیان کے مطالعے کے بعد قرآن مجید کو بھی اُن ہی سانچوں میں تولنا شروع کر دیا ہے۔ بظاہر ان کا مطلب قرآن کی تعلیم کو پھیلانا تھا تاہم ان میں عام طور پر دینی احساس کی کمی کا اظہار موجود رہتا ہے۔ یہ لوگ اسلام کو دیگر ادیان اور خصوصاً مسیحی اُصولوں کے مطابق دیکھتے ہیں۔ حضورؐ کے حرم کی ازواج مطہرات اور جلیل القدر صحابیات کو مغربی ثقافت کے جدید رویوں کے حوالے سے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے دینی اسلامی شخصیات کو اس نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جس نگاہ سے مغرب اپنی تاریخی شخصیات کو دیکھتا ہے۔ یہی پہلو اُن کو اسلام کی درست تفہیم سے دور لے جانے کا موجب بنا۔ یہ بظاہر مغرب کے حملوں کا جواب دیتے ہیں لیکن درحقیقت مغرب کے افکار کو مسلم معاشروں میں راہ دیتے ہیں۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''اسلام اور مغربی تہذیب کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے اور وہ شخص سخت غلطی کرتا ہے جو مغربی نقطہ نگاہ سے اسلامی احکام

---

(۲۷) اجتہاد کی ضرورت اور عصر حاضر از زاہد الراشدی، تعمیر افکار (ماہنامہ) اپریل ۲۰۰۵ء، ج ۵/ش ۱۱/ص ۲۷

(۲۸) اجتہاد کی ضرورت اور عصر حاضر از زاہد الراشدی، تعمیر افکار (ماہنامہ) اپریل ۲۰۰۵ء، ج ۵/ش ۱۱/ص ۲۷

کی تعبیر کرتا ہے۔ مغرب میں قدر و قیمت کا جو معیار ہے اسلام کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب جن چیزوں کو نہایت اہم اور مقصود حیات سمجھتا ہے اسلام کی نگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اسلام جن چیزوں کو اہمیت دیتا ہے مغرب کی نگاہ میں وہ بالکل بے قیمت ہیں اب جو مغربی معیار کا قائل ہے اس کو تو اسلام کی ہر چیز میں ترمیم ہی نظر آئے گی وہ اسلامی احکام کی تعبیر کرنے بیٹھے گا تو ان کی تحریف کر ڈالے گا اور تحریف کے بعد بھی ان کو اپنی زندگی میں کسی طرح نصب نہ کر سکے گا کیونکہ قدم قدم پر قرآن وسنت کی تصریحات اس کی مزاحمت کریں گی ایسے شخص کو عملی طریقوں کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جن مقاصد کے لیے ان طریقوں کو اختیار کیا گیا ہے وہ خود کہاں تک قابل قبول ہیں۔ اگر وہ مقاصد ہی سے اتفاق نہیں رکھتا تو حصول مقاصد کے طریقوں پر بحث کرنے اور ان کو مسخ اور محرف کرنے کی فضول زحمت کیوں اٹھائے۔ کیوں نہ اس مذہب ہی کو چھوڑ دے جس کے مقاصد کو وہ غلط سمجھتا ہے اور اگر اسے مقاصد سے اتفاق ہے تو بحث صرف اس میں رہ جاتی ہے کہ ان مقاصد کے لیے جو عملی طریقے تجویز کیے گئے ہیں وہ مناسب ہیں یا نا مناسب اور اس بحث کو با آسانی طے کیا جا سکتا ہے لیکن یہ طریقہ صرف شریف لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں۔ رہے منافقین تو وہ خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوقات میں سب سے ارذل مخلوق ہیں ان کو یہی زیب دیتا ہے کہ دعویٰ ایک چیز پر اعتقاد رکھنے کا کریں اور در حقیقت اعتقاد دوسری چیز پر رکھیں۔''(۲۹)

مسیحی سکالرز کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ انجیل کو ایک انسان کی تخلیق کے طور پر لیتے ہیں اور اس میں بہتری کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کو الہامی کتاب سمجھنے کی بجائے حضورؐ کی تصنیف قرار دے لیا اور یوں اپنی ترجیحات کے لیے راستہ کھول لیا۔ یہ رویہ اب تک برقرار ہے۔ اب بھی اسلام اور قران کو غلط رنگ میں پیش کرنے، اسے ایک مستقل خطرہ قرار دینے اور انسانی ترقی کے مخالف رویے کے طور پر پیش کرنے کا وطیرہ عام ہے۔(۳۰)

جدید دانشور بھی اپنی الہامی کتاب کی اسی طرح تعبیر چاہتے ہیں جس طرح مسیحی سکالرز چاہتے ہیں۔ مغرب نے در حقیقت اپنی راہ ہدایت کو طبیعی مظاہر کے حوالے سے حاصل کیا ہے۔ اس نے ایک نظر آنے والی دنیا کو نظر آنے والے حقائق کے حوالے سے اور نظر میں رہنے والے مستقبل کے لیے تراشا ہے۔ اس لیے اسکی ساری جدوجہد میں مادیت کا عنصر غالب ہے۔ جب حقوق نسواں کا جدید ذہن اسلام کو ان ہی اُصولوں پر تولتا ہے تو اُسے اسلام میں فائدہ نظر نہیں آتا، پھر وہ اسلام کو مغربی افکار کا تابع بنا کر اپنے لیے فائدے کے حصول کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس

(۲۹) پردہ از مودودی، ص/۲۲۲۔۲۲۳

(۳۰) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، ص/۱۷۶

صورتِ احوال نے حقوق نسواں کی جدید تعبیر نو کے ذہن کو سیکولرازم کی طرف تیزی سے دھکیلا ہے۔ دیکھنے کا زاویہ نظر ہر ایک کا جداگانہ ہوتا ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کا نقطہ نگاہ اس کے مفادات کا تابع ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے نقطہ نگاہ کو ٹھیک سمجھتا ہے اور دوسرے کو غلط ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (۳۱)

آج مغرب نے یہ سمجھا ہے کہ چونکہ دنیا کی طاقت اس کے ہاتھ میں ہے، وہ سپر پاور ہے اور طاقت کے حصول اور حفاظت کا علم بھی اس کے پاس ہے۔ لہٰذا پوری دنیا کو اس کا تابع ہونا چاہیے۔ یہی اُصول Survival of the Fittest ہے کہ جو غریب ہے اس کو جھکنا ہے۔ جو طاقتور ہے اُسے مارنے کا حق ہے۔ جو کمزور ہے اُسے مار کھانی چاہیے، اس لیے کہ وہ کمزور ہے۔ طاقتور کمزور کی ہر چیز کا مالک ہے اور کمزور اس کا غلام، تابع اور بندہ ہے۔ کسی غلام کو غیرت اور خودی کے ساتھ جینے کا کوئی حق نہیں۔ آج مغرب مسلمانوں کے دین کا بھی مختار بن بیٹھا ہے اور وہ اپنے مفادات کی روشنی میں طے کرتا ہے کہ مسلمانوں کو دین سے کیا سبق لینا چاہیے اور کیا چھوڑ دینا چاہیے۔ اُس کا بس نہیں چلتا کہ وہ جہاد کی آیات کو مسلمانوں کے قرآن سے نکال دے۔ اس کا زور سارا تفسیر، تعبیر اور حکمت عملی پر چلتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے نصاب سے کچھ آیات کو نکالتا ہے اور کچھ کو داخل کرتا ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والے مستشرقین نے اس سارے سلسلے میں اس کی راہ ہموار کی ہے۔ مستشرقین کے بعد جدت پسند تعبیر نو کے حامل طبقے وقت کے آقا کی خوشنودی کے حصول کی خاطر مسلمانوں کے ذہنوں کی آبیاری کے لیے زمین ہموار کرتے ہیں۔ اور مسلمان علماء اپنے اسلامی نقطہ نظر کے دفاع کی خاطر مغرب کے خلاف اور جدید تصورات کے خلاف آڑ بنے ہوئے ہیں۔ مسلمان علماء عورت کے حقوق کے مسئلے کو تو حل کرنا چاہتے ہیں لیکن حقوق نسواں کے مسئلہ کو عالمی سیاست بنانے کے خلاف ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حامی قرآن مجید کے معنی متعین کرتے ہوئے ہمیشہ تاویلی طریقہ اختیار کریں گے۔ علماء تفسیر اور تاویل میں جو فرق کرتے ہیں وہ درج ذیل ہے۔

امام راغبؒ کے نزدیک:

''تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ کے لیے بولا جاتا ہے اور تاویل معانی کے لیے، تفسیر کا لفظ قرآن مجید کی تشریح کے لیے بولا جاتا ہے اور تاویل کا کتب مقدسہ کی تشریح کے لیے''۔ (۳۲)

---

(۳۱) سورۃ الروم: ۳۰/۳۲

(۳۲) مقدمۃ التفسیر از راغب اصفہانی، امام، ص/ ۴۰۲ ؛ الاتقان از السیوطی، جلال الدین، ج۴/ص/۱۹۲

ابو طالب التغلبیؒ کہتے ہیں کہ

''ایک لفظ جس میں مختلف معانی کا احتمال پایا جاتا ہو اس میں کسی ایک معنی کو ترجیح دینا تاویل ہے اس میں قطع و یقین کا ہونا ضروری نہیں۔ کسی لفظ کے حقیقی معنی بیان کرنا تفسیر اور مجازی معانی بیان کرنا تاویل ہے جس تشریح میں کنایہ واستعارہ کو بطور دلیل استعمال کیا جائے وہ تاویل ہے۔ تاویل کا سہ حرفی مادہ اَوْلٌ ہے جس کے معنی کسی چیز کے نتیجہ و انجام کی جانب رجوع کرنا، بنابریں حقیقت مراد سے آگاہ کرنا تاویل اور دلیل مراد کے اظہار، اخبار کو تفسیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''(۳۳)

امام زرکشیؒ(۳۴) فرماتے ہیں:

''علماء نے تفسیر و تاویل کے مابین جس فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تفسیر میں منقولات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور تاویل کا مدار استخراج و استنباط پر ہوتا ہے۔''(۳۵)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حامی واضح راستے کو چھوڑ کر مخفی راستہ استعمال کرتے ہیں معلوم کو چھوڑ کر غیر معلوم کو جاتے ہیں اور خطرات سے پر راہ گزر استعمال کرنے پر دلیر ہیں، حالانکہ ان کے پاس خطرات سے دفاع کے لیے کچھ بھی نہیں۔ یہ آیات کی تشریح کے لیے تاویلی طریقہ اختیار نہ کریں تو کہاں جائیں۔ اس طریقے کو اختیار کیے بغیر معنی کی الٹ پھیر نہیں کی جا سکتی۔ تاویلی طریقے کو اختیار کیے بغیر اپنی رائے کو دوسروں کی رائے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ تعبیر نو کے حامل افراد اس بات کا خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ اور علی الاعلان تاویلی طریقے کی حمایت کرتے ہیں۔

اَمینہ ودود(۳۶) لکھتی ہیں:

''قرآن مجید کے معنی متعین کرنے کا بہترین طریقہ تاویلی طریقہ ہے اور یہی طریقہ حق کے زیادہ قریب ہے۔ اور میں نے آیات کی تفسیر کرنے میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور اسی کی بنا پر میں یہ کہتی ہوں کہ مرد اور عورت اسلام کی نظر میں ہر لحاظ سے برابر ہیں۔''(۳۷)

---

(۳۳) الاتقان از السیوطی، جلال الدین، ج ۴، ص ۱۹۳

(۳۴) زرکشی: (745ھ - 794ھ) ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی، آپ فقیہہ اور محدث تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کی مشہور کتاب ''البرھان في علوم القرآن'' ہے۔ (الأعلام از زرکلی: ج ۶، ص ۲۸۶)

(۳۵) البرھان في علوم القرآن از الزرکشی، ج ۲، ص ۱۵۲

(۳۶) امینہ ودود افریقی نژاد امریکی خاتون ہیں اور ورجینیا کامن ویلتھ یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ والٰہیات کی استاد ہیں انہوں نے Quran & women کے عنوان سے عورتوں کے حقوق کی نئی تشریح کی ہے۔ جو ایک مغربی معاشرے کی باسی مسلمان خاتون کے لیے تو پسندیدہ ہے، لیکن اس نئی فکر نے مسلمان معاشروں میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ان کی نئی تشریح اسلام پسند حلقوں میں انتہائی تنقید کی زد میں ہے۔ Quran & women اصلاً ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو بعد ازاں کتابی صورت میں شائع ہوا اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔

(۳۷) امینہ ودود کے انٹرویو سے یہ جملے لیے گئے ہیں جن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا یہ انٹرویو مارچ ۲۰۰۲ء میں لیا گیا جو کہ Internet پر موجود ہے۔ awadud @ salarn. vcu.edu.

مزید برآں تعبیر نو کے حاملین قرآنی حکم کے عموم کو خاص اور خاص کو عام کر دیتے ہیں۔ مطلق کو مقید کرتے ہیں۔ لفظ کی دلالت کے اعتبار سے وہ ایک قسم کو دوسری میں منتقل کر دیتے ہیں۔اس سے وہ اپنے مجوزہ معانی کو سہارا دیتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں۔

''بعض منفی اصطلاحات اگر قرآن میں کہیں استعمال ہوئی ہیں تو وہ عورتوں سے براہ راست یا بالخصوص متعلق نہیں اور اگر کہیں اتفاقاً کوئی منفی لفظ عورتوں کے حوالے سے بالخصوص استعمال ہوا ہے تو اس کا مفہوم ہرگز نہیں کہ تمام عورتوں پر اس کا اطلاق ہوگا یا یہ کہ مرد اس سے مستثنیٰ ہیں یا انہیں اس کی اجازت دی گئی ہے اس طرح کے الفاظ اور دیگر مرکب جملوں اور تراکیب کو قرآن کے عمومی پیغام کی مثل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یا اس کی جگہ نہیں رکھا جا سکتا۔''(۳۸)

قرآن مجید کے ایسے مباحث جن میں جنسی امتیاز کو مدنظر رکھا گیا ہے، امینہ ودود انہیں جنسی امتیاز کے بغیر دیکھتی ہیں۔اس طرح وہ کئی معاملات کو ایک خاص مفہوم میں محدود کرتی ہیں جنہیں اس سے قبل آفاقی قرار دیا گیا تھا۔(۳۹) اس سے مسلم امہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے اور حقوق نسواں سے متعلق جدید فکر کو نئی تحریک ملی ہے۔

مبحث ششم: دینی تعلیم سے بے رغبتی اور شوقِ امامت

اس وقت دنیا کی بھاگ دوڑ جن کے ہاتھوں میں ہے وہ دنیا کے حکمران ہیں۔ مسئلہ کسی ملک کی معیشت کا ہو یا معاشرت کا ،مذہب کا ہو یا سیاست کا، تمام میدانوں میں دنیا نے انہیں مقتدا تسلیم کر لیا ہے اور ان طاقتوں نے سیادت کا منصب سنبھال لیا ہے۔اب جو ان کی اقتدا میں کوتاہی کرے یہ اس کی باز پرس کا حق رکھتے ہیں۔ جس پر چاہے پابندیاں لگائیں جس کی چاہیں باز پُرس کریں جس سے چاہیں، جس زبان میں بات کریں، مسلمان جب دین کی طرف لوٹتے ہیں تو ان کی قیادت کے منکر ہو جاتے ہیں لہٰذا باغی اور دہشت گرد ٹھہرتے ہیں۔

یہی معاملہ حقوق نسواں کا بھی ہے۔ حقوق نسواں وہ مسلمہ اصول شمار ہوں گے جن کو ان طاقتوں کی حمایت حاصل ہوگی۔ جدت پسند طبقے کا کردار مکبّرین کا ہے جو کہ امام کی آواز سن کر آواز اٹھاتے ہیں تاکہ پچھلی صفوں والے بھی امام کی بہتر طور پر اقتداء کر سکیں۔ ہمارے مسلمان معاشروں میں ہر میدان میں ہمارا امام وہ بنایا جاتا ہے جس کی ان

---

(۳۸)"Quran and Women" by Amina Wadud, p.95

(۳۹) ایضاً

قیادت کرنے والی طاقتوں کی طرف رسائی آسان ہو۔ جوان سے دنیا چلانے کا سبق لے اور پچھلوں کو دے۔

حقوق نسواں کے علمبردار مغرب کی گود میں پلنے والے جدید ذہن ہیں جنھوں نے اپنے ملکوں کو لوٹ کر اپنے باشندوں کو ان ملکوں کی قیادت تسلیم کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ ان کی علامات یہ ہیں کہ ان کی انگریزی بہت اچھی ہوگی اور ان کا طرز حیات مغربی ہوگا۔ ان کا ذہن مغربی افکار ونظریات کی بالادستی کا حامل ہوگا۔ ایسے میں اسلام جس میں امامت کا حق دار وہ ہے جس کا ماخذ علم دین اسلام اور اسلامی افکار ونظریات ہوں، اب اس سے جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ آج دنیا اپنا قبلہ مغرب کو مانتی ہے۔ مسلمان اپنے مصلوں کا رخ مشرق کی طرف کر لیتے ہیں اور دنیا کی لعن و طعن اور جارحیت کا نشانہ بنتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ ان کے بنیادی عقیدے کا ہے۔ آج دین اور دنیا جدا ہوگئے ہیں۔ دنیا مغرب کی اقتداء چاہتی ہے جبکہ دین، حق کی اتباع کا نام ہے اور حق دلیل طلب کرتا ہے۔

حقوق نسواں تو ایک ظاہری علامت ہے۔ بباطن یہ دو مختلف نظریات کی جنگ ہے۔ اسی لیے 'تحفظ نسواں بل' کی بحث کے دنوں میں مسلمان معاشروں میں بسنے والے ہر انسان نے دو نظریات کی کشمکش میں مسئلہ عورت کے تصفیہ کا رنگ دیکھا ہے اور عورت کو واضح طور پر دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اسی دوراہے کو زبان دیتے ہوئے اور تحفظ نسواں بل کا دفاع کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے کہا:

There are two roads one leading toward development, progress and prosperity and the other leading towards backwardness and destruction. It is a contest between religious radicalism and enlightened moderation.

''حقوق نسواں کی دو راہیں بنتی ہیں ایک ترقی اور خوشحالی کی راہ ہے اور دوسری تباہی اور دقیانوسیت کی۔ یہ اب مذہبی انتہا پسندوں اور اعتدال پسند روشن خیال نظریات کا اختلاف ہے۔''(۴۰)

مغرب میں مذہب اس دنیا کی ترقی سے شکست کھا کر اپنا دائرہ کار محدود کر چکا ہے اور دنیا کی طنابیں دنیا والوں کے ہاتھ میں اور مذہب کی طنابیں چرچ والوں کے ہاتھ میں۔ ان کے درمیان دین اور دنیا کی جدائی کا سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ جب کہ اسلام کو یہودیت اور عیسائیت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام دین و دنیا دونوں کا مذہب ہے اور دین و دنیا

(۴۰) پاکستان دوراہے پر، از خورشید احمد، پروفیسر، ترجمان القرآن، (ماہنامہ) فروری ۲۰۰۷ء، ج ۱۳۴/، ش ۲/، ص ۳/

لازم وملزوم ہیں۔ چونکہ مسلمان معاشروں میں جدت پسند طبقہ چونکہ مغربی فکر کا حامل ہے، لہٰذا دین و دنیا کی جدائی ان کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں۔

یہ دین کو محدود کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے اور عورت کے مسئلے کو دینی میدان سے کھینچ باہر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسے معاشرت میں ڈال دیں، اُسے سیاسی قوانین سے حل کریں، اسے عقلی بنیادوں پر ثابت کریں، اسے مادی نظر سے تولیں، اسے فنون لطیفہ یا لذت پرستی کا حصہ بنائیں یا جو بھی کریں۔ ان کے نزدیک اسلام کا اعتراض اس پر بے جا ہے۔ یہ اگر دین و دنیا کے ملاپ کے حامی بھی ہو جائیں تو دین کو دنیا کی اتباع کروائیں گے اور اگر یہ بھی نہ کریں اور دنیا کو ہی دین کا تابع رکھیں تو پھر یہ وہ دین لیں گے جو دنیا والوں کی خواہشات کے مطابق ہے اسی لئے یہ UNO کے مجوزہ حقوق نسواں کے داعی ہیں۔

اسلام پسند طبقہ دین و دنیا کی علیحدگی کا حامی نہیں ان کے نزدیک معاشرت، سائنس، عقل، مادیت، لذت سب کچھ دین کا حصہ ہے دین سے باہر نہیں اور اگر دنیا والوں نے مسلمانوں کی حالت کے پیش نظر، دنیا کو اسلام سے خارج سمجھ لیا ہے تو اسلام پسند طبقہ مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ کی کمی کا معترف ہے۔ اسے اعتراف ہے کہ مسلمانوں میں معاشرتی، سائنسی، عقلی، مادی تعلیم کی کمی ہے۔ مسلمانوں کو اسے پورا کرنا چاہئے اور اپنا تشخص بحال کرنا چاہئے۔ یہ طبقہ بھی مسلمان مرد و زن کی اصلاح چاہتا ہے۔ لیکن یہ دین کو دنیا کا تابع نہیں کرتا بلکہ امامت کا اہل دین اسلام کو سمجھتا ہے ان کا مستقل یہ کہنا ہے کہ واقعی مسلمان بہت غیر ترقی پسند، پسماندہ، اور نادان ہیں اور اپنی جہالت اور غربت کے باعث انسانی حقوق یا حقوق العباد پورے نہیں کرتے۔ معاشرے کے کمزور طبقے ان کی جہالت کی بدولت ظلم سہنے پر مجبور ہیں لیکن اس اندھیرے کو اسلام کی آفاقی روشنی سے منور کرو، نہ کہ مصنوعی روشنیوں سے کہ جس کا کنٹرول آپ کے دشمنوں کے قبضے میں ہے اور وہ مصنوعی روشنیوں کا رُخ اپنی طرف کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے لئے پھر اندھیرے ہیں یا پھر یہ روشنیاں جو آپ کی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہیں یا آپ ہی پر برق بن کر ٹوٹ پڑتی ہیں۔

سید قطب شہید، اسلام کے مستقبل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام کی طرف دعوت دینے والے بعض حضرات مغربی طرز فکر مستعار لے کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر فکر و نظر اور طریق مسلک کے باب میں مغربی انداز کو مستعار لے کر اسلامی زندگی کے احیا کی کوشش میں انہیں پہلے ہی قدم پر اعتراف شکست

کرنا پڑتا ہے۔ وہ جس زندگی کی تجدید کرنے چلے تھے بالآخر اسی کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس واحد فطری طریقہ کار کو پہلے ہی قدم پر چھوڑ دیتے ہیں جس سے اسلامی زندگی کا احیا ممکن ہے۔ یعنی اسلامی اصولوں کو اپنا راہنما بنائیں جبکہ زندگی کی عمارت کی بنیاد اخلاق پر رکھتے ہیں اور اخلاق کی آخری غرض و غایت اعمال کے اخلاقی مقاصد کو قرار دینے کی بجائے دنیاوی منفعت ومفاد کو اپنا مطمع نظر بناتے ہیں۔''(۴۱)

سید قطب شہید مزید لکھتے ہیں:

''یہ مباحث اگرچہ کوئی نیا پن نہیں رکھتیں مگر یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ یہ تمام امور عقیدہ کے مسئلہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق بلاواسطہ اور براہ راست خدائے واحد کی مکمل بندی کے اقرار یا عدم اقرار سے ہے۔''(۴۲)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے داعی قرآن کی تفسیر کے اصولوں سے آگاہ نہیں۔ حدیث پر ان کو اعتماد نہیں۔ اجماع اُمت کی حجیت کے قائل نہیں۔ اپنی زندگی کے معاشرتی رویوں میں مسلمان معاشروں کے طرز حیات سے بے زار ہیں۔ مغربی طرز فکر کی پیروی، فقہ اور اصول فقہ ہوا برد، اور زندگی کے چلن میں امامت کے داعی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تضادات کچھ سمجھ آنے والے نہیں۔

جبکہ علمائے اسلام مسلمانوں کے فکری اور عملی مسائل سے آگاہ ہیں۔ ان کے نزدیک ہمیں ہدایت کے لئے اپنی بنیاد قرآن و حدیث سے جوڑے رکھنا ہے۔ لیکن وہ قدیم نظریات اور تقلیدی جمود کے ناقد ہیں جنھوں نے مسلمان معاشروں میں عورت کے کردار کو مفلوج کر رکھا ہے، لکھتے ہیں:

''ہمارے مسلمان معاشروں میں علمی بے رغبتی کے اثرات واضح ہیں، اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب سے دین و دنیا الگ ہوئے ہیں۔ دین والے دنیا کے علوم کے بارے میں دنیا کے رویوں کے متعلق زیادہ معلومات، زیادہ تردّد اور زیادہ جدوجہد کرتے نظر نہیں آتے جو اصحاب کام کرتے ہیں انہیں حلقوں میں تقسیم کرکے ان کے کام کو محدود کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ دین کے خدمت گسار، کتاب وسنت کے حامل کبھی بھی کسی ایک مکتبہ فکر کی ملکیت نہیں ہوسکتے۔ یہ پوری امت مسلّمہ کی متاع ہوتے ہیں۔ فرقے، طبقے، حلقے اور رویے کے بندھن اور حدود ان کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے کھیت کو پانی کی ضرورت ہو اور اس کے اردگرد موجود پانی کو بند باندھ کر کھیتی کو سیراب ہونے سے روک دیا جائے۔''(۴۳)

دین کی تعلیم کے طالب کے لیے لازم ہے کہ وہ دنیا میں مسائل کی واقعاتی صورت حال سے بخوبی واقف ہو

(۴۱) اسلام میں عدل اجتماعی، سید قطب، مترجم، صدیقی، محمد نجات اللہ، ڈاکٹر، مرکز مکتبہ اسلامی، دہلی ۶۔ طبع اوّل، اگست ۱۹۸۶ء، ص ۴۶۹/

(۴۲) ایضاً

(۴۳) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، ص ۱۲/-۱۳

۔دوسری طرف جدید فکر کی نمائندگی رکھنے والے اصحاب نے دین کو ہر کام میں تنقید کا نشانہ بنانا فرض کر لیا ہے کہ اس کے بغیر ان کی تحقیق مکمل نہیں ہوگی۔ اس میں اعتبار کی کمی رہ جائے گی۔ یہ سیکولر نہیں بن سکے گی۔ یہ دونوں رویے معذرت خواہانہ ہیں اور دونوں اپنے اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس 'دوری کو' اس فاصلے کو، اس اجنبیت کو سرے سے ختم کیا جائے۔ علماء دین اور جدید علوم کے ماہرین بالاتفاق اس بات کا اہتمام کریں کہ ہدایت و راہنمائی کا اصل سرچشمہ قرآن وسنت ہے۔ جو امور طے شدہ ہیں انہیں متنازعہ نہ بنایا جائے۔ جو مسائل جدید دور کے تقاضوں سے ابھرتے ہیں ان کا حل تلاش کرنے میں نہ تو عالم دین ہتک محسوس کرے کہ وہ کسی پروفیسر یا مفکر سے رابطہ کرے اور نہ ہی جدید علوم کی راہنمائی کا دعویٰ رکھنے والے عالم دین سے رابطہ کرنے میں اپنے لئے کوئی خلاف شان جذبہ دل میں رکھیں۔ہمیں اپنے لئے مغرب کے طے کردہ معیار کی بجائے قرآن وسنت کی روشنی میں طے کردہ معیار اختیار کرنے ہوں گے۔

عورتوں کی نسوانیت کو فراموش کر کے اگر ہم مادی منفعتوں کو انگیز کرتے ہیں۔تو یہ عمل اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب صرف یہ دنیا اور یہ زندگی ہی پیش نظر ہو اور اس دنیا کی مادی کامیابی ہی اخروی زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہو جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ہمیں دینی فہم کے ساتھ ساتھ اپنے مسائل کے بہتر فہم کی بھی ضرورت ہے

''ہماری فوری ضرورت یہ نہیں ہے کہ ہم عورتوں کے لئے قوانین وضع کریں۔جس سے عورتوں کا معاشرے میں اثر ورسوخ بڑھے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ''ہم اصلی اور صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کے ذریعے سے عورتوں کے حق میں اسلام کے صحیح موقف سے آگاہ ہوں۔اسلام کی صحیح عملی اور عقلی واقفیت سے اپنے آپ کو مسلح کریں تاکہ عالم انسان کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے ہم جس نظریاتی جنگ میں شریک ہیں اس میں فتح پائیں۔اور اپنے دشمنوں کو وہ راہ نہ دیں کہ وہ ہمارے کردار کو اسلام کے خلاف بھی دلیل بنالیں۔ (۴۴)

اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش کے درمیان پستی ہوئی عورت کو ہدایت دیتے ہوئے عزت علی بیگوچ لکھتے ہیں:

''تحریک حقوق نسواں عورتوں کو حقوق دلوانے کی تنظیم ہے لیکن اخلاقیات اور انسانیت کی بنا پر نہیں نہ ہی مذہب کی بنا پر بلکہ طاقت اور مادیت کی بنا پر۔ یعنی عورتوں کو مادی اعتبار سے طاقتور کیا جائے تاکہ وہ جنگل میں وحشی جانوروں سے مقابلہ

---

(۴۴) قرآن اور علم جدید از محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، ص/۳۶

کر سکیں۔"(۴۵)

ڈارون کے نظریہ 'تنازع للبقا' میں اخلاقی لحاظ سے سب سے بہترین لوگ نہیں جیتتے، زندہ وہ رہتے ہیں جو مضبوط ترین اور قابل ترین ہوتے ہیں۔(۴۶) ڈارون کے نظریہ ارتقا کا حامل انسان حیاتیاتی ارتقاء کے اعلیٰ ترین مرحلے پر پہنچ جائے لیکن وہ انسانی خصوصیات سے بہرحال محروم رہے گا۔ اس لئے انسانی عظمت سے بھی محروم رہے گا۔ انسان کو حقیقی فطرت صرف خدا ہی عطا کرسکتا ہے۔

مبحث ہفتم: تعبیر نو حق و باطل کی کشمکش

ڈاکٹر محمد رفیع الدین 'قرآن اور علم جدید' میں اس تعبیر نو کے فتنے کو نارفرنگ قرار دیتے ہیں اور اسے اسلام سے ارتداد تصور کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں اس جدید اور خطرناک فتنہ ارتداد کا منبع مغرب کے وہ غلط فلسفے ہیں جن کے بڑے بڑے امام ڈارون، میکڈوگل، فرائد ایڈلر، کارل مارکس اور میکاولی(۴۷) ہیں۔(۴۸)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾(۴۹)

ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے تصورات کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور اپنے ان معبودوں سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جو صرف خدا سے کرنی چاہے لیکن وہ لوگ جو خدا پر ایمان لائے ہیں اُن کی سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے وہ اپنی ساری محبت کو اپنے نظریہ کے لیے وقف کر دیں یعنی اس سے ایک ایسی شدید محبت رکھیں کہ کوئی دوسرا تصور اس محبت میں شریک ہو کر اس کی محبت کو کم نہ کر سکے۔ اس کے بغیر نہ تو مسلمان متحد ہو سکتے ہیں نہ ہی اسلام کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ انسان نے اپنی تاریخ میں کئی قسم کے چھوٹے خداؤں کی عبادت کی ہے

(۴۵)"Islam between East & West" by Ali Izzat Bagawatch President of Bosnia p.164

(۴۶) ایضاً

(۴۷)(ڈارون کی طرف ارتقا کا نظریہ منسوب ہے۔ میکڈوگل نے جبلت کا نظریہ پیش کیا۔ فرائد اور ایڈلر نے لاشعور کے نظریات پیش کیے ہیں۔ کال مارکس کی طرف سوشلزم کا نظریہ منسوب ہے اور میکاولی نیشنلزم کی موجودہ شکل کا مبلغ سمجھا جاتا ہے۔)

(۴۸) میکاولی: (۳ مئی ۱۴۶۹ء۔ ۲۱ جون ۱۵۲۷ء) فلاسفر، ادیب اور اطالوی سیاست دان تھا Niceolo Machiavelli اس کا نام تھا۔ طاقت کے حصول اور قیام کے طریقے متعارف کروائے۔ نیشنلزم کی موجودہ شکل کا مبلغ سمجھا جاتا ہے۔

(http://www.historyguide.org/intellect/machiavelli.html)

(۴۹) سورۃ البقرۃ:۲/۱۶۲

اور اب بھی کر رہا ہے پتھر درخت ، دریا پہاڑ ہاتھ سے تراشے ہوئے بت سب اس کے خدا بنے رہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہیکہ وہ اپنی سفلی خواہشات کی لذت کو حرص و ہوا کو ، شہرت حکومت یا دولت کو ، لوگوں کی رضامندی یا پسندیدگی کو یا بیوی یا اولاد کو یا کسی دوست یا افسر کو اپنا خدا سمجھ لیتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کہتے ہیں۔ ''اس عہد میں اس کے (مغرب کے) جھوٹے خداؤں نے ازموں Isms کی صورت اختیار کر لی ہے، مثلاً نیشنلزم کمیونزم ، نازی ازم Nazi Ism فاشزم Fascism ، Humanism یہ لوگوں کے خدا ہیں۔(۵۰)

مغرب کے جدید ذہن کے لیے اسلامی تصورات قبول کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خیال سے ان کے مادی قوانین کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے۔

اکثر اوقات جھوٹے خداؤں کو ماننے والے لوگ اپنے خدا کو خدا نہیں کہتے لیکن عملی طور پر اُن کو خدا سمجھتے ہیں۔ وہ خدا کی اصطلاح عام طور پر سچے خدا کے لیے رہنے دیتے ہیں، لیکن سچے خدا کی صفات اور حقوق اُس سے چھین کر اپنے جھوٹے خداؤں کو سونپ دیتے ہیں۔ درحقیقت ہر شخص کا خدا وہی ہے جسے وہ عملی طور خدا مانتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ اسلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں کو دلیل دیتے ہوئے کہا تھا۔

﴿يٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّار مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُم﴾(۵۱)

''اے قید کے ساتھیو کیا عبادت کے لیے بہت سے رب اچھے ہیں یا ایک ہی غالب خدا اچھا ہے تم اُسے چھوڑ کر فقط ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے وضع کر لیے ہیں۔''

درحقیقت اسلام کے انحطاط کی بڑی وجہ وہ غلط فلسفیانہ تصورات ہیں جن کا اثر فضا میں چاروں طرف پھیل گیا ہے۔ اور جن سے ہمارے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقات مساوی طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ ان تصورات نے زیادہ تر بالواسطہ اور غیر شعوری طور پر اپنا اثر پیدا کر کے اسلام کی محبت ہم سے چھین لی ہے۔ جیسے ایک مخفی مرض کے جراثیم اندر ہی

---

(۵۰) قرآن اور علم جدید از محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، ص ر ۳۷۔ قرآن اور علم جدید کے نام سے لکھی گئی اُن کی کتاب ان کے اس دعوے کا جواب ہے وہ تعبیر نو کے جدید ذہن کو ان نظریات سے مماثل قرار دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ تعبیر نو کے شجر کے پھل کا ذائقہ اُن نظریات کے ثمرات سے بعینہ ملتا ہے بلکہ یہ دو شجر نہیں ایک شجر کے دو پھل ہیں۔

(۵۱) سورۃ یوسف: ۳۹/۱۲

اندر ایک اچھے بھلے آدمی کی صحت اور طاقت کو سلب کر لیں اور ناگہاں معلوم ہو کہ وہ موت کے دروازے پر کھڑا ہے۔

حقوق نسواں کی تحریکوں کے افکار شریعت اسلامیہ کے افکار سے واضح متصادم ہیں اور علمائے اسلام کے نزدیک تعبیر نو کا مطالبہ، محض اسلام سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ ان تحریکوں کا اسلام پر کوئی اعتماد نہیں۔ یا یوں کہیے کہ بظاہر یہ حقوق نسواں کی جنگ ہے اور اندروں خانہ اسلام سے دشمنی ہے۔ یہ لوگ بظاہر تعبیر نو کرتے ہیں عملاً تحریف کرتے ہیں۔ نام ترمیم کا لیتے ہیں عملاً تنسیخ کرتے ہیں۔ نام اجتہاد کا لیتے ہیں عمل مغربی قوانین پر کرتے ہیں۔ نام دین کا لیتے ہیں عمل دنیا کے لیے کرتے ہیں۔ نام اللہ پر ایمان کا لیتے ہیں لیکن بندگی مغربی آقاؤں کی کرتے ہیں۔ (۵۲)

مولانا ابوالحسن ندوی بھی تعبیر نو کے فتنے کو ارتداد سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''کچھ عرصے سے دنیائے اسلام کو ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے ملت اسلامیہ کے اس سرے سے اُس سرے تک ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ یہ اپنی شدت وقوت اور وسعت و گہرائی میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے۔ کوئی اسلامی معاشرہ نہیں جو اس کی غارت گری سے بچا ہو۔ بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہوں گے جو اس کی دست برد سے محفوظ ہوں یہ وہ ارتداد ہے جو شرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم ارتداد ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے''۔ (۵۳)

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین اسلام کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے۔ حقوق نسواں کا فلسفہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے باطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ سب سے بڑا دین اپنی وسعت اشاعت کے لحاظ سے، سب سے گہرا دین اپنی جڑوں کے لحاظ اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنے کے لحاظ سے ہیں۔ اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم وفہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق سے اُتار اور اطمینان کے ساتھ ہضم کیا۔ وہ اس کا ٹھیک اس طرح پیرو بن گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور مسیحی، مسیحیت کا، حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے، اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے، اس کے راہنماؤں اور

---

(۵۲) مجتہد، اوصاف وشرائط از ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، منہاج، (سہ ماہی) جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۱/ ش ۱/ ص ۱۵۳/

(۵۳) ذہنی اور اعتقادی ارتداد، ندوی، ابوالحسن، مولانا، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔ مطبوعات نمبر ۱۴۸، ستمبر ۱۹۹۱ء، ص/ ۱۰

داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے ادب اور دین میں اس دین کی دعوت دیتا ہے اور جو دین، نظام اور طرز فکر اس کے معارض ہوتا ہے اس کی تحقیر کرتا ہے، اس دین کے ہر پیرو سے اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر ممالک اسلامیہ کی زمام حیات ہے اس کے افراد کی ایک بڑی تعداد اسی دین کی پیرو ہے۔ حقوق نسواں اور تحفظ نسواں کے بل بڑی دلیری سے منظور کرائے جاتے ہیں۔ آج کے مقتدر افراد کا دین یہی مادّہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے' جو الحاد پر مبنی ہے۔

''میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے جس نے عالم اسلامی کو اِس سرے سے اُس سرے تک تاراج کیا ہے۔ گھر گھر اور خاندان خاندان اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں کالجوں اور اداروں سب پر اُس کی یورش ہوئی ہے۔ مشکل ہی سے کوئی ایسا خاندان ہوگا جس سے اس دین کا کوئی پیروکار پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو۔ (۵۴)

آپ حقوق نسواں کی تنظیموں سے وابستہ اذھان سے جب اندر کی بات اُگلوائیں گے تو آپ بھی دیکھیں گے کہ وہ لوگ ایمان باللہ سے محروم ہوں گے، ایمان بالآخرہ سے خالی ہوں گے یا رسول اللہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں گے یا قرآن کو ایک معجزہ اور ابدی کتاب نہ مانتے ہونگے۔ (واضح رہے کہ وہ زبان سے تسلیم نہیں کریں گے لیکن ان کے فکر کا ہر پہلو ان کے کھوکھلے پن کی گواہی دے گا۔)

''بلاشبہ یہ ارتداد ہے لیکن یہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کراسکا کیوں؟؟ اس لیے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا ہیکل میں نہیں جاتا اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلی مذہب کا اعلان کرتا ہے، نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے کہ احتساب وعتاب کی صورت پیش آئے اور فصل وانقطاع کا معامہ درپیش ہو۔ پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرے میں رہتا ہے۔ اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے بلکہ معاشرے پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر معاملہ ہے ارتداد پھیلتا ہے۔ اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں۔''(۵۵)

ابوالحسن ندوی مزید لکھتے ہیں:

''پہلے وقت کے مرتدین اس سوسائٹی سے منسلک ہو جایا کرتے تھے جس کا دین وہ قبول کرتے تھے اور اپنے عقیدے کی تبدیلی کا صراحت اور جرأت کے ساتھ اعلان کر دیتے تھے پھر جو کچھ نئے مذہب کی راہ میں انہیں برداشت کرنا پڑتا برداشت کرتے

(۵۴) ذہنی واعتقادی ارتداد از ندوی، ابوالحسن، ص ۱۰/

(۵۵) ایضاً، ص ۱۱/

تھے انہیں اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع انہیں حاصل تھے ان کو محفوظ رکھنے کے لیے اس سوسائٹی سے چپکے رہیں لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنا تعلق کاٹ لیں حالانکہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی وہ تنہا معاشرہ ہے جس کی تاسیس وترکیب عقیدے کی بنیاد پر ہے۔اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔لیکن یہ نئے مرتدین اصرار کرتے ہیں کہ اس معاشرے کے نام پر فوائد حاصل کرتے ہوئے اپنی جگہوں پر جمے رہیں اور اسلام کے بخشے ہوئے تمام حقوق سے بھی متمتع ہوتے رہیں ، یہ ایک نرالی صورت احوال ہے جس سے اسلامی تاریخ کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔''(۵٦)

حقوق نسواں کے مغربی فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو پامال کیا ہے وہاں جاہلی فحاشی عریانی شتر بے مہاری ،جنسی بے راہ روی کی تخم ریزی بھی دنیائے اسلام میں کی ہے، جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جس پر پیغمبر اسلام نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔

﴿اَلشَّيطٰنُ يَعِدُكُمُ الفَقْرَ وَ يَأمُرُكُمْ بِالفَحْشَاءِ﴾(۵۷)

''شیطان تمہیں غربت کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔''

مغرب والوں کے نزدیک مسلمان کشی انسان دوستی ہے اور ہمارے اسلامی ذہن نے طبقہ نسواں کے جدید ذہن کو مغرب کی ہمنوائی کے طعنہ دیا ہے۔مغرب والوں کے نزدیک خاندان کا بنانا (نکاح) ایک بیکار معاشرتی رسم ہے نسوانی عزت وعصمت کو تحفظ قرون وسطٰی کی باتیں ہیں اور تعبیر نو کے دین کے حاملین، قرآن سے مغرب والوں کے لیے مغربی افکار کی تائید میں دلائل وثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

............*

---

(۵٦) ذہنی واعتقادی ارتداد از ندوی، ابوالحسن ،ص/۱۱

(۵۷) سورۃ البقرۃ:۲/۲٦۸

فصل دوم

مغربیت کے اَثرات

دنیائے اسلام میں دورجدید کا آغاز اور ذہنی، تہذیبی اور سیاسی تبدیلیوں کا ایک بڑا محرک مغرب کا اثر ہے جسے مغربیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور یہ دراصل مغرب کا مسلم معاشرہ میں سرایت کرنے کا عمل ہے۔(۱) دنیائے اسلام میں مغرب سے مرعوبیت نے مدافعتی جدیدیت کو جنم دیا ہے۔جو مغرب کے فکری، تہذیبی اور تمدنی اثرات کا سرچشمہ بنی ہے۔حقوق نسواں کی تعبیر نو مدافعتی جدیدیت کا ایک اہم پہلو ہے جس نے مرد اور عورت کے سماجی تعلقات میں مغربی زاویوں اور نقطہ نگاہ کو فروغ دیا ہے۔(۲)

اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمان عورتوں کے لیے ایسے قوانین واصلاحات کا نفاذ ہے جس کی بدولت وہ مغربی عورتوں کے دوش بدوش ترقی کر سکیں۔اسلام سے لگاؤ ان کے رگ وپے میں سرایت ہے۔ان کے دل ودماغ دونوں مسلمان ہیں مگر زندگی کے میدان میں یورپ کیساتھ مسابقت ان کا مطمع نظر ہے۔

مغرب سے مسابقت کی دوڑ میں وہ مغرب کی نقالی کی صورت اپنائے ہوئے ہیں۔

''ان کی ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ انہیں اپنے مزاج اپنے معاشرے اور اس کی ضروریات کا قطعی علم نہیں۔وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ انہیں مسابقت کے لیے مغرب کی کون سی اقتداء اور اطوار قبول کرنے چاہئیں اور کون سے نہیں۔ایسا لگتا ہے کہ مغربیت کو محض اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ احساس کمتری کے نتیجے میں قبول کیا گیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ پریشان خیالی اور شک وشبہ کی فضا چھا گئی۔اور بنیادی اقدار کی طرف سے بے توجہی اور عقلی اور مادی طرز فکر عام ہو گیا۔مسلمانوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اب سابقہ عقائد کو خیر باد کہہ کر ہی معیار زندگی بلند کیا جا سکتا ہے۔''(۳)

اتنی بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ مغربی استعمار جہاں جہاں بھی گیا وہاں وہاں لوگوں کو نہ صرف سیاسی غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا' بلکہ ان کے دل ودماغ کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی کہ لوگ غلامی کی بیڑیاں پہنانے والوں کو اپنا محسن سمجھیں۔اگر دیکھیں تو ان ہی کی آنکھوں سے دیکھیں' سنیں تو اُن ہی کے کانوں سے سنیں' اور اچھے اور برے کا فیصلہ اُن ہی کے دماغ سے کریں۔

---

(۱)The Cambridge History of Islam. vol / 2, p.646.

(۲)دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اور اقبال از معین الدین عقیل، ڈاکٹر، المعارف، (ماہنامہ) جولائی۔ اگست ۱۹۸۷، (خصوصی شمارہ) ج ر ۲۰، ش ر ۷، ص ر ۱۲۵

(۳) ایضاً، ص ر ۱۳۱۔۱۳۲

مختصر وہ اسلامی معاشروں میں ایسی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں جسے مغرب کی ہر چیز پسند ہو لیکن ایشیا اور افریقہ میں اِسے کوئی چیز لائق توجہ نظر نہ آئے۔ تاکہ تہذیب وتمدن، فکر ونظر اور زندگی کی قدروں کے باب میں انہیں راہنما اور معلم کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ اور پوری اسلامی دنیا مغرب کو اپنا امام تسلیم کر لے، اور اپنے خدا کو چھوڑ کر اس خدا کی بندگی میں لگ جائے جس نے فرعون کی طرح ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الاَ عْلٰی﴾[۴] کا نعرہ لگایا ہے۔

اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے تعلیمی نظام کو اپنے رنگ میں رنگا۔ دین اور دینی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں سے الگ تھلگ کر کے پڑھے لکھے لوگوں کی ایسی کھیپ تیار کرنا شروع کر دی جو ان کی آرزوں کی تکمیل کا سہارا بن سکے۔

چنانچہ عورتوں کو بھی تعلیم کے نام پر آگاہی وادراک کی بجائے غلامی اور محکومی سکھائی گئی۔ حقوق نسواں کی تحریکوں سے وابستہ خواتین کا تعلق چونکہ مالدار گھرانوں اور جدید پڑھے لکھے ذہن سے ہے' لہٰذا وہ اپنی تہذیب و اطوار کو پسماندہ اور حقیر قرار دیتی ہیں۔ یہ مغربی استعمار کی انتہائی بدترین صورت ہے کہ جن عورتوں کو اُمت کی راہیں استوار کرنے میں مثال بننا تھا وہی اس تیزی سے اس تہذیبی یلغار کا شکار ہو رہی ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنا چہرہ پہچاننے میں اور اپنے تشخص کے ادراک میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ یہی عورتیں آزادی کی خواہاں ہیں' اسلام کو ماضی کی یاد سمجھتی ہیں اور مستقبل میں جینے کی آرزومند ہیں۔ اسلام کو عورتوں کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ خود کو معاشی اور مادّی طور پر مضبوط کرنا اور مساوات مرد وزن کا علم بلند رکھنے کو کامیابی کی معراج سمجھتی ہیں۔ علمائے دین کو اپنا دشمن گردانتی ہیں اور مغرب کے UNO کے حقوق نسواں کے مسودے کو اپنی خوشحالی سے تعبیر کرتی ہیں۔ لیکن جب مشرق کی رگوں میں جاوداں مذہب ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے تو بات حقوق نسواں کی تعبیر نو پر آ ٹھہرتی ہے اور پھر مغربی نقطہ نظر سے اسلام کی اصلاح کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

---

(۴) سورۃ النازعات: ۷۹/۲۴

مبحث اوّل: حقوق نسواں کے نام پر فرائض نسواں میں اضافہ

مغربی دنیا میں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے (مساوات کے نام پر) ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کردی ہے۔ حقوق نسواں کے نام پر عورتوں کے فرائض میں غیر انسانی حد تک اضافہ ہو چکا ہے جس نے نسوانیت کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ اہل علم ودانش نے اس رجحان کو معاشرت کے لیے ضرر رساں قرار دیا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ اسے کامیابی اور ترقی کے منافی سمجھتے ہیں۔

''عورتوں کا آزاد کیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں گی۔(۵)

وہ مزید کہتے ہیں: ''میں اس خیال سے لرزہ براندام ہوجاتا ہوں کہ عورتیں قوت لایموت کا بندوبست خود کریں۔ اس طرز سے نسوانیت کا جوہر تباہ وبرباد ہوجائے گا۔''(۶)

محمد قطب نے بھی اس معاشرتی رویے کو ناانصافی پر مبنی قرار دیا ہے:

''انقلاب نسواں میں سب سے مظلوم ہستی عورت ہے اس کو اب پہلے سے کہیں زیادہ شدید محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ نفسیاتی طور پر آسودہ ہے نہ مادی لحاظ سے خوشحال۔ مرد نے نہ صرف یہ کہ عورت کا خواہ وہ اس کی بیوی تھی یا ماں، مالی سہارا بننے سے انکار کردیا بلکہ اپنی روزی آپ کمانے کی ذمہ داری بھی الٹا اس کے سر ڈال دی۔ اس طرح وہ کارخانہ دار کی بے انصافیوں کا شکار بھی بنتی ہے۔ اس کو کام بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے مگر معاوضہ مردوں کے مقابلہ میں کم ملتا ہے۔''(۷)

حقوق نسواں کے نظریے کے مطابق عورت کو ہر وہ کام کرنا چاہیے جو مرد کرتا ہے۔ یہ صورت حال نہ تو عقلی طور پر درست ہے نہ شرعی طور پر۔ عقلی طور پر اس لیے کہ عورت نازک صنف ہے، وہ دوہرے بوجھ کی اہل نہیں۔ شرعی طور پر اس لیے درست نہیں کہ شریعت کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دیتی۔(۸)

عورت کا مرد کے کاروبار میں حصہ لینا اور خارجی زندگی کے خطرناک معرکوں میں شریک بننا دراصل یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے فطری جذبات کو قتل کر رہی ہے۔ وہ اپنے ملکات کو مٹا رہی ہے۔ وہ اپنی رونق اور طراوت کو پژمردہ، اپنی ترکیب کو خراب اور اپنی قوم کے جسم میں خلل پیدا کر رہی ہے۔ مادی مدنیت کی عورتوں میں، چاہے ظاہری نمائش اور

(۵) تحریک آزادی نسواں پر اقبال کی تشویش از عبدالغنی، ڈاکٹر، نوائے وقت، ۹ نومبر ۱۹۹۶ء، ص ۳/۶

(۶) 'مقالات' ۱۹۳۳ء، مضمون 'کور پول پوسٹ' بحوالہ عورتوں کے حقوق کے نام پر از صدیقی، عطاء اللہ، محدث، ۱۹۹۷، ج ۲۸، عدد ۱-۲، ص ۸

(۷) اسلام اور جدید ذہن کے شبہات از محمد قطب، ص ۱۷۱ (۸) اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن از رفیق چوہدری، ص ۱۴۳

دلفریبی پائی جاتی ہے لیکن وہ کامل جنس نسواں کی نمونہ یا کمال نسوانی کے راستہ پر چلنے والی ہرگز نہیں ہیں۔''(۹)

اسلام پر عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اعتراضات بے جا ہیں۔حقوق نسواں کی حامی فکر نے مساوات مردوزن کے نام پر ظلم اور ناہمواری کو عورت کا نصیب بنا رکھا ہے۔انہوں نے مساوات کے نام پر عورت پر معاش کے بوجھ ڈال رکھے ہیں۔عورت اپنے نسوانی امور کی بجا آوری میں مردوں کی کوئی شمولیت نہیں پاتی۔مساوات کے نام پر مردوں کے دائرہ کار میں عورت کی شمولیت عورت پر ظلم ،ناانصافی ، عدم مساوات اور عورت کی نسوانیت کی تذلیل ہے۔ یہ عورت کو مرد بنانے پر تلے ہوئے ہیں تاکہ عورتوں میں احساس کمتری پختہ ہوجائے کہ نسوانیت ایک ذلت ہے اور رجولیت ایک فخر ہے۔ یہ نسوانیت کی وہی تذلیل ہے جو ہر جاہلی معاشرہ کے عورتوں پر ظلم کی دلیل ہے۔حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل اس ذلت کی صورت عورتوں کو قتل کرنا، بچیوں کو زندہ دفن کرنا، بچیوں کی پیدائش پر شرمندگی محسوس کرنا وغیرہ تھیں۔ یہ سب ماضی میں تذلیلِ نسواں کی صورتیں تھیں۔تحریک آزادی نسواں کے صرف نام خوبصورت ہیں مقصد ان کا بھی عورتوں میں نسوانیت کا قتل عام ہے۔حقوق نسواں کے نام پر فرائض نسواں میں اضافہ ہے۔ ماضی میں اگر بیٹے معاشی سہارا تھے اور بیٹی بوجھ تھی اور بوجھ کو ہٹایا جاتا تھا اور سہاروں کا لالچ کیا جاتا تھا تو آج بھی لالچ وہی ہے، صرف شکل بدلی ہے کہ عورت کی نسوانیت کا بوجھ اٹھانے کی بجائے اسے بھی معاشی سہارا بنا لیا جائے۔یہی وہ فکر ہے جس کے لیے حقوق نسواں کی تنظیمیں سر توڑ کوشش کر رہی ہیں کہ عورت کے وجود سے معاشی ترقی کی راہ ڈھونڈی جائے۔اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی محتاج وضاحت نہیں۔ اس بات کو اسلام دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے اسے قعر مذلت سے نکالا اور عزت واحترام کے مقام پر فائز کیا۔وہ وراثت سے محروم تھی اسے وراثت میں حصہ دار بنایا۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات قائم کی ۔ اس نے بارگاہ الٰہی میں عمل صالح کے اجروانعام کے معاملے میں دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ۔ اس نے عورتوں کو مردوں کی طرح سماج میں عزت واحترام کا مقام دیا، بلکہ بعض حیثیتوں سے ان کا درجہ مردوں سے بڑھ کر قرار دیا۔اس نے انہیں تمام انسانی ،سماجی اور تمدانی حقوق دیئے۔اس نے زندہ رہنے، پرورش پانے اور تعلیم حاصل کرنے کے حقوق دیئے۔نکاح ، مہر اور نفقہ کے حقوق

(۹) مسلمان عورت اور کارزار حیات از ابوالکلام آزاد، محدث، نومبر ۲۰۰۴ء، ج۳۶/ش۱۱/ص۹۹

دیئے ۔ ناپسندیدہ شوہر سے نجات پانے کا حق دیا۔ معاشی میدان میں جدوجہد ، مال و جائیداد کی ملکیت اور وراثت کے حقوق دیئے۔ عزت و آبرو کی حفاظت کا حق دیا۔ غرض اس نے عورتوں کو جتنے حقوق دیئے اتنے کسی مذہب اور کسی تہذیب میں اسے حاصل نہیں ہوئے ۔ لیکن اسلام میں مردوں اور عورتوں کے حقوق میں مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کا دائرہ کار بھی ایک ہے۔

اسلام نے دونوں کا الگ الگ دائرہ کار متعین کیا ہے۔ اس نے گھر سے باہر کی ذمہ داری مرد کو دی اور اسے معاشی تگ و دو کر کے اپنے زیردستوں کی کفالت کا حکم دیا۔ گھر کے اندر کی ذمہ داری عورت کو دی اور بچوں کی پرورش و پرداخت کا عظیم الشان کام اس کے سپرد کیا۔ اسی کے پیش نظر بہت سے بیرون خانہ کاموں سے اسے رخصت دی گئی۔ مثلاً پنج وقتہ نمازوں کے لیے مسجد میں اس کی حاضری ضروری نہیں۔ نماز جمعہ اس پر واجب نہیں کی گئی ۔ جنازوں میں شرکت سے اسے روک دیا گیا اور جہاد اس پر فرض نہیں کیا گیا۔ خاندان کا نظام خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے کاموں کی تقسیم ضروری تھی اور یہ بھی ضروری تھا کہ کسی کو اس کا سربراہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ اسلام نے خاندان کی سربراہی کی ذمہ داری مرد کو تفویض کی اور اسے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ اس نے خاندان کے نظام کو استحکام بخشنے اور معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لیے مرد و عورت کو جائز حدود میں جنسی تسکین کا حق دیا اور آزادانہ صنفی اختلاط سے روکا۔ غرض اس نے مرد اور عورت دونوں کو اپنے اپنے دائرہ میں اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کا پابند کیا اور ان کے سلسلے میں بارگاہ الٰہی میں جواب دہ قرار دیا۔

یہ عورت سے وابستہ وہ نظریات ہیں جن کا احاطہ مسلم معاشروں کی مروجہ مذہبی فکر نے کیا ہے۔ یہ تحریک، آزادی نسواں پر اس اعتبار سے طعنہ زن ہے کہ انہوں نے عورتوں کے حقوق کا نام لے کر عورتوں کے فرائض میں اضافہ کر دیا ہے۔ اب عورتوں پر گھر کے ساتھ ساتھ معاش کی بھی ذمہ داری آن پڑی ہے۔ تعبیر نو کے حاملین کہتے ہیں کہ علماء نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق نہیں دیے ہیں بلکہ بہت سے معاملات میں دونوں کے درمیان فرق رکھا ہے۔ علما کی یہ تعبیرات فرسودہ ہو چکی ہیں۔ ان میں جدید زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ جدید زمانے کا تقاضا ہے کہ عورت کو زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ رکھا جائے اور عورتیں وہ تمام کام سرانجام دیں جو مرد کرتے ہیں۔

مسلم علماء نے ان اعتراضات کا بھر پور جواب دیا ہے۔ انہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں عورت کے دائرہ کار کی وضاحت کی ہے اور اس کی معقولیت پر مضبوط دلائل دیئے ہیں لیکن یہ دلائل طبقہ نسواں کی تشفی کرنے سے قاصر ہیں اور وہ ان دلائل کو عورت کے خاص نسوانی کرداروں کے پس منظر دیکھنے کا حامی ہے۔(۱۰)

ایک محتاط تحقیقی رائے کے مطابق آج مسلمان جس دورزوال سے گزررہے ہیں، وہاں مردانگی اور ذمہ داری کا فقدان ہے ۔اسلامی معاشرہ میں آبادی کی کثرت ہے ۔مرد جہاد اور معاشی ذمہ داری اٹھانے کی اہلیت سے عاری ہیں ۔افراد کار کو عمل وترقی کی راہ پر گامزن کرنیوالی اہلیتیں ناپید ہیں۔مسلم امہ اپنی مقداری کثرت میں بہت زیادہ ہے جبکہ معیار انسانی پست سے پست ہوتا چلا جارہا ہے ۔دوسری طرف نسوانی کردار کے نتائج بے بہا ہیں اور مردانہ کردار کے نتائج نہ ہونے کے برابر ہیں۔

طبقہ نسواں اس زوال کے دور میں جن راہوں کو کھوج رہا ہے وہ وقت کا تقاضا ہیں۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے ۔کہ نسوانی کارکردگی (گھرداری بچہ داری) اور مردانہ کارکردگی (معاشی تمدنی ارتقاء) میں تناسب لا یا جائے اور جس عنصر کی تشنگی پائی جائے اسے پورا کیا جائے۔

مبحث دوم: تعلیم نسواں کے نام پر اباحیت پسندی

عصر حاضر میں مسلمان معاشروں کا تعلیمی نظام علماء کے لیے پریشان کن ہے۔

''طبقہ حقوق نسواں عورت کو تعلیم کے نام پر اسلام سے منحرف کررہا ہے ملک پاکستان میں سرگرم اس طبقے سے وابستہ حقوق نسواں کی تحریکیں تعلیم کے پس پردہ مغربی افکار کو فروغ دے رہی ہیں۔آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کی ششماہی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی خواتین نے بیرونی ممالک سے اپنے تعلقات اس قدر وسیع کر لیے ہیں کہ خود حکومت پاکستان بھی اپنے بیرونی تعلقات اب تک اس قدر وسیع نہیں کرسکی۔''(۱۱)

''موجودہ تعلیم کس ٹائپ کے اشخاص تیار کرتی ہے اور کس ذہنیت اور کس مذاق کے لوگ ہیں جن کو اس نظام تعلیم میں درجہ

---

(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے:

i اسلام میں عورت کا دائرہ کار از شمس الدین امجد، آئین، (ماہنامہ) اگست ۲۰۰۵ء، ج ۴۳/، ش ۸/، ص ۶۳/۔ ۷۶

ii عورت اسلامی معاشرہ میں از عمری، جلال الدین انصر، ص ۸۹/۔ ۱۰۴

(۱۱) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص ۲۵/

بخشا گیا ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک مکتب میں بٹھا کر تعلیم دے رہے ہیں۔ اور پھر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس سے اخلاق بگڑتے نہیں بلکہ بن رہے ہیں۔''(۱۲)

''ہمارے زنانہ کالجوں میں جس طرح لڑکیوں کو اسلامیت کے رنگ رنگا جارہا ہے اس کے ثبوت کے لیے اکثر اخباروں میں الیکٹرونک میڈیا پر تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہمارے وزرائے عظام یا حکام عالی مقام اور معلمات زرق برق لباس زیب تن کیے اس طرح جمع ہیں جس طرح شمع کے گرد پروانے ہوں۔''(۱۳)

ہمارے تعلیمی ادارے مغربی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اہل مغرب کا تعلیم نسواں کا مقصد بھی اسلام کے مقصد سے یکسر متصادم اور مختلف ہے۔ لہٰذا نتائج بھی مختلف ہونے لازمی ہیں۔ اس وقت مغربی تعلیم یافتہ طبقے میں صرف مال زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا ایک جنون طاری ہے۔ اعلیٰ گھر، بیش قیمت فرنیچر، نئے ماڈل کی گاڑی، سٹیٹس کا حصول، غرض مادّی مفادات کی دوڑ لگی ہے۔ حلال و حرام سے بے نیاز، رشوت، سود، کرپشن کا بازار گرم ہے۔ نظروں میں پیرس، لندن، واشنگٹن اور نیویارک سمائے ہوئے ہیں۔ بچوں کو دھڑا دھڑ وہاں تعلیم کے حصول کے نام پر بھیجا جارہا ہے۔ دوسری طرف غیروں کے رسوم ورواج بڑی تیزی سے اپنائے جارہے ہیں۔ کھانے پینے، چلنے پھرنے، ملنے ملانے کے وہی مغربی انداز ہیں۔ پتنگ بازی اور ویلنٹائن ڈے جیسی بے ہودہ رسومات کو اسلامی ثقافت کا حصہ بنایا جارہا ہے جب کہ اسلامی شعائر تضحیک اور طعن و تشنیع کا نشانہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں بن رہے ہیں۔ اگر کسی جگہ ایک غیر مسلم اور ایک مسلمان طالبہ ایک ساتھ کھڑی ہوں تو دونوں کا لباس اور گفتگو کا انداز بالکل یکساں ہوگا۔ یہ پہچاننا مشکل ہے کہ ان میں سے کوئی مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ آخر ایسا کیوں نہ ہو جب دینی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ ہو، تعلیمی ادارے یہی ماحول سکھائیں۔ بچے ٹی وی کی دھنوں پر سوئیں اور ٹی وی کی آغوش میں آنکھیں کھولیں۔ گھر میں کوئی ان کو نماز یا قرآن مجید پڑھتا نظر نہ آئے، کوئی اسلام کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز اور ثواب کا درس دینے والا نہ ہو تو پھر یہ نتیجہ نکلنا لازمی ہے۔(۱۴)

حقوق نسواں سے وابستہ سیکولر ذہن درحقیقت مسلمان عورتوں کو علم سے دور رکھ کر استعماری غلامی میں دینا چاہتا ہے۔ تعلیم سے ان کی مراد علم و آگاہی اور شعور و بیداری نہیں ہوتی بلکہ مغرب کی بھونڈی نقالی ہوتی ہے اکبرالہ

(۱۲) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص/۲۲ (۱۳) پاکستانی عورت دوراہے پر از اصلاحی، امین احسن، ص/۲۰

(۱۴) i۔ اسلامی اور مغربی تہذیب وافکار تاریخی تناظر میں، محمد سجاد، حافظ، ڈاکٹر، AIOU، اسلام آباد طبع اوّل، ۲۰۰۱ء، ص/۱۶۲-۱۶۳

ii۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از ندوی، ابوالحسن، ص/ 219

آبادی(۱۵) مغربی نظام زندگی کے بہت بڑے نقاد رہے ہیں انہوں نے مغربی نظم تعلیم پر بھی گرفت کی ہے۔

بقول شاعر

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی(۱۶)

اس تعلیم کا مقصد مسلمان عورتوں کو مغربی افکار کی غلامی میں دینا ہے اور عورت کو مرد بنانا ہے۔ جیسا کہ آج مغرب میں عورت اور مرد میں سوائے جسمانی اعضا کے کوئی فرق نہیں۔ بظاہر یہ انگریزی سکول و درس گا ہیں ہیں جبکہ درحقیقت قید خانے ہیں۔ اسی تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے برصغیر کے مشہور شاعر لکھتے ہیں:

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے
صیاد ہنر دکھلائے اگر تعلیم سے سب کچھ ممکن ہے
بلبل کے لیے کیا مشکل ہے الّو بھی بنے اور خوش رہے(۱۷)

....

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا(۱۸)

جدید تعلیم کے نام پر مسلمانوں نے علم کی بجائے مغربی کلچر کی نقالی سیکھی ہے۔ انگریزی زبان سے زیادہ انگریزیت کی طرف میلان بڑھا ہے۔ پاکستان کی آزادی سے قبل جو تھوڑا بہت حجاب تھا یا قومی شعور ابھرا تھا، آزادی کے بعد

(۱۵) اکبر الہ آبادی: (۱۸۴۶ء۔۱۹۲۱ء) آپ کا مکمل نام سید اکبر حسین بن تفضّل حسین ہے۔ ہندوستان کے شہر آلہ آباد میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کے قومی شاعر اور اردو زبان کے عظیم ادیب ہیں۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور، ج ۱/ص ۲۵۰)

(۱۶) کلیات اکبر، اکبر الہ آبادی، ج ۱/ص ۱۱

(۱۷) ایضاً، ج ۱/ص ۹ (۱۸) ایضاً ج ۱/ص ۲۴۷

سیکولر اذھان کی سیاست نے اسے بہت جلد صاف کر دیا۔ بقول شاعر

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں [۱۹]

شعراء وادباء نئے جدید ذہن کو انتباہ ہی کرتے رہے۔ کہ یہ قوموں کی کامیابی نہیں زوال ہے۔

عمل ان سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ ان کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا [۲۰]

مسلمانوں نے ایک طویل استعماری دور گزارا ہے۔ جس میں جدید تعلیم کے مسئلے نے بہت بری طرح ہماری قومی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ مغربی تہذیب افکار کی یلغار میں مسلمانوں کی استعماری پالیسی مسلمانوں کی تاریخی جدوجہد کا بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔

جدید تعلیم سے مراد اگر مغربی علوم کی تحصیل ہوتی تو شاید کوئی صحیح الخیال انسان اس کی مخالفت نہ کرتا اور اس کی افادیت کو شک کی نظروں سے نہ دیکھتا لیکن اصل مسئلہ تو اس غرض و غایت کا تھا جو نئی تعلیم کے جاری کرنے میں کارفرما تھی اور یہ غایت بھی کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ برصغیر کے پہلے تعلیمی کمیشن کے چیئرمین لارڈ میکالے [۲۱] نے اپنی تعلیمی روداد (minuts) میں جدید تعلیم کے استعماری مقصد کو بڑے نمایاں طور پر بیان کر دیا تھا کہ ہمیں اس وقت لازماً ایسا طبقہ بنانا چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں (مغربی) رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ طبقہ ایسا ہونا چاہیے جو رنگ اور خون کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر ذوق اور رائے، اخلاق و ذہن کے اعتبار سے انگریز ہو۔ میکالے کے بیان کردہ اس مقصد تعلیم کو سامنے رکھیے اور تعبیر نو کے مفکرین کا ذہن پڑھیے آپ کو حیرت انگیز مماثلت نظر آئے

---

(۱۹) کلیات اکبر، اکبر الہ آبادی، ج ۱/ص ۶۴۷

(۲۰) ایضاً ج ۱/ص ۵۵۸

(۲۱) لارڈ میکالے (1800-1859ء): 1834ء میں ہندوستان آیا اور سپریم کونسل آف انڈیا کا رکن بنا۔ انڈیا میں انگریزی زبان اور ثقافت کے فروغ کے لئے کام کیا۔ آپ کی تعلیمی پالیسیوں نے انڈین سکولوں پر گہرے اثرات مرتب کئے۔
(http://en.wikipedia.org/wiki/Thomas_Babington_Macaulay,_1st_Baron_Macaulay)

گی۔ (۲۲)

اُس وقت بھی علمائے اسلام جدید مغربی تعلیم کے مخالف نہیں تھے وہ تو اس استعماری سرکاری تعلیم کے خلاف تھے جس کا مقصد قوم کی بچیوں کو ذہنی اصطباغ دینا تھا۔ (۲۳)

آج ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے علماء کا خوف کچھ بے بنیاد نہ تھا کہ جس خوف کے زیر اثر انہوں نے مسلمان معاشروں میں اسلامی مدارس کی بنیاد ڈالی۔ مسیحی پادری تو ہماری قوم کے بچوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن استعماری تعلیم نے انہیں ذہنی اصطباغ دے کر اپنے حسب نسب سے بیگانہ کر دیا۔ (۲۴)

اہل مغرب کے پیش نظر چونکہ ہر کام کا مقصد و منشا مادّی اغراض ہوتی ہیں، لہٰذا مغرب میں تعلیم دینے کا مقصد محض اور محض مادّی ہوتا ہے۔ وہ انسان کو صرف معاش کمانے اور خواہشات کی تسکین کا مقصد دیتا ہے۔ لہٰذا وہ معاوضے کو بھی تن + خواہ (یعنی جسم کی خواہش اور ضرورت) قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں بھی مغربی تعلیم بیش قیمت ملازمتوں کے حصول کے لالچ میں دی گئی۔ پہلے ان پر کاری وار کر کے ان کے معاش کے دروازے بند کئے گئے۔ پھر اپنی تعلیم کے ذریعے ان کو ملازمتوں کا فریب دیا گیا۔

آج کل گلوبلائزیشن کا دور ہے۔ امریکہ تمام دنیا سے اپنے معاشی فوائد سمیٹنا چاہتا ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ WTO ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے تحت جب وہ مسلم ممالک میں داخل ہوں وہاں اسے اپنی مصنوعات کی خاطر سستی لیبر مل سکے۔ وہ اسی صورت میں ممکن ہے جب خواتین گھروں سے باہر ملازمتوں کے حصول کے لیے موجود ہوں۔ اگر عورتیں پردہ دار اور گھروں میں بیٹھنے والی ہوں تو ان کے مفادات پورے نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ وہ اپنے معاشی مفاد کی خاطر بھی عورتوں کو گھروں سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔

اسی چیز کو ملت اسلامیہ کے شعراء کی حساس نبض نے شدت سے محسوس کیا۔

---

(۲۲) i۔ برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کا منصوبہ ساز، میکالے کا نظام تعلیم از میکالے، طبع، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص/۷۷

ii۔ میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم، شبیر بخاری، سید طبع، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص/۴۷ iii۔ منٹس آف ایجوکیشن ان انڈیا، کلکتہ ۱۸۶۲ء ص/۱۵۵

برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کا منصوبہ ساز میکالے کا نظام تعلیم، سید شبیر بخاری میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم، طبع، لاہور، ۱۹۸۶ء

(۲۳) اکبر آلہ بادی اور جدید ذہن از غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) جون ۲۰۰۱ء، ج/۳۳، ش/۶، ص/۴۳

(۲۴) ایضاً، ص/۴۴

مذہب چھوڑو، ملت چھوڑو، صورت بدلو، عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی اُمید اور اتنی مصیبت توبہ! توبہ![۲۵]

مغربی تعلیم نے جس طرح آج کل کی جدید عورت کو مغربیت کے رنگ میں رنگا ہے۔اس کو مغرب کی تقلید کے اصول سکھائے ہیں۔اس کے ذہن وفکر پر آزادروی کی خواہشات کا جال بچھا کر اسے مادیت کے گھوڑے پر سوار کیا ہے۔مسلم ممالک کا دین دار طبقہ اس صورت حال سے انتہائی سراسیمہ ہے۔اس طبقہ کی اکثریت اپنی نوجوان بچیوں کو کالج بھیجنے سے مایوس ہے۔ وہ کم عمری میں بچی کی شادی کو اس کی تعلیم پر ترجیح دیتے ہیں۔کیونکہ بچی تعلیم حاصل کرنے کے نام پر جس باغیانہ اسلوب زندگی کو اپنائے گی وہ خاندان کا سر نیچا کر دے گا۔عورت کے جوان ہوتے ہی جسم میں مچلتی ہوئی نئی زندگی کی بے لگام خواہشات کو کنٹرول کرنے کا یہ کارآمد نسخہ ہے کہ مناسب عمر ہی میں اس کی شادی کر دی جائے ،ورنہ اس کی ہستی طوفان بلاخیز کا موجب بنے گی۔

طبقہ نسواں نے جس جانفشانی سے مسلمان معاشروں میں مغربیت کی راہ ہموار کی ہے اور عورتوں کو اسلام سے آزاد ترقی کی جس نئی ڈھب پر ڈالا ہے اور تعلیم نسواں کو جو نئے معنی دیئے ہیں۔(مثلاً مخلوط تعلیم مخلوط معاشرہ،مردوں کی مسابقت،مردوں کی سربراہی کا انکار) اس سے اسلامی معاشروں کے دینی ذہن کو انتہائی تشویش لاحق ہے۔ان معاشروں کی دینی فکر نے نہ چاہتے ہوئے بھی عورتوں پر تعلیم کے دروازے بند کر دیے ہیں۔تعلیم کا حصول ہر مردوزن پر فرض ہے لیکن اس راہ کی عملی مشکلات نے دینی ذہن کو دلبرداشتہ کیا ہے۔طبقہ نسواں کی تعلیم نسواں کے ضمن میں ترجیحات کے اختلاف نے بھی مسلم معاشروں کی معروف فکر کے تاروپود بکھیر دیئے ہیں۔

مسلم دینی فکر کے مطابق، طالبات کے لیے تعلیم اس طرح کی ہونی چاہئے جس میں عربی زبان کی تدریس لازمی ہو،تاکہ قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر سمجھنا ان کے لیے ممکن ہو سکے۔ وہ اپنے پیارے نبیؐ کی احادیث کو پڑھ سکیں تاکہ اس سے ان کے عقائد اور اخلاق میں نکھار پیدا ہو۔انہیں صالحین کے کردار سے آشنائی ہو۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولوں کی عدمِ اطاعت کے نقصانات سے واقف ہوسکیں ۔ انہیں حیا کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔عفت و پاکدامنی اورستر وحجاب کے حدود سے ان کو آگاہ کیا جائے۔کم ازکم وہ دین کے بنیادی مسائل اس حد تک سیکھ لیں کہ

(۲۵) کلیات اکبر،اکبرالہ آبادی،ج ۱،ص ۱۱۴

صحیح اسلامی زندگی گزار سکیں ، پھر ان کو انبیا کرام کی تاریخ پڑھائی جائے۔ اپنے اسلاف کی تاریخ سے آگاہی دی جائے۔ عہد نبویؐ اور خلفاے راشدینؓ کی تاریخ سے واقفیت ہو تا کہ عورت کے دل پر یہ نقش گہرا پختہ اور مضبوط ہو جائے کہ صرف نیک اور صالح خواتین ہی دنیا میں تعمیر اور ترقی کا کام سرانجام دے سکتی ہیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کر سکتی ہیں، جب کہ ظالم اور جابر لوگ تو ہمیشہ دنیا میں فساد اور تباہی و بربادی کا باعث ہی بنتے رہے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے ذہنوں میں راسخ کر دی جائے کہ صرف اسلام ہی ان کی فلاح کا ضامن ہے۔

پروفیسر ثریا بتول علوی(۲۶) گورنمنٹ کالج برائے طالبات میں شعبہ اسلامیات کی استاد ہیں ان کے نزدیک خواتین کے لیے جداگانہ نصاب تعلیم ہونا چاہیے۔خواتین کے لیے ایسی تعلیم لازمی ہے جو بچوں کی پرورش، تربیت اور سیرت سازی میں معاون ثابت ہو سکے۔ لہٰذا اس کو وہ اُمور ضرور سیکھنے چاہئیں جو ساری عمر گھر میں انجام دینے ہیں۔ ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے طلبِ علم کو مسلمان مردوں پر فرض قرار دیا ہے جس میں مسلمان عورتیں بالتبع ہی شامل ہیں۔ جس علم کے سیکھنے کا انہیں براہ راست حکم دیا گیا ہے وہ گھریلو اُمور کی تعلیم ہے۔ چنانچہ یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس طرح مسلمان مرد و عورت کا دائرۂ حیات مختلف ہے اسی طرح ان کی تعلیم کے مقاصد اور نصاب کی تفصیلات بھی جداگانہ ہیں۔ ایک جیسے تعلیمی مراحل طے کر کے لازماً ایک جیسی ملازمت اور آئندہ زندگی کی مصروفیات اور رجحانات روبہ عمل آتے ہیں جس سے خانگی زندگی کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم معاشروں کا طبقہ نسواں ہمیشہ سے علم (دینی یا دنیاوی) میں اس طرح ممتاز نہیں رہا جیسا کہ مرد حضرات، نبویؐ دور میں بھی خواتین کی تعلیم کی حکمت خانگی معاملات سے آگاہی اور فرائض زوجیت سے واقفیت تک محدود رہی ہے اور اسی تعلیم کے سیکھنے کا انہیں براہ راست حکم دیا گیا ہے۔ ایک عورت کو اسلامی عقائد اور گھریلو اُمور کی تمام تر تعلیم دینا تو عین مقصود ہے، البتہ کارزارِ حیات اور کائنات کی عقدہ کشائیوں کے میدان اور اس سے وابستہ علوم مرد حضرات کے لیے مخصوص رہنے چاہئیں۔ (۲۷)

---

(۲۶) ثریا بتول علوی: گورنمنٹ ڈگری کالج سمن آباد لاہور میں اسلامی علوم کی استاد ہیں۔ 'جدید تحریک نسواں اور اسلام' اور 'اسلام میں عورتوں کے مقام و مرتبہ' کی مصنفہ ہیں۔

(۲۷) خواتین کی تعلیم کی اہمیت اور مطلوبہ لائحہ عمل از علوی، ثریا بتول، محدث (ماہنامہ)، نومبر ۲۰۰۴ء ج ۳۶/ ش ۱۱/ ص ۱۲۹-۱۴۳

عورت کے اس تعلیمی نصاب پر تنقید کرتے ہوئے مراکش کے ایک مفکر، لی اون بسکنز (۲۸) کہتے ہیں: کہ مسلم معاشرے کے دینی فکر کے نزدیک عورتوں کے لیے ضابطہ تعلیم مردانہ فضیلت کے اظہار سے شروع ہوتا ہے اور عورت کو اطاعت اور خدمت کا حکم دیا جاتا ہے اور پدررانہ خاندانی ماڈل کے تحفظ اور بقا کی ضمانت عورت سے لی جاتی ہے۔(۲۹) لی اون بسکنز مراکش کے مسلمان معاشرے کی خواتین میں بھی اس قدامت اور جدت کی جنگ کو محسوس کرتے ہوئے دورحاضر کے مطابق عورتوں کے لیے عائلی قوانین میں اصلاحات کے خواہاں ہیں۔ وہ اس اندازفکر کو قدیم اورفرسودہ ٹھہراتے ہیں جو یہ مطالبہ کرتا ہے کہ خاوند کی مرضی کے بغیر عورت کا گھر سے نکلنا باغیانہ روش ہے۔

مروجہ دینی فکر کے لحاظ سے عورت کی تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو اس کو صالح بیٹی، وفا شعار بہن، فرمانبردار بیوی اور باکردار و ہمدرد ماں بنا سکے۔ طبقہ نسواں کے نزدیک ایسی تمام تعلیم بیکار ہے جو عورت کو مرد کے تابع رکھے۔ اس لیے یہ تمام طبقہ عورت کے کردار بحیثیت ماں، بہن، بیٹی کے انتہائی مخالف ہیں۔

اسلام پسند فکر کے نزدیک عورت کو گھرداری، سلائی، کڑھائی، پکانے، ریندھنے کی تعلیم دی جائے۔ مزید برآں حیا، وفا، خاندان سے پیار، رشتوں کا احترام، مرد کی اطاعت، بچوں کی نشوونما، غذا اور غذا کی حفاظت، بچت کے سلیقے سکھائے جائیں۔ اور ہر اس چیز میں طاق کیا جائے کہ وہ گھر کی خدمت بخوبی کر سکے۔ اور ان کے نزدیک مردوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ عورت کا ان خوبیوں کی بناء پر احترام کریں۔ عورت کی نسوانی خوبیوں کی معاشرے کو قدر کرنی چاہیے۔ ورنہ عورت احترام سے محروم ہوگی تو بچے ماں سے محروم ہو جائیں اور عورت کمانے نکل کھڑی ہوگی۔ جب گھر میں گھر والی نہ ہو تو گھر بدنظمی اور انتشار کی تصویر ہوگا۔ گھر کے افراد محبتوں سے محروم ہوں گے۔ زندگی کی اعلیٰ قدریں پامال ہوں گی۔ رشتوں کا تقدس متاثر ہوگا۔ نفس پرستی بڑھے گی۔ مادیت کی دوڑ لگے گی۔ مردوں کی مسابقت شروع ہوگی اور گھر یا معاشرے کا امن وسکون غارت ہو جائے گا۔

طبقہ نسواں عورت کی تعلیم کا انتہائی حامی ہے۔ تعلیم نسواں سے متعلق ان کے مقاصد دینی طبقے کے مقاصد سے بالکل جدا ہیں۔ یہ عورتوں کے لیے مردوں سے جدا، نہ تو کسی نصاب کے حامی ہیں نہ ہی اداروں کے۔ یہ مسلم مما لک

(۲۸) لی اون بسکنز لائیڈن یونیورسٹی اور اوترخت یونیورسٹی میں اسلامی قانون کے استاد ہیں۔ اسلامی قانون کا ارتقاء ان کا خاص موضوع ہے

(۲۹) مراکش: عائلی قوانین میں اصلاحات اور دورحاضر" لی اون بسکنز، اجتہاد، (سہ ماہی) جون ۲۰۰۷ء، عدد/۱، ش/۱، ص ۱۱۲

یہ مضمون مراکش میں اصلاحات کے ضمن میں ہونے والی پیش رفت کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے لکھا گیا تھا۔

میں مخلوط تعلیم کے سب سے بڑے حامی ہیں ۔ یہ تعلیم کے ذریعے عورت کو باصلاحیت بنا کر میدان کار میں مردوں کے ہمراہ اتارنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عورت کو تعلیم کی بدولت مردوں کے مساوی حقوق دیے جائیں۔تعلیم کی بدولت عورت کے معاش کی راہیں کھولی جائیں۔تعلیم کی بدولت عورت کو آزادروی اور خودمختاری سکھائی جائے۔عورت کو ضبط ولادت کی تعلیم دی جائے تاکہ معاشرے پر آبادی کے دباؤ کو کم کیا جائے۔عورت کو فیصلہ سازی اور سیاست میں شامل کیا جائے تاکہ مساوات مردوزن پر مشتمل معاشرے کی تشکیل بہتر طور پر ہو سکے۔عورت کو گھر کی چاردیواری سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ یہ فکر عورت کے پردہ کی مخالف ہے۔ان کے نزدیک پردے کی بدولت عورت کی صلاحیتوں کو گھن لگ جاتا ہے۔عورت کی ذہنی وفکری نشوونما متاثر ہوتی ہے۔عورت کی کامیابی کے افق محدود ہوجاتے ہیں۔تنگ نظری پروان چڑھتی ہے،معاشرتی ،تمدنی میدان نسوانی صلاحیتوں سے محروم ہوکر غیر معتدل رخ اختیار کرتے ہیں۔ پدرانہ رویے فروغ پاتے ہیں۔

عورت کا تعلیم سے محروم ہونا عورت پر مرد کے غلبہ کا سامان بڑھاتا ہے اورعورت کی اپنے حقوق تک رسائی کو دشوار بناتا ہے۔عورت اپنے عدالتی حقوق سے محروم ہوکر معاشرے میں افراتفری اور طوائف الملوکی کے فروغ کا باعث بنتی ہے۔تعلیم یافتہ عورت جنسی استحصال کا نشانہ بھی کم بنتی ہے۔گھریلوتشدداور مار پیٹ کا نشانہ بننے والی عورت کے ساتھ زیادتی کی وجہ جہالت ہے۔تعلیم عورت کواجتماع اوراحتجاج کا اسلوب سکھاتی ہے۔عدالتی مقدموں کی پیروی سکھاتی ہے۔

مروجہ مذہبی طبقے کے نزدیک عورت کا تعلیم یافتہ ہونا اس لیےضروری ہے کہ اولا دصحت مند ہو اور مستقبل کے بہتر مسلمان جنم دے جبکہ طبقہ نسواں کے نزدیک عورت کا تعلیم یافتہ ہونا اس لیےضروری ہے کہ عورت صحت مند ہو۔مرد کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔معاشی کفالت کے نام پر کسی سے دبتی نہ ہو۔مرد کی رائے کو NO کہنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔مرد کے ساتھ فیصلہ سازی میں شریک ہو۔

دینی طبقہ عورت کو وفااور حیا اور شرم کی تعلیم دینا چاہتا ہے جبکہ حقوق نسوان کی تحریکیں عورت کی شرم وحیا کی ناقد ہیں ۔ان تحریکوں کے بقول اس شرم وحیا کی بدولت عورت کی جنسی زندگی بے ذائقہ ہوگئی ہے ۔جنسی وظیفہ میں عورت کی رغبت محدود ہوچکی ہے اورعورت کے جنسی مسائل گھمبیر ہو چکے ہیں۔طبقہ نسواں،عورت کے ضمن میں اسلامی تعلیمات سے انتہائی تحفظات رکھتا ہے۔ان کا یہ کہنا ہے کہ دینی فکر نے معاشرے میں صنفی امتیاز کو شدید کیا ہے اور

پردے کے تصور نے عورت کی زندگی مفلوج کر دی ہے۔ یہ عورت کی تعلیم میں سے اسلامی تعلیم کو نکال دینا چاہتے میں بھی مدد ملتی ہے اور قومی وسائل بھی کم استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ دینی فکر کے نزدیک تعلیم نسواں میں پردہ ریڑھ کی ہڈی کی جگہ رکھتا ہے۔ یہ پردے کی بقا کی خاطر عورت کی صحت اور تعلیم کی قربانی دے سکتے ہیں لیکن طبقہ نسواں عورت کی ترقی کی خاطر مذہب سمیت ہر قربانی دینے پر تیار ہے۔

مسلمان معاشروں کے تجدد پسند طبقے نے مغربی ذہن اور اسلامی ذہن دونوں کو ہم آہنگ کرنے کیلیے کئی رخ پر پیش قدمی کی ہے۔ان کے نزدیک ''اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے انٹرنیٹ پر لڑکے اور لڑکیوں کی دوستی جائز ہے۔''(۳۰) موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے۔اس لیے اس کے مباح ہونے میں کوئی شک نہیں۔(۳۱) یہ عورت کے لباس کے لیے دوپٹے کے لزوم کے انکاری ہیں۔(۳۲) شادی شدہ مرد وزن کے لیے رجم کی حد کا انکار کرتے ہیں۔(۳۳) ان کے نزدیک مرد کی طرح عورت بھی نکاح پڑھا سکتی ہے۔(۳۴) مسلمان لڑکی کا ہندو لڑکے سے شادی کرنا جائز ہے۔(۳۵)

مسلم معاشروں میں اسلام پسند طبقہ ان امور کے جائز یا ناجائز ہونے کے علاوہ ان فتاویٰ کے اظہار عامہ کے رجحان پر انتہائی برہم ہے۔اور انہیں اسلام مخالف فکر شمار کرتا ہے۔حقوق نسواں کے تعبیر نو کے حاملین کے نزدیک تمام ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ پسندید شخصیت حضرت عائشہ صدیقہ کی ہے، کیونکہ وہ نسوانیت کے باوجود مردانہ میدانوں میں بھی اپنا لوہا منوا چکی ہیں اور میدان جنگ میں بھی عملاً حصہ لے چکی ہیں، نہ صرف حصّہ بلکہ ان کی امامت بھی ثابت ہے۔(۳۶)

(۳۰)www.Urdu.Understanding Islam.org.

(۳۱) اسلام اور موسیقی از منظور الحسن، اشراق (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۴، ج/۱۶، ش/۳، ص/۸

(۳۲) حیا اور حجاب از غامدی، اشراق (ماہنامہ) مئی ۲۰۰۲ء، ج/۱۴، ش/۵، ص/۴۷ (۳۳) برہان از غامدی، جاوید احمد، ص/۴۸

(۳۴)www.ghamidi.org. (۳۵)www.Urdu.Understanding Islam.org.

(۳۶) ان اُمور کی انجام دہی کے بعد حضرت عائشہ کا پچھتاوا پتا نہیں کیوں ان کی نظر بصیرت سے غائب ہے۔طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ یہ آیت پڑھتی تھیں وقرن فی بیوتکن (الاحزاب:۳۳) تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا ان کی یہ گریہ زاری حضرت علیؓ کے خلاف محاذ آرائی کی اجتہادی غلطی کی بنا پر تھی،الطبقات الکبری،ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸، ۱۹۸۵ء، ج/۸، ص/۸۱

تعلیم نسواں سے اسلام کے مقاصد میدان کار زار کے شہسوار پیدا کرنا نہیں بلکہ تعلیم نسواں سے اسلام کے مقاصد گھروں کو جائے سکون بنانا ہے لیکن حقوق نسواں کے علمبرداروں کے نزدیک تعلیم نسواں کا مقصد عورت کو مال و زر کے حصول کی چکی میں پیسنا ہے۔ (۳۷)

حقوق نسواں کے علمبرداروں کے نزدیک اگر حضرت عائشہ کا کردار مثالی ہے تو اسلامی شریعت کی تشریح کرنے والوں کے نزدیک حضرت فاطمہؓ (دختر رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم) اور حضرت اُم سلیمؓ (۳۸) کا کردار مثالی ہے یہ اسلامی تاریخ سے اُن عورتوں کی مثالیں اٹھاتے ہیں جو اپنے شوہروں پر مرمٹیں اور اُف تک نہ کہا۔ حالانکہ دین اسلام میں حضرت فاطمہؓ کا کردار بھی اُسی طرح بلند ہے جس طرح حضرت عائشہؓ کا۔ اسلام میں نیکی و ہدایت مقصود ہے تصویر پرستی نہیں۔ اگر حضرت عائشہؓ عورت کی سیرت کی تشریح میں ایک مثال ہیں تو حضرت فاطمہؓ اور اُم سلیمؓ بھی اُسی طرح مثال ہیں۔ اگر حضرت عائشہؓ رسول اللہؐ کی خلوت کی ساتھی اور ہماری ماں ہیں تو فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے آپؐ کے ہاں جنم لیا ہے۔ (۳۹)

دونوں طبقوں کے نزدیک عورت کے دائرہ کار کے اختلاف نے تعلیمی مقاصد کے اختلاف کو جنم دیا ہے ،لیکن عورت کی تعلیم کے دونوں حامی ہیں۔ دینی طبقہ دینی تعلیم کا اور طبقہ نسواں عصری تعلیم کا، جسے دینی فکر، مغربی طرز تعلیم کا نام دیتی ہے ۔جب اسلامی و مغربی تہذیبیں آپس میں ٹکرائیں تو مسائل کا ایک نیا باب کھل گیا اور ایک نیا ذہن وجود میں آیا۔ یہ ذہن انسان کے لیے ایک چیلنج ہے جس سے تفکر و تعقل کی نئی راہیں پیدا ہوئی ہیں۔ مسلمان معاشرت میں مغربی قوموں کی آمد کے ساتھ فلسفیانہ تفکر کی نئی روایت کا آغاز ہو چکا ہے اور تنقیدی فلسفے نے ایک نئی کائنات کو جنم دیا ہے۔ ہمیں الوہی احکامات کے ساتھ عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے۔

---

(۳۷) خواتین کی تعلیم کی اہمیت اور مطلوبہ لائحہ عمل از علوی، ثریا بتول، محدث، (ماہنامہ) نومبر ۲۰۰۴ء ج ۳۶/ ش ۱۱/، ص ۱۲۹۔۱۴۳

(۳۸) اُم سلیمؓ: عظیم صحابیہ اور صحابی رسول حضرت طلحہؓ کی بیوی ہیں۔ آپ کے شوہر جہاد سے واپس آئے تو آپ نے ان کی دل آزاری کے خیال سے بیٹے کی وفات کی انہیں خبر بھی نہ دی۔ اور شوہر کی دلیری کی خاطر ان سے محبت بھری شب گذاری۔

(۳۹) شیعہ مسلک فکر سے تعلق رکھنے والوں نے حضرت فاطمہؓ کے کردار سے جنونی محبت کی اور بیسویں صدی میں عورتوں کے کردار کی نئی تشریح میں ایران دیگر اسلامی ملکوں سے آگے ہے۔ اب وہ بھی اُس جنونی لگاؤ کے بعد اعتدال کے راستے ڈھونڈ رہے ہیں۔ مثلاً خمینی انقلاب کے بعد اکثر راہنماؤں کے خیالات کا رجحان اسی طرف ہے اور وہ جدت کو راہ دیتے محسوس ہوتے ہیں۔

مبحث سوم: تجدد پسندی

جدید تحریک نسواں کے حاملین مغربی خداؤں پر اس شدت کا ایمان لائے ہیں کہ انہوں نے پورا نظام حیات مغربی کرلیا ہے۔ ہر وہ چیز جو ولایت سے آئے وہی اصلی ہے۔ ہر وہ چیز جو دیس کی ہے وہ نمبر دو ہے۔ یہاں تک کہ اسلام بھی ان کے نزدیک دو ہیں، ایک مشرقی اسلام ہے ایک مغربی، بلکہ مغربی اسلام ہی درحقیقت اصل اسلام ہے مشرقی اسلام تو (ان کے نزدیک) اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ جسے یہ عجمی سازش قرار دیتے ہیں۔ یہ اسی لیے مسلم ممالک کی عورت کو مغرب کی سڑکوں پر دوڑانے کے لیے چادر اور چار دیواری سے باہر نکالنے کے درپے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انکارِ حدیث اور انکار حجیتِ سنت کی بنا پر تعبیر نو کے حاملین اور علمائے کرام کے مابین، نظامِ حیات کے تصورات میں انتہائی بُعد اور مغایرت پیدا ہوئی۔ تعبیر نو کے حاملین نے قرآن کے نام پر خواتین اسلام کے لیے جو نظامِ حیات پیش کیا، اس کا معاشی نقشہ ہو بہو اور من وعن اشتراکیت سے ماخوذ ہے اور جو نظام معاشرت قرآن میں سے کشید کیا، اس کے جملہ اجزا مغربی معاشرت میں پہلے ہی سے موجود ہیں، مثلاً مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترک حجاب و نقاب، مردوزن کی مطلق اور کامل مساوات، خواتین کی اندورنِ خانہ فرائض کی بجائے بیرون خانہ مردانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا، عورتوں کو خانگی مستقر سے اُکھاڑ کر انہیں مردانہ کارگاہوں میں لاکھڑا کرنا، خانگی زندگی میں اس کے فطری وظائف سے منحرف کر کے قاضی و جج بلکہ سربراہانِ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا وغیرہ۔ یہ سب وہ اجزاے معاشرت ہیں جنہیں اگرچہ متجددین نے قرآن مجید سے کشید کر ڈالنے میں بڑی زحمت اُٹھائی ہے، لیکن تہذیب مغرب کے علمبردار بغیر کسی قرآن کے انہیں پہلے ہی اپنائے ہوئے ہیں۔

دراصل یہی تعبیر نو کے حاملین کی مغرب کے مقابلہ میں انتہائی ذہنی غلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے برعکس جملہ علمائے کرام قرآن وسنت کی بنیاد پر جو نقشۂ زندگی پیش کرتے ہیں، وہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہے۔ رہا معاشرتی نظام، تو اس کے جملہ اجزا قرآن وسنت کی روشنی میں، مغربی معاشرت کے تمام اجزا وعناصر کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں۔

حقوق نسواں کے جدید دانشور مغربی تمدن و ثقافت سے ماخوذ معاشرتی ڈھانچے کو جب اشتراکیت سے اخذ کئے ہوئے معاشی نظام کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں تو اُسے جدید مسلمان عورت کے لیے موزوں قرار دیتے ہیں، اور

علمائے امت کی قرآن وسنت پر مبنی تصویر نسواں کی یہ کہہ کر مخالفت کرتے ہیں، کہ یہ 'عجمی اسلام' ہے۔ رہا 'خالص عربی اسلام' تو اس کے اجزائے معاشرت اقوامِ مغرب ہی میں پائے جاتے ہیں۔

فریقین میں اصل اختلاف دونوں کے نظام ہائے حیات کا تھا، لیکن جدید دانشوروں نے تہذیب جدید سے اخذ کردہ معاشی نظام اور اس کے معاشرتی اجزا کو ملا کر اسے 'قرآنی نظام' قرار دیا اور جملہ علمائے کرام پر الزام عائد کیا کہ وہ 'قرآنی نظام' کے مخالف ہیں اور اس کے ساتھ ہی بہ بانگ دہل یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ علماء کا قرآن و سنت پر مبنی نظامِ زندگی، 'خلافِ قرآن' اور 'عجمی اسلام' ہے اور یوں یہ جدید دانشور اس کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکانے پر کمر بستہ ہو گئے۔ (۴۰)

یہ ہیں وہ تمام الزامات جو دینی طبقہ نے طبقہ نسواں کے تجدد کو دیے ہیں۔ دینی طبقہ ان کو دین کا باغی قرار دیتا ہے اور جدیدیت سے تحفظات رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک تجددانہ فکر پر مبنی عورت کے لیے لائحہ عمل ان کے خاندانوں کی بیخ کنی کر دے گا۔ ان کی معاشرت کو بکھیر دے گا۔ عورت بے باک ہو جائے گی۔ بے راہ رو ہو جائے گی۔ جبکہ ان کے نزدیک اسلامی معاشروں کا روایتی چال چلن امن کا ضامن ہے۔ ان کی عورتوں کا دین ایمان محفوظ ہے۔ عورتوں پر مردوں کو قابو اور کنٹرول حاصل ہے۔ گھر کی چار دیواری میں عورت محفوظ ہے تو مرد مطمئن ہے۔ عورت قرآن پڑھے، دین پڑھے، نیک اور صالح اولاد کو جنم دے تو یہ مطمئن ہیں۔ انہیں شکوہ ہے کہ اس مغربی ذہن نے ان کے معاشرے کے قیمتی اذہان کو اپنا تابع کر لیا ہے اور وہ بھی مغربی اسلوب فکر کی ہمنوائی کرتے نظر آتے ہیں۔ مزید براں مغربی فکر کو قرآن سے ثابت کرنے میں جت گئے ہیں۔ یہ ان کی معاشرت کے خلاف مغرب کی ایک بہت بڑی سازش ہے۔ ہمارے دینی خاندانوں کو اپنی نوجوان نسل کو ان کے اثرات سے بچانا چاہیے اور قرآنی الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ اس فکر نے مولویوں سے ساز باز کر لی ہے۔ اور اسلامی معاشرے کے جاہل مولویوں نے اپنا مشن چھوڑ کر چند ٹکوں کے عوض مغرب برابری شروع کر رکھی ہے۔

مسلمان معاشروں کی مروجہ دینی فکر نے اپنا تحفظ اس طرح کرنا چاہا ہے کہ اس نے پردے کے ضمن میں انتہا پسندانہ رواج کو فروغ دیا ہے۔ ٹی وی کیبل حرام قرار دیے ہیں۔ فیشن اور لباس کی آرائش وزیبائش کو دنیاداری

(۴۰) علماء کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶، ج ۳۸/ش ۳/ص ۱۰۲-۱۰۳

سے تشبیہ دی ہے۔کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کلچر کو جوان ذہن کے لیے مہلک قرار دیا ہے۔بقول شاعر

یوں بچوں کے قتل سے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اپنی عورتوں کو روایات سے باندھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔نئے خیالات اور نئی تبدیلیوں کا انکار کیا ہے۔ان کے نزدیک جو اس راہ کو دیکھے گا وہ اسلام سے منحرف ہو جائے گا۔روایتی لباس سے جنونی لگاؤ رکھا ہے۔بلکہ اسے شرعی شکل وصورت قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک رجعت پسندانہ اور قدامت پسندانہ رویے ہی اسلام ٹھہرے ہیں۔

عہد حاضر کے ایک اہل قلم لکھتے ہیں:

''اگر ہم عالمی پس منظر میں مسلمان معاشروں میں اٹھنے والی تحریک آزادی نسواں اور مذہب کی تشریح نو کا عمیق نظروں سے جائزہ لیں تو یہ حقیقت اپنی پوری سچائی کے ساتھ واضح ہوگی کہ اسلامی تہذیب کا اصل ٹکراؤ مغربی تہذیب کے ساتھ نہیں۔ یہ درحقیقت اسلامی تہذیب کے اندر قدامت پسندی اور جدت پسندی کا ٹکراؤ ہے۔''(۴۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام جدت پسندانہ مذہب ہے کہ قدامت پسندانہ،جدت پسندی کا مطلب اگر اسلام سے انحراف اور اسلامی احکامات کی تضحیک ہے،اسلامی تعلیمات سے دوری ہے تو اسلام اس سے کوسوں دور ہے۔قدامت پسندی کا مطلب اگر رجعت پسندی، تنگ نظری اور تقلید و جمود ہے تو اسلام اس سے بیزار ہے۔

جدت پسندی کا اگر مطلب مغرب کی غلامی،جنسی بے راہ روی،اسلامی نظام سے بغاوت،پردے کا استہزا اور خود کو دینی تعلیم سے بالاتر سمجھنا ہے تو یہ کفر ہے۔قدامت پسندی کا اگر مطلب معاشرے کا بیکار پرزہ بننا،دین میں غلو اور انتہا پسندی کو فروغ دینا،دیگر مسلمانوں کی تکفیر کرنا،سختی اور خشونت کا اسلوب اپنانا،جہالت اور بے بصیرتی سے کام لینا ہے تو اسلام دین اعتدال ہے۔آج کی جدید مسلمان عورت دین کے انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں ہے۔اگر یہ امر پریشان کن ہے تو امید افزا بھی ہے۔یہ ذہن جب بیدار ہوگا تو مسلم امہ کو بیدار کرے گا۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾(۴۲)

---

(۴۱)اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حلیف یا حریف؟ تدوین، افضال ریحان،ص۲۷

(۴۲)سورۃ البقرۃ:۲/۲۵۷

مبحث چہارم: مفاہمت کی بجائے مسابقت/خاندان کا زوال

حقوق نسواں کی تحریک کئی پہلو سے مبنی برحق ہونے کے باوجود عورت کو خاندان سے باغی کر کے خاندانی سانچے کی توڑ پھوڑ کر رہی ہیں اور خاندان بطور معاشرتی ادارے کے تخریب کاری اور بحران کا شکار ہے۔ان کے ہاں خاندانی اجتماعیت خطرے کی زد میں ہے۔ بزرگوں کا احترام، اولاد کی خدمت، شوہر کی اطاعت، گھر اور خاندان سے وفا، جدید عورت سے دور ہو جانے والی صفات ہیں اور ان کا محرک یہ روایات سے باغی تحریکیں اور حقوق نسواں کے عنوان سے شائع ہونے والا لٹریچر ہے جس نے عورت کو اس کے فرائض سے غافل کر دیا ہے۔اور عورت نے حقوق کے نام پر اپنے فرائض سے بیزاری اختیار کی ہے۔

اسلامی ممالک کی ذہنی فکر جدید تحریک نسواں کی افکار پر انتہائی تنقید کرتی ہے اور انہیں خاندانی اجتماعیت کو توڑنے کی سزاوار ٹھہراتی ہے۔ان کے نزدیک عورت کا اصل فریضہ خاندان کی حفاظت ہے نہ کہ معاشی امور میں دخل اندازی۔ ان کے نزدیک:

> ''گھریلو ذمہ داریاں ادا نہ کرنے پر قیامت کے دن عورت کی باقاعدہ بازپرس ہوگی جبکہ ملازمت نہ کرنے پر بازپرس نہیں۔گھریلو کام کرنا عورتوں پر فرض ہے۔ان کو ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔''(۴۳)

جدید تحریک نسواں کو یہ الزام جلال الدین انصر(۴۴) نے ''عورت اسلامی معاشرہ میں' حافظ صلاح الدین یوسف(۴۵) نے ''عورتوں کے امتیازی مسائل وقوانین'' میں' مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں' فریدہ وحیدی آفندی نے اپنی کتاب ''مسلمان عورت'' میں اور دیگر اسلام اور عورت کے موضوع پر لکھنے والے حضرات نے بہت کثرت سے دیا ہے۔عورت کے مسائل سے وابستہ اردو ادب میں اس الزام کی بھرمار ہے۔انگریزی ادب میں بھی Modren Feminist theory کے خلاف لکھنے والوں نے اس جدید فکر کو خاندان مخالف شمار کیا

---

(۴۳) جدید تحریک نسواں اور اسلام از علوی، ثریا بتول، ص/۱۰۷

(۴۴) جلال الدین انصر: اسلامی معاشرہ میں آپ کی کتب کو مذہبی رائے کا احترام حاصل ہے۔

(۴۵) حافظ صلاح الدین یوسف: اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں متعدد کتب کے مصنف، دینی رسائل و جرائد میں اکثر تحقیقی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔قومی وملی اخبارات میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔آج کل مکتبہ دارالسلام لاہور سے وابستہ ہیں۔

ہے۔طبقہ نسواں کے ناقدین نے آزادی نسواں کے افکار کو خاندان کش تصورات قرار دیا ہے اور

"The abolitionists, the family and Marriage under the attack"

''تباہ کن عناصر،شادی اور خاندان خطرے کی زد میں۔'' جیسے عنوانات کے تحت آزادی نسواں کے افکار پر تنقید کی ہے۔جب اس الزام کو طبقہ نسواں کی طرف پھیرتے ہیں تو اس طبقہ نسواں کا یہ کہنا ہے کہ ''مسلمان معاشروں میں خاندان صنفی امتیازات کا گڑھ ہے۔مرد گھر کے کاموں کو اپنے لیے عار محسوس کرتے ہیں۔''(۴٦)

ان کا یہ کہنا ہے کہ ''تحریک حقوق نسواں کی بدولت خاندان کمزور نہیں ہو رہے بلکہ گھر کے اندر عدم مساوات بے انصافی اور طاقت کی جنگ خاندان کی کمزوری کی وجہ ہے۔ایک گھر تمام افراد کے لیے خوشیوں کا گہوارہ ہونا چاہیے۔اور ہمیں گھریلو فضا کا منصفانہ جائزہ لینا چاہیے اور جہاں تبدیلی کی ضرورت ہو تبدیلی لانی چاہیے۔''(۴۷)

پاکستان سپریم کورٹ کی ایڈووکیٹ راشدہ پٹیل عورتوں کے تحفظ اور ترقی کے لیے انتہائی سرگرم رکن ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی آدھی خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔اور ان کے گھر ان کے لیے پناہ گاہ نہیں ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ صرف غریب خواتین ہی نہیں گھروں کا معاش گھسیٹنے والی اور بہت سی مالدار خواتین بھی حتیٰ کہ لیڈی ڈاکٹر جیسے مقدس پیشہ سے وابستہ خواتین بھی گھروں میں مار کھاتی ہیں اور ان کے شوہر انہیں تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور عورتوں کو مارنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔معاشرے کے افراد اسے میاں بیوی کا داخلی معاملہ قرار دے کر مداخلت نہیں کرتے۔عورتیں طلاق کے ڈر سے اور اولاد کی محبت کی بدولت عدالت کے دروازے نہیں کھٹکھٹاتی اور شوہر کے علاوہ وہ کوئی ٹھکانہ نہیں پاتیں جہاں وہ اس تشدد سے بچ کر باعزت جی سکیں لہذا ان کی مجبوری کا فائدہ ان کے شوہر اٹھاتے ہیں۔(۴۸)

طبقہ حقوق نسواں پر مبنی لٹریچر کثرت سے ان اعداد و شمار کو پیش کرتا ہے جن میں خاندان کے افراد نے عورتوں کی زندگیاں برباد کر دی ہیں۔تحفظ کے نام پر عورتوں کو قید کر دیا ہے۔عصمت وعفت اور حیا کے نام پر عورتوں کے جنسی اور عائلی حقوق سے منہ موڑا ہے۔پردے کے نام پر عورتوں پر تعلیم وتفریح کے دروازے بند کیے ہیں۔اور ولایت کے نام

(۴٦) مردوں کے ساتھ کام کرنے کے تجربات از کملا بھسین، ترجمہ سمیعہ سجاد، مبارزہ (نیوز لیٹر) جنوری ۲۰۰۵ء، ش ۱۲، ص ۱۱/

(۴۷) ایضاً

(۴۸)"Home is not Safe" by Rashida Patel-(endpiece) The News, (Daily) Pakistan, 07-03-05

پر عورت پر جبر کا ڈنڈا رکھا ہے۔غیرت کے نام پر عورت کو کثرت سے قتل کیا گیا ہے۔گھریلو تشدد اور مار پیٹ اور بے عزتی کرنا خاندانوں میں روز کا معمول ہے۔

حوالے کے لیے ملاحظہ ہوں عورت فاؤنڈیشن کی طرف سے چھپنے والے مختلف دستاویزات۔(۴۹)

خاندان عورت کے لیے ہے اور عورت خاندان کے لیے۔خاندان عورت کو تحفظ دیتا ہے اور عورت خاندان کو ترقی دیتی ہے۔خاندان کو مضبوط کرتی ہے۔اور وہی خاندان مستحکم اور مضبوط ہوتے ہیں جہاں عورتیں ان کے استحکام میں کردار ادا کرتی ہیں،لیکن اگر گھر عورت کی جیل بن جائے۔گھر کے افراد عورت کے دشمن بن جائیں۔گھر کی چھت گھر والوں کو تحفظ دینے کی بجائے گھر والوں پر گر جائے تو جان بچانے کے لیے اس گھر سے بھاگنا پڑتا ہے اور کسی اور چھت کے نیچے پناہ لینی پڑتی ہے۔

مسلمان معاشروں کا یہ المیہ ہے کہ انہوں نے اپنے زوال کے دور میں عورت کے لیے گھر کو پناہ گاہ بنانے کی بجائے گھر کو عورت کا دشمن بنا دیا ہے۔عورت گھر کے خلاف عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹاتی پھرتی ہے اور دارالامانوں میں پناہ لیتی ہے۔ایسے میں اس پر فی الفور بدکاری کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔اس ضمن میں کوئی مؤثر قانون سازی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

یہ اس صورت حال کا ردعمل ہی ہے جس نے عورت کو مرد سے لڑا دیا ہے۔اس نے مرد کو ایک ظالم اور جابر کے انداز میں پیش کیا جو اپنے گھر والوں کا دشمن ہے۔اس لیے طبقہ نسواں،عورت کو مرد سے لڑ جانے کا درس دیتا ہے اور عورت میں اسی لیے وہ اہلیتیں چاہتا ہے جس سے وہ مرد کے ساتھ مسابقت کر سکے۔

یہ طبقہ مرد کے اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے انتہائی جارحانہ ہوجاتا ہے اور مرد کی فضیلت کے نام سے چڑ جاتا ہے۔انہوں نے مرد کو عورت کا حریف تسلیم کر لیا ہے حالانکہ ایسا رویہ حلیف کو بھی حریف بنا دیتا ہے۔جبکہ اسلام مرد وزن کے درمیان محبت کا فروغ چاہتا ہے اور زوجیت کے رشتے کو مودت اور رحمت کا رشتہ قرار دیتا ہے۔(۵۰)

(۴۹) i ''گھریلو تشدد'' ii عورت کے نام پر قتل کے خلاف'' عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن

iii ''منصفانہ قانون،عورت کی ترقی'' عورت فاؤنڈیشن،عورت پبلیکیشنز اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن،جی/۶،اسلام آباد

iv ''معاشرتی تحفظ،ترقی میں شرکت'' عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن،جی/۶،اسلام آباد

(۵۰) وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۞ سورۃ الروم:۲۱/۳۰

سکون اور آشتی کا رشتہ بتاتا ہے۔

مسابقت کی روح دونوں کو ایک دوسرے سے بدگمان کرتی ہے اور ایک دوسرے سے لڑاتی ہے۔ اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک دوسرے کا نقصان چاہتی ہے۔ دینی فکر کے نزدیک طبقہ نسواں گھروں میں دراڑیں ڈالتا ہے۔ عورت کو گھر والوں کے خلاف لڑاتا ہے۔ عشق اور یاریوں کے موقع فراہم کرتا ہے۔ عشق بازی کو تحفظ دیتا ہے۔ عاشقوں کے ساتھ بھاگنے والیوں کے مقدمے خود لڑتا ہے۔ لڑکی اور والدین کے درمیان تنازع میں ہمیشہ لڑکی کا ساتھ دیں گے۔ شوہر اور بیوی کے تنازع میں ہمیشہ بیوی کا ساتھ دیں گے۔ ہر صورت خاندانی اجتماعیت کے خلاف لڑکی کی ہی مدد کریں گے اور عشق و عاشقی، جنسی بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کو عورت کا بنیادی حق قرار دیں گے۔ یہ سیاست میں عورت کی شمولیت اس لیے چاہتے ہیں کہ یہ عورتوں کے حق میں مردانہ فیصلہ سازی سے مخاصمت رکھتے ہیں۔ یہ عورت کی تعلیم اور معاشی اہلیت کو مرد کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہ مرد کے خلاف اس قدر تعصب کا شکار ہیں کہ مفسرین کے کلام الٰہی سے اللہ کی مراد کا تعین کرنے کی کوشش کرنا ان کے نزدیک مردانہ رجحانات ہیں اور عورت دشمنی پر مبنی ہیں۔ یہ مرد کی قوت کے مراکز پر قبضہ کرنے کے لیے بنی ہے۔ یہ عورت کو مرد کی قوت سے لڑانا چاہتے ہیں۔ تحریک آزادی نسواں کی بنیاد نفرت اور انتقام پر اٹھتی ہے۔ یہ تحریک اسلامی نظام معاشرت سے خار کھاتی ہے۔ یہ مردوں سے خار کھاتی ہے اور مولویوں سے حد درجہ متنفر ہے۔ عورت کو ہر صورت انہوں نے معصوم ثابت کرنا ہے، زنا کو لازماً زنا بالجبر بتانا ہے۔ عشق و بے راہ روی کو معصومانہ کھیل بتانا ہے۔

ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں عار نہیں کہ ہمارے معاشروں میں عورت ظلم و ستم کا شکار ہے۔ لیکن آج کے مسلمان معاشرے جس بدنظمی، بدانتشاری اور لاقانونیت کے دور سے گزر رہے ہیں وہاں مرد بھی محفوظ نہیں تو عورت کیا محفوظ ہوگی۔ مفلوک الحالی ہر مسلم معاشرے کی نمایاں صفت بنتی جا رہی ہے۔ جہالت اور قوانین سے ناواقفیت عام ہوتی جا رہی ہے۔

ایسے میں اسلام مخالف ذہن نے اپنا کاری وار کیا ہے اور مسلمان عورت کو اسلام سے باغی کیا ہے اور علماء کو معاشرے کے اس انجام تک پہنچانے کا سزاوار ٹھہرایا ہے اور ایسا کر کے جدید عورت کو اسلامی تعلیمات سے بیزار کیا ہے۔ اسلام نے مسلمان مردوں کو کہیں بھی عورتوں کے خلاف راہ نہیں دکھائی۔ بلکہ عورتوں کے ساتھ نرمی اور پیار کی

وصیت کی ہے اور اس پر بہت سی قرآنی آیات اور ارشادات نبوی شاہد ہیں۔مرد گھر کی چھت ہے۔عورت کی پناہ گاہ ہے۔مرد مضبوط ہو تو چھت مضبوط ہوتی ہے۔مرد کمزور ہو تو عورت غیر محفوظ ہوتی ہے۔اور مرد کی کمزوری زیادہ بڑھ جائے تو چھت مکینوں پر گر جاتی ہے۔مکینوں کو چھت کے خلاف اپنا تحفظ کرنا پڑتا ہے۔

چھت کی مضبوطی کے لیے جہاں مردوں کی اصلاح ضروری ہے وہاں عورتوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔جس نے چھت کو مضبوط کرنے میں حصہ لینا ہے نہ کہ صرف چھت سے فائدے لینے میں اور چھت کو کمزوری کا الزام دینے میں۔تنقید کرنا اور برا بھلا کہنا آسان ہوتا ہے اور اصلاح کرنا حقیقت میں تعمیری کام ہوتا ہے۔مرد اور عورت دونوں کی تعلیم ،معاشرت کے لیے انتہائی ضروری ہے اور دونوں ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے کو کمزور کرتے ہیں۔﴿اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾(۵۱)

جب اعتماد کا رشتہ قائم رہتا ہے تو کوئی بھی خاندان کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔جب اعتماد کا رشتہ ٹوٹتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کے خلاف مددگار ڈھونڈتے ہیں اور تعمیر کی بجائے تخریب شروع ہوتی ہے۔

مبحث پنجم: تعبیر نو کے حاملین کی تقلید نو

تعبیر نو کے حاملین، ان کے اپنے قول کے مطابق مسلمان عورت کو تقلید سے آزاد کروانا چاہتے ہیں۔درحقیقت یہ اس کی گردن سے اسلام کی تقلید نکال کر مغربی آقاؤں کی تقلید کی زنجیر ڈالنا چاہتے ہیں ۔ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت اپنے مذہب سے بیزار ہو جائے، اس کو اپنا قانون اپنی شریعت اپنا طرز زندگی سب فرسودہ نظر آنے لگے۔اسی لیے انہوں نے عائلی قوانین ، حدود آرڈیننس ،قانونِ شہادت ، قانون قصاص و دیت میں اصلاح کی آواز بلند کی تاکہ مسلمانوں کو قدم قدم پر اپنے مذہب کے ناقص ہونے کا احساس ہو اور وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اسلام اس معرکے میں ناکام ہو چکا ہے۔ یہ مسلمان عورت کو ایسے مسائل میں الجھانا چاہتے ہیں جس سے اس کا عملی زندگی میں کوئی تعلق نہ ہو،لیکن وہ قوائے ذہن کو مضمحل کرنے میں کارگر ثابت ہو۔

مفکر اسلام علامہ محمد اقبال اسلامی ممالک میں جدت کے علمبرداروں سے بدگمان نظر آتے ہیں اور یہ اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ تجدید کی دعوت کہیں تقلید فرنگ کا بہانہ اور پردہ نہ ہو، کہتے ہیں:

---

(۵۱)سورۃ التوبہ:۹/۷۱

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ!(۵۲)

مولانا مودودی تحریک آزادی نسواں کی تعبیر نو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس روش پر یورپ کی عورت چل رہی ہے اور نظام معاشرت میں اِن طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اس وقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں''۔(۵۳)

حقوق نسواں کی تعبیر نو میں مغرب کی نقالی کرنے والوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن ندوی اپنی کتاب مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں راقم طراز ہیں:

'' مغربی زندگی کے تجربوں کو ایک مشرقی اسلامی ملک میں دہرانے کی یہ مخلصانہ اور بااصرار کوششیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ان ممالک میں حقوق نسواں کے داعی باوجود اپنی وسیع عصری تعلیم وثقافت اور بڑی بڑی ذمہ داریوں پر فائز ہونے کے ابھی دماغی لحاظ سے عہد طفولیت اور نقل وتقلید اور اپنے مغربی اساتذہ کی نیازمندانہ شاگردی کے دور میں ہیں۔ وہ آزاد طریقے پر سوچنے، جدت فکر، تخلیقی صلاحیتوں، ٹھوس سنجیدہ کام سے محروم ہیں وہ نہ صرف اپنی قوم کے مزاج سے ناواقف اور اس کی طاقتوں اور صلاحیتوں سے بے خبر ہیں بلکہ مغربی فکر کی تبدیلی وترقی کا ساتھ دینے سے بھی قاصر ہیں۔''(۵۴)

علامہ اقبال نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی(۵۵)

حقوق نسواں کے حاملین چاہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کے ایسے گوشوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر زیر بحث لایا جائے جو مسلمانوں میں اتحاد ملی کے جذبات کونشوونما پانے سے روک دیں۔ اس مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے کتنی ہی عداوتوں کو جو وقت کے ساتھ بے جان ہو چکی تھیں نئی زندگی بخش دی ہے۔ اس لیے علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ لوگ تمام ان فکری خصوصیات کے حامل ہیں جو ماضی میں تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے درمیان مغربی فرقے میں

(۵۲) کلید کلیات اقبال، ضرب کلیم، اقبال، علامہ، مرتب، احمد رضا، ادارہ اہل قلم، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۵ء، ص/۱۷۹

(۵۳) پردہ از مودودی، ص/۴۴

(۵۴) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش از ندوی، ابوالحسن ص/۲۳۰

(۵۵) کلیات اقبال، بانگ درا، اقبال، علامہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، طبع ہشتم، ۲۰۰۷ء، مرتب، احمد رضا ص/۲۶۱

موجود ہیں۔

تعبیر نو کے حاملین کہتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ جس قوم پر صدیوں سے سوچنا حرام ہو چکا ہو اور تقلید کُہن زندگی کی محدود روش قرار پا چکی ہو، ان میں فکری صلاحیتیں بہت کم رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس مقصد کے لیے بھی مغرب کے محققین کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔“(۵۶)

مسلم معاشروں کی مغرب پروردہ فکر کے نزدیک آج زندگی کے مسائل میں جس زاویہ نگاہ سے غور وفکر کیا جاتا ہے وہ بیکار اور فرسودہ ہو چکا ہے۔ یہ زاویہ نگاہ دور حاضر کے لیے پیچیدہ بھی ہے مہمل بھی۔(۵۷)

آج کا جدید ذہن مغرب سے اس قدر مرعوب ہے کہ دفاع کا خیال بھی اس کے ذہن سے نکل چکا ہے۔ اسے مغرب سے آنے والا ہر ذائقہ، غذائیت سے بھرپور اور زود ہضم محسوس ہوتا ہے۔ اس میں جدت اور تراوت محسوس ہوتی ہے۔ اسلامی منبع سے آنیوالا ہر ذائقہ، بے ذائقہ اور کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ اس کی افادیت پر بھی دل نہیں جمتا۔ اس کے نزدیک یہ دوائی اپنی مدت افادیت پوری کر چکی ہے۔

اس صورتحال میں اصل قصور مسلمانوں کا ہی ہے، جن کی فکر تخلیق نا آشنا ہے۔ فکر کی فرسودگی نے تقلید بھی بے معنی کر دی ہے۔ دینی معاشروں میں اگر تخلیقی سرگرمیاں رک جائیں یا ماند پڑ جائیں تو عقائد کا خون جمنے لگتا ہے جس سے معاشرہ جامد ہو جاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے۔

اسلام سے نصیحت حاصل کرنا ایک مسلسل ذہنی عمل ہے۔ جس کے تحت دینی احکامات کی رفتار کو وقت اور زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے مسلمانوں کا ذہنی کاوش اور عقل سے کام نہ لینا بہت بڑی کاہلی ہے۔(۵۸)

ان کی کاہلی پر مستزاد ان کی اولادوں کی کاہلی ان سے بڑھ کر ہے۔ وہ اس فکر سے ہی آزاد رہنا چاہتے ہیں کہ انہیں اسلام سے سبق حاصل کرنا ہے۔ مغرب ان کی تربیت کے لیے کافی وشافی ہے اور وہ اس پر مطمئن ہیں۔

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَومَ القِيَامَةِ اَعمٰى﴾(۵۹)

---

(۵۶) سلیم کے نام خطوط، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔B، گلبرگ، لاہور، طبع: ۱۲۹ کتوبر ۱۹۵۵ء، ج ۳/ص/ ۱۵۱

(۵۷) علم کلام کی تعریف اور اہمیت وافادیت از محمد انور صادق، المعارف، (ماہنامہ) اپریل/جون ۱۹۹۴ء، ج/۲۷، ش/۴۔۶ ص/ ۹۱

(۵۸) ایضاً ص/ ۹۲

(۵۹) سورۃ طہٰ: ۱۲۴/۲۰

مبحث ششم: اسلامی تہذیب رو بہ ادغام

حقوق نسواں سے وابستہ سیکولر اذہان خاصے خوش فہم ہیں اور اپنی دانست میں دو انتہاؤں کو ملانے والے ہیں جن کی کوششوں سے مشرق مغرب ایک ہو جائے گا۔ اور یہ راہ اعتدال کے راہی ہونگے اور مشرق اور مغرب کے افکار کی خوبیوں سے لیس ہوں گے۔ اور اسلامی معاشرے کی جدید عورت کو دین کی تعبیر نو سے وہ مشروب تیار کر کے دیں گے، جس کی بدولت اس کی رعنائی و جوانی لوٹ آئے گی اور وہ اپنے گھر کی ملکہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر مرد کے دل کی رانی ہوگی۔ کیا یہی رویہ عہد نبوی کے منافقین کا نہیں تھا، جو اسلام سے وابستہ فائدہ بھی نہیں کھونا چاہتے تھے اور کفر کے فائدوں سے محرومی بھی انہیں گوارا نہ تھی۔ اور جو مسلمان کو بیوقوف سمجھتے تھے اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے تھے بے شک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾(٦٠)

﴿مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ﴾(٦١)

دینی اور لادینی نظریات میں نکھار وقت کی انتہائی ضرورت ہے، عہد جدید کا ایک مفکر کہتا ہے:

''مغربی تہذیب جس کی باگ دوڑ اب امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور مسیحی یورپ اس کا دایاں بازو ہے۔ روس کے زوال کے بعد اس نے اسلام کے خلاف جدید اور ترقی پسندانہ افکار کی جو یلغار کی ہے، اس نے اسلام کو بنیاد پرستی کے نام سے دنیا کے لیے بڑھتا ہوا خطرہ قرار دیا ہے۔''(٦٢)

مسلم معاشروں میں مغربی افکار کو رواج دینے والے جدید تعلیم یافتہ اذہان' اسلام اور اسلام دشمنی میں فرق کرنے میں قاصر ہو گئے۔ یہ مسلمان معاشروں کے مذہبی طبقوں میں پلنے والی سرد جنگ ہے۔ اگر اسے حق و باطل کی جنگ قرار دیا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

مولانا وحید الدین خان جدید اور قدیم مشرقی اور مغربی، اسلامی اور انگریزی دونوں تہذیبوں کے نتائج پر معتدلانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغربی سماج میں اگر بگاڑ ہے تو مسلمانوں کے موجودہ سماج میں بھی بگاڑ ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم غلط کسے کہیں اور

---

(٦٠) سورۃ البقرۃ:٢/١٢ (٦١) سورۃ النساء:٤/١٤٣

(٦٢) تہذیب حاضر از شفیق الاسلام فاروقی، نوائے وقت، (روزنامہ) ١٥ جون ١٩٩٣ء

صحیح کسے جانیں۔ یہ دونوں بگاڑ کے اعتبار سے تو برابر ہیں لیکن بگاڑ کے حل کے اعتبار سے نہیں۔ مسلم سماج کا بگاڑ اسلام سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ جبکہ مغربی سماج کا بگاڑ عین مغربی اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان جو بگاڑ ہے وہ اصول اور عمل کے درمیان فرق ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جبکہ مغربی سماج کا بگاڑ اصول اور حقیقت واقعہ کے درمیان ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ مغربی تہذیب نے معاشرتی زندگی کے بارے میں مذہبی اصولوں کے بالمقابل کچھ دوسرے اصول وضع کئے اور قدیم کے مقابلہ میں جدید اصولوں کی معقولیت کا دعویٰ لیا اس کے بعد اگرچہ انہیں مادی غلبہ تو مل گیا لیکن ان کا معاشرتی بگاڑ، ان کا آزادانہ جنسی انتشار، مذہب مقابل اصولوں کی بنا پر ہے۔ مسلمان تب ہدایت پائیں گے جب اسلام کی طرف آئیں گے۔ مغرب بھی تب ہدایت پائے گا جب اصولوں کے اصل مرجع اسلام کی طرف لوٹے گا۔''(٦٣)

تعبیر نو کی جدید فکر کی خوش فہمی اور خود پرستی کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ ان کی نسوانی نقطہ نگاہ پر مبنی قرآن کی تفسیر سے عیاں ہے(٦٤) کہ یہ مروجہ فکر سے جدا ہوتے ہوئے اور نئی فکر اپناتے ہوئے اپنی تفسیر کے پہلے صفحے پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔﴿هَذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ﴾(٦٥)'' یہ ہماری کتاب ہے جو تمھارے سامنے حق ہی بیان کرے گی۔''

کتابنا یعنی ہماری کتاب سے ان کی مراد ان کی ''فقہ القران'' ہے اور وہ جمع متکلم کی 'نا' کی ضمیر اللہ کی بجائے اپنی جماعت اور طبقہ فکر کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنی وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حقوق نسواں کی تشکیل نو ہی (جو اُن کی فقہ القران کا موضوع ہے) صرف حق ہے اور یہ حق پیش کرنے والی جماعت ان کی جماعت ہے اور کِتَابُنَا سے مراد اللہ کی کتاب قران مجید نہیں بلکہ یہ ان کا اپنا خود ساختہ نقطہ نظر ہے جسے وہ 'کتابنا' کہتے ہیں۔ وہ قرآن مجید اور اپنے نقطہ نگاہ کو ایک قرار دیتے ہیں اپنی مراد کو اللہ کی مراد ثابت کرنے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور اپنے نقطہ نگاہ کو حق بناتے ہیں۔

تعبیر نو کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ جو نقطہ نگاہ ان کے مزعومات کے خلاف ہو، اسے خلاف قرآن قرار دے دیتے ہیں اور اپنے پڑھنے والے سننے والے کو تذبذب کے گرد و غبار میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا کر دیتے ہیں جہاں

---

(٦٣) خاتون اسلام۔ اسلامی شریعت میں عورت کا مقام، اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل از وحید الدین خان، مولانا، ص/٩٦

(٦٤) فقہ القرآن، عثمانی، عمر احمد، ادارہ فکر اسلامی، کراچی، طبع اوّل، ١٩٨٢ء، سرورق

(٦٥) سورۃ الجاثیہ: ٤٥/٢٩

اسے قرآنی اور غیر قرآنی کسی ایک راہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ سوچ بھی سکے کہ جسے قرآنی راستہ کہا جارہا ہے وہ فی الواقع قرآنی راستہ ہے بھی یا نہیں۔ یہ اپنے نقطہ نظر سے اختلاف کرنے والوں کو منکرین قرآن کہتے ہیں۔ (٦٦)

منکرین قرآن کے لفظ سے ایک طرف تو وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ تشکیل نو کے علمبردار کہتے ہیں وہی قرآن کی آواز ہے وہی اللہ کا مقصود ہے۔ دوسری طرف وہ منکرین قرآن کے لفظ سے وہ علمائے کرام مراد لیتے ہیں جو انھیں منکرین حدیث سمجھتے ہیں اور تشکیل نو کے علمبردار اس طرح سے اپنا حساب برابر کر لیتے ہیں۔

حقوق نسواں کے حامل اپنی نئی تشریح پیش کرنے میں انتہائی دلیر ہیں اور محتاط الفاظ کا بھی استعمال نہیں جانتے۔ جب کہ تفسیر قرآن سے بڑھ کر محتاط دائرہ کار اور کوئی نہیں۔ ان کا یہ کہنا

"اب دین ہے تو یہی، اسلام ہے تو اسی کا نام ایمان ہے تو اس پر، اس کے باہر نہ کہیں دین ہے، نہ اسلام، نہ شریعت ہے، نہ منہاج"۔ (٦٧) ان کے غیر محتاط رویے کا مظہر ہے جس کی اسلامی فکر انتہائی ناقد ہے۔ (٦٨)

مقبولیت عامہ کو دلیل بناتے ہوئے نسوانی مکتبہ فکر کی حامل امینہ ودود اپنی مجوزہ تعبیر نو کے بارے میں لکھتی ہیں:

"کہ یہ ایک داخلی اور حق پر مبنی آواز ہے اسی بنا پر اسے مقبولیت عامہ حاصل ہے۔" (٦٩)

شاید وہ اس بات سے آگاہ نہیں کہ میدان علم میں مقبولیت عامہ حق اور باطل کی پہچان میں کوئی معیار نہیں۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حق گو تھوڑے ہوتے ہیں۔

مواصلات کی تیز تر ترقی کی بدولت پوری دنیا سمٹی چلی آتی ہے۔ آج کے جدید دور میں اپنی نوجوان عورت کو مغربی اثرات سے بچانا ممکن نہیں رہا۔ آج اس کے تحفظ کے لیے اسے دیواروں کے پیچھے نہیں کیا جاسکتا۔ جدید مسلمان عورت کو جدید عصری اور دینی تعلیم سے آراستہ کرنا ہی اس کا تحفظ ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جو میدان کارساز میں اس کا مددگار ہوگا۔ دم توڑتی اسلامی تہذیب اپنی بنیادوں کو از سرنو مرتب کر رہی ہے۔ ابھی وقت ہے کہ یہیں پر اسلامی عقائد

---

(٦٦) اختلاف تعبیر قرآن اور منکرین حدیث از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) اگست۔ستمبر ۲۰۰۲ء، ج ۳۴/ش ۸۔۹، ص/ ۱۸۱

(٦٧) کیا تمام مذاہب یکساں ہیں از پرویز، طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۷ء، ج ۴۰/ش ۱۲/ص ۵۵

(٦٨) اختلاف تعبیر قرآن اور منکرین حدیث از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) اگست۔ستمبر ۲۰۰۲ء، ج ۳۴/ش ۸۔۹، ص/ ۱۸۱

(٦٩) wadud @ saturn.Vcu.Edu

اور اسلامی احکامات کا بیج بودیا جائے اور پھراسے پانی دیا جائے۔﴿نَصْرٌ مِنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۷۰)

مبحث ہفتم: علمائے دین کے خلاف جارحیت

تحریک نسواں کی مختلف تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان علمائے دین سے سخت دشمنی ہے جو قرآن کی تاویل وتعبیر میں اسوہ حسنہ اور دیگر ائمہ فقہا سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔تعبیر نو کے حاملین مرد ہوں یا عورتیں علمائے دین کو ہندوؤں یا عیسائیوں کی پیشوائیت کی تمثیل کے برے الفاظ سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ پیشوائیت اور علمائے دین میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔مثلاً پیشوائیت میں علم دین کی اجارہ داری ایک مخصوص طبقہ یا خاندان سے متعلق ہوتی ہے، جب کہ اسلام میں کوئی شخص بھی خواہ مرد ہو یا عورت خواہ جولاہا یا چمار ہی ہو علم حاصل کرکے علماء کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔پیشوائیت میں یہ طبقہ معاشرتی لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہوتا ہے، جب کہ اسلام میں بڑائی کا معیار صرف عالم کی سند ہونا نہیں، علمی استناد اور تقویٰ بھی ہے۔پیشوائیت میں اسی طبقہ کی آراء کو سند سمجھا جاتا ہے، جب کہ اسلام میں کوئی بات بھی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو خواہ نسوانی نقطہ نظر ہو یا مردانہ، کتنے ہی بڑے امام کی ہو، سند نہیں ہوتی، اس پر تنقید کی جاسکتی ہے۔قرآن کی تعبیر نو کرنے والوں کو علماء سے سخت دشمنی ہے۔ان کا ایک قول ملاحظہ فرمائیے:

> ”اگر علماء کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں کافر ہوں اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نا مسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی اُصول واحکام کی نہیں بلکہ بخاری مسلم اور مالک کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ خود غور کرکے کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔“(۷۱)

اسلام کے نام میں کچھ ایسی کشش ہے کہ ملحد اور دہریہ ہونے کے باوجود کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہونا پسند نہیں کرتا۔حقوق نسواں کی تشکیل نو تمام علماء کے فہم شریعت سے ٹکراتی ہے۔اس کے باوجود تشکیل نو کرنے والے تمام اسلامی عقائد ونظریات کو پامال کرنے کے بعد بھی اسلام سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔یہ علمی تضادات کچھ اور ہی

(۷۰)سورۃ الصّف:۱۳/۶۱

(۷۱)بحوالہ آئینہ پرویزیت از کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، ص/۱۲۲

راہنمائی کرتے ہیں:

مغربی ذرائع ابلاغ اور تشکیل نو کے جدید محققین مسلسل اس بات کی جستجو میں ہیں کہ وہ اپنے پیرا میٹر کے مطابق اسلام کو بطور دین کی بجائے ''بنیاد پرستی'' کے طور پر متعارف کروائیں۔ اور بنیاد پرستی سے مراد وہ خانقاہی نظام ہی لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام بطور دین اور مسلم سماج اور ثقافت میں فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ مسلم معاشروں میں موجود صحیح اسلامی فکر اور جہالت پر مبنی غلط تصورات کو گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغرب کا ایک ایسا نکتہ نظر سامنے آتا ہے جو مسلم دینا کے ایک بڑے حصے کو توڑ پھوڑ کا شکار بنا دیتا ہے۔ (۷۲)

اسلام کو منفی معنوں میں لینا ایک فیشن بن گیا ہے اور بیسویں صدی عیسوی میں اس رجحان میں شدت آئی ہے۔ اور جدّت کے پرستار حقوق نسواں کے علمبردار اسلام سے وابستہ افراد سے اپنی نفرت میں زیادہ بے باک ہو گئے ہیں۔

حقوق نسواں کی جماعت اپنے زعم میں اسلام پر لگائے جانے والے الزامات کو دھونا چاہتی ہے (لیکن دھلائی کے لیے اتنا سخت تیزاب استعمال کرتے ہیں کہ کپڑے کی شناخت ہی باقی نہیں رہتی) لیکن اس کام کے لیے وہ عورت کیلئے وہ تمام حقوق ثابت کرنا چاہتی ہے جو UNO کے عالمگیر ایجنڈے نے عورت کو دیے ہیں۔ یہ دانش ورقرآنی احکام کا انکار کرنے کی جرأت نہیں پاتے لیکن قرآن کی جو تصریحات ان کے مزعومات کے خلاف جاتی ہیں اُن کی دوراز کار تاویلات سے نہیں چوکتے۔ احادیث نبوی جن میں زندگی کے تمام پہلو کے لیے جامع ہدایات موجود ہیں اور جن میں عورتوں سے متعلق بہت سے امور و مسائل کی جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہے ان کے تجدیدی کام کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اس لیے ان سے نجات پانے کی آسان سی ترکیب انہوں نے یہ نکالی کہ حدیث کی حجیت اور معتبریت کو ہی مشکوک بنا دیں۔ انکے نزدیک احادیث قطعی الثبوت نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت محض تاریخی سرمایہ کی ہے جس پر کسی دینی حکم کے اثبات کے لیے اعتماد نہیں کیا جا سکتا، ان لوگوں کا رویہ احادیث نبوی کے بارے میں عجیب مخمصے اور تضاد پر مبنی ہے۔ ایک طرف وہ صحیح ترین احادیث کو بھی لائق اعتناء اور قابل استدلال نہیں سمجھتے۔ دوسری طرف اگر کسی حدیث سے انکے مزعومات کی تائید نکل رہی ہو یا کھینچ تان کر نکالی جاسکتی ہو تو خواہ اس میں کتنا ہی ضعف کیوں نہ ہو وہ ان کا مستدل بن جاتی ہے۔ انکے نزدیک حدیث سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہے یقینی نہیں۔

(۷۲) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا، ص/۱۵۴

مبحث ہشتم: حقوق نسواں کی تعبیر نو کے لیے جدید دین (Humanism/Humenity)

حقوق نسواں کی تشکیل نو کے قائلین انسان دوست نہیں انسان پرست ہیں۔ اسی لیے انسانی خواہشات ان کا خدا ہے۔حقوق نسواں کے حاملین کا اسلام کی بجائے مغرب کے پیش کردہ دین Humanism پر اعتقاد ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ 'انسان دوستی' کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسی لیے ان کی زبان پر ایک جملہ بہت عام ہے کہ ''عورت بھی مرد کی طرح ''انسان'' ہے لہٰذا اُسے بھی تمام حقوق اُسی طرح آزادی سے ملنے چاہیں جیسے اسلامی معاشرے میں مرد کو ملتے ہیں''۔ وہ اس اصطلاح کو مذہب اسلامی کے خلاف اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں یا مذہب کی آڑ میں تشریح ایسی کرتے ہیں جو اس مغربی مذہب کے تقاضوں کو پورا کرتی ہو۔ ہیومن ازم کی اصطلاح اپنے مفہوم کے اعتبار سے سیکولرازم کے بہت قریب ہے۔ اس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ کائنات میں خدا یا مافوق الطبیعاتی وجود کی بجائے انسانی عقل عام انسانوں کے لیے بہتر سوچ سکتی ہے۔ ہیومن ازم دراصل خدا پرستی کے مقابل انسان پرستی کا درس دیتا ہے۔ سیکولرازم میں دنیا پرستی اور ہیومن ازم میں انسان پرستی دراصل ایک ہی فلسفہ کے دو رخ ہیں۔ جہاں مذہب کی بات آئی وہاں مُلا کو گالی دی، اور اس میں بھی درحقیقت ان کا اصل مقصود اسلام ہوتا ہے۔ یہ ایک فکری سرطان ہے جو حقوق نسواں کے حاملین کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ اس مرض کے جراثیم جس فرد یا معاشرے میں نفوذ کر جائیں، پھر آہستہ آہستہ بڑھتے رہتے ہیں۔ یہی کچھ آج کل مسلم معاشرے کی خواتین کی رگوں میں داخل inject کیا جا رہا ہے۔ حقوق نسواں کے نام پر جو کچھ پلایا جاتا ہے Humanity کے جام میں پیش کیا جاتا ہے۔[۷۳]

اَقوام متحدہ نے بنیادی انسانی حقوق کا جو منشور شائع کیا ہے اس میں پرستش کی آزادی کو انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے۔ اور خدا کی اطاعت سے مقصود محض پرستش پوجا یا بندگی ہے ہر شخص اپنی اپنی جگہ خدا کی اطاعت کر سکتا ہے۔ کوئی مندر میں، کوئی مسجد میں، کوئی صومعہ میں کوئی کلیسا میں کوئی خانقاہ میں اور کوئی زاویہ میں، مذہب کی رو سے خدا کی اطاعت کا یہی مفہوم ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کو اپنا دین تصور کرنے والے اسی لیے تمام مذاہب کے لیے انتہائی نرم اور مائل بہ کرم ہیں کیونکہ مذہبی اختلاف اٹھانے سے انسانی حقوق کی آزادی متاثر ہوتی ہے۔

---

(۷۳) سیکولرازم کا سرطان از صدیقی، عطاء اللہ، محدث، (ماہنامہ) اگست ۲۰۰۰ء، ج ۳۲/ ش ۸/ ص ۶۶/

یہ سخت ہیں تو صرف اسلامی علماء کے لیے' جبکہ اپنے دوستوں یاروں (غیر مسلموں) میں انتہائی نرم دل ہیں۔(۷۴)

انسانی حقوق کے جواز یا ان کے آغاز کی بحث سے قطع نظر ان کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ انفرادی اور گروہی مفادات اور مطالبات کو پورا کرنے سے متعلق ہیں جن کے ذریعے انسان یا گروہ اقتدار، دولت، خوشی اور زندگی کی زندہ قدروں کو حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ سماجی عمل جاری رہ سکے۔(۷۵)

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے نظریے کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری تھا کہ عام سماجی ضرورت اور حقیقت میں اسے رواج دیا جائے۔ چنانچہ لازم ٹھہرا کہ سماج میں اعتقاد اور اعمال کے حوالے سے بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں اور مذہبی علوم کو انسانی حقوق کے تابع کیا جائے۔(۷۶)

اسلامی ممالک کی دینی فکر مغربی نظریہ حقوق انسانی ونسوانی کی انتہائی ناقد ہے۔

حقوق نسواں کے حامل مفکرین کے نزدیک فلسطین وکشمیر کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے ہاتھ دہشت گردوں کے ہاتھ ہیں لیکن ان پر گولیوں کی بارش کرنے والے انسان دوست ہیں، کیونکہ فائرنگ کرنے والے انسان دشمن عناصر پر فائرنگ کرتے ہیں افغانستان عراق میں پسنے والے انسان دشمن ہیں۔مسلمانوں کو تباہ و برباد کردینے والے انسان دوست ہیں، امریکہ سے دوستی سے قبل شام' دہشت گرد تھا لیکن حق دوستی نبھانے اور عراق پر بمباری میں شرکت کا انعام ملا اور شام دہشت گرد نہ رہا۔(۷۷)

مبحث نہم: احیائے اسلام سے ناامیدی

تحریک حقوق نسواں کا خیال ہے کہ اسلام قصہ پارینہ ہے۔انسانی آرا میں اس کا مرتبہ انتہائی ہیچ نظر آتا ہے۔ اسلام کا کردار، مدت ہوئی ختم ہو چکا ہے۔اس کے پاس عورت کے سوالات کا کوئی ایسا جواب نہیں جس سے وہ اپنے مسائل کا حل پالے اور اپنے لیے سعادت کی فضا پیدا کرلے اور اسلام کے پیش کردہ نمونہ حیات میں وہ انسانیت کو ان اعلیٰ اقدار وفضائل سے ہمکنار کر سکے جو جدید انسانی فکر کے تمام نمونوں سے بڑھ کر ہوں۔

(۷۴) جیسا کہ سورۃ الفتح :۲۹ میں ہے۔دیکھیے :اطاعت رسول اور پرویز از عباسی، منظوراحسن ،محدث،(ماہنامہ)،اگست - ستمبر۲۰۰۲ء، ج۳۴/ش۸/۔۹،ص/۹۱

(۷۵) بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش از محمد الیاس، مرزا،ص/۲۳۶ (۷۶) ایضاً (۷۷) ایضاً،ص/۶۰

حقوق نسواں میں نئی راہوں کے متلاشی اُمت مسلمہ کی عورتوں کو اس بات کا قائل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن وسنت کا زمانہ چلا گیا۔ وہ کبھی واپس نہیں آ سکتا۔ اور اسلامی عقل کی مشعل جو قرآن وسنت کے چراغ سے فروزاں تھی ہمیشہ کے لیے بجھ چکی ہے ۔ اس کے کارنامے محو ہو چکے ہیں۔ اس کی فکری شعاعیں مانند پڑ چکی ہیں۔ اور اس کی تہذیب قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ اُمت اسلام کا عہد اپنی بساط لپیٹ چکا ہے اور یہ ہرگز لوٹ کر نہیں آئے گا تمہیں اپنے حقوق کا تحفظ خود کرنا ہے۔ علماء تمہیں آج سے اٹھا کر ماضی بعید میں پھینک دیں گے۔

جدید انسان کو اگر اسلاف کے مقابلے میں دیکھا جائے تو بلاشبہ وہ تہذیبی ترقی کی بدولت بڑی طاقتوں کا مالک بن چکا ہے لیکن اپنی مادّی طاقت اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کے باوجود اخلاق ونفسیات اور عقائد میں انتہائی کھوکھلا ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں اس کا کھوکلا پن اس قدر بڑھ چکا ہے کہ وہ روحانیت اور اخلاق کے پست ترین گڑھے میں گر چکا ہے۔ گزشتہ ادوار میں یہ پستی صرف فنا شدہ تہذیبوں کے آخری مراحل میں نظر آتی ہے (مثلاً قوم ثمود اور قوم لوط کے آخری ایام) ان مراحل میں عیش وعشرت اسراف وظلم میں تجاوز کا سب سے بڑا سبب ہوتا ہے اور پھر یہ بگاڑ ہی تہذیب کی بربادی کی خبر لاتا ہے۔ (۷۸)

وجہ یہ ہے کہ جدید انسان علوم وفنون میں ترقی کے باوجود بہت سے پہلوؤں میں ابھی طفل مکتب ہے۔ جس قدر نیچر پر اس کی گرفت زیادہ ہوتی جا رہی ہے اس کی اپنی ذات بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی خواہشات کی حکمرانی مستحکم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ جدید انسان نفسیاتی توازن کھو بیٹھا ہے ۔ گو کہ یہ علوم وفنون کا ایک دیو ہے مگر اخلاق و عقائد میں بونا بن چکا ہے۔ علوم وفنون میں تو بے شک درست روش پر چل رہا ہے جس سے اس کی کارکردگی اور قوت ایجاد، فزوں سے فزوں تر ہوتی جا رہی ہے، مگر فلسفہ وفکر میں غلط راستے پر چل پڑا ہے۔ نتیجتاً اطمینان بخش عقیدے سے محروم اور اخلاقی اقدار کے فقدان سے دوچار ہے۔

عصری فکر اور اس کے جلو میں آنے والے سیاسی نظریات اور معاشرتی اور ثقافتی نظام، مغربی اقوام کے تجربوں سے زیادہ خود مجموعی طور پر انسان کے تجربوں سے عبارت ہیں۔ حقوق نسواں کی جدید فکر ان قدیم تہذیبوں کے ندی نالوں کے ملاپ سے وجود میں آتی ہے جو تہذیب کی گزرگاہ پر بہتے رہے ہیں اور جن کو بروئے کار لانے میں

---

(۷۸) جدید نظریات کی شکست وریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر، (مترجم): حامدی، خلیل احمد، ص/ ۵۱۔۵۳

ان (طبقہ نسواں) کی تخلیقی ذہانت کام کرتی رہی۔ البتہ تجربات جس طرح ترقی کرتے ہیں اس طرح تنزل کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ صحیح بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی، بارآور بھی ہوتے ہیں اور بے اثر بھی۔ یہ ہر نسل کی کاوشوں کا خلاصہ اور ہر عہد کی انسانیت کی جدوجہد کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر جھانک کر کسی قوم کا تہذیبی شعور دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ان کے اندر یہ حقیقت بھی صاف عیاں ہوتی ہے کہ کوئی قوم عروج و کمال کی طلب میں کیا بہتر سوچ رکھتی ہے اور اسے اپنی نوعیت و کیفیت اور عمل و کردار کی بنیاد پر کیا ضمانت حاصل ہوئی ہے۔ تہذیبی تجربے کو بہترین نمونے میں ڈھالنے کے لیے اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تجربہ ایسی روشن اور نقاد فکر کا حاجت مند ہوتا ہے جو گمنام گوشوں کو جَلا بخش دے، کجی کو درست کر دے، ناقص کو مکمل کر دے، کہنگی کو جامہ نو پہنائے اور غیر معلوم اشیاء کو بے نقاب کر دے۔ تلاش کمال کا صحیح ترین راستہ یہ ہے کہ نقص و عیب کے گوشے پہنچانے جائیں اسی طرح جواب تک رسائی کا درست ترین منہج غلطیوں کی نشاندہی سے شروع ہوتا ہے۔ جہاں اسلامی فکر حقوق نسواں کے عقائد و اخلاق کے کھوکھلے پن سے آگاہ ہو، وہاں اُمت مسلمہ بھی اپنی مادّی بشری ذہنی صلاحیتیں ابھارے کہ جس سے وہ اپنی پسماندگی کی تلافی کر لے اور سابقہ اقوام کے جن تجربوں اور کارناموں سے وہ محروم رہی ہے انہیں حاصل کر لے۔

علامہ اقبال احیائے اسلام سے ناامیدی کو غلامی کی نفسیات سے متعلق کرتے ہیں ان کے خیال میں ''غلام قومیں مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت نفس اور روح انسانی کا ترفع ہے۔''(۷۹)

غلامی کی نفسیات نے ہی مسلم معاشرہ کو احیائے اسلام سے ناامید کیا ہے۔ وہ آج خودی کے فروغ کی بجائے مغرب کی تقلید میں خود کو محفوظ محسوس کرتا ہے۔ حقوق نسواں کی فکر بعض لحاظ سے صحیح اور بعض لحاظ سے غلط ہے۔ مفید بھی ہے اور مضر بھی، اچھے اثرات بھی اس نے ڈالے ہیں اور بگاڑ بھی پیدا کیا ہے۔ جس طرح یہ دانشمندی کی بات ہے کہ ہم اس کے اچھے اور روشن گوشوں سے استفادہ کریں۔ عورتوں کو معاشرے میں انصاف دلوائیں۔ یہ بھی عین حکمت ہے کہ ہم اس کے ضررساں پہلوؤں پر نظر رکھیں تاکہ ہماری معصوم مسلمان عورتیں اس کے غلط افکار کا شکار نہ ہو

(۷۹) اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، عطاء اللہ، شیخ، ص ۲۲

جائیں۔اس کے فاسد اور مفسد افکار و نظریات کا ادراک کریں اور عورتوں کو اُن سے آگاہ کریں۔

مغربی ذہن کے مادی افکار تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسلام کا نام و نشاں مٹادیں اور نوجوان نسل کو اپنا پجاری بنالیں لیکن ایسا کبھی ہوگا نہیں۔اس کے لیے انھوں نے پہلا حملہ مسلمان عورتوں پر کیا ہے۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَاللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَو كَرِهَ الكَافِرُونَ﴾(۸۰)

مبحث دہم: شعائر اسلام کا استہزاء اور اعدائے اسلام کی معاونت

اسلامی شعائر اور معروضات کی پاسداری مسلمانوں میں اسلام سے محبت اور قلبی وابستگی میں اضافہ کرتی ہے۔اسی لئے اسلام دشمن قوتوں کے مذموم پراپیگنڈا کا یہ مؤثر ہتھیار رہا ہے کہ وہ اسلامی شعائر کی تضحیک وتحقیر کے گھناؤنے فعل کے ذریعے مسلمانوں کے دل میں اسلام کی عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔عورتوں میں پردہ اسلامی شعائر میں سے ایک ہے۔حجابِ نسواں مسلمانوں کا حساس مسئلہ ہے۔جس پر پابندیوں کی بدولت اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو مشتعل کر کے ان میں موجود اسلامیت کو تولتی ہیں۔اسی طرح اسلامی معاشروں میں مساجد کا احترام، مسلمان معاشروں کے اسلامی تہوار، اسلامی رسوم و عادات کی بجاآوری، اسلامی ثقافت اور اسلامی اخلاقی اقدار کا اظہار ہیں۔

''تحریک حقوق نسواں سے وابستہ افراد کا رجحان اسلامی اقدار و روایات سے متعلق کچھ بھی ہو لیکن یہ اسلامی شعائر کی تضحیک میں ہمیشہ مسلمان دشمن قوتوں کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں اور اکثر خواتین اپنی اسلام دشمن پالیسیوں کی بدولت اپنی خدمات کے اعتراف میں امریکی ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔انسانی حقوق اور عورتوں کے حقوق کے نام پر وہ اسلام اور پاکستان کے خلاف منفی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔''(۸۱)

مذہبی فکر اسلامی معاشروں میں NGOs کے بڑھتے ہوئے نیٹ ورک سے پریشان ہے اور اس کا اظہار کرتی رہتی ہے۔

گذشتہ برسوں میں پاکستان میں حقوق نسواں کی علمبردار عاصمہ جہانگیر کی اسلام مخالف اور وطن دشمن سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ شک باقی نہیں رہتا کہ وہ پاکستان میں مغربی یہودی لابی کے تنخواہ دار ایجنٹ کا کردار ادا

(۸۰) سورۃ الصّف: ۶۱/۸

(۸۱) عاصمہ جہانگیر کی طرف سے اسلامی شعائر کی تضحیک، از صدیقی، محمد عطاء اللہ، محدث (ماہنامہ) مئی ۱۹۹۹ء، ج/۳۱، ش/۵، ص/۵۶

کررہی ہیں کبھی یہ محترمہ فرماتی ہیں کہ پاکستان میں عورتوں کو زبردستی پردہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور پاکستانی خواتین کو اپنی مرضی سے شادی نہیں کرنے دی جاتی۔ عورتوں کی ترقی میں فرسودہ سماجی اقدار آڑے آتی ہیں، جس سے حقوق نسواں اور انسانی حقوق کی سخت پامالی ہوتی ہے۔ حقوق نسواں کے لیے کوشاں اذہان پر تنقید کرتے ہوئے اسلامی فکر متاسف ہے اور نظریہ حقوق سے مجسم سوال ہے۔

مسلم ممالک میں سرگرم حقوق نسواں کی NGO's سے ہمارا سوال ہے کہ کیا صرف مسلم ممالک میں انہیں عورتوں کے حقوق کی پامالی نظر آتی ہے جہاں معاشرے میں اسلامی احکام اور نفاذ شریعت کی بحث ہو وہاں ان کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ کیا مقبوضہ کشمیر میں عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جہاں خواتین کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ کیا فلسطین اور کسووو میں عورتوں پر جاری جبر و تشدد سے انسانی حقوق پامال نہیں ہوتے۔ کیا انگلینڈ، فرانس، جرمنی اور امریکہ وغیرہ میں عورتوں پر تشدد کی مثالیں موجود نہیں۔ کیا ہندوؤں کی ستی کی رسم سے عورتوں کے حقوق متاثر نہیں ہوتے۔ کیا عیسائی راہبوں پر شادی کرنے کی پابندی سے راہبوں کے حقوق متاثر نہیں ہوتے۔ کیا یورپ میں مسلمان عورتوں کی زچگی کے دوران مرد ڈاکٹروں کی ٹیم کی وجہ سے کسی مسلمان عورت کے حقوق کی کوئی پامالی نہیں ہوتی؟ ہر مسلمان عورت ڈلیوری ان مرد ڈاکٹروں سے ہی کروانے پر مجبور ہے کیونکہ وہاں کوئی خصوصی زنانہ انتظام نہیں ہے۔ تھائی لینڈ، فلپائن اور پورے یورپ میں جسم فروشی کرنے والی عورتوں کے حقوق کی بات کوئی کیوں نہیں کرتا۔ کیا یورپ میں بڑے بڑے سٹوروں کے شورومز میں پلاسٹک کے مجسموں کی جگہ زندہ لڑکیوں کو برہنہ کھڑا کرنے سے کسی عورت کے حقوق پامال نہیں ہوتے۔ کیا یہ عورت کی توہین نہیں ہے کہ اسے ایک پراڈکٹ کی طرح شورومز میں سجایا جائے۔ یہ سب دیکھ کر بھی حقوق نسواں کی این جی اوز یورپ میں ان کے خلاف آواز کیوں بلند نہیں کرتیں۔ یہ صرف مسلم ممالک میں مسلمان خواتین پر ظلم و تشدد اور ناانصافی کے موضوع پر بننے والی فلمیں یورپ میں دکھا کر مسلم ممالک پر سپر پاورز کی پابندیوں کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ اور عالمی سطح پر اسلام کو بدنام کرنے کے ایجنڈا پر کام کرتی ہیں۔ پاکستان پر لگائی جانے والی پابندیاں ابھی ختم نہیں ہوئیں طبقہ حقوق نسواں اور اس کی حواری NGO's نے مزید پابندیاں لگوانے کے لئے سازشیں شروع کر دیں ہیں۔ (۸۲)

---

(۸۲) این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، علوی، ثریا بتول، تدوین، موسیٰ خان، جلال زئی، فیروز سنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۰ء، ص/۱۰۸

کچھ این جی اوز اسلامی تعلیمات میں ابہام پیدا کر کے بڑی شدومد کے ساتھ سادہ مسلمانوں کو شعائر اسلام سے بدظن کرتی ہیں اور عیسائیت کا پرچار کرتی ہیں۔ ان کا سب سے پہلا اور بنیادی ہدف یہی ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں بالخصوص پاکستان افغانستان اور بنگلہ دیش میں اسلامی تعلیمات و روایات کی نفی کرتے ہوئے مغربی افکار و نظریات کو فروغ دیں اور یوں پورے اسلامی معاشرتی ڈھانچے کو مغربی قالب میں ڈھالنے کی سعی کریں۔ یہ این جی اوز دوقومی نظریے پر قائم ہونے والی اس مملکت خداداد پاکستان کی اسلامی نظریاتی اساس کے خلاف بھی کام کر رہی ہیں۔ اسلامی معاشروں کا مذہبی ذہن حقوق نسواں کے لیے کام کرنے والی NGO's کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرتا ہے۔

''عاصمہ جہانگیر ان ہی این جی اوز کی سرکردہ ہے جس نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کے سامنے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں اسلام کو متنازعہ بنا کر پیش کیا۔ یہ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتی ہیں۔ خاندان سے بغاوت اور کورٹ میرج اور گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کی پشت پناہی، میڈیا کے ذریعے ان کی عزتوں کو سرعام اچھالنا اور لڑکے اور لڑکی کے آزادانہ میل ملاپ کی حوصلہ افزائی اور بوقت ضرورت ان کو قانونی تحفظ فراہم کرنا ان کے منشور کی اہم جزئیات ہیں۔ اکثر و بیشتر پاکستان میں موجود اقلیتوں کے حقوق کے لئے بے چینی کا اظہار کرنا اور قانون تحفظ رسالت کے طے شدہ اور حساس معاملات کو چھیڑنا انہیں این جی اوز کا کارنامہ ہے۔ یہ مسلم معاشرہ میں حقوق نسواں کے دلفریب نعرے کے ساتھ مادر پدر آزاد معاشرے کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ جدید تعلیم و تربیت کی آڑ میں نئی نسل کے اندر اس طرح کا شر اور فساد پیدا کر رہی ہیں کہ وہ اسلام اور والدین سے باغی ہو جو جی میں آئے کرتے پھریں، انہیں روکنا یا ٹوکنا خلاف تہذیب اور ان کے ذاتی حقوق میں مداخلت بیجا متصور ہو۔''(۸۳)

ہمارا مذہبی ذہن ان تنظیموں اور ان جدید عورتوں کو اسلامی افکار کے لیے مہلک قرار دیتا ہے۔

''عاصمہ جہانگیر جو حقوق انسانی کے نام پر اسلامی تعلیمات، اسلامی سماجی اقدار اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے اور پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کی سازش میں سرگرداں ہے۔ اس کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اس نے ایک جوڑے کا نکاح خود پڑھایا ہے۔ نکاح ہمارے نبی کی سنت ہے۔ اور نکاح پڑھانا اسلامی معروضات میں شامل ہے۔ بے حد تعجب کا مقام ہے کہ عاصمہ جہانگیر توہین رسالت کے مرتکب بدبخت افراد کے دفاع کو انسانی حقوق کے ایجنڈے کی ترجیح اوّل سمجھتی ہو۔ اس کی طرف سے کسی مسلمان جوڑے کا نکاح پڑھا۔ نہ صرف مساوات مرد وزن کا اعلامیہ ہی نہیں اسلامی شعائر کے مذاق اڑانے

(۸۳) این جی اوز اور ان کی سرگرمیاں از مسز تنویر ندیم 'حقوق انسانی کی آڑ میں'، ترتیب، محمد متین خالد، ص ۲۶۴-۲۶۵

کی کوشش کا اظہار ہے۔''(۸۴)

مسلم معاشرے میں جب کسی ایسی حرکت کا ارتکاب ہوتا ہے ہمارا میڈیا ایسی خبروں کو اخباروں کی شہ سرخی بنا کر پیش کرتا ہے اور پھر یہ موضوعات پورے معاشرے میں زبان زد عام ہو جاتے ہیں۔ اگر اکثریت ان کی مذمت کرتی ہے تو بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام کی اس ہرزہ سرائی کا مزہ لیتے ہیں۔ بعضوں نے اس کی تائید میں توڑ موڑ کر ایسے بیانات بھی دیئے جو طبقہ نسواں کے ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی پر مبنی تھے۔ اس کا نتیجہ مسلمان معاشرے میں انتشار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اس سے معاشرے کے اہم دینی رسومات پر اسلامی نکتہ نگاہ سے گہری زد پڑتی ہے۔ اس سے اسلامی شعائر کا احترام ممکن نہیں رہتا۔ آج عورت کے نکاح پڑھانے کو درست کہا جائے گا تو کل کلاں کو مرد اور عورت اپنا نکاح خود بھی پڑھ لیا کریں گیا اور اسلامی معاشرے میں اس رسم نکاح کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ اگلی سٹیج پر نکاح کے بغیر ہی میاں بیوی کے طور پر رہنے میں کوئی حرج نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کے بعد کئی لوگوں نے دریدہ ذہنی سے حریت فکر کا ثبوت دیتے ہوئے اسلامی شریعت میں بے بنیاد مداخلت کی بنا ڈالی اور پراپیگنڈا کا رُخ اپنی طرف موڑا۔ عاصمہ جہانگیر کی فکر سے متعلق ایک قانون دان سید افضل حیدر(۸۵) نے روزنامہ 'جنگ' کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے پہلے ہی اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔ آپ کے بقول 'عورت تو کیا اپنا نکاح دولہا دلہن خود بھی پڑھ سکتے ہیں' یونکہ مسلمان اللہ کا نام لے کر خود کو ایک دوسرے پر حلال قرار دے رہے ہیں۔ ان کے بقول پتہ نہیں ہم نے اپنی زندگی میں مولوی کے کردار کو اتنا ضروری کیوں بنا لیا ہے۔''(۸۶)

معلوم نہیں کہ افضل حیدر کے پاس کون سی دلیل ہے اور وہ قرآن وسنت پر مبنی ہے یا نہیں یا اس کے بھی قرآن و سنت پر مبنی ہونے کو پتہ نہیں کیوں مسلمانوں نے اپنے پر لازم کر لیا ہے یا وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ، خلفائے راشدینؓ اور مسلمان علماء وفقہاء کے ذہن میں یہ نکتہ کبھی نہ آ سکا (نعوذ باللہ) کہ اللہ کا نام لے کر

---

(۸۴) عاصمہ جہانگیر کی طرف سے اسلامی شعائر کی تضحیک از صدیقی، محمد عطاء اللہ، محدث، (ماہنامہ) مئی ۱۹۹۹ء، ج ۳۱/ش ۵/ص ۵۶

(۸۵) سید افضل حیدر: مشہور قانون دان، جسٹس اور صحافی، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان ہیں۔ 2008ء میں فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان کے جج بنے۔ 2010ء میں آپ نے نسوانی آواز کی حمایت میں حدود آرڈیننس کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کیا۔

(www.supremecourt.gov.pk/ijc/Articles/...)

(۸۶) جنگ، (روزنامہ) ۹/اپریل ۱۹۹۹ء

ایک لڑکا اور ایک لڑکی خود کو ایک دوسرے پر حلال کر سکتے ہیں، مولوی کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے یہ صاحب نکاح خواں اور والدین کی ضرورت کا بھی قطعاً انکار کر لیتے ہیں۔ اس طرح کے نکاح کے لئے اعلان نکاح اور گواہان کی بھی کوئی ضرورت نہیں، یہی حقوق نسواں کی جدید تشکیل نو ہے جس کی تعبیر پر یہ طبقہ حقوق نسواں انتہائی دلیر ہے۔ اس کے بعد یہ بھی رائے دی جاسکتی ہے کہ نکاح کے موقع پر نکاح کے الفاظ بولنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں چونکہ اللہ دلوں کے حال خوب جانتا ہے تو اللہ کو خطبہ نکاح کے الفاظ بول کر کیا بتلایا جائے۔ سید افضل حیدر، کیا پوری اسلامی تاریخ میں کسی ایک واقعہ کی بھی نشاندہی کر سکیں گے جس میں دلہا اور دلہن نے اپنا نکاح خود پڑھ لیا ہو۔ اگر نہیں تو پھر اسلامی شریعت کو بازیچہ اطفال بنانے کا حق انہیں کس نے دیا ہے۔ کیا وہ اینگلو سیکسن قانون اور فقہ اسلامی میں اصولی طور پر کوئی فرق نہیں سمجھتے۔

۱۹۹۹ء میں عاصمہ جہانگیر کے بارے میں اخبارات میں ایک اور خبر بھی سامنے آئی کہ مردانہ ظلم کا شکار ہونے والی عورت (سمیہ) کا جنازہ پڑھانے کا بھی ان کا ذہن تھا جس میں مرد حضرات کی بہت بڑی تعداد کا ان کی اقتداء میں عین مال روڈ لاہور پر نماز جنازہ ادا کرنے کا بھی پروگرام تھا۔ وہ تو پاکستان کے چند دیدہ و بینا لوگوں نے عین وقت پر اس استہزائے دین پر عوام کے اشتعال انگیز ردعمل سے خوف دلا کر عاصمہ جہانگیر کو اپنے ارادے سے باز رکھا۔ ورنہ اس دن یہ تاریخ ساز واقعہ بھی طبقہ نسواں کی مساوات پسند اسلامی شعائر کی تضحیک کی تاریخ میں ثبت ہو جاتا۔[۸۷]

عاصمہ جہانگیر[۸۸] خود اپنے بارے میں بتاتی ہیں۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ مذہبی حوالے سے آپ پر بہت شروع سے تنقید ہوتی رہی ہے۔ مذہبی علماء کا خیال ہے کہ آپ اسلام کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتیں ہیں تو عاصمہ جہانگیر نے جواب دیا:

---

(۸۷) عاصمہ جہانگیر کی طرف سے اسلامی شعائر کی تضحیک از صدیقی، محمد عطاء اللہ، محدث، (ماہنامہ) مئی ۱۹۹۹ء، ج ۳۱/ ش ۵/، ص ۵۷/

(۸۸) محترمہ عاصمہ جہانگیر پاکستان کی ممتاز قانون دان ہیں اور ہیومن رائٹس اور وومن رائٹس کے حوالے سے عالمی شہرت رکھتی ہیں۔ مسلم ممالک کے مذہبی طبقوں میں عاصمہ جہانگیر کو پسند نہیں کیا جاتا اور مختلف حوالوں سے انہیں متنازعہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان پر نرم گرم اعتراضات بھی کئے جاتے ہیں وہ مذہبی طبقہ سے نفرت کی بنا پر اسلامی شعائر کی تضحیک کا کوئی موقع جانے نہیں دیتیں۔ وہ پاکستان میں ویسٹرن کلچر کی نمائندہ ہیں اور مسلمان معاشرہ کی مختلف حیلے بہانوں سے اخلاقی و خاندانی اقدار سے انحراف کا سبق دینے والی اور قانونی مدد مہیا کرنے والی ہیں۔

''میں ان لوگوں کے خلاف ہوں جو اپنے آپ کو مذہبی کہہ کر اس معاشرے میں شر پھیلاتے ہیں۔ میں ان کو مذہبی نہیں سمجھتی۔ میں ان کو جھوٹے اور غلیظ ذہنیت کے لوگ سمجھتی ہوں۔''(۸۹)

طبقہ حقوق نسواں درحقیقت اسلامی احکام کی تعبیر نو کے نام پر اسلامی شعائر کی تضحیک میں دلیر ہے۔ کیونکہ یہ مذہب کی معلوم تشریح میں آئمہ وفقہا، علماء و دانشوروں کی تنقید و جرح میں انتہائی دلیر ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک استہزائے دین کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ ان کا ہدف دین کے محافظوں کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔ لہٰذا دین کی ہر قسم کی تعبیر کا وہ حق رکھتے ہیں کیونکہ تحیر و پریشان خیالی ویسے ہی ان کا انسانی حق ہے اور ان کے دفاع کی ضمانت انہیں مغرب فراہم کرتا ہے۔

دین کے استہزاء اور اسلام کی ہزیمت کا ایک اور ثبوت ۱۸ مارچ ۲۰۰۵ء کو نیویارک کے ایک چرچ میں ڈاکٹر امینہ ودود نے جمعہ کی نماز کی امامت کر کے دیا۔ امینہ ودود کی جمعہ کی نماز کی امامت نے مسلم ممالک اور دیگر ممالک میں بھی ذرائع ابلاغ میں ایک نئی بحث کا آغاز کر دیا۔(۹۰)

اس سے اگلے جمعے ۲۵ مارچ کو کینیڈا میں بھی (سلیمہ علاؤالدین) نامی ایک عورت نے جمعہ کے ایک ایسے ہی اجتماع کی امامت اور خطابت کی۔ پہلے اجتماع میں ۱۲۰ اور دوسرے میں ۲۰۰ کے لگ بھگ مرد وزن نے شرکت کی۔ پہلے اجتماع میں جمعہ اور اس کی نماز ایک چرچ میں ہوئی۔(۹۱) پینٹ شرٹ پہنے ایک لڑکی (سہیلہ) نے اذان دی۔ اور حقوق نسواں کی علمبردار اسلامی تعلیمات پر نظر ثانی کی داعی امینہ ودود نے امامت اور خطابت کی۔ نماز بھی انگریزی زبان میں پڑھائی گئی۔ جبکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں عورتوں کے علاوہ مرد بھی شامل تھے۔ مردوں اور عورتوں کی مخلوط صف بندی کرائی گئی۔(۹۲)

---

(۸۹) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف، عاصمہ جہانگیر، (انٹرویو)، ترتیب و تدوین، افضال ریحان، ص/۲۷۵

(۹۰) "Feminism Harmful to Muslim Women" by Faisal Sanai, "Pakistan Times" Daily News paper, 04-04-05.

(۹۱) Hall of Synod House at the Cathedral of St. John The Divine, an Episcopal Church on 110th Street New York

(۹۲) http//www.boston.com

گویا نماز کے لئے کھڑی کی جانے والی یہ صفیں عورتوں اور مردوں کو شانہ بشانہ کھڑے کرنے کی حقیقی منظر کشی کررہی تھیں۔ تصاویر کے مطابق خواتین شرم وحیا سے عاری چست لباس پہنے ہوئے تھیں۔ نماز میں خواتین کے لئے سرڈھانپنا فرض ہے لیکن ننگے سر پڑھی جانے والی یہ نماز تو رب کریم کے احکامات کے کھلے استہزا کا منظر پیش کررہی تھی۔ اسلام خواتین کو مردوں کی موجودگی میں حجاب اور چہرہ ڈھانپنے کی تلقین کرتا ہے لیکن اس کی پابندی بھی نہ مقتدیوں نے کی نہ امامہ صاحبہ نے۔ دوران خطبہ ڈاکٹر امینہ ودود نے قرآن کریم کی تفسیر کو اپنے پاؤں میں رکھا۔ گویا بظاہر نماز ایسی عبادت کی ادائیگی اپنی تفصیلات کے اعتبار سے سرتاپا اسلامی احکامات سے انحراف اور ان کے مذاق اڑانے کے لئے مخصوص تھی۔ (۹۳)

اس واقعے کی روح رواں امریکہ میں موجود حقوق نسواں کی تحریکیں قرار دی جاسکتی ہیں اور ان تحریکوں سے وابستہ یہ خواتین مسلمان ہونے کی دعویدار ہیں اور مسلمان عورتوں سے متعلق اسلام کی تشریح سے انتہائی بیزار ہیں۔ اخبارات کی رپورٹ کے مطابق اس واقعے کی روح رواں اسریٰ نعمانی نامی ایک بھارتی نژاد عورت ہے جس کے والدین عرصہ ہوا امریکہ میں اقامت اختیار کرچکے ہیں۔ تصاویر میں بھی اسریٰ نیویارک میں امامت کے اس واقعہ کی ہدایات دیتے ہوئے صاف دکھائی گئی ہیں۔

یہ عورت پانچ سالوں سے اس نوعیت کے کئی واقعات کی قیادت کرچکی ہے۔ ویسٹ ورجینیا میں چند سال قبل وہ ایک مسجد میں اپنی جیسی کئی خواتین لے کر گھس گئیں اور مردوں کے شانہ بشانہ نماز پڑھنے کی کوشش کی۔ انتظامیہ کے روکنے پر اس نے امریکی عدالت سے رجوع کیا اور امریکی عدالت نے اس کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو اجازت نامہ عطا کردیا۔

اسریٰ نعمانی نہ صرف خود کو مسلمان کہلاتی ہے بلکہ اس نسبت کی طرف بھی اشارہ کرتی کہ جن کے پاس مسلمانوں کی قیادت و سیادت رہی ہے وہ ایک ناجائز بچے کی ماں ہونے پر شرمندہ نہیں۔ وہ اپنے عمل کی اصلاح کی بجائے اسلامی نظریات کی اصلاح کے عزم کا اظہار کرتی ہے (۹۴) ان خواتین نے سماجی آداب کے حوالے سے مسلمانوں کو

---

(۹۳) http//www.boston.com

(۹۴) "Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, (Preface) p.9

ایک نئی الجھن میں ڈال رکھا ہے۔[(۹۵)]

خود کو مسلمان ظاہر کرنے والی عورت اسریٰ نعمانی کے اسلامی احکامات کی پیروی کا یہ عالم ہے کہ وہ برملا کہتی ہے کہ ایک عورت کو ایک مرد کے ساتھ گلے ملنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ اجنبی مرد وزن کا ملنا ایسا ہی ہے جیسے اس کا بھائی اسے گلے ملتا ہے۔ اس کے مطابق رسول اکرمؐ اسلامی دنیا کے سب سے پہلے Feminist ہیں۔ وہ لکھتی ہے۔

"The Prophet was indeed the muslim world,s First Feminist"[(۹۶)]

خطبہ جمعہ اور امامت کرانے کے واقعے کے بعد اس نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم اسلام کو اکیسویں صدی کے تقاضوں کے ہم آہنگ کرلیں گے اور خواب کو حقیقت میں بدلیں گے۔

اس کا کہنا ہے کہ ہم امریکہ میں ''جهاد في تجديد الروح الاسلامي'' اسلامی روح کے احیا کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہم اسلام کو بدل نہیں رہے۔ ہم صرف قرآن پر مبنی زاویہ نگاہ رسول اکرم سے منسلک روایات اور مسلمانوں کے اجتہاد کو چیلنج کررہے ہیں۔[(۹۷)]

اسریٰ نعمانی ''عورت اور اسلام'' کے نام سے ایک کتاب کی مصنفہ ہے۔ اس کی دوسری کتاب ''جنس پرستی'' کے بارے میں ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ مرد و عورت بے لباس رہیں تو جنسی تفریق مٹ جاتی ہے اور ہندوستان میں جوگیوں اور سادھوؤں کی تربیت میں وہ اس مفروضہ کی پریکٹس بھی کرتی رہی ہیں۔ بقول اس کے وہ ایک ناجائز بچے کی ماں ہے۔ جس کا نام اس نے اپنے نانا کے نام پر شبلی رکھا ہے۔ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے پھرتی ہے اور فخریہ واعلانیہ اپنے فعل کو بھی اسلام کی آزادی ہی قرار دیتی ہے۔[(۹۸)]

سیاہ فام امریکی نژاد ڈاکٹر امینہ ودود پاکستان میں تو زیادہ متعارف نہیں لیکن اسلام اور خواتین کے بارے میں اپنے منحرف کردار کی بنا پر عالمی میڈیا میں کافی شہرت رکھتی ہے۔ اسلامیات کی پروفیسر ہونے کے ناطے وہ اسلام کی خدمت کی دعویدار ہیں لیکن وہ اسلام کے بارے میں آئے روز نئے تصورات پیش کرتی رہتی ہیں۔ جمعہ کے خطبہ کے

---

(۹۵)http/www.binregory.com/archieves/2003/06/17/dr.amina-wadud

(۹۶)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, (Preface) p.10

(۹۷)"Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.281

(۹۸) ایضاً، ص/۹

آغاز میں انہوں نے کہا:

''اس طرح کے اجتماعات کے ذریعے ہم (خواتین) اسلام میں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کی طرف پیش قدمی کریں گی۔ کیونکہ امامت' اسلامی عبادت کا اہم منصب ہے۔ہم محراب ومنبر کو مردوں کے قبضے سے چھڑا کر اسلام کی خدمت کریں گے۔''(۹۹)

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ طبقہ حقوق نسواں کو اسلام کے دشمنوں کی حمایت حاصل ہے۔ اسے نماز جمعہ کی خطابت کے لئے مسلمانوں نے انہیں مساجد کا رُخ نہیں کرنے دیا۔شرکت کے متمنی مردوزن کی پہلے رجسٹریشن کی گئی۔مساجد میں جگہ نہ ملنے کے باعث نیویارک میں واقع چرچ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جمعہ جیسے اسلامی شعائر کی ہرزہ سرائی اور امامت جیسے نبوی منصب کی توہین پر مبنی اس پروگرام پر امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ تھا۔اس لئے یہ ڈرامہ نیویارک پولیس کے پہرے میں ہوا۔(۱۰۰)

مارچ ۲۰۰۵ کے اخبارات اور میڈیا نے اس واقعہ کو اسلام دشمنی کے حوالے سے ذکر کیا اور اسے اسلام کے خلاف سازش قرار دیا(۱۰۱) اور لکھا کہ:

''اسریٰ نعمانی امریکی شہری اور طلاق یافتہ ہے اور دو بیسٹ سیلر کتابوں کی مصنفہ ہے۔ اسریٰ نعمانی مورگن ٹاؤن اور ورجینیا میں مقیم مسلمانوں کے نزدیک اس لئے ناپسندیدہ ہے کہ ایک تو وہ مسلمان عورتوں کے حقوق کی متشدد حامی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس نے طلاق کے چند سال بعد ایک بیٹے کو بغیر نکاح کے جنم دیا۔ اسریٰ نعمانی نے ڈاکٹر امینہ ودود سے مل کر مسجدوں میں مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔جس سے مقامی مسلمانوں میں بہت شدید رنج اور ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔نماز جمعہ کی امامت کرانے میں اسریٰ نعمانی اور ڈاکٹر امینہ ودود نے مل کر جدوجہد کی ہے۔امریکی قوانین انہیں اس سمت میں آگے بڑھنے میں بھرپور مدد فراہم کررہے ہیں۔انہیں ریاستی طاقت کی آشیر باد حاصل تھی۔اس چرچ کے جہاں یہ نماز ادا کی گئی چاروں طرف امریکی پولیس پہرے دار بن کر کھڑی رہی۔''(۱۰۲)

اس واقعہ سے وہ تکون سامنے آجاتی ہے جو اس سازش کی روح رواں ہے اور وہ ہیں اسریٰ نعمانی، دوسری خود

(۹۹) ایضاً،ص/۲۲۰

(۱۰۰)"Feminism Harmful to Muslim Women" By Faisal Sanai 'Pakistan times' 04-04-05

(۱۰۱) پاکستان،(روزنامہ) زندگی(ہفت روزہ میگزین)،۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء،ص/۳

(۱۰۲) ایضاً

ڈاکٹر امینہ ودود (امامہ اور خطیبہ) اور تیسری امریکی حکومت۔ امینہ ودود کا خود اس واقعے کے بارے میں بیان ملاحظہ فرمائیں جو اس نے جمعے کے خطبے میں دیا۔ اس نے کہا:

''قرآن کے عورت اور مرد کو برابر کے حقوق عنایت فرمائے ہیں لیکن مسلمان مردوں نے اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ کر رکھا ہے اور عورت کو اس کے حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ یہ مرد عورت کو محض جنسی تفریح سمجھتے ہیں۔''(۱۰۳)

امامت کے اس واقعے کا پس منظر صرف مساوات مرد وزن نہیں، اس کا پس منظر خالصتاً سیاسی ہے جو عالمی سطح پر جاری اس بحث سے ملتا ہے جس میں تہذیبی میدانوں میں عورت کے کردار کو بڑھانے کی کوشش کئی سالوں سے جاری ہے۔ جدید تحریک نسواں کے پیش نظر عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالنے اور اسے شمع محفل بنانے پر ہی اکتفا کرنا نہیں بلکہ اسے مردوں پر بھی بالادستی عطا کرنا ہے۔ دوسری طرف اس واقعہ کا پس منظر اسلام کو درپیش عالمی چیلنجز سے بھی ملتا ہے۔ جس میں تہذیبوں کا تصادم جیسے نظریات پیش کئے گئے ہیں اور اسلام کو روشن خیال اور اعتدال پسندی کا سبق دینے کی کوششیں جاری ہیں۔ مسلمانوں کو سیاسی طور پر مغلوب کرنے کے بعد ان کی طرف سے جس ردعمل کا انہیں اندیشہ رہتا ہے، اس میں دینی تحریکوں کا کردار بہت نمایاں ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر مسلمانوں کی دینی اساسات کو طعنہ زنی اور ان کی عبادات کو تمسخر کا نشانہ بنا دیا جائے تو اسلام بطور دین متاثر ہوتا ہے اور بے دینی کو راہ ملتی ہے۔

دنیا اس وقت دین سے وابستہ اور دین سے بیزار یا دوسرے لفظوں میں الہامی احکامات کے پیروکار اور انسان کے وضع کردہ قوانین کے علمبردار دو طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان دونوں طبقوں میں بحث ومباحثہ کے کئی ایک موضوعات ہیں لیکن مذکورہ بالا واقعہ معاشرے میں عورتوں کے کردار اور مرد وزن کی دونوں صنفوں کے مابین مساوات کے تناظر میں پیش آیا۔ اس میں اصل مسئلہ عورتوں کے لئے امامت کا نہیں بلکہ عورت کی مردوں کی امامت اور قیادت کا ہے۔

گویا اس واقعہ کے ذریعے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلام میں صرف مرد ہی عورت کی قیادت کا اہل نہیں بلکہ صنفی مساوات کے ناطے عورتوں کو بھی مردوں کی ہر میدان میں قیادت کا حق حاصل ہے۔

مزید برآں اس طرح کے واقعات میں کئی طرح سے اسلامی احکامات کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ اسے محض عورت کی امامت کا مسئلہ قرار دینا مناسب نہیں۔ جہاں تک عورتوں کے مردوں کے ساتھ صف بندی کا تعلق ہے یا ننگے سر نماز

(۱۰۳)http/www.boston.com/News/Nation/Articles/2005/03/19/woman-leads-mix-gender

پڑھنے کا مسئلہ ہے یا عورتوں کا چست لباس پہننا اور بے حجابی اختیار کرنا یا گرجا گھر میں مجسموں کی موجودگی میں نماز ادا کرنا اور عربی کی بجائے انگریزی زبان میں نماز پڑھنا تو ان امور کے ناجائز ہونے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ باتیں اسلام کی مسلمات سے انحراف ہی ہیں۔ اس کے بعد اس کو ایک جزوی فقہی مسئلہ بنانا یا اس میں مسلمانوں کے داخلی اختلافات کی جستجو کر کے اسے پیش کرنا اسلام کی کون سی خدمت ہے؟

ان باتوں کو عالمی میڈیا پر لانے اور انہیں زیر بحث لانے کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ اسلامی تعلیمات کو بدنام کیا جائے اور اسلامی شعائر جمعہ یا جماعت کا تمسخر اڑایا جائے۔ یہ کوئی فقہی اختلافی مسئلہ نہیں کہ جس میں مسلمانوں کی اختلافی آراء ڈھونڈ کر کوئی گنجائش نکل سکتی ہو، بلکہ اس طرح کے واقعات اپنی مجموعی صورت حال کے لحاظ سے اسلام کا استہزاء اور اسے بدنام کرنے کی کوششیں ہیں۔ایسی کوششوں نے مسلمان معاشروں کی نفسیات کو متاثر کر کے ان کے لیے تنقید کے در کھولے ہیں۔اہل علم لکھتے ہیں:

''یہ نماز اللہ کے ہاں مقبول یا نامقبول بنانے کے لئے پڑھی ہی نہیں گئی بلکہ اس کا مقصد تو حیا اور پردے کے سنہری احکامات کا مذاق اُڑانا تھا اور وہ حاصل ہوگیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امینہ ودود نے امامت اس لئے کرائی کہ وہ ایک نماز کی بجائے ۲۷ نمازوں کے اجر کی طالب ہے؟ (کیونکہ باجماعت نماز کا ثواب انفرادی نماز سے ۲۷ گنا زیادہ ہے) یا اسریٰ نعمانی نے اس امامت کی نماز کے علاوہ بھی کوئی اور نماز بھی کبھی پڑھی ہے۔ یا وہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتی ہیں یا اس امامت کے علاوہ اسلام کی کوئی اور اطاعت بھی کبھی کی ہے یا اس کا کوئی حکم عملاً مانا ہے''؟ (۱۰۴)

اسریٰ نعمانی خود ان واقعات کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مقاصد بیان کرتی ہیں:

درحقیقت اُن کی جدوجہد محراب و منبر کے لئے نہیں۔ نہ وہ امامت کی طلب گار ہیں اور نہ منبر پر بیٹھ کر وعظ کرنا چاہتی ہیں۔ کہتی ہیں:

''میں تو مسجد میں عورت کو اس کے حقوق دلوانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ میری یہ جدوجہد محض سامنے کے دروازے میں داخل ہونے کے لئے نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑے مقاصد کے لئے ہے۔'' (۱۰۵)

اسریٰ نعمانی نے امامت کے واقعہ پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''یہ ایک خوبصورت عمل تھا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس واقعے کے بعد ذاتی طور پر میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ نہایت بلندی

(۱۰۴) انصاف، (روزنامہ) ۱۶ مئی ۲۰۰۵ء

(۱۰۵) "Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.283

پر لے جانے والا وقت تھا۔ مجھے اپنے عقیدے کے بارے میں ایسی ہی جذباتی کیفیت کا ادراک ہوا جیسے میں یہ محسوس کروں کہ میری عمر ۱۰ برس ہے۔ میں نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ اس قدر آزادی بخشنے والا عمل ثابت ہوگا یا اس سے ہماری جدوجہد کا اتنا بھرپور اظہار ہوگا۔ اس تجربے کے بعد اب میں کبھی مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص جگہ پر نہیں جاسکتی۔"(۱۰۶)

اسریٰ نعمانی کا موقف یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اس کی جدوجہد تمام مذاہب کے حوالے سے ایک آفاقی جدوجہد ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے حوصلہ افزائی کا اگر ایک خط کسی مسلمان کی طرف سے ملتا ہے تو دوسرا کسی کیتھولک یہودی کی طرف سے ہوتا ہے۔

آج کل اسریٰ نعمانی مسیحی اور یہودی عورتوں کے ساتھ بین المذاہب مکالمے کے امکانات پر غور کررہی ہیں (۱۰۷)

مسلمان کی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں ہمیشہ سے ایسے لوگ رہے ہیں جو اسلام کی مقدس تعلیمات کے آگے سرتسلیم خم کرنے کی بجائے اسلام دشمنوں کی سازشوں کو خود اسلام سے سند جواز مہیا کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک علم و تحقیق کی معراج ہی یہ ہے کہ دوسروں کے اعتراضات کو جائز ثابت کرنے کے لئے اپنے ہاں سے بھی شاذ و نادر باتیں ڈھونڈ کر ان کی تائید میں پیش کردی جائیں۔

"ذرائع ابلاغ میں اسلام دشمنوں کی یہ پالیسی واضح طور پر آچکی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے دین دار طبقہ کے بالمقابل آزادفکر دانشوروں کی ہر ذریعہ سے مدد کی جائے اور خود سامنے آنے کی بجائے مسلمانوں کے مقابلے میں بظاہر انہی جیسے آزاد خیال مسلمانوں کو لایا جائے۔ یہ بات بھی ان کی پالیسیوں سے واضح ہے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بڑھ چڑھ کر اسلامی نظریات پر شبہات واعتراضات پیش کئے جائیں۔"(۱۰۸)

عالمی میڈیا اس قسم کی بحثوں میں غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس امر سے کیا دلچسپی ہے کہ فقہ اسلامی میں کیا جائز ہے اور کیا حرام ہے؟ ان کی دلچسپی کی واحد وجہ اسلام کی بطور دین ہزیمت کرانا اور لبرل اور سیکولر طبقہ کا دین کے اہم شعارات کا مذاق اڑانا ہے۔ اسی لئے اسلامی فکر اسے فقہی اختلاف کی بجائے اسلام دشمنی کے تناظر میں دیکھتی ہے۔

(۱۰۶) "Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, p.293

(۱۰۷) "Standing Alone in Mecca" by Asra Q Nomani, (Preface)

(۱۰۸) روشن خیالی کے امریکی سرچشمے از صدیقی، محمد عطاء اللہ، محدث، (ماہنامہ) جنوری ۲۰۰۵ء، ج ۳۷، ش ۱، ص ۲۱

فصل سوم

جدید مادّی افکار

مغرب کے اہل دانش نے علم وہنر اور سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں بلاشبہ بڑی ترقی کی مگر روحانیت کی صداقت سے گریز و فرار کی بنا پر ان کے افکار نے تہذیب و معاشرہ کو جس سانچے میں ڈھالا (اور عورت کے لیے نئے کردار کا مطالبہ کیا) اس میں سکون اور سچی خوشی ناپید تھی۔ اس تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے کچھ عرصہ تو اس کمی کا دنیا کو احساس نہ ہونے دیا۔ لیکن آہستہ آہستہ کشمکش و تصادم اور اس کے نتیجے میں مصائب و آلام نے اس تہذیب کی اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔ ذہنی سکون اور قلبی یکسوئی سے محروم ہو کر انسانیت افکار و نظریات کے کارزار میں الجھ گئی۔ علم و سائنس کے مادّی افکار نے جہاں عورت کی نزاکت اور جذباتیت پر ظلم وتعدّی کی یلغار کی اور عورت کو مرد کا غلام بنا دیا وہاں عورت نے بھی مرد سے محبت کی بجائے مقابلہ کی ٹھانی۔ اور اس کے نتیجے میں میدان کارزار میں اتر آئی۔ اس طرح مساوات مرد وزن کا کھیل شروع ہو گیا۔ مساوات مرد وزن کے کھیل میں جب مذہب کی اخلاقی اقدار آڑے آئیں تو عورت اور مذہب میں ٹھن گئی۔ پہلے یہ جنگ سائنس اور مذہب کی جنگ تھی۔ اب سائنس کی ترقی کے نتیجے میں مادیت کی یلغار میں عورتوں کی حق تلفی کی بنا پر عورتوں نے نسوانیت سے جان چھڑانے کے لیے پھر سائنس کے سہارے ڈھونڈے تو یہ عورت اور مذہب کی جنگ بن گئی۔ اس طرح عورت کا مسئلہ سائنس اور مذہبی نقطہ نظر سے حل ہونے کے لیے میدان میں آ گیا۔

مغرب میں سائنس، مذہب کو پچھاڑ چکی ہے لیکن مشرق، مغربی ترقی اور سائنس کی یلغار کے باوجود مذہب سے جنگ نہیں چاہتا۔ اس نے اسلام کی تشکیل نو کی ٹھانی ہے کہ اسلام کی روح سائنسی ، مادی اور مغربی ہو جائے تو اسلام اکیسویں صدی میں کارآمد ہو جائے گا۔ اسلام سے اس افہام وتفہیم میں حقوق نسواں کی فکر نے سائنس کی طاقت کو راہ دیتے ہوئے مشرق میں پلنے والے کمزور مذہبی اسلام کو تبدیل کرنے کی ٹھانی ہے۔ اور غریب مسلم معاشروں میں جنم لینے والے کمزور ایمان کے حاملین نے مسلمان معاشروں میں اس کی راہ ہموار کی ہے۔

درحقیقت مذہب سائنس کا رد نہیں کرتا بلکہ سائنس کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح مذہب عورت کے حقوق کو رد نہیں کرتا بلکہ عورت کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ مغرب کی عالمی سیاست نے مسلمانوں کی ذہنی، ایمانی اور مادّی پسماندگی کی بنا پر حقوق نسواں کو سائنس اور مذہب کے دشمن کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور مسلمان عورتوں نے ترقی اور

خوشحالی کے حصول کے لیے مذہب سے کنارہ کشی کی ٹھانی ہے یا مذہب کی تشکیل نو کر کے اکیسویں صدی میں اپنی ترقی کی ضمانت چاہی ہے۔

مبحث اول: تعبیر نو اور مادیت پرستی

کسی بھی سماجی نظام میں اصل اساس نظام اقدار کو حاصل ہوتی ہے، اور یہی اقدارِ حیات، اخلاق و کردار پیدا کرتی ہیں۔ مگر مغربی فکر میں اقدار حیات ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور انسان کی زندگی کا اصل مقصد مادی منفعت ہے۔ چنانچہ مغرب نے عورت کی حیثیت کا مسئلہ جس تناظر میں اٹھایا ہے اُس میں بھی مادیت پرستی، مادر پدر آزادی عیش کوشی، لذت پرستی اور بے مقصدیت کا عنصر غالب ہے۔ (۱)

''مغربی فکر کارل مارکس اور اینگلز کے نظریات سے متاثر ہے جس کے مطابق نظریات یا آورش یا معتقدات Creeds اقتصادی حالات سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر نظریات اور اعتقادات کا ظہور انسانی عمل کی شکل میں ہوتا ہے۔''(۲)

اقدار حیات کا یہ فرق معاشروں کے رخ متعین کرتا ہے۔ اگر ایک معاشرہ مشرق کو جاتا ہے تو دوسرا مغرب کو۔ ایک انسان کے انتہائی عروج و کمال کو جاتا ہے تو دوسرا انتہائی زوال اور انحطاط کو۔ طبقہ حقوق نسواں مغرب سے نظریاتی قربت کی بناء پر ان نظریات سے انتہائی متاثر ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کی انسانی اور حق پر مبنی فطرت اس اقتصادی قانون کے خلاف مزاحمت کرتی ہے لیکن پھر بھی وہ معاشرتی جبر کے تحت اقتصادیات سے عورت کو تحفظ دینے کی راہ ڈھونڈتے ہیں کیونکہ ''کیا ہوتا ہے'' نے ''کیا ہونا چاہیے'' کو جدید دور میں مات دے دی ہے۔

مادیت پرستی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے جذبوں سے گُندھی عورت بے مقصد اور بے فائدہ بن جاتی ہے۔ عورت کا جذباتی ہونا جہاں انسانیت کے لیے بہت پیاری میٹھی گود پیدا کرتا ہے وہاں عورت کو کمزور کرتا ہے۔ مادّہ پرستانہ معاشرے میں جب مرد کمزور کو تحفظ دینے کی بجائے کمزور کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کا استحصال کرتے ہیں۔ اور اس کے وجود کو بے مقصد اور غیر فائدہ مند ثابت کرتے ہیں تو عورت کو یہ قربانی کی راہ نادانی کی راہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ عورت اپنے جذبات سے خود جی چُرانے لگتی ہے۔

---

(۱) اسلامی اور مغربی تہذیب و افکار، تاریخی تناظر میں از محمد سجاد، ص/ ۲۵۷

(۲) قرآن اور علم جدید از رفیع الدین، محمد، ص/ ۵۱۱

اور دل کی بجائے عقل کے راستے ڈھونڈنے کے چکر میں مردوں کی نقل میں مردوں کے دائرہ کار میں مداخلت پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مادّہ پرستانہ معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہوتی ہے کہ اکثر عورتوں کے وکیل اور کفیل، ان کے محافظ مرد ہی عورت سے اپنا فائدہ پورا کر لینے کے بعد عورت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ لینے کے چکر میں عورت کو دبانے لگ جاتے ہیں اور عورتیں اپنا آپ غیر محفوظ پاتی ہیں۔(۳) جن مردوں نے عورتوں کو معاشرے میں تحفظ دینا تھا وہی مرد جب عورتوں کے حقوق کے لٹیرے بن جاتے ہیں تو عورتوں کو اپنے آپ کو محفوظ کرنے لیے معاش کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جسے مسلمان معاشرہ نسوانیت کی تذلیل سمجھتا ہے اور مردانہ دائرہ کار میں مداخلت قرار دیتا ہے۔

جب عورتوں کا دل مردوں کے خلاف غصّہ سے بھر جاتا ہے اور وہ جان لیتی ہیں کہ عورت اور مرد کا ناطہ پیار محبت کا نہیں، دل اور جذبات کا نہیں، محافظ اور محفوظ کا نہیں، فقط طاقت کا کھیل ہے تو عورتیں خود خاندانی زندگی سے نفرت شروع کر دیتی ہیں۔ پھر یہ عورتیں نکاح اور خاندان کو بدترین غلامی سے تعبیر کرتی ہیں۔ اور مرد کی حاکمیت تسلط اور غلامی سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسے میں معاش ان کے لیے سہارے کا موجب بنتا ہے اور مذہب ان کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ اس طرح مادّہ (Matter) اور مذہب کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جو مادّہ (Female) اور مذہب کی جنگ پر منتج ہوتی ہے۔

پس عورتوں کو مذہب، پابندیوں کا ماخذ، جبر و تسلط کا حامی اور عورتوں کے حقوق کا منکر نظر آنے لگتا ہے۔ کبھی یہ کشمکش عورت اور مرد کے درمیان ہوتی ہے اور کبھی عورت اور مذہب کے درمیان۔ ایسے میں طاقت کا دیو مذہبی جذبہ کو یا تو گرا دیتا ہے یا اس کی شکل بدلنے کی کرتا ہے۔ اور مذہب کی تشکیل نو کا فتنہ جنم لیتا ہے۔

مبحث دوم: اعتزال جدید اور عقل پرستی

مذہب کو عقلی معیار پر پرکھنے کا رجحان آج بیسویں صدی میں کافی ترقی کر چکا ہے۔ آج دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو کسی مذہبی حقیقت کو اس وقت تک تسلیم کرنے کو تیار نہیں جب تک سائنس اس کی تصدیق نہ کرے، کیونکہ گزشتہ صدیوں میں صنعتی ترقی نے دنیاوی کامیابیوں پر انسان کا جو اعتماد بڑھایا ہے اس سے ایک نیا ذہنی

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: علم جدید کا چیلنج از وحید الدین خان ص ر ۲۳۹۔۲۷۳

رویہ پیدا ہوا ہے۔اس رویے کو سائنس پرستی Scientism یا عقل پرستی Rationalism کا نام دیا جا سکتا ہے۔(۴)

حقوق نسواں کی فکر اس جدید رویے کا اظہار ہے اور مذہبی گروہ پر تنقید میں اکثر یہی رویہ محرک بنتا ہے۔ماضی بعید میں بھی عقل پرستی کے رجحانات اسلامی تاریخ نے ہم پر عیاں کیے ہیں لیکن اس وقت کے علماء نے اس رجحان کا شدت سے رد کیا اور اس گروہ کو معتزلہ کہا یعنی جو ملت اسلامیہ سے کٹ چکا ہے۔

''ہماری تاریخ میں معتزلہ نامی ایک ایسا گروہ گزرا ہے جس کے ساتھ آج کے متجددین کی حیرت انگیز مشابہت ہے۔ان کا قارورہ معتزلین کے قارورے سے بہت ملتا جلتا ہے۔وہ گروہ دین میں عقلیت پسندی کا گروہ تھا۔جس نے عقلیت کی بنیاد پر شریعت پر تنقید کی۔''(۵)

یورپ کا موجودہ ارتقا ہمارے جدید دانشوروں کی نظر میں یورپ کی ذہانت، معروضیت، عقل پسندی اور آزادی نسواں کا مرہون منت ہے۔عقل پسندی، ریشنل ازم (Rationalism) مذہب کے بگڑے ہوئے تصور، اندھے ایمان (Blind faith) کے رد عمل میں ایک باقاعدہ تحریک کے طور پر یورپ میں سرگرم ہوا اور اس کے قوی اثرات مسلسل چلے آرہے ہیں۔انسان کو اپنی عقل اور توجیہہ پسندی پر ہمیشہ سے بڑا اعتماد رہا ہے اور اس عقل کے استعمال سے اگر اسے کچھ کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر وہ عقل پرستی تک پہنچا دیتی ہے۔(۶)

حقوق نسواں کی تشریح کا فتنہ بھی چونکہ مغرب کی معاشی و معاشرتی مرعوبیت کا شاخسانہ ہے اس لیے یہاں بھی عقل پسندی کے گہرے رجحانات پائے جاتے ہیں۔اکثر تعبیر نو کرنے والوں نے قرآن کے پیش کردہ عورت کے حقوق و فرائض تسلیم کرنے میں عقلی حجت بازیاں کی ہیں اور عورت کے حقوق کی صحت جانچنے کے لیے یہ اُصول متعارف کروایا ہے کہ وہی حقوق قابل قبول ہیں جو عقل نسوانی کو اپیل کرتے ہیں۔

مغرب نے احیاء علوم کی تحریک کے بعد جہاں علمی وفنی میدان میں پیش رفت کی ہے وہاں فن استدلال کو بھی جدید سائنسی خطوط پر استوار کیا ہے جس میں یہی عقل پرستی شدت سے کارفرما ہے۔تحقیق کا سائنسی اسلوب اسے قرار

(۴) سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت از ظفر حسن، ڈاکٹر، ص/۱۹۳

(۵) علماء کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج/۳۸، ش/۳، ص/۱۱۸

(۶) فتنہ انکار حدیث از حسن مدنی، حافظ، محدث، (ماہنامہ) اگست۔ستمبر ۲۰۰۲، ج/۳۴، ش/۸۔۹، ص/۳

دیا جاتا ہے جو اعداد و شمار، عقل و منطق اور معروضیت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اس اسلوب تحقیق میں امور غیبیہ، مذہب اور الہامی تصورات کو کوئی وزن نہیں دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی بنیاد پر کی جانے والی تحقیق کو مغرب میں باضابطہ اور مستند تحقیق شمار نہیں کیا جاتا۔

اس لحاظ سے ایک مسلمان اور غیر مسلم زاویہ فکر اور اسلوب استدلال میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ اسلام میں عقل کو استعمال کرنے، اس پر اعتماد کرنے اور اس کی نشو ونما کرنے کی بڑی ترغیب ملتی ہے۔ لیکن اس کی بعض کوتاہ حدود کا اعتراف بھی موجود ہے۔ وحی کی تشریح میں عقل و بصیرت کو استعمال کرنا اسلام کا مطلوب ہے جبکہ وحی پر اعتراض کے میدان میں عقل کو کھڑا کرنا عقل کے ساتھ ظلم اور اپنے خالق کی ہدایات کے ساتھ ناانصافی ہے۔ عقل سے وحی یعنی اسلام کو سمجھنے کی کوشش قابل تعریف ہے۔ لیکن عقل سے اسلامی تعلیمات کو گھڑا نہیں جا سکتا۔

موجودہ دور کے مسائل میں ایک بڑا مسئلہ اسلوب استدلال کی تبدیلی کا ہے۔ اسلام میں اسلوب استدلال تو یہ ہے کہ جہاں فرمان الٰہی یا حدیث نبوی آجائے تو اس کی استنادی حیثیت کی توثیق کرنے کے بعد اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ عقلی توجیہات، معروضی تُک بندیاں اور منطقی صغرے کبرے مزید تائید کے لیے ہیں جو اطمینان قلبی کا موجب ہوتے ہیں، اسلام ان کی اجازت دیتا ہے لیکن اسلام میں کسوٹی بننے کا مقام بنیادی طور پر وحی الٰہی کو ہی حاصل ہے(۷)

ڈاکٹر منظور احمد(۸) جدید تعبیر کا سراغ ڈھونڈتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ عقلیت پسند طبقہ ہے اور ہندوستان میں عقلیت پسندی کی ابتداء سرسید احمد خان مرحوم سے ہوئی بعد میں آنے والے عقلیت پسند مفکرین چاہے وہ سرسید احمد خان کے منہاج فکر سے متفق نہ بھی ہوں ان ہی کے مرہون منت ہیں۔''(۹)

سرسید احمد خان کو اگرچہ تعبیر نو کے جدید اعتزال کا بانی کہا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر منظور احمد اس رائے سے پوری طرح

(۷) فتنہ انکار حدیث از حسن مدنی، حافظ، محدث، (ماہنامہ) اگست۔ ستمبر ۲۰۰۲، ج ۳۴، ش ۸۔۹، ص ۳

(۸) ڈاکٹر منظور احمد: ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کو رامپور میں پیدا ہوئے۔ کراچی میں نشو و نما پائی، مذہبی دانشور اور فلاسفر ہیں کئی زبانوں کے ماہر ہیں۔ University of Loudon سے ڈاکٹریٹ کیا۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے Rector رہ چکے ہیں۔ فلسفہ، مذہب اور عمرانی علوم کے ماہر ہیں۔

(۹) مستقبل کے اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار از منظور احمد، المعارف، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۴، ج ۲۷، ش ۱۔۳، ص ۳۳

متفق نہیں وہ لکھتے ہیں:

''سرسید کو اگرچہ جدید اعتزال کا بانی کہا جاتا ہے لیکن ان میں اور معتزلہ کی فکر میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ معتزلہ فکر کے برخلاف سرسید عقل کو ذہن کا ایک خاص شعبہ نہیں سمجھتے بلکہ انسان کا طریق تفاعل سمجھتے ہیں ۔ جو ہمیشہ مقررہ مقولات کے تحت کام نہیں کرتا۔ عقل، تفہیم کا ایک طریقہ ہے جو انسان تجربہ سے سیکھتا ہے۔ علم ہو یا عقل سمجھ کے بغیر دونوں ناچیز ہیں۔ علم انسان کو برائی اور بھلائی میں تمیز کی عقل دیتا ہے۔ باوجودیکہ انسان میں نہایت عمدہ عمدہ خصلتیں ہوتی ہیں مگر سمجھ کے بغیر وہ ان کے برتاؤ میں غلطیاں کرتا ہے۔ اور نقصان پر نقصان اٹھاتا ہے۔ جس شخص کو بڑی سے بڑی لیاقت حاصل ہو، پر سمجھ نہ ہو وہ ایک نہایت قوی اور زبردست اندھے آدمی کی مانند ہے جو بسبب اپنے اندھے پن کے اپنے زور قوت سے کچھ کام نہیں لے سکتا۔''(۱۰)

آج کی مذہبی فکر کے نزدیک یہ جدت قدیم معتزلی افکار کی یاد دلاتی ہے ان کا کہنا ہے کہ:

''جس طرح یہ لوگ وحی اور کتاب اللہ کا نام لے کر عقل کو بالاتر حیثیت دیتے ہوئے فکر اغیار کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر قرآن کا تیاپانچہ کر ڈالتے ہیں، اسی طرح معتزلہ کے قرآنی دانشور، بھی غیروں کی فکری اسیری میں مبتلا ہو کر غلبۂ عقل کے نعرہ کے ساتھ قرآن کو نشانہ بنایا کرتے تھے۔''(۱۱)

''وہ عقل کے تسلط کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ عقل خود حسن و قبح کی معرفت حاصل کر سکتی ہے، خواہ شریعت نے کسی بات کے حسن و قبح کو بیان کیا یا بیان نہ کیا ہو۔''(۱۲)

ان کے نزدیک معروف و منکر کا تعین انسانی عقل کرتی ہے جب کہ علماء اسلام کے نزدیک معروف و منکر کا تعین انسانی عقل کی بجائے وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔ تشریح نو کے حاملین کے نزدیک معروف و منکر کا تعین وحی الٰہی نہیں فطرت کرتی ہے:

''معروف و منکر وہ باتیں ہیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور جن سے فطرت ابا کرتی ہے اور انہیں برا سمجھتی ہے۔ انسان ابتداء ہی سے معروف و منکر دونوں کو پورے شعور کے ساتھ الگ الگ پہچانتا ہے۔''(۱۳)

---

(۱۰) مقالات سرسید، سید احمد خان، مرتبہ، پانی پتی، محمد اسماعیل، ج ۳/ص ۲۴/

(۱۱) علماء کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج ۳۸/ش ۳/ص ۱۱۸/

(۱۲) نقد و نظر، از خورشید عالم، طلوع اسلام، فروری ۱۹۶۷، ج ۲۰/ش ۲/ص ۵۷/

(۱۳) میزان از غامدی، جاوید احمد، ص ۴۹/

تعبیر نو کا طبقہ چونکہ عقل انسانی اور فطرت انسانی کو فیصلہ کن جگہ دیتا ہے جبکہ علمائے اسلام کا طبقہ عقل انسانی اور فطرت انسانی کی اتباع کی بجائے وحی الٰہی کو فیصلہ کن حیثیت دیتا ہے۔ اسی بنا پر تعبیر نو کا جدید ذہن علماء کرام کے رویوں کو بنیاد پرستانہ رویہ قرار دیتا ہے۔ اور علمائے اسلام کے لیے بنیاد پرستی کا لفظ کثرت سے استعمال کرتا ہے۔

◉ جس طرح آج کے تعبیر نو کے حامی صرف قرآن ہی کی سندیت کے قائل ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی تنہا قرآن ہی کی حجیت کے قائل تھے۔ وہ ہر دینی معاملے میں قرآن مجید کو سند قرار دیتے تھے۔ (۱۴)

◉ جس طرح آج کے تعبیر نو کے حاملین مغربی معاشرے کے اجزا و عناصر اور اشتراکیت کے نظامِ معیشت کو قرآن میں زبردستی داخل کرنے پر مصر ہیں، اسی طرح کل کے معتزلہ بھی یونانی فلسفہ کو اسلامی عقائد میں ڈالنے پر جوش کوششیں کر رہے تھے۔

(یونانی فلسفہ کو اپنا کر اُنہوں نے اسلامی عقائد میں اسے جس خوبی سے سمویا اور علم کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی، وہ اس کی زندہ شہادت ہے۔) (۱۵)

ان وجوہِ مشابہت کی بنا پر آج کے متجددین معتزلہ کی انتہائی تعریف و تحسین کرتے ہیں اور ان کے زوال پر یوں نوحہ کناں ہیں:

"ہمارے متقدمین میں معتزلہ اہل علم کا وہ گروہ تھا جن کی نگاہ صحیح اسلام پر تھی اور وہ قرآن مجید پر عقل و بصیرت کی رو سے غور کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو ہماری مذہبی پیشوائیت کس طرح جینے دیتی۔ نتیجہ یہ کہ نہ صرف ان ارباب فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا گیا، بلکہ ان کے علمی کارناموں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔" (۱۶)

مسلمان معاشروں کی مذہبی فکر کو اس پر اعتراض ہے کہ حقوق نسواں کی تشریح کرنے والوں نے عقل کو تنقید مذہب کے لیے استعمال کر کے اسے آزادانہ فکر کے اعلیٰ مقام سے گرا دیا ہے اور عقلی استدلال کا سہارا لے کر دخل در معقولات کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ عقل کو مذہبی امور میں مداخلت کا حق دے کر اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دی جا رہی

---

(۱۴) اسلامی نظام (قرآن کہیں نہیں) از پرویز، طلوع اسلام، مئی ۱۹۵۲ء، ج۵/ش۵/ص۳۹

(۱۵) نقد و نظر از خورشید عالم، طلوع اسلام، فروری ۱۹۶۷ء، ج۲۰/ش۲/ص۵۷

(۱۶) ایضاً

ہے۔جس سے نہ صرف قرآن وسنت کی مرکزی حیثیت مجروح ہوتی ہے بلکہ دین میں الحادکی آمیزش کا دروازہ کھلتا ہے۔

دینی فکر کے نزدیک عقائد اور احکامات کا ماخذ صرف نصوص شرعیہ ہیں۔علمائے سلف عقل پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ عقل جادہ مستقیم سے بھٹک سکتی ہے۔اگر عقلی موشگافیوں کو مسلم معاشرے میں پھیلاؤ کا موقع دیا گیا تو الحاد پر پرزے نکالنے لگے گا اور فقہی موشگافیوں کے نئے نئے فرقے پیدا ہوں گے۔

جبکہ متجددین عقلی کامیابیوں کے معترف ہیں اور مذہب کے میدان میں اسے ایک مینہ اور کارآمد علم قرار دیتے ہیں اور مذہبی تشریحات کو عقل کی روشنی میں ازسرنو منظّم اور استوار کرنا چاہتے ہیں۔دینی فکر نے جن تصورات کو مسلمات کا درجہ دے رکھا ہے (مرد عورت سے افضل ہے۔عورت کا دائرہ کار گھر ہے۔فیملی پلاننگ اللہ کے ارادے میں مداخلت کے مترادف ہے۔عورت کو مرد کی اطاعت کرنی چاہیے وغیرہ) اور اس پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور اسے عورت کے کردار کی تشریح میں استعمال کرتے ہیں، متجددین کو ان تمام پر اعتراض ہے۔اہل عقل کے نزدیک ان مسلمات کی روشنی میں عورت کے کردار کی تشریح کرنا عورت کو فطری انسانی جبلی آزادی سے محروم کرنا ہے، انہیں دینی فکر کے ہاتھوں عقل کی آزادی چھن جانے کا دکھ ہے۔وہ عورت کو مذہب یا دوسرے الفاظ میں وحی کی غلامی سے نکال کر دوبارہ آزادی کے مقام پر بحال کرنا چاہتے ہیں۔یہ فکر مغربی فلسفوں سے متاثر ہے۔بقول اقبال: ”فلسفے کی روح آزادانہ تحقیق ہے۔وہ ہر ایسی بات کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی بنا ادعا اور تحکم پر ہو۔“(۱۷)

راقم کے خیال میں عقل کے بارے میں رائے قائم کرنے میں مروجہ دینی فکر اور طبقہ نسواں سے وابستہ ذہن دونوں ہی افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں، حقوق نسواں کا ذہن عورت کی آزادی کو اس قدر بڑھا دیتا ہے کہ وہ وحی سے بغاوت کی حدوں کو چھونے لگتی ہے جبکہ دینی فکر وحی سے راہنمائی لینے کے بعد عورت کے لیے پردے کے حکم کو اس طرح پھیلانے لگتے ہیں کہ عورت پر زندگی کے افق تنگ ہو جاتے ہیں۔یہ فکر عورت کے کردار کے ضمن میں عقل پسندی کے نقصانات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ شجر ممنوعہ معلوم ہونے لگتی ہے۔جبکہ شریعت اسلامی کی روشنی میں وحی اور عقل میں کوئی تضاد نہیں۔بلکہ عقل کو وحی کا مؤید بنانا، مشاہدہ حاضر کو ایمان بالغیب کے حصول کا ذریعہ بنانا

(۱۷) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ از اقبال، علامہ، مترجم، نذیر نیازی، سید، ص۱/۱

شریعت کا منشا و مقصود ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے نزدیک ''دین و دانش کا تضاد بے عقلی کا نتیجہ ہے۔''(۱۸)

مولانا شبیر احمد عثمانی(۱۹) کی رائے میں ''اہل تحقیق کے نزدیک ان دونوں حاکموں 'عقل و نقل' میں کبھی نزاع اور خصومت بجز راستے ممکن نہیں کہ یا نقل کی صحت مشکوک ہو یا عقل کی سلامتی میں کچھ نقصان اور فتور واقع ہو جائے۔ مختصراً دین و دانش یا نقل و عقل میں حاکم و محکوم یا خادم و مخدوم کا تعلق نہیں پایا جاتا بلکہ ان کے درمیان تعاون کا رشتہ پایا جاتا ہے اور یہی اعتدال و توازن کا راستہ ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم مختلف لوگوں کے لیے اسلوب دعوت مختلف ہونے سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کا مطلب انسانوں کی تین قسمیں بتاتا ہے۔ اور ہر قسم کو دعوت دینے کا طریقہ الگ ہے۔ چنانچہ حکمت پسند لوگوں کو حکیمانہ طریقے سے دینی عقائد کا جواز پیش کر کے ایمان بالغیب کی دعوت دی جاتی ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ ذہن کی بجائے دل سے کام لیتا ہے۔ ایسے لوگوں پر عقلی دلائل مؤثر نہیں ہوتے لہٰذا انہیں وعظ و نصیحت سے دین کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ انسانوں کا تیسرا گروہ نہ ذہن سے نہ دل سے بلکہ زبان سے بحث و تکرار کرتا ہے۔ انہیں جدال حسنہ سے دین کا قائل کیا جاتا ہے۔''(۲۰)

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ﴾(۲۱)

یہ بھی آفاقی حقیقت ہے کہ علم میں اضافے کیساتھ حکمت میں اضافہ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ حکمت سے مراد مقاصد حیات کا واضح شعور حاصل کرنا ہے، از روئے اسلام سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ ایک خدا پر ایمان لایا جائے اور اس کے احکامات کی اتباع کی جائے۔ نیز اس کے احکامات کی جزئیات کے فہم کے لیے عقل و خرد، فلسفہ و حکمت کو بروئے کار لانا اور دین و دانش میں ربط و توافق تلاش کرنا تا کہ شکوک دور ہوں اور دینی فکری اضطراب کی جگہ تسکین و طمانیت پیدا ہو ایک علمی کاوش ہے اور مسلسل ذہنی عمل ہے۔ جس کے تحت دینی احکامات کو وقت اور زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔

---

(۱۸) مقالات حکیم، مرتب، رزاقی، شاہد حسین، ج ۱/ص ۴۶/ ۴۷

(۱۹) شبیر احمد عثمانی: (۶ اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء) مذہبی اور سیاسی رہنما تھے۔ قیام پاکستان کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ مفسر قرآن ہیں۔ ((اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج ۲، ص/ ۱۰۶۴)

(۲۰) ایضاً، ج ۱/ ص/ ۲۱۲

(۲۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۵

مبحث سوم: حاسہ مذہبی کا فقدان

مغربی تہذیب کے اس عروج کے زمانہ میں ہر قوم میں بڑی تعداد میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کو دنیا کی مشغولیت وانہماک یا دنیا کی محبت و حرص نے ان کی زندگی میں مذہب کی تعلیمات کے لیے کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا۔ ان کے لیے پیغمبروں کی پوری دعوت یا ناصحوں کا وعظ وتلقین، علم وحکمت، قصص وامثال سب ضائع ہیں۔ ان کے دل اس بنجر زمین کی طرح ہیں جنہیں کوئی بارش سیراب نہیں کر سکتی۔ یہ جب بھی مذہب کی طرف رُخ کرتے ہیں یا تو اُسے عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں یا تنقید کرتے ہیں یا اُسے اپنے تصوارت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں یا اجتہادنو کا آوازہ لگاتے ہیں۔ یہ متجددین اور علماء کا عظیم الشان نفسیاتی فرق ہے یہ درحقیقت مذہبی حاسہ ہی نہیں رکھتے۔ سائنس کی ترقی کے دور میں جہاں مذہب کو زندہ دفن کیا جا رہا ہے یہ مٹی ڈالنے والوں میں سے ہیں ڈالنے والوں کے ہاتھ روکنے والوں میں سے نہیں۔ ان کی زبان پر معاشرتی ارتقاء کا لفظ بہت عام ہے۔ جب کسی شخص کی کوئی حس ختم ہو جائے تو اس کے سارے محسوسات جو اس حس سے تعلق رکھتے ہیں معدوم ہو جاتے ہیں۔ جو شخص قوت سامعہ سے محروم ہے اس کے لیے آوازوں کی دنیا کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اور اس کے لیے پوری بولتی ہوئی دنیا ایک شہرِ خموشاں ہے جو شخص دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کے لیے پوری دنیا میں رنگوں کا فرق بے معنی ہے۔ جو شخص حس مذہبی سے محروم ہے اس کے لیے وہ محسوسات و جدانات و تاثرات معدوم ہیں جو مذہبی حس کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت عذاب وثواب، جنت اور دوزخ خدا کی رضامندی و ناراضگی تقوی و طہارت نجات و ہلاکت ابدی وغیرہ سب بے معنی لفظ ہیں۔ اس کے لیے کسی ایسی دعوت میں قطعاً کوئی کشش اور دلچسپی نہیں جس کا تعلق اس کے محسوسات اور نقد لذتوں اور منفعتوں کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو۔ جن کی نظر مادی سطح سے حقیقت تک نفوذ کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور جنہوں نے پیغمبر کی عام فہم تقریر سننے کے بعد جو اُن ہی کی زبان میں کی گئی تھی بڑی سادگی سے کہا ﴿مَانَفْقَه كَثِيرًا مِمَّاتَقُولُون وَاِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفا﴾[۲۲]

(۲۲) سورۃ ہود:۱۱/۹۱

حسن مذہبی سے مراد وہ جذبہ وحس ہے جس کی بدولت رسول اللہؐ کے دور میں صحابہ کرام کی زبان پر آمنا وصدقنا یا سمعنا وأطعنا جیسے الفاظ رہتے تھے۔ اور جب بھی رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوتا تو صحابہ کرام میں سے کسی کو تردد نہ ہوتا۔ ان کے دل و جذبات تسلیم و رضا کے ساتھ کھل جاتے اور وہ اللہ کے نبی کے بیان کو کھلے دل اور کشادہ سینے میں اُتار لیتے۔ لیکن آج کا جدید ذہن کتاب وسنت کی طرف امنا وصدقنا والے جذبات کی بجائے نقد و جرح والے جذبات لے کر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کی علماء پر بداعتمادی ہے۔ اور اس بداعتمادی اور نفرت میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

مسلمانوں کے زوال کے دور میں ان کے مذہب پر تنقید آسان ہے۔ اسلام پر اعتقاد صرف موروثی ہے۔ مسلمان پیدائشی مسلمان ہونے کی نسبت ذہن کی اصل سے ناواقف اور دین کی روح سے دور ہیں۔ ایسے میں اسلام دشمنوں کی اسلام پر تنقید کمزور ایمان والوں کے دل میں شک کے بیج بوتی ہے۔ یہ بجائے اس کے کہ دشمنوں کے مقاصد سے پردہ اٹھائیں اور اپنے اسلام سے اپنا تعلق مضبوط بنائیں یہ اپنی کوتاہی اور سستی کا الزام دین سے وابستہ افراد کو دیتے ہیں اور ان کی کھال ادھیڑتے ادھیڑتے اسلام کو بھی ادھیڑ چھوڑتے ہیں۔ ایسا کبھی وہ دشمنوں کے جال میں پھنس کر اور کبھی جہالت کی بناء پر کرتے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت تو اس امر کی تھی کہ مسلمان اپنے دین کو لوٹتے لیکن کشتی کا ملاح بھی تو باقی مسافروں کی طرح ہی ہے۔ وہ بھی قیادت وامامت کے دعووں کے ساتھ قیادت وسیادت کی اہلیت سے محروم ہے۔ لہٰذا تمام سوار اسے ہی الزام دے رہے ہیں اور توپوں کا رخ اپنوں ہی کی طرف کر رکھا ہے حالانکہ جرم میں سب برابر کے شریک ہیں۔ کشتی اگر ڈول رہی ہے تو قصور صرف ایک کا نہیں۔ اسلام مسلمانوں کے برے اعمال کی بدولت گندا نہیں ہوتا۔ اسلام سب سے اعلیٰ وارفع مذہب ہے۔ لیکن مسلمانوں کے زوال کی بدولت مسلمانوں کا حاسہ مذہبی ضرور تبدیل ہو جاتا ہے۔ آج عوام کا علماء دین پر سے اعتماد ختم ہوتا جا رہا ہے۔

اس زمانے کا اصل مرض دین کے بارے میں بے حسی و بے نیازی ہے یہ دین کی طرف جب آتے ہیں فقط اعتراض لے کر آتے ہیں۔ (۲۳)

(۲۳) اسلام اور مغربی تہذیب وافکار تاریخی تناظر میں، محمد سجاد، ڈاکٹر، ص/۱۷۶

ان کا نہ تو علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا کوئی اور ذوق لطیف کام رہا ہے بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر رکھی ہے اس وقت ایک ہی قوت محرکہ پائی جاتی ہے وہ پیٹ ہے یا جیب۔ یہ قول صرف یورپ کے بارے میں ہی درست نہیں تمام مغرب زدہ دنیا کے لیے ہے۔

''جو نظریہ حیات اس زمانہ پر مستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ کو پیٹ یا جیب کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔''(۲۴)

حاسہ مذہبی کے فقدان کی بدولت مادیت پرستی کا عروج اور مذہبیت و روحانیت کا زوال شروع ہوتا ہے۔ اور عورت گھر سے باہر ایک مرد کے تحفظ سے باہر کئی مردوں کی گود میں گرتی ہے۔اس سے درحقیقت مذہب کے بارے میں شک اور تنقید کے دروازے کھلتے ہیں،مغرب سے مرعوبیت میں اضافہ ہوتا ہے۔یہی کام مستشرقین کرتے آئے ہیں۔(۲۵)

متجددین کے پیش نظر سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ان کی حیات اجتماعی کے دینی تمدنی اور فکری سرچشموں سے منقطع کر دیا جائے ان کو دینی تہذیبی ورثے کی طرف سے بدظن کر دیا جائے تاکہ جب وہ کسی کمال یا کارنامے کا تصور کریں تو ان کا ذہن مغرب کے سوا کسی دوسری طرف منتقل ہی نہ ہو۔اس مقصد کے پیش نظر مسلمان عورت کو علمی اعتبار سے اس احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے ان کے فکر کے سوتے خشک ہو جائیں ان کی خودی ختم ہو۔ان کی گردنوں میں صرف مغرب سے عقیدت اور پھر تقلید کی زنجیر ڈال دی جائے۔

مبحث چہارم: فلسفہ ترقی خواتین

مغرب نے قوموں کی ترقی کے لیے جس سماجی فلسفہ کو آگے بڑھایا ہے ،طبقہ نسواں کے جدید دانشور اس سے بری طرح متاثر ہیں کہ ترقی کے عمل میں عورتوں کی شرکت کے بغیر خاطر خواہ نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہ فقرہ تو تقریباً ضرب المثال کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔

---

(۲۴) ایضاً، ص/۱۸۱

(۲۵) اسلام اور مغربی تہذیب و افکار تاریخی تناظر میں، محمد سجاد، ڈاکٹر، ص/۱۸۱

درحقیقت اس طرح کے نعرے تحریک آزادی نسواں کے علمبرداروں کی طرف سے شروع میں اُنیسویں صدی کے آغاز میں لگائے گئے تھے جو رفتہ رفتہ بے حد مقبولیت اختیار کر گئے۔ اس زمانے میں عورتوں کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری تک محدود تھا اور عورت کا اصلی مقام اس کا گھر ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کی خاندانی اقدار میں کنبے کی معاشی کفالت کی اصل ذمہ داری مرد پر تھی اور عورت کا بنیادی فریضہ گھریلو اُمور کی انجام دہی بچوں کی نگہداشت اور اپنے خاوندوں کے آرام وسکون کا خیال اور فارغ وقت میں عمومی نوعیت کے کام کاج کرنے تک محدود تھا۔ تحریکِ آزادی نسواں کے علمبرداروں نے اس صورتحال کو مرد کی حاکمیت اور عورت کی بدترین 'غلامی' سے تعبیر کیا اور عورتوں کے اس استحصال کے خاتمے کے لیے یہ حل پیش کیا کہ انہیں بھی گھر کے باہر کی زندگی کے عشرت انگیز دائروں میں شریک ہونے کا موقع ملنا چاہیئے۔ معاشرت، تعلیم، سیاست، صنعت وحرفت، ملازمت، غرض ہر شعبے میں عورت کی شرکت کو مرد کی حاکمیت اور غلامی سے چھٹکارا کے لیے ذریعہ سمجھا گیا۔ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ تحریکِ آزادی نسواں کا آغاز ہوا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ مغرب میں خاندانی ادارہ اور سماجی اقدار زوال کا شکار ہوگئی ہیں، مرد اور عورت کے فرائض اور دائرہ کار آپس میں خلط ملط ہوگئے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک تحریکِ آزادی نسواں کے زیادہ تر مطالبات مساوی تعلیم کے مواقع اور عورتوں کو ووٹ کے حقوق دینے تک ہی محدود تھے۔ لیکن آج مغرب میں مساوی حقوق کا نعرہ ایک بہت بڑے فتنہ کا روپ دھار چکا ہے جس نے انسانی زندگی کے تمام دائروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

امریکہ اور یورپ نے گذشتہ دوصدیوں کے درمیان جو محیر العقول سائنسی ترقی کی ہے، اس میں عورتوں کے حصے کو اصل تناسب سے کہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ محدود دائروں میں عورتوں کے کردار اور حصہ سے انکار ممکن نہیں ہے۔ البتہ مغربی معاشرے کی اجتماعی ترقی کا معروضی جائزہ لیا جائے تو تحریکِ آزادی نسواں کے علمبرداروں کے دعوے مبالغہ انگیز نظر آتے ہیں۔ مغرب کی مادّی اور سائنسی ترقی کے پس پشت کارفرما دیگر عوامل مثلاً جارحانہ مسابقت، مادی ذرائع پر قبضہ کی ہوس، طبیعاتی قوانین کو جاننے کا جنون، مغربی استعمار کو نوآبادیات پر مسلط رکھنے کا عزم، ایشیا اور افریقہ کی منڈیوں پر قبضے کی جدوجہد، مغرب کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد مغربی معاشرے میں علوم وفنون میں

آگے بڑھنے کا جذبہ ، سرمایہ دارانہ نظام میں کام کی بنیاد پر ترقی کی ضمانت ، وغیرہ جیسے عوامل نے جو کردار ادا کیا ہے۔اس کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

قومی ترقی کے لیے کیا عورتوں کا ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا ناگزیر ہے؟ اس اہم سوال کا جواب 'ہاں' میں دینا بے حد مشکل ہے۔اگر عورت اپنے مخصوص خاندانی فرائض کو نظر انداز کر کے زندگی کے ہر میدان میں شرکت کرے گی تو خاندانی ادارہ عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا اور خاندانی ادارے کے عدمِ استحکام میں آنے کے منفی اثرات زندگی کے دیگر شعبہ جات پر بھی پڑیں گے۔مغرب میں نتائج رونما ہو چکے ہیں!

اکیسویں صدی میں انسانی تہذیب کو جتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان میں تحریکِ آزادی نسواں (Feminism) کا مسئلہ اپنے وسیع اثرات اور دور رس نتائج کی بنا پر سب سے بڑا مسئلہ ہے۔مغرب میں عورتوں کو زندگی کے مختلف شعبہ جات میں جس تناسب اور شرح سے شریک کر لیا گیا ہے، اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو دنیا ترقی کی موجودہ رفتار کو ہرگز برقرار نہیں رکھ سکے گی بلکہ اگلے پچاس سالوں میں انسانی دنیا زوال اور انتشار میں مبتلا ہو جائے گی۔ جو لوگ عورت اور ترقی کو باہم لازم وملزوم سمجھتے ہیں، انہیں یہ پیش گوئی مجذوب کی بڑ، رجعت پسندی اور غیر حقیقت پسندانہ بات معلوم ہوگی ،لیکن اکیسویں صدی کے آغاز پر انسانیت جس سمت میں رواں دواں ہے، بالآخر اس کی منزل یہی ہوگی۔

پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کو اس حقیقت کا ادراک کر لینا چاہئے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں خاندانی اداروں کو تباہ کر لینے کے باوجود وہ اُن کی طرح مادی ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتے۔مزید برآں مغربی ممالک کی سائنسی وصنعتی ترقی عورتوں کی شرکت کی مرہونِ منت کلیتاً نہیں ہے۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برطانیہ، فرانس ، اور جرمنی ، ہالینڈ ، پرتگال، سپین اور دیگر یورپی ممالک اس وقت بھی سائنسی ترقی کے قابلِ رشک مدارج طے کر چکے تھے جب ان ممالک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ملا تھا۔۱۸۵۰ء تک صنعتی انقلاب نے پورے یورپی معاشرے میں عظیم تبدیلی برپا کر دی تھی۔۱۹۰۰ء تک مذکورہ بالا یورپی اقوام نے افریقہ ،ایشیا اور لاطینی امریکہ کے بیشتر ممالک کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔جنگِ عظیم دوم سے پہلے ان ممالک میں عورتوں کا ملازمتوں میں تناسب قابل ذکر

نہیں تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جنگِ عظیم دوم میں مرنے والے کروڑوں مردوں کے خلا کو پُر کرنے کے لیے یورپی معاشرے میں عورتوں کے بادلِ نخواستہ باہر نکلنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی شمولیت نے جہاں سماجی اور اخلاقی برائیوں کو جنم دیا ہے ، وہاں عالمی معیشت پر بھی منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ عالمی معیشت کو دو واضح خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی مینوفیکچرنگ اور سروسز (اشیا سازی اور خدمات) گذشتہ پندرہ بیس برسوں میں عالمی معیشت میں سروس سیکٹر کے تناسب میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ کی ۷۰ فیصد معیشت سروس سیکٹر پر مشتمل ہے۔ سروس سیکٹر کے پھلنے پھولنے کی ایک اہم وجہ لیبر فورس میں عورتوں کے تناسب میں اضافہ بھی ہے۔ ہوٹل ، بنک ، جنرل سٹور ، کمپیوٹر اور دیگر خدمات بہم پہنچانے والے اداروں میں عورتوں کی ملازمتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک میں ہر سال جونئی ملازمتیں نکل رہی ہیں ان میں عورتوں کی کھیپ مردوں سے زیادہ ہے۔ سروسز سیکٹر میں اضافے سے خام قومی پیداوار میں تو بظاہر اضافہ ہوا ہے لیکن بالآخر اس کے نتائج حقیقی ترقی کے لیے ضرررَساں ثابت ہوں گے کیونکہ فقط خدمات ، اشیا سازی کے بغیر قومی ترقی میں اضافہ نہیں کرسکتیں !

اسلامی اقدار اور ہمارے خاندانی اداروں اور روایات کی قیمت پر اگر مسلمان عورت ترقی کی منازل طے کرتی ہے تو یہ سراسر خسارہ کی بات ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے فرائض مختلف قرار دیئے ہیں۔ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہی ہے، البتہ بعض استثنائی صورتوں میں وہ بعض شرائط کی تکمیل کے ساتھ گھریلو زندگی کے دائرے کے باہر بھی فرائض انجام دے سکتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر کام کرنے والی تنظیمیں جو رول ماڈل (نمونہ) پیش کر رہی ہیں ، وہ سراسر مغرب کی بھونڈی نقالی پر مبنی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اور خاندانی نظام کی تباہی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ پاکستانی معاشرے میں عورتوں کے حقوق کا بعض صورتوں میں خیال نہیں رکھا جاتا ، مگر ان حقوق کی بازیابی کا وہ تصور اور حل بے حد خطرناک ہے جو جدید دانش ور پیش کررہے ہیں۔ اسلام نے حیا او عفت کو عورت کا زیور قرار دیا ہے ، اس سے محروم ہو کر کوئی عورت اسلام کی نگاہ میں 'ترقی یافتہ' نہیں ہو سکتی۔ ہمیں 'ترقی' کے وہ معیارات پیشِ نظر رکھنے ہوں گے جو اسلام کے اخلاقی نصب العین پر پورے اُترتے ہوں۔

سید قطب شہید عورت کی ترقی کو ایک دوسرے رنگ سے دیکھتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ عورت کو انسان سازی میں ترقی کرنی چاہیے نہ کہ اشیا سازی میں۔وہ لکھتے ہیں:

''کیونکہ اسلام کی نظر میں انسان کی قیمت اشیاء سے زیادہ ہے۔اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہا ایک ثقافت آشنا اور ماہر عورت اشیا کی صنعت و پیداوار میں لگ جائے اور اپنی اولاد کی پرورش کے لیے ایک کم درجہ کی عورت کی ملازم رکھ لے۔تا کہ یہ عورت اس کے بچوں کی نگرانی کرے اور خود اشیاء کی نگرانی کرے۔''(۲۶)

امریکہ اور یورپ کی تاریخ گواہ ہے کہ مادّی ترقی کے حصول کے لیے عورتوں کا مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہونا نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ملکی ترقی میں عورت کا شاندار کردار یہ ہے کہ وہ خاندانی زندگی کے نظام کو اس انداز میں سنبھال لے کہ اجتماعی طور پر معاشرہ استحکام حاصل کرے۔خاندان کی اندرونی زندگی کو اُجاڑ کر دفتروں اور فیکٹریوں کے ماحول کو رونق بخشنے سے ترقی کا توازن قائم نہیں رکھا جا سکتا۔مغربی معاشرہ آج اسی عدمِ توازن کا شکار ہے۔عورتیں تعلیم کی روشنی سے بھی اپنی رُوح کو منور کریں ، انہیں صحت کی سہولیات بھی ہر ممکن حد تک پہنچائی جائیں۔ان سے ہونے والی ناانصافی کے خاتمہ کی جدوجہد بھی ضرور کی جائے ،مگر ان سب باتوں کے ساتھ ان کی پہلی ترجیح خاندانی زندگی کو استحکام بخشنا ہو۔اگر وہ تعلیم حاصل کریں ،اس کا مقصد کسی فیکٹری کے چیف ایگزیکٹو کی پرائیویٹ سیکرٹری بن کر عملاً اس کی تنخواہ دار ملازمہ کا کردار ادا کرنا نہ ہو ، نہ ہی وہ تعلیم کو محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ سمجھیں۔تعلیم ایک مرد کے لیے معاش کا ذریعہ ہوسکتی ہے ،مگر عورت کو اس لیے تعلیم یافتہ ہونا چاہئے تا کہ وہ اپنے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا خیال رکھ سکے ، ان میں علم کی روشنی منتقل کر سکے اور اپنے گھر کی 'چراغ خانہ' بن کر اس کی دیواروں کو علم کی روشنی سے منور کر سکے۔(۲۷) جب ہم کہتے ہیں کہ عورت کو گھریلو زندگی کو اپنی پہلی ترجیح سمجھنا چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ عورت دنیا سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کرے۔آج کا معاشرہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ بڑے متمدن شہروں میں پرورش پانے والی عورتوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ کوہستانی قبائل کی

(۲۶)اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل،ترجمہ ، الاسلام و مشکلات الحضارۃ ازسید قطب،مترجم،صدیقی،ساجد الرحمٰن،ص/۱۸۰

(۲۷)(i)عورت اور ترقی از صدیقی،عطاء اللہ،محدث،(ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۴ء،ج/۳۶،ش/۳،ص/۲۔۱۲

(ii)مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، جائزہ ،مشورہ ،محاسبہ،ندوی، ابوالحسن،مولانا،ص/۲۳۰۔۲۳۵

عورت کی طرح زندگی بسر کریں ، ایک ناقابلِ عمل خواہش ہوگی۔شہری زندگی میں ایسے مواقع بھی کم نہیں ہوتے جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوتیں۔گھریلو زندگی سے باہر اگرچہ عورتوں کے ہی مخصوص تعلیمی ،تبلیغی ، رفاہی اور سماجی حلقوں میں عورت بھرپور انداز میں شریک ہوسکتی ہے لیکن ان حلقوں میں شرکت کو اسے پیشہ ورانہ مشغولیت کی صورت نہیں دینی چاہیئے تاکہ خاندانی زندگی نظرانداز نہ ہو۔

'عورت اور ترقی' کے حوالہ سے ہمارے دانشوروں کو بہت بڑا چیلنج درپیش ہے کہ وہ ملکی ترقی میں جدید مسلمان عورت کے کردار کے حوالے سے ایسا فریم ورک تشکیل دیں جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ انسانی قدروں کا رنگ بھرا جاسکے اور جو مرد اور عورت کے مخصوص دائرہ کار کے اس تصور کی روشنی میں پیش کیا جاسکے جس میں معاشرے کی مادّی و اخلاقی دونوں طرح کی ترقی کے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔

مبحث پنجم: لبرل ازم

آزادروی یعنی Liberalization مغربی استعمار کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے ہمارے بڑے بڑے دانش ور اور نظریاتی قائدین بھی ڈھیر ہوجاتے ہیں۔انہیں جب بنیاد پرست ،کٹر اور ضدی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے تو وہ فوراًلبرل ، روشن خیال ترقی پسند اور Forward Looking ہونے کا دعویٰ فرما دیتے ہیں۔اور اس طرح پورے معاشرے کو آزاد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس عمل میں حقوق نسواں کی NGOS مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔خصوصاً بیگمات کی NGOs جو مغربی دنیا سے مالی امداد لیتی ہیں،آزادی میں اور کبھی اشاروں میں اور کبھی کُھل کر خاندانی بندھنوں کو ڈھیلا کرنے اور توڑنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ بزرگوں کی شفقت اور محبت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ خاندانی نظام سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اور معاشرتی مسائل گنوائے جاتے ہیں۔مسلسل حمل کو عورت کی پسماندگی اور ذلت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔لڑکیوں کی بے راہ روی کو جرأت مندانہ اقدام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شوہروں سے وفا کو غلامی اور قید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رشتوں ناطوں کے تقدس کو پامال کرنے کے ڈرامے رچائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف شناخت کو میڈیا کے ذریعے آزاد اور لبرلائز کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔رقص وسرور کی محفلوں کو ثقافت اور معقول تفریح کا نام دیا جاتا ہے۔اور اسلامی معاشرے کی روایتی اور نظریاتی جڑوں کو کھوکھلا کیا جاتا ہے۔اور

مسلمان نوجوان عورتوں کو بے لنگر جہاز کی طرح ذہنی انتشار کے سمندر میں لڑھکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔(۲۸)

حقوق نسواں کا مسئلہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین کا مسئلہ ہے۔ وہ خواتین جن کی سردیاں مشرق میں گرمیاں مغرب میں گزرتی ہیں۔ جن کا مغربی تہذیب سے اختلاط روز کی بات ہے۔ جن کا ذہن ہر دم مشرق و مغرب کے فائدوں کو جمع کرنے میں الجھا رہتا ہے۔ جن کو ماں بننے اور خاندان سے وفاداری نبھانے کی بجائے اپنی خواہشات کی بے لگام تکمیل سے دلچسپی ہے۔

''ممالک اسلامیہ میں آزاد خیالی اور جدیت پسندی کی جو تحریک چل رہی ہے اس کا ایک اہم سبب اور عامل مغرب کا نفوذ ہے۔ یورپ میں حریت پسندی کی تحریک انیسویں صدی کے اواخر سے لے کر پہلی جنگ عظیم تک اپنے نقطہ عروج پر رہی ہے۔''(۲۹)

تحریک آزادی نسواں کے نام پر اگر یہ آزادی کی لہر خاندانوں میں جنم لے رہی ہے تو یہ مغرب کی حریت فکر کی تحریک سے متاثر ہے۔ اس کے رجحانات اور اس کے میلانات ہماری جدید تعلیم کا شاخسانہ ہیں۔ انہوں نے عقیدے کو مجرد نظریے سے بدل دیا ہے۔ یہ کامل وحی الٰہی چھوڑ کر ناقص انسانی سوچ پر قانع ہو چکی ہیں اور انہوں نے ناقص کی محبت میں کمال کے دروازے اپنے اوپر بند کر لیے ہیں۔ ایجابیت کی بجائے سلبیت کے پیچھے پڑ چکی ہیں اور الحاد کی یہ شکل جدت کے لباس میں ظہور پذیر ہو گئی ہے۔

جیسا کہ مغرب ہدایت کی بجائے کفر و ضلالت پر ایمان لایا ہے اور حق کی طلب سے بے نیاز ہو کر حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ اس کام میں اپنی ساری کوشش مرکوز کر کے حق سے مستغنی ہو گیا ہے۔ اس نے عقائد پر نظریات کو ترجیح دی پھر ہوائے نفس کو نظریات پر ترجیح دی، کیونکہ خود مادی نظریات انسانی ضمیر کو زندگی و تازگی سے بہرہ یاب کرنے میں کمزور ثابت ہوئے ہیں۔ صرف ضمیر ہی کی حکمرانی ہوائے نفس کو اعتدال پر رکھ سکتی ہے۔

مغربی ذہن کے زیر اثر حقوق نسواں کی جدید فکر آزادی کے افق پر سیر کرتی ہے ان کے دلوں میں ارادہ وعزم کو حرکت میں لانے والی طاقت بھی مفقود ہو چکی ہے۔ ارادے وعزم میں طاقت اُس وقت ابھرتی ہے جب دلوں کے

(۲۸) این جی اوز کے شیطانی حربے از ابوسلمان، ڈاکٹر، 'حقوق انسانی کی آڑ میں اسلام مخالف اور پاکستان دشمن این جی اوز کا بھیانک کردار' ترتیب و تدوین، محمد متین خالد ص ر ۳۱۸

(۲۹) اسلام اور مغربی تہذیب و افکار تاریخی تناظر میں، محمد سجاد، ڈاکٹر ص ر ۱۶۷

سامنے کوئی نصب العین ہو۔ ان کے ذہن عزم ارادے سے خالی اور نفسیاتی بحران کا شکار ہیں۔ دور حاضر میں مغرب کا فکری بحران ان کے اندر سرایت کر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پردہ حجاب جیسے احکامات ان کی طبع نازک پر گراں ہیں مردوں کی حفاظت کو قید سے تعبیر کرنا عام ہے۔ اپنے بطن میں حمل ٹھہرانا اپنے آپ کو مصلوب کرنا ہے۔

لبرل ازم میں فرد کے حقوق اس کے اجتماعی فرائض پر غالب آجاتے ہیں حقوق و فرائض کا رشتہ خود ذمہ داری سے منسلک ہے اور ذمہ داری پابندی کے تحت عائد ہوتی ہے۔ یہ پابندیوں سے باغی فکر ہے۔ لیکن آزادیوں کی خواہاں ہے۔ اسلام میں آزادی ایک فرد کا حق ہے۔ اور یہ آزادی معاشرے کے اندر بھی بروئے کار آتی ہے۔ عورت خاندان کے اندر ہی اپنا صحیح فریضہ ادا کر سکتی ہے۔ اسلام میں آزادی فرد کا حق ضرور ہے۔ لیکن آزادی کا محور صرف ایک فرد نہیں ہے۔ اسلام میں آزادی ایک منظّم عمل ہے۔ جو انسان کی ذات اور انسانی سوسائٹی کی ضروریات اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اس کے لیے حقوق و فرائض تشکیل دیتی ہے۔ اور خاندان کو با مقصد حرکت میں جاری و ساری رکھتی ہے۔ اسی سے عورت اور خاندان اپنا صحیح کردار ادا کرتے ہیں۔

عورت کی آزاد روی سے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے معاصر عباسی مدنی (۳۰) کا خیال ہے۔

> ''لبرل ازم (آزاد روی) میں عورتوں کے حقوق اُن کے اجتماعی فرائض پر غالب آجاتے ہیں یہاں تک کہ خاندان کے افراد کا استحصال ہونے لگتا ہے۔ جسکے نتیجے میں خاندان کے دیگر افراد کے آزادی کے افق بہت تنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔'' (۳۱)

ڈاکٹر عباسی مدنی مغرب کے جدید نظریہ لبرل ازم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لبرل ازم کے بحران سے فرار حاصل کرنے کے لبرل ازم کا متبادل ڈھونڈ نا ہوگا لیکن لبرل علم نے اب تک کوئی متبادل پیش نہیں کیا۔ درحقیقت لبرل علم کا کوئی وجود ہی نہیں یہ تو ہوائے نفس کا راستہ ہے کیونکہ جو علم تلاش حقیقت کا راستہ چھوڑ کر خود مصدر حق نہیں بنتا وہ کوئی دینی عقیدہ یا فلسفیانہ آئیڈیالوجی تشکیل نہیں دے سکتا، حق کمال کا نام ہے۔ اور کمال کا حصول ذات کامل سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور علم وہ راستہ ہے جس پر ناقص ہستی چل کر ذات کمال سے کمال حاصل کرتی ہے۔ (۳۲)

---

(۳۰) ڈاکٹر عباسی مدنی: صدر، اسلامک سالویشن فرنٹ، الجزائر، ملت اسلامیہ کے عظیم مفکر اور دانش ور ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔

(۳۱) جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر مترجم: حامدی، خلیل احمد، ص ۱۳۵/

(۳۲) ایضاً، ص ۱۷/

حقوق نسواں کے نام پر لبرل ازم کے ماننے والوں کی حالت وہی ہے جو اشتراکی مفکرین کی ہے۔ یہ لوگ بھی مذہب سے اس گمان کے تحت جان چھڑاتے رہے کہ فلسفہ ہی ان کی ضروریات پوری کردے گا۔ اورعورت کے ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل مل جائے گا۔ یوں عورت کو کندھوں پر مذہب کا بوجھ بھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔ جب ہر قسم کے فلسفے عورت کو خوشی دینے میں ناکام ہوگئے۔ تو پھر یہ فکر سائنس کی طرف مائل ہوا اور یہ جانا کہ انہیں وہ چیز مل گئی جو نہ تو مذہب میں تھی نہ فلسفہ میں اب وہ انسانی نفس کو وجدان اور اطمینان دے سکیں گی۔ اور انسانی خواہشات بحسن وخوبی تکمیل پاسکیں گی۔

مگر افسوس اس کی یہ تدبیر بھی اُلٹی ثابت ہوئی۔ کہاں ہے وہ علم جو دین کا متبادل بن جائے۔ کہاں ہے وہ خوشی جو ہوائے نفس کی اتباع سے اور آزادی کے افق کی سیر کرنے سے ملتی ہے۔ جو انسان کو برتر اقدار سے بے نیاز کر کے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ غموں کا ڈھیر ہوتی ہے۔ جس نے خوشی کا لبادہ اوڑھا ہوتا ہے۔

اصل خوشی دین حق کی جستجو اور اس کی اتباع ہے۔ جو صحیح عقیدہ اور اعلی اقدار میں پائی جاتی ہے۔ اس میں ایمانی یقین اور وجدانی سکون اس حد تک ہوتا ہے جو انسانی ضمیر کو زندہ بیدار رکھتا ہے۔ انسانی بصیرت کو روشن وفروزاں اور پاکیزہ خواہشات کو نشوونما دیتا ہے۔ اور خون پسینہ کے ساتھ سرانجام دینے والی کوششوں کو نتیجہ خیز بناتا ہے۔ یہ کوششیں وسیع تر انسانی دائرے میں اعلیٰ تر تہذیبی معیار اور تاریخ کے طویل تر اور دائمی تر عرصے کے لیے کارآمد ہیں یہ کوششیں مقدار اور کیفیت دونوں لحاظ سے تہذیبی ارتقا کی ضامن ہیں۔ ان کے اندر نہ تو تضادات ہیں نہ افراط و تفریط ہے وہ ذہنی طاقت جو ان کوششوں کی پشت پر ہے اس کا تعلق اصل ماخذ ہدایت سے ہے اس کے اُصول و فروع بھی اُسی سے ماخوذ ہیں اور آئندہ انسانی تاریخ میں ضروریات کے تحت انسان کے جو نئے نئے مسائل ابھریں گے ان کے حل کی صلاحیت بھی اسی اسلامی ذہن میں ہے۔ (۳۳)

علامہ محمد اقبال کے افکار توازن پسندی اور اعتدال جوئی پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ مسلمانوں میں پیدا ہونے والی آزادی کی روش کو سراہتے ہیں لیکن انتہائی احتیاط کی تلقین کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

(۳۳) جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر مترجم: حامدی، خلیل احمد، ص ۲/۷

''بہر حال ہم اس تحریک کا جو حریت اور آزادی کے نام پر عالم اسلام میں پھیل رہی ہے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے آزاد خیالی کی یہی تحریک اسلام کا نازک ترین مرحلہ ہے۔ آزاد خیالی کا رجحان باہم تفرقے اور انتشار کی طرف ہوتا ہے۔''(۳۴)

اگر چہ مسلمان عورتوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حریت فکر سے آزاد نہ ہوں مگر یہ حریت فکر وہ ہو جو عقیدے کی صحت وسلامتی شریعت کی وسعت و رواداری، اخلاق کے اعتدال وتوازن اور اقدار کی فضیلت و کاملیت کے لیے بہتر سے بہتر راہنمائی کرتی ہو۔ عقل انسانی کو محبت وسلامتی کی تعلیم دے۔ عورتوں کے نفوس میں اعتدال ابھارے اور اقدار و معیارات کو عقیدہ و شریعت اور اخلاق و عمل کے شعور کے تحت جلا بخشے۔ کامل دین اور آزاد فکر دونوں ہماری ضرورت ہیں مگر یہ دونوں ہمیں علم سے بے نیاز نہیں کرتے۔ عورتیں اگر حقوق اور آزادی کی خواہش میں اپنے قدم اُس راہ پر ڈال لیتی ہیں جو ذمہ داریوں کی راہ ہے۔ اور وہ حقوق اور آزادی بھی چاہتی ہیں اور فرائض اور ذمہ داریوں سے مضر بھی، تو یہ آزادی نہیں صرف سفلیت وحیوانیت ہے۔

مبحث ششم: عورت اشتراکیت کی زد میں

مذہب کے خلاف عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والے تین بنیادوں پر اپنے افکار میں بالکل مغرب سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور مغرب کے یہ نظریات اشتراکیت سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ طبیعت Nature کو خدا کا مقام دینا اور خدا کی بجائے Nature طبیعت یا انسانی فطرت کی اتباع کرنا۔ اور اپنے معاملوں میں طبیعت Nature کو ہی حاکم بنانا (وحی الٰہی کو ٹھکرانا، وحی الٰہی کی اطاعت کو بنیاد پرستی قرار دینا، عقل کی نگرانی انسانی فطرت کو اُس کے ردّ وقبول میں فیصلہ کن جگہ دینا)

۲۔ تمام جاندار اشیا کو ان جبری مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو خارجی مادّی ماحول کے دباؤ اور جاندار کے اپنے آپ کو اس ماحول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش سے ابھرتے ہیں۔ پھر ارتقائی مراحل میں وہ افکار واعمال جو ماحول سے ہم آہنگ نہ ہوں ختم ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی جگہ زیادہ پیچیدہ اعمال اور زیادہ پیچیدہ افکار لیتے رہتے ہیں۔ مگر اس ارتقا میں جاندار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اسیر باہر سے مسلط ہے اور یہ جاندار اس عمل کو مقدم یا موخر کرنے یا اسکے طریقہ کار میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے سے قاصر ہے کیونکہ یہ سارا عمل طبیعت خود انجام دیتی ہے

(۳۴) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ از اقبال، علامہ، مترجم، نذیر نیازی، سید، ص/۲۳۲

(عورتوں کو بھی اپنے معاشرتی ارتقا کی راہ میں خارجی مادّی دباؤ اور اکیسویں صدی کے تقاضوں کے دباؤ میں اپنے آپ کو ماحول سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ جو اس سے ہم آہنگ نہ ہوگا وہ مٹ جائے گا۔ اور ان کی جگہ نئے افکار لیں گے اور پرانے دین قصہ پارینہ بن جائیں گے۔ اور انسان اس طریقہ کار میں کسی قسم کی تبدیلی لانے سے قاصر ہے۔

حقوق نسواں کے مجاہدین نے حیاتیات کا یہ ارتقائی نظریہ مکمل طور پر اشتراکیت سے لیا ہے اور اسے عورتوں کے ارتقاء اور ترقی پر چسپاں کر دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ تمام نتائج جو انہوں نے حاصل کیے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ کیونکہ ان کی تعمیر ایک صحیح بنیاد پر اٹھائی گئی ہے۔

۳۔ انسان کو مادی اور حیوانی نقطہ نظر سے دیکھنا اور بلند قدروں کو قطعی طور پر نظر انداز کرنا اور صرف مادّی محسوسات کو ہی تسلیم کرنا یہ بعینہ وہی مادہ پرستانہ نقطہ نظر ہے جس کا یورپ قائل ہے۔ حقوق نسواں کا جدید ذہن عورت کے جبلی تقاضوں کو اعلیٰ قدروں پر ترجیح دینے کا ذہن ہے۔ اور عورت کو بطور حیوان کے پیش کرتا ہے، جس کے جبلی تقاضے آزادی، جنسی بے راہ روی اور مردوں سے مساوات کے متقاضی ہیں۔ یہ ذہن مغربی مادی افکار کا پرتو ہیں۔ اگرچہ اس کے علمبردار ملت اسلامیہ میں اس کی جدّت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔(۳۵)

اشتراکی نظام تو ایک مضبوط قلعہ ہے اس میں کون شگاف ڈال سکتا ہے۔ یہ تو اقتصادی جبریت ہے اور یہ جبریت اس قدر زبردست ہے کہ اسے کسی قانون کی ضرورت نہیں۔ حقوق نسواں کا جدید ذہن اس کی آغوش میں پناہ لے کر مسلمان عورتوں کو بھی اس کے تحفظ کی دعوت دیتا ہے۔ اشتراکی دین کے درج بالا اصولوں میں بہت سے پوشیدہ رخ ہیں جنہیں الفاظ نے سمیٹ رکھا ہے۔ مثلاً اشتراکی ذہن جنسی جرائم کو جرائم نہیں سمجھتے، کیونکہ وہ مقام حیوانیت سے بلند وارفع انسانیت کے وجود پر یقین نہیں رکھتے نیز وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ عورتوں کو جنسی مسئلے میں کھلی چھٹی دے دیں تاکہ عورتوں کی گھٹی ہوئی قوتوں کا اخراج ہوتا رہے۔ اور یہ قوتیں مجتمع ہو کر کسی دن اسی نظام کی شکست وریخت پر نہ لگ جائیں۔ اس لیے اشتراکیت اپنے ذاتی مفاد کی تکمیل میں عورتوں کے حقوق کی محافظ ہے۔ مگر اللہ ان اُمور کو زیادہ بہتر جانتا ہے جو عورتوں کے لیے مفید ہیں۔ مثلاً اشتراکی ذہن خدا کا انکار کر کے انسانی عقل کی اتباع کرتا ہے۔

(۳۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے اسلام اور جدید مادی افکار از محمد قطب، مترجم، کاندھلوی، سجاد احمد، ص ر ۱۰۹

حقوق نسواں کی تعبیر نو کا ذہن ، وحی الٰہی کو محکوم کر کے انسانی عقل وفطرت کو حاکم بناتا ہے۔ اور انسانی عقل وفطرت وہ ہے جو اکیسویں صدی میں اشتراکی اور مادی افکار کے جبر اور تسلط کا شکار ہے۔ جہاں عورتوں کے لیے اقدار عالیہ عورتوں کو فائدہ دینے کی بجائے عورتوں کی محکومی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جہاں عورتوں کا نفس رفعتوں کو قبول نہیں کرتا۔ جہاں اقدار عالیہ اور اسلامی تعلیمات کا یہ مطلب لیا گیا ہے کہ عورتوں کو خیموں کی زندگی کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ اگر وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتی ہیں تو انہیں زندگی کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر کسی مرد کے جیل خانے میں زندگی گزارنی پڑے گی۔

یہ درست ہے کہ آج کے مغرب کو جو قوت اقتدار اور شان وشوکت حاصل ہے یہ اسے مذہب کو رد کر کے اور دنیائے محسوسات پر اپنے یقین کو مضبوط کر کے حاصل ہوئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ حصول قوت کا یہی واحد ذریعہ ہے اس سلسلے میں تاریخ ہمارے سامنے بطور دلیل اس حقیقت کو پیش کرتی ہے جب دنیائے اسلام، اسلام پر پکا سچا ایمان رکھتی تھی اور پوری قوت کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا تھی۔ اس وقت مسلمانوں کو جنگ و سیاست ، سائنس واقتصاد ہر میدان زندگی میں تفوق اور برتری حاصل تھی۔ اور جب یورپ جو آج ایک پیکر عظیم کی طرح ایستادہ ہے وہ خود ایک زمانے تک اسلام اور مسلمانوں کا شاگرد رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی یہ ترقی مادیت پرستی کی بنا پر نہیں وحی الٰہی پر ایمان کا نتیجہ تھی ، اور آج بھی مسلمانوں کی طاقت مادیت نہیں، روحانیت ہے۔ مادیت، روحانیت کے تابع ہوتی ہے تو مادے کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ اور وہ طاقتور ہو کر محسوسات کی دنیا میں اپنی جبلیت اس طرح منوا لیتا ہے جسے ظاہری نگاہ دیکھتی ہے اور جس کی پرستش مغرب کرتا ہے اور جو دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جہاں کائنات کی تسخیر کائنات کے خدا کو چیلنج کرنے کے لیے نہیں خدا کی معرفت حاصل کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ جس کی بدولت ایک عالم کا اپنے رب پر ایمان ایک جاہل کے ایمان سے ہزار گنا آگے بڑھ جاتا ہے جس کی بدولت علم بغاوت نہیں سکھاتا بلکہ جنت کے راستے پر چلاتا ہے۔ جس کی بدولت عورت قربانی ایثار کی راہ پر چلنے میں تنگی نہیں بلکہ سرمستی محسوس کرتی ہے۔ اور نئے جذبے اور نئے شوق کے ساتھ اکیسویں صدی کے تقاضوں کو ایک نئے ایمان اور ایک نئے ذائقے کے ساتھ اسلام اور اطاعت

کے قالب میں ڈھالتی ہے۔ اُس کے لیے زندگی کی کوئی آزمائش اور کوئی مشکل ترین گھاٹی اُسے اپنے دین کی محبت سے بے نیاز نہیں کرسکتی۔

محض یہ کہہ دینے سے کہ اسلام کے اصولوں میں زندگی کے مسائل کا حل موجود ہے۔ سارے مسائل خود بخود حل نہیں ہوجائیں گے۔ اسلام میں بالقوّہ جو کچھ موجود ہے اس کو بالفعل بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ دنیا کشمکش اور جدوجہد کی دنیا ہے۔ اس کی رفتار محض باتوں سے نہیں بدلی جاسکتی۔ اگر اشتراکی اپنے غلط اصولوں کو لے کر نصف صدی کے اندر دنیا کے ایک بڑے حصے پر اپنا اثر و اقتدار قائم کرسکتے ہیں۔ اگر 'فاشیت' اپنے غیر معتدل طریقوں کو لے کر دنیا پر اپنی دھاک بٹھا سکتی ہے۔ اگر گاندھی کی 'اہمسا' ایک غیر فطری چیز ہونے کے باوجود محض جدوجہد کے بل پر فروغ پاسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جن کے پاس حق اور عدل کے غیر فانی اصول ہیں۔ ایک مرتبہ پھر دنیا میں اپنا سکہ نہ جما سکیں مگر یہ سکہ صرف وعظ و تلقین سے نہیں جم سکتا۔ اس کے لئے مسلسل سعی و عمل کی ضرورت ہے۔

مبحث ہفتم: تعبیر نو نسوانی نفسیاتی احساسات کی جبلتی تشریح

حقوق نسواں کی تحریکوں کا ذہن عورتوں کو ان کے حقوق کی تکمیل کے سفر میں جس منزل پر لے کر جاتا ہے اس سے انسانی جبلتوں کی تسکین ہوتی ہے۔ اور جبلت کیا ہے کس خاص سمت میں عمل کرنے کا ایک فطری اور حیاتیاتی Biological دباؤ ہے جس کا سامان قدرت نے جسم اور دماغ کی مادّی ساخت میں رکھا ہے۔ اور انسان کے اندر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو اس سے نچلے درجہ کے حیوانات میں موجود ہیں۔ بھوک، غصہ، جنسیت، فرار، حیوانی یا انسانی جبلتوں کی مثالیں ہیں۔ ہر جبلتی خواہش کے ماتحت جو عمل سرزد ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک خاص جذباتی کیفیت موجود رہتی ہے۔ ہر جبلت ایک اندرونی یا بیرونی تحریک کے ماتحت عمل کرتی ہے۔ جب جبلت کا مخصوص محرک موجود ہوجائے تو ضروری ہے کہ جبلت کا فعل آغاز کرکے اپنی انتہا کو پہنچے پھر جبلتی خواہش کی تکمیل اور تشفی انسان کے لیے ایک خاص قسم کی آسودگی اور لذت کا موجب ہوتی ہے۔''(۳٦)

اگر اس نقطہ نظر کو درست مان لیا جائے تو انسان فقط ایک ترقیانہ ذہن رکھنے والا حیوان ثابت ہوتا ہے۔ جو اپنی بہتر دماغی صلاحیتوں کے باوجود اپنی حیوانی سرشت سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ نیز اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اعلیٰ

(۳٦) قرآن اور علم جدید از محمد رفیع الدین، ص/۵۱۱

ترین سرگرمیاں جو خاص انسانیت سے تعلق رکھتی ہیں اور اسے حیوان سے ممیّز کرتی ہیں مثلاً مذھب، اخلاق، سیاست ،علم و ہنر ،تصورات حسن وغیرہ جبلتوں سے اور جبلتوں کی تشفی کے لیے بقائے فرد ونسل کے مقصد کے تحت پیدا ہوتی ہیں اور ان کا کوئی بلند تر ماخذ یا مقصد انسان کی فطرت کے اندر موجود نہیں۔

اسی لیے علماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ حقوق نسواں کا جدید ذہن مادّہ پرستانہ حیاتیاتی اور حیوانیت پر مشتمل ہے۔ یہ انسان کو حیوان ثابت کرنے کی کاوش ہے جو انسان کو جبلتوں کے تقاضے پورے کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ علمائے اسلام کے نزدیک جبلتوں کو روکنا اور عزم پیدا کرنا ہی انسانیت ہے۔ اور اسی بنا پر انسان کے لیے جنت اور جہنم ہے۔ اگر ان کے جبلت کے نظریہ کو حق مان لیا جائے تو مذہب کی پوری بنیاد ہی گر جاتی ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس حد تک انسان حیوان ہے اور جبلت کے تابع ہے وہ غیر ضروری ہے، اور اُس کا تتبع بیکار ہے۔ اور جس حد تک انسان، انسان ہے وہ ضروری ہے اور وہی دین اسلام کا منشا ہے۔

مبحث ہشتم: معاشرتی ارتقاء کے نام پر مذہب بیزاری

حقوق نسواں کے محافظ معاشرہ اسلامی کا لادینی ارتقاء چاہتے ہی۔ ارتقاء چونکہ تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ معاشرے میں عورت کے کردار میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ ارتقائی تبدیلی کبھی معمولی ہوتی ہے کبھی ہمہ گیر۔ یہ متجددین اس وقت معاشرے میں ہمہ گیر تبدیلی کا تقاضا کررہے ہیں جس کی بدولت اسلامی معاشرتی نظام کی بنیادیں ہل جائیں اور اسلامی معاشرت کی جگہ مغربی معاشرت لے۔ یہ تبدیلی کے مطالبے پہلے بھی ہوتے آئے ہیں لیکن چند قوانین کی تبدیلی سے کام چل جاتا تھا لیکن اب یہ پورے اسلامی معاشرتی سانچے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

محمد قطب مصری نامور اسلامی سکالر ہیں۔ وہ ان مطالبات کو اسلامی معاشرت پر حملہ تصور کرتے ہیں اور ایک خوبصورت مثال سے مغرب کے مقاصد کو عیاں کرتے ہیں کہ جن مقاصد کو اسلامی معاشرے کے متجددین اور طبقہ نسواں نے بھی اپنا لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ مغرب اپنی ایجادات وصنعت وحرفت میں مشرق سے آگے ہے۔ پہلے وہ صرف اپنی ایجادات کی آشیرباد چاہتا تھا۔ اب اپنی حرفی بالاتری کی بدولت مشرق کو اپنا غلام، تابع اور محتاج دیکھنا

چاہتا ہے اور اسلامی معاشرت کو اس ڈھب پر لانا چاہتا ہے کہ وہ مغرب کی محتاج بن جائے۔وہ معاشرت کو ایک گھڑی سے تعبیر کرتے ہیں:

''مغرب سے آیا ہوا پرزہ مشرقی گھڑی میں فٹ نہیں ہوتا۔چاہے وہ پرزہ کتنا بھی کارآمد کیوں نہ ہو۔اس سے تب تک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا جب تک مشرقی گھڑی کے بنیادی ڈھانچے کو اس پرزے کے موافق نہ کردیا جائے۔مغرب اب اپنے پرزے کی مارکیٹنگ کی خاطر مشرق پر زور دے رہا ہے کہ وہ اپنی گھڑی کا ڈھانچہ بدلے۔تاکہ مغربی پرزہ ڈھانچے کو صحیح فائدہ دے۔''(۳۷)

اسلامی معاشرے کا اسلام پسند طبقہ اپنے معاشرے کو خود انحصاری کا سبق دے کر اصرار کرتا ہے کہ وہ مغربی پرزے سے بے نیاز ہو کر وہ پرزہ خود بنائیں جبکہ اسلامی معاشرے کا جدت پسند طبقہ مغربی پرزے کو اپنانے کا درس دیتا ہے اور اس کو کارآمد بنانے کے لیے مقامی معاشرتی ڈھانچے کو بدلنا چاہتا ہے۔

محمد قطب کہتے ہیں:

''اب اگر مغرب سے آیا ہوا کوئی غیر اسلامی عنصر اسلامی ڈھانچے میں فٹ نہیں ہوتا تو اس کی خاطر ڈھانچہ نہیں بدلا جائے بلکہ پرزہ ٹھکرایا جائے گا۔''(۳۸)

عورت کے حقوق کا مسئلہ معاشرت کے میدان میں لے جانے سے یہ عورت کی حیثیت کے تغیر کو معاشرتی تغیر سے ملا کر لازمی کرلیں گے۔اور پھر جو چاہے عورت کا میدان متعین کریں یا مقام متعین کریں عورت کو ہر دم اور ہر دن نیا کریں اور جدید بنائیں پھر اُسے اکیسویں صدی کے لیے تیار کریں یا بائیسویں صدی کے لیے وہ عورت کے معاملہ کو اسلام کی دسترس سے باہر کرلیں گے۔اور عورت کو آزادی اور من چاہی راہوں کی دعوت دیں گے۔اسلامی احکام سے آزادی کے بعد عورت ،پردہ، چادر، چار دیواری اور مردانہ تسلط سے آزاد ہو جائے گی۔اور ہر آنے والے دن کے نئے تقاضوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے گی اور اسلام کو قدیم سمجھ کر اُس سے جان چھڑا لے گی۔لہٰذا حقوق نسواں کے حامی بنیادی طور پر اس چیز کو نا پسند کرتے ہیں عورت کے حقوق کا معاملہ مذہب کے میدان میں اُٹھایا جائے۔ وہ عورت کی حیثیت کو معاشرتی معاملہ قرار دینے پر مصر ہیں۔ تاکہ عورتوں پر زمانے کی رعنائیوں کے

(۳۷) اسلام اور جدید مادی افکار از محمد قطب ،مترجم ،کاندھلوی، سجاد احمد، ص ۴۳۰

(۳۸) ایضاً

دروازے کھولے جائیں اور انہیں مذہب کی حد بندیوں سے آزاد کیا جائے۔

عصر حاضر میں مغربی تہذیب اور مشرقی تہذیب کے اختلاط نے نئے افکار کو جنم دیا ہے۔

''مغرب میں تحریکیں ایک دوسرے کا رد ہیں۔ اس ردعمل میں بنیادی ہدف مذہب ہے جو مغربی تہذیب میں موجود بھی ہے اور مظلوم بھی ہے۔ ان تحریکوں نے حصہ بقدر جثہ کے مصداق مذہب کو ہدف بنایا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے ایک بنیادی رویہ قیصر کے زمانے سے چلا آرہا ہے، کہ زندگی کی تمام تلخیوں کا الزام مذہب کو دینا ہے اور اس کی تمام تر رعنائی اس سے دوری میں تلاش کرنا ہے۔''(۳۹)

اس لیے تحریک حقوق نسواں فکر عورت کو مذہب کے دائرے سے نکال کر معاشرت کے دائرے میں لانا چاہتی ہے۔ لیکن یہاں ایک بار پھر اسلامی معاشرہ ان کی رکاوٹ بنتا ہے۔ جو کہ معاشرت کے قوانین سے زیادہ اسلامی قوانین سے پیار کرتا ہے۔ اب اس رکاوٹ کو دور کرنے کا بیڑا آج کے جدید دور اسلامی فقہ کی تشکیل نو کرنے والوں نے اٹھایا ہے۔ وہ اسلام سے وہ سبق نکال کر دکھائیں گے جو مادیت، مغربیت، دہریت کا خاصہ ہے اور نسوانیت کو اس کی صولی چڑھائیں گے۔ اس لیے اب حقوق نسواں کے مجاہدوں نے قرآن کی تشریح کا فریضہ سنبھالا ہے ان کے مطابق آج کی جدید عورت کو جدید فضا میں اُڑانے کے لیے قرآن سے جدید حقوق نسواں اخذ کرنے ہوں گے۔ جو کام علماء کے بس کا نہیں ہے (اس لیے مفسر قرآن کی سیٹ یہ سنبھالیں گے)...کیونکہ ان کے نزدیک

''ملا کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام ایک جامد (Static) اور متصلب (Rigid) مذہب ہے۔ جس میں ارتقا (Development) کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو کچھ اس وقت شریعت رائج ہے اور جس کا علمبردار خود مُلا کا طبقہ ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں دی جاسکتی۔''(۴۰)

یہ نقطہ نگاہ اس حد تک تو درست ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں معاشرت (Socialogy) بطور علم کے مفقود ہے اس لیے دینی مدارس کا طالب علم معاشرتی تقاضوں کو انسانی نبض پر تو محسوس کر لیتا ہے اُسے علمی بنیاد نہیں دے پاتا لیکن اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ دینی علم کی طرف بیزاری اور بے نیازی اختیار کی جائے یہ بھی درست نہیں کیونکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔

---

(۳۹) 'سیکولرازم اور اسلام' از جامعی، شبیر احمد، حافظ، آئین، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج ۴۴/ش ۳، ص ۶۶۔۶۷

(۴۰) لمعات، طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۹

علمائے کرام کا یہ نظریہ ہے یا نہیں؟ فی الحال اسے نظر انداز کیجئے اور یہ دیکھئے کہ فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کا نظریہ کیا ہے؟ یہ لوگ جب اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، تو ارتقاء کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں لیکن عملاً ان کا رویہ ارتقا (Development) کا نہیں، بلکہ اختراع (Innovation) کا رویہ ہوتا ہے۔ نام 'تصریف آیات' کا لیا جاتا ہے، لیکن عمل تحریف آیات کا ہوتا ہے۔ زبانی جمع خرچ کی حد تک ذکر تفسیر قرآن کا کیا جاتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں 'تغییر قرآن' کا دم بھرا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام اور قرآن کسی ٹھوس حقیقت کا نام نہیں ہے، بلکہ کسی شی سیال کا نام ہے، جسے اگر جگ میں ڈالا جائے تو جگ کا روپ دھار لے، گلاس میں ڈالا جائے تو گلاس کی شکل اختیار کرلے، لوٹے میں ڈالا جائے تو لوٹا بن جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ہر بدلتی ہوئی شکل پہلی شکل کا ارتقا نہیں ہے، بلکہ ازسرنو شکلِ غیر کا اختراع ہے۔ لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے، ہر بدلتی ہوئی شکل پر 'ارتقاء' کا لفظ چسپاں کردیا جاتا ہے۔

جس طرح لوگ قرآن کریم سے نچوڑی گئی متضاد تعبیرات کو 'ارتقا' کا خوشنما نام دیتے ہیں حالانکہ ان کی بعد والی تعبیر، پہلی تعبیر کی 'ارتقا یافتہ شکل' نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک نئی تعبیر کی اختراع شدہ صورت ہوتی ہے۔

اسی طرح ہمارے حقوق نسواں کے جدید دانشور اپنی اختراعی تعبیراتِ قرآن کو ارتقائی تعبیرات قرار دیتے ہیں، خواہ جہالت کا مظاہرہ کریں یا علمی خیانت کا، بہرحال یہ ایک معیوب حرکت ہے۔ علمائے کرام 'ارتقا' اور 'اختراع' کے مفہوم سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں کہ ان دونوں الفاظ کو مترادف المفہوم اور متماثل المعنی قرار دیں اور نہ وہ بددیانت ہی ہیں کہ عملاً 'اختراع' کا رویہ اپنائیں لیکن قولاً اسے 'ارتقا' باور کروائیں۔ وہ اسلام کو جامد اور متصلب نہیں سمجھتے بلکہ اُصول اجتہاد کی روشنی میں اسلام کے ہر دور میں قابل عمل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ اسلام کو ضرور جامد اور متصلب سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کو ('ارتقاء' کے نام پر) اپنی اختراعات کا نشانہ بناتے ہیں، اور علماء پر بہتان باندھتے ہیں کہ:

''مُلا کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام، ایک جامد اور متصلب مذہب ہے۔''(۴۱)

وہ مزید لکھتے ہیں:

---

(۴۱) لمعات، طلوع اسلام، اگست ۱۹۶۰ء، ج ۱۳/ش ۸/ص ۳/

''اصل یہ ہے یہ ہمارا قدامت پسند طبقہ ، جو کچھ مذہب کے نام سے پیش کرتا ہے اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ وہ علم و بصیرت کی کسوٹی پر پورا اُترے اور عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔'' (۴۲)

حقوق نسواں کے حاملین کی زبان پر کثرت سے یہ جملہ سننے کو ملتا ہے:

''ملا کے پاس نہ علم ہوتا ہے نہ بصیرت نہ دلائل ہوتے ہیں نہ براہین'' (۴۳)

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا 'علم' اور کون سی 'بصیرت' ہے جس کی 'کسوٹی' پر علمائے کرام کے پیش کردہ اسلام کو پرکھا جا رہا ہے؟ اور جس 'عقل وفکر' کے تقاضوں کو پورا کرنے کی دُھن دل و دماغ اور حواس و مشاعر پر چھائی ہوئی ہے وہ کن سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہے۔

ایک 'علم وبصیرت' وہ ہے جو ایمان باللہ ، اعتقاد بالرسالت اور یقین بالآخرت کا نتیجہ ہے اور جس کے رسوخ کا ذریعہ قال اللہ وقال الرسول کا گہرا مطالعہ ہے۔ یہ ایمان اور یہ مطالعہ حیات و کائنات کے متعلق منفرد تصور پیدا کرتا ہے اور انسان کے قلب و ذہن کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالتا ہے، جس کے نتیجہ میں بندہ مومن کے ردّ وقبول کا جداگانہ معیار قائم ہوتا ہے اور وہ ہر چیز کو ایک مخصوص زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

دوسرا 'علم وبصیرت' وہ ہے جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کا نتیجہ ہے۔ انسان کی 'عقل وفکر' جحود باللہ، انکارِ رسالت اور کفر بالآخرت کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا معیار اَخذ وترک وہ ہوتا ہے جو کفر نے پیش کیا ہے۔ اس کے جانچ پرکھ کے پیمانے ان پیمانوں سے مختلف ہوتے ہیں جو اسلامی معتقدات کے پیدا کردہ ہیں۔

تعبیر نو کے حاملین کا المیہ یہ ہے کہ وہ نام تو قرآن کا لیتے ہیں لیکن کام غیر قرآن کا کرتے ہیں۔ الفاظ تو قرآن ہی کے بولتے ہیں لیکن مفاہیم مستشرقین سے لیتے ہیں۔ آنکھیں تو اپنی ہی استعمال کرتے ہیں لیکن زاویۂ نگاہ دشمنان اسلام سے لیتے ہیں۔ کان تو سننے کے لیے وہ اپنے ہی برتتے ہیں لیکن جو کچھ سنتے ہیں وہ اللہ و رسول کی نہیں بلکہ کارل مارکس، چارلس ڈارون اور برگسان وغیرہ کی سنتے ہیں، عقل وفکر سے کام تو لیتے ہیں، مگر اُس عقل وفکر سے نہیں جو قرآن وسنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے، بلکہ اُس سے جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کے نتیجہ میں تشکیل پا چکی ہے۔ زبان تو وہ اپنی ہی استعمال کرتے ہیں، لیکن بولی غیروں کی بولتے ہیں۔

---

(۴۲) لمعات، طلوع اسلام، اگست ۱۹۶۰ء، ج/۱۳، ش/۸، ص/۳ (۴۳) ایضاً

حقوق نسواں کے جدید دانشور علماء کی پیش کردہ تصویر نسواں کو قرآن وسنت کی فراہم کردہ 'علم وبصیرت' کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے (قرآن کا نام لے کر) اس 'علم وبصیرت' کی روشنی میں دیکھتے ہیں جو اغیار کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں علماء کا پیش کردہ اسلام تو ''عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرنے والا'' دکھائی نہیں دیتا، لیکن خود ان کا اپنا اسلام، جسے اُنہوں نے مغربی معاشرت کے اقدار واطوار کو اشتراکی معیشت کے ساتھ نتھی کر کے پیش کیا ہے، اُنہیں عین ''عقل وفکر کے تقاضوں کو پورا کرنے والا'' نظر آتا ہے۔ (۴۴)

حقوق نسواں کے بارے میں معاشرت کو مذہب پر ترجیح دینے والوں کے ردّ میں شبیر احمد قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔﴿وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾(۴۵) اور اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس تحریک کے مجاہد اللہ کی بجائے زمانے کو خدا سمجھتے ہیں۔ اس طرح عہد نبوی میں کافر کیا کرتے تھے۔ (۴۶)

کیا حقوق نسواں کی اسلامی تعیین کا تعلق معاشرتی ارتقاء سے ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''اسلام میں تعبیر وتشریح کا مسئلہ کائنات کے نظریہ ارتقا سے منسلک ہے۔ اگر اسلام میں نظریہ ارتقا درست ہے تو پھر بدلتے دور کے تقاضوں کے مطابق تعبیر وتشریح لازمی امر ہے۔''

آپ قرآنی نظریہ ارتقاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت ارتقاء دنیا کے علمی مسلمات میں سے ہے۔ قرآن اس کی مخالفت نہیں بلکہ تائید کرتا ہے۔ اسلام کے قوانین واصول دوحصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ایک حصہ ابدی اور کلی قوانین پر مشتمل انسان کی عملی زندگی کی تشکیل پر حاوی ہے۔ یہ حصہ غیر متبدل قوانین پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ اسلام کے معاشرے کے حالات کے مطابق ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اس تفسیر کا تقاضا ہے کہ اس ضمن میں اسلام کے احکامات کی تعبیر وتشریح ہوتی ہے تاکہ زندگی کسی ایک مقام پر رک نہ جائے۔''(۴۷)

---

(۴۴) علماء کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ از قاسمی، محمد دین، پروفیسر، محدث، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج ۳۸/ش ۳/ص ۱۰۲-۱۲۰

(۴۵) سورۃ الجاثیہ: ۴۵/۲۴

(۴۶) سیکولرازم اور اسلام از جامعی، شبیر احمد، حافظ، آئین، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج ۴۴/ش ۳/ص/۶۵

(۴۷) ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) شخصیت، فکر، ایک جائزہ، محمد عارف خان، فکر ونظر (سہ ماہی) اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۴ء، ج ۳۲/ش ۲/ص/۷

ڈاکٹر صاحب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہیں کہ زندگی ایک ہی مقام پر جدوجہد کرتی ہے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ اسلام کو ہر دور کے لئے قابل عمل بنایا جائے اور معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے۔لیکن مسلمان معاشرے کوخود انحصاری سیکھنی ہوگی اور مغربی افکار کے غلبہ کے تحت اپنے دین کوان کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کرنا، بلکہ آزادروی سے اپنے مقاصد کاتعین بھی کرنا،حفاظت بھی اور دین الٰہی کو بالا تر کرنا ہے نہ کہ مغلوب،لیکن یہ بھی واضح رہے کہ ہم نے کسی کے ردعمل میں اپنا نقصان نہیں کرنا،حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے اور وہ اس کا کسی بھی اور شخص سے زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ اسے اپنا لے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی معاشرت پر ہونے والی یلغار سے جو کچھ اپنے حق میں پائیں اس سے نہ چوکیں اور خودکوایک زندہ قوم ثابت کریں۔

مبحث نہم: شدید ذہنی بحران / اضطراب / شک وریب کی داعیہ

آج کل کے دور میں بسنے والی عورت حقوق نسواں کی تحریکوں کے انکار کی یلغار میں کئی قسم کے رویے دکھا رہی اُن رویوں میں سے سب سے الجھا ہوا رویہ جدید مسلمان عورت کا ہے جس پر بات کرتے ہوئے ایک ایرانی مفکر لکھتے ہیں۔

”آج کل کی عورتوں نے تین قسم کے رویے ظاہر کیے ہیں۔“

”بعض عورتوں نے عورتوں کے کردار کی روایتی تشریح کواپنا لیا ہے۔ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں اور جن عورتوں نے نئے مغربی فکر کواپنا لیا ہے۔انکا بھی مسئلہ ان کے لیے حل ہو چکا ہے۔ان دونوں قسموں کے درمیان وہ عورت ہے جس کے لیے روایتی تقلیدی کردار نا قابل برداشت ہے۔اور نہ ہی وہ نئے فکر کے سامنے ہتھیار ڈالنا چاہتی ہیں (کیونکہ اُس میں ان کا اسلام خطرے میں پڑتا ہے۔) اب وہ کیا کریں وہ اپنے لیے کسی اچھی مثال کا انتخاب چاہتی ہیں (وہ شدید ذہنی بحران کا شکار ہیں)[۴۸]

کیونکہ اُنھوں نے جینا اس معاشرے میں ہے جو اکیسویں صدی میں قدم رکھ چکا ہے۔(ایران شیعہ مسلک کا شریعتی مسلمان ملک ہے جس کے نزدیک عورت کے لیے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہؐ کا کردار سب سے مثالی ہے) علی شریعتی پہلے دونوں کرداروں پر انتہائی تنقید کرتے ہیں کہ پہلی قسم کی عورت قدامت پر راضی ہوگئی ہے اور دوسری

(۴۸)فاطمہ فاطمہ است،علی شریعتی،ص/۸۸

قسم اسلام سے بیزار ہوگئی ہے۔ اور وہ تیسری قسم کی عورتوں کو سب سے زیادہ سراہتے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس تیسری قسم کے ذہن اضطراب سے انتہائی پریشان ہیں۔ اور اس کا قصور وار تنگ نظر علماء کو ٹھہراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ معاملہ اگر اب بھی ایسا ہی رہا تو ہم مستقبل کی عورتوں سے کوئی اچھی امید نہیں کر سکتے اور اس کے قصور وار روایتی علماء بھی ہیں اور مغربی استعمار بھی۔

مذہب کامل ایمان کا دعوے دار ہے۔ حقوق نسواں کی فکر کیونکہ مغربی فلسفوں اور نظریات پر اٹھائی گئی ہے اور ان فلسفوں کی بنیاد ہی شک پر رکھی گئی ہے۔ کہ ازل سے چلے آنے والے مسلمہ عقائد کو ایک بار پھر شک وتنقید کا نشانہ بنایا جائے اور ایک بار پھر تجربہ گاہ میں آزمایا جائے۔ دور حاضر میں اس سے افادیت کو ایک بار پھر مشکوک کیا جائے۔ یہ فکر عورتوں کا اسلام پر سے ایمان اٹھا دیتا ہے۔ لیکن اس کے متبادل اُسے کوئی بنیاد فراہم نہیں کرتا جس پر وہ یقین کر لے۔ اس لیے ایمان کے اٹھ جانے کے بعد وہ شک وریب کی دلدل میں پھنس جاتی ہیں اور کوئی سرا ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ کیونکہ حقوق نسواں کی فکر کی اتباع میں آخرت تو آخرت دنیا کی کامیابی بھی یقینی نہیں رہتی۔

یہ فکر اس اعتبار سے تو درست ہے کہ یہ آبائی عقائد کو ایمان نو میں بدلنے کی کوشش ہے لیکن اس راہ میں عقل اگر وحی الٰہی سے ہمنوا ہو کر نہ چلے تو انسان گمراہی کی پاتال میں جا گرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حقوق نسواں کے حامی اپنی افکار کی بنیاد مغربی فلسفہ اور سائنس کو بنانے کی بجائے شریعت اسلامی کو بنیاد بنالیں تو انکا یہ قدم ان کے مفادات کے لیے یعنی عورتوں کے حقوق کے لیے ایک مہمیز کا کام کرے گا۔ اگر یہ حقوق نسواں کے نام پر شریعت کی نئی تعبیر کی بجائے اسلام کے نام پر حقوق نسواں کی نئی تشریح کرلیں تو جہاں یہ عورتوں کے مسائل کا حل ہوگا وہاں دین اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اسلامی معاشرے میں یہ دین اسلام کی جزوی پیوند کاری کے تو حامی ہیں مگر کسی ایسی جامع اور کلی متبادل کو جس سے تبدیلی برپا ہو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ ایمان حقیقی کو تو شک وشبہ میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن شک وشبہ کو نئی مضبوط بنیاد فراہم کرنے میں ناکام ہوجاتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی ذہنی کوششیں تھک تھک کر ان کے پاس لوٹ آتی ہیں یوں یہ ایک بڑے ذہنی بحران کا شکار ہو جاتے ہیں۔

انسانیت جن تضادات کا شکار ہو چکی ہے اور تہذیب کو تباہی کے جو خطرات لاحق ہو چکے ہیں وہ ان کے انسانی نظریات کی اتباع کا نتیجہ ہیں۔ ماڈرن ٹھاٹ انسانیت اور تہذیب کو ان سے بچانے میں بے بس ہو رہا ہے بلکہ محض ایک تماشائی بن چکا ہے۔ اور اب یہ سوال بار بار اٹھایا جا رہا ہے کہ کس طرح انسان اور اس کی تہذیب کو بچایا جائے اور وہ کون سا جامع ترین حل ہے جو اس سلسلے میں کارآمد ہو۔ اس جامع حل کے پاس وہ کون سی بنیادیں ہیں جو اس مشکل علاج کو انجام کار صحت تک لے جائیں۔ جدید متبادل نظریات کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مذہب کی بجائے فلسفے اور علم پر قائم کیے گئے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اب اسلامی علماء ایک صرف سلبی طور پر ناکام شدہ نظریات پر حجت قائم کریں دوسری طرف ایجابی طور پر اپنی افادیت ثابت کریں یہ حل مذہب کی روشنی میں علم اور فلسفہ اور اخلاقیات کے مابین توازن قائم کرے اور اس قدر جامع ہو کہ تمام عصری مسائل اس کے احاطے میں آئیں۔ انسان کی ہر مشکل کا جواب دے اور تہذیب کے ہر نئے سے نئے پہلو اور انسان کے گوناگوں مسائل کے لیے اس کا دامن کھلا رہے''۔ (۴۹)

حقوق نسواں کا جدید ذہن بار بار ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلے دین سے جدا ہوئے اور معاشی و معاشرتی و اخلاقی اور فلسفے تک محدود ہو گئے۔ تمام اُمیدیں نئے فلسفوں کے ساتھ وابستہ کرلیں اور جب فلسفہ ناکام ہوا تو یہ طریقہ ہائے حیات بھی ناکام ہو گئے۔ اور قصہ ماضی بن گئے۔ اس کے بعد انسان علم کی طرف دوڑا تاکہ فلسفے کی بجائے اُسے سہارا بنائے۔ لیکن علم سے بھی وہ کام لیا جانے لگا جو اس کی طاقت و قدرت کے دائرے میں نہیں تھا۔ حالانکہ علم تو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے لیکن جب علم کو نظریات کا تابع کرلیا جائے تو یہ ہدایت کی بجائے گمراہ کرتا ہے۔ اس علم کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قوموں کے رویوں کا ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد حق سے اختلاف کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کے افکار کو سعادت وفضیلت کی بجائے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

ان کے ذہنی بحران اور الجھاؤ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اقدار کی ترجیحات میں توازن کھو بیٹھے ہیں۔ اور ان امور میں بھی میانہ روی اور اعتدال سے خالی ہو چکے ہیں جن کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ ان میں توازن قائم

(۴۹) جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر مترجم: حامدی، خلیل احمد، ص ۴۳/۷

ہو۔مثلاً روحانی اور مادی اُمور میں اعتدال کی رسی تھامے رکھنا اوران کی مقتضیات میں توازن برتنا جو دنیا اور آخرت میں سعادت کے لیے ضروری ہیں۔(۵۰) معاصر فکر کا خیال ہے کہ آج عالم اسلام میں دو ذہن ہونا وقت کا تقاضا ہے۔اس پر کوئی تعجب نہیں۔(۵۱) آج عالم اسلام میں دو ذہنوں ، دو فلسفوں ، دو معیاروں اور دو رخوں کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اور جو عام طور پر زیادہ طاقتور مسلح ، صاحب اختیار و اقتدار گروہ کی کامیابی پر منتج ہوتی ہے وہ بالکل قدرتی ہے۔ یہ بات تاسف کی بات ہوتو ہو تعجب کی بات نہیں۔تعجب اس وقت ہوتا جب یہ کشمکش اور تعجب کا رجحان نہ ہوتا۔ جدید انسان کی یہ دورنگی شدید تہذیبی بحران کو جنم دے رہی ہے۔ یہ بحران عصری فکر کی درماندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ جدید افکار اس کی نفسیات پر بارگراں بن کر ٹوٹ پڑے ہیں۔انہوں نے اس کی زندگی کا جام مکدر کر رکھا ہے۔ جدید عورت کے مسائل تمام فلسفیانہ حل کے دائروں سے تجاوز کر چکے ہیں جو یورپ کے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نابغہ مفکرین نے پیش کیے تھے یہ حل اب نئی مشکل کے مقابلے میں کہنہ اور بے اثر ثابت ہو چکے ہیں۔خود بیسویں صدی کے جدید ترین انسانی علوم ونظریات بھی اس قدر پس ماندہ ہیں کہ وہ بھی انسانی مشکلات کے سامنے اپنی عاجزی اور بے بسی کی منہ بولتی تصویر بن چکے ہیں۔اسلیے کہ ان کے پیچھے جو آئیڈیالوجی کام کر رہی ہے اور جو نظریاتی بنیادیں ان کے اندر کارفرما ہیں وہ خود باطل وبودی ہیں مغرب کے علمی غرور نے ان کے فکر کے بودے پن پر پردہ ڈال رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ ہونے کے بعد اس کو بڑی حد تک سنہری پردوں میں چھپا کر چلتے ہیں۔اور اپنی غلطیوں کو ثواب کے معنی پہناتے ہیں۔(۵۲)

’’دور حاضر کی تہذیب کا المیہ اگر معلوم کرنا ہے تو اپنی نظر کی بجائے اس تہذیب کی چمن بندی کرنے والے باغبانوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔جنھوں نے اس تہذیب سے کیسی، کچھ اور کتنی حسین توقعات وابستہ کر لی تھیں لیکن جب یہ برگ وبار لائی ہے تو ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور وہ ماتم کر رہے ہیں۔‘‘(۵۳)

---

(۵۰) جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر مترجم: حامدی، خلیل احمد، ص/ ۵۸

(۵۱) اسلامی اور مغربی تہذیب وافکار، تاریخی تناظر میں، محمد سجاد، حافظ، ص/ ۱۶۹

(۵۲) جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت از عباسی مدنی، ڈاکٹر مترجم: حامدی، خلیل احمد، ص/ ۵۹۔۶۰

(۵۳) تاریخ افکار وعلوم اسلامی ، راغب طباخ ،علامہ، ترجمہ، بلخی ، افتخار احمد، مولانا، زیر اہتمام ، ادارہ معارف اسلامی ، کراچی ، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ای/ شاہ عالم مارکیٹ ، لاہور، طبع اوّل ، جون ۱۹۶۸ء ، ص/ ۴۳۷

ہماری زندگی کا ہر شعبہ ہماری تنظیم ہماری عورت سب ایک زبردست بحران سے گزر رہے ہیں۔جسم کا کوئی حصہ، قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو۔ ہمارے سارے بدن میں ناسور ہیں۔ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ڈوبتے ہوئے سورج کی بھولی بھٹکی کرنیں اگرچہ اب بھی دنیا کو منور کر رہی ہیں مگر رات کے تاریک سائے بھی لمحہ بہ لمحہ بڑھتے جا رہے ہیں۔

مبحث دہم: انسانی نظریات کا الہامی دین پر تفوّق

طبقہ نسواں سے وابستہ اذہان درحقیقت عالمی دنیا میں پلنے والے سیکولرازم کے فتنہ کا شکار ہیں یہ اپنے آپ کو اسلام مفکر سمجھنے کی خوش فہمی میں بھی مبتلا ہیں۔ یہ بات ہمیشہ اسلام کی کرتے ہیں نقطہ نظر سیکولر ہوتا ہے'' سیکولرازم کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ انسانی ترقی کے لیے صرف دنیاوی وسائل کو حاصل کیا جائے (اس لیے حقوق نسواں کے محافظ عورت کو دنیاوی مادی وسائل کے حصول کے لیے آلہ کار بنانے لگ گئے ہیں)۔کیونکہ بنیادی مادی وسائل ہماری دسترس میں ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر یہ وسائل ہمارے مقاصد کے حصول میں زیادہ آزادی کے ساتھ کارآمد ہو سکتے ہیں۔سیکولرازم ایسے دور میں پروان چڑھا جب سائنس اور مذہب میں علیحدگی کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا۔اس مطالبہ کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی خاطر سیکولرازم حقائق سے آزاد اور غیر جانبدار ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔سیکولرازم کی بنیاد موجودہ زندگی کے تجربہ پر رکھی گئی ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسے عقل کے ذریعے آزما کر تجربے میں لایا جا سکتا ہے۔حقوق نسواں کے داعیوں کا یہ کہنا ہے کہ جیسے ریاضیات اور کیمیا سیکولر علوم ہیں اس طرح معاشرتی زندگی کے بارے میں بھی سیکولر نظریہ قائم کرنا چاہیے۔[۵۴]

انسانی معاشرے سے وابستگی کی بنا پر کبھی کبھار یہ اپنے سیکولر نظریات کو ڈھانپ کر اسلامی عقلی ذہن کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کبھی کبھار صاف صاف مذہب سے آزاد معاشرت کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سیکولرازم عورتوں کے حقوق کا اسلام سے زیادہ معاون ہے۔یہ اپنے مقاصد کا تعین کرتے ہوئے اور اپنے لیے لائحہ عمل طے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۵۴) سیکولرازم اور اسلام از جامعی، شبیر احمد، حافظ، آئین، (ماہنامہ) مارچ ۲۰۰۶ء، ج/۴۴، ش/۳، ص/۶۱

"Women Action forum upholds the cocept of a secular state in wich religion is seperated from the state and from politics"(۵۵)

انہی خطوط پر حقوق نسواں کے حامل اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام کو تختہ مشق بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جس طرح سیکولرازم کے مذہب کے ساتھ معاندانہ تعلقات ہیں عین اسی طرح حقوق نسواں کی جنگ لڑنے والوں کے مذہب کے ساتھ تعلقات میں عورتوں کو جبراً یا طوعاً ان کے مذہب ثقافت اور شناخت سے محروم کرنے کے لیے تلے ہوئے ہیں۔سیکولرازم بذات خود شک وریب کی ایک مکمل دنیا ہے۔جس میں زمانے کے بقراط،سقراط تو شاید اعتماد سے قدم رکھ سکیں معصوم مسلمان عورتوں کے پھسلنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

''سیکولرازم انہی لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہے جو مختلف اسباب کی بنا پر دینیات سے غیر مطمئن ہو چکے ہیں۔''(۵٦)

جب کہ سیکولرازم اور مذہبیت کی دشمنی تو پرانی ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

'' سیکولرازم کا فرض ہے کہ وہ مذہبی عقائد کا مقابلہ کرے جب تک مذہبی عقائد کا معاشرے پر غلبہ رہے مادی ترقی کا تصور محال ہے''۔(۵۷)

تعبیر نو کی جنگ عورتوں کے حقوق کے پردے میں مذہب سے جنگ ہے۔اگر ان کا مطالبہ صرف حقوق نسواں ہوتا تو دیگر مذاہب نہ سہی لیکن اسلام بطور مذہب حقوق نسواں کے تحفظ کا سب سے بڑا داعی ہے طبقہ نسواں کا تقاضا اگر عورتوں کو تحفظ دینا ہوتا تو یہ مسلم ممالک میں مذہبیت کی مخالفت نہ کرتے۔مسلم ممالک میں مذہبی افکار کی اصلاح اسلام کی خدمت ہے جب کہ ان سے نفرت اپنے رب اور اس کے بندوں سے عداوت ہے جو غیر مسلموں کا طریقہ ہے

''سیکولرازم اس وقت بہت جاندار بن جاتا ہے جب اسے مذہب دشمن نظریات کے ساتھ منسلک کیا جائے۔کیونکہ مذہب دنیاوی اور روحانی دونوں تعلقات کو باہم ملا کر پیش کرتا ہے مذہب زندگی کے صرف اور صرف مادّی نظریے کا انکار کرتا ہے۔ سیکولر نظریہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک مذہب کا توڑ نہ کرلیا جائے۔(۵۸)

---

(۵۵)"Women Action Forum"Pakistan Struggle for women,s rights in Pakistan, prepared for the fourth world conference on Women, Beijing, August-September 1995, p.1

(۵٦) سیکولرازم اور اسلام از جامعی،شبیر احمد،حافظ،آئین،(ماہنامہ) مارچ ۲۰۰٦ء،ج/۴۴،ش/۳،ص/٦۲

(۵۷) سیکولرازم اُصول ومبادی،تاریخ وتنقید،گجر کاشمیری،ڈاکٹر،ادارہ ترجمان القرآن،اچھرہ،لاہور،جنوری ۱۹۸٦ء،ص/ ۳٦۔۳۹

(۵۸) پاکستان اور جمہوریت کے درست زاویے،پاکستان فورم اسلام،۱۹۹٦ء از اسلم میر،ص/ ۳۱۱

لہٰذا عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والوں کے نزدیک چونکہ مادّہ (Matter) ہی خدا ہے اور مادّہ (Matter) ہی ترقی ہے اور مادیت ہی کامیابی ہے۔ لہٰذا مادّہ (Female) یعنی طبقہ نسواں کو بھی مادیت کے حصول میں ہی غرق کیا جائے اور ان کے نزدیک یہ تب تک کامیاب نہ ہونگے جب تک یہ مادّہ (Female) یعنی طبقہ نسواں میں مذہب اور روحانیت کا عنصر ختم نہیں کر لیتے۔

مولانا ابوالحسن ندوی مسلمان تجدد پسندوں میں سیکولر فکر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اِن کے خود بیانات سے ان کے تصور دین کی تشریح ہوتی ہے۔ وہ دین سے مراد مجرد دین لیتے ہیں اسلام نہیں۔ اس لیے کچھ عرصہ ہوا انہوں نے ایک ایسی عبادت گاہ کا تصور پیش کیا جس میں مسلمان یہودی اور عیسائی اکٹھے عبادت کر سکیں تاکہ تمام مذاہب بقائے باہمی کے اُصول پر قائم رہیں۔ مصری ریڈیو سے تلاوت قرآن پاک کے موقع پر ایسی آیتوں سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے۔ جن میں عیسائیوں کے خلاف کسی طرح کا ذکر ہوتا۔''(۵۹)

تعبیر نو کی جدید فکر جب بھی کسی مسئلے کو اٹھائے گی اُسے مذہبی تناظر کے خلاف عالمی فضا میں حل کرنے کی کوشش کرے گی اور اگر مذہب کو لیا جائے گا تو وہ اسلام قطعاً نہیں ہوگا۔ وہ اخلاقیات کا عمومی مذہب ہوگا جو تمام مذاہب میں ایک ہے۔

ابوالحسن ندوی سیکولر فکر کے رجحان کی عکاسی کیلیے مصر کے ایک مقبول صدر کمال عبدالناصر کا قول ذکر کرتے ہیں:

''سارے انسانی مذاہب اپنی حقیقت اور اصل میں انسانی انقلابات ہیں جن کا مقصد انسان کی عزت، بلندی اور خوش حالی ہے اور مذہبی مفکروں کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ دین کے اس جوہر اور اس حقیقت کو دین کی تشریح میں غالب رکھیں۔''(۶۰)

یعنی صدر مصر جمال عبدالناصر (۶۱) جو جدید دانشور اور مفکر بھی ہیں ان کے نزدیک مذہب کو بھی اسی سیکولر فکر کا تابع رہنا چاہئے۔ اور مذہب کو بھی یہی مادّی ترقی اور خوشحالی کا نقطہ نظر اپنانا چاہیے۔

(۵۹) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، جائزہ، مشورہ، محاسبہ، ندوی، ابوالحسن، مولانا، ص/۱۷۲

(۶۰) ایضاً

(۶۱) جمال عبد الناصر: (۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء۔ ۲۸ستمبر ۱۹۷۰ء) مصر کے سابق صدر ہیں۔ جمال عبدالناصر نے مصر کو غیر ملکی تسلط سے نجات دلانے، زرعی اصلاحات کے ذریعے جاگیرداری نظام کے خاتمے اور اقتصادی استحکام کے لیے دور رَس اقدامات کیے۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ج/۱، ص/۷۰۰)

تحریک آزادی نسواں کا اصل سرچشمہ بھی سیکولرازم ہے عورتوں کے حقوق کے نام پر عالمگیر فتنہ برپا کیا جا رہا ہے۔ اِسی تحریک کے نتیجے میں یورپ میں خاندانی نظام تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے۔ پاکستان میں عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی ہستیوں اور اداروں کو پاکستان کے علاوہ یورپ کے سیکولر اداروں کی مکمل تائید و تعاون حاصل ہے۔ یہ ہستیاں بار بار سیکولرازم کے نفاذ کا مطالبہ کر چکی ہیں۔ 17 جولائی 1994 کو تو عاصمہ جہانگیر (جو پاکستان میں عورتوں کے حقوق کی چیمپئن سمجھی جاتی ہیں) نے بڑے اعتماد سے یہ اعلان کیا تھا ''کہ ہم ملک میں سیکولرازم لائیں گے''۔(۶۲) متعدد بیانات میں عاصمہ نے کہا پاکستان میں قوانین مذہبی بنیادوں پر بنائے گئے ہیں۔اس نے اسلامی قوانین کو بار ہا غیر انسانی اور وحشیانہ کہا۔ عاصمہ نے خواتین کے جلوس کی قیادت کی انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر درج تھا ''ملاں گردی بند کرو'' ''پاکستان کو بچانا ہے مولوی کو بھگانا ہے'' ''امن کا دشمن ملا'' جمہوریت اور سیکولرازم لازم ملزوم ہیں۔

مصر کی مسلمان خواتین بھی سیکولرازم کو فکر حقوق نسواں کا سبب قرار دیتی ہیں۔کہتی ہیں۔

''جو سبب بنیادی طور پر اس تحریک کو آگے بڑھانے کا باعث بنا وہ مسلمان علاقوں میں موجود سیکولر قوم پرستی کا جذبہ تھا۔اس جذبے کے تحت یہ خیال کیا گیا کہ عورت اور اصلاحات کے اس عمل کا گہرا تعلق یورپی معاشروں کی ترقی سے ہے اور ضرورت ہے کہ مسلمان اس کو اختیار کر لیں۔''(۶۳)

چونکہ سیکولرازم کا نظریہ مسیحی یورپ کی دینی آمریت کے خلاف ردعمل کے طور پر پروان چڑھا تھا۔اسی لیے سیکولر افراد میں مذہب کے خلاف شدید نفرت اور عمومی عداوت کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے اگر وہ کسی بات کو درست سمجھتے بھی ہوں تو وہ اس سے شدید بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اس کو مسترد کر دیتے ہیں۔ان کے اندر مریضانہ عقل پرستی بلکہ الحاد پرستی کا نفسیاتی مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

---

(۶۲) روز نامہ 'جنگ' جولائی ۱۷، ۱۹۹۴ء

(۶۳)"New Veils and New Voices Islamist wormen's groups in Egypt' by Soroya Duval, Karin Ask & Marit Tjomsland, Edt, "Women and Islamisation contemporary dimensions of Discourse on Gender Relations, p.67

آپ جب بھی ان ترقی پسندانہ حقوق نسواں کے مجاہدوں کے سامنے قرآن وسنت کا حوالہ دیں تو یہ افراد بلا تامل کہہ دیں گے۔ جناب چھوڑیئے یہ سب مُلا کی کارستانی ہے۔ مُلا نے اسلام کی من چاہی تفسیر نکالی ہوئی ہے۔ ورنہ اسلام تو روشن خیال لبرل اور بے حد ترقی پسندانہ مذہب ہے۔ ملائیت نے اسلام کو جدید زمانے میں بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان مہذب ملکوں میں مُلاؤں کی تنگ نظری کے باعث وحشی سمجھے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آزادی نسواں کی علمبردار خواتین تو بات بات میں علماء پر برسنا اپنی ذہنی اور رُوحانی صحت کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھتی ہیں۔ عورتوں کی نصف وراثت کا معاملہ ہو یا مردوں کے لیے طلاق کا حق مخصوص کرنے کی بات ہو یا پھر مردوزن کے اختلاط کے منافی کوئی قرآن وسنت سے حوالہ یا پھر حجاب جس سے یہ بے حد خار کھاتی ہیں کی بات ہو، وہ چھوٹتے ہی اِسے تنگ نظر، ظالم، عورت دشمن، رجعت پسند کے خطابات سے نوازتی ہیں۔ (۶۴)

سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں۔

"ہمارے اسلامی ملک پاکستان میں سیکولر افکار پرمبنی اسی جدید طبقے کا یہ عالم ہے کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے جوش میں ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اللہ اکبر کے نعرے کو خلاف قانون قرار دیا تھا۔ جون ۱۹۶۷ کی جنگ کے پندرہ دن/ مہینہ کے بعد اس کو پھر جاری کیا۔" (۶۵)

اگر اسلامی تعلیمات کی بجائے سیکولر نظریات پرمبنی عورت کے کردار کو پروان چڑھایا گیا تو سیکولرازم کے بعد پاکستانی خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر جائے گا پاکستان میں طلاقوں کی شرح میں ہوشربا اضافہ ہو جائے گا لبرل عورتیں یورپ کی طرح کھلم کھلا اپنے آشناؤں کے ساتھ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا شروع ہو جائیں گی۔ اور قرآن وسنت کی رو سے ان پر گرفت نہیں کی جا سکے گی۔ این جی اوز خواتین کے لیے ہر وہ حق مانگ رہی ہیں جس میں ان کی آزادانہ مرضی کو دخل ہو۔ یورپ کی عورتوں نے اس آزادانہ مرضی کا حق استعمال کرتے ہوئے ہم جنس پرستی کو بنیادی حقوق میں شامل کروالیا ہے۔ ازدواجی عصمت دری (شوہر کا اپنی بیوی سے جبری جنسی تقاضا) کی سزا بھی نافذ کی گئی (جیسا کہ حقوق نسواں کی تنظیموں کا مطالبہ ہے) تو کئی شوہروں کو جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔ خواتین جب چاہیں

(۶۴) سیکولرازم کا سرطان از صدیقی، عطاء اللہ، محدث (ماہنامہ) اگست ۲۰۰۰ء، ج ۳۲/ ش ۸/ ص ۴۷

(۶۵) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، جائزہ، مشورہ، محاسبہ، ندوی، ابوالحسن، مولانا، ص ۲۳۳

مردوں کو طلاق دے کر نئی منزلوں کا سفر اختیار کر لیں گی۔ سیکولرازم کے نفاذ کے بعد پاکستان میں گھریلو زندگی کا نقشہ یکسر بدل جائے گا۔ اسقاط حمل کی اجازت کی وجہ سے جنسی بے راہ روی کا سیلاب آ جائے گا۔(۶۶)

مبحث یازدہم: الحاد کو اسلام کا لبادہ پہنانے کی کوشش

نسائی تصورات کو اسلامی روح کا نام دے کر مغربی افکار سے مربوط کرنے کی کوشش امت مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اور یہ ردعمل پر مبنی ہے کیوں کہ آج تک فقہاء مذاہب کی فقہی تشریحات کو مختلف سیاسی وتمدنی وجوہات کی بناء پر اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ ہر فرد کے لیے کسی فقہی مسلک کی مناسبت سے متعارف ہونا ضروری ٹھہرا یہ تو ایک انتہا تھی جو صدیوں جاری رہی اس میں بھی اصلاح کی ضرورت تھی جس کی طرف شاہ ولی اللہ نے بطور خاص توجہ دی۔ اور آزادی فکر اور فقہی توسیع کو برصغیر میں پھیلانے کے لیے سرگرمی سے کام لیا۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ مروجہ تقلیدی جمود کے ردعمل میں اس اصلاحی تحریک میں انتہائی رویہ کے طور پر ایک الحادی فکر نے جنم لیا یعنی تفریط کی صورت میں تقلیداگر آئمہ کرام کی آراء کی غیر مشروط اطاعت کا تصور دیتی ہے تو اس الحادی تحریک نے مفرطانہ طور پر علماء اُمت کی تمام محققانہ خدمات پر خط تنسیخ پھیر دیا اور انہوں نے تشریح نو کی بنیاد ڈالی۔

اسلامی فکر کے حاملین تقلید میں اصلاح کے علمبردار، آئمہ کی خدمات کے معترف اور اُن کی علمی تحقیقات کے قدر دان ہیں۔ ان کے پیش نظر جذبہ اتباع سنت، آئمہ کی تشریحات کے تسلسل کو ساتھ لے کر چلنے کا داعی ہے، جب کے اس دوسرے الحادی گروہ نے نہ صرف امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم کی استنادی حیثیت کو بلکہ ان کی احادیث تک کو مشکوک بنایا اور ان علماء کی خدمات سے بھی کھلا انحراف کیا۔ علوم اسلامیہ میں تدوین وارتقاء کے تمام مراحل بیک جنبش قلم انہوں نے ختم کر کے رکھ دیے اور کہا کہ علماء کو آج تک اسلام کی سمجھ نہیں آئی، تدوین حدیث ایک عجمی سازش تھی اور آج اسلام کی ایسی تعبیر نو کرنے کی ضرورت ہے جو علماء کی فقہ کی آلائشوں سے پاک ہو۔(۶۷)

اس اعتبار سے جدید تعبیر نو کی یہ الحادی سوچ ہے جس کے بعد اسلام کا حلیہ بالکل مسخ ہو جاتا ہے۔ اپنے پیش

(۶۶) سیکولرازم کا سرطان از صدیقی، عطاء اللہ، محدث (ماہنامہ) اگست ۲۰۰۰ء، ج۳۲/ش۸/ص۹/۷

(۶۷) فتنہ انکار حدیث از حسن مدنی، حافظ، محدث، (ماہنامہ) اگست۔ ستمبر ۲۰۰۲، ج۳۴/ش۸۔۹/ص۷

روعلماء پر اندھا دھند اعتراضات نے انہیں بالکل ایک نئے اسلام کا داعی بنا دیا جس میں کوئی بات بھی طے شدہ نہیں۔ پھر بات آئمہ تک ہی نہ رہی بلکہ صحابہ کرام تک اور پھر وہاں سے رسالت تک پہنچی اور عملاً سارا اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ گیا۔ اب تعبیرنو کے جتنے گروہ ہیں، وہ سب باہمی فکری انتشار کا شکار ہیں اور قرآن کے نام وحدت پر کے یہ داعی، حقوق نسواں کے حامی، خود اتنے فکری مغالطوں کا شکار ہیں کہ ان کی آزادی فکر نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

یہ تبدیلی کی خواہش تو رکھتے ہیں لیکن اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ الحاد کو اسلام کا لبادہ اوڑھنا چاہتے ہیں لیکن اپنی اصلاح کی اہلیت نہ رکھنے کے باعث اپنے وجود اور آزادی کو بیچ دینا چاہتے ہیں۔ درحقیقت یہ مسلمانوں میں زوال کے عمل کو تیز تر کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔

باب ششم

حقوق نسواں سے متعلق منتخب قرآنی آیات کی تعبیر نو

فصل اوِل

تعبیر نو کا اُسلوب

کوئی بھی عمل اپنی حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا۔ اعمال کے پس پردہ مقاصد ہی اس کی حیثیت متعین کرتے ہیں۔ جس کا جو مقصد ہوتا ہے وہ اُس عمل سے وہی کچھ پاتا ہے۔ اکثر محدثین کرام اپنی کتب حدیث میں سب سے پہلے جو حدیث نقل کرتے ہیں وہ درج ذیل ہے:

"إنما الأعمال بالنيات وانما لكل امرى ما نوى فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها أو امرأة يتزوجها فهجرته إلى ما هاجر إليه"(۱)

''بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ہر ایک کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ جس نے ہجرت دنیا کے کسی معاملے کے لیے کی وہ اُسے پالے گا۔ یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے کی تو اُس کی ہجرت اُسی مقصد کے لیے ہے جس کے لیے اُس نے ہجرت کی۔''

اِس حدیث کی تشریح میں اکثر محدثین نے رسول اکرم ﷺ کے عہد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ جب مکہ کے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا اذن ملا تو ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے ایک خاتون کے کہنے پر ہجرت کی تھی جن کا نام ام قیس تھا جس نے ان صحابی سے نکاح کرنے کے لیے یہ شرط عائد کی تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ۔ چنانچہ ان کی ہجرت کی غرض اُس سے نکاح کی تھی لہٰذا وہ مدینہ گئے اور نکاح کر لیا۔ جب دوسرے لوگوں کو اِس واقعے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس صحابی کو مہاجر اُم قیس کہنا شروع کر دیا۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کے عمل کے نتائج کا اعتبار نیت کی بنیاد پر ہوگا۔

محدثین کرام اس حدیث کے ذکر کرنے سے خود اپنے آپ کو اور اپنے شاگردوں کو اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ تنبیہہ کرنا چاہتے تھے کہ اگر حدیث کے مطالعے سے نیک نیت اور مقصود ثواب کا حاصل کرنا ہے تو یہ عمل نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر نیت کسی دنیاوی کام کا حصول ہے تو مطالعہ حدیث سے آخرت کی زندگی کے لیے کچھ ذخیرہ نہ ہوگا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو آدھا علم کہا کرتے تھے۔ کیونکہ نیت دل کی عبادت ہے اور عمل جسم کی۔

---

(۱) صحیح بخاری: كتاب الايمان والنذور ، باب النية فى الايمان: رقم الحدیث: ۶۶۸۹

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، مکتبہ دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۱ء، ج ۱/ص ۱۰

امین احسن اصلاحیؒ 'مبادی تدبر قرآن' میں فہم قرآن کی سب سے بنیادی شرط نیت کی پاکیزگی گردانتے ہیں، کہتے ہیں:

''سب سے پہلی چیز نیت کی پاکیزگی ہے۔ نیت کی پاکیزگی سے مطلب ہے کہ آدمی قرآن کو صرف طلب ہدایت کے لئے پڑھے کسی اور غرض کو سامنے رکھ کر نہ پڑھے اگر آدمی کے کچھ اپنے نظریات ہوں اور وہ قرآن کی طرف اس لئے رجوع کرے کہ ان نظریات کے لئے قرآن سے کچھ دلائل ہاتھ آ جائیں تو ممکن ہے وہ قرآن سے کچھ الٹی سیدھی دلیلیں اپنے خیال کے مطابق اپنے نظریات کی تائید میں نکالنے میں کامیاب ہوجائے۔ لیکن ساتھ ہی اس حرکت کے سبب سے وہ اپنے اوپر فہم قرآن کا دروازہ بالکل بند کرلے گا۔''(۳)

اگر کوئی شخص پھولوں کے اندر سے بھی کانٹے ہی جمع کرنے کا شوق رکھتا ہے تو وہ ہرگز اس کا مستحق نہیں کہ اس کو پھولوں کی خوشبو نصیب ہو۔ اگر ایک شخص اپنے فساد طبیعت کے باعث علاج کو بھی بیماری ہی بنا لیتا ہے تو وہ اس بات کے لائق ہے کہ شفا حاصل ہونے کی بجائے اس کی بیماری میں اضافہ ہو۔

قرآن مجید کی آیات کی تفسیر انتہائی عظیم المرتبت کام ہے ۔ اس کی جتنی بھی عظمت اور فضیلت بیان کی جائے کم ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ آیت کی تفسیر و تعبیر کرنے کے مقاصد درحقیقت قرائن وشواہد کے ذریعے ہی سے معلوم ہوتے ہیں جو حقیقت حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کوئی فتنہ انگیزوں یا ڈاکوؤں کے ہتھیار نکال کر حملہ آور ہونے کا انتظار نہیں کرتا بلکہ اُن کے اطوار اِس چیز کی گواہی ہوتے ہیں جو اُن کے دل میں ہے۔ المختصر طبقہ نسواں کے اغراض تفسیر اطمینان بخش معلوم نہیں ہوتے ۔

طبقہ نسواں سے وابستہ جدید ذہن نے قرآن مجید کا مطالعہ مغربی افکار کے زیر اثر رہا ہے اور مغربی زاویہ نگاہ سے قرآنی تفاسیر کو تولا ہے۔ وہ یہ بات بھول گئے کہ مغربی فکر انسانی فکر ہے جو بار بار بدلتی رہتی ہے اور اس پر فکر انسانی کی تاریخ خود بھی گواہ ہے جب کہ اسلامی تعلیمات کا ماخذ کسی انسان کا ذہن نہیں بلکہ اس کا مصدر و ماخذ ذات مطلق یعنی اللہ ہے۔ جہاں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں ۔ (اس لیے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ فکر انسانی کے سفر ارتقاء میں جدید فکر ایک راہ تو ہوسکتی ہے منزل نہیں۔ اس متغیر فکر کی روشنی میں اسلامی عقائد کی جو تاویل وتشریح کی جائے گی وہ یقیناً دیرپا ثابت نہ ہوگی۔)

---

(۳) مبادی تدبر قرآن از اصلاحی، امین احسن، ص ۱۶

طبقہ نسواں سے وابستہ ذہن قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے وقت احکامات کے سیاق وسباق کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔سرسری مطالعے میں جو بات ان کی سمجھ میں آ گئی اسی پر بحث واستدلال کی عمارت کھڑی کر دیتے ہیں۔صاف محسوس ہوتا ہے کہ آیات کا مطلب کھینچ تان کر نکالا گیا ہے بلکہ بعض مقامات پر دانستہ تحریف کا گمان ہوتا ہے۔اس بنا پران کے وہ دلائل جن کا تعلق نصوص قرآن سے ہے ساقط الاعتبار ہیں۔

طبقہ حقوق نسواں قرآن کی تعبیر میں تاویلی طریقے کا حامی ہے۔جیسا کہ ان کی اکثر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔ امینہ ودود اور دیگر خود اس بات کے خواہاں ہیں کہ قرآن کے مفہوم کو اخذ کرنے کے لئے تاویلی طریقہ اختیار کیا جائے۔تعبیر نو کے حاملین کے آیات کے معنی متعین کرنے کا انداز بھی روایتی تفسیری طریقہ سے ہٹ کر تاویلی ہے۔ جس میں باطنی معانی کو ظاہری معانی پر ترجیح دی جاتی ہے۔جس میں آیات کے معنی کا فہم حاصل کرنے کے لئے شریعت کے عمومی مزاج کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے اور جزوی طریقے کی بجائے کلی holistic طریقہ پیش نظر رکھا جاتا ہے۔اس طریقہ کار کو وہ تفہیمی (Hermeneutical) قرار دیتے ہیں۔(۴)

تاویلی طریقہ بنسبت تفسیری طریقہ کے زیادہ حکمت وبصیرت علم دین سے آگاہی، مقاصد شریعت کے شعور اور قرآنی تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے کسی ذہنی کاوش اور فکر وتدبر کی ضرورت نہیں۔ جو شخص عربی عبارتوں کا الٹا سیدھا ترجمہ کرسکتا ہے۔قرآن کی تفسیر وتاویل بھی کرسکتا ہے۔ بلاشبہ قرآن عام تعلیم کے اعتبار سے نہایت کھلا ہوا اور آسان ہے۔ ہر شخص بقدر استعداد اس سے فیض حاصل کرسکتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اندر ایک عمیق فلسفہ اور گہری حکمت بھی رکھتا ہے۔جس کا گہراؤ اتھاہ جس کی وسعت ناپید کنارہ ہے۔"(۵)

عام آدمی قرآن سے اپنے لئے معانی اخذ کرتا ہے۔اس میں بھی کوئی حرج نہیں،لیکن تاویلی طریقہ عوام کے لئے نہیں۔اس کے لئے تدبر کی ضرورت ہے۔اس کے لئے پانی کی سطح کی تیراکی کافی نہیں بلکہ پانی کی گہرائی میں اتر کر گوہر ڈھونڈنے، گوہر پہچاننے اور اسے باحفاظت ساحل پر پہنچانے کی مشاقی درحقیقت ہمہ جہتی مہارتوں کا تقاضا

---

(۴) مسلم تحریک نسواں از حیفا جواد، ص/۱۸

(۵) مبادی تدبر قرآن از اصلاحی، امین احسن، ص/۱۶۰

کرتی ہے۔ یہ کام وہی لوگ سرانجام دے سکتے ہیں جو اس میدان کے نووارد نہیں بلکہ مشاق غوطہ خور ہیں۔

طبقہ حقوق نسواں کا تاویلی طریقہ پر اصرار اور ماہر مشاق غوطہ خوروں کی قابلیت اور ہنرمندی کا انکار دو متضاد رویے ہیں جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ صحابہ کرام قرآن کے فہم کے لئے کس چیز پر غور و تدبر فرماتے تھے۔ زبان ان کی تھی۔ مذاق اور ذوق ذائقہ ان کا تھا۔ شان نزول سے واقف تھے۔ حالات معاملات اور عقائد و اعمال سب ان کے تھے تاہم ایک ایک سورہ پر آٹھ آٹھ سال تدبر کرنے کے بعد بھی وہ آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ موطا کی ایک روایت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسلسل آٹھ برس تک سورۃ البقرۃ پر تدبر فرماتے رہے۔(۶)

اصل چیز قرآنی علمی ذخیرے کی ثقاہت اور اعتباریت کو مشکوک کر کے تعبیر کی بنیاد ڈالنا نہیں ہے بلکہ اصل چیز قرآن مجید کی حکمت کو دریافت کرنے کا سلیقہ ہے۔ جو بے لوث تگ و دو کا طالب ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کے الفاظ کی تفسیر کسی خاص پیشے کی اجارہ داری نہیں لیکن قرآن کے الفاظ کی تفسیر کے لئے پیشہ وارانہ علوم اور مہارتوں کا انکار گمراہی ہے۔

مفسرین کا قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہمیشہ یہ اسلوب رہا ہے کہ وہ تفسیر میں انتہائی محتاط رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے داعیین کی تعبیر نو کا انداز محتاط نہیں بلکہ دلیرانہ ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ مفسرین کے ناقد ہیں اور حق کی جستجو میں ردعمل کا شکار ہیں۔

مفسرین کی تفاسیر اگرچہ ان کے خصوصی رجحانات کی حامل ہیں لیکن انداز متعصّبانہ نہیں۔ انہوں نے بھی تفاسیر کی روشنی میں اپنے وقت کے غلط تصورات اور فرقوں کا رد کیا ہے۔ لیکن انداز اسلوب ایسا متعصّبانہ نہیں جتنا تعصب حقوق نسواں کی تفسیر نو میں ہے۔ مفسرین کا مقصود حق کی راہنمائی معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ حقوق نسواں کا مقصود اسلام کو پچھاڑنا محسوس ہوتا ہے۔

دیگر مفسرین نے تفاسیر لکھتے ہوئے اپنے اصول تفسیر ذکر کئے ہیں کہ جن کو وہ ترجیح دیتے ہیں اور جن کی وہ اتباع کرتے ہیں۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے لئے کوئی طے شدہ ضابطہ، قانون اور اصول نہیں۔ یہ اصول و قیود اور

---

(٦) مؤطا امام مالک، مالک بن انس، امام، دار النفائس، بیروت، طبع ششم، ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ، باب ما جاء فی القرآن، باب ۴/

پابندیوں سے بغاوت کا رنگ رکھتے ہیں اور آزادی فکر کے نام سے اسے مستحسن جانتے ہیں کہ اصول وقواعد کا پابند نہ ہوا جائے۔ ان کی تعبیر نو میں ایک ہی اصول ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔ کہ قرآنی احکامات میں عورت کے لئے تخصیص کریں یا تعمیم بہر حال اسے مرد کے برابر ٹھہرانا ہے۔ کہیں عورت کے لئے استثناء ہو تو اسے عام کر دیں گے۔ کہیں پر عام ہے تو اسے اس طرح خاص لیا جائے کہ عورت کی مساوات ظاہر ہو۔ ان کا اسلوب یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے طے شدہ نظریات کے لئے قرآنی آیات کو دلیل بنانے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اس لئے ان کی تعبیر نو اصلاح کا نہیں بغاوت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ کہیں اپنے مطلوبہ مقاصد کے لئے حکم عمومی کے لئے شان نزول کو لازم کرتے ہیں اور کہیں اسے معدوم کرتے ہیں، کہیں سیاق وسباق سے مدد لیتے ہیں اور کہیں اُسے ردّ کرتے ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو کا اصل ہدف ''مساوات، ترقی اور حقوق'' ہیں اسی کو وہ قرآن سے اخذ کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۹۹۴ء کو قاہرہ میں خواتین کی جو عالمی کانفرنس ہوئی اس کا عنوان بھی یہی تھا۔ یہی حقوق انسانی کے مغربی قانون کا ہدف ہے۔

تعبیر نو کے حاملین کے مقاصد ان کی تحریروں سے نمایاں ہیں۔ یہ مسلمانوں کو مسلمانوں کی بساط پر اُن کے ہی مہروں سے انہیں شکست دینے کی ایک انتہائی ہیبت ناک اور ہولناک سازش ہے۔ ان خیالات کا اظہار امریکہ میں رہائش پذیر مسلم خواتین نے ایک خواتین کانفرنس میں علی الاعلان کیا کہ وہ اب علماء کو ان کی بساط پر ان کے مہروں سے شکست دینے کا تہیہ کرتی ہیں۔ (۷)

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...﴾ (۸)

مولانا ابوالحسن ندوی مسلمانوں کی معصومیت پر انگشت بدنداں ہیں کہ وہ کس سادگی سے دھوکہ کھا رہے ہیں، لکھتے ہیں:

''اس دوعملی پالیسی سے واقف ہونے کے باوجود، نام نہاد مسلم دانشوروں نے اپنے ممالک واقوام اور مسلم ممالک واقوام کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے، اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کس سادہ لوحی کے ساتھ مسلم ممالک کے مسلمان روشن خیالی و تعبیر نو کے منافقانہ پروپیگنڈا کا شکار ہو گئے ہیں۔ غالباً یہودی اور مسیحی دانشوروں، مستشرقی اہل قلم اور صحافیوں کو بھی اس کا اندازہ نہ تھا کہ مسلمان اس آسانی کے ساتھ بہروپی مسلمان زعما اور دانشوروں پر ایمان لے آئیں گے اور اپنے اپنے ملک

---

(۷) کیا عورت آدھی ہے از وارث میر، پروفیسر، ص/۱۱۱

(۸) سورۃ البقرۃ:۲/۹-۱۰

میں اس کے پرجوش داعی بن جائیں گے۔[۹]

وہ مسلم ممالک کے راہنماؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دنیا کی فکری اور تمدنی تاریخ میں قیادت کے ذہنی دیوالیہ پن اور فریب خوردگی کی ایسی مثالیں کم ملیں گی جیسی مسلم قیادت نے اس بیسویں صدی میں پیش کی ہیں۔''[۱۰]

یہ بات بھی درست ہے کہ یہ تمام اپنے مرض میں یکساں نہیں ہیں۔ جب ایک فتنہ سر اٹھاتا ہے تو اُس سے متاثر ہونے والے بھی ہزاروں ہوتے ہیں وہ سب اُس میں شامل تو نہیں ہوتے لیکن ہمنوا بن جاتے ہیں۔اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فتنہ انگیزوں کی طرف مائل بھی ہو جاتے ہیں۔درحقیقت حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین خود مسلمان ہیں،لیکن فتنہ استشراق کا فتنہ مغرب کے متاثرین میں سے ہیں دلوں کے حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ہم ان کے بارے میں حسن ظن ہی رکھتے ہیں۔

(۹) اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ندوی، ابوالحسن، ص/۲۳۵

(۱۰) ایضاً

فصل دوم

قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا انکار اور مجوزہ نئی تعبیریں

اس مقام پر اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ حقوق نسواں کے جھنڈے کے تحت
کام کرنے والوں کے کام کی نوعیت کیا ہے وہ قرآن مجید کی تفسیر میں عملاً کس
طرح کی تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ نیز قرآن مجید میں عورتوں کے حقوق
سے متعلق آیات کو ان مقاصد کی طرف کس طرح موڑا جاتا ہے۔
اور اس کے لیے کیا دور از کار تاویلیں لائی جاتی ہیں۔

مبحث اوّل: عورت کی پیدائش

عورت کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾(۱)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کی بیوی بنائی پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''

آئمہ مفسرین کے نزدیک اس آیت میں نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور نفس واحدہ کے زوج سے ان کی بیوی حوا مراد ہیں پھر ان دونوں کے ملاپ سے بنی نوعِ انسان پیدا ہوئی، لیکن حقوق نسواں کے داعیین نفس واحدہ سے مراد وہ پہلا جرثومہ حیات لیتے ہیں جو سمندر کے کنارے کی کائی میں آج سے اربوں سال پہلے پیدا ہوا تھا اور خلق منها زوجها سے مراد اس جرثومہ کے دوٹکڑوں میں بٹ جانا ہے پھر ان دونوں ٹکڑوں کے امتزاج سے اللہ نے بہت سی خلقت پھیلا دی۔ (۲)

انہوں نے اس تاویل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے مرد و عورت دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ آئمہ مفسرین اس غیر ضروری تاویل کو قرآن سے انحراف قرار دیتے ہیں، اور لکھتے ہیں۔

① آج بھی جراثیم کی پیدائش کا سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے کہ ایک جرثومہ کے دوٹکڑے ہو جاتے ہیں پھر ان دونوں

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/۱

☆الدر المنثور، السیوطی، جلال الدین، مکتبہ دار المعرفه، بیروت، لبنان، ج ۲/ص ۱۱۶

☆تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، الحافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل القرشی الدمشقی، مؤسسة الريان للطباعة والنشر التوزيع، الریاض۔ مکتبہ دار الفکر، طبع اوّل، ۱۹۸۸ء، ج ۱/ص ۶۷۵

☆ فتح الباری از العسقلانی، احمد بن علی بن حجر ج ۹/ص ۲۵۳

☆ تیسیر القرآن، کیلانی، عبدالرحمٰن، مترجم، مفسر، مکتبۃ السلام، سٹریٹ نمبر ۲۰، وسن پورہ، لاہور، طبع دھم، ۱۴۲۸ھ، تفسیر آیت ۱، سورۃ النساء، ج ۱/ص ۳۴۴

(۲) طاہر کے نام خطوط از پرویز، ص ۳۰

میں سے ہر ایک کے دو اور یہ سلسلہ بدستور آگے چلتا ہے ان میں امتزاج ہوتا ہی نہیں۔

④ قرآن نے لفظ زوج کا استعمال کیا ہے۔ یعنی آگے نسل انسانی توالد و تناسل کے واسطہ سے بڑھی ہے لہٰذا ان دو ٹکڑوں میں سے کسی پر بھی ایک دوسرے کے لیے زوج کا لفظ استعمال نہیں ہوسکتا۔ (۳)

⑤ ان وجوہ کی بنا فکر جدید کی بحیثیت پیدائش مرد و عورت کے یکساں حیثیت ثابت کرنے کی دلیل درست معلوم نہیں ہوتی۔

'مساوات مرد وزن' کے حمایتی ایک اور مفسر خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا مراد لیتے ہیں اور قرآنی تفسیر کو نسوانی نقطہ نگاہ سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اور عصر حاضر کے تقاضے نبھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہاں منھا سے مراد من جنسھا ہے یعنی خدانے جس مادہ سے آدم کو پیدا کیا، اس مادہ سے حوا کو بھی پیدا کیا۔'' (۴)

نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر نو کی علمبردار امینہ ودود نے تخلیق میں مساوات مرد وزن ثابت کرنے کے لیے ایک اور راستہ تلاش کیا ہے۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے اسی آیت کو پیش کرنے کے بعد اس آیت میں آنے والے تین لفظ جدا کرتی ہیں من ، نفس زوج ، ان کے نزدیک مِنْ کے دو معانی ممکن ہیں ایک تو 'سے' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اِس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے حاصل ہو رہی ہے۔ دوسرے معنی ''اس کی مثل'' بھی ہوسکتے ہیں، جب کہ من کبھی مثل کے معنی میں نہیں آتا لیکن امینہ دوسرے معنی (سے) کو ہی ترجیح دیتی ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو مساوات مرد وزن ثابت نہیں ہوتی۔ اب اِسے تفسیر کہیں یا تعبیر یا تحریف (امینہ اگر اس آیت میں آنے والے من کو 'سے' کے معنی سے تعبیر کریں تو انہیں عورت کو کمتر ماننا پڑے گا۔ یہ ان کی فکر کے خلاف ہے۔)

دوسرا لفظ وہ نفس لیتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نفس لفظ انسان کی عمومی اساس کو بیان کرتا ہے۔ یہ صرف آدم علیہ السلام کا ہی ذکر نہیں کرتا حوا بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ لفظ نہ تو مرد ہے نہ عورت اس سے مراد تو انسان ہے۔ اس حیثیت سے دونوں مساوی ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ قرآن کہیں نہیں کہتا کہ تخلیق کا عمل آدمؑ سے شروع ہوا جو ایک مرد ہے وخلق منھا زوجھا سے شاید وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آدمؑ نے حوا سے جنم لیا ہے اور حوا نے بھی آدمؑ سے اس کے علاوہ تو کوئی بات سمجھ نہیں آرہی کہ ان کا نفس سے آدمؑ کی بجائے انسان مراد لینے کا کیا مطلب

(۳) آئینہ پرویزیت از کیلانی، عبدالرحمٰن، ص/۱۹۴

(۴) عورت معمار انسانیت از وحید الدین خان، مولانا، ص/۲۶

ہے۔ تیسرا لفظ زوج ہے زوج کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

''زوج کا لفظ بھی مرد وزن دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا مساوات مرد وزن ثابت مرد عورت کا زوج اور عورت مرد کا زوج۔''(۵)

امینہ ودود اس لیے تاویلی طریقہ کو اختیار کرتی ہیں تا کہ قرآن کے مفہوم کو اس کے عمومی مروجہ معنیٰ سے پھیر لیا جائے اور حقوق نسواں کی تحریکوں کا منشا پورا کر دیا جائے۔ قرآن کے منشا اور مقصود تک رسائی کے لیے لازم ہے کہ ذہن کو تعصّبات سے آزاد رکھا جائے اور انسانی تصورات ونظریات کی پختگی اور استحکام کے لیے قرآن سے دلائل تلاش کرنے کی بجائے مقصود شریعت اور احکام الٰہی کی مراد تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

(۵)Quran & Women by Amina Wadud, pp.20,29

مبحث دوم: مرد کی حاکمیت

طبقہ نسواں کے تاویلی اسلوب کے لیے جتنی مشکل اس آیت کی بدولت پیدا ہوئی اتنی مشکل کسی اور آیت کے سبب نہیں، کیونکہ اس آیت کا کچھ حصہ نہیں بالکل مکمل اور طویل آیت مرد کی عورت پر نگہبانی اور حاکمیت کو ثابت کر رہی ہے اور عورت کو مرد کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دے رہی ہے۔ اس آیت کا ہر ہر جملہ ان کے لیے ایک نئی مشقت لیے ہوئے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ (٦)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے اموال سے (بیوی بچوں پر) خرچ کرتے ہیں پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں مال وآبرو کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہے تو انہیں سمجھاؤ، انہیں خوابگاہوں میں الگ رکھو اور انہیں زدوکوب کرو پھر اگر وہ فرمانبردار بن جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی قوامیت کے درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے:

① مرد کے عورت پر قوام یا حاکم ہونے کی دو وجوہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں:

(i) ایک یہ کہ مردوں کو عورتوں پر (بلحاظ جسم وقوت) فضیلت حاصل ہے۔

(ii) دوسرے اس لیے کہ بیوی بچوں پر اخراجات کی ذمہ داری مردوں پر ہے۔

② نیک عورتوں کی بھی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔

(i) ایک یہ کہ وہ مردوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔

(ii) دوسرے مرد کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

(٦) سورۃ النساء: ۴/۳۴

③ اور نافرمان عورتوں کے لیے بتدریج تین اقدامات بتلائے گئے ہیں:

(i) یعنی پہلے انہیں زبانی سمجھایا جائے۔

(ii) اگر باز نہ آئیں تو پھر ان سے مرد الگ رہیں۔

(iii) اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مار کر درست کریں اگر وہ اصلاح کر لیں تو سب باتیں چھوڑ دیں اور انہیں ایذا نہ دیں۔

اس پوری آیت میں مردوں کی عورتوں پر بالا دستی کا ذکر ہے اور اس آیت کا ہر ایک حصہ دوسرے کی بھر پور تائید کر رہا ہے۔معروف و معلوم تفسیری فہم پر تنقید کرتے ہوئے مساوات مرد وزن کے قائلین لکھتے ہیں۔

① ''مروّجہ تراجم سب غلط ہیں کیونکہ یہ عربی تفسیروں کا ساہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

② عربی کی تفسیریں بھی غلط ہیں کیونکہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔

③ اور روایات بھی سب غلط ہیں اگر یہ صحیح ہوتیں تو رسول اللہ کو چاہیے تھا ایک مستند نسخہ اُمت کے حوالے کر جاتے جیسا کہ قرآن حوالے کر گئے تھے۔ لہٰذا اس آیت کا مفہوم یا تراجم یہ تفسیریں خواہ کسی زبان کی ہوں، اور یہ روایات جو پیش کرتی ہیں سب کچھ یکسر غلط ہے۔''

اس کے بعد آیت کی درست تعبیر کرتے ہیں جس کے نکات درج ذیل ہیں:

① ''اس آیت میں بات میاں بیوی کی نہیں بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عام عورتوں کی ہو رہی ہے۔

② قام الرجل علی النسآء کے معنی مرد نے عورت کو روزی مہیا کی اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے اس میں فضیلت کی کوئی بات نہیں۔

③ فضل اللہ بعضھم علی بعض کے معنی ایک کی دوسرے پر فضیلت ہے مرد کی عورت پر۔عورت کی مرد پر۔مرد اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل اور عورت اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل ہے۔''(۷)

گویا فکر جدید نے آیت مندرجہ بالا کے پہلو نمبر ا سے مرد کی افضلیت یا حاکمیت کو یوں خارج کر کے طبقہ نسواں کو خوش کر دیا اب سوال یہ ہے:

☆ اگر سب تراجم، تفسیریں اور روایات غلط ہیں تو مجوزہ تشریح کی صحت کی کیا دلیل ہے؟

---

(۷) (i) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص۵۴ (ii) مفہوم القرآن از پرویز، ج ۱/ص ۱۸۸

☆ لغوی لحاظ سے بھی قوام کا معنی رزق مہیا کرنے والا نہیں بلکہ قائم رہنے یا رکھنے والا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ﴾ ''ہمیشہ انصاف پر قائم رہو۔''(۸)

امام راغب ﴿ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ کا معنی حاکم اور محافظ بیان کرتے ہیں۔(۹)

اور صاحب منجد اس کا معنی 'خوبصورت قد والا' معاملہ کا ذمہ دار' کفیل' معاملہ کی ذمہ داری پوری کرنے پر قادر۔ امیر بتاتے ہیں۔(۱۰)

فکرنو نے خود بھی 'قام الرجل المرأة' کے معنی مطالب الفرقان میں ''مرد نے عورت کی کفالت کی، اس کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا'' کے لیے ہیں۔(۱۱)

گویا اس لفظ میں رزق مہیا کرنے سے زیادہ ذمہ داری اور نگہداشت کا پہلو نکلتا ہے اور یہی بات علماء کہتے ہیں۔ کون کس پر افضل ہے اس بات کا جواب اب خود اسی آیت میں ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ کے ساتھ ہی بِمَا آیا ہے جو ایک تو اس کی وجہ بیان کر رہا ہے اور دوسرے یہ وضاحت کر رہا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

فضیلت کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ مرد عورت کے ذریعہ معاش کا وسیلہ ہے لیکن فکرنو کا یہ کہنا ہے کہ ''یہ معیار تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اللہ نے ایسا نہیں کہا'' پھر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

'' اگر یہ اُصول صحیح مان لیا جائے کہ کمانے والوں کو کھانے والوں پر فضیلت ہوتی ہے تو بڑے بڑے مدبرین، مفکرین اور ایجادات کرنے والوں پر کاشتکاروں کو ہمیشہ فضیلت ہونی چاہیئے اور میدان جنگ میں لڑنے والوں کا درجہ مزدوروں سے بہت نیچا ہونا چاہیے کیونکہ مفکر، مدبر اور سپاہی اناج پیدا نہیں کرتے۔'' (۱۲)

معمولی غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ ایسے نہیں جیسا کہف کر جدید نے سمجھا ہے، کیونکہ کاشتکار زرنقد

(۸) سورۃ النساء: ۴/۱۳۵

(۹) مفردات القرآن، اصفہانی، راغب، ترجمہ وحواشی، فیروز پوری، محمد عبدہ الفلاح، مکتبہ قاسمیہ، جامع قدس، چوک دالگراں، لاہور، ص/۴۲۳

(۱۰) المنجد: مادہ قوم، ص/۸۵۱

(۱۱) تفسیر مطالب الفرقان، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، طبع اول، نومبر ۱۹۷۹ء، ص/۳۶۴

(۱۲) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/۳۹

وصول کر کے اپنا غلہ بیچ دیتا ہے۔ جب اس نے پورا عوض لے لیا تو اب فضیلت کی کیا بات باقی رہ گئی، یہی حال مزدور کا ہے۔لیکن خاوند اخراجات کے عوض بیوی سے کیا لیتا ہے،جیسی ضرورت مرد کو عورت کی ہے، ویسی ہی عورت کو مرد کی بھی ہے۔جنسی اشتہاء مرد وعورت دونوں میں کم وبیش ایک جیسی ہوتی ہے۔اب مرد کا عورت پر خرچ کرنا فضیلت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس فضیلت کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اور خاوند غریب ہو تب بھی اخراجات کی ذمہ داریاں مرد ہی کے ذمہ رہیں گی الا یہ کہ عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے کچھ خرچ کرے اور یہ اس کا احسان ہوگا۔

آیت میں وارد وبما أنفقوا من أموالھم کے الفاظ سیدھا سیدھا مرد کو عورت کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کریں یہی فطرت ہے،لیکن اگر تعبیر نو کے حامی بھی اس جملے سے یہی مطلب اخذ کریں تو انہیں عورت کو مرد کا دست نگر ماننا پڑے گا جو ان کے مساوات مرد وزن کے نظریہ سے متصادم ہے لہٰذا جدید ذہن کے حاملین عورت کو معاش کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض باتوں میں مردوں کو برتری حاصل ہے اور بعض میں عورتوں کو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اپنے آپ کو اپاہج بنا کر مردوں کی کمائی کو تکتی رہیں اور خود کچھ نہ کریں انہیں چاہیے کہ خدا سے زیادہ سے زیادہ معاشی اکتساب کی توفیق مانگیں۔خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر سکتی ہیں۔''(۱۳)

درحقیقت عورت کو معاش کی راہ پر ڈالنا ہی طبقہ حقوق کا اصل ہدف ہے۔اس ہدف کو پورا کرنے کے لیے وہ ہر طرح کے مفہوم اخذ کر لیتے ہیں،ورنہ وبما انفقوا من أموالھم کے الفاظ صاف سیدھا عورت کو معاش کی ذمہ داری سے آزاد کرتے ہیں۔اسی آیت سے عورت کے معاش کے لیے استدلال نہایت دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔(۱۴)

قوام کی بحث کرتے ہوئے فکر جدید کے ایک اور مفسر 'قوام' کا ترجمہ 'حاکم' کا رد کرتے ہوئے اس کا ترجمہ 'سربراہ' اور 'کارفرما' کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ سربراہ اور کارفرما سے بھی مرد کی برتری باقی رہے گی پھر وہ اس کی مزید

(۱۳) i مفہوم القرآن از پرویز، ج۱،ص۱۸۷

ii مطالب الفرقان از پرویز، ج۴،ص۳۱۷

(۱۴) آئینہ پرویزیت از کیلانی، عبدالرحمٰن ص۱۹۵

تشریح کرتے ہوئے مرد کو سربراہ خاندان اور عورت کو سربراہ خانہ بناتے ہیں تاکہ مساوات قائم ہو سکے۔ فرماتے ہیں۔

''معاشی ذمہ داری چونکہ مرد پر ہے۔ اسی طرح بیرونی معاملات کا سلجھانا بھی اِسی کا فریضہ ہے۔ اسے خاندان کا سربراہ ہونا چاہیے۔ اور عورت گھر کے اندرونی معاملات کی ذمہ دار ہے لہٰذا اُسی کو سربراہ خانہ ہونا چاہیے۔''(۱۵)

مرد کو سربراہ خاندان اور عورت کو سربراہ خانہ بنا دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا گھر میں داخل ہو کر مرد عورت کے تابع ہو چلے اور گھر سے باہر عورت مرد کے تابع چلے تو قوامیت ثابت ہو جائے گی یا مساوات۔

اسی نوعیت اور اسی انداز کو فکر جدید کے کثیر حاملین نے اپنایا ہے اور مردانہ فضیلت کے انکار کے کئی رخ لیے ہوئے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث کلی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ مرد کی فضیلت کا ایک پہلو بیان ہوا ہے۔ بعض دوسرے پہلو عورت کی فضیلت کے بھی ہیں۔''(۱۶)

اپنے پسندیدہ معنی اخذ کرنے کے لیے حقوق نسواں کے مؤیدین کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے وہ ان کی تعبیر سے کس طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ امینہ ودود مرد کی قوامیت کو ایک اور طرف سے تنقید کرتی ہے کہ مرد کی قوامیت وفضیلت مرد کے عورتوں کے کفیل بننے کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ وجہ باقی نہ رہے تو پھر وہ ہر قسم کی فضیلت کا انکار کرتی ہیں۔ (۱۷)

امینہ کا یہ نقطہ ویسے قابل غور بھی ہے کیونکہ دورِ جدید کی مغربی تہذیبی یلغار کے نتیجہ میں جہاں عورت معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے وہاں اُس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا اور مرد کا اُس پر اپنی فضیلت منواتے ہوئے اپنے حقوق کے لیے عورت کو مجبور کرنا اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ حق وہی طلب کر سکتا ہے جو اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ اگر مرد بھی اپنی فضیلت کا غلط فائدہ اٹھائے تو اللہ نے آیت کے آخر میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بھی اُن مردوں کے پیش نظر رہنے چاہیں۔ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا مردوں کو بھی جان لینا چاہیے کہ ان کی فضیلت سے افضل بھی کوئی ہستی ہے۔

---

(۱۵) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۷۷

(۱۶) قانون معاشرت، غامدی، جاوید احمد، المورد، ادارہ علم وتحقیق، ۵۱۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع دوم، اگست ۲۰۰۶ء، ص ۳۰

(۱۷) مسلم تحریک نسواں اور اسلام، حیفا جواد، ص ۲۷

امینہ ودود کے استدلال کو بھی کئی مفکرین نے سراہا ہے اور اس کی حمایت کی ہے۔اسی ضمن میں ایک ماہر قانون کہتے ہیں۔

''جہاں عورت ہی سب کچھ کما کر لاتی ہے، بھائی نکھٹو ہے، باپ کچھ نہیں کرتا یا اپاہج بیمار ہے، ماں ان پڑھ ہے۔سارا بوجھ بہن پر ہے تو ایسی لڑکی کا لڑکے سے آدھا حصہ ناانصافی اور زیادتی ہے اور شریعت کا غلط فہم ہے۔ہمیں اپنا قانون وراثت بدلنا ہوگا اسی طرح اگر ایک گھر میں بیوی خاوند کے ساتھ معاش کی ذمہ داریوں میں شریک ہے تو پھر مرد کا فضیلت کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔''(۱۸)

لیکن یہاں ان جدید مفکرین کا مرد کی اَفضیلت کے لیے صرف ایک وجہ 'کفالت' بیان کرنا درست نہیں، کیونکہ آیت کے پہلے حصے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کی عورت پر افضیلت کی یہ دوسری وجہ بیان کی ہے۔ وبما کا واؤ حرف عطف ہے۔

جو مرد کی جسمانی اور ذہنی برتری کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن یہ بات درست ہے کہ اس سے صنفی برتری مقصود نہیں۔بما فضل اللہ بعضھم علی بعض بھی مرد کے لیے فضیلت مطلق کا ثابت نہیں کرتا، کیونکہ اس میں فضیلت جانبین کی طرف اشارہ ہے۔کئی مفکرین نے یہاں فضیلت سے مراد وہ اضافی استطاعت (Additional quality) لی ہے جو مرد میں معاشی اہلیت کو دو چند کرتی ہے جس کے مطابق مرد کو تخلیق میں جسمانی برتری دی گئی ہے وہ بیرونی سختیوں کو سہنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تا کہ وہ معاشی جدوجہد کی مشکلات کو برداشت کرے اور اپنے اہل خانہ کے لیے رزق حاصل کرے۔(۱۹)

مرد اور عورت کے تخلیقی نظم کے مطابق عورت کو بنیادی طور پر گھر کے داخلی نظام کو سنبھالنا ہے اسے اگلی نسل کے افراد کو تیار کرنا ہے اس بنا پر عورت کے اندر بھی کچھ اضافی خصوصیت (Additional quality) رکھی گئی ہے، مثلاً نرمی اور انفعالیت اگر دونوں ایک دوسرے کی استعداد کار کو سمجھیں اور ایک دوسرے کو برابر احترام دیں اور مزاحمت کی بجائے موافقت کی راہ اپنائیں تو اپنے گھر کو بھی جنت بنا سکتے ہیں اور معاشرے کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوں گے۔مردوں میں مردانگی کا جوہر انتہائی قیمتی ہے جو تنظیمی اور معاشی میدان میں مرد کو حاکم بناتا ہے اور غلبہ عطا کرتا ہے۔جن قوموں میں مردانگی کا جوہر ختم ہو جاتا ہے وہ قومیں مغلوب ہو جاتی ہیں۔بنی اسرائیل کا زوال بھی مردوں کی

(۱۸) اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف، (انٹرویو) جاوید اقبال، ڈاکٹر، ص/۷۵

(۱۹) عورت معمار انسانیت، وحید الدین خان، مولانا، ص/۱۰

موت اور عورتوں کی بقا پر مبنی تھا۔﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾(۲۰)

آج مسلمانوں کا زوال اگر مردوں کی موت نہیں تو مردانگی کی موت پر منحصر ہے۔ مسلمانوں میں مردانہ جوہر زوال پذیر ہے۔ اگر آج بھی مسلمان اپنے میں مردانگی کو فروغ دیں اور دنیا میں غالب ہو کر دکھائیں تو فضیلتوں میں عدم توازن حقیقی اور اصلی توازن میں بدل جائے اور اسلامی قوانین کی ابدیت مسلمانوں کے عمل سے ثابت ہو جائے۔

(۲۰) سورۃ البقرۃ:۲/۴۹

مبحث سوم: عورت کی فرمانبرداری

اب اس آیت کے دوسرے حصہ کی طرف آیئے جو یہ ہے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾[21]

''پس جو نیک عورتیں ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں اپنے مال و آبرو کی خبرداری کرتی ہیں۔''

تعبیر نو کے حامل مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ لفظ ﴿فَالصَّالِحَاتُ﴾اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مردوں کے مالوں سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی۔

قٰنتت کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: وہ اپنی صلاحیتوں کو اس مصرف میں لائیں جس کے لیے وہ خاص صلاحیتیں پیدا کی گئی ہیں[22] (قنتٰت) کے۔(قٰنتت کے یہ معنی بھی معروف معنی کے خلاف ہیں)

☆﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی جب اللہ کے قانون نے جس طرح عورتوں کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے (یعنی جنین کی حفاظت)''[23]

ان کے نزدیک آیت کا درست اور صحیح مفہوم یہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

آگے قانتٰت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، یہاں اس سے شوہر کی فرمانبرداری مراد لینا غلط ہے۔ اس سے مراد اللہ کی فرمابردار عورتیں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر قانتین کا لفظ بھی قانتات کے ساتھ آیا ہے چونکہ وہاں مراد اللہ کے فرمابردار مرد اور عورت ہیں لہٰذا اس آیت میں بھی قنتٰت سے مراد اللہ کی فرمانبردار عورت ہی لی جانی چاہیے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ کیا کسی نے قانتین سے مراد عورتوں کے فرمانبردار مرد لیے ہیں۔ اگر نہیں تو عورتیں

---

(۲۱) سورۃ النساء: ۴/۳۴

(۲۲) مطالب الفرقان از پرویز، ج۳/ص۳۶۴

(۲۳) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص۵۵

ہی کیوں مردوں کی فرماں بردار ہوں۔ (۲۴)

اپنی اس کوشش میں وہ آیت کے سیاق وسباق سے صرف نظر کرتے ہیں جو عورتوں پر مردوں کی قوامیت کے عنوان سے شروع ہو کر مردوں کی عورتوں پر سربراہی پر ختم ہوتا ہے۔

تعبیر نو کے کثیر حاملین نے 'قٰنِتٰتٌ' کے یہی معانی لیے ہیں اور مردوں کی فرمانبرداری کے تصور کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ یہ تعبیر ہی ان کے مزعومہ مقاصد کو پورا کرتی ہے۔ (۲۵)

تعبیر نو کے حامل اپنی رائے میں پھر ترمیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر قنتٰت سے مراد شوہر کی فرماں بردار بیوی بھی لی جائے تو اس سے مراد خاندان کے مشترک معاملات ہیں یعنی وہ جن پر گھر کی تنظیم کا دارو مدار ہے۔ ان میں آخری فیصلے کا اختیار مرد کے پاس ہے۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ عورت کلی طور پر مرد کی فرمابردار بن کر رہے۔ عورت اپنے ذاتی معاملات میں بالکل آزاد ہے۔ اس پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ مثلاً اسے کوئی خاص کپڑا پہننے یا کوئی خاص کھانا پکانے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اس کے مال پر دوسرے کا کوئی حق نہیں اسے کوئی پیشہ اختیار کرنے یا خدمت خلق کا کوئی کام کرنے سے نہیں روکا جا سکتا گویا وہ تمام امور جو عرف میں کسی فرد کے ذاتی معاملات کہلاتے ہیں اُن میں عورت کسی مرد کے تابع نہیں وہ اپنے ذاتی فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔'' (۲۶)

ایک دوسرے مفکر بھی عورت کی فرماں برداری سے دست کش ہونے کے بعد کچھ کچھ اُسے مانتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

'' ہم اس کے منکر نہیں کہ عورتوں کو اپنے شوہروں کا مطیع وفرمابردار ہونا چاہیے لیکن اطاعت اطاعت میں فرق ہے۔ ایک اطاعت محکومانہ اور غلامانہ ہوتی ہے جو ایک جابر اور مطلق العنان حاکم کی کی جاتی ہے۔ اور ایک اطاعت رضا کارانہ اور مساویانہ ہوتی ہے۔ جو ایک شفیق ومحبّ صادق کی کی جاتی ہے۔ ہم غلامانہ اور محکومانہ اطاعت کا انکار کرتے ہیں۔'' (۲۷)

سوال اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر بیوی کی اطاعت محبوبانہ ہونی چاہیے تو پھر شوہر کو بھی بیوی کی اطاعت کرنی

---

(۲۴) مطالب الفرقان از پرویز، ج ۳، ص ۳۶۵

(۲۵) ڈاکٹر عمر احمد عثمانی کی رائے کے لیے دیکھئے: فقہ القرآن، ج ۳، ص ۶۹

امینہ ودود کی رائے کے لیے دیکھئے: انٹرنیٹ awadud@saturn.vcu.edu

(۲۶) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق خان، ڈاکٹر ص ۸۱

(۲۷) فقہ القران از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۴۱۲

چاہیے۔ آخر وہ بھی اس سے محبت کا دعویدار ہے۔محبوبانہ اطاعت سے یہ فکرنو مساوات مرد وزن کا رنگ کشید کرتی ہے۔یقیناً عائلی زندگی کا حسن وکمال اس بات میں ہے کہ گھر کی فضا میں بیوی شوہر کی اطاعت رضا کارانہ، محبانہ، مشفقانہ، مساویانہ اورخوش دلانہ انداز سے کرنے اور وہ شوہر کی فرمانبرداری اس والہانہ اُلفت سے کرے کہ شوہر کو اپنے سربراہانہ اختیارات کواستعمال کرنے یعنی وعظ ونصیحت، خواب گاہوں سے علیحدگی اور مار پیٹ سے کام لینے کی نوبت ہی نہ آئے، لیکن مرد کی سربراہی کا انکار مناسب نہیں۔

دینی فکرعورتوں کے لیے ضابطہ تعلیم اور ضابطہ اخلاق کی ابتدا کرتے ہوئے فالصلحت قٰنتت سے بات شروع کرتے ہیں اور پدرسرانہ نظام اور خاندانی ولایت اس کی تشریح میں لاتے ہیں۔عورتوں کے لیے یہ اسلوب اخلاق وتعلیم طبقہ نسواں کوانتہائی برہم کرنے کا موجب ہے، کیونکہ اطاعت کے حکم سے مرد کی سربراہی ثابت ہوتی جوان کے نظریات کی اساس پر چوٹ کے مترادف ہے۔انہوں نے قٰنتت کے اس نئے مفہوم کو بہت سراہا ہے۔لکھتے ہیں:

''پہلا اہم نقطہ یہ ہے کہ لفظ قانتات اچھی عورت کے لیے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ فرمانبردار عورت اور اگر ہم قرآن کے سیاق وسباق میں ملاحظہ کریں تو یہ لفظ عورت اور مرد کے لیے یکساں طور پر استعمال کیا گیا ہے۔''(۲۸)

نشوز

نشوز کا معنی کرتے ہوئے طبقہ نسواں لکھتا ہے کہ نشوز کا لفظ قرآن میں مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔اس لیے اس آیت میں نشوز کو صرف عورت کے لیے خاص کرنا زیادتی ہے اور خصوصا اس کو خاوند کی نافرمانی کے لیے استعمال کرنا زیادتی پر زیادتی ہے۔

''اس کا مطلب خاوند کی نافرمانی نکالنا انتہائی غلط ہے بلکہ اس کا اصل مقصد شادی شدہ جوڑے میں چپقلش سے لینا زیادہ درست ہوگا۔''(۲۹)

باہمی اطاعت کی طرح باہمی نافرمانی بھی ثابت ہوگئی اور مرد وزن برابر ہو گئے، لیکن پھر بات بن کر بھی بنی نہیں کیونکہ' نشوزھن' کی ضمیر جمع مونث کی ضمیر ہے جو اشارہ عورتوں کی بغاوت سرکشی اور نافرمانی کی طرف کر رہی ہے۔ سچی بات ہے یہ قرآن کی تشریح کے ساتھ مذاق ہے۔

---

(۲۸) توان کے خلاف جواز نہ ڈھونڈو، شبانہ عارف، مبارزہ، (نیوز لیٹر)، ص۱۵

(۲۹) ایضاً

آیت زیر بحث میں ،فکر جدید کی تعبیر نو نے ایک اور سوال یہ اٹھایا ہے کہ عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنے ، انہیں ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دینے اور ان کی مار پیٹ کے احکام کا مخاطب کون ہے ؟فکر جدید کا خیال ہے:

''یہاں خطاب میاں بیوی کو نہیں بلکہ جماعت کو ہے خود آیت مذکورہ بالا میں بات میاں بیوی کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ نوعِ انسان کی دو اصناف یعنی صنفِ رجال اور صنف نساء کی بات ہو رہی ہے قرآن نے اس آیت میں دونوں اصناف کے فرائض بتائے ہیں۔۔۔گھر کا بڑا بزرگ، خاندان کا سربراہ، حاکم مجاز، باپ ، بھائی سب اس خطاب میں آجاتے ہیں کہ وہ اوّل عورت کو نصیحت کریں ، اسے اس کے سونے کے کمرے میں تنہا چھوڑ دیں، ان باتوں سے اصلاح نہ ہو تو جسمانی سزا دیں جو اذیت رساں نہ ہو۔''(۳۰)

فکر جدید کے ایک اور مفکر فرماتے ہیں کہ:

''یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی ہے۔ عام مردوں اور عورتوں کے فرائض سے متعلق ہو رہی ہے۔۔۔اگر عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں بلا عذر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا تو نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا۔اس کے لیے کہا گیا کہ معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ پہلے تو اس قسم کی عورتوں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی جائے کہ ان کی یہ روش معاشرہ کے لیے کس قدر تباہی کی موجب ہے اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دیا جائے یہ ایک قسم کی نظر بندی (Internment) کی سزا ہوگی اور اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا بھی دی جا سکتی ہے (Corporal Punishment)''(۳۱)

سوال یہ ہے کہ آخر اس بات کی دلیل کیا ہے کہ آیت زیرِ بحث میں صیغہ کے مخاطب شوہر نہیں بلکہ افرادِ معاشرہ یا حکامِ معاشرہ ہیں؟

''وہ اپنی تائید میں اگلی آیت ۳۵ کو پیش کرتے ہیں جس میں منتظمین کو بصیغہ جمع اور میاں بیوی کو بصیغہ تثنیہ لایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾(۳۲)

''اور (اے حاکمو) اگر تمہیں ان دونوں (یعنی میاں بیوی) کی مخالفت (یا مقابلہ) کا خوف ہو تو تم ایک منصف میاں کے اہل سے اور ایک منصف بیوی کے اہل سے کھڑا کرو۔''

انہوں نے اس آیت کے بعد والی آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے جب کہ سیاق کلام میں ما قبل کو ملحوظ رکھا جاتا

(۳۰)فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳،ص ۸۱۔۸۲

(۳۱)طاہرہ کے نام خطوط از پرویز،ص ۵۸۔۵۷، مطالب الفرقان از پرویز، ج ۳،ص ۳۶۳

(۳۲)سورۃ النساء: ۴/ ۳۵

ہے۔آیت نمبر ۳۵ میں تو داخلی کوششوں کے بعد خارجی کوششوں کا ذکر ہے اور اہل خانہ ابتداً دوسروں کو اپنے داخلی معاملات میں شامل نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کرنا چاہیے۔ (۳۳)

نزول قرآن سے لے کر آج تک تمام علماء، فقہاء ، محدثین ، مترجمین ومفسرین قرآن زیر بحث آیت میں مذکور احکام ثلاثہ کا مخاطب شوہر حضرات ہی کو سمجھتے رہے ہیں (۳۴)

جمہور علماء امت کی روش سے ہٹ کر طبقہ نسواں نے یہ نئی فکر اختیار کی ہے۔اس نئی فکر کو اپنانے میں کئی اور احتمالات اور سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا تسلی بخش جواب ضروری ہے۔شوہر کی جگہ باپ، بھائی اور افراد معاشرہ کو دینے سے سوالات کا نیا تسلسل شروع ہوگا۔

① ان احکامِ ثلاثہ میں سے ایک حکم یہ ہے کہ واھجروھن فی المضاجع (عورتوں کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو) ظاہر ہے کہ اس حکم کے مخاطب وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو عورتوں کے شریکِ بستر ہوں۔عورتوں کی طرف سے نشوز ونافرمانی کی صورت میں انہیں ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دینے کی سزا اُن کے شوہر ہی دے سکتے ہیں۔کوئی بھائی باپ یا بیٹا ، اپنی بہن ، بیٹی یا ماں کا شریکِ بستر نہیں ہوا کرتا کہ انہیں نشوزِ نسواں کی صورت میں اس حکم کا مخاطب قرار دیا جائے۔ اس لیے آیت زیر بحث میں ان احکامِ ثلاثہ کے مخاطب بالیقین شوہر حضرات ہی ہیں نہ کہ کچھ اور لوگ۔ رہا فکر جدید کا یہ فرمان کہ

''عورتوں کو ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دینا ایک قسم کی سزائے نظر بندی ہے۔''(۳۵)

تو یہ حقیقتِ نفس الامر کی بڑی ناقص اور ادھوری تعبیر ہے۔ اگر اس سے مراد محض ''سزائے نظر بندی'' ہوتی تو قرآن واھجروھن فی المضاجع کی بجائے " واھجروھن فی البیوت " کی تعبیر اختیار کرتا جیسا کہ

---

(۳۳) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۸۱

(۳۴) (i) فتح البیان فی مقاصد القرآن، القنوجی، صدیق بن حسن بن علی الحسینی، احیاء التراث الاسلامی، قطر، ج ۳، ص ۱۰۸
(ii) التفسیر الکبیر ، الرازی، فخر الدین، الامام، ناشر، دار الکتب العلمیہ، طہران، ج ۱۰، ص ۹۰
(iii) الدر المنثور از السیوطی، جلال الدین ج ۲، ص ۱۵۵
(iv) تیسیر القرآن از کیلانی، عبدالرحمٰن، ج ۱، ص ۳۹۸

(۳۵) مطالب الفرقان از پرویز ج ۳، ص ۳۶۸

اتیانِ فاحشہ کی صورت میں سورۃ النساء آیت ۱۵/ ۴ میں فامسکوھن فی البیوتِ کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے قرآن نے یہی تعبیر اختیار کی اس لیے درست یہ ہے کہ واھجروھن فی المضاجع کے حکم میں سزائے نظر بندی سے کہیں زیادہ شدت وغلظت پائی جاتی ہے کہ عام نظر بندی میں میاں بیوی شریک بستر ہونے کی راحت سے محروم نہیں ہوتے مگر یہاں یہ راحت بھی مفقود ہے۔

④ رہا یہ امر کہ۔۔۔'' اس آیت سے متصل بعد والی آیت میں جمع حاضر کے صیغوں سے افراد معاشرہ یا حکامِ معاشرہ کو خطاب کیا گیا ہے اور زوجین کا ذکر تثنیہ غائب کے صیغوں میں کیا گیا ہے اس لیے آیت زیرِ بحث میں بھی حاضر کے صیغوں سے جن لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہ شوہر حضرات نہیں بلکہ دیگر افراد خانہ یا حکام معاشرہ ہیں۔'' تو یہ ایک نہایت ہی کمزور دلیل ہے جسے پیش کرتے ہوئے یہ گویا پہلے سے طے کر لیا گیا ہے کہ بیوی کے نشوز کی صورت میں شوہر کو کوئی ایسا موقع سرے سے دینا ہی نہیں ہے جس میں وہ اپنی ازدواجی زندگی کے بگاڑ کو خود درست کر سکے حالانکہ یہ بات قطعی غلط ہے۔ بیوی کی سرکشی اور نافرمانی کی صورت میں قرآن پہلے خود شوہر کو 'سربراہِ خانہ' اور 'کارفرما' ہونے کی حیثیت سے یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ بیوی کو نشوز سے اطاعت وفرمانبرداری کی طرف لوٹائے۔ اس مقصد کے لیے نرمی اور سختی دونوں طریقوں سے کام لینے کی شوہر کو اجازت ہے۔ سب سے پہلے وہ نرمی اور بردباری سے اسے سمجھائے بجھائے (فعظوھن) اگر زنِ ناداں پر شوہر کا یہ کلامِ نرم و نازک بھی بے اثر ثابت ہو تو اس سے سخت تر رویہ یہ اختیار کرے کہ بیوی کو اس کے بستر میں تنہا چھوڑ دے (واھجروھن فی المضاجع) اگر یہ سزا بھی اسے راہِ راست پر نہ لا سکے تو بیش از بیش جو سخت ترین رویہ وہ اختیار کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو بدنی سزا دے (واضربوھن) جب شوہر کی طرف سے بیوی کو راہِ راست پر لانے کی یہ تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں اور بیوی اپنی ضد پر قائم رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاحِ احوال کا معاملہ اب زوجین کے بس سے باہر ہو چکا ہے۔ اب یہ کوشش فریقین کے علاوہ دیگر افرادِ معاشرہ یا حکامِ معاشرہ کو انجام دینی چاہیئے۔ اس لیے قرآن آیت زیرِ بحث میں اصلاحِ احوال کے لیے شوہر کو مخاطب کرتا ہے اور جب وہ ناکام ہو جاتا ہے تو قرآن اپنے روئے تخاطب کو اگلی آیت میں دیگر افراد یا حکام معاشرہ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی وجہ سے آیتِ زیرِ بحث میں صیغۂ امر کے مخاطب شوہر حضرات ہیں اور اس کے بعد والی آیت کے حکم کے مخاطب افرادِ خاندان یا حُکامِ

معاشرہ ہیں۔ یہی مفہوم اکثر مفسرین کا ہے۔(۳۶)

تعبیر نو کے حامیین کے تضادات حیرت انگیز ہیں۔سورۂ نساء کی زیر بحث آیت میں احکام کے مخاطب شوہر ہیں یا دیگر افراد معاشرہ ؟ یہ بات واضح ہو چکی ہے مگر تعبیر جدید کے حاملین اپنی ژولیدہ فکری اور تضاد خیالی کا شکار ہیں کہ کہیں ان احکام کا مخاطب شوہر کو قرار دیتے ہیں اور کہیں دیگر افرادِ معاشرہ کو۔ ذیل میں ہم ان کا وہ اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں ان احکام کا مخاطب عام مردوں کی بجائے شوہروں کو قرار دیا گیا ہے۔

''اگر بیوی کی طرف سے نافرمانی اور بدسلوکی کا اندیشہ ہوتو شوہر کو چاہیئے کہ وہ بیوی کو نصیحت کرے اسے سمجھائے اگر اس سے بات نہ بنے تو کچھ عرصہ اسے خوابگاہ میں تنہا چھوڑ دے اور اس سے بے تعلق ہو جائے اگر وہ پھر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو اسے معمولی سزا دی جاسکتی ہے۔''(۳۷)

یعنی اس آیت کا مخاطب احکام معاشرہ کو ٹھہرانے کے بعد ان کو اطمینان قلبی نصیب نہیں یہ خود پھر اسی موقف کو لوٹے ہیں جس کا پہلے انکار کر چکے ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین کو درج بالا آیت کا یہ حصہ (واضربوھن) نہ اگلتے بنتا ہے نہ نگلتے۔قرآن پر اعتماد تو ہے لیکن ان الفاظ کا کیا کریں جو ان کی مساوات مردوزن سے ٹکراتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے۔ امینہ ودود کہتی ہیں کہ یہ آیت عورت کے خلاف شدید تشدد کی ممانعت کرتی ہے نہ کہ اُس کی اجازت دیتی ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ

''قرآن کہیں بھی عورتوں کو خاوندوں کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا وہ کہیں یہ نہیں کہتا کہ خاوندوں کی اطاعت ایک اچھی عورت کی صفات میں سے ہے۔ اس اُصول پر کوئی تعلق وجود میں نہیں آسکتا کہ نافرمانی پر مرد کو مارنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ایسی تفسیر اپنے اندر یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ ہر دور میں قابلِ قبول ہو جب کہ وہ قرآن کے بنیادی پیغام سے بھی متصادم ہے۔''(۳۸)

طبقہ نسواں امینہ ودود کی ذاتی آراء سے جو کچھ اخذ کرتا ہے اسے دلیل بنا کر واضربوھن کے معنی کو بدل کر کہیں کا کہیں لے جاتا ہے، اور قرآن کی تفسیر طبقہ نسواں کا کھلونا بن جاتی ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

(۳۶)تیسیر القرآن از کیلانی، عبد الرحمٰن، ج/۱،ص/۳۹۸ ؛ الدر المنثور از السیوطی، جلال الدین ج/۲،ص/۱۵۵؛ تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر، ج/۱،ص/۴۳۷

(۳۷)فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج/۳،ص/۳۹۴

(۳۸)مسلم تحریکِ نسواں اور اسلام، حیفا جواد،ص/۲۷

''واضربوھن کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ شوہر اب اپنی بیوی کو مار سکتا ہے بلکہ اس کا مقصد باہمی اتفاق شدہ پر امن حل کو تلاش کرنا ہے۔قرآن کا مطلب آپس کی ناچاقی کو ختم کرنا ہے نہ کہ عورت پر سکہ جمانا، اگر آخری حد کی نوبت آ بھی جائے تو اس کا مفہوم ہرگز تشدد نہیں، کیونکہ وہ غیر اسلامی ہے۔''

طبقہ نسواں کی ترقی پسند جدید عورتیں تاویلی طریقے کے لالچ میں تفسیر کے علمی میدان قدم رکھنے میں کشش محسوس کرتی ہیں اور لکھتی ہیں:

''لسان العرب کے مطابق ضربا کا مطلب زبردستی یا تشدد کا استعمال نہیں بلکہ یہ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا یہ لفظ کسی کے سفر پر جانے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔اس وجہ سے یہ اس فعل (ضربا) کی دوسری قسم جس کا مفہوم ہے بری طرح مارنا سے مکمل طور پر متصادم ہے۔''(۳۹)

معنی کو بدلنے کی کوشش کرنا اور اس کو اس حد تک الٹا معنی دینا سوائے مذمت کے کسی اور چیز کو لازم نہیں کرتا۔ مارنے کے علاوہ ''مثال بیان کرنا'' یا ''سفر کرنا'' یہ دونوں معنی کسی بھی طرح سیاق وسباق کے جملے اور معنی کو تکمیل نہیں دیتے۔آخر دوسرے معنی کے قبول کے لیے کوئی تو قرینہ سلیقہ ہو۔حقیقت یہی ہے کہ ان کے اس غلط رویے نے ان کے لیے انتہائی طعن کے دروازے کھولے ہیں۔دراصل اس طبقہ نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے کے استعمال میں غیر محتاط رویوں کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے اسلامی قانون کو مغربی قانون کا درجہ دیا ہے جس میں تبدیلی تو کجا اس کی بقا کا انحصار بھی پارلیمنٹ پر ہے جو چاہے تو انہیں یک لخت ختم کر دے جب کہ قرآن میں تبدیلی کی کوئی مسلمان مجال نہیں رکھتا۔مختصرا یہ کہ واضربوھن کے الفاظ پر آکر یہ تمام دانش ور کوئی راہ نہیں پاتے کہ کہاں جائیں۔الزام اب بھی مفسرین کو ہی دیتے۔'واضربوھن' کے لیے یہ جو بھی ڈکشنری دیکھ لیں قدیم یا جدید یہ ہی معنی ملیں گے۔

تعبیر نو کے قائل بعض اذھان 'واضربوھن' کو صرف بغاوت اور فحاشی کی سزا کے طور پر جائز سمجھتے ہیں لیکن بالآخر انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ عورت کو سزا دی جاسکتی ہے۔(۴۰)

تاویلی طرز تفسیر کے باوجود قرآن مجید کے الفاظ اپنی جگہ رکھتے ہیں اور اپنے اندر بہت سے اسرار وحِکم لیے ہوئے ہیں۔ایک کو دوسرے پر زیادہ حق دے کر بعض امور میں زیادہ ذمہ دار ٹھراتے ہیں۔

---

(۳۹) قرآن کے خلاف جواز نہ ڈھونڈو از شبانہ عارف، مبارزہ (نیوز لیٹر)، ص/۱۵

(۴۰) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/۸۲

مبحث چہارم: جنتی مساوات

قرآن کی رو سے جنتی مردوں کو اچھی اچھی عورتیں اور حوریں ملیں گی لیکن جنتی عورتوں کو کیا ملے گا؟ نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر نو کے نتیجے میں اٹھنے والے سوالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نظریہ مساوات مردوزن کے نظریہ سے متعارض ہے۔فکر جدید نے تو یوں اپنے ذہن کو مطمئن کیا۔ اگر جنتی مردوں کو اچھی اچھی عورتیں ملیں گی تو جنتی عورتوں کو بھی اچھے اچھے مرد ملیں گے۔ یہ ذہن حورعین کا ترجمہ اچھی اچھی عورتیں کر کے طبقہ نسواں کی ڈھارس بندھاتا ہے اور مساوات کو یوں قائم کرتا ہے:

''فرض کرو جنت میں حامد کو عائشہ ملتی ہے تو کیا عائشہ کو حامد بطور خاوند نہ ملے گا۔''(۴۱)

لھم أزواج مطھرۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مغربی مسلمان عورتیں بھی یہی مؤقف اپناتی ہیں کہ ازواج کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۴۲)

لیکن اس کے بعد بھی یہ تاویلی ذہن کسی ایک معنی پر مطمئن نہیں اور معنی کے مختلف امکانات کو سامنے لاتا ہے ان کا کہنا ہے:

''یہ استدلال اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ لوگوں نے اپنے آپ یہ طے کر لیا ہے کہ حوریں عورتیں ہوں گی جو جنت میں نیک مردوں کو ملیں گی حالانکہ حور کے یہ معنی صحیح نہیں۔ حور کے بنیادی معنی سفید کے ہیں چنانچہ حور ایک لکڑی کو کہتے ہیں جو سفید ہوتی ہے۔ الحواریات شہری عورتوں کو کہتے ہیں جن کا رنگ سفید ہو۔ حواریوں حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کو کہتے ہیں جو ان پر ایمان لائے، کیونکہ ان کا رنگ سفید تھا وہ پیشے کے اعتبار سے دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کر دیا کرتے تھے۔ اسی مادّہ سے حور اسم تفضیل کا جمع کا صیغہ ہے۔ اِس لیے حور کے معنی سفید رنگ والے مرد اور سفید رنگ والی عورتیں دونوں ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا کہ حوریں عورتیں ہی ہوتی ہیں غلط ہے۔''(۴۳)

نسوانی نقطہ نگاہ سے کی جانے والی تفسیر کے مطابق حور کو اگر مرد سمجھ لیا جائے تو یہ قرآن پاک کی دیگر بہت سی آیات کے خلاف تفسیر ہوگی جن میں صراحتاً کلمہ حور کے لیے مؤنث کی ضمائر لائی گئی ہیں۔ مثلاً ﴿فَجَعَلْنٰهُنَّ

---

(۴۱) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص ۷۷

(۴۲) Quran and women by Amina Wadud, p.20

(۴۳) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ص ۱۳۰

أَبْكَارًا﴾(۴۴)

﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾(۴۵)

لہٰذا تفسیر قرآن کے اس اصول القرآن یفسر بعضه بعضًا کو مدنظر رکھا جائے تو اس نوعیت کے بہت سے اشکالات واضح ہو جاتے ہیں اور قرآنی تعلیمات تضادات سے بچ جاتی ہیں۔قرآن کی عجیب ہی تفسیر کرنے کے بعد یہ ذہن اپنی ندرت فکر خود ہی مطمئن نہیں اور تعبیر نو کے بعد خود ہی رجوع کرتا دکھائی دیتا ہے۔

''جنت کی زندگی کی حقیقت ماہیت اور کیفیت اس دنیا میں ہمارے شعور کی سطح سے بہت بالا ہے۔اسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔''(۴۶)

قرآنی آیات کے فہم کے لیے عقل کا استعمال مستحسن ہے لیکن عقل کو وحی الٰہی کے مقابل کھڑا کرنا اسلام کی حدود سے تجاوز ہے شرعی احکام ہمارے شعور کی سطح سے بہت بالا ہیں وحی الٰہی کے باب میں شعور کی کوتاہ حدود کا اعتراف عقلمندی ہے۔

---

(۴۴) سورۃ الواقعہ:۳۶/۵۶

(۴۵) سورۃ الرحمٰن:۷۴/۵۵

(۴۶) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ص/ ۱۳۱

مبحث پنجم: مردوں کی عورتوں پر فضیلت

نظریہ مساوات مردوزن کے حاملین مردوں کے عورتوں پر تفوق کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے:

''حفظ مراتب کا کوئی ایسا نظام اسلام سے اخذ نہیں کیا جا سکتا جو نا قابل تبدیل ہو یا جو دائمی اور من جانب اللہ ہو۔''(۴۷)

امینہ اس ضمن میں دو آیات کا ذکر کرتی ہیں:

ایک ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾(۴۸)

''مردعورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس بنا پر جو وہ اپنے مال میں سے ان پر خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''یہاں قرآن فضیلت کو معروضی مفہوم میں لیتا ہے نہ کہ مطلق مفہوم میں مثال کے طور پر جب قرآن کہتا ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کو دوسروں پر فضیلت دی تو اس کے ساتھ وہ ان کے مابین کوئی فرق نہیں کرتا۔ اگر یہ فضیلت سمجھی بھی جائے تو یہ مشروط ہے وبما أنفقوا کے ساتھ اور اِس آیت کی جو تفسیر بیان کی جاتی ہے وہ کسی طرح درست نہیں کہ مرد کو قوت اور عقل کی بنیاد پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اگر معاملہ کی نوعیت یہ ہوتی تو آیت کا اسلوب یہ ہوتا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی نہ کہ یہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔''(۴۹)

وہ مزید لکھتی ہیں:

''یہاں بعض کا لفظ عمومی انسانی تناظر میں استعمال ہوا ہے تمام مرد تمام عورتوں پر تمام معاملات میں فضیلت نہیں رکھتے گویا اللہ نے جس فضیلت کا ذکر کیا ہے وہ مطلق نہیں ہے۔''

دوسری آیت ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾(۵۰) کے ضمن میں لکھتی ہیں آیت میں جس درجے کا ذکر ہے وہ صرف طلاق کے امور سے ہے۔ اِس آیت کی یہ تفسیر درست نہیں کہ تمام مردوں کو تمام عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے یہ ایک عمومی قانون نہیں قرار دیا جا سکتا۔''

نظریہ فضیلت کا انکار اور نظریہ مساوات کی حمایت کرتے ہوئے ایک اور جدید مفکر لکھتے ہیں۔

---

(۴۷) Quran & women by Amina Wadud, p.64-65

(۴۸) سورۃ النساء: ۳۴/۴ (۴۹) ایضاً (۵۰) سورۃ البقرۃ: ۲۲۸/۲

''اگر اللہ کا مردوں کو عورتوں پر کلی فضیلت دینا مقصود تھا تو اللہ بما فضلھم علیھن کہتا یہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی صحیح تھا اور مختصر تر فقرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اِسے چھوڑ کر بما فضل اللہ بعضھم علی بعض انداز بلاوجہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ یہ جملہ طوالت آمیز بھی ہے۔ لیکن اس کے پس پردہ حکمت ہے یہی اشارہ کر رہی ہے کہ کبھی مردوں کو فضیلت حاصل ہے اور کبھی عورتوں کو۔''(۵۱)

ان کا مزید کہنا ہے:

''ایسے مرد جو اپنے فرائض کے ساتھ عورتوں کے بھی فرائض انجام دیتے ہیں ہزار عورتوں پر بھاری ہیں اور ایسی عورتیں جو اپنے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ مردوں کے فرائض بھی انجام دیتی ہیں ہزار مردوں پر بھاری ہیں ایسی عورتیں اور ایسے مرد تمام عورتوں اور مردوں سے افضل ہیں۔''(۵۲)

مندرجہ بالا ذہن کو فکر جدید کے کثیر مفکرین کی حمایت حاصل ہے۔(۵۳)

یہ تمام لوگ وللرجال علیھن درجة کو طلاق کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ طلاق کے ساتھ مشروط کرنے کی بنا پر انہیں کہیں نہ کہیں تو مرد کی فضیلت ماننا ہی پڑتی ہے۔ تو یہ جزئی فضیلت کو مان کر عمومی فضیلت کا رد کر دیتے ہیں۔

کیا مرد عورتوں پر حاکم ہیں؟ اور کیا مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے؟

مرد اور عورت دونوں اللہ کی مخلوق ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔ یہ معاشرے میں برابر حقوق اور برابر فرائض رکھتے ہیں، لیکن یہ برابری ان کے یکساں ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے کی نقل۔

مرد اور عورت انسانی معاشرتی اخلاقی مذہبی قانونی اعتبار سے برابر ہیں۔ لیکن فرق رکھتے ہیں۔ عورت معمار انسانیت ہے تو مرد معاشرتی ارتقا کی گاڑی کو کھینچنے والا انجن ہے۔ مرد جسما اور ذہنا عورت سے قوی تر ہے لہٰذا معاشی میدان کا اہل تر ہے۔ عورت تعمیر انسانیت میں مرد سے زیادہ اہل ہے اور اس میدان میں اس کا رتبہ مرد سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کے نبیؐ سے جب ایک صحابی نے حسن سلوک کا سب سے اہل ترین رشتہ پوچھا تو اللہ کے نبی نے پہلے تینوں

---

(۵۱) فقہ القرآن، عثمانی، عمر احمد، ص/ ۶۹

(۵۲) ایضاً، ص/ ۷۱

(۵۳) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/ ۸۷ ؛ طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/ ۳۹

مراتب صنف نازک یعنی ماں کو دیئے۔ (۵۴)

عورت جسمانی لحاظ کے کمزور ہونے کے باوجود ایک انسان کو پیٹ میں اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہے جو کہ مرد نہیں رکھتا۔اس دلیل سے مرد صنف کمتر نہیں بنتا۔اس طرح انتظامی میدان میں مرد کی برابری نہ کر سکنے کی بدولت عورت صنف کمتر نہیں بنتی۔اسلیے گھریلو سربراہی میں عورت کو مرد کے برابر کرنے کی کوششیں فضول ہیں اور احکامات الٰہی کے انکار پرمبنی ہیں۔

عورت گھر میں مرد کے تابع اور مطیع ہو کر بھی صنف برابر ہے۔فطرت کے نظام سے انحراف ناکامی ہے۔اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ یہاں چیزوں کو متحد اور منظّم انداز میں چلانے کے لیے ان کا ایک مرکز Nucleus ہوتا ہے۔یہی مرکز اس کے مختلف اجزاء کو جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور مرکز پر ہی ایٹم کا دارومدار ہوتا ہے۔کائنات کا نظام بھی اسی اصول پر قائم ہے۔سورج کے گرد تمام سیارے حرکت کر رہے ہیں۔

یہ اصول تنظیم ہے۔جس پر انسانی زندگی کا بھی پورا نظام چل رہا ہے۔مزدوروں کے اوپر ایک سپروائزر ہوتا ہے۔ہر کمپنی کا ڈائریکٹر ایک ہوتا ہے۔میٹنگ میں چیئرمین ایک ہوتا ہے۔آفس کا باس ایک ہوتا ہے۔ملک کا کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو۔صدر اور وزیراعظم ایک ہوتا ہے۔اسی اصول پر زندگی کے تمام معاملے چلتے ہیں ایسا نہ ہو تو زندگی میں انارکی پیدا ہو جائے اور کوئی معاملہ درست طور پر چل نہ سکے۔اسی لیے مساوات ومردوزن کے قائلین بھی اس برتری کا انکار نہیں کر پاتے اور وہ قرآن میں مذکور نظریہ برتری کو اسی نوعیت پر قیاس کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

''مرد کو عورت پر قوام بنانا گھر چلانے کا عملی بندوبست کرنا ہے جس طرح آفس میں کارکنوں پر ایک ہیڈ مقرر کیا جاتا ہے۔قوّام کا لفظ عملی بندوبست کو بتاتا ہے نہ کہ اخلاقی معنوں میں فضیلت کو۔قوّام کے اصول کو ہمیں ایک عملی ضرورت کے طور پر لینا ہے اور جہاں تک رتبہ اور درجہ کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے مرد وزَن برابر ہیں۔''(۵۵)

اور یہی درست موقف ہے کہ دونوں یکساں طور پر برابر کی عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔خاندانی تنظیم کا اصول یہ ہے کہ عورت بنیادی طور پر گھر کے داخلی نظام کو سنبھالے اور مرد بنیادی طور پر معاش کی فراہمی کا ذمہ دار ہو۔

---

(۵۴) صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الآداب، باب من أحق الناس بحسن للصحبة، رقم الحدیث: ۵۹۷۱

صحیح مسلم از مسلم بن حجاج القشیری، کتاب البر والصله والادب، باب بر الوالدین والیهما أحق، رقم الحدیث: ۲۵۴۸

(۵۵) عورت معمار انسانیت از وحید الدین خان، مولانا ص ۹/

مبحث ششم: حق طلاق مرد کو ہے

شریعت اِسلامیہ میں طلاق ایک مکروہ چیز ہے اس لیے اللہ نے زوجین کے اختلاف کی صورت میں زوجین کو ایک ایک 'حَکَم' تجویز کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہ وہ امکانی حد تک ان کے اختلاف دور کر دیں اور ان میں صلح صفائی کرادیں۔ تاہم اگر اختلافات دور نہ ہو سکیں تو آخری حق طلاق مرد کو دیا گیا ہے۔ لیکن فکر جدید اس حق کی بھی تحدید چاہتی ہے:

''اگر ثالثی بورڈ کی کوششیں ناکام رہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ ان کی باہمی رفاقت ممکن نہیں تو وہ اپنی رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کریں گے (اور اگر انہی کو آخری فیصلہ کا اختیار ہوگا تو خود ہی فیصلہ کر دیں گے) اس طرح معاہدہ (نکاح) فسخ ہوگا۔''(۵۶)

اس ذہن نے بلا دلیل مرد سے حق طلاق چھین کر عدالت کو تفویض کر دیا ہے یا پھر دوسری صورت یہ بتلائی ہے کہ اس حق طلاق میں میاں بیوی دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ جب کہ ان دونوں باتوں کی تردید کے لیے قرآن کی درج ذیل آیت کافی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

''پھر اگر وہ (شوہر) اس (عورت کو تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے، اس (پہلے شوہر پر) حلال نہ ہوگی۔'' (۵۷)

دیکھئے اس آیت میں (طَلَّق) واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے لہٰذا طلاق دینے والی اتھارٹی نہ عدالت ہو سکتی ہے نہ معاشرہ اور نہ ہی بیوی کو اس معاملہ میں شریک بنایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے عدالت کا معاملہ درمیان میں اس لیے بھی ذکر کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو بھی خلع کا حق دیا ہے لیکن یہ چونکہ عدالت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مرد و عورت کے حقوق میں یکسانی پیدا کرنے کی خاطر عدالت کو اس میں داخل کر دیا ہے یا پھر مرد اور عورت میں برابر کا حصہ دار قرار دینے سے اس یکسانی کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اگر مساوات مرد و زن کے حاملین اپنی رائے منوانے کے لیے اتنے ہی مصر ہیں جتنا کہ ان آیات کی تفسیر میں محسوس ہو رہے ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ اپنی رائے کی حمایت میں پہلے دنیا کو اپنے ساتھ ملا لیں، لیکن قرآن کے

---

(۵۶) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص ر ۹۷

(۵۷) سورۃ البقرۃ ۲ ر ۲۳۰

ساتھ زیادتی نہ کریں۔تفسیر کے میدان پر حملہ آور نہ ہوتے۔تفسر کا پہلا اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔یہ قرآنی آیات کو وہ معنی دینے کے کیسے مجاز ہیں جو قرآن کی دیگر آیات سے ٹکراتا ہے۔

عدت صرف عورت کے لیے

اس مسئلہ میں تعبیر نو کے حاملین نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ:

''بس یہ ایک حق فائق ہے جو مردوں کو دیا گیا ہے۔یعنی مرد کے لیے عدت نہیں جب کہ عورت کے لیے عدت ہے۔ عام اُصول تو یہ ہے کہ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [۵۸] جو حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں بالکل ویسے ہی حقوق عورتوں کے مردوں پر ہیں، لیکن عدت کے زمانے میں اس کا شوہر اس سے پھر شادی کرسکتا ہے۔﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ اب یہ جو مرد کی فضیلت عورت پر ایک درجہ زیادہ ہے۔اس ایک درجہ کے جدید دانشوروں نے پھر دو درجے بنا لیے: ایک یہ کہ عورت پر عدت ہے اور مرد پر نہیں اور دوسرے یہ کہ مرد عدت کے دوران اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کرسکتا ہے۔'' [۵۹]

اور قابل ذکر کام یہ کیا کہ وللرجال علیهن درجة کو صرف عدت کے زمانہ کے ساتھ محصور کر دیا کہ اس عدت کے زمانہ میں تو مرد کو عورت پر درجہ ہے، آگے پیچھے نہیں۔

اب دیکھئے کہ آیت کا تسلسل اس طرح ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [۶۰]

''اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ عورتوں پر مردوں کو فضیلت ہے۔''

اب دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں یا تو مرد و عورت کے حقوق کی برابری کا تعلق بھی محض زمانہ عدت سے ہے۔زمانہ عدت میں تو ان کے حقوق برابر ہوتے ہیں، لیکن آگے پیچھے عام حالات میں برابر نہیں ہوتے یا پھر عورتوں پر مردوں کو جو درجہ ہے وہ بھی صرف زمانہ عدت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام حالات میں بھی یہ فضیلت قائم اور استوار ہے اور اس بات کے باوجود بھی کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اور مردوں کے حقوق عورتوں پر ایک جیسے ہی ہیں تاہم مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

---

(۵۸) سورۃ البقرہ:۲/۲۲۸

(۵۹) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/۹۰

(۶۰) سورۃ البقرۃ:۲/۲۲۸

مبحث ہفتم: بچپن کی شادی

حقوق نسواں کی تحاریک کے افکار کی روشنی میں عورت کی کم عمر میں شادی نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ تاخیر کی شادی ان کے مقاصد کو زیادہ بہتر طور پر پورا کرتی ہے۔ کم عمری میں عورت زیادہ بچے پیدا کرتی ہے۔ عورت کی تعلیم کم ہونے کی بنا پر وہ مرد کے مقابلے میں دب جاتی ہے۔ مرد کی اطاعت کے امکانات کو زیادہ کرتی ہے۔ اپنی آزادی اور تعلیم کو داؤ پر لگاتی ہے۔ جس سے عورت کو معاشرتی ترقی کے امکانات تاریک ہوتے ہیں۔ رہا مسئلہ عورت کے تحفظ کا یا شہوانیت کو جائز راہ ردینے کا یا مرد وزن کی اخلاقی روحانی تعلیم وتربیت یہ ان کا میدان نہیں (معاشرتی امور کا کارکردگی کی تقسیم میں یہ میدان مذہبی طبقے کا ہے، کہ وہ وعظ ونصیحت سے شر کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔)

درج بالا موقف حقوقِ نسواں کی تحریکوں کا موقف ہے ان کا نظریہ 'کم بچے خوشحال گھرانہ'، 'تعلیم یافتہ عورت ترقی یافتہ معاشرہ' ہے۔ کم عمری کی شادی پر حقوق نسواں کی تحریکیں بہت واویلا مچاتی ہیں۔ لہٰذا فکر جدید کا بچپن کی شادی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے کہنا ہے کہ:

''دین کا فیصلہ یہ ہے کہ نکاح کی عمر ہی بلوغت کی عمر ہے۔'' (۶:۴) یعنی بالغ ہونے سے پہلے لڑکی اور لڑکے کی شادی ہو ہی نہیں سکتی اور صرف بلوغت ہی شرط نہیں بلکہ نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں فریقین کی رضا ورغبت نہایت ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب یہ معاہدہ انتخاب اور رضامندی سے ہوگا تو فریقین ایک دوسرے کے مزاج، افتاد، طبیعت، تعلیم وتربیت، ماحول، عادات وخصائل پر بات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اگر ہماری خودساختہ شریعت ہمارے لیے سند نہ بنتی تو ارشد اور صغیرہ کی شادی اس بارہ برس کی عمر میں ہو ہی نہیں سکتی۔'' (۶۱)

جب کہ مذہبی فکر اس نظریہ جدّت کے خلاف قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتی ہے:

﴿وَاللَّائِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (۶۲)

''اور تمہاری مطلقہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو ان کی عدت

---

(۶۱) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/ ۲۵۵

(۶۲) سورۃ الطلاق: ۶۵/۴

تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔''

درج بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے ان کا موقف ہے کہ:

''آیت بالا میں بوڑھی، جوان اور بچی سب طرح کی عورتوں کا ذکر ہے۔ بوڑھی اور بچی کی عدت تین ماہ ہے اور جوان (یعنی بالغ جو قابل اولاد ہو) کی عدت اگر اسے حمل ہے تو وضع حمل تک ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عدت کا سوال طلاق کے بعد ہی پیدا ہوسکتا ہے اور طلاق کا نکاح کے بعد۔ گویا نابالغ کا نکاح بھی ازروئے قرآن جائز ہے۔''(٦٣)

فکر جدید کے کثیر مفکرین نے عقلی اور تاویلی طریقوں کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام صغرسنی کی شادی کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اس آیت میں جن عورتوں یعنی حیض نہ آنے والی عورتوں کا ذکر ہے اُس سے مراد بچیاں نہیں بلکہ وہ عورتیں مراد ہیں جنہیں کسی بیماری کے طور پر حیض نہ آنے کا عارضہ لاحق ہو۔ ان کے مطابق آیت میں صحت مند عمومی عورتوں کا ذکر نہیں بلکہ بیمار عورتوں کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے، کہتے ہیں۔

''اس آیت میں درحقیقت ان عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو بالغ ہو چکی ہیں لیکن کسی بیماری یا عذر کی بنا پر ان کو ایام نہیں آرہے۔ عورتوں میں اس قسم کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں جسکی تصدیق کسی بھی زنانہ کلینک میں کی جاسکتی ہے۔''(٦٤)

مذہبی فکر صغارسنی کے نکاح کے جواز پر حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کا نکاح حضرت محمدؐ سے ٦ سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہوئی۔(٦٥) لیکن تعبیر نو کے حامیین سنت نبویؐ اور احادیث کو بھی تاویلی طریقوں سے تولتے ہیں اور اس امر کو مؤرخین کی خطا شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی کم عمری کی شادی کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ کاتب نے غلطی سے ١٦ کو ٦ لکھ دیا اور ١٩ کو ۹ لکھ دیا۔ وگرنہ شادی کے وقت ان کی عمر ١٦ سے کم نہیں تھی۔ فرماتے ہیں:

''نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سال سے کم نہیں تھی۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح کے سلسلہ میں جو روایت ذکر کی جاتی

---

(٦٣) i۔ آئینہ پرویزیت از کیلانی، عبدالرحمٰن، ص/٢٠٦

ii۔ تیسیر القرآن از کیلانی، عبدالرحمٰن، ج/١، ص/١٨٣

(٦٤) صغرسنی کی شادی اور اسلام از عثمانی، عمر احمد، فکرونظر (ماہنامہ) مارچ ١٩٦٤، ج/٢، ش/٩، ص/٥١

(٦٥) i۔ کتاب النکاح، باب انکاح الرجل ولدہ الصغار، رقم الحدیث: ٥١٣٣، ٥١٥٨

ii۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی عائشة وقدومها المدینة وبنائه بها، رقم الحدیث: ٣٨٩٤

iii۔ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ١٤٢٢

ہے۔اس میں سے یقیناً دہائی کا عشرہ یا تو سہواً کسی راوی سے ساقط ہو گیا ہے یا قصداً ساقط کیا گیا ہے۔اوراس طرح سولہ کا چھ اور انیس کا نو بن گیا ہے۔''(٦٦)

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

''ہمارا خیال یہی ہے کہ اس روایت میں دہائی کا لفظ یا تو سہواً کسی راوی سے ساقط ہو گیا ہے یا عمداً ساقط کیا گیا ہے۔''(٦٧)

فکر جدید کے نزدیک عرب میں چونکہ نکاح کا ہی رواج تھا۔منگنی نسبت عام نہ تھی۔ان کے خیال میں نکاح سے مراد منگنی ہے اور رخصتی سے مراد شادی ہے۔(٦٨)اس طرح تاریخی حقائق سے کھیلنا اور تاریخی تسلسل سے چلی آنے والی فکر کا انکار کرنا اور نئے فہم کو تاریخی حقائق اور تسلسل پر مقدم رکھنا تعبیر نو کی ذہنیت کا عکاس ہے۔

جب کہ حضرت عائشہؓ کی شادی والی حدیث صحیح بخاری میں مذکور ہے اور سند و روایت کے اعتبار سے نہایت محفوظ اور شبہ سے بالاتر ثقہ حدیث ہے۔فکر جدید نے روایت ودرایت اور نقد وجرح کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر محض اتنی بات بلا دلیل کہنے پر اکتفا کر لیا کہ یہ کاتب کی سہواً غلطی ہے تا کہ مزعومہ موقف کو حاصل کیا جا سکے۔

دوسری طرف علماء دین حضرت عائشہ کی روایت کو سندا ورمتن کے اعتبار سے درست مانتے ہیں اور صغرسنی میں عورت کے نکاح کو بھی جائز سمجھتے ہیں جس پر مختلف قرآنی آیات اور فرامین نبوی دلالت کرتی ہیں۔اسلام چونکہ ایک مکمل نظام عفت وعصمت متعارف کرواتا ہے اس میں عصمت،نظر کا تحفظ،بہت قیمتی اثاثے ہیں اور انسان اپنے تمام اعضائے انسانی سے سرزد ہونے والے اعمال کے بارے میں کل اللہ کے سامنے جوابدہ ٹھہرایا گیا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری ہے:﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلاً﴾(٦٩) جب کہ مغرب میں یہ چیزیں ناپید ہیں۔

علماء دین کیوں کم عمری کی شادی کے حامی ہیں؟ اس کا جواب سیدھا سادھا یہ ہے کہ ان کے نزدیک عصمت کا تحفظ نظر کا تحفظ قیمتی اثاثے ہیں جن کا اللہ کو کل جواب دینا ہے۔لیکن مغرب میں یہ چیزیں ناپید ہیں لہٰذا ہمارے دانشوروں کو تقلید مغرب میں اتنا نہیں بڑھنا چاہیے کہ ان کی تعبیریں اسلام کی بنیادوں سے ٹکرانے لگ جائیں۔

---

(٦٦)فقہ القرآن از عثمانی،عمر احمد،ج ٣،ص ١٦

(٦٧)i۔ایضا ص ٤٨ ii صغرسنی کی شادی اور اسلام از عثمانی،عمر احمد،فکر ونظر(ماہنامہ) مارچ ١٩٦٤ء،ج ٢،ش ٩،ص ٤٧

(٦٨)طاہرہ کے نام خطوط از پرویز،عائشہ کی عمر،ص ١-٢

(٦٩)سورۃ بنی اسرائیل ١٧/٣٦

مبحث ہشتم: عورت کے لیے ولی کی شرط

حقوق نسواں کی تحریک اسلامی معاشرے میں ولی کے کردار کی نہایت مخالف ہے وہ مرد اور عورت کو برابر کر کے عورتوں کے لیے ہر مدد، سہارا، تحفظ اُٹھا لینا چاہتی ہے۔ عورت پر ولی کا حق قبول کرنے سے نظریہ مساوات مرد وزن سے متصادم نظر آتا ہے اور پھر نتیجتاً مردوں کا تفوق اور ان کی فضیلت بھی قائم ہو جائے گی۔ ان کے مطابق اگر مرد ولی کے بغیر شادی کر سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں۔ عورت کیوں اپنے خاندان کے کسی بڑے کے فیصلے کی محتاج ہو؟ اِن کے نزدیک عورت کا شرم وحیا کا حامل ہونا بے معنی چیزیں ہیں اُس کا نا تجربہ کار ہونا بھی اِن کے نزدیک معاشرے کی اُن کے ساتھ زیادتی ہے جو عورت کے تجربے کو کامل نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ان کے نزدیک اگر عورت پر روایتی اقدار کی سختیاں نہ ہوں تو وہ بھی مرد کی طرح تجربہ کار اور جہاں دیدہ بن سکتی ہے۔

فکر جدید کا اس ضمن میں یہ موقف ہے۔

چونکہ کم سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا اس لیے نکاح کے لیے ولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بالغ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ (۷۰)

وہ نکاح میں اختیار کے حوالے سے مساوات مرد وزن کے قائل ہیں ان کے نزدیک:

''ایک مرد بھی اپنی آزادانہ مرضی سے نکاح کر سکتا ہے اور ایک خاتون بھی اپنی آزادانہ مرضی سے نکاح کر سکتی ہے۔''(۷۱)

قرآن مجید اور حضورﷺ کے زمانے کے واقعات سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کہیں کسی طرح عورت کا یہ حق غصب نہیں کیا۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں کسی خاتون کا یہ حق چھین لیا گیا ہے تو حضورؐ نے اس کا حق واپس دلا کر اس کا یہ اختیار بحال کر دیا ہے۔ فکر جدید عہد رسالت میں آزادی نسواں کی مثالوں کو زندہ کر کے عورت کے عصری مغربی حقوق کو اسلامی حق ثابت کرنے پر مصر ہے۔

تعبیر نو کے حاملین کے دلائل بھی درست اور موقف بھی درست لیکن علماء دین درحقیقت عورت کو مطلق العنان

(۷۰) i۔ قرآنی قوانین از پرویز، ص۵۳

ii۔ مفہوم القرآن از پرویز، ج۱، ص۱۸۲

(۷۱) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب، از محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص۹۱

آزادی دینے کی بجائے عورت کے تحفظ کو یقینی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ نکاح کو صرف مرد اور عورت کا باہمی معاملہ ہی قرار نہیں دیتا۔ خاندان کے تحفظ سے عورت کو مرد کے جبر سے دور رکھتا ہے۔ درحقیقت معاملہ عورت کے تحفظ اور خوشی کا ہی ہے لیکن نقطہ نظر اسلامی ہے۔ اسلام حاملہ عورت اور زچہ بچہ کو تحفظ دینا چاہتا ہے اس لیے شوہر کو ولی قرار دیتا ہے۔ طبقہ حقوق نسواں Unplanned Pregnancy کو عورتوں کی Contraceptive Techniques سے لاعلمی قرار دیتا ہے اور خاندانی منصوبہ بندی کا حامی ہے اس لیے ولی کا تصور محدود کرتا ہے۔

مبحث نہم: عورت کی وراثت

قرآن مجید کی آیت ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ آیت کا یہ حصہ سورہ نساء میں دو جگہ (آیت:۱۱،۱۷۶) پر وراثت کی تقسیم کے درمیان مذکور ہے۔ وراثت کے احکام میں یہ حکم عمومی طور پر ذکر ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے آگے پیچھے شوہر بیوی، ماں اور باپ، بہن اور بھائی کی وراثت کا ذکر ہے۔ ہر جگہ عورت کا حصہ مرد کی نسبت آدھا ہے۔ اور یہ اتنی بار اتنی وضاحت سے قرآن میں مذکور ہے کہ اس میں معنوی تاویل کی کوششیں محدود ہو جاتی ہیں۔ آیت کو جیسے بھی الٹائیں معنی وہی کا وہی رہتا ہے۔ لہٰذا وہ عورت کے کمتر حصہ کی توجیہہ میں محل نزول کو سبب بناتے ہیں:

"قرآن کی رو سے ایک ایسا معاشرہ قائم ہوتا ہے جس میں اکتساب رزق کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے ذمے ہوتی ہے۔ اکتسابِ رزق کی ذمہ داری کا مرد پر ہونا ان حالات کا خاصہ تھا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا۔ جس معاشرہ میں اکتساب معاش کی ذمہ داری مرد کے سر پر ہو اس میں معاشی اسباب کی تقسیم میں مرد کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکہ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رکھا گیا ہے۔ لڑکیوں کے ذمہ نہ اپنے اخراجات کی کفالت ہوتی تھی نہ اپنے خاندان کے رزق کی کفالت اس کے برعکس لڑکے نے اپنے لیے بھی اکتساب رزق کرنا تھا اور اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی۔ اس لیے اسے زیادہ حصہ ملنا ضروری ٹھہرا۔ جہاں ایسی صورت نہیں وہاں عورت کا حصہ مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ 1/6 یا کلالہ کی صورت میں بہن اور بھائی میں سے ہر ایک کا حصہ ۱/۶۔"(۷۲)

یعنی فکر جدید کے مطابق وراثت کے وقت معاشرے کے عمومی حالات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اگر عموم میں عورتیں مردوں پر اپنے معاش کے سلسلے میں انحصار کرتی ہیں تو پھر للذكر مثل حظ الانثيين کے تحت تقسیم ہوگی۔ اور اگر عورتیں مردوں کے ساتھ معاشی ذمہ داریاں اٹھانے میں معاون ہیں تو پھر تقسیم برابر کی ہوگی۔ یہی نقطہ نظر مغربی ذہن رکھنے والوں کا ہے۔ وراثت کی تقسیم میں فکر جدید اسی مغربی موقف کی حامی ہے۔(۷۳)

تعبیر نو کے حاملین درحقیقت اسلامی احکامات کو مغربی تناظر میں دیکھنے کے عادی ہیں چونکہ مغرب میں عورت اپنا معاش خود کماتی ہے۔ تعبیر نو کے حامل دانشور قرآن سے اس کے حقوق کا تحفظ اخذ کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

(۷۲) مطالب الفرقان از پرویز، ج۳، ص ۳۶۶

(۷۳) دیکھئے: اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف، جاوید اقبال، ڈاکٹر، (انٹرویو) ص ۷۵

مبحث دہم: عورت کی عدالتی شہادت

حقوق نسواں کی تحریکوں کے افکار نے ہر صورت نظریہ مساوات مرد وزن قائم رکھنا اور ہر وہ آیت جو ان کے نظریہ مساوات سے متعارض ہو اس کی ایسی تاویل کرنا ضروری ہے جس سے مساوات دوبارہ قائم ہو جائے عورت کی عدالت میں شہادت کے ضمن میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى﴾(۷۴)

''(معاشی لین دین میں) اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو، اگر دو آدمی میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو اپنے پسندیدہ گواہوں میں سے لو تا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

اس آیت میں چند باتیں بالکل واضح ہیں۔

اوّلاً: یہ کہ قرآن نے مردوں میں سے دو گواہوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عدالتوں میں گواہی کا فریضہ ادا کرنا، امور حیات کی فطری تقسیم کے مطابق مرد کے ذمے ہے اور ویسے بھی لین دین کا یہ مالی مسئلہ، مردوں ہی کے شعبۂ تصرف کا معاملہ ہے، اس لیے مردوں کا اس شعبے میں گواہ قرار پانا ایک فطری امر ہے۔

ثانیاً: یہ کہ قرآن کے الفاظ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ (اگر دو مرد نہ ہوں تو۔۔۔) یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے نزدیک اوّل و آخر مطلوب گواہ صرف مرد ہی ہیں، لیکن اگر وہ میسر نہ آسکیں تو فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ۔۔ (تو ایک مرد اور دو عورتیں۔۔) آخری چارہ کار کے طور پر گواہ بنا لیے جائیں، قرآن کا یہ انداز صاف طور پر واضح کرتا ہے کہ ''ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت، دو مردوں'' کی عدم موجودگی ہی میں اختیار کی جاسکتی ہے، شہادت کا پہلا نصاب (یعنی دو مرد) اور دوسرا نصاب (یعنی ایک مرد اور دو خواتین) ایک دوسرے کا دوطرفہ قائم مقام نہیں بن سکتے کہ جب چاہا کسی ایک نصاب کی جگہ دوسرے کو اختیار کرلیا۔ یہ تو قطعاً ممکن نہیں کہ پہلے نصاب کو دوسرے نصاب کا قائم مقام قرار دیا جائے، البتہ یہ ممکن ہے کہ پہلے نصاب کی عدم موجودگی میں دوسرا نصاب اس کا متبادل قرار پائے بالکل اسی طرح جس طرح وضو، تیمّم کا متبادل نہیں ہوسکتا ہے البتہ تیمّم بصورت عدم موجودگی آب ﴿فَإِنْ لَّمْ

(۷۴) سورۃ البقرۃ: ۲۸۲/۲

تَجِدُوْا مَاءً﴾(۷۵) وضو کا متبادل اور قائم مقام بن سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مجبوری حالات کا نتیجہ ہے۔

ثالثاً: یہ کہ پہلے نصاب کی جگہ دوسرا نصابِ شہادت بیان کرتے ہوئے قرآن یہ نہیں کہتا کہ (فان لم یکونا رجلین فامرأتان) (اگر دو مرد نہ ہوں تو دو عورتیں گواہ بنالی جائیں) اگر قرآن ایسا کہہ دیتا تو مرد و زن کی یکساں شہادت بالکل واضح ہو جاتی، کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہتا اور مرد وزن کی شہادت کا مساوی مقام و مرتبہ قرار پا جاتا، مگر اس احکم الحاکمین اور خالقِ عقل وحکمت نے فرمایا تو یہ فرمایا کہ۔۔۔''اگر دو مرد نہ ہوں تو اپنے پسندیدہ گواہوں میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ قرار دے لو''۔اب ظاہر ہے کہ زبان سے بیشک یہ نہ کہا جائے کہ ''معاشی لین دین کے میدان میں دو عورتوں کی شہادت ،ایک مرد کے برابر ہے۔'' لیکن یہاں پر قرآنی اندازِ بیان یہی حقیقت پیش کرتا ہے۔

رابعاً: یہ کہ اس معاشی مسئلے میں جو سراسر مرد کے دائرہ عمل سے متعلق ہے قرآن نے یہ قطعاً گوارا نہیں کیا کہ پہلے یا دوسرے نصاب کے طور پر تنہا عورتوں کو گواہ بنالیا جائے ، اللہ چاہتا تو یوں بھی فرما سکتا تھا کہ واستشهدوا شیهدین من نسآئکم (یعنی اپنی خواتین میں سے دو عورتوں کو گواہ بنا لو) اور نہ ہی قرآن نے دوسرے نصاب کے طور پر مردوں کی جگہ صرف عورتوں ہی کو گواہ بنانا پسند کیا ، بلکہ یہ حکم دیا کہ۔''ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو''۔ یہ طرزِ بیان واضح کرتا ہے مردوں کے دائرہ کار میں تنہا عورتوں کی گواہی کو مقرر کرنا،اسلامی معاشرت میں ناپسندیدہ امر ہے، اگر یہ جائز اور پسندیدہ ہوتا تو قرآن کا انداز بیان یہ نہ ہوتا۔

خامساً: یہ کہ عورتوں کی شہادت کے ضمن میں قرآن کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔''اگر دو مرد نہ ہوں تو اپنے پسندیدہ گواہوں میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیا جائے تا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔'' ان الفاظ سے یہ واضح ہے کہ معاشی لین دین میں قرآن ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ قرار دیتا ہے۔

علمائے دین کا موقف یہ ہے کہ عورت کی عدالتی شہادت کا یہی مقام و مرتبہ اور یہی حیثیت اور پوزیشن ،قرآن و سنت ، تعامل صحابہ ، فقہائے ملت اور علماء امت کے نزدیک مسلم ہے۔عورت پر ہر معاملے میں نہیں بلکہ بعض معاملات میں ادائیگی شہادت کا بار ڈالا گیا ہے ۔علماء دین شہادت کے ضمن میں عورت کے صنفی امتیاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت پر ادائیگی شہادت کے بار کو محدود کرتے ہیں اور معاشی لین دین میں عورت کی گواہی کو مرد سے آدھا

---

(۷۵) سورۃ النساء:۴۳/۴

تصور کرتے ہیں۔اسی موقف کو مفسرین وفقہا کے فتاوی کی تائید وحمایت حاصل ہے۔(۷۶)

طبقہ نسواں کے متجددین اس کے برعکس یہ دعوی کرتے ہیں کہ عورت کو از روئے قرآن ہر معاملے میں شہادت کا حق حاصل ہے۔اسے بعض معاملات میں حق شہادت سے محروم کرنا،عورت کی حق تلفی اور اس کی تذلیل وتحقیر ہے۔ رہیں وہ آراء وفتاویٰ جو اُمت مسلمہ کے جید علماء وفقہاء نے پیش کی ہیں تو ان کے متعلق ان کا ایک اختلاف یہ ہے کہ یہ قوانین مردانہ تسلط کے دور کی یادگار ہیں ان کا کہنا ہے کہ

① ''یہ قوانین، ہمارے دورِ ملوکیّت میں اس زمانے میں وضع ہوئے تھے، جب عورتیں مویشیوں کی طرح منڈی میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔''(۷۷)

② ہمارے ''قوانین شریعت'' مردوں کے بنائے ہوئے ہیں، اس لیے ان میں مردوں کو ہر حال میں بالا دست رکھا گیا ہے۔ اور عورت بیچاری کو کچل دیا گیا ہے۔''(۷۸)

③ ''چونکہ یہ قوانین اس ماحول میں بنے تھے جس میں عدل کی بجائے استبداد کا دور دورہ تھا اور عورت کو بنگاہِ نفرت دیکھا جاتا تھا اس لیے ان قوانین وتصورات کی رُو سے عورت کی حیثیت مغلوب ومحکوم اور حقیر وذلیل سی قرار پا گئی، یہ قوانین ہمارے دورِ ملوکیّت کی پیداوار ہیں۔''(۷۹)

''کسی مقام پر بھی قرآن میں شہادت کے ضمن میں عورتوں یا مردوں میں تخصیص یا تفریق نہیں کی گئی، قرآن نے صرف گواہ (شاہد) کہا ہے خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔اس (قرآن) کی رُو سے شہادت کے لیے جنس (Sex) کی کوئی تخصیص ہے اور نہ شرط۔ایک مقام ایسا ہے جہاں ''ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر ہے، اسے سمجھ لینے سے ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔''(۸۰)

(۷۶) i۔الجامع لأحکام القرآن،القرطبی،ابوعبداللہ،محمد بن احمد الانصاری،مؤسسہ مناھل العرفان،بیروت۔ومکتبۃ الغزالی،دمشق ،ج/۳،ص/۳۹۷

ii۔تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون التاویل فی وجوہ التاویل از الزمخشری، ابو قاسم جار اللہ محمود بن عمر الخوارزمی، انتشارات آفتاب،تہران: ج/۱،ص/۴۰۳

iii۔مفردات القرآن از اصفہانی، راغب ج/۲،ص/۶۱۷

iv ۔ المبسوط،السرخسی، شمس الدین ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل (م۴۹۰ھ) دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ، باب ۲/ص/۱۰۱-۱۱۷

v۔المحلی، ابن حزم،علی بن احمد،دار الافاق الجدیدہ، بیروت، ج/۹،ص/۳۹۷

vi۔تیسیر القرآن از کیلانی، عبد الرحمٰن ج/۱،ص/۲۳۷

(۷۷) باب المراسلات،قانون شہادت،طلوع اسلام مارچ ۱۹۸۳ء ج/۳۶،ش/۳،ص/۴۷

(۷۸) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز،ص/۲۱ (۷۹) ایضاً،ص/۲۲ (۸۰) ایضاً،ص/۶۸

مساوات مرد وزن کے قائلین لکھتے ہیں:

④ ''ان قوانین میں احترام آدمیت کے آثار ونقوش ڈھونڈنا اور عورت کے صحیح مقام کو تلاش کرنا، اپنے آپ کو فریب دینا ہے، ان قوانین کی تائید و جواز میں اس قسم کی روایات وضع کر لی گئیں کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے یہ آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اس لیے پسلی کی ہڈی کی طرح ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی، اگر اسے سیدھی کرنے کو کوشش کی جائے گی تو ٹوٹ جائے گی۔ لیکن سیدھی نہیں ہوگی جس قوم کے امورِ زندگی میں عورت کی رائے کو دخل ہوگا وہ قوم تباہ ہو جائے گی۔''(۸۱)

معاشی لین دین میں عورت کی عدالتی شہادت کے قرآنی حکم کو مساوات مرد وزن کے قائلین وقتی عارضی حکم قرار دیتے ہیں اور اسے عمومی کلیہ کی جگہ دینے کے منکر ہیں۔ یہ ائمہ فقہا سے انکا دوسرا اختلاف ہے۔ یہ فرجل وامرأتان (۸۲) کی نئی تعبیر اس طرح کرتے ہیں، کہتے ہیں:

''اس آیت سے عورتوں کے خلاف کیس نہیں بنتا۔ اصل حقیقت یہ ہے زمانہ رسالت میں عورتیں عام طور پر مالی معاملات سے ناواقف ہوتی تھیں۔ تجارت اور لین دین روایتی طور پر مرد ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لین دین کے معاملات میں ان کا مضطرب ہو جانا بالکل فطری تھا۔ لیکن آج کے دور میں ایسا نہیں۔ آج کے دور میں عورتیں وکیل اور جج کے فرائض بھی سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کے بارے میں یہ حکم لگانا زیادتی ہے۔''(۸۳)

ان کا مزید کہنا ہے:

''اگر عورتیں آج بھی مالی معاملات کی سوجھ بوجھ نہ رکھتی ہوں تو قرآن کا یہ حکم اسی طرح رہے گا۔ ایک مرد اور دو عورتیں کوئی قاعدہ نہیں ہے بلکہ وقتی حکمت کا تقاضا ہے۔''(۸۴)

فکر جدید نے معاشی لین دین میں گواہی کے ضمن میں ایک مرد اور دو عورت کو قاعدہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اسے وقتی حکمت کے تابع کر کے اصل اصول کی جگہ نہیں دی، کیونکہ اس طبقہ جدید کی ترجیحات میں معاشی میدان میں مرد وزن کا حصہ یکساں ہونا چاہیے۔ (جب کہ اس میدان میں عورت یکساں حصہ ڈالنے کی متحمل نہیں)

---

(۸۱) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/۲۵

مطالب الفرقان از پرویز، ج/۳، ص/۴۸۶

(۸۲) سورۃ البقرۃ: ۲/۲۸۲

(۸۳) جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق خاں، ڈاکٹر، ص/۸۷

(۸۴) ایضاً

اور پھر اصول اور قانون بھی یکساں ہونا چاہیے۔

تیسرا اختلاف طبقہ مساوات مرد وزن اس طرح کرتا کہ ان کے نزدیک چونکہ بوقت گواہی ایک ہی عورت کلام کرے گی اور دوسری کے کلام کی نوبت نہ آئے گی لہٰذا ایک عورت ہی ایک مرد کے برابر ٹھہری۔اپنے موقف کے ثبوت کے لیے مساوات مردزن کے حاملین استدلال کرتے ہیں:

''قرآن کریم نے دوعورتوں کے سلسلہ میں یہ نہیں کہا کہ ان دونوں کی شہادت یکے بعد دیگرے لی جائے تاکہ وہ دوشہادات مل کر ایک مرد کی شہادت کے برابر ہو جائیں، کہا یہ ہے کہ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرٰى﴾(۸۵) اگر ایسا ہو کہ ان میں سے گواہی دینے والی کو گھبراہٹ کی وجہ سے کہیں الجھاؤ پیدا ہو جائے تو اس کے ساتھ کھڑی اس کی دوسری بہن اسے یاد دلا دے''۔اس سے ظاہر ہے کہ اگر شہادت دینے والی کو گھبراہٹ لاحق نہ ہو تو دوسری عورت کو دخل اندازی کا موقع ہی نہیں آئے گا اور اس کی شہادت کافی قرار پائے گی۔''(۸۶)

اس طرح کہہ کر وہ معاشی میدان میں مساوات مرد وزن کی راہ نکالتے ہیں۔جب کہ یہ ایک بیجا قسم کی سخن سازی ہے قرآن کو آخر یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ دوعورتوں کی شہادت کو یکے بعد دیگرے لیا جائے تاکہ یہ دونوں شہادتیں مل کر ایک مرد کی شہادت کے برابر ہو جائیں جب کہ وہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ایک مرد کی جگہ دوعورتوں کو گواہ قرار دیتا ہے۔یہ بات عقل سے بالا ہے کہ دومردوں کی جگہ فرجل و امرأتان کو طے کر دینے کے بعد قرآن کو ایسی فرضی جزئیات کو بیان کر دینے کی کوئی ضرورت باقی رہ جاتی ہے یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تعبیر نو کے حاملین، ''اگر دومرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دوعورتوں کو اپنے پسندیدہ افراد میں سے گواہ بنالو'' کے واضح دوٹوک اور قطعی الفاظ کے مفہوم ومنطوق کو تو تسلیم نہیں کرتے لیکن محض اس مفروضے پر کہ'' دوعورتوں کی شہادت کو یکے بعد دیگرے لینے کا ذکر نہیں ہے'' قرآن کریم سے مفہوم معکوس برآمد کر رہے ہیں۔اگر بالفرض پہلی عورت کو گھبراہٹ نہ بھی لاحق ہو اور دوسری عورت کو مداخلت کا موقع نہ بھی ملے تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک مرد کے مساوی ایک عورت کی گواہی طے ہو چکی ہے دوعورتوں کو ایک مرد کی جگہ بطورِ گواہ طے کر دینے کے بعد اگر دوعورتیں عدالت میں حاضر ہو جاتی ہیں اور ایک عورت بیان دیتی ہے اور دوسری خاتون سکوت اختیار کئے رہتی ہے ،تو دوسری کا سکوت پہلی عورت کے بیان

---

(۸۵)سورۃ البقرۃ:۲/۲۸۳

(۸۶)طاہرہ کے نام کے خطوط از پرویز،ص/۶۷

کے ساتھ رضامندی کی دلیل ہوگا ایک عورت کے شہادتی بیان اور دوسری عورت کے سکوت کے نتیجہ میں جو شہادت ادا ہوگی وہ دونوں کی طرف سے ہی ہوگی ، اسے صرف ایک عورت کی طرف سے شہادت قرار دینا ایک سعی لا حاصل ہے۔ ایسی تعبیر کئی دوسرے پہلوؤں سے اشکالات کو جنم دے گی، مثلاً

(الف) ''اگر ایک عورت الجھ جائے (یا بھول جائے) تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔''(۸۷)

اس آیت میں تذکیر کا فریضہ دوسری عورت ہی پر کیوں عائد کیا گیا ہے جب کہ وہ عورت بھی مقدمے کی جزئیات کو صحت کے ساتھ بیان نہیں کرسکتی ؟ ان دونوں عورتوں کے ساتھ ایک مرد بھی تو موجود ہے، ''تذکیر'' کا فرض اسے کیوں نہیں سونپا گیا ؟۔ اگر معاشی میدان میں مرد اور عورت کی شہادت مساوات ہوتی تو قرآن دو مرد گواہوں کی عدم موجودگی میں ایک مرد اور ایک عورت کو بھی متبادل نصاب شہادت کی صورت میں پیش کرسکتا تھا، اس طرح ایک عورت کے ساتھ آنے والا مرد، ''تذکیر'' کا یہ فریضہ بھی سرانجام دے سکتا تھا لیکن قرآن نے ایک مرد گواہ کے ساتھ ایک کی بجائے دو عورتوں کو گواہ قرار دیا اور پھر ''تذکیر'' کا فریضہ بھی انہی دو عورتوں میں سے ایک پر عائد کیا اور وہ بھی ایک مرد گواہ کی موجودگی میں ۔ آخر یہ کیوں ؟

اگر قلب و ذہن میں پہلے سے کوئی نظریہ انسان راسخ نہ کر بیٹھا ہو تو تنہا یہی چیز اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ معاشی لین دین میں دو عورتوں کی شہادت کو (خواہ وہ ان میں سے ایک عورت کی شہادت اور دوسری کے سکوت پر مبنی ہو یا ایک طرف سے شہادت میں الجھن یا نسیان اور دوسری کی طرف سے ''تذکیر'' پر مبنی ہو) ایک مرد کی شہادت کے برابر تسلیم کیا جائے۔

(ب) ﴿اَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى﴾ کا ترجمہ فکر جدید نے یوں کیا ہے:

''اگر ایسا ہو کہ ان میں سے گواہی دینے والی کو گھبراہٹ کی وجہ سے کہیں الجھاؤ پیدا ہو جائے تو اس کیساتھ اس کی دوسری بہن اسے یاد دلا دے۔''(۸۸)

یہ بامحاورہ ترجمہ ہے جس میں آیت کا مفہوم کما حقہ ادا نہیں ہو پایا، اگر محض یہ کہنا مقصود ہوتا کہ'' اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔'' تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے''أن تضل إحداهما فتذكر الأخرى''

(۸۷) سورۃ البقرۃ: ۲۸۲/۲

(۸۸) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/ ۶۷

اس صورت میں اِحدَا ھُمَا کے تکرار کی کوئی ضرورت نہ تھی سوال یہ ہے کہ اِحدَا ھُمَا کا یہ تکرار واعادہ کیوں ہے؟ فکر جدید کے ترجمہ میں تکرار کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ تک نہیں پایا جاتا یہ بات معروف ہے کہ سلیس اور بامحاورہ ترجمہ میں ایسی لفظی پابندیوں کا خیال نہیں رکھا جاتا لیکن الفاظِ قرآن پر غور کرتے ہوئے ایسی تکرارِ الفاظ سے سرسری طور پر گذرا بھی نہیں جا سکتا۔ بہر حال قرآن میں الفاظ کی یہ تکرار بے معنیٰ نہیں ہے، ترجمہ کرتے ہوئے اس تکرار کو پیش نظر رکھا جائے تو الفاظ کی ترتیب کچھ اس طرح ہوگی۔ ''اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دونوں میں سے کوئی ایک اسے یاد دلا دے''۔ اگر دورانِ شہادت، ایک عورت الجھ سکتی ہے تو دورانِ تذکیر دوسری عورت بھی تو الجھ سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن کے احکامات صنفی امتیاز کے لحاظ پر مبنی ہیں اور میدان معاش میں عورت کے لیے رعایت رکھی ہے۔ اس لیے اگر پہلی عورت کی شہادت کے دوران پیدا ہونے والی الجھن کو دوسری 'تذکیر' کے ذریعہ صاف کرتی ہے تو دوسری عورت کو 'تذکیر' کے دوران کوئی اور الجھن لاحق ہو جاتی ہے تو اسے ظاہر ہے کہ پہلی عورت ہی زائل کرے گی۔ اس طرح تذکیر و تبیین کی چھلنی سے چھن کر دونوں کی شہادت واضح سے واضح تر اور بیّن سے بیّن تر بنتی چلی جائے گی۔ اس طرح ''ان دونوں میں سے ہر ایک'' تذکیر کا فریضہ ادا کرے گی کیا یہ صورتحال معاشی میدان میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار نہیں دیتی؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر قلب و ذہن پر خارجی نظریات مستولی نہ ہوں تو سیدھی بات بآسانی سمجھ آ جاتی ہے اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔

مختصرا یہ کہ معاشی میدان میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر سمجھی جانی چاہیے اور مسلمانوں کو اس کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیے، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ معاشی میدان میں عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہونا عورت کے صنف کمتر ہونے کی دلیل نہیں عورت کے دائرہ اہلیت کے مختلف ہونے کی دلیل ہے۔

اہل علم و دانش ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کے تو قائل ہیں لیکن اس کا سبب عورت کی کمتری قرار نہیں دیتے، ان کے نزدیک اس آیت سے عورت کی کمتری ثابت کرنا عبث ہے بلکہ اس سے مرد و زن کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک:

''مرد کا دماغ اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ ایک فوکس پر اپنی سوچ کو مرتکز کر سکے۔ جب کہ عورت کا دماغ فطری طور پر ایسا ہے کہ وہ بیک وقت مختلف چیزوں کے بارے میں سوچے۔ اس بنا پر عورت کا فطری فوکس پھیل جاتا ہے جبکہ مرد کا فطری فوکس

مرکوز رہتا ہے۔ اسی فطری فرق کی بنا پر یہ اصول رکھا گیا ہے کہ ایک مرد کی جگہ دو عورتیں گواہ بنائی جائیں تا کہ ایک عورت اگر اپنے فطری مزاج کی بنا پر معاملہ کو پوری طرح یاد نہ رکھ سکے تو دوسری عورت اس کی تلافی کر دے۔"(۸۹)

اسی موقف کو دیگر آئمہ کی تائید بھی حاصل ہے۔(۹۰)

تعبیر نو کا معاشی میدان میں عورت کی آدھی گواہی کا انکار اور قرآن مجید کے الفاظ کی تاویلیں غیر متوازن اور ردّعمل پر مبنی رویہ کی عکاس ہیں۔ مفسرین کرام کی تشریحات کو عہد ظلم و استبداد سے مربوط کرنا درست نہیں۔ ان متجددین کا ذخیرہ احادیث پر عدم اعتماد(۹۱) اور تاویلی اسلوب کی حمایت ہمیں احکامات الٰہی کی حکمت سے دور کرنے کا موجب ہوگا۔ قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث سے عورت کی آدھی شہادت کا ثبوت ملتا ہے۔ بخاری(۹۲) اپنی صحیح میں ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: "شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل"

"عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی ہے۔"(۹۳)

نیز آپ کا ارشاد ہے: "فشهادة امرأتين تعدل شهادة الرجل"(۹۴)

قرآن نے پہلے نصاب شہادت کی جگہ، متبادل نصاب شہادت کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو بطور گواہ شامل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ" أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرىٰ "اس قطعہ آیت میں اَن تَضِلّ۔ کا ترجمہ علماء امت کی طرف سے عام طور پر" بھول جانا" کیا گیا ہے۔ لیکن فکر نو نے اس عام ترجمہ سے ہٹ کر ایک دوسرا ترجمہ کیا ہے جو ان کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔

"عام طور پر اس آیت کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ دو عورتوں کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے، لیکن قرآن نے تَضِلَّ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی نسیان (بھول جانے) سے مختلف ہیں اس کے بنیادی معنی ہیں" بات کا مبہم یا غیر واضح سا ہو جانا، ذہن میں اُلجھاؤ سا پیدا ہو جانا۔"(۹۵)

---

(۸۹) عورت معمار انسانیت از وحید الدین خان، ص/۲۴۔۲۵

(۹۰) تیسیر القرآن از کیلانی، عبدالرحمٰن، ج/۱، ص/۲۳۷

(۹۱) i۔ دیکھیے: میزان از غامدی، جاوید احمد، ص/۶۵

ii۔ مبادی تدبر قرآن از اصلاحی، امین احسن، ص/۵۷

(۹۲) امام بخاری: (194ھ۔256ھ) مکمل نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری ہے۔ حدیث رسول کی مشہور کتاب صحیح بخاری کے مؤلف اور جلیل القدر تاریخ دان اور محدث ہیں۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً الادب المفرد، تاریخ صغیر، تاریخ اوسط، تاریخ کبیر وغیرہ۔ دیکھیے: الأعلام از زرکلی: ج/۷، ص/۵۸۷۔ تذكرة الحفاظ از الذهبي: ج/۲، ص/۲۲ ط/۳، مطبع حیدر آباد 1375ھ؛ تاریخ بغداد از خطیب البغدادی، ط/الخانجی، القاہرہ 1339ھ۔

(۹۳) صحیح بخاری، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، رقم الحدیث: ۳۰۴

(۹۴) المحلی از ابن حزم، ج/۹، ص/۴۰۲

(۹۵) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/۶۱

بات یہ نہیں کہ تَضِلَّ کا معنیٰ ''الجھن میں پڑ جانا'' ہے یا بھول جانا ہے آپ جو بھی ترجمہ کریں، یہ آیت حقوق نسواں کی تعبیر نو کرنے والوں کے خلاف جاتی ہے۔ اُن کی کوئی بھی تعبیر انہیں کفایت نہیں کرتی۔

طبقہ مساوات مرد وزن عورت کے لیے 'بھول جانا' کے لفظ سے تحفظات رکھتا ہے، کیونکہ یہ لفظ سیاق وسباق میں عورت کی کم ذہنی استعداد کی طرف اشارہ ہے۔ جو نظریہ مساوات مرد وزن کے خلاف دلیل ہے وہ اس لفظ کی بجائے جو بھی متبادل لفظ اختیار کریں ان کے موقف کی کافی وشافی حمایت نہیں کرتا۔

مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے الجامع لاحکام القرآن میں امام قرطبی نے تفسیر الکشاف میں زمخشری (۹۶) نے أن تضل کے معنی بھول جانا یا نسیان ہی کے لیے ہیں اور شہادت میں عورت کے بھٹک جانے اور نسیان کے امکان کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔ (۹۷)

کیا مرد اور عورت برابر ہیں یا نا برابر؟ کیا مرد اور عورت کی گواہی یکساں ہے یا عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے؟

مرد اور عورت انسانی معاشرتی حیثیت سے بالکل برابر ہیں کسی کو کسی پر اللہ کی نظر میں صنف کے اعتبار سے برتری نہیں۔ صنفی انتخاب انسانی اختیار کا میدان نہیں، اللہ کے ہاں برتری یا کمتری انسان کی اپنی کمائی وکوشش پر ہے اس پر نہیں کہ اللہ نے اس کے مقدر میں مرد ہونا لکھا ہے یا عورت ہونا۔

مرد اور عورت انسانی معاشرتی مذہبی اخلاقی روحانی عملی لحاظ سے اور آخرت میں اجر وثواب کے لحاظ سے برابر ہیں، لیکن عورت اور مرد جسمانی ذہنی اور معاش کمانے کی اہلیت کے اعتبار سے نابرابر ہیں، ذہن بھی جسم کا ہی حصہ ہے اور معاشی اہلیت بھی جسمانی وذہنی تقاضوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

اگر مرد جسمانی اعتبار سے عورت سے برتر ہے تو عورت انسان سازی میں مرد سے برتر ہے۔ اگر عورت مرد کے برابر معاشی میدان میں حصہ ڈالنے کی اہل نہیں تو انسان سازی کے میدان میں مرد عورت کے برابر حصہ ڈالنے کا اہل

---

(۹۶) الزمخشری: ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد الخوارزمی الزمخشری 467ھ میں پیدا ہوئے۔ 538ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ لغت اور تفسیر کے امام تھے۔ آپ کی مشہور کتابوں میں تفسیر کشاف اور اساس البلاغہ ہیں۔ (الأعلام از زرکلی: ج ۸/ص ۵۵)

(۹۷) مفردات القرآن از اصفہانی، راغب، ج ۲/ص ۶۱۷

الجامع لاحکام القرآن از القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، ج ۳/ص ۳۹۷، الکشاف از زمخشری، ج ۱/ص ۴۰۳

نہیں۔(اگرچہ مرد کی جسمانی ذہنی اور معاشی برتری کی بدولت گھر کا سربراہ مرد ہے عورت نہیں) جب میدان مرد کا ہو تو اس میدان میں عورت نااہل ہونے کی بدولت کمتر نہیں ہوتی۔یعنی معاشی لین دین میں عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہونا عورت کے کمتر ہونے کی علامت نہیں۔(لیکن معاشی میدان میں عورت کا مرد سے برابری پر اصرار کرنا روا نہیں اور شرعی نصوص کے انکار پر مبنی ہے۔

اگر اس اصول سے عورت کو کمتر کیا جائے تو پھر کیا مرد اگر نو مہینے ایک انسان کو پیٹ میں اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتا وہ انسان کو جنم نہیں دے سکتا تو پھر باوجود جسمانی برتری کے اسے صنف کمتر سمجھا جانا چاہیے۔عورت کے صنفی امتیازی معاملات میں عورت کی گواہی کا وہی مقام ہے جو مرد کی گواہی کا ہے، کیونکہ یہ میدان عورت کا میدان ہے۔اکثر اس میدان کے فروعی مسائل واحکامات سے مرد ناواقف ہوتے ہیں اور ستر وحجاب کے احکامات کی بنا پر وہ کئی معاملات سے لاعلم ہوتے ہیں۔

اس لیے یہ بحث اس نتیجہ پر منتج ہوتی ہے کہ عورت اور مرد معاش اور عدالت کے میدان میں یکساں نہیں لیکن ان میں انسانی مساوات ضرور موجود ہے ۔کسی ایک میدان میں عورت یا مرد کے نا اہل ہونے کی بدولت وہ انسانی مساوات سے محروم نہیں ہوتے اور ہمیں شرعی نصوص سے ہدایت لینی ہے نہ کہ ان میں تحریف کرنی ہے۔شرعی نصوص عورت کے حقوق کی محافظ ہیں نہ کہ مخالف۔

مبحث یازدہم: تعدد ازواج

مغربی اقدار کے مطابق خاندان کی کوئی حیثیت نہیں فرد کی آزادی ان کا مذہب ہے۔مغربی اقدار کے مطابق عصمت کا تحفظ زائد از ضرورت چیز ہے۔اور انسانی نفس پرستی، شہوت رانی اور لذت پرستی میں حائل ہے۔اس لیے عریانی اور فحاشی کا عموم ان کے لیے پسندیدہ ہے۔اُن کے ہاں انسان نفسانیت اور ہوس کے پتلے بنتے جارہے ہیں شہوانیت کا بھوت ان کے سروں پر چڑھ کر ناچ رہا ہے۔دوسری طرف شادی کے مقدس بندھن سے تنفر بڑھتا جارہا ہے۔اسے آزادی کے راستے کی رکاوٹ سمجھا جا رہا ہے۔اسلام میں نکاح ہی خاندانی زندگی کی بنیاد ہے مغربی معاشرے نے نکاح سے نفرت اور جنسی بے راہ روی سے محبت کی بنا پر ہی خاندانی ادارے کو تباہ کر دیا ہے۔

مغرب میں خاندان شادی حملہ کی زد میں ہیں۔مغرب کے حیا باختہ نوجوانان دونوں اداروں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔(۹۸)

جہاں پہلی شادی ہی معاشرے کی لذت پرستی پر حد ڈالتی ہوں وہاں تعدد ازواج کا نقطہ نظر بے کار چیز ہے۔ معاشرے میں ایک طرف ہیجان خیز اور مقوی باہ محرکات دوسری طرف شہوت سے مغلوب مرد کے لیے صرف ایک بیوی تک محدود رہنا بذات خود متضاد تصورات ہیں۔(۹۹)

حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین اسلامی معاشرے میں پردے کے بھی قائل نہیں، کم عمری کی شادی کے بھی قائل نہیں۔(۱۰۰)

شادی میں ولی کے کردار کے بھی قائل نہیں۔شادی سے قبل محبت اور عشق عاشقی کو بھی فطرت قرار دیتے ہیں۔(۱۰۱)

---

(۹۸)The Abolitionists, The Family and Marriage under attack by Ronald Fletcher, p.84

(۹۹)مرد اور عورت، سماجی تعلق کے آداب از محمد فاروق خان، ڈاکٹر ،ص ۶۸

(۱۰۰)صغر سنی کی شادی اور اسلام از عثمانی، عمر احمد، فکر و نظر (ماہنامہ) مارچ ۱۹۶۴ء، ج ۲ ش ۹، ص ۴۸

(۱۰۱)i۔دیکھیے: جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب، از محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص ۹۶-۹۷

www.ghamidi.org ii

فنون لطیفہ وموسیقی وغیرہ کے فروغ کے حامی [۱۰۲] تعدد ازواج کو کس طرح جائز قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بزعم خویش اپنے آپ کو حقوق نسواں کے دعویدار بھی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعدد ازواج سے حقوق نسواں پر زد پڑتی ہے۔ کبھی اس سے مردوں کی بالادستی ثابت ہوتی ہے۔ کبھی مرد کو چار اور عورت کو ایک تک محدود کرنا ان کو غیر مساویانہ لگتا ہے کبھی تعدد ازواج ترقی کی راہ میں حائل ہونے لگتا ہے۔ یہ اسلام کے مسلمہ اصولوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ یہ تعدد ازواج کا اس لیے رد کرتے ہیں کہ یہ عقل کے موافق نہیں۔ احادیث کا تو یہ طبقہ سرے سے ہی انکاری ہے۔ اسلامی تاریخ کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ باقی رہی قرآن کی آیات اُس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ تعدد ازواج کی اجازت مندرجہ ذیل آیت سے مستنبط ہے۔

قرآن مجید میں سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِيْ الْيَتَامَى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنَى أَنْ لَّا تَعُوْلُوْا﴾ [۱۰۳]

”اور اگر تم ڈرو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو تم عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں اچھی لگیں۔ دو دو، تین تین، چار چار۔ سو اگر تم ڈرو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے تو صرف ایک ہی کافی ہے۔ یا وہ جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم ناانصافی نہ کرو۔“

درج بالا آیت کی تشریح میں فکر نو کا موقف ہے کہ:

”قرآن میں وحدت زوج کا اُصول بیان ہوا ہے۔ ایک کی موجودگی میں دوسری نہیں لائی جاسکتی۔ باقی رہی سورۃ النساء کی یہ آیت جس میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا ذکر ہے تو یہ جنگ وغیرہ کے نتیجے میں بیواؤں اور یتیموں کی کثرت ہو جائے تو ایسے معاشرتی حالات کی مجبوری کے ساتھ مشروط ہے۔“ [۱۰۴]

اسی قسم کے موقف کی تائید دیگر متجددین [۱۰۵] بھی کرتے ہیں، تعدد ازواج کی اجازت کو یہ حالات کی شدت کے

(۱۰۲) اشراق (ماہنامہ) جاوید احمد غامدی کے افادات پر مبنی، منظور الحسن، ج ۱۶/ش ۳/، مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۸/

(۱۰۳) سورۃ النساء: ۴/۳

(۱۰۴) قرآنی قوانین از غلام احمد پرویز، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، عنوان تعدد ازواج، ص ۵۷/ – ۵۸

(۱۰۵) دیکھئے: جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب از محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص ۸۴/

ساتھ مشروط کرتے ہیں۔عمومی حالات میں اس کی اجازت کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے کہ:

''اگر کبھی کسی وجہ سے معاشرے میں ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً جنگ کی وجہ سے بیوہ عورتوں اور جوان بچیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے اور اِن کے مسئلے کا کوئی اطمینان بخش حل نہ نکلتا ہو تو اسلامی حکومت وحدت زوج کے اُصولی قانون میں استثنا کر کے اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیاں کر لی جائیں۔''(۱۰۶)

ان کے نزدیک تعدد ازواج کے متعلق قرآن کی صرف یہی آیت ہے۔اور ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامَى﴾(۱۰۷) کی شرط کے ساتھ مشروط ہے (۱۰۸) فکر جدید نے اس آیت کو غیر معمولی حالات کے ساتھ مربوط کیا اور عموم میں اس اجازت کا انکار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ:

''آیت میں دو دو اور تین تین اور چار چار کے الفاظ آئے ہیں۔اس میں ایک سے نکاح کا ذکر نہیں۔اس انداز بیان سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مرد کے لئے ایک عورت سے شادی کرنا معمول کی حالت ہے اور اس سے زیادہ تعداد میں شادی کرنا معمول کے خلاف ہے۔یہ معمول کے خلاف حالت صرف اس وقت قابل عمل ہوتی ہے جبکہ جنگ وغیرہ کی وجہ سے سماج میں عورت اور مرد کی تعداد کے درمیان غیر فطری طور پر نابرابری قائم ہوگئی ہو۔''(۱۰۹)

یعنی مساوات مرد وزن کے قائلین ادارہ زواج میں عورت اور مرد کو برابر کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے سوائے اس کے کہ وہ تعدد ازواج کی اجازت کو محدود کر دیں، لہٰذا انہوں نے تعدد ازواج کی اجازت اضطراری حالات کے ساتھ مشروط کی ہے۔

ذخیرہ تفاسیر کے مطابق مذکورہ خیال آرائی درست نہیں نہ ہی یہ بات درست ہے کہ قرآن میں تعدد ازواج کی صرف یہی آیت ہے اور کثیر مفسرین اس آیت کو صرف اضطراری حالات کے ساتھ مشروط کرنے کے اور اس کے لیے قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے استدلال کرتے ہیں۔سورۃ النساء میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

(۱۰۶) قرآنی قوانین از پرویز، ص/ ۵۸

(۱۰۷) سورۃ النساء: ۴/ ۳

(۱۰۸) قرآنی قوانین از پرویز، ص/ ۵۷

(۱۰۹) عورت معمار انسانیت از وحید الدین خان، ص/ ۲۷

كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾(۱۱۰)

''تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں سے ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو۔ اس لیے بالکل ایک ہی کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

اس آیت کی تشریح میں ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''یہ آیت تعدد ازواج کے جواز کو عدل کی شرط سے مشروط کرتی ہے، جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا مگر ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے جواز سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ دغا بازی کرتا ہے۔''(۱۱۱)

مذکورہ بالا صراحت سے واضح ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا مسئلہ ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز قرآن نے اس اجازت کو عدل کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ عورتوں میں عدل کے باب میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال :«من كانت له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل»(۱۱۲)

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط (فالج زدہ) ہوگا۔''

اس حدیث کو ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں تعدد ازواج کے ثبوت میں نقل کیا ہے۔(۱۱۳) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہے نا کہ اضطراری حالات کے ساتھ۔

دوسری بات جس میں یہ کہا گیا ہے تعدد ازواج کا حکم اضطراری حالات کے لیے ہے اور ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى﴾ سے مشروط ہے۔ مولانا مودودیؒ اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

''ان تمام مقامات پر شرطیہ الفاظ کو اگر شرط حکم قرار دے لیا جائے تو اس سے شریعت کی صورت مسخ ہو کر رہ جائے گی۔ مثال کے طور پر دیکھیے۔ عرب کے لوگ اپنی لونڈیوں کو پیشہ کمانے پر زبردستی مجبور کرتے تھے۔ اس کی ممانعت

---

(۱۱۰) سورۃ النساء: ۱۲۹/۴

(۱۱۱) تفہیم القرآن، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۴ء، طبع پنجدھم، اگست ۱۹۹۶ء، ج ۱/ص ۳۲۱

(۱۱۲) سنن ابی داؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، مکتبہ دارالسلام للنشر والتوزیع، لاہور، رقم الحدیث ۲۱۳۳

(۱۱۳) تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر (اردو)، زیر آیت: ۱۲۹/۴، ج ۱/ص ۱۱۲

ان الفاظ میں فرمائی گئی ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ..﴾(۱۱۴) کیا اس آیت کا یہ مطلب لینا صحیح ہوگا کہ یہ حکم صرف لونڈیوں سے متعلق ہے اور یہ کہ لونڈی اگر خود زنا سے نہ بچنا چاہتی ہو تو اس سے پیشہ کرایا جاسکتا ہے۔(۱۱۵)

گویا مولانا کی صراحت یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر۳ میں شرطیہ الفاظ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامٰى﴾ شرطِ حکم کا فائدہ نہیں دیتے ہیں اور یہی مفہوم دیگر مفسرین نے بھی لیا ہے۔(۱۱۶)

امین احسن اصلاحیؒ زیادہ وضاحت وصراحت سے لکھتے ہیں:

''یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ ہوگا کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ یتامی کی مصلحت کے نقطۂ نظر سے تعدد ازواج کے اس رواج سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے جو عرب میں تھا۔ البتہ اس کو چار تک محدود کر دیا گیا ہے، اگر مقصود تعددِ ازواج کو یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید کرنا ہے تو اس کے لیے اسلوب بیان اس سے بالکل مختلف ہوتا''(۱۱۷)

گویا امین احسن اصلاحیؒ مذکورہ آیت سے یہ مفہوم اخذ کر رہے ہیں کہ تعددِ ازواج کے اُصول کو معاشرتی مصلحت کے لیے استعمال کیا جائے نہ کہ نظریۂ ضرورت کے تحت اجازت کا غلط مفہوم لیا جائے۔ امین احسن اصلاحی تعدد ازواج کی اجازت کو اضطراری حالات کے ساتھ مشروط کرنے کی بجائے اسے معاشرتی مصلحت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور یہی درست موقف ہے۔ مولانا مودودیؒ بھی معاشرتی مصلحت کی خاطر تعدد ازواج کی اجازت کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''ایک طرف تو آپ مغرب کی اندھی تقلید میں فحش لٹریچر، عریاں تصاویر، شہوانی موسیقی اور ہیجان انگیز فلموں کا سیلاب ملک میں لا رہے ہیں، جو لوگوں کے صنفی جذبات کو ہر وقت بھڑکاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف آپ مخلوط تعلیم کو رواج دے رہے ہیں،

(۱۱۴) سورۃ النور: ۲۴/۳۳

(۱۱۵) مسئلہ تعدد ازواج از ابوالاعلیٰ مودودی، ص/۹-۱۰

(۱۱۶) i۔ تیسیر القرآن از کیلانی، عبدالرحمٰن، ج/۱، ص/۳۵۱

ii۔ تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن از ابی الطیب، صدیق بن حسن بن علی بن الحسین القنوجی، البخاری ج/۳، ص/۱۷

iii تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر عماد الدین ابوالفداء اسماعیل القرشی الدمشقی، ج/۱، ص/۵۷۸-۵۷۹

(۱۱۷) تدبر قرآن از اصلاحی، امین احسن، ج/۲، ص/۲۵۳

’ثقافت‘ کے پروگرام چلا رہے ہیں، روز بروز عورتوں کو ملازمتوں میں کھینچ رہے ہیں۔جس کی بدولت بنی سنوری عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط کے مواقع بڑھتے جارہے ہیں۔اس کے بعد آپ کے تازہ اقدامات یہ ہیں کہ تعدد ازواج پر آپ نے ایسی پابندیاں لگانا شروع کردی ہیں جن سے عصمت کا تحفظ عملاً ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔‘‘ (۱۱۸)

ہمارے معاشرے میں خواہشاتِ نفس کو بڑھکایا جاتا ہے او جب نفس کو تیار کیا جاتا ہے پھر ایک ہی شادی کا پابند کیا جاتا ہے، حالانکہ فی زمانہ نفسانی خواہشات میں اضافے کے محرکات کی وجہ سے مرد کو ایک سے زائد شادیوں کی ضرورت ہے۔مرد اس معاملے میں مجبور ہو جاتا ہے، مگر اہل مغرب نے قانون یک زوجی Monogamy لاگو کر رکھا ہے، چنانچہ ایسے ممالک کے مرد دوسری بیوی تو نہیں کرتے مگر اپنی ضرورت کے موافق اضافی جنسی تعلقات ضرور قائم کر لیتے ہیں۔مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

’’اس قانونی پابندی کا نتیجہ ہر جگہ یہی ہوا ہے کہ آدمی کی جائز بیوی تو صرف ایک ہی ہوتی ہے مگر حدودِ نکاح سے باہر وہ عورتوں کی غیر محدود تعداد سے عارضی مستقل ہر طرح کے ناجائز تعلقات پیدا کرتا ہے۔‘‘ (۱۱۹)

آپ مزید فرماتے ہیں:

’’آپ قانونی تعددِ ازواج کو قبول کرتے ہیں یا غیر قانونی تعدادِ ازواج کو۔۔۔۔‘‘ (۱۲۰)

اہل مغرب کے عمل سے اس سوال کا جواب تو یہی ہے کہ وہ غیر قانونی تعدد ازواج کو من حیث القوم اختیار کر چکے ہیں۔اس کے متعلق ابوالاعلیٰ مودودی سخت اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’مغربی قومیں جو ایک سے زائد بیوی رکھنے کو ایک قبیح و شنیع فعل اور خارج از نکاح تعلقات کو (بشرطِ تراضی طرفین) حلال و طیب یا کم از کم قابل درگزر سمجھتی ہیں، جن کے ہاں بیوی کی موجودگی میں داشتہ رکھنا تو جرم نہیں مگر داشتہ سے نکاح کر لینا جرم ہے۔‘‘(۱۲۱)

مغربی معاشرے میں اب یہ عام ہے ۔ جہاں انہوں نے مادّی سائنسی ترقی کی ہے وہاں اخلاقی طور پر ان کا دیوالیہ تقریباً نکل چکا ہے اور یہ پہلو ایسا ہے جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔اگر اہل مغرب نے بھی تعدد ازواج کے قانون کو اپنایا ہوتا اور عورت کو چار دیواری میں رکھا ہوتا تو کم از کم اتنی خطرناک صورتحال نہ ہوتی۔

---

(۱۱۸)مسئلہ تعدد ازواج از مودودی،ص/۳۲ (۱۱۹)ایضاً

(۱۲۰)ایضاً (۱۲۱) ایضاً،ص/۵۵

لیکن وہ تو اس کے برعکس اہل اسلام کو بھی اسی نوعیت کے فلسفے کی دعوت دے رہے ہیں اور اپنی ترقی کے نام پر انہیں بھی اباحیت وعریانیت اپنانے کی پرزور دعوت دے رہے ہیں اور اب تو امداد بھی ایسی آزادی کے ساتھ مشروط کر رہے ہیں تا کہ ان میں بھی گند پھیلے اور مسلمان کمزور ہو جائیں اور ان کے مقابلے کی سکت ان میں نہ رہے، کیونکہ اسلحہ کتنا ہی کیوں نہ ہو، اگر بندہ نفسانی خواہشات کا غلام ہو تو کبھی بھی غالب نہیں آ سکتا۔ ایسی صورتحال کے تدارک کے لیے اس کا بہترین حل تعدد ازواج کا جواز ہے۔ دیکھئے یہی حقیقت ابو الاعلی مودودیؒ تفہیم القرآن میں بیان کرتے ہیں:

''بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو پھر وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں ہو سکتے، حصار نکاح سے باہر صنفی بدامنی پھیلانے لگ جاتے ہیں جس کے نقصانات تمدن و اخلاق کے لیے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعددِ ازواج سے متوقع ہو سکتے ہیں۔'' (۱۲۲)

تعددِ ازواج کی اجازت کے اسلامی اُصول سے دنیا کے غیر مسلم بہت خوفزدہ ہیں کیونکہ وہ اب وحدتِ زوج اور قلتِ اولاد کا اُصول اپنا چکے ہیں۔ جب کہ تعدد ازواج سے مسلمان کثرت سے اور تیزی سے اپنی نسل کو بڑھا سکیں گے۔ ان کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی آبادی بڑھنے کی یہی صورتحال رہی یا اس سے بھی تیز ہو گئی تو کہیں ہم اقلیت اور مسلمان دنیا کی اکثریت نہ بن جائیں۔ بغیر کسی جنگ و انقلاب کے مسلمان دنیا پر چھا جائیں گے۔ بلکہ بقول محمد حنیف ندوی (۱۲۳) ''اگر صرف ہندوستان کے مسلمان تعددِ ازواج کے اُصول کو اپنا لیں تو بغیر کسی خاص محنت کے صرف پچاس برس میں وہ ہندوستان کی اکثریت میں تبدیل ہو جائیں گے۔'' (۱۲۴)

اور یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ جو مسلمان زنا سے بچیں اور کردار و ایمان کی حفاظت کریں، دنیا کے غیر مسلموں کو خطرہ بھی ان ہی سے ہے۔ اس لیے کہ ایمانی قوت اور کردار کے استحکام سے مسلم اور غیر مسلم میں تہذیبی فرق پیدا ہوتا ہے

(۱۲۲) تفہیم القرآن از مودودی، ج ۱/ص ۳۲۱

(۱۲۳) مولانا محمد حنیف ندوی: 1908ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور 79 سال کی عمر میں 1987ء میں لاہور میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تالیفات میں ''سراج البیان فی تفسیر القرآن'' ''مسئلہ اجتہاد'' 'عقلیات ابن تیمیہ، اساسیات اسلام اور لسان القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ Moulana Muhammad Haneef Nadvi http://www.deenekhalis.tk/play.php?catsmktba=425

By Abd-ul-Rashid Iraqi

(۱۲۴) سراج البیان فی تفسیر القرآن از ندوی، محمد حنیف، ج ۱/ص ۱۸۲

وہ کفار کے مقابلہ میں ایک بہتر معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔لہٰذا دنیا کے غیر مسلم چاہتے ہیں کہ ان خطرات کا سد باب ہو۔اہل اسلام میں بھی فحاشی پھیلے، ان کو بچے کم پیدا کرنے کی ترغیب دو۔اسی شرط کے ساتھ امداد دو۔اسی ضمن میں وہ تعددِ ازواج کے قانون کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔کھلم کھلا اس کے خلاف بولتے ہیں۔منکرین حدیث اور حقوق انسانی کے علمبردار اس معاملے میں پیش پیش ہیں۔انہوں نے یہ جسارت کرتے ہوئے اسے اسلام سے خارج کرنے کی مذموم کوشش کی ـ ـ ـ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ چار بیویوں کی اجازت اٹل ہے۔ جب سے انسان دنیا پر آئے ہیں، آج تک نسل انسانی اس پر عمل پیرا ہے۔

اسلام نے جنسی لذت کو ذمہ داری کے ساتھ باندھا ہے جو شخص عورت سے جنسی فائدہ لینے کا ارادہ کرے وہ عورت کی معاشی ذمہ داری اٹھائے۔اس لیے اسلام چھپی یاریوں اور دوستیوں کو راہ نہیں دیتا۔اسلوب عشق و عاشقی میں مرد عورت سے فائدہ تو لیتا ہے عورت کو چھت اور نان نفقہ نہیں دیتا۔اسلوب عشق عاشقی درحقیقت عورت کے استحصال پر مبنی ہے ۔اسلام ہی درحقیقت حقوق نسواں کا ضامن ہے اس لیے جو مرد ایک سے زیادہ عورت کی ذمہ داری اٹھانے کا فریضہ سرانجام دینے کا قصد کرے۔وہ ان سے فائدہ بھی لے سکتا ہے ،لیکن مذہبی اور معاشرتی ضابطوں کے تابع ہوکر ۔ یہ درست ہے کہ مردوں کو تعدد ازواج کی اجازت شریعت اسلامیہ نے دی ہے،لیکن اسے شریعت کے مقاصد سے ہمنوا ہونا چاہیے۔ایک اجازت کئی ذمہ داریوں کو لازم کرتی ہے۔جو اجازت سے فائدہ اٹھائے اور ذمہ داری کو نہ اپنائے وہ جہاں اللہ کی عدالت میں مجرم ہے وہاں دنیا کا قانون بھی اس کے خلاف چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔ایسے میں دنیاوی قانون کو شریعت کے مخالف نہیں جانا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو معاشرتی تمدنی ترقی میں عورت کی نسبت زیادہ ذمہ دارانہ جگہ دی ہے اور ذمہ دارانہ کردار کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔تعدد ازواج بھی اسی قسم کا ایک تقاضا ہے۔لیکن جب مسلمان معاشروں میں مردوں کی اکثریت میں ذمہ دارانہ رویوں سے اجتناب اور شریعت کے نام پر عورت کے استحصال کے رویے عام ہوتے ہیں تو پھر ماخذ شریعت کی تعبیر نو کے تقاضے ابھر آتے ہیں۔ایسے میں شریعت میں تبدیلی کے تقاضے نامناسب ہیں ہاں ایسے مجرموں کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہونی چاہیے اور عورتوں کو تحفظ کی راہیں ملنی چاہیے اور اس ضمن میں قانون سازی وقت کی ضرورت ہے۔

مبحث دوازدہم: حجاب نسواں

پردہ مسلمان عورت کی شناخت ہے۔ پردہ مسلمان عورت کا دین ہے۔ حیا مسلمان عورت کا زیور ہے۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے قائلین جہاں معاشرے میں اختلاط مردوزن کو فطرت قرار دیتے ہیں۔ وہاں عورت کی بے پردگی اور بے حجابی کو بھی فطرت قرار دیتے ہیں۔ اِن کے فرامین سے کوئی ان کے مقاصد کیا قرار دے۔ پردہ جس میں عورت کا اپنی زینت آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کے ساتھ چہرے کو محجوب ومستور رکھنا بھی شامل ہے اسلامی معاشرے میں حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہمارے حقوق نسواں کے علمبردار پردے پر بڑے برہم ہیں۔ ان کے نزدیک پردہ عورت کے انسانی حقوق کی حق تلفی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''عورتوں کو پردہ کا پابند بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اسکولوں میں بچوں اور بچیوں کو ٹاٹ کی بوریوں میں کمر نیچے پیروں تک باندھ دیا جائے اور پھر ان سے کہا جائے کہ یہ اتنا بڑا میدان پڑا ہے تم اس میں دوڑ سکتی ہو اور انہیں واقعی دوڑایا جائے۔ وہ بھاگنے کی سعی وکوشش کریں اور ہر دو قدم پر گر پڑیں۔ اسکولوں میں ہم نے یہ کھیل بہت دیکھا اس طرح باندھ کر دوڑنا اِن کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ یہی حال مسلم معاشرے میں عورتوں کا ہے ایک طرف ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر میدان میں عملی جدوجہد میں حصہ لے سکتی ہیں، لیکن دوسری طرف اِن کو پابندیوں میں جکڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ یہ ان کے ساتھ مذاق نہیں تو کیا ہے۔'' (۱۲۵)

حجاب کا اسلامی تصور وحی الٰہی کی بنیادوں سے پیوستہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریحات وتوضیحات نیز ازواج مطہرات کا میدان عمل جو اس پاکیزہ اور مطہر تصور کو مضبوط کرتا ہے۔ اس کے لیے بلا دلیل اور بغیر کسی قطعی ٹھوس براہین کے یہ انداز گفتگو اپنانا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ یہ گھر کی چار دیواری کو عورت کے لیے قید سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''عورتوں کو گھر کی چاردیواری میں محبوس کر دینا جرمِ فحش کی سزا ہے۔ لہٰذا ہمارا مروجہ پردہ جس میں عورتوں کو گھروں کے اندر قید رکھا جاتا ہے، نہ صرف منشائے قرآنی کے خلاف ہے بلکہ جرم ہے کیونکہ کسی بیگناہ کا حبسِ بیجا عرفاً وشرعاً جرم ہے۔''(۱۲۶)

(۱۲۵) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۳۲۷

(۱۲۶) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص ۱۹۸

اگر گھر کی چار دیواری میں عورت کا رہنا، عورت کو محبوس کرنا ہے تو پھر تو مردوں کا نماز کے لیے مسجد کا لزوم بھی حبس قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے ایک مقام پر ﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾(۱۲۷) ''تم نماز کے بعد انہیں روک رکھو'' کے الفاظ میں گواہوں کو ''محبوس کر ڈالنے'' ہی کا حکم دیا ہے جب کہ خواتین کو اپنے دائرہ کار میں رہنے کا حکم ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (۱۲۸) ''تم اپنے گھروں میں وقار سے ٹکی رہو۔'' کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کسی کارگاہ میں کسی کو اس کے فرائض کی بجا آوری کے لیے متعین کر دینا اور اسے کسی جرم کی بناء پر وہیں محبوس کر دینا، دونوں جدا جدا باتیں ہیں، جن میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے، لیکن تعبیر نو کے حاملین ایک مقام کی آیات کو اس کے سیاق وسباق سے اکھاڑ کر دوسرے محل کی آیات سے بے تکلف نتھی کر دیتے ہیں اور اُس میں اپنے مطلب کی تحریف بھی کر دیتے ہیں اب زیرِ نظر آیت کو دیکھ لیجئے سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ پردے کے احکام کے ضمن میں فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(۱۲۹)

''اے نبی، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظر بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں وہ اپنا بناؤ سنگار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں

---

(۱۲۷) سورۃ المائدہ: ۱۰۶/۵ (۱۲۸) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۳ (۱۲۹) سورۃ النور: ۳۰/۲۹

کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے لونڈی غلام، وہ زیرِ دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔"

ان آیات کا تعلق گھریلو معاشرت سے ہے۔ کہ ایک مسلمان عورت اپنے گھر میں اور ان محرم مردوں کے سامنے اپنی زینت کر سکتی ہے۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو چاہیے کہ دونوں صنف مخالف کے سامنے آنے پر اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔

مندرجہ بالا آیت میں مختلف احکام ومسائل پردہ بیان ہوئے ہیں ان کے متعلق تعبیر نو کے حاملین کے افکار ونظریات کا جائزہ کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

مبحث سیزدہم: غضِّ بصر

فکر جدید پردے کے احکامات کو آزادی نسواں کی ذہنیت سے ہم آہنگ کرنے کی کشمکش میں ہیں اور حجاب نسواں کے بارے میں کسی واضح رائے سے قاصر ہیں۔ درج ذیل موقف فکر جدید کی فکری پرواز کا اظہار ہے جو قرآنی آیات کے اس عنصر کو واضح کر رہے ہیں جس کی بدولت پردے کے احکامات کی محدودیت کو راہ دی جا سکے۔

غض بصر کے قرآنی حکم کے بارے میں ان کا موقف ہے۔ کہ غض بصر کا حکم کاملاً نہیں ہے یغضوا من أبصارھم کے الفاظ میں سے من تبعیضیہ ہے اور نگاہیں اٹھانے کا فائدہ دیتا ہے۔ (۱۳۰)

دیگر متجددین نے قرآنی الفاظ کے تتبع کے علاوہ عقلی استدلال سے بھی اسی موقف کی حمایت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم مردوں کو اسی لیے تو دیا گیا ہے کہ غیر محرم عورتوں پر ان کی نگاہ نہ پڑے، اگر عورتیں مستقلاً سارے بدن کو چھپا کر نکلیں کہ نہ اُن کا چہرہ کھلا ہوا ورنہ ہاتھ پاؤں، وہ ہر طرح ڈھکی چھپی ہوں تو مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دینے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے وہ اپنی نگاہیں اوپر بھی رکھیں تو انہیں کیا نظر آ سکتا ہے۔'' (۱۳۱)

مولانا مودودیؒ صاحب اس اشکال و اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی عام اجازت تھی، تبھی تو غضِ بصر کا حکم دیا گیا ورنہ اگر چہرے کا پردہ رائج کیا گیا ہوتا تو نظر بچانے یا نہ بچانے کا کیا سوال، یہ استدلال عقلی حیثیت سے بھی غلط ہے اور واقعے کے اعتبار سے بھی، عقلی حیثیت سے یہ اس لیے غلط ہے کہ چہرے کا پردہ عام طور پر رائج ہو جانے کے باوجود ایسے مواقع اچانک پیش آ سکتے ہیں جب کہ اچانک کسی مرد اور عورت کا آمنا سامنا ہو جائے اور ایک پردہ دار عورت کو بھی بسا اوقات ایسی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے کہ وہ منہ کھولے۔۔۔ پھر مسلمان عورتوں میں پردہ عام طور پر رائج ہو جانے کے باوجود بہر حال غیر مسلم عورتیں تو بے پردہ ہی رہیں گی لہٰذا محض غضِ بصر کا حکم، اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ عورتوں کے کھلے منہ پھرنے کو مستلزم ہے اور واقعے کے اعتبار سے اس لیے غلط ہے کہ سورۂ احزاب میں احکامِ حجاب نازل ہونے کے بعد جو پردہ مسلم معاشرے میں رائج کیا گیا تھا اس میں چہرے کا پردہ شامل تھا۔'' (۱۳۲)

---

(۱۳۰) مرد اور عورت سماجی تعلق کے آداب از محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/۲۱

(۱۳۱) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج/۳، ص/۳۱۸

(۱۳۲) تفہیم القرآن از مودودی، ج/۳، ص/۳۸۱

مولانا مودودی مرحوم کی اس عبارت سے اگرچہ اس استدلال کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو متجددین نے کیا ہے لیکن بہر حال اس عبارت میں مودودی صاحب نے یہ انداز اپنایا ہے گویا کہ آیت میں غضِ بصر کا حکم خارج از بیت معاشرت سے متعلق ہے۔ جب کہ آیت کا تعلق بیرون خانہ معاشرت سے نہیں ہے بلکہ دورنِ خانہ معاشرت سے ہے۔ غیر مسلم خواتین کے عدم حجاب کی صورت میں تو اس حکم کو گھر سے باہر کی زندگی سے مربوط کیا جا سکتا ہے لیکن مسلم خواتین کے معاملے میں اسے کسی طرح بھی بیرونِ خانہ معاشرت سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کا سیاق و سباق اسے قطعی طور پر خانگی معاشرت سے وابستہ کر دیتا ہے۔ سورۂ نور میں خانگی معاشرت سے متعلق احکام کا آغاز آیت ۲۷ سے ہوتا ہے۔ ان آیات کو غضِ بصر والی آیت تک ملا کر پڑھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غضِ بصر کا حکم باقی آیات کے احکام کی طرح خانگی معاشرت ہی سے متعلق ہے۔

اگر ان آیات سے پہلے والی آیات جو ان کا سیاق و سباق ہے اُن کا بھی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیات گھریلو معاشرے سے متعلق ہی ہیں۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾(۱۳۳)

''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو، اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے اور اگر تم سے واپس ہو جانے کو کہا جائے تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہ ہوں اور جن میں تمہارے فائدے یا کام کی کوئی چیز ہو تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپائے ہو سب کی اللہ کو خبر ہے۔''

غضِ بصر سے متعلقہ ان دونوں آیات کو غور سے پڑھنے کے بعد کیا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا ملتا ہے جو ان احکام کو بیرونِ خانہ معاشرت سے متعلق قرار دیتا ہو؟ کیا بیویوں کے شوہران کے بیٹے، ان کے باپ، ان کے مملوک

(۱۳۳) سورۃ النور: ۲۴/ ۲۷-۲۸

اور دیگر اقربا (جن کا نام آیت میں لیا گیا ہے) خواتین کو گھر میں ملنے کی بجائے کلبوں، دفتروں، رقص گاہوں اور سرود گاہوں میں ملا کرتے ہیں کہ احکام آیات کو خارج از بیت معاشرت سے وابستہ قرار دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے اس مقام کو اس غرض اور اس نیت کے لیے پڑھے گا کہ وہ قرآن سے ہدایت لینا چاہتا ہے نہ کہ الٹا اسے ہدایت دینا چاہتا ہے وہ غَضِ بصر کے ان احکام کو بیرونِ خانہ معاشرت سے متعلق قرار نہیں دے سکتا۔

مبحث چہاردہم: إلا ما ظهر منها سے مراد

سورۂ نور کی زیرِ بحث آیات میں ایک استثنائی جملہ محتاجِ وضاحت ہے قرآن یہ کہتا ہے کہ ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها (خواتین زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے) اس آیت میں إلا ما ظهر منها کے الفاظ سے جو استثناء مذکور ہے۔تعبیر نو کے حاملین نے اس سے چہرے اور ہاتھوں کا استثناء مراد لیا ہے ، جب کہ لفظ يُبدِي باب افعال کا مضارع ہے جس کا معنیٰ ''کھول دینا'' یا ''ظاہر کر دینا'' ہے۔جب کہ ظهر ثلاثی مجرد سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ''ظاہر ہوا'' ہے سیدھی سی بات ہے کہ قرآن ،عورتوں کو اپنی زینت ''ظاہر کر دینے'' سے روک رہا ہے اور اُس زینت کو مستثنیٰ کر رہا ہے جو خود''ظاہر ہوئی'' ہے''ظاہر کر دینے'' اور ظاہر ہو جانے'' میں بڑا کھلا کھلا فرق پایا جاتا ہے۔آیت خواتین کو جس چیز سے منع کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو (خواہ وہ مجرد جسمانی حسن و جمال ہو یا اس پر مستزاد بناؤ سنگار ہو) ظاہر کریں اور جس چیز کو قرآن مستثنیٰ کر رہا ہے وہ ، وہ زینت ہے جو خواتین کے ارادے کے بغیر خود ظاہر ہو جائے (مثلاً ہوا کے زور سے چادر کا پلو اٹھ گیا اور زینت ظاہر ہو گئی یا وہ بڑی اوڑھنی جو کپڑوں کے اوپر اوڑھی جاتی ہے کیونکہ اس کا چھپانا تو بہر حال ممکن نہیں ہے) کثیر مفسرین کے نزدیک اس استثناء سے چہرے اور ہاتھوں کا استثناء مراد لینا مناسب نہیں ہے،سلف میں سے بھی بعض لوگوں نے اگر چہ یہی استثناء سمجھا ہے لیکن ان کے نزدیک یہ ایک غلط فہمی ہے جو حدودِ ستر اور حدود حجاب میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے۔فکر جدید بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔وہ ''حدود ستر'' سے متعلقہ سلف کی عبارات نقل کرتے ہیں اور ان کو''حدود حجاب'' سے متعلقہ احکام کی دلیل بناتے ہیں۔ چنانچہ وہ اقتباس نقل کرتے ہیں کہ

> ابن رشدؒ قرطبی (۱۳۴) فرماتے ہیں کہ''عورت میں ستر کی حد، تو اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر (چھپانے کی چیز) ہے امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ اس کے قدم بھی یعنی پاؤں بھی ستر نہیں ہیں۔ ابوبکر عبدالرحمانؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے میں عورت سب کی سب ستر ہے۔ (۱۳۵)

---

(۱۳۴) ابن رشد قرطبی: (۵۲۰ھ ـ ۵۹۵ھ) عبدالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد اندلسی ، مالکی فقیہہ، فلسفی، سائنسدان، قاضی القضاۃ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔(اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود، ج ۱/ص ۸۵)

(۱۳۵) بدایۃ المجتہد، ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد، دار الجیل، طبع سوم، بیروت، ۱۹۸۹ء/۱۴۰۹ھ، ج ۱/ص ۱۱۵

علامہ ناصر الدین البانیؒ (۱۳۶) کی ایک کتاب سے فکر نو نے جو اقتباس نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں:

''ابن جریر (۱۳۷) نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اس استثناء سے مراد ، چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں ، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس بارے میں صحت سے قریب تر قول انہی حضرات کا ہے جنہوں نے اس سے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو مراد لیا ہے جس میں سرمہ انگوٹھی کنگن اور خضاب سب داخل ہیں اور ہم نے اسے صحیح تر قول پوری امت کے اس اجماع کی وجہ سے قرار دیا ہے کہ ہر صلوٰۃ پڑھنے والے پر اپنے ستر کو چھپانا ضروری ہے ستر کو چھپائے بغیر صلوٰۃ نہیں ہوتی۔'' (۱۳۸)

'حدود ستر' سے متعلقہ ایسے اقتباسات کو نقل کر کے متجددین ''حدود حجاب'' کی بحث کے آخر میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں ثبت فرماتے ہیں کہ

''ہم بھی ان فقہائے کرام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جو چہرہ ، ہاتھوں اور پیروں کے ستر ہونے کے قائل نہیں۔'' (۱۳۹)

متجددین کا اپنا یہ اقتباس اور ابن رشد اور ناصر الدین البانی کے اقتباسات صرف ''حدود ستر'' سے بحث کرتے ہیں جن کو ''احکامِ حجاب'' سے کوئی واسطہ نہیں ہے ، لیکن محض غلط فہمی کی بناء پر ''حدود ستر'' اور ''حدود حجاب'' کو خلط مبحث کا شکار بنایا جا رہا ہے اور حجاب و نقاب کو جسے اسلامی شریعت نے عورتوں کے لباس کا ایک جزو بنا دیا ہے محض اس دلیل کی بناء پر رد کیا جا رہا ہے کہ منہ اور ہاتھ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں حالانکہ ''ستر'' اور ''حجاب'' میں بہت کا فرق ہے ''ستر'' تو وہ چیز ہے جسے عورت محرم رشتہ داروں مثلاً باپ ، دادا ، ماموں ، بیٹا اور بھائی وغیرہ کے سامنے بھی نہیں کھول سکتی لیکن حجاب و نقاب کو ان محرم اعزاء و اقارب کے سامنے کھولا جا سکتا ہے۔ پس حجاب ، ستر سے ایک زائد چیز ہے ، جہاں ستر کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں سے حجاب کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ حجاب و نقاب کو خواتین اور تمام غیر محرم مردوں کے درمیان حد فاصل قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱۳۶) علامہ ناصر البانی: محمد ناصر الدین البانی (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۹۹ء) عظیم محدث اور معروف عالم دین ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ دنیائے اسلام دینی تشریح و تعبیر میں آپ پر اعتماد کرتی ہے۔

(۱۳۷) ابن جریر الطبری: (۲۲۴ھ۔ ۳۱۰ھ) ابو جعفر محمد ابن جریر طبری فارسی النسل ، تاریخ دان ، مفسر قرآن اور محدث ہیں۔ 'تاریخ الطبری' آپ کی مشہور کتاب ہے۔ تفسیر ، حدیث اور فقہ کے مختلف علوم میں آپ کی متعدد کتب کے مصنف تھے۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا از قاسم محمود: ج ۲، ص ۱۰۹۴)

(۱۳۸) فقہ القرآن از عثمانی ، عمر احمد ، ج ۳، ص ۳۱۷

(۱۳۹) ایضا: ج ۳، ص ۳۲۸

تعبیرِ نو کے حاملین نے الا ما ظهر منها سے مراد نہ صرف ہاتھ اور چہرے لئے ہیں بلکہ وہ ہاتھوں اور چہرے پر کئے جانے والے بناؤ سنگھار اور زیورات کو چھپانا بھی ضروری نہیں سمجھتے اور اپنے موقف کے لئے زمخشری سے دلیل پکڑتے ہیں کہ زمخشری نے لکھا ہے:"الا ماجرت العادة والجبلة على ظهوره والاصل فيه الظهور" یعنی وہ اعضاء جنہیں انسان عادتاً اور جبلی طور پر چھپایا نہیں کرتے وہ اصلاً کھلے ہی ہوتے ہیں۔ (۱۴۰)

ایک جدید مفکر اس سے دلیل لے کر لکھتے ہیں کہ:

''ان اعضاء کے سوا باقی جگہ کی زیبائش عورتوں کو چھپا کر رکھنی چاہیے ہاتھ پاؤں اور چہرے کا سنگھار عورت ظاہر کر سکتی ہے۔'' (۱۴۱)

ان کے نزدیک چہرے کی زیبائش کشش جنس کی موجب نہیں وہ کہتے ہیں کہ:

''عورت کا چہرہ ذوق جمال کا آئینہ دار ضرور ہے مگر کشش جنس کا نہیں، اس سے مرد کی جمالیاتی حس Esthatic Sense کو یقیناً خوشی مل سکتی ہے، مگر اس سے سفلی جذبات صرف اس انسان میں نمودار ہوتے ہیں جس کے حیوانی جذبے بے مہار ہوں۔'' (۱۴۲)

فکر جدید کے برخلاف مولانا مودودی نے إلا ما ظهر منها سے مراد وہ کپڑا لیا ہے جس سے زینت ڈھانپی جائے گی۔ وہ عورت کے چہرے کو جائے پردہ شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں زیادہ فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ (۱۴۳)

مولانا مودودی سورہ نور کی تفسیر میں جہاں پردے کی آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ وہاں ان آیات سے عیاں ہونے والے نظریہ مساوات مرد وزن پر بھی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بات نگاہ میں رہے کہ شریعت الٰہی عورتوں سے صرف اتنا مطالبہ نہیں کرتے جو مردوں سے اس نے کیا ہے یعنی نظر بچانا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا بلکہ وہ ان سے کچھ اور بھی مطالبے کرتی ہے جو اس نے مردوں سے نہیں کیے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں مرد و عورت یکساں نہیں ہیں۔'' (۱۴۴)

---

(۱۴۰) تفسیر الکشاف از زمخشری، ج ۳، ص ۲۳۱

(۱۴۱) قانون معاشرت، غامدی، جاوید احمد، ص ۹۱

(۱۴۲) مرد اور عورت سماجی تعلق کے آداب، از محمد فاروق خان، ڈاکٹر ص ۹۳

(۱۴۳) پردہ از مودودی، ص ۲۶۴ (۱۴۴) تفہیم القرآن از مودودی، ج ۳، ص ۳۸۵

اور کہتے ہیں کہ تعبیر نو کے حامل احکام الٰہی میں نقطہ انتہا کو نقطہ ابتدا بنا کر اللہ کے احکامات سے کھیلتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ عورتوں کو بے پردگی پر مائل کرتے ہیں۔ پردہ قطعی دلائل کے ساتھ اسلام کا شعار ہے اور عورت کا زیور ہے۔ پردے کا انکار شریعت کا انکار ہے، لیکن پردے کا بہانہ کر کے امور زندگی سے اجتناب انتہا پسندی ہے جو معاشرے میں پردے کے انکار کے فروع کا باعث بنے گی۔ پردہ عورت کی ترقی میں رکاوٹ نہیں۔

پردے کے احکامات کو اگر معاشرے میں مستحق جگہ دی جائے تو یہ عورت کی ترقی کے لیے مہمیز کا کردار ادا کر سکتا ہے۔ پردے سے ترقی میں رکاوٹ پڑتی ہی تب ہے جب عورت کے پردے کو معاشرتی وقار نہیں ملتا۔ عورتیں ترقی کی راہ سے فرار تب اختیار کرتی ہیں جب انہیں ان راہوں پر تحفظ نہیں ملتا ہے۔ تحفظ کی قیمت پر ترقی کسی بھی مسلمان عورت کی ترجیح نہیں ہو سکتی۔

ہمارے معاشرے کے پوش طبقے کی خاتون اعلیٰ کے تحفظ کے مسائل اتنے گھمبیر نہیں جتنے ہمارے درمیانے طبقے اور زیریں طبقے کی خواتین کے ہی۔ (اس کی وجوہات ہزار تنوع رکھتی ہیں اور تفصیل کا تقاضا کرتی ہیں جن سے صرف نظر کیا جا رہا ہے) عورت کی راہوں کو غیر محفوظ کر کے ہم انہیں ترقی کو کونسا ڈھب دینا چاہتے ہیں۔ یہاں پر فرق دونوں طبقات کی ترجیحات کا نمایاں ہو رہا ہے۔ ایک کے پیش نظر دینی احکامات ہیں تو دوسرے کے پیش مغرب کی تقلید اور جدید مسلمان عورت کے لیے فکر کے میدان بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

آیات سورۃ الاحزاب

اب ان آیات کو زیر بحث لایا جاتا ہے جو سورۂ احزاب میں واقع ہیں۔ اسلامی تاریخ کی رو سے یہ آیات سورۂ نور کی آیات سے قبل نازل ہو چکی تھیں، فکر جدید نے سورۂ احزاب کی انہی آیات سے 'شرعی پردہ' کے زیرِ عنوان اپنی بحث کا آغاز فرمایا ہے۔

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۞ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾(۱۴۵)

(۱۴۵) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۲-۳۳

''نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص، لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف اور سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔''

اس آیت کے ضمن میں ان کی تعبیر نو کو افہام و تفہیم کی خاطر تین حصوں میں (خود انہیں کے الفاظ میں) پیش کیئے دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ:

''(۱) اس آیت کریمہ میں خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے۔(۲) اور بات شروع ہی ان الفاظ سے ہوئی ہے کہ لستن کأحد من النسآء (تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو) جس سے صراحتاً ثابت ہے کہ ان آیات کریمہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ عام مسلمان خواتین کے لیے نہیں ہیں بلکہ ازواج مطہرات کے لئے خصوصی احکام ہیں۔ (۳) لیکن اگر عام مسلمان اور ہمارے علماء کرام اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی ازواج کو ازواج مطہرات کا درجہ دینا چاہتے ہیں تو اس کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں وہ شوق سے ایسا کریں لیکن ہم ان احکام کو عام مسلمان خواتین کے لیے شرعی احکام نہیں کہہ سکتے۔'' (۱۴۶)

قرآنی الفاظ لستن کأحد من النسآءِ (تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو) کہہ کر سارے قرآن سے پیچھا چھڑایا جاسکتا ہے کہ یایھا الذین امنوا سے مراد صرف صحابۂ کرامؓ ہیں۔ان کو جو احکام دیئے گئے ہیں وہ انہی کے ساتھ خاص ہیں ان احکام کو دوسرے لوگوں کے لئے عام کرنا، صحابۂ کرامؓ کے مقام و مرتبہ پر فائز ہونے کے مترادف ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ قرآن نے ازواجِ مطہرات کو لستن کأحد من النسآء (تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو) جو فرمایا ہے تو اس کا حقیقی مفہوم و مطلب کیا ہے؟ اس کا جواب خود متجددین ہی کی یہ عبارت پیش کر رہی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی تعدد ازواج کی مصلحتوں کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ

''ان کے ذریعہ سے (یعنی ازواج مطہرات کے ذریعہ سے) اسلامی معاشرہ کی مستورات کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام فرمانا تھا۔ کیونکہ عورتوں کی تعلیم و تربیت عورتوں ہی کے ذریعے سے بہتر طور پر ہوسکتی ہے۔''(۱۴۷)

---

(۱۴۶) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳/ص ۳۰۶

(۱۴۷) ایضاً، ج ۳/ص ۳۱۶

ان کی ایک اور عبارت ازواج مطہرات کو عام عورتوں کے لیے مثال بنا رہی ہے۔

''حضور اکرم ﷺ نے جو تعلیم و تربیت کا ایک مرکز قائم فرمایا تھا آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں عام صحابہ کو تعلیم و تربیت فرماتے تھے تو ازواج مطہرات مسلم خواتین کو تعلیم و تربیت فرماتی تھیں پہلے خود حضور اکرم ﷺ سے تعلیم حاصل کرتی تھیں اور پھر اسے آگے بڑھاتی تھیں جن مسائل کے متعلق انہیں علم نہیں ہوتا تھا ان کو آنحضرت ﷺ سے پوچھ کر مسلمان خواتین کو بتلاتی تھیں مستورات کے بے شمار مسائل ہوتے ہیں جنہیں وہ براہِ راست آنحضرت ﷺ سے نہیں پوچھ سکتی تھیں'' (۱۴۸)

واقعی حق تعالیٰ نے بجا فرمایا کہ ازواج مطہراتؓ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں کیونکہ وہ خواتین اسلام کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں ، عام مستورات ان کی اقتداء کرنے والی ہیں کا کیا معنیٰ و مفہوم ہے؟ اسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔ فی الحال تو یہ دیکھیے کہ آخر ''ازواج مطہرات'' میں (نعوذ باللہ) وہ کیا ''عیب'' اور ''نقص'' تھا جس کی بناء پر انہیں یہ اخلاقی ہدایات دی گئیں؟ کیا ان ہدایات واحکام کی عام خواتین اسلام کو ضرورت نہیں ہے۔؟ کیا تعبیر نو کے حاملین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ باقی خواتین نرم و نازک اور شیریں لہجے میں گفتگو کر کے دل کے مریضوں میں طمع و رغبت کی چنگاریاں سلگائیں؟ عام عورتیں لوگوں سے نیکی اور بھلائی کی بات نہ کیا کریں؟ ازواج مطہرات تو گھروں میں وقار سے رہیں مگر عام مستورات ، ساق و سینہ کی عریانی کے ساتھ قدیم جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی پھریں؟ کیا واقعی اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ باقی خواتین اقامتِ صلوٰۃ ، ایتاء زکوٰۃ اور اطاعتِ خدا و رسول سے دستکش ہو جائیں؟ کیا فی الواقع منشائے ایزدی یہی ہے کہ بیگماتِ نبویؐ کو تو رجس و پلیدی سے پاک کیا جائے اور باقی خواتین اسلام کو رجس میں آلودہ اور ناپاکی و پلیدی میں لتھڑا ہوا رہنے دیا جائے؟ اگر ایسا نہیں ہے (اور اللہ نبیؐ کی بیویوں کے علاوہ باقی خواتین کو بھی ان صفات سے متصف دیکھنا چاہتا ہے جن کا حکم ازواج مطہرات کو دیا گیا ہے) تو پھر ان احکام کو ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص کرنے کا جواز کیا ہے؟ یہ بات بھی کس قدر عجیب ہے کہ

''عام خواتین کو ان احکام کا مخاطب قرار دینا ازواج مطہرات کا درجہ دینا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعبیر نو دلائل کی ثقاہت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ازواج مطہراتؓ مسلمان عورتوں کے لیے مقتدا و پیشوا ہستیاں ہیں۔ اس لیے ازواج مطہرات واقعی عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ اب جب کہ

(۱۴۸) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۳۲۱-۳۲۲

امہات المومنینؓ اہل ایمان خواتین کے لیے نمونۂ اطاعت و قتدا قرار پائیں تو عام خواتین پر یہ صرف مستحب ہی نہیں بلکہ واجب اور فرض ہے کہ وہ ہر اس حکم پر عمل پیرا ہوں جس کا مقصد اللہ نے ازواج مطہراتؓ کو رجس و نجس سے پاک کرنا اور انہیں مجسمۂ طہارت و پاکیزگی بنانا قرار دیا ہے۔

ان احکامات کو ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص کرنے کے باوجود یہ رائے خود بھی ژولیدہ فکری کا شکار ہوتی نظر آتی ہے اور کبھی خاص کو عام اور کبھی عام کو خاص کرتی ہے اور کبھی معاملے کو غیر واضح سا بیان کرتی ہے۔ دیکھیے

''عام طور پر عورت کا مستقر، گھر ہے اور اسے باہر ضرورتاً ہی جانا چاہئے جس طرح عام طور پر مرد کا دائرہ عمل گھر سے باہر ہے اور وہ گھر پر ضرورتاً ہی آتا ہے اسی بناء پر ارشاد ہوا کہ ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ (۱۴۹) ان سے کہہ دو کہ ان کا مستقر ان کا گھر ہے۔ اس لئے وہ معمولاً گھروں میں رہا کریں۔ اگرچہ یہ آیت رسول اللہ کی ازواجِ مطہرات کے متعلق آئی ہے اور اس سے قبل ان کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو لیکن اس سے یہ اُصول تو مستنبط ہوتا ہے کہ عورت کے فرائض کا مرکز گھر ہے۔'' (۱۵۰)

اسی لیے تعبیر نو کے بعد یہ تعبیر قدیم کی طرف بھی ضرور رجوع کرتے ہیں اور اپنے جدید فہم پر خود بھی مطمئن نہیں۔ ان کا پھر کہنا ہے کہ:

''خطاب نساء النبی سے ہے جن میں حضورؐ کی ازواج مطہرات اور دیگر محترم خواتین بھی آجاتی ہیں۔'' (۱۵۱)

بہر حال سورۃ احزاب کی زیرِ بحث آیات میں کوئی ہدایت یا حکم بھی ایسا نہیں جو صرف ازواج مطہرات تک محدود و مخصوص ہو ان میں مذکور ہر بات، ہر مسلمان خاتون کے لیے واجب العمل ہے۔ ان فرامینِ الٰہیہ سے خانگی معاشرت کے جو اصول مستنبط ہوتے ہیں وہ بھی عام مسلمان خواتین کے لیے ہیں۔ انہیں صرف ازواج مطہرات تک محدود مخصوص کرنا اور عام مستورات کو ان ہدایات کا مخاطب قرار نہ دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

پردے کے نقطۂ نظر سے سورۂ احزاب کی زیر بحث آیات میں ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو دیکھئے جو ازواج مطہرات کے توسط سے عام مسلم خواتین کو دیا گیا ہے۔ کہ ﴿إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (۱۵۲) '' اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو لو چدار اور

(۱۴۹) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۳
(۱۵۰) طاہرہ کے نام خطوط از پرویز، ص/۲۰۱
(۱۵۱) تفسیر مطالب الفرقان از پرویز، غلام احمد، ج/۲، ص/ ۲۱۱
(۱۵۲) سورۃ الاحزاب: ۳۲/۳۳

لگاوٹ والی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے''۔ یہ الفاظ اس حقیقت کو اظہر من الشمس کر دیتے ہیں کہ مسلم خواتین کو گفتگو کرتے ہوئے سپاٹ لہجہ اختیار کرنا چاہئے۔ ان کی آواز میں دلکشی، لب ولہجہ میں لوچ اور لگاوٹ اور گفتگو میں ایسی شرینی نہ گھلی ہوئی ہو جو کسی مریضِ قلب کے جذبات کو بھڑکا کر اسے ان سے غلط توقعات وابستہ کرنے پر اکسائے اور جادۂ شریر پیشقدمی کی ترغیب دلائے، گفتگو کے یہ آداب جن سے کوئی دل کا مریض غلط توقعات قائم کرلے، متقی خواتین کے شایان شان نہیں ہے بلکہ یہ انداز کلام فاسق و فاجر خواتین کا ہے، سورہ احزاب کی اس ہدایت کو اگر سورۂ نور کے اس حکم کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے کہ ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (۱۵۳) 'خواتین، زمین پر اس طرح پاؤں مار کر نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ لوگوں پر عیاں ہو جائے۔'' تو شارع کا مقصد دو اور دو چار کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کی آواز بھی پابندِ حجاب ہے۔ اگر اسے بضرورت گفتگو کرنی ہی پڑے تو وہ ایسا اندازِ تکلم اختیار کرے جو متقی اور پارسا خواتین کو زیب دیتا ہے نہ کہ وہ جو بدکردار اور بے حیا عورتوں کا شیوہ ہے۔ عورت کی آواز تو رہی ایک طرف اس کے زیورتک کی جھنکار کو بھی اجنبی مردوں کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔

یہ بہت قابل غور ہے کہ جو دین، عورت کو مردوں سے بات چیت کرنے کی بھی بضرورت اجازت دیتا ہے اور پھر اس پر یہ پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ وہ لوچ دار اور بے تکلفی کا لب ولہجہ اختیار نہ کرے اس کی آواز تو رہی ایک طرف اس کے زیورات تک کی آواز مردوں کے کانوں تک نہ پہنچے وہ دین یہ بات کیونکر برداشت کرسکتا ہے کہ عورت ساق و سینہ کی عریانی کے ساتھ، شوخ وشنگ اور بھڑکیلے لباس زیب تن کر کے مخلوط سوسائٹی میں نازنخرے دکھائے، اسٹیج کی زینت بن کر 'ثقافت' کی آڑ میں عریاں یا نیم عریاں حالت میں رقص کرے اور جسم کے خدوخال کو اس طرح نمایاں کرے کہ مردوں کے دل و دماغ نارِشہوت سے بھڑک اٹھیں، فحش اور مخرب اخلاق گیت گا کر لوگوں کے سفلی جذبات کو آگ لگا دے۔ شہوت انگیز ایکٹنگ سیکھ کر مخلوط سوسائٹی کے ڈراموں میں حصہ لے۔ بدن کے تمام نشیب وفراز کو مہین اور باریک لباس کی سطح پر اجاگر کر کے ''کلچرل پروگراموں'' میں کسی کی بیوی بن کر اور کسی کی بیٹی بن کر کسی کی محبوبہ بن کر اور کسی کی داشتہ بن کر نازفروشی کرے۔۔۔ آخر یہ 'ثقافت' یہ 'کلچر' اور یہ 'تمدن' کس قرآن

(۱۵۳) سورۃ النور: ۲۴/۳۱

سے برآمد کیا جا رہا ہے۔ خدا کی کتاب تو کسی ایسی بے حیاء ایمان سوز اور مخرب اخلاق ثقافت کی قطعاً روادار نہیں ہے، کسی کو اگر فرنگی تہذیب کی تقلید کرنی ہی ہے تو وہ شوق سے کرے مگر اسے قرآن کا نام لے کر وہ چال چلن اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی جو مزاج اسلام اور روحِ قرآن سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔

مبحث پنجد ہم: آیت حجاب

پردے کے ضمن میں سورہ احزاب کی دوسری آیت جس میں تعبیر نو کے حاملین نے کلام کیا ہے، درج ذیل ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾(۱۵۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہا کرو ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو، تمہارا یہ طرز عمل نبی کو تکلیف دیتا ہے مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

فکر جدید کا اس آیت کے ضمن میں موقف ہے کہ:

''اس آیت کریمہ میں بھی ازواج مطہرات کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دی گئی ہیں، نبی کے گھروں میں بلا اجازت کھانا کھانے کے لئے نہ جانا، کھانا پک کر تیار ہونے کے انتظار میں جم کر نہ بیٹھ جانا، بات چیت کے شوق میں یا کھانے کے شوق میں جمے نہ رہنا، آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ تمام وہ احکام ہیں جن کا تعلق عام مسلمان خواتین سے نہیں ہے بلکہ صرف ازواج مطہرات سے ہے، ان آیات میں خاص طور پر یہ حکم کہ اگر ازواج مطہرات سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے سے مانگا جائے، یہ خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات کے سلسلے میں عام مسلمانوں کو ہدایت ہے۔''(۱۵۵)

(۱۵۴) سورۃ الاحزاب: ۵۳/۳۳

(۱۵۵) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۳، ص ۳۰۷

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ماسوا اس حکم کے کہ...... ''آپؐ کی ازواج مطہرات سے اہل ایمان، کبھی بھی نکاح نہ کریں'' کوئی حکم اور ہدایت ایسی نہیں ہے جو ازواج مطہرات سے خاص ہوا اور عام مسلمان خواتین و حضرات سے اس کا تعلق نہ ہو، کیا فکر جدید کے خیال میں کہ لوگ نبی کے گھروں میں تو بلا اجازت کھانا کھانے کے لئے نہ جایا کریں مگر دیگر اہل ایمان کے گھروں میں اس مقصد کے لئے بلا تکلف اور بلا اجازت گھس جایا کریں۔ازواج مطہرات کے ہاں تو کھانا پک کر تیار ہونے کے انتظار میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔مگر باقی سب گھروں میں دھرنا مار کر بیٹھ جانا چاہیے۔ بیگمات نبوی کے ہاں تو بات چیت کے شوق میں بعد از طعام نہیں جمے رہنا چاہیے مگر عام گھروں میں گپ شپ کے لئے بیٹھے رہنا چاہیے۔حلائل نبوی سے کسی چیز کی حاجت ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگنی چاہیے مگر عام خواتین سے کوئی چیز درکار ہو تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آمنا سامنا کرتے ہوئے لینی چاہیے، کیا ازواج مطہرت میں معاذ اللہ، معاذ اللہ کوئی خاص عیب ونقص تھا جس کی بنا پر انہیں یہ خاص حکم دیا گیا ہے کہ ان سے پردے کی اوٹ میں سے کوئی چیز مانگی جائے حالانکہ وہ امہات المؤمنین ہیں؟ مگر عام عورتوں کو (فہم نو کے مطابق) یہ حکم نہیں دیا گیا جبکہ ان کے اور عام مردوں کے درمیان ماں بیٹے کا یہ مقدس تعلق بھی مفقود ہے آخر یہ کیوں؟ کیا قرآن یہاں ازواج مطہرات سے پردے کی اوٹ میں سے مردوں کے کسی چیز کے مانگنے کو دونوں اصناف بشر کے لئے 'پاکیزہ طرز عمل' قرار نہیں دیتا؟ اگر واقعی پس حجاب یہ لین دین، اللہ کی نگاہ میں 'پاکیزہ طرز عمل' ہے تو اسے صرف بیگمات نبوی تک محدود کیوں رکھا جائے کیوں نہ اس 'پاکیزہ طرز عمل' کے حکم کا جملہ مسلم خواتین کو مخاطب سمجھا جائے۔

فکر نو کے حامل مغربی تہذیب کی تقلید میں پردے کے خلاف تعصب لئے ہوئے اس آیت کا مطالعہ نہ فرماتے تو وہ کسی طرح بھی اس کے احکام کو ازواج نبویؐ تک مخصوص و محدود قرار نہ دیتے۔ پس حجاب (من وراء حجاب) ازواج مطہرات سے لوگوں کے کوئی چیز مانگنے کے فعل کو قرآن استحسان کی نظر سے دیکھتے ہوئے، یہ کہتا ہے کہ ذلکم أطهر لقلوبكم وقلوبهن یہاں پاکیزگی قلب کو صرف حلائل نبوی تک محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی (جو پس حجاب ان خواتین سے اشیاء مانگتے ہیں) پاکیزگی قلب کی نعمت سے نوازا گیا ہے پس جو چیز (یعنی طہارت قلب) اس فعل کے نتیجہ میں ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کو میسر آسکتی ہے اس سے عام خواتین اسلام کو محروم رکھنا ایک بیجا بات ہے اگر عام مسلمان پس پردہ کوئی چیز طلب کر کے اپنے لئے طہارت

قلب کا سامان پیدا کرتے ہیں تو عام خواتین پس پردہ رہتے ہوئے مطلوبہ شئے دے کر کیوں نہ پاکیزگی قلب کو حاصل کریں۔حقیقت یہی ہے کہ فکر جدید تعبیر نو کے بعد اطمینان قلب سے محروم رہتی ہے اور اپنی رائے سے پھر رجوع کرتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ:

''اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نہایت اچھی ہدایت ہے اور احتیاط کا تقاضا ہے لیکن اس عام مسلم خواتین کے حق میں مستحسن اور مستحب ہی کہا جا سکتا ہے ان کے لئے لازمی نہیں کہا جا سکتا۔''

ان کا دوبارہ خاص کو عام کرنا جس عام کو خاص کر کے وہ خلاصی نہیں پاتے۔اَزواج مطہرات مسلم خواتین کے لئے معلمات اور نمونۂ عمل ہیں، پس جو ہدایت ازواج مطہرات کو دی جاتی ہے وہ اسی لئے دی جاتی ہے کہ عام مسلم عورتیں بیگماتِ نبوی کے اتباع میں ان پر عمل پیرا ہوں۔

فکر جدید کا طرز استدلال قرآن مجید کی حرمت کو پامال کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔اس طرز استدلال سے فائدہ اٹھا کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زکوۃ کی وصولی کا حکم خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کو دیا گیا تھا، عام مسلمان اس حکم کے مخاطب نہ تھے۔

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (۵۶)

''اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کے لئے وجۂ تسکین ہوگی۔''

یہ طرز استدلال اہل علم کے نزدیک پسندیدہ نہیں، مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ احکام صرف ازواج مطہرات تک ہی محدود ہیں اور انہیں امہات المؤمنین کی حیات طیبہ تک ہی قابل عمل (Valid) رہنا تھا اور اس کے بعد قیامت تک کے لئے ان احکام کو ناقابل عمل (Invalid) قرار پا جانا تھا تو یہ سب احکام عارضی اور وقتی احکام قرار پا جاتے ہیں اور انہیں مستقل وحی کے ذریعے ابدالآباد تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضرورت اور وجہ نہیں رہتی ہے۔

ہر رائے اور فکر دلیل کا تقاضا کرتی۔دلیل سے بے نیاز رائے اور فکر زیادہ دور نہیں جا سکتی۔حق خود ایک طاقت ہے اور اپنی سچائی منوانے کی اہلیت رکھتا ہے۔فکر نو کے حامل ذہن ان نظریاتی پروازوں کے بعد دوبارہ اصل کو لوٹتے

(۱۵۶) سورۃ التوبہ: ۹/۱۰۲

ہیں اور یہ بات خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان عام احکامات کو خاص کرنا بے بنیاد ہے۔

''یہ امر قابل غور ہے کہ اگر یہ محض ایک عارضی حکم تھا جسے آنحضرت ﷺ کے بعد باقی نہیں رہنا تھا تو ایسے حکم کو قرآن میں نازل فرمانے اور ابدالآباد تک اسے محفوظ فرمانے کی ضرورت نہ تھی اس کا فیصلہ عارضی طور پر خود آنحضرت ﷺ فرما سکتے تھے اس کے لئے ایک مستقل وحی کی ضرورت نہیں تھی ایسے اتفاقی حادثات میں بارہا آنحضرت ﷺ نے خود اپنی صوابدید اور اپنے اجتہاد سے بھی متعدد فیصلے فرمائے ہیں۔ اس حکم کا قرآن کریم میں نازل ہونا اور اس طرح قیامت تک کے لئے اس کو محفوظ کرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص نہیں تھا۔''(۱۵۷)

آیت حجاب میں مذکورہ احکام کا قرآن کریم میں نازل ہونا اور اسی طرح قیامت تک کے لئے ان احکام کو اس (قرآن) میں محفوظ کرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہ احکام ازواج مطہرات کے لئے مخصوص نہیں تھے۔

ہمارے تعبیر نو کے حاملین کی مغرب پرستی کا یہ عالم ہے کہ جدید تہذیب کی اقتدا و پیروی کے لئے قرآن کی ''اصلاح'' کرتے ہوئے وہ جہاں کسی اصول کو مفید مطلب پاتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں اور جہاں اُسی اصول کو خلاف مقصد پاتے ہیں ٹھکرا دیتے ہیں۔

---

(۱۵۷) فقہ القرآن از عثمانی، عمر احمد، ج ۱/ص ۲۳۵/

مبحث ششدہم: آیت جلباب

اب ہم سورۂ احزاب کی اس آیت کا مطالعہ کریں گے جس میں ازواج مطہرات کے ساتھ عام خواتین اُمت کا بھی ذکر ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (۱۵۸)

''اے نبیؐ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اُوپر چادروں سے پلو لٹکا لیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جاتیں اور نہ ستائی جاتیں اللہ بہت ہی غفور اور رحیم ہے۔''

اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حجاب شرعی کی یہاں جو تعلیم دی ہے عام خواتین سے قبل ازواج مطہرات اور بنات رسول ﷺ کے ذکر سے اس کا آغاز کیا ہے اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ

(الف) رسول پر منجانب اللہ جو حکم بھی نازل ہوتا ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا سب سے پہلا شخص وہ خود ہوتا ہے۔ ﴿أَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (۱۵۹) ''میں خود سب سے پہلے حکم خدا کے سامنے سر جھکانے والا ہوں۔''

ان احکام کی عملی اطاعت و انقیاد سب سے پہلے انہیں کے گھر سے ہوتی ہے کیونکہ آپ کے قریب ترین اعزہ وہی ہوتے ہیں جنہیں اولاً پیغام الٰہی پہنچایا جاتا ہے۔ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (۱۶۰)

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

کیونکہ دعوت اسی وقت ثمر بار ہوتی ہے جب اس کا آغاز، داعی کے اپنے گھر سے ہو۔

اور دوسری وجہ یہ کہ ازواج مطہرات اور بنات النبی ﷺ اسلامی معاشرے کی خواتین کے لئے نمونۂ پیروی ہیں، سب سے پہلے انہی ہستیوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ان معاشرتی آداب کو اپنائیں یہی وجہ ہے کہ ازواج النبی اور بنات النبی ﷺ کے ذکر کو دیگر مسلم خواتین پر مقدم رکھا گیا ہے۔

---

(۱۵۸) سورۃ الاحزاب: ۵۹/۳۳
(۱۵۹) سورۃ الانعام: ۱۶۳/۶
(۱۶۰) سورۃ الشعراء: ۲۱۴/۲۶

حکم حجاب سے قبل ستر عورت کی تعلیم دی جا چکی تھی بلکہ ستر عورت کی تعلیم حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نبی خاتم ﷺ تک ہر شریعت کا لازمی جز رہی ہے جس کے بغیر عبادات کی ادائیگی نہیں ہوسکتی اور اہل ایمان لباس ساتر پہن کر ہی عبادت کیا کرتے تھے خواہ ان آیات کی روشنی میں خواہ فرمان نبویؐ کی روشنی میں۔

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (۱۶۱)

''اے بنی آدمؑ! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔''

تعلیم وجوب ستر کے بعد اب اگر حکم حجاب نازل ہوتا ہے تو لامحالہ یہ ستر عورت سے زائد تر چیز کے وجوب کا متقاضی ہے اس لئے حکم حجاب کو ستر عورت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔اس حکم کو ازواج رسول، بنات نبی اور خواتین اسلام تک پہنچانا اس بات کی دلیل ہے کہ احکام حجاب صرف ازواج مطہرات تک محدود و مخصوص نہیں ہیں بلکہ بنات النبی ﷺ اور جمیع مسلم خواتین تک وسیع اور متعدی ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک، آزاد خاندانی عورتوں کو یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ کنیزوں اور لونڈیوں سے ممتاز ہوجائیں اور شر پسندوں کی اذیت کا نشانہ نہ بن سکیں چونکہ ان غلام عورتوں کو اپنے مالکوں اور اہل خانہ کی خدمت کی خاطر اور فراہمیٔ ضروریات کے سلسلے میں اکثر و بیشتر بازار جانا پڑتا تھا اس لئے انہیں اس تکلیف حجاب سے پرے ہی رکھا گیا ہے۔لیکن بعض علماء کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ نساء المؤمنین (مومنوں کی عورتوں) کو مطلق رکھا گیا ہے جس میں حرائر و اماء دونوں داخل ہیں مسلمان آزاد خواتین کے ساتھ مسلمان لونڈیوں کو بھی اس حکم میں شامل کیا گیا ہے البتہ اس حکم سے وہ لونڈیاں خارج ہیں جو غیر مسلم ہوکر اہل ایمان کے گھروں میں رہ رہی تھیں چونکہ یہ احکام اسلام کی مکلّف نہیں تھیں اور پابندی حجاب کو اختیار نہیں کرتی تھیں اس لئے یہی لونڈیاں، منافقین اور شر پسند عناصر کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بنتی تھیں۔ (۱۶۲)

قرآن کے الفاظ: ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (۱۶۳) ''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں'' میں ''پہچان لی جائیں'' کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آزاد خاندانی عورتوں کو کنیزوں

(۱۶۱) سورۃ الاعراف: ۳۱/۷

(۱۶۲) تفہیم القرآن از مودودی، ج ۴، ص ۱۲۹

(۱۶۳) سورۃ الاحزاب: ۵۹/۳۳

میں سے الگ پہچان لیا جائے، لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کو (خواہ وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں) حجاب کی بدولت پہچان لیا جائے کہ وہ باعصمت، پاکدامن اور پارسا خواتین ہیں نہ کہ آبرو باختہ، بے حیا اور بدکردار، جن سے ضمیر کے کھوٹے اور دل کے روگی مرد کوئی غلط اُمید وابستہ کریں۔ ان کا تستر اور ان کا احتجاب ہی ان کے بدکردار نہ ہونے کا نشان ہے، کیونکہ فاحشہ عورتیں اپنے حسن و جمال کو نقاب و حجاب میں چھپا کر گاہکوں کی تلاش میں نہیں نکلتی ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جسم کی ہر زینت کو تمام نازنخروں سمیت منڈی کا مال بنا کر بازار ہوس دیدار میں آیا کرتی ہیں۔

مولانا مودودی کہتے ہیں، قرآن کے ان الفاظ میں ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (۱۶۴) ''وہ اپنے اوپر چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔'' میں کیفیت حجاب مذکور ہے۔ عربی زبان میں جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہی جو اُوپر سے اس لئے اوڑھی جاتی ہے کہ وہ لباس اور پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ یدنین جس کا مصدر ادناء ہے۔ ادناء کے کہ معنی ہیں ''قریب کر لینا'' اور ''لپیٹ لینا''۔ یہ لفظ جب حرف جار "علی" کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا معنی محض ''لپیٹ لینا'' نہیں ہوتا بلکہ اس میں "ارخاء" (لٹکا لینا) کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، جسے ہم اپنی زبان میں ''پلو لٹکا لینے'' کے الفاظ سے یا ''گھونگھٹ نکالنے'' کے الفاظ سے ادا کر سکتے ہیں اگر اس کا مفہوم صرف چادر اوپر ''ڈال لینے'' تک محدود ہوتا تو قرآن میں علی کی بجائے الی حرف جار استعمال ہوتا اور عبارت قرآن یوں ہوتی۔ (یدنین إلیھن من جلابیبھن) ''یعنی چادروں کو اپنے قریب کر کے لپیٹ لیں'' لیکن اصل قرآنی عبارت میں یدنین علیھن کے الفاظ ہیں جن کا معنی محض چادر کا ''لپیٹ لینا'' نہیں ہیں بلکہ اس جسم ولباس پر اس طرح لپیٹ لینا ہے کہ اس کے ایک حصے سے چہرے پر پلو لٹکا لیا جائے، ''ایک حصہ'' کا مفہوم لفظ "من" میں پایا جاتا ہے جو تبعیض کے لئے آیا ہے۔ (۱۶۵)

سورۃ الاحزاب کی یہ آیت واضح طور پر پردے کو تمام مسلمان عورتوں کے لئے لازم ٹھہراتی ہے۔ اس آیت کے احکامات کو تعبیر نو کے حامل ازواج مطہرات تک محدود اور مخصوص نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہوں نے تعبیر نو کی خاطر سیاق وسباق سے مدد لی ہے اور آیت کے معروف معنی کو حالات کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان کے نزدیک:

---

(۱۶۴) سورۃ الاحزاب: ۵۹/۳۳

(۱۶۵) تفہیم القرآن از مودودی، ج ۴، ص ۱۳۰

اس آیت کے اگر سیاق وسباق کو دیکھا جائے تو اس آیت سے دو آیات پہلے ان لوگوں کا ذکر ہے جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں اور اسی آیت کے آخر کے الفاظ بھی یہ ہیں کہ جلباب کا اوڑھ لینا اس لئے مناسب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ایذا نہ دی جائے۔لہٰذا یہ احکامات صرف ان حالات کے لئے ہیں جہاں ایذا رسانی کا ڈر ہے۔حکم عام کو حالات کی بدولت خاص کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ:

''سورۃ الاحزاب آیات ۵۸۔۶۰ میں پروردگار نے مسلمان خواتین کو ہدایت کی ہے کہ جب کسی ایسے مقام پر جائیں جہاں انہیں ستائے جانے کا ڈر ہوتو وہ بڑی چادر اوڑھ لیں۔قرآن مجید نے تمام حالات میں اس کی ہدایت نہیں کی۔البتہ خطرے کے مقام پر جاتے وقت اس کا خیال رکھنے کا کہا تاکہ ان کو تنگ نہ کیا جائے۔قرآن مجید کی اس آیت میں بھی چہرہ چھپانے کا براہ راست کوئی تذکرہ نہیں۔''(۱۶۶)

فکر جدید کے حامل اس آیت کو موقع محل دونوں سے خاص کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''مدینہ میں جب اشرار نے مسلمان شریف زادیوں پر تہمتیں تراشنا اور انہیں تنگ کرنا شروع کیا تو سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ کی بیٹیوں اور عام مسلمان خواتین کو مزید یہ ہدایت فرمائی کہ اندیشے کی جگہوں پر جاتے وقت وہ اپنی کوئی چادر اوپر ڈال لیا کریں تاکہ دوسری عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کے بہانے سے کوئی انہیں اَذیت نہ دے۔''

ان کے نزدیک: ﴿ أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَايُؤْذَيْنَ ﴾ کے الفاظ اور ان کے سیاق وسباق سے یہ حکم بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی مستقل حکم نہ تھا۔ بلکہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کی گئی۔آج بھی اندیشے کے حالات میں مسلمان عورتیں یہ تدبیر اختیار کرسکتی ہیں۔''(۱۶۷)

دراصل یہ فکرنو کے حامل پردہ کے احکام کو تسلیم کر لیتے ہیں،لیکن چہرے کے پردے کو اسلامی حکم نہیں مانتے۔ان کے نزدیک حدود ستر اور حدود حجاب میں کوئی فرق نہیں۔ان کے نزدیک چہرے کا پردہ اگر ازواج مطہرات کرتی بھی تھیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے تو وہ عربی کلچر کا حصہ تھا نہ کہ اسلامی حکم چہرے کے پردے کی دلیل میں

---

(۱۶۶) مرد اور عورت سماجی تعلق کے آداب، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/۶۷

(۱۶۷) قانون معاشرت از غامدی، جاوید احمد، ص/۹۷۔۹۸

ائمہ کرام نے جتنی روایات کا ذکر کیا ہے یہ ان سب کو ضعیف مانتے ہیں۔(۱۶۸) ان کے نزدیک علماء کرام نے روایات کی سند کا دھیان رکھے بغیر ضعیف روایات کو بلا تکلف نقل کر دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ عجمی سازش ہے جسے مسلمان گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔(۱۶۹)

چہرے کا پردہ قطعی اصولی حکم ہے یا نہیں اسے قطع نظر چہرہ کے پردے کو تسلیم نہ کرنا ان کی افکار کا پرتو ضرور ہے اور ان کا یہ موقف چنداں قابل تعجب نہیں کیونکہ انہوں نے احکامات الٰہیہ کی ترمیم کا جو اسلوب بنا رکھا ہے اس سے یہ مغربی اور اسلامی افکار کو ایک کر لیں گے۔ان کے نزدیک صرف چہرہ کھولنا جائز نہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو سرخی پاؤڈر اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی چھلے اور چوڑیوں اور کنگنوں سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے آ سکتی ہے۔(۱۷۰)

دراصل پردے کے احکامات بذات خود مساوات مرد وزن کا اظہار ہیں اور عورت کے نسوانی امتیاز کی نفی ہیں۔فکر جدید کو پردے کا حامی ہونا چاہیے کیوں کہ ان کے فکر کی اساس مرد وزن کے درمیان تمام امتیازات کو ختم کرنا ہے جس کی توثیق اقوام متحدہ تمام اسلامی ممالک سے چاہتا ہے جس کا مخفف CEDAW ہے۔

"Convention on the Elimination of All kinds of Discrimination Against women"

پردے کا حکم عورت کی نسوانیت کے اظہار کا رد ہے۔اس اعتبار سے یہ اسی موقف کی توثیق ہے جو اقوام متحدہ پیش کرتا ہے عورت کے جسم کے نمایاں حصوں میں سب سے زیادہ نسوانیت کا مظہر اس کا سینہ ہے اور اسلام نے اس اظہار کو بشری استطاعت تک محدود کیا ہے اور کھلے عام نسوانی اظہار زیب وزینت پر پابندی عائد کی ہے جہاں اسلامی فہم مرد وزن کے امتیازات کو ختم کرتا ہے فکر جدید اسے باقی رکھتی ہے اور جہاں اسلامی فہم امتیازات کی رعایت رکھتا ہے وہاں جدید فہم امتیازات کو کالعدم قرار دیتا ہے۔احکامات الٰہی پر یقین کے بعد حکمت اور بصیرت تک رسائی کی کوشش مؤمن کی زندگی ہے۔

(۱۶۸) مرد اور عورت سماجی تعلق کے آداب، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ص/۶۲

(۱۶۹) ایضاً، ص/۸۸

(۱۷۰) ایضاً، ص/۸۹

نتائج بحث

نتائج بحث

عورت کی انسانی حیثیت معتبر رہنی چاہیے

تمدنی ارتقا میں یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ عورت کی ترقی معاشرتی ترقی کی ضامن ہے۔عورت کی بحیثیت انسان مرد سے برابری صرف نسوانی نہیں بلکہ معاشرتی فائدہ ہے۔مساوات مرد زن سے صرف عورت کی خوشی مقصود نہیں خاندانی اور معاشرتی استحکام مقصود ہے، کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اکائی ہے۔

عورت کی صنفی پہچان سے قبل اس کی پہچان انسان ہونا ہے۔قرآن مجید کے جتنے احکامات ہیں وہ تمام مرد وزن کو مخاطب کر کے بیان کیے گئے ہیں ۔قران مجید کا بہت تھوڑا حصہ ہے جو عورت کے صنفی امتیاز اور نسوانی حقوق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسلامی افکار میں مغربیت کا رد اپنی جگہ لیکن جو بات دلائل سے مستحکم ہو وزن رکھتی ہے۔مساوات مرد وزن کا نعرہ مغرب پروردہ ہونے کی بناء پر اسلامی معاشرے میں مذموم ہے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورت اور مرد انسانی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور آخرت میں اجر و سزا کے اعتبار سے برابر ہیں۔اگر عورت جسمانی و ذہنی اعتبار سے معاشی تمدن میں حصہ دار بننے کے اعتبار سے مرد سے کم ہے تو انسان سازی میں حصہ ڈالنے کے اعتبار سے مرد سے بالا ہے۔عورت کو کلی طور پر کم تر اور حقیر جگہ دینا کسی طور مناسب نہیں، نہ تو عورتوں کو ایسا سوچنا چاہیے اور نہ مردوں کو۔ معاشرے میں عورتوں کو جائز مقام نہ دینے کے رویے نے عورت کے دل میں احساس کمتری کو اور مرد کے دل میں احساس برتری کو جگہ دی ہے۔ان ہی رویوں کا سد باب اسلامی تعلیمات کرتی ہیں۔

قرآنی تعلیمات نے عورت کے انسانی مقام کو بھی جگہ دی ہے اور صنفی امتیاز کو بھی۔ (صنفی امتیاز سے مراد وہ پہلو ہیں جن کی بنا پر وہ مردوں سے فرق ہے لیکن اس کے علاوہ اس سے کئی زیادہ پہلو ایسے ہیں جہاں عورت اور مرد یکساں ہیں اور برابر ہیں)

ہم نے اسلامی تعلیمات سے احکام معاشرت اخذ کرتے ہوئے عورت سے وابستہ صنفی امتیاز پر مبنی احکامات کو عورت کی پوری زندگی پر محیط کر کے افراط تفریط کے رویوں کا ثبوت دیا ہے۔اگر عورت کی حیثیت صرف صنفی امتیازی

پہلوؤں کی بنا پر ہے تو پھر اس کے لیے قرآن کا فقط وہ حصہ ہونا چاہیے جو نسوانی احکام سے متعلق ہے اور بقیہ قرآن مردوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اس طرح قرآن دو حصوں میں بٹ جائے گا۔ ایک زنانہ قرآن اور ایک مردانہ۔ یہ تقسیم زیادتی پر مبنی ہوگی۔ عورت کی پہلی حیثیت ایک انسان کی ہے اور دوسری حیثیت صنفی امتیاز پر مبنی ہے۔

ہم نے عورت کی زندگی کا دائرہ کھینچتے ہوئے اسے صرف صنفی امتیاز پر مبنی کردار دکھلائے ہیں۔ جہاں وہ ماں بیٹی بہن بیوی ہے اس کے علاوہ دیگر کردار اس کے لیے ممنوع، مکروہ یا ناپسندیدہ ٹھہرائے ہیں۔ جبکہ اسلامی تاریخ سے ایسا ثابت نہیں ہوتا۔ عورت کا اپنا نام اور کردار اس کی اپنی پہچان ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے واضح کیا کہ بیٹی کا رتبہ قیامت کے دن ان کے لیے کافی نہ ہوگا اور جنت اور جہنم کا حصول ان کے اپنے کردار پر مبنی ہے۔

آپ کی یہی تعلیمات اپنے اطراف کی تمام عورتوں کے لیے بھی تھیں۔ کہ کہیں وہ آپ کی نسبت کو اپنے لیے کافی نہ جانیں اور اپنے اعمال سے غافل نہ ہو جائیں۔

آپ نے اپنے ارشادات سے ثابت کیا کہ عورت کی حیثیت مرد سے جداگانہ ہے۔ اور قران کریم نے بھی شہادت دی کہ مردوں کے لیے وہی ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے وہی ہے جو وہ کمائیں[1] اور قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔[2] اور انسان کو وہی ملے گا جس کے لیے اس نے کوشش کی۔[3]

اسلامی حکم کے تابع پردہ عورت کی صنفی امتیاز کی نفی ہے، لیکن ہم نے پردے کے خطوط کو عورت کے گرد اس طرح کھینچا ہے کہ وہ اس کی بدولت اپنی صنفیت کو فروغ دیتی ہے۔ ہم عورت کے لیے اسلام سے سبق لیتے ہوئے سب سے پہلے پردہ کا حکم بیان کرتے ہیں۔

عورت کے لیے اسلامی تعلیمات میں ابتدا بھی پردے سے ہے انتہاء بھی پردے پر ہے اور سب سے زیادہ شدت بھی پردے پر ہے۔ اس وقت میرے سامنے ''مسلمان عورت کا پرچہ آخرت'' کے عنوان سے کچھ صفحات پر مبنی ''مرکز دعوۃ والتوحید والسنۃ'' کا چھپا ہوا پمفلٹ ہے۔ جس میں عورت کے لیے پردہ کے احکامات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ عورت کا ستر اور گھر کا پردہ، گھر کے باہر چہرے کا پردہ، ستر، آواز کا پردہ، عورت کا اصل مستقر، تبرج، گھر کے اندر

(۱) سورۃ النساء: ۳۲/۴
(۲) سورۃ النجم: ۳۸/۵۳
(۳) سورۃ النجم: ۳۹/۵۳

غیرمحرم سے پردہ، خاوند اور بیوی کے رشتہ دار، احکام لباس، نمائش حسن جمال کا امتناع کے علاوہ عورت کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔کیا عورت کا کل پرچہ آخرت صرف پردہ ہی ہے اور وہ پردہ جو صرف عورت کی صنفیت کو مضبوط کرے جب کہ عورت کے لیے سب سے پہلے توحید کا سبق ہے۔عقائد کی اصلاح ہی وہ اثر دکھاتی ہے جو عورت اور مرد کے ظاہر پر نظر آتا ہے۔

عورت کی زندگی پر پردے کے نازیبا اور متشددانہ پھیلاؤ نے ہی عورت کے لیے صرف صنفی امتیاز پر مبنی کردار مخصوص کیے ہیں۔صنفی امتیاز پر مبنی کردار کی متشددانہ تشریح نے عورت کا مقصد حیات بدل دیا ہے۔صنفی امتیاز کی وسعت پر یقین رکھنے والی عورت کا مقصد زندگی میں ایک کامیاب مرد کا حصول ٹھہرتا ہے اور پھر اس مرد کی اولاد کو پیٹ میں رکھنا اور پالنا ہی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ایک کامیاب مرد کے حصول میں وہ اس طرح بے چین و بے قرار ہے گویا کہ وہ عورت کچھ نہ کیے بغیر بھی اس کی کامیابی مین حصہ دار ہوگی۔اور عورت کی زندگی کی تمام کوشش اس مرد کے حصول کے لیے لگی رہتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی عورت صرف ایک کامیاب مرد کے حصول کے لیے تعلیم حاصل کرتی ہے۔ یعنی عورتوں میں تعلیم کا اصل مقصد انسانیت کا شعور نہیں بلکہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب انسان کا حصول ہے۔(ہمارے معاشرے میں شاذ ونادر دیکھا گیا ہے کہ عورت شادی کے بعد بھی تعلیم حاصل کرے اور یہ بھی مثالیں کمیاب ہیں کہ وہ ایک کامیاب مرد کے حصول بعد عیش وعشرت کی زندگی پر انسانی خدمت کو ترجیح دے)

ایک کامیاب مرد عورت کے مقاصد حیات کی تکمیل میں عورت کا بہتر مددگار ہوتا ہے، یا ایک اچھی عورت ایک کامیاب مرد کی معاونت کی بدولت مرد کے عروج میں اپنا بہتر حصہ ڈال سکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ ایک کامیاب مرد ہی عورت کا مقصد حیات بن جائے اور اس کے حصول کے بعد عورت خود بخود ایک کامیاب عورت متصور ہونے لگے۔

اگر عورت قسمت سے ایک کامیاب مرد کے حصول میں ناکام رہتی ہے تو بھی عورت خود کو ناکام متصور نہ کرے کہ مرد کی ناکامی اس کی بیوی کی ناکامی نہیں۔ ہاں عورت اپنے مقصد کے حصول میں ایک معاون امر سے محروم ہوگئی ہے۔اُس عورت پر یہ واضح رہنا چاہیے یہ معاون صورت نہایت اہمیت کی حامل سہی اس کی زندگی کا کل نہیں ہے۔اسی

فکر کی اصلاح قرآن مجید نے مثالوں کے ساتھ بخوبی کی ہے۔سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو دو نبیوں کے ماتحت تھیں لیکن بدکار تھیں۔نبیوں کے اہل سے نسبت ان کے کسی کام نہ آئی اور وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوئیں۔اور پھر فرعون کی بیوی آسیہ کا ذکر ہے۔جو انتہائی برگزیدہ خاتون تھی لیکن اپنی نیکی میں اپنے شوہر کی طرف سے نہ صرف حصہ سے محروم تھی بلکہ شوہر کی انتہائی مخالفت کی شکار بھی تھیں۔(۴)

مختصراً یہ کہ عورت کی انسانی حیثیت پہلے ہے اور صنفی حیثیت بعد میں ہے۔عورتوں کو اپنے مقاصد حیات کا آزادانہ تعین کرنا چاہیے اور اپنے مقاصد حیات کے تعین میں کسی کمزوری اور پس وپیش سے کام نہیں لینا چاہیے پہلے اور بعد کا ماحول مددگار ہو تو کیا ہی بات ہے اور اگر مخالف ہو تو بھی ان کی نیکی مسلمہ ہے۔عورتوں کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور مردوں کو اپنے اعمال کا اچھی عورتیں اچھائی میں اپنے مردوں کی ہمنوا ہوتی ہیں اور بری عورتیں برائی میں اپنے مردوں کی ہمنوا ہوتی ہیں۔اچھی عورتوں کی مدد سے مردوں میں اچھائی فروغ پاتی ہے اور برے مرد کے تعاون سے عورتوں میں برائی فروغ پاتی ہے۔ہم عورتوں کو ان عوامل کو مددگار اور مخالف عوامل کے طور پر لینا ہے مقصد کے طور پر نہیں۔

یہ ضرور ہے کہ بظاہر عورتوں کی زندگی پر مرد کا اثر زیادہ محسوس ہوتا ہے لیکن عورت کا مرد کی زندگی پر اثر بھی ویسے ہی مسلمہ ہے جیسے مرد کا عورت کی زندگی پر۔اور عورت کا اثر زیادہ دوررس اور زیادہ پھیلاؤ پر مبنی ہے اور مرد کا عورت پر اثر فوری محسوس ہونے والا ہے۔حقیقت یہی ہے کہ اللہ اس کا مددگار ہے جو خود اپنا مددگار ہے۔

مردانگی کو افضل رکھنا ہوگا

اسلام میں مرد کی فضیلت نہیں مردانگی کی فضیلت ہے اور یہ کسی بھی صنف کی میراث نہیں۔مرد مردانگی کی علامت ہیں اور عورتیں نسوانیت کی علامت ہیں،عورتوں کا میدان انسان سازی ہے اور مردوں کا میدان انسانیت کی عظمت کا نمونہ بنتا ہے۔عورت انسان سازی کی بدولت انسانی عظمت کا نمونہ بننے سے قاصر رہتی ہے اور اس پر اس کے لیے کوئی طعن نہیں لیکن مرد اگر مردانگی کا نمونہ نہ بنے تو اس کے لیے طعن ہے۔

مرد وزن کے لیے قدرت کائنات نے مختلف میدان ہائے کارزار رکھے ہیں۔عورت کا میدان کار گھر اور تعمیر

(۴) سورۃ التحریم:۶۶/۱۰-۱۱

انسانیت ہے۔ مرد کا میدان کار گھر سے باہر اور معاشرتی ترقی اور تمدنی ارتقاء ہے۔ کائنات کے اسی تخلیقی نقشہ کی گواہی ان کا اپنا جسم بھی دیتا ہے اور ان کے لیے ان کے تقاضوں کے تابع حقوق وفرائض بھی رکھے ہیں۔ دائرہ کار کی خطوط ان کے لیے لازمی حدود نہیں ہیں مرد گھر میں بھی کام کرسکتا ہے اور عورت گھر سے باہر بھی۔ لیکن یہ دونوں کی اہلیتوں کا استعمال غلط ہوگا اور دونوں کئی معاملات میں انتہائی بے کار رہوں گے۔

جس طرح ان میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے کا میدان ممنوعہ علاقہ تو نہیں لیکن مناسب اور ترجیحی میدان نہیں اور یہ ان کی اہلیتوں کے استعمال میں ناانصافی پر مبنی ہے۔ اسی طرح اپنے اپنے میدان میں غلو اور زیادتی بھی غلط ہے۔ مثلاً مرد صرف باہر کام کرے اور گھر کے کام کو عار سمجھے اور انتہائی ضرورت مثلاً زچگی وغیرہ کے باوجود بیوی کی مدد نہ کرے اور اپنی فضیلت پر ڈٹا رہے تو یہ رویہ انتہا پسندانہ اور غلو پر مبنی رویہ کہلائے گا۔ بعینہ اسی طرح اگر عورت جس کا میدان گھر اور تعمیر انسانیت ہے اس میں انتہاپسندانہ رجحان دکھلائے اور انتہائی ضرورت (مثلاً وقت جہاد آجائے۔ دشمن سر کو آجائے) کے باوجود جہاد میں حصہ نہ لے اور گھر بیٹھنے پر ہی اصرار کرے تو یہ رویہ بھی غفلت اور کاہلی اور غیر ذمہ داری پر مبنی ہے۔

مرد اور عورت ایک دوسرے کی تکمیل ہیں ایک دوسرے کی نقل نہیں۔ ہاں ایک کے میدان کار کی وسعت دوسرے کے میدان کار کو محدود کرتی ہے۔ مثلاً جس گھر میں مسلسل زچگی کا تسلسل ہو وہاں مرد کو گھر پر توجہ دینی پڑے گی اور مرد کا میدان معاش وجہاد متاثر ہوگا اور اگر مرد کا میدان معاش وجہاد وسیع ہوتا جائے تو وہ اپنے گھر والوں سے غافل ہوجائے گا اور گھر کے افراد اس کی توجہ سے محروم ہوجائیں گے اور کئی بار اس کے امور کاروبار عورت کی توجہ بھی طلب کریں گے اور عورت کو زنانہ امور کے ساتھ ساتھ مردانہ امور میں بھی شامل ہونا پڑے گا۔

مسلمانوں نے اپنے زوال کے دور میں کئی قسم کی افراط اور تفریط کو جنم دیا ہے۔ مسلمان گھروں کے عموم میں یا اکثریتی رجحان میں عورت کے دائرہ کار کی وسعت زیادہ نظر آرہی ہے اور عورت کے دائرہ کار کی وسعت نے مرد کی صلاحیتوں کو بھی خود میں ہی ضم کرلیا ہے۔ یعنی گھروں میں آبادی میں اضافہ زوروں پر ہے اور اگر سست اور کاہل ہیں تو گھر کی ذمہ داری بمعہ معاشی ذمہ داری سے غافل ہیں اور اگر ذمہ دار اور محنتی ہیں اور گھر پر متوجہ ہیں تو گھر ان کی صلاحیتوں کو خود میں ضم کرگیا ہے یعنی دونوں صورتوں میں وہ معاشی میدان کی تگ ودو کے لیے باقی نہیں بچے۔ جہاد

اور غلبہ کی خواہش ختم ہوتی جا رہی ہے۔ یعنی مرد اگر محنتی اور ذمہ دار ہیں تو صرف گھر ہی ان کی محنتوں کو وصول کر رہا ہے اور اگر کام چور کاہل اور سست ہیں تو پھر قومی المیہ اور سنگین ہو جاتا ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں مردانہ کارکردگی کا میدان متاثر ہے۔ اور زنانہ کارکردگی کا میدان روز افزوں ہے اور اس کی وسعت مرد کے دائرہ کار کو محدود کرنے کا باعث بن رہی ہے۔ جبکہ ترقی یافتہ اقوام میں مردانہ کارکردگی کا میدان معاشرے پر غالب ہے اور نسوانی میدان مغلوب ہے۔ مردانہ کارکردگی کے فروغ سے مردانہ جوہر کھلتے ہیں جو قوموں کو غلبہ عطا کرتے ہیں۔

اس لیے آج ہمارے افراد معاشرہ عورتوں کے لیے بھی مردانہ میدان کارکردگی کو ترجیح دیتے ہیں اور میرے خیال میں درست کرتے ہیں حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عورت کی صلاحیتوں کا یہ میدان نہیں۔ لیکن وہ نسوانی صلاحیتوں کے میدان کو محدود کر کے اس کے جائز مقام پر لانا چاہتے ہیں کیونکہ آج عورت کی نہیں نسوانی امور (انسان سازی) کی حد بندی کی ضرورت ہے اور مرد کی فضیلت نہیں مردانہ میدان کارکردگی کی فضیلت کی ضرورت ہے۔ اور گھر کو گھر کے سربراہ کے تابع کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ گھر مرد کے لیے ہو نہ کہ مرد گھر کے لیے ہو۔ تاکہ مرد قومی اجتماعیت میں ضم ہو کر مردانہ جوہر کو فروغ دیں اور عورتیں مردوں کے تابع ہو کر قومی مفادات میں بالواسطہ شامل ہوں۔ میرے خیال میں یہی مردوں کی فضیلت کا مطلب ہے اور یہی عورتوں کی اتباع ہے۔ بنی اسرائیل کا زوال نسوانیت کی بقاء اور مردانگی کے قتل پر مبنی تھا اور قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی قوم کا ذکر جتنا طویل ہے اتنا کسی قوم کا نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ان کے زوال کی داستان کی ابتداء میں ان کا سب سے پہلا بگاڑ یہی مذکور ہے کہ ان کے دشمن ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے۔[۵]

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے قصے کی طوالت اور ہمارے آج کے حالات کے جائزہ کے بعد بنی اسرائیل اور مسلمان قوم میں مماثلت کے بہت سے پہلو نظر آتے ہیں۔

اس قوم پر بھی نسوانیت اور انفعالیت چھا گئی تھی اور قوم بھی غلام اور مغلوب ہو گئی تھی۔ اس حقیقت سے بھی سب آشنا ہیں کہ جب کسی قوم کو شکست دی جاتی ہے تو اس کے مردوں کو قتل کیا جاتا ہے اور اس کی عورتوں کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔ یعنی مزاحمت کا اصل ڈر مردوں سے ہوتا ہے اور عورت غلامی کے لیے موزوں تر ہوتی ہے۔

---

(۵) سورۃ البقرۃ: ۲/۴۹

﴿تِلْكَ الاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ﴾(٦)

مردوں کے لیے مردانگی سے خالی ہونا ایک تہمت ہے اور ان کے مرد ہونے پر طعن ہے۔اسی طرح عورتوں کے لیے نسوانیت سے قاصر ہونا ایک تہمت ہے اور عورتوں پر طعن ہے۔اور ہمارے معاشرے میں عورت کا بانجھ ہونا بہت بڑا عیب ہے لیکن ہماری آج کی اجتماعی صورتحال میں نسوانی دائرہ کار میں جتنا کام کیا جا چکا ہے ایک عورت یا کچھ عورتوں کا اس میں حصہ نہ ڈالنا قوم کو عیب دار نہیں کرتا لیکن مردانہ میدان کارکردگی قحط اور انحطاط سے گزر رہا ہے وہ جہاں ایک مرد کو مردانگی سے خالی ہونے پر طعنہ دیتا ہے وہاں پوری قوم کے استعماری دور اور زوال میں طوالت کا باعث بھی اور ذاتی نقصان کے ساتھ ساتھ قوم کا اجتماعی المیہ بھی سنگین کرتا ہے۔

آج کا کامیاب مرد وہ ہے جو مردانگی کی عظمت کا شاہکار ہو اور آج کی کامیاب عورت وہ ہے جو مردانہ عظمت کی تکمیل میں مرد کی معاون ہو۔مرد اور عورت دونوں کا حصہ یکساں لیکن نوعیت جداگانہ ہے،مرد کا حصہ بلاواسطہ ہے اور عورت کا حصہ بالواسطہ ہے۔

عورتوں کے لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے

تعلیم انسان کو اشیاء کی حقیقت سے آگاہ کرتی ہے اور ظاہر سے باطن تک لے کر جاتی ہے۔ظاہری مختلف شکلوں کی حقیقت تک رسائی اہل علم ہی رکھتے ہیں۔جاہل ظاہر کے بدلنے سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔حقیقی مقاصد کے تحفظ کی خاطر اصول، ضابطے، قوانین اہل علم مرتب کرتے ہیں جو عوام میں رسم ورواج کی جگہ لیتے ہیں اور روایتی ذہن کو تشکیل دیتے ہیں۔ان روایات کی پیروی عوام کی اکثریت کرتی ہے اور یہ روایات معاشرتی اقدار کی جگہ لیتی جاتی ہیں۔تعلیم انسان کو مقاصد آشنا کرتی ہے۔

اہل علم روایات کے تابع نہیں ہوتے۔مقاصد تک رسائی رکھتے ہیں اور روایات کے رخ موڑتے ہیں۔اہل علم مقاصد کا تحفظ کرتے ہیں اور روایتی طریق کو چھوڑ دیتے ہیں۔جاہل روایات کی اتباع کرتے ہیں اور مقاصد کو چھوڑ دیتے ہیں۔اہل علم لبادہ بدل لیتے ہیں۔جاہل اصل سے محروم ہو جاتے ہیں۔حقیقت یہی ہے ﴿لاَ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾(٧)

---

(٦)سورۃ آل عمران:۳/۱۴۰

(٧)سورۃ الزمر:۳۹/۹

عورتوں کی جہالت نے عورت کو رسوم ورواج اورروایات سے باندھا ہے اور روایات سے بندھ کر عورتیں اپنی حقیقت سے دور ہوگئی ہیں۔ یہ روایتی چلن آج کے دور کے مسئلہ کا حل نہیں ہیں۔اہل علم روایات کو جب بدلیں گے تو ان کو ان کی اصل کو لوٹائیں گے اور جاہل ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

روایات کی تشکیل اور ان کو ان کی اصل کو لوٹانا اجتہادی اہلیت کا تقاضا کرتا ہے جو اہل علم کا کام ہے۔روایات کی اتباع اور پیروی تقلید ہے جو ناواقف کا کام ہے۔عورت روایات کے بندھن میں اپنے آپ کو قید تصور کرتی ہے اور روایات کی تشکیل میں آزاد محسوس کرتی ہے۔(اگر وہ تشکیل کی اہلیت رکھے تو آزادی کی اہل بھی ہے)

طبقہ حقوق نسواں کے مسلم معاشرہ کی خواتین کے حقوق پر جتنے اعتراضات ہیں ان کی وجہ مسلمان معاشروں کی جہالت اور پسماندگی ہے اور مذہبی طبقے کو طبقہ حقوق نسواں کی فکر پر جو جو اعتراضات ہیں ان کی وجہ اس طبقہ کی دینی علم سے جہالت اور گمراہی ہے۔مزید برآں دنیاوی مسائل پر دسترس کی بدولت اپنے احساس برتری اور دنیاوی بہتری کے نتیجے میں پیدا ہونے والا فاخرانہ رویہ ہے۔یہاں بھی وجہ تعلیم کی کمی ہے وہاں بھی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔یہاں جہالت + احساس برتری ہے تو وہاں جہالت + پسماندگی اور مفلوک الحالی ہے۔مذہبی طبقہ میں جہالت کی بنا پر دین میں غلو ہے تو طبقہ نسواں میں جہالت کی بنا پر وحی الٰہی کی بالاتری اور علماء کرام کا انکار ہے۔

جہالت تاریکی،علم روشنی ہے، جہالت بوجھ ہے،علم صفائی ہے۔ جہالت اجڈ پن ہے علم تہذیب ہے۔اللہ مومنوں کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انکار کرنے والوں کا دوست شیطان ہے وہ انہیں روشنی سے تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔(۸)

مسلمان معاشرے کی خواتین کا عموم علم سے دور ہے۔فکر اور غور سے عاری ہے۔دنیا کے عروج کا خواہشمند ہے۔دین کی ضرورت سے بے نیاز ہے۔ایسے میں طبقہ نسواں کا عورتوں کے باب میں اجتہاد کا تقاضا ان کی خواہشات میں رنگ آمیزی کا حامل محسوس ہوتا ہے اور مذہبی طبقہ ان عورتوں کے نزدیک ان کی خواہشات کی تکمیل میں بے جا رکاوٹ ہے ایسے میں اسلام کا حل عقل والوں کے لیے اجتہاد سے راہنمائی ہے اور عموم کے لیے تقلید کی بدولت اپنی اقدار اور شعار کی حفاظت ہے۔

---

(۸) سورۃ البقرۃ:۲/۲۵۷

عورتوں کو اسلامی تعلیمات سے بلا واسطہ ہدایت لینی چاہیے۔عورتوں کو قرآن مجید اور احادیث نبوی کا خود مطالعہ کرنا چاہیے۔عورتوں کو خصوصا سورۃ البقرۃ، النساء، النور،الاحزاب کو ضرور بالضرور خود پڑھنا چاہیے۔اور قرآنی احکامات سے اپنے کردار اور سیرت کو مزین کرنا چاہیے۔

اسلامی تعلیمات کے بارے میں نسوانی تعصب اور حقوق نسواں کی تعبیر نو کا فتنہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔پاکستانی معاشرے میں بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کے جائزے کے بعد صبیحہ حفیظ پاکستان عورت کو نصیحت کرتی ہیں کہ کہ اپنے آپ کو آزاد کروانے کے لیے اپنے زاویہ نگاہ کو بدلے۔"عورتوں کے خدا نے عورتوں کے حقوق محفوظ کیے ہیں اور قرآن مجید میں ان کا ذکر بخوبی موجود ہے۔پھر پاکستانی عورت مرد سے اپنے حقوق کیوں طلب کر تی ہے یہ حقوق اسے خدا کے قانون نے دیئے ہیں مردوں نے نہیں۔مردوں سے حقوق کا طلب کرنا ہی مرد کو سربراہ یا خدائی فوجدار تسلیم کرنا ہے اور ہمارا یہ رویہ ہی ہماری کمزوری لاعلمی اور مردوں پر انحصار کی نشاندہی کرتا ہے۔کیا قرآن کے مخاطبین میں عورت شامل نہیں۔"(۹)

جب عورت قرآن کے مخاطبین میں شامل ہے تو وہ اس پیغام کو بلا واسطہ کیوں نہیں لیتی اور مردانہ تفسیروں سے ہی ہدایت لینے پر کیوں مصر ہے۔

آزادی عورت کا حق ہے اور عورت پر جبر اور تشدد کا خاتمہ ضروری ہے۔عورتیں جس کو بھی قرآن کی تفسیر کا حق دیں گی تفسیر کی ذمہ داری لینے والا لازما اسے اپنے ذاتی زاویے سے لے گا۔ایسے میں عورتوں کا یہ اصرار کہ تفسیر مردوں کی ہو اور زاویہ نگاہ زنانہ ہو۔حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔آزادی نسواں کے لیے عورت کی اپنے حقوق وفرائض سے واقفیت انتہا کی ضروری ہے تا کہ معاشرتی افراط وتفریط کا شکار نہ ہو اور اسلام ہی درحقیقت وہ ہدایت ہے جو عورت کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

پردہ عورت کی ترقی میں رکاوٹ نہیں

پردے کے احکامات کی اتباع میں عورت کو اکیلا چھوڑ دینا اور معاشرتی اجتماعیت کا اس کو پردے کی رعایت کا نہ دینا اس کو نسوانی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ایسے میں اصلاح طلب ذات معاشرے کی ہے نہ کہ عورت کی۔کچھ احکامات انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں کچھ احکامات کی اتباع اجتماعیت کی ہمنوائی کا تقاضا کرتی ہے۔پردے کی

(۹) ***"The Changing Pakistani Society"***, by Sabeeha Hafeez, Royal Book Companny, Rehman Centre, Zaibunnisa Street Sadar, Karachi-3, Published in 1991, p.327

نوعیت اسی قسم کی ہے۔عورت کو پردے کی رعایت نہ دینے کے رویے نے عورت پر ترقی کے در بند کیے ہیں۔عورت میں نسوانی امر کے متقاضی امتیازی حقوق کے مطالبے کو نہ ماننا عورت کو حقوق سے محروم کرنا ہے۔

عورت کا ہمہ وقت اپنی امتیازی حیثیت کو اپنے سامنے رکھنا اس کو محفوظ کرتا ہے اور اسکی ترقی کو مخدوش کرتا ہے عورت کا اپنی امتیازی حیثیت سے غافل ہونا اس کی ترقی کا مددگار لیکن اس کی حرمت کے لیے خطرہ ہے۔عورت کو محفوظ راستہ دینا اس معاشرے کی ذمہ داری ہے جس کے دل میں نسوانیت کا احترام اور اللہ کا ڈر ہے۔اگر عورت کی ترقی مقصود ہے تو عورت کی تعلیم کے لیے مردوں کے اختلاط سے محفوظ نسوانی ادارے کھول کر ان کو عام رواج دیا جائے اور عورت کی سفری مشکلات کو دور کرنے میں عورت کی مدد کی جائے پھر ترقی کا رنگ ملاحظہ کیا جائے۔

پردہ عورت کی ترقی رکاوٹ نہیں بلکہ عورت کی ترقی کا ضامن ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ پردے کے احکامات کی روح سمجھی جائے پردہ عورت میں صنفیت کی حد بندی کے لیے ہے نہ کہ صنفیت کے فروغ کے لیے، یعنی ترقی کی راہ میں نسوانی حسن و زیبائش کا بطور سفارش استعمال بھی جہالت ہے اور پردے کے احکامات کو عورتوں پر مسلط کر کے انفعالیت کا فروغ بھی جہالت ہے۔ہمارے غلط رویے ہمیں احکامات کے فائدوں سے دور اور معاشرتی نقصانات سے قریب کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔

قوموں کے ارتقا اور تمدن میں یہ بات یکساں رہی ہے کہ جب بھی کسی میدان میں ترقی ہوتی ہے۔وہ بقیہ میدانوں کی ترقی کو ساتھ لے کر چلتی ہے۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم کی تعلیمی حالت تو بہت بہتر ہو لیکن انتظامی حالت انتہا درجے کی خراب ہو۔کسی قوم میں نیکی اور اللہ کا ڈر تو بہت ہو لیکن وہ دینی تعلیمات سے غافل ہو۔اسی طرح عورت کی ترقی اور تحفظ کے معاملے کو دیگر معاملوں سے جدا کر کے نہیں چلایا جا سکتا۔اگر ہم ایک اسلامی معاشرت کی تشکیل میں کامیاب ہو جائیں تو عورت کو بھی اس کا صحیح مقام واحترام میسر آ جائے گا۔

”علوم کے بارے میں بنیادی تصور یہ ہے کہ کسی بھی ماحول میں کسی ایک مخصوص علم کا الگ سے ترقی پا لینا ممکن نہیں جب تک دیگر سب میدانوں میں علوم کی پیش رفت اس کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو۔یہ اصول علوم عقلیہ اور نقلیہ سب کے لیے اساسی ہے۔یہ ماضی میں بھی کارفرما تھا اور حال میں امر واقع کی حیثیت رکھتا ہے۔“(۱۰)

(۱۰)ریاضیات کی تاریخ میں مسلمان اور عرب علماء کا مقام از فواد سیزگن، ڈاکٹر، ترجمہ، خورشید رضوی، ڈاکٹر، فکر ونظر (سہ ماہی) جنوری ۱۹۹۴ء، ج/۳۱، ش/۳، ص/۵۳

اسی طرح جب کوئی قوم زوال پذیر ہوتی ہے اس کا زوال کسی ایک میدان میں نہیں بلکہ ہمہ جہتی ہوتا ہے اور کسی ایک مسئلہ کی وجوہات ہمہ گیر نوعیت کی ہوتی ہیں۔اکثر مسئلے کی وجوہات کا تعین کرتے ہوئے ہر گروہ دوسرے کو الزام دیتا ہے۔حالانکہ وہ سب اس میں ملوث ہوتے ہیں۔یہی نوعیت ہمارے معاشرتی مسائل کی بھی ہے۔اسلامی معاشرے میں عورت کی ترقی کا مسئلہ دیگر ترقیوں کے ساتھ مربوط ہے۔جب اسلامی معاشرہ معاشی طور پر، اخلاقی طور پر، عملی طور پر، سیاسی طور پر مضبوط ہوگا تو خاندان بھی مضبوط ہوگا اور عورت کو بھی اس کا جائز مقام ملے گا۔

دونوں طبقوں (عورت کی ترقی یا پروگریسو تھاٹ اور عورت کی حفاظت یا مذہبی فکر) کا ایک دوسرے کو طعن کرنا در حقیقت معاشرے میں موجود برائی کا الزام دوسرے کو دینا ہے اور خود کو بری الذمہ قرار دینا ہے۔حالانکہ مقصود الزام دینا نہیں ہونا چاہیے مقصود اصلاح ہونی چاہیے اور جو اصلاح کی راہ میں مخلص ہو کر چلے وہ فکر مخالف کے مثبت پہلوؤں کو راہ دے گا اور حقیقی کامیابیوں سے سرفراز ہوگا۔

غلامی کی نفسیات کی اصلاح، فعالیت کا فروغ اور فقہ جدید کی ضرورت

جب معاشرے کے تمام عناصر اپنی اپنی جگہ ٹھیک کام کر رہے ہوں تو قوانین انتہائی مؤثر ثابت ہوتے ہیں اور قوانین لوگوں کے لیے راہیں آسان کرتے ہیں۔زندگی کو محفوظ کرتے ہیں، جب افراد معاشرہ بے راہ روی، کاہلی، سستی کو اپنا لیں اور اپنے مقاصد کو بھول جائیں تو قوانین ان کے لیے تلخ حقیقت ثابت ہوتے ہیں جن سے افراد فرار کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔

مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب معاشرہ کا اہم حصہ ہوتے ہیں، لیکن معاشرے کے تمدن کو کھینچنے والا مرد ہوتا ہے۔عورت بچے بوڑھے مرد کے پیچھے اور تابع کی حیثیت رکھتے ہیں۔مرد معاشرے کا سب سے فعال عنصر ہے۔عورت بوڑھے بچے اس کے اہل خانہ شمار ہوتے ہیں اور اس کی ذات کا حصہ ہوتے ہیں۔مرد گھر کا سربراہ ہے اور ذمہ دار ہے جس گھر کا مرد بیمار ہو جائے تو اس گھر کا توازن بگڑنے لگتا ہے۔اور گھر کو گھر کے سربراہ کا بیمار اور اپاہج ہونا جتنا نقصان پہنچاتا ہے اتنا نقصان کسی دوسرے فرد کی نااہلی سے نہیں ہوتا۔

مسلمان معاشرے نے اپنے انحطاط کے دور میں بیمار مردوں کا نقشہ پیش کیا ہے یہ مرد تو ہیں لیکن مردانگی سے عاری ہیں۔فعالیت سے دور ہیں، احساس ذمہ داری سے بے زار ہیں۔گھر کے نگران اور سربراہ تو ہیں محافظ نہیں، قوام

تو ہیں قوامیت کی اہلیت نہیں ہے۔

جس دور میں مسلمانوں نے مرد وزن کے آداب زندگی اور عائلی فقہ کے دفاتر مرتب کیے وہ دور مسلمانوں کے عروج کا دور ہے۔ مسلمان مرد دنیا کے فاتح اور قائد تھے۔ قوموں کی فتح درحقیقت ہمت مرداں کی بدولت ہوتی ہے نہ کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی بدولت، یہ اس فتح کا بالواسطہ حصہ تو ہوتے ہیں بلا واسطہ نہیں۔ وہ دور مسلمانوں کی سر بلندی اور بادشاہت کا دور ہے۔ ملوکین کی نفسیات اور ہوتی ہیں اس دور کے مرتب ہونے والے عائلی زندگی کے آداب حالات کے بدلنے کے بعد ناانصافی کی حکایت محسوس ہوتے ہیں۔

آج کا دور مسلمانوں کی غلامی کا دور ہے۔ غلاموں کی نفسیات اور ہوتی ہیں غلام اور پست ہمت مفتوحین اپنی شکست کا الزام ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ مردوں نے اپنی یاسیت اور بربادی کے بعد اپنا دل بہلانے کے لیے عورت کی گود میں پناہ ڈھونڈی تو عورت نے مرد پر ملامت کی بھر مار کر دی اور مردوں کو چوڑیاں پہن لینے کے طعنے دیے (چوڑیاں پہننا ایک محاورہ ہے جس میں مردوں کی کمزوری اور نسوانیت کی طرف اشارہ ہے) مفتوح گھرانے کی عورت مردوں کو لعن طعن کرنے کے بعد خود لعن طعن کی نشانہ بننے لگی۔ گھر جو عورت کی محفوظ جگہ تھا عورت کے لیے غیر محفوظ اور قید خانہ بن گیا۔ مرد کے جس قہر کو دشمن پر ٹوٹنا تھا وہ عورت پر ٹوٹنے لگا۔ گھر سکون کی بجائے اکھاڑہ بن گئے۔ عورت محبت کی گود بننے کی بجائے مقابلے پر اتر آئی اور حقوق نسواں کی تنظیموں نے جنم لیا۔

اب عورتوں نے گھروں سے باہر مردوں سے دور عورتوں سے سر جوڑا اور مردوں کے خلاف محاذ کھول لیا۔ عورتوں کی انجمنیں بنیں اور گھر شکست وریخت سے گزرنے لگا۔ ایسے میں معاشرے میں دیگر عناصر بھی شکست وریخت میں اپنا حصہ ڈالنے لگے۔

بیرون خانہ صنعتی ترقی معاشی جدوجہد کو ہموار کر چکی تھی کہ جس کے لیے مردانگی کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ مردانگی کے جو نئے تقاضے ابھرے غلام ان تقاضوں سے نابلد ہی رہے۔ غلام مفتوحین نے دنیا پر غلبہ کی خواہش کو چھوڑا اور دنیا کے ذائقوں میں مگن ہونے لگے۔ صنعتی ترقی نے ان ذائقوں کو ان کے لیے اور بھی لذیذ کر دیا۔ دنیا کی لذتیں اور عیش وعشرت کی راہیں کھلنے لگیں اور مفتوح اقوام غم و غصے کے جذبات کو عیش ومستی کے جذبات سے بدلنے لگے۔ فطری خواہشات منہ زور ہونے لگیں اور غیر ذمہ دارانہ رویے پروان چڑھنے لگے اور معاشرے میں نفسا

نفسی عام ہونے لگی۔ صنعتی ترقی اور سہولتوں کی بہتات کی بدولت مرد کا معاش آسان بھی تھا اور محدود بھی تھا اور فقط اس کی اپنی ذات کے تقاضوں پر محیط تھا۔ گھر بار کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے ناکافی تھا۔ عورت چونکہ بچوں کے ساتھ بلاواسطہ متعلق بھی ہوتی ہے اور اس کی اولاد سے محبت بھی مرد کی نسبت شدید تر ہے۔ جب عورت کے سر سے تحفظ کی چھت جدا ہوگئی اور اس کا شوہر فقط ایک بھنورا بن کر رہ گیا تو عورت کو بھی معاش کے میدان میں کودنا پڑا۔

معاشی جدوجہد میں عورت کی محنت نے عورتوں پر ذمہ داریوں میں اضافہ کیا اور مردوں میں غیر ذمہ دار رویوں کو فروغ دیا۔ مرد کی فطری خواہشات جنونی ہونے لگیں۔ خواہشات کا توزن بدلا۔ عورتوں میں اولاد کی خواہش کالعدم ہو گئی۔ مردوں میں عورتوں پر تفوق کی خواہش معدوم ہوگئی۔

غلام قوموں نے اپنی فطری خواہشات کا رخ بدلا اور فطری خواہشات کے عنوان بدلنے لگے۔ جہاں خوراک، جنس، لذت، سہولت فطری خواہشات ہیں وہاں جذبہ مسابقت اور تفوق کی خواہش بھی فطری ہے۔ غلام قوموں نے مسابقت اور تفوق کی خواہش کو خوراک، جنس اور لذت کی خواہشات سے دبا لیا اور اپنا دل غلامی پر راضی کر لیا۔ اب اولادوں کی نمو جذبہ جہاد اور غلبہ کی خواہش کے تحت نہ رہی بلکہ سہولت کی فطری خواہش کے تابع ہوگئی۔ سہولت کے داعیے کی بدولت اولادوں کی پیدائش پر پابندیاں لگنی شروع ہوگئیں۔

جذبہ جہاد اور شوق غلبہ اور تفوق کی خواہش زندگی کی حرارت غریزی ہے جس کا عدم معاشرے سے زندگی کو معدوم کرتا ہے اور معاشرے کو جامد کر دیتا ہے۔ غلام قوموں میں جو مسابقت کی روح باقی رہی وہ دنیا کی لذائذ اور سہولتوں کے حصول کی مسابقت تھی جب کہ جہاد ان لذتوں اور سہولتوں کی موت ہے۔

زندگی مصائب اور مشکلات کا نام ہے تا دم زندگی انسان مصائب اور مشکلات سے بچ نہیں سکتا۔ انسان کو سکون تو صرف موت کے بعد نصیب ہوگا جو انسان جذبہ جہاد اور غالب ہونے کی کوششوں کی راہ میں ہونے والی مشقتوں سے بچا وہ دنیا میں جبر اور تشدد سہہ لینے والی مشقتوں میں پھنسا۔ یعنی مشقتوں سے مفر انسان کا نصیب نہیں جو قوم حرارت جہاد ختم کر دیتی ہے وہ قوم ذلیل وخوار ہو جاتی ہے۔ مشقت اب بھی انسان کے نصیب میں آئی لیکن اس کی نوعیت پہلے والی مشقت سے بالکل جداگانہ تھی۔ یہ مشقت سہہ لینے کی مشقت تھی۔ یہ مشقت مار کھا کر چپ رہنا اور آہ نہ کرنا کی مشقت تھی۔

مشقت اور انسان لازم وملزوم ہیں۔انسان محنت ومشقت کے لیے پیدا گیا ہے۔یہ انسان کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کس مشقت کو اپنے لیے منتخب کرے۔جو لوگ زندگی میں آگے بڑھ جانے کی مشقت کو اپناتے ہیں وہ پیچھے رہ جانے کے الم وتکلیف کی مشقت سے محفوظ رہتے ہیں۔یہ اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلے والی مشقت فعال نوعیت کی ہے اور دوسری مشقت انفعالی نوعیت کی ہے۔یہ مشقت Active ہے اور دوسری مشقت Passive ہے۔یہ مشقت حالات کو قابو کرنے کی ہے وہ مشقت حالات کو گذر جانے دینے کی ہے۔اور زمانے کے بدلنے کے انتظار میں تکلیف سہہ لینے کی ہے۔غلام قوموں نے دوسری قسم کی مشقت کو اپنا لیا اور یہی غلامی کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔غلام قوموں کے مرد وزن نے انفعالی رویوں کو فروغ دیا اور معاشرے پر نسوانیت چھا گئی۔معاشرے میں مردانگی جو فعالیت سے عبارت ہے مفقود ہونے لگی۔مردوں نے چوڑیاں پہن لیں اور گھر اور جنس مقصد حیات بنے۔

ہر قوم میں عمومی یکسانیت کے علاوہ کچھ مختلف عناصر ہوتے ہیں۔غلامی کی نفسیات پر مبنی قوم کے افراد میں سے جو فعال عنصر تھے وہ پہلے تو قوم کو گھسیٹنے لگے اور جب انہوں نے بوجھ کی زیادتی کے باعث اپنی کارکردگی کو بے کار جانا وہ قوم سے دور ہٹنے لگے اور غلام قوم کے قیمتی افراد قوم سے روٹھ کر جانے لگے اور اپنی فعالیت سے دوسرے معاشروں کو جگمگانے لگے۔

غلامی کی نفسیات پر مبنی قوم کی جن عورتوں نے فعالیت کا اظہار کیا وہ اپنے مردوں سے بے زار ہونے لگیں۔اور گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھنے لگیں۔کچھ گھروں کو گھسیٹنے لگیں اور کچھ روٹھ کر حقوق نسواں کی تحریکیں چلانے لگیں۔فعالیت اور مردانگی کے فقدان کے دور میں عورتیں بھی فعالیت کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی فعالیت سے حقوق نسواں کی تحریکیں روٹھی ہوئی عورتوں نے چلائیں اور مردوں پر غصہ اس کی بنیاد ہے۔

تحریک حقوق نسواں کے ناقدین نے انہیں مرد بننے کی کوشش کرنے کا طعنہ دیا اور محض نسوانیت کے فطری کردار پر اطمینان دلانا چاہا۔اور مذہب کو بھی اپنا ہمنوا بنایا اور عورت کو مرد کی فضیلت اور برتری کے اسلامی احکامات بھی سنائے لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔

تحریک نسواں سے وابستہ عورتوں کا یہ کہنا تھا کہ جب عورتیں مردوں کے برابر معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیں اور مزید برآں اولادوں کو بھی جنم دیں جس تکلیف سے مرد فطرتاً آزاد ہیں تو عورتیں افضل ہیں نا کہ مرد۔اولاد کی خدمت

بھی عورت فطرت کے داعیے کی بدولت مرد سے زیادہ کرتی ہے۔ اور اولادوں کو جنم دینا تو ویسے ہی فطرت نے ان کے حصے میں رکھا ہے تو ایسے میں فضیلت کے دعوے اور فعال عورتوں پر حکومت کی خواہش محض انفعالی رویوں کا اظہار ہے اور بے بنیاد ہے۔ان عورتوں نے مردوں سے نفرت کے رویے کا اظہار کیا اور مرد کی مردانگی باغی عورت کو قابو کرنے لگی۔

جو مرد مردانگی سے عاری ہوتے ہیں وہی عورتوں کو اپنا حریف بناتے ہیں۔جن مردوں کے ہتھیاروں کا رخ دشمنوں کی طرف نہیں ہوتا ان کے ہتھیار عورتوں پر استعمال ہوتے ہیں۔مردانگی کے فقدان کی بدولت مردوں نے اپنے ہتھیاروں کا رخ عورتوں کی طرف کیا اور ایسے میں انہیں اسلامی تاریخ کے عروج کے دور میں ترتیب دیا گیا اسلامی عائلی فقہی ذہن ایک کارآمد ہتھیار محسوس ہوا اور عورتوں کے خلاف برسنے لگا۔عائلی زندگی سے وابستہ وہ فقہ جو عروج کے دور میں عائلی مسائل کا حل تھی وہ فقہ غلام قوموں کے لیے عورتوں کے خلاف استعمال ہونے والا ہتھیار بن گئی اور نا اہل مردوں کے انفعالی رویوں پر مزید دلیل بن گئی۔عورتوں نے مردوں کے پیش کردہ عائلی مذہب کو اپنا دشمن جانا اور مذہب مخالفت حقوق نسواں کی تحریک کا خاصہ بن گئی اور فقہ جدید کی ضرورت وقت کا تقاضا بن گئی۔

مذہب نے عورتوں کے امتیازی حقوق کا دفاع کیا ہے اور اس کو نسوانیت کی رعایتیں دی ہیں اور اس کے لیے آسانی کی راہیں کھولی ہیں۔اسے مردانہ میدان کی مشقتوں سے بچایا ہے،لیکن اسلام نے مردانگی اور فعالیت کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔عورتوں کے ضمن میں انفعالیت کی رعایت رکھی ہے کہ عورت کے کام کی نوعیت انسان سازی میں فعال کردار ادا کرنے کے بعد معاشرتی امور میں انفعالیت کا مظہر ہوتی ہے اور عورت کو اس کی رعایت نہ دینا عورت کے حقوق کی نفی ہے،لیکن اس سے یہ مراد لینا کہ اسلام عورتوں میں انفعالیت چاہتا تو یہ زیادتی ہے۔مرد وزن کا فعال کردار قوموں کی عظمت ہے۔دونوں کے لیے فعالیت کا میدان مرد وزن مل کر اپنی حکمت سے ترتیب دیتے ہیں۔

قرآن مجید کے جتنے احکامات عورت کے اسلوب حیات سے وابستہ ہیں وہ عورت کے حقوق کا مظہر ہیں،لیکن ہماری اسلام کے عروج کے دور میں مرتب ہونے والی فقہ نے عورت کے لیے فعالیت کا میدان جو ترتیب دیا وہ انسان

سازی کا تھا جو عورت کا ہی نسوانی امتیاز ہے۔لیکن آج کی فقہ جدید جس چیز کا تقاضا کر رہی وہ اس سے جدا ہے۔

آج غلام قوموں میں آبادی کے فروغ اور بے ہنگم ہونے کا احساس بڑھ چکا ہے۔آج آبادی کی ترتیب اور منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی جا رہی اور ناکارہ آبادی کو اہل افراد میں بدلنے کی کوششیں وقت کی شدید ضرورتیں بن کر ابھری ہیں تا کہ آبادی بوجھ بننے کی بجائے بوجھ اٹھانے کی اہلیت پیدا کرے تا کہ انفعالیت کی بجائے فعالیت فروغ پائے،لیکن غلامی کی نفسیات اس سے جدا ہیں۔جن قوموں میں مردانہ شعبوں میں فعالیت کا عنصر بہتر ہے وہاں آبادی کا امر مستحسن ہے اس لیے آج ملت اسلامیہ کے افراد معاشرہ اور عورت کے لیے وہ حقوق نہیں چاہتے جو اس کے امتیاز (انسان سازی کا خاصہ) کو مضبوط کریں اور عورت میں انفعالیت کا باعث ہوں۔جہاں عورت بھی افراد کو معاشرہ کے لیے بوجھ بنے۔افراد معاشرہ عورت سے فعالیت کا وہ میدان چاہتے ہیں جو عورت کو مردانہ میدانوں میں لائے اور عورت مردوں کی معاون ہو تا کہ مردانگی فروغ پائے اس لیے تحریک حقوق نسواں سے وابستہ ذہن عورتوں کے امتیاز کی نفی پر مبنی ہے اور مساوات مرد و زن کا علمبردار ہے۔اس حقیقت سے وہ بھی بخوبی آگاہ ہے کہ عورت اور مرد مساوی نہیں (اگر ان کی بات کو صرف مساوات مرد و زن پر مبنی لیا گیا تو یہ متعصّبانہ ناانصافی ہوگی،لیکن معاشرے میں مردانگی کا فروغ اور معاشرے میں مردانہ دائرہ کار میں عورت کی فعالیت وقت کی ضرورت ہے،لیکن یہ عورت کے ساتھ ناانصافی پر مبنی نہیں ہونی چاہیے،کیونکہ عورت کی امتیازی حیثیت کی نفی کے بعد بھی عورت مرد کے مساوی نہیں ہوتی اور عورت کی امتیازی حیثیت کی نفی مطلوب بھی نہیں اسے محدود کرنا وقت کی طلب بن گیا ہے۔

صنعتی ترقی کے بعد گھریلو امور نے بھی صنعت کا درجہ لے لیا ہے۔گھر کی سہولیات بھی مردانہ دائرہ کار کی کارکردگی کا شاہکار ہیں۔ایسے میں عورت کا مردانہ سیکٹر میں شامل نہ ہونا اور اپنے صنفی فرق پر مبنی امتیازی کردار پر اصرار کرنا معاشرے کے مسائل میں اضافہ کا باعث ہوگا اور فی الوقت ایسا اصرار ہمارے استعماری دور کی طوالت کا موجب ہوگا۔

ہمیں اپنی قوم میں فعالیت کا جذبہ زندہ کرنا ہے اور دنیا میں غلبہ کی خواہش کو فروغ دینا ہے۔جس میں اسلامی تعلیمات ہماری انتہائی معاون ہوں گی۔اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لیے آیا مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔ہمیں اسلامی تعلیمات کو اس طور پر لینا ہوگا کہ وہ ہمارے جذبہ مسابقت اور جذبہ تفوق اور ترقی کی خواہش کو انگیز کرے اور قومی مقاصد کو فرد کے ذاتی مقاصد پر بالاتر کرے۔

جدید مسلمان خواتین نے اولاد کو اس لیے جنم نہیں دینا کہ اولاد گھر کے گلستان کو رنگین کر دیں۔انہیں اولادوں کو اس لیے جنم دینا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی دنیا میں ترقی اور غلبہ کا باعث ہوں۔انہیں اپنے مقاصد کا تعین کرنا ہے اور اپنے منتخب کردہ مقاصد کی راہ میں آنے والی مشقتوں پر قابو پانا ہے اور سہہ لینے والے ہنر اور برداشت کر لینے والے انفعالی رویوں کا رد کرنا ہے اور اپنی قوم کو مثبت راہوں پر لے کر آگے بڑھنا ہے آگے بڑھنے والی مشقت ہماری ترجیح رہنی چاہیے۔برداشت کرنے والی مشقت خود ہی مرجوح اور مغلوب ہو جائے گی۔

لذتوں سہولتوں اور آسائشوں کی فطری خواہشات کو ہم نے دبانا ہے۔ہم دنیا میں عیش کی غرض سے نہیں آئے،لیکن مقاصد کی راہوں کو سہل کرنا ہے اور آسائشوں سے مثبت فائدے لینے ہیں۔ہمیں فیملی پلاننگ اس لیے نہیں چاہیے کہ ہم دنیا میں آسائش کی زندگی بسر کر سکیں اور لطف ومزے کو دوبالا کر سکیں۔ہمیں اپنی آسائش اور سہولتوں کو مقاصد سے ہمنوا کرنا ہے اور خود کو جذبہ خدمت سے سرشار کرنا ہے۔ہمیں پردہ کو اس لیے نہیں اپنانا کہ اس کی بدولت ہم دنیا میں فعالی کردار ادا کرنے سے حیلہ بہانہ کر کے بچ جائیں ہمیں پردہ کو اس لیے اپنانا ہے تا کہ معاشرے کے فعال کردار میں اپنی حفاظت سے بے خبر نہ ہوں تا کہ ترقی کا عمل متاثر نہ ہو۔کسی بھی مشینری کے پرزوں کی صحیح حفاظت ہی مشین کی اچھی کارکردگی کی دلیل ہوتی ہے۔اگر پرزوں کی حفاظت نہ کی جائے تو پرزوں کو وہ زنگ لگتا ہے جو مشین کی کارکردگی کو جامد کر دیتا ہے۔ہمیں پردے کو قوت حرکت درست کرنے کے لیے اپنانا ہے نا کہ قوت حرکت کو جامد کرنے کے لیے۔عورت کا پردے سے باہر آ جانا مرد کی ترقی کو بھی مفلوج کرتا ہے اور عورت کو بھی غیر محفوظ کرتا ہے۔جنسی خواہش پرستی کو فروغ دیتا ہے اور مقاصد پسندی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

غلامی کی نفسیات مثبت چیزوں سے بھی منفی اثر لیتی ہے اور کامیاب افراد منفی چیزوں سے بھی مثبت رنگ کشید کر کے انہیں بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔غلامی کی نفسیات کی بدولت ہی ہماری قوم کے مخلص افراد بھی مغرب سے آنے والے تحفوں کو اپنے لیے خوش آئند سمجھتے ہیں جب کہ عورتوں کے حقوق کا تحفظ جو اسلام نے کیا ہے وہ کسی بھی مذہب اور قوم میں ناپید ہے۔

کسی بھی حلال چیز کے منفی اور مثبت استعمال کو اہل علم ودانش مقاصد الشریعہ سے ہم آہنگ کرتے ہیں ایسے میں حکمت تشریع کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔آپ شہد کی مثال لے لیں شہد کو قرآن مجید نے شفاء کہا ہے۔شہد کی خصوصیات سے

ناواقف انسان شہد کے استعمال سے اپنی بیماری کو بڑھا لیتا ہے اور اس مریض کو شہد اپنے تجرباتی فوائد سے محروم کر دیتا ہے۔(۱۱)

اب غلامی کی نفسیات تو یہ کہتی ہے کہ شہد میں شفا نہیں اور جس نے شہد کو شفا کہا وہ جھوٹا ہے اور یہ بھی غلامی کی ہی نفسیات ہے کہ اپنی غلطیوں کا الزام دوسروں کو دیا جائے۔یہی حال آج کے مسلمانوں کا بھی ہے جسے قرآنی احکامات جھوٹ پر مبنی اور ملا کی بے عقلی کی دلیل محسوس ہوتے ہیں۔درحقیقت مسلمانوں کی غلامی قرآن سے دوری کی بدولت ہے نہ کہ قرآن پر عمل کرنے کی بدولت۔

مسلمانوں کو اپنا طرزِ استدلال بدلنا ہوگا

مفسر کی یہ کوشش رہنی چاہیے کہ اس کی تفسیر ممکن حد تک حال کے مسائل کا جواب ہو، کیونکہ مذہب کی تشریحات جو آج تک اپنے مسائل کا جواب دیتی آئی ہیں اب مسلمانوں کے مسائل کی نوعیت بدلنے کی بنا پر وہ مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس لکھتے ہیں:

''ایک نقطہ ایسا ہے جس میں مسلمان آج کے یورپی شخص سے بنیادی اختلاف رکھتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان کی ذہنیت قرون وسطی کے مخصوص دینیائی ماحصل میں محدود ہو کر رہ گئی ہے اس معاملہ میں قرون وسطی کے عیسائیوں کی بھی من عن یہی کیفیت تھی۔اس میں قرون وسطی کا مسلمان اور آج کا مسلمان ایک ہی ہے،لیکن قرون وسطی کا عیسائی اور آج کا عیسائی نہایت مختلف ہے۔(۱۲)

ان کا کہنا ہے کہ:

''آج کی یورپی جدید ذہنیت مسیحی عقائد کی تشریح وتفسیر قرون وسطی سے بالکل مختلف طریقے سے کرتی ہے اور نقطہ نظر کی اسی تبدیلی سے علوم وفنون کے ہر شعبے میں مسیحی یورپ نے اس قدر ترقی کی ہے۔چنانچہ کرہ ارض کے گم نام ترین حصوں تک میں یورپ والوں کی فتوحات نے ان کے دماغوں کو مالا مال کر کے انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ترقی دے سکیں۔''(۱۳)

آج کے مسلمان کا اسلام کے ساتھ تعلق محض جذباتی تسکین کا ہے وہ اسلام کو اپنے مسائل کے حل کے لیے

(۱۱) فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، مترجم، قاسمی، عتیق احمد، مولانا، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، اپریل ۱۹۷۷ء، ص/۶۹

(۱۲) مسلمان اقوام کے زوال کے اسباب از عبدالکریم جرمانوس، ڈاکٹر، مترجم، محمد سرور، پروفیسر، ص/۸۵ (۱۳) ایضا، ص/۸۹

استعمال نہیں کرتا۔اس لیے وہ اسلام سے ہدایت اخذ نہیں کرتا۔وہ محض اسلام اسلام اللہ اور اس کے رسول کے الفاظ سے اپنے لیے دماغی تسکین کا سامان پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر آج مسلمانوں نے اپنا اسلام سے حقیقی تعلق نہ جوڑا تو پھر مسلمان ہی وہ قوم ہوں گے جو قرآن اور حدیث کے حامل ہونے کے بعد اسلام سے سب سے زیادہ دور ہوں گے۔

ایک مذہب اور اس کے ماننے والوں پر اس مذہب کا جو اثر ہوتا ہے ان دونوں چیزوں کا انحصار صرف جغرافیائی اقتصادی اور اجتماعی کوائف پر نہیں ہوتا جس میں وہ ماننے والے رہتے ہیں بلکہ ان کا انحصار اس ذہنی ڈھانچہ پر ہوتا ہے جو ان کوائف سے معرض وجود میں آتا ہے نیز اس ردعمل پر جو اس مذہب کی تعلیمات پر اس ذہنی ڈھانچے کا ہوتا ہے یہی قوموں کی ترقی اور زوال کی بنیاد ہے۔

لفظی اتباع کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کے احکامات کا فہم حاصل کیا جائے

اسلام زندگی گزارنے کا طریقہ ہے اور زندگی ہر آن تغیر پذیر ہے۔کٹھ ملائیت کا یہ دعوی کہ مذہب کا وہ سانچہ جو آج سے ہزار در ہزار سال قبل کار آمد تھا اور جو معاشرتی مسائل کا ایک قابل عمل فریم ورک پیش کرتا تھا وہ آج بھی اسی طرح کار آمد ہے درست نہیں ہے۔اس لیے عقلیت پسند فکر اب اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ مذہب عمومی ہدایت دیتا ہے۔اس ہدایت کی بنیاد پر اپنی زندگی کی عمارت تعمیر کرنا ہر زمانہ کے لوگوں کا حق ہے اور وہ اپنی صوابدید پر اسی طرح اجتہاد کو بروئے کار لا سکتے ہیں جس طرح قرن اول میں صحابہ کرام یا قرن دوئم میں فقہاء نے کیا تھا۔

بلاشبہ ان کے لیے ہوئے کام ان کے فیصلے اور ان کا اجماع ہماری قانونی،معاشرتی اور تہذیبی تاریخ کا ایک قابل قدر ورثہ ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانا اور تاریخی تسلسل کو قائم رکھنا ضروری ہے،لیکن یہ تسلسل لفظی یا ظاہری ہونے کے ساتھ ساتھ معنوی بھی ہونا چاہیے۔صرف لفظی اور ظاہری تسلسل معاشروں کو ساکت اور جامد بنا دیتا ہے اور اس طرح وہ معنوی طور پر مر جاتے ہیں ان میں حرارت اور حرکت ختم ہو جاتی ہے جو ایک ارتقا پذیر اور زندہ معاشرے کے لیے ضروری ہے۔

اسلامی معاشرہ پچھلے ۵۰۰ سال سے ظاہری،سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں خود تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو

نئے نئے راستے نکالے ہیں ان کا کوئی تشفی بخش ردِ عمل اسلامی مفکرین کے ہاں نہیں پایا جاتا۔

دینِ الٰہی انسانوں کی ہدایت کے لیے ہے اور اسی لیے اس دین کو پہنچانے کے لیے فرشتوں کی بجائے ایک بشر کو بھیجا تاکہ وہ انسانی معاشرے میں ہدایت کی روایت کو قائم کرنے کا ایک نمونہ بن جائے، نبی کا اُسوہ بتاتا ہے کہ انسان کی مختلف حالتوں میں مسائل سے کس طرح نبرد آزما ہوا جاتا ہے۔ہدایت اس پر منحصر نہیں کہ انہوں نے کیا کیا، بلکہ اس پر ہے کہ انہوں نے یہ کیسے کیا؟ عہد نبوی کے فوری بعد آنے والوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا،لیکن متاخرین نے وقتی ضرورتوں کے پیش نظر کیسے کی بجائے کیا پر زیادہ زور دیا اور بعد میں اسی کیا نے ایک ناقابل تغیر ساخت بن کر معاشرتی اور قانونی نظام کو اپنے شکنجہ میں کس لیا۔

علامہ اقبال نے Reconstruction of Islamic Thought میں مسلم فکر کی جو بنیاد رکھی ہے وہ اسلام کی ایک ایسی تفہیم کی راہ کھولتی ہے جو اس سے پہلے زنگ آلود تھی۔آپ کے نزدیک زندگی تخلیق کے ایک ارتقائی عمل کا نام ہے اور اسلام کی تعلیم اس بات کو لازم قرار دیتی ہے کہ ہر نسل اپنے سے پیشتر والی نسل کے کاموں سے روشنی تو ضرور حاصل کرے،لیکن اس کے دامن سے بندھے بغیر اپنے مسائل خود ہی حل کرے۔(۱۴)

اہل علم و دانش کے نزدیک قرآن مجید کے ظاہری احکامات تو شان نزول کے ساتھ خاص ہوسکتے ہیں کسی حکم کے نازل ہونے کا ایک خاص محل ہوسکتا ہے،لیکن حکم اپنی جگہ اطلاق میں عالمگیر ہے۔ظاہری الفاظ کے پس پشت جو قدر کام کررہی ہے وہ وقتی نہیں عالمگیر ہے۔ظاہر ہے یہ قدر صرف الفاظ کی ظاہری ترتیب سے معلوم نہیں ہوسکتی اور نہ زبان پر کامل عبور و رسوخ سے بلکہ تاریخی سیاق ہی سے معلوم ہوسکتی ہے جس کے پیش نظر وہ حکم دیا گیا تھا۔عام طور پر ہمارے فقہا نے قانون سازی کرتے وقت اس اہم کلیہ کو نظر انداز کردیا۔(۱۵)

ان کے نزدیک قرآن کے احکام کو لغوی طور پر نافذ کرنے کی کوشش اور اس تبدیلی سے جو معاشرے میں واقع ہو چکی ہے اور برابر واقع ہو رہی ہے شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے قرآن کے اخلاقی اور سماجی مقاصد کو نقصان پہنچتا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ منشائے وحی کو پورا نہیں کرتے۔(۱۶)

(۱۴) "The Reconstruction of ReligiousThought in Islam" by Allama iqbal, Dr. p.168

(۱۵)"Islam and Modernity" by Fazal-ur-Rahman, p.19

(۱۶) ایضاً،ص/۲۰

عورت سے وابستہ موجودہ علماء کے معاشرتی نظریات اور طریق کار ایک اخلاقی معاشرے میں تو کسی حد تک کام کر سکتے ہیں، لیکن ایک غیر اخلاقی معاشرے کو اخلاقی بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہے۔ جہاں معاشرتی سطح پر عدل وانصاف حکومتی نظم، معاشی استحکام قائم ہے وہاں تو عورت سے وابستہ یہ نظریات فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں جیسے کتنے ہی ترقی یافتہ ممالک عورت کے لیے وہی کردار تجویز کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جو ہمارے اسلامی نظریات پیش کرتے ہیں اور ایسا وہ اللہ کے ڈر سے یا اسلام سے ہمنوائی اور مرعوبیت میں نہیں کر رہے بلکہ وہ اپنے ترقیانہ مقاصد کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بنیادی حقوق، آزادی، جنسی مساوات جیسی اصطلاحات تو عام ہوتی جا رہی ہیں لیکن ہمارا انسان ان سے جو نتائج نکالتا ہے وہ ان نتائج سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو اس سے قبل اخذ کیے جاتے تھے۔

شاہ ولی اللہ نے 'حجۃ اللہ البالغۃ' میں ایک باب اس موضوع پر باندھا ہے کہ اقوام میں مختلف شرائع کے نزول کے اسباب کیا ہیں۔ اس موضوع پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انبیاء کا بڑا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جو لوگوں میں دائر وسائر رہا کرتی تھیں۔ مقصود تبدیلی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ اصلاح ہوا کرتی تھی اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے۔ نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج اعتدال پر محفوظ رہے۔ اسی لیے شخصوں اور زمانے کے ہمرنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہو سکتے اور ایک مرض کے لیے ایک ہی نسخہ کافی وشافی نہیں ہوتا بلکہ مریض اور حالات کی تبدیلی سے نسخہ تبدیل ہو جاتا ہے۔''(۱۷)

تفہیم اور تعقل شریعت اسلامی کا منشا ومقصود ہے، لیکن جدید سیکولر افکار نے جس طرح مذہب آزاد عقلیت کو انسانی مسائل کا حل ٹھہرایا ہے وہ تباہی اور ہلاکت ہے وحی الٰہی سے احکام کے استنباط میں جو عقل فہم استعمال ہوتی ہے وہ مجتہدین وفقہا کا خاصہ ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین

ثبات اور تغییر میں تناسب ضروری ہے

زندگی نہ محض ثبات اور نہ محض تغیر ہے اسکے کچھ عناصر ابدی اور غیر متبدل ہیں اور کچھ وقت کے ساتھ بدلنے والے اور تغیر پذیر۔ ان دونوں عناصر پر نگاہ رکھنا، مستقل اقدار کی مسلسل حفاظت کرنا اور بدلنے والے پہلوؤں میں حالات

(۱۷) حجۃ اللہ البالغۃ، الدھلوی، شاہ ولی اللہ، ترجمہ عبدالحق حقانی، کراچی، تاریخ طبع ندارد، ص ۱۶۲۔۱۶۸

اورضرورت کے مطابق تبدیلی لانا اورتبدیلی قبول کرنا بقا ودوام کی شرط اول ہے۔محمد عربی کا لایا ہوا دین ان معنوں میں مکمل ہے کہ اس کے نظام میں ثبات وتغیر دونوں پہلو استقلال اورحرکت کے دونوں رخ موجود ہیں۔حکیم الامت علامہ محمد اقبال اسی موضوع کو ضبط تحریر میں لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلام کی رو سے تمام زندگی کی روحانی اصل ابدی ہے جو اپنا اظہار تنوع اور تبدیلی میں کرتی ہے''(۱۸)

لہٰذا جو معاشرہ حقیقت کے ایسے تصور پر مبنی ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیر میں توافق پیدا کرے۔ضروری ہے کہ اس کے پاس اجتماعی زندگی کو منظّم کرنے کے لیے ابدی اصول ہوں کیونکہ مسلسل تبدیلی کی اس دنیا میں ابدی اصولوں سے وابستگی ہی ہمیں استقامت بخشتی ہے،لیکن جب ابدی اصولوں کو جب اس طرح سمجھا اور برتا جائے کہ ان سے تبدیلی کے تمام امکانات، جو از روئے قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہیں ختم ہو جائیں تو یہ اصول زندگی کو جو کہ فطرتا حرکت اور قوت ہے جامد اور بے جان بنا دیتے ہیں۔مسلمان سیاسی اور معاشرتی علم میں اس لیے ناکام ہوئے کہ انہوں نے ابدی اصولوں کی قدر و قیمت نہ جانی اور گذشتہ پانچ سو سالوں سے اسلام پر اس سبب سے جمود طاری ہے کہ مسلمانوں نے تغیر کی اہمیت کو نہ سمجھا۔

اجتہاد سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہونا چاہیے

معاشرے میں روز بروز نئے مسائل جنم لے رہے ہیں جن کا حل براہ راست قرآن وحدیث میں نہیں ہے،لیکن قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی اجتہاد کے ذریعے ان مسائل کا حل ممکن ہے اور اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے،لیکن اجتہاد سے وابستہ بہت سی غلط فہمیاں ہمارے معاشرے میں عام ہیں جن کا تدارک ضروری ہے۔

ا۔ اجتہاد سے وابستہ ہمارے معاشرے میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کئی صدیوں سے بند پڑا ہے اور اس طرح اسلام عصر حاضر کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔یہ بات درست نہیں کہ کسی دور تک اجتہاد کا دروازہ کھلا رہا ہو،لیکن بعد میں علماء نے اس دروازے کو بند کر دیا ہو۔اصل مسئلہ اجتہاد کے دروازے کے بند ہونا کا نہیں بلکہ اجتہاد کی صلاحیت واہلیت کا ہے۔اگر دین قیامت تک کے لیے ہے تو قیامت تک اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے گا۔مسئلہ یہ ہے کہ افراد میں اجتہاد کی مطلوبہ اہلیت وصلاحیت مفقود ہوتی جا رہی ہے۔حقیقت تو یہ ہے

(۱۸) خطبات اقبال ایک مطالعہ، اعظمی، الطاف احمد، دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء ص/۱۴۷

کہ ذکاوت وفطانت اور ذہن رسا کی نعمت اللہ نے نہیں چھینی۔وسائل اجتہاد اور علوم ومعارف کے خزانوں تک رسائی اب جتنی آسان ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔سلف کی محنت آج روزانہ مدفون کتب خانوں سے نکل کر اس تیزی سے سامنے آ رہی ہے جس کا پہلے تصور مشکل تھا،لیکن مسئلہ نہ ذکاوت کا ہے نہ فہم صحیح کا، نہ وسائل علم کا اور نہ خزانہ علمی تک رسائی کا یہ اصل مسئلہ ہماری کوتاہ ہمتی، کاہلی اور مشاغل علمیہ سے گریز کا ہے۔

۲۔ خیال رہے کہ مجتہد کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سلف کی تحقیقات کی بساط الٹ کر اپنی طرف سے کوئی نئی بات کہہ دی جائے جیسے مجتہد میں اجتہاد کی اہلیت ضروری ہے اس طرح محل اجتہاد کا تعین بھی ضروری ہے یعنی ان مسائل کا تعین کیا جائے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔اگر اہلیت اجتہاد مفقود ہوگی تو شریعت عقل عیّار کے لیے بازیچۂ اطفال بن جائے گی اور اگر محل اجتہاد کا تعین نہیں ہوگا تو محل منصوص کو اجتہاد کا نشانہ بنا کر شریعت کو منہدم کیا جائے گا حالانکہ ہر وہ اجتہاد جو نص سے متصادم ہو وہ مردود ہے۔محل اجتہاد کے بارے میں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسئلہ جس کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں کوئی قطعی نص وارد ہو یا کسی حکم پر امت کا اجماع ہو چکا ہو تو اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔البتہ جن احکام شریعہ کے دلائل ظنی ہیں وہ مجتہد کے لیے اجتہاد کا میدان ہیں۔[19]

ہمارے پراگندہ ذہن دانش وراجتہاد کے معنوں میں غلط فہمی کا شکار ہیں ان کے خیال میں اجتہاد کا معنی ہے کوشش کرنا اور اس کا مفہوم ہے کسی پیش آمدہ مسئلہ پر آزادانہ رائے دینا۔حالانکہ آزادانہ رائے دینے کا اجتہاد سے کوئی تعلق ہی نہیں ۔اگر رائے ہی دینا ہے تو دیجئے مگر اسے اجتہاد کا نام مت دیجئے۔اس لیے کہ نصوص شرعیہ یا شریعت کے منابع ومصادر سے آزاد ہو کر کسی مسئلہ پر سوچنا اور آزادانہ رائے کی بنیاد پر فیصلہ دینا شرعی اجتہاد کے ضمن میں آتا ہی نہیں۔شرعی اجتہاد محض رائے زنی کا نام نہیں بلکہ شرعی اجتہاد تو یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم کتاب وسنت میں موجود نہیں تو ماخذ شریعت کی چھان پھٹک کی جائے۔نظائر وامثال پر غور کیا جائے اور اس طرح محنت وکوشش صرف کرنے کے بعد جو حل سامنے آئے اسے شرعی اجتہاد کہا جائے ۔اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا مقصد محض اپنی رائے سے کوئی آزادانہ فیصلہ کرنا یا نصوص شرعیہ سے ثابت شدہ احکام کو بدلنا یا ان کی من مانی تاویل کرنا اجتہاد ہے تو ہم سخت غلطی پر ہیں۔ یہ روش ہوس پرستی تو کہلا سکتی ہے مگر شرعی اجتہاد کہلانے

(۱۹) اجتہاد از نقیب احمد، دیروی، مفتی، اجتہاد (سہ ماہی)، جون ۲۰۰۷ء، ج ۱/ش ۱، ص ۹۳

کی مستحق نہیں۔

اجتہاد سے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہیں رکھنی چاہیے کہ کسی تعصب کی بنا پر اُس کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔اجتہاد کا دروازہ بلا تمیز رنگ ونسل اور جنس وقومیت ہر ایک لیے کھلا ہے اس سے ہر وہ شخص داخل ہوسکتا ہے جو اس کا اہل اور حقدار ہومگر یہ بات کسی کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس دروازے سے ننگے سر، ننگے پاؤں، میلے کچیلے لباس کے ساتھ ہی گھسا چلا آئے اور اجتہاد کی سعی نا مشکور فرمانے لگے وہ اجتہاد کے آداب وشرائط سے آگاہ ہو یا نہ ہو اس کا مبلغ علم خواہ کچھ ہی ہو وہ کلمہ طیبہ اور بسملہ کا بھی صحیح تلفظ اور املا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو شریعت کے ماخذ سے آزاد استفادہ کرنے کے قابل ہو یا نہ ہولیکن آزادانہ اجتہاد کرنے کے لیے ضرور تیار ہو۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ماخذ شرع کی روشنی میں اجتہاد کرنے والا مطلوب نہیں بلکہ نیا اسلام گھڑنے والا مطلوب ہے۔دوسرے لفظوں میں شریعت پر عمل کی راہ ہموار کرنے والا مجتہد درکار نہیں بلکہ اس کی بجائے اسلام کو بدلنے والے ملحد کی تلاش ہے۔حالانکہ اسلامی دنیا عصر حاضر کے ملحد کی متحمل نہیں ہوسکتی اسے تو مجتہد کی ضرورت ہے۔ایک ایسا مجتہد جواسلامی شریعت کی صلاحیت، برتری اور حقانیت ثابت کر سکے۔جو مسلمانوں کی ذہنیت بدل کر رکھ دے۔سوچ کے دھارے بدل دے۔اسلام کی کامیابی کی راہیں روشن کر دے۔اسلام کو بدلنے کی بجائے مسلمانوں کو بدلے۔ہماری اصل مشکل اجتہاد نہیں تجدید ہے ہماری امت میں آزادانہ اجتہاد سے کتاب وسنت کے احکامات کو بدلنے یا تحریف کرنے کی گنجائش نہیں۔ایسے لوگوں کے لیے باہر کی دنیا وسیع ہے وہاں اپنی جولانیاں دکھا سکتے ہیں۔اسلام میں اس تحریف وتلبیس کو نہ کبھی برداشت کیا گیا ہے اور نہ کیا جائے گا۔نصوص شرعیہ سے آزاد محض ذاتی رائے سے حلال کوحرام کرنا اورحرام کوحلال کرنا ہوس پرستی اور اسلام دشمنی تو ہوسکتی ہے اجتہاد نہیں۔چاہے یہ موقف رجعت پسندانہ اور متشددانہ ہی محسوس ہو۔ (۲۰)

اجتہاد کی اہلیت کے لیے جہاں فقہ الاحکام کی ضرورت ہے وہاں فقہ الواقع کی بھی اپنی اہمیت ہے۔اجتہاد کرتے وقت متعلقہ ماہرین کوضرور شامل کیا جائے کیونکہ آج کا دور سپیشلائزیشن Specialization کا دور ہے۔اور علماء دین دین کے ساتھ ہر میدان کے ماہر نہیں ہو سکتے،مثلا مسئلہ سود کا ہوتو تو معاشیات دان شامل مشورہ کیے

(۲۰) مجتہد؛ اوصاف وشرائط،ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، منہاج، (سہ ماہی) اجتہاد نمبر، جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۱/ ش ۱/ ص ۱۵۲

جائیں۔مسئلہ عورت کا ہوتو عورتوں کے حقوق کے داعیوں کو شامل مشورہ کیا جائے۔مسئلہ قانون سازی کا ہوتو ملکی اور مغربی قانون سازی کے ماہروں کو شامل کیا جائے اور مسئلہ کا صحیح فہم حاصل کیا جائے۔مسئلہ کے صحیح فہم کو حاصل کرنے کے بعد اجتماعی رائے سے نہیں شرعی نصوص کی روشنی میں تخریج واستنباط کے قواعد وضوابط کو بروئے کارم لاتے ہوئے اجتہاد کیا جائے۔متعلقہ ماہرین کو شامل کرنا فقہ الواقع کی ضرورت ہے وگرنہ غلطی کا احتمال بڑھ جاتا ہےاور آئے روز فتوے بدلنے لگتے ہیں اور لوگوں کا اعتماد علماء پر سے ختم ہو جاتا ہے۔(۲۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد خالد مسعود(۲۲) اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ہیں آپ کے نزدیک اجتہاد بنیادی معنوں میں ریسرچ کا نام ہے۔(۲۳) جس طرح ریسرچ کے قواعد وضوابط ہوتے ہیں، شرائط ہوتی ہیں اور معیار ہوتے ہیں آج کے دور میں مسائل اتنے پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ ایک فرد کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ تمام پہلوؤں سے مکمل طور پر واقف ہو۔آج کے مسائل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے علم معاشیات، قانون، جدید علم طب اور دوسرے علوم ضروری ہیں۔

اجتہاد امن بھائی چارے، اخوت اور اتحاد کا درس دیتا ہے۔باہمی افہام وتفہیم اور استدلالی مکالمے کی راہ دکھاتا ہے۔

آج ہم اجتہاد کے بارے میں دو انتہا پسندانہ رویوں سے دو چار ہیں۔ایک طرف اہل افراد کی کمیابی کی بنا پر اجتہاد کی ضرورت سے انکار کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اجتہاد کے نام پر امت کے چودہ سو سالہ علمی مسلمات اور اجماعی اصولوں کا دائرہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔جب کہ حق ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اجتہاد کے اہل رجال کار تیار کیے جائیں تاکہ امت مسلمہ کے اجماعی اصولوں اور علمی مسلمات کے جائزے میں رہتے ہوئے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں امت مسلمہ کے مسائل ومشکلات کا حل پیش کیا جائے۔(۲۴)

---

(۲۱)اجتہاد، جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسٹس، اجتہاد، (سہ ماہی) جون ۲۰۰۷ء، ج ۱/ ش ۱/ ص ۸۵

(۲۲)ڈاکٹر خالد مسعود: اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد کے چیئرمین، مجلّہ سہ ماہی ''اجتھاد'' کے مدیر، جدید دانش ور اور محقق ہیں۔آپ اجتھاد کی بدولت مذہبی افکار کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے حامی ہیں۔

(۲۳)اجتہاد، محمد خالد مسعود، ڈاکٹر، پروفیسر، اجتہاد، (سہ ماہی) جون ۲۰۰۷ء، ج ۱/ ش ۱/ ص ۸۷

(۲۴)حدود شرعیہ، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات از زاہد الراشدی، مولانا، اجتہاد، (سہ ماہی)، دسمبر ۲۰۰۷ء، ج ۱/ ش ۲/ ص ۱۳۸

مسلمانوں سے حسن ظن رکھنا ہوگا

انسان پیدائشی مجرم اور گناہ گار نہیں۔ہمیں گناہ سے نفرت کرنی ہے گناہ گار سے نہیں۔ہمیں گناہ کے خلاف گناہ گار کی مدد کرنی ہے اور امید کو زندہ رکھنا ہے۔لوگوں کے ساتھ معاملات میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ لوگ زمین پر بسنے والے انسان ہیں۔پروں والے فرشتے ہیں نہ ان کی تخلیق نور سے ہوئی ہے ان کی تخلیق تو سڑی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے جو فضلہ کو غذا میں بدل دیتی ہے۔ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ لوگ ٹھوکر کھائیں اور پھر اٹھ جائیں، غلطی کریں اور پھر راہ راست پر آ جائیں۔حقیقی عالم وہی ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہیں کرتا۔اللہ کی پکڑ سے بے پروا نہیں بناتا۔یہاں ہمارے لیے اللہ کی یہ بات کافی ہے جو اس نے اپنے رسول سے کہی:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (۲۵)

"(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ تو غفور رحیم ہے۔"

"دیکھو میرے بندو" کہہ کر اللہ کس طرح گناہ گار لوگوں کو اپنے سے مانوس کر رہا ہے۔یہ اس کا کرم ہے کہ اپنی مقدس ذات سے انہیں نسبت دے کر اپنی بارگاہ کا قرب بخشتا ہے اور سارے گناہوں کے لیے معافی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔یہ گناہ کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں لیکن اللہ کی بخشش ان سے بھی عظیم تر ہے۔ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کے ظاہر پر فیصلہ کریں۔دلوں کے بھید اللہ کے حوالے کر دیں پس جو شخص یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی الہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو ہم اسے اس کی ظاہری حالت کے پیش نظر مسلمان تسلیم کریں گے اور اس کے دل کے بھید کو علّام الغیوب کے حوالے کر دیں گے۔حضورؐ کا ارشاد ہے:

"أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إلا الله" (۲۶)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لوگ لا اله الا الله کا اقرار کر لیں۔" پھر جب لوگ اس کلمہ توحید کو تسلیم کر لیں گے تو مجھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیں گے مگر اس کلمہ کے حق میں اور ظاہر

---

(۲۵) سورۃ الزمر:۵۳/۳۹ (۲۶) صحیح بخاری:کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلوة۔۔۔رقم الحدیث:۲۵

کے علاوہ باقی باتوں کا حساب ان سے اللہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ ان منافقین کے ساتھ جن کے باطنی نفاق کو آپ جانتے تھے جو معاملہ کرتے تھے ان کے ظاہر کے مطابق کرتے تھے۔آپ نے ان پر اسلامی احکام کو جاری کیا۔حالانکہ یہ لوگ چھپ چھپ کر آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے، چالیں چلتے تھے۔نفاق سے واقف ہونا ضروری ہے۔منافق کو منافق کہہ کر گمان باطن کو ظاہر کر دینا حکمت سے خالی ہے۔

ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کا باطن نیکی اور خیر کے جذبہ سے خالی نہیں ہوتا۔اگر چہ اس کا ظاہر معصیت اور کبائر میں ڈوبا نظر آئے اور یہ معصیت چاہے کتنی ہی بڑی محسوس ہو۔ایمان پر خراشیں لگا رہی ہو۔نقصان پہنچا رہی ہو،لیکن ایمان کو جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتی جب تک ان کا ارتکاب کرنے والا اللہ کے اقتدار کو چیلنج کر کے یا اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال بنا کر یا اس کے اوامر ونواہی کو بے وقعت سمجھ کر ان کا ارتکاب نہیں کرتا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ کے رسولؐ ہمارے لیے اسوہ ہیں۔آپ گناہ گاروں کے لیے بڑے نرم دل تھے۔معصیت کے باوجود ان کے لیے آپ کا دل کھلا رہتا آپ ان پر اسی طرح شفقت کی نگاہ ڈالتے تھے جس طرح طبیب مریض پر نگاہ ڈالتا ہے۔اس طرح نہیں دیکھتے تھے جس طرح پولیس مجرم کو دیکھتی ہے۔جو لوگ عام مسلمانوں کے تئیں بدگمانی رکھتے ہیں اور گناہ گاروں کو اپنے اپنے حساب سے ساقط کر دیتے ہیں انہیں اس عمیق نبوی نگاہ کو اور بلند تربیت محمد کو سمجھنا چاہیے۔اس سے ان لوگوں کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیے جو گناہوں کے باعث لوگوں کی تکفیر کرتے رہتے ہیں۔یہ لوگ اگر غور وفکر سے کام لیں تو یہ حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی کہ جن کی وہ تکفیر کرتے ہیں وہ مرتد نہیں کہ ان کا قتل واجب ہو۔وہ دین کی حقیقت سے جاہل ہیں اور ضروری ہے کہ انہیں اس سے آگاہ کیا جائے یا بری صحبت اور برے ماحول کے باعث وہ معصیت میں لت پت ہو گئے ہیں۔ضروری ہے کہ انہیں اس سے بچایا جائے یا دنیا کے مسائل میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔ضروری ہے کہ انہیں آگاہ کیا جائے اور آخرت کی یاد دلائی جائے نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

اسلوب کی سختی سے اچھی بات بھی ضائع ہو جاتی ہے۔اگر رسول اللہ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے آس پاس سے چھٹ جاتے اور آپؐ سے فیض اٹھانے میں آپؐ کی سختی ان کے لیے رکاوٹ بنتی۔اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی پسند کرتا ہے۔دین ودنیا کی تمام باتوں میں قول وعمل میں اللہ کو نرمی پسند ہے۔(۲۷)

---

(۲۷) صحیح بخاری از امام بخاری،کتاب الادب ، باب الرفق فی الامر کلہ ،رقم الحدیث:۶۰۲۴

جس چیز میں نرمی ہوتی ہے اسے زینت مل جاتی ہے اور جس چیز میں نرمی ختم ہو جاتی ہے اس میں بگاڑ آ جاتا ہے جو رفق سے محروم ہوتا ہے وہ ساری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ (۲۸)

لوگوں کے لیے دشواریوں کی بجائے نرمی اور آسانی کی راہ کھولیں۔عزیمت کی راہیں اپنے لیے رکھیں جو لوگوں کو دشواریوں کی طرف بلائے گا وہ غیر شعوری طور پر ان کو دین سے متنفر کر دے گا۔اس لیے جب اللہ کے نبی تنہا نماز پڑھتے تو آپ کی نماز سب سے لمبی ہوتی،لیکن جب امامت فرماتے تو آپ کی نماز ہلکی ہوتی۔

آسانی اگرچہ ہر زمانہ میں مطلوب رہی ہے،لیکن ہمارے اس دور میں تو یہ اور زیادہ ضروری اور مطلوب ہوگئی ہے۔آج دین کا رشتہ کمزور ہو چکا ہے یقین میں پختگی باقی نہیں۔لوگوں پر مادی زندگی کا غلبہ ہو چکا ہے۔بہت سے منکرات عموم بلوی کا اس طرح روپ دھار چکے ہیں گویا وہ زندگی کی بنیاد ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شاذ ہے۔آج دین سے وابستہ رہنا انگاروں کو پکڑنے کے مترادف ہے۔یہ ساری چیزیں آسانی اور نرمی کی متقاضی ہیں۔مشقت آسانی کو لاتی ہے۔معاملات کی تنگی وسعت کی طالب ہوتی ہے اور عموم بلوی تخفیف کا موجب ہوتا ہے۔

امتیاز اور تخصیص کا احترام

ہمیں چاہیے کہ ہم امتیاز اور تخصیص کا احترام کریں،جس طرح ہر علم وفن کے کچھ عالم اور ماہر ہوتے ہیں ایک انجینئر کے لیے روا نہیں کہ طب کے میدان میں اپنا فتوی دے کسی طبیب نے طب کی کسی شاخ میں تخصص حاصل کیا ہے تو اسے طب کے دوسرے دائرے میں دخل دینے کا حق نہیں اس طرح پوری شریعت ہر ایک کے لیے مباح نہیں کہ جو چاہے دخل دے اور یہ دعوی کرتا پھرے کہ اسلام کسی گروہ کی جاگیر نہیں۔

اگرچہ اسلام میں پروہتوں اور رجال دین کا کوئی طبقہ نہیں ہوتا،لیکن اس کا مطلب علماء متخصصین کی نفی نہیں ہونا چاہیے۔ان کی آراء کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔جن چیزوں کا ہمیں علم نہ ہو تو ان کے بارے میں مخلص اور تجربہ کار علماء سے رجوع کریں۔﴿فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۲۹)

”تم اگر علم نہیں رکھتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔“

﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ (۳۰)

---

(۲۸) صحیح مسلم از امام مسلم، کتاب البر والصلة: رقم الحدیث ۲۵۹۴ (۲۹) سورة الانبیاء: ۲۱/۷ (۳۰) سورة فاطر: ۳۵/۱۴

''حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔''

﴿فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾[۳۱]

''اس کے بارے میں کسی جاننے والے سے پوچھ لو۔''

ہمیں نازک اور اہم مسائل میں فتوی دینے اور احکام صادر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ہم مغربیت اور جہالت کے زیر اثر علماء کرام کو فوراً خاطی اور جاہل گرداننے لگتے ہیں اور اپنے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مقلد نہیں۔اجتہاد کرنا ہمارا حق ہے،لیکن اس سے واقف نہیں کہ شریعت نے مجتہدین کے لیے انتہائی کڑی شرائط مقرر کی ہیں۔ایسا رویہ وہی اختیار کرتا ہے جو فریب نفس کا شکار ہے۔

اتحاد وقت کی اہم ضرورت

مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔اور دشمنوں کو ایسا موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑائیں اور اپنے گندے عزائم پورے کریں۔ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھنا ہوگا کسی بھی طبقہ کے اخلاص پر طعنہ زن ہونے سے اجتناب کرنا ہوگا۔ان کے افکار اور موقف کو اچھی طرح سمجھنا ہوگا۔ان کے محرکات اور نیتوں کے تئیں حسن ظن رکھنا ہوگا اور اس کھائی کو پاٹنا ہوگا جو مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان بڑھتی جا رہی ہے۔ان سے اچھے ڈھنگ سے علمی گفتگو کرنی ہوگی تاکہ مفہوم اور مطالب واضح ہو جائیں،شبہات دور ہو جائیں۔نزاعی باتیں متعین ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ کن باتوں پر اتفاق ہے اور کن میں نزاع ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم عوام الناس کی نشانات منزل کی طرف رہنمائی کریں۔انہیں ٹھوکروں سے بچائیں۔ترقی کا سفر منقطع نہ ہونے دیں۔انہیں ان کے مخالفین کے خلاف مشتعل نہ ہونے دیں۔ہدف سے ادھر ادھر نہ جانے دیں اور نفس یا ذات کو محور بنانے سے رک جائیں۔

ہماری امت کا سب سے بڑا مسئلہ دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہونا ہے۔مسلمان اس کا تعین ہی نہیں کرتے کہ وہ کس کی خاطر کس کے لیے اپنا خلوص وقف کریں گے۔اور باہم ایک دوسرے سے ہی دست وگریباں ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن خود مسلمان ہیں اور وہ اغیار سے مل کر اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف محاذ آراء

(۳۱)سورۃ الفرقان:۵۹/۲۵

ہیں۔دشمنان اسلام کو مسلمانوں میں ایسے بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جو ان کی بہبود کے لیے اپنی قوم کی جاسوسی کرتے ہیں۔اجنبیوں کے حق میں پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ان کے ساتھ شامل ہو کر تلوار اٹھاتے ہیں اور اپنی قوم کی گردنیں کاٹ کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ان ہی کے لیے قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (۳۲) یعنی جو کافروں کو اپنا دوست بناتا ہے وہ انہیں میں سے ہوگا۔

ان کے اس رویے میں ہمارا بھی قصور ہے۔ہم اپنوں کو اپنائیت دیں تو وہ ہمارے ہوں گے ہمیں ان کی اصلاح کرنی ہے سزا دے کر دور نہیں کرنا۔اگر انہیں اپنے اور غیر کی تمیز نہیں تو ہمیں اپنے اور غیر کی تمیز کا شعور رکھنا ہے۔

(۳۲) سورۃ المائدۃ:۵/۵۱

گذارشات و تجاویز

گذارشات وتجاویز

- طبقہ حقوق نسواں وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کے لیے جو مناسب سمجھتے ترجیحات مرتب کرتے انہیں تفسیر کے میدان میں بغیر علم کے مداخلت نہیں کرنی چاہیے تھی۔تفسیر انسانی قانونی کی تشریح نہیں یہ اللہ کا کلام ہے جو انسانی عقلوں کے تابع نہیں۔اس رویے نے ان کی گمراہی کی تشریح کی ہے نہ کہ تفسیر کی اصلاح۔
- مساوات مرد وزن کے قائلین کو انتہا پسندی سے گریز کرنا چاہیے۔انتہا پسندی مبنی برحق رائے کو بھی راہ عدل سے ہٹا دیتی ہے۔مساوات مرد وزَن ہر میدان میں نہیں چلتے۔انہیں عورتوں کے امتیازی حالات کو بھی جگہ دینی چاہیے۔اس طبقے کی خاندانی منصوبہ بندی اورعورت کی تعلیم کی ترجیح اپنی جگہ بجا لیکن انتہا حسن کو قبیح کر دیتی ہے۔
- طبقہ نسواں کا تقصیری پہلو یہ ہے کہ وہ دینی فکر سے دور اور لا دین عناصر کے قریب ہے جس کی بنا پر یہ اسلام کو شک وتنقید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔پردہ اور تحفظ نسواں کے احکامات کو مولوی کا عورت کے خلاف تعصب سمجھتے ہیں۔دینی فکر سے دوری نے عوام پر ان کا اعتماد ختم کر دیا ہے۔
- عورت کی ترقی کے لیے انہیں عورت کے لیے محفوظ راستے کھولنے والا بننا چاہیے تھا۔مخلوط تعلیم کی حمایت، پردے کی بے حرمتی،عورت کے تحفظ سے بے زاری کا رویہ ان کے خلاف تعصب کے دروازے کھولنے والا بنا۔
- اگر طبقہ نسواں کا بنیادی موقف معاشرے میں موجود نسوانی امتیازی قوانین کی نفی ہے تو پھر اسے نسوانی پردے کی حمایت کرنی چاہیے کیوں کہ زیب وزینت کا اظہار نسوانیت کی مدد اور صنفی شناخت کا فروغ ہے جو کہ مساوات مرد وزن پر داغ ہے۔
- طبقہ نسواں کو علماء کو طعن نہیں کرنا چاہیے تھا۔علماء مغربی نوعیت کی ترقی سے دور سہی ،جدید مسائل کے حل سے ناواقف سہی۔ان کے یہ رویے حکمت سے عاری سہی یہ اس سلوک کے مستحق نہیں جو سلوک طبقہ نسواں اور ترقی پسند دانشوروں نے ان کے ساتھ رکھا ہے۔علماء سے تعصب کا رویہ اور وحی الٰہی سے کسبِ فیض کے رویے کا استہزاء معمولی نہیں بلکہ دنیا کے اعتبار سے بھی گھناؤنی غلطی ہے۔جس کی اجازت دنیا کا کوئی وضعی قانون بھی نہیں دیتا چہ جائیکہ وحی الٰہی پر مبنی قانون دے۔

◉ جدید مسلمان عورت کے مسائل کے فہم کے لیے اسلامی فکر کے طبقہ نسواں کی خدمات سے استفادہ کرنے میں کسی شرم سے کام نہیں لینا چاہیے۔ واقعاتی صورت حال کا درست فہم ہی احکامات الٰہی کی تشریح و عملی تطبیق میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ حقائق سے غفلت کا رویہ کسی بھی سوال کو حل سے دور کرنے کا موجب بنتا ہے۔ آج کے دور میں اسلام کی وہی تشریح مؤثر ثابت ہوگی جو مسائل کی زیادتی میں اضافہ کرنے کی بجائے مسائل کو حل کرنے والی ہو۔ اور مبنی بر موقع ہو۔ راہِ دعوت میں حکمت اسی کا نام ہے۔

◉ آج اسلامی قانون جمود کا شکار ہے اور علماء وفقہاء کی جانب سے عصری تقاضوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ردّ عمل پر مبنی نفسیات نے تخلیقی قوتوں کی راہ میں مزاحمت کا اسلوب اپنایا ہے۔ طرفین کے رویوں میں لچک قومی ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

◉ اسلام ممالک میں Feminism تب کامیاب ہوگی جب اپنے افکار کو اسلامی افکار کے تابع کرے گی اور اسلامی مقاصد کو ترقی نسواں کے ساتھ ہمنوا کرے گی۔

تحریک نسواں کی کامیاب افق تک رسائی میں سب سے بڑی رکاوٹ نسوانی اور مذہبی قوتوں کی باہمی مخالفت ہے ایران میں بھی نسوانی تحریک کی مقبولیت جب بڑھی ہے تو مذہبی جماعتوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے بعد بڑھی ہے۔[۱]

تیسری دنیا خصوصا مشرق وسطی کے ممالک میں نسوانی افکار کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ان افکار کو مغربی افکار اور مقاصد کے تابع دیکھتا ہے۔ لہٰذا افکار کی تول پرکھ سے پہلے وہ مزاحمت کا رویہ اپناتا ہے اور اپنی تہذیبی شناخت کو خطرے میں گھرا محسوس کرتا ہے۔ اسی زاویہ نگاہ سے وہ نسوانی افکار کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کے انکار کا رجحان رکھتا ہے۔ اس پہلو پر توجہ قومی ونسوانی ترقی میں معاون ہوگی۔

(۱)See:"Populism and Feminism in Iran" by Haideh Moghissi, p.12

"Women struggle in Male defined revolutionary movement" by Haideth Moghissi, p.1

الفهارس

- o فہرست آیات
- o فہرست آحادیث
- o فہرست اعلام
- o فہرست کتابیات

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

کتابیات

☆ **اجتہاد اور تبدیلی احکام؛ کتاب، سنت، فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کی روشنی میں**، ندوی، مجیب اللہ، مولانا، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور، اپریل ۱۹۸۸ء

☆ **اجتہاد، اجتہاد کا تاریخی پس منظر، مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر**، محمد تقی امینی، ناظم دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، ۱۹۸۰ء

☆ **احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت**، محمد تقی امینی، اسلامک بک کارپوریشن، طبع اوّل، ۱۹۹۲ء

☆ **احیاء علوم الدین**، غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، (م ۵۰۵ھ) مترجم، نانوتوی، محمد احسن، مولانا، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

☆ **اردو لغت تاریخی اصول پر** "Dictionary of Urdu on Historical Principales" عبدالحق، ڈاکٹر (۱۹۶۱-۱۹۶۰ء)، ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، اُردو ڈکشنری بورڈ، کراچی، ۱۹۸۳ء

☆ **اساسیات اسلام** (اسلام کی روشنی میں فرد اور معاشرہ کے فکری اور تہذیبی مسائل کا تجزیہ اور حل) ندوی، محمد حنیف، مولانا، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۷۳ء

☆ **اسباب زوال اُمت**، شکیب ارسلان، امیر البیان، علامہ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی پریس، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۸۹ء

☆ **اسد الغابة فی معرفة الصحابه**، ابن الاثیر، عزالدین، ابوالحسن علی بن محمد الجزری، (م ۶۳۰ھ)، مطبع الوھبیه، ۱۲۸۰ھ

☆ **اسلام اور افکار نو**، محمد علی، شیخ، اسلامک بک کارپوریشن، کراچی، طبع اوّل، اگست ۱۹۸۷ء

☆ **اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش ایک تجزیہ ایک مطالعہ**، محمد امین، ڈاکٹر، ناشر: بیت الحکمت، لاہور

☆ **اسلام اور جدید دور کے مسائل**، محمد تقی امینی، مولانا، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی نمبر ۱، یکم مئی ۱۹۸۸ء

☆ **اسلام اور جدید ذہن کے شبہات**، کیانی، محمد سلیم، ترجمہ، شبهات حول الإسلام، محمد قطب، سید، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، طبع سوم، مارچ ۱۹۸۱ء

☆ **اسلام اور جدید مادی افکار**، محمد قطب، سید، ترجمہ، کاندھلوی، سجاد احمد، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، پاکستان، طبع ثانی، اپریل ۱۹۸۱ء

☆ **اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش**، بیگووچ، علی عزت، صدر، جمہوریہ بوسنیا، مترجم: ایوب منیر، محمد، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، پاکستان۔ طبع اول، مارچ ۱۹۹۴ء

☆**اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل**، صدیقی، ساجد الرحمٰن، ترجمہ (الاسلام و مشکلات الحضارۃ) محمد قطب، سید، احباب پبلیکیشنز، ۴۳۔اے ریٹی گن روڈ لاہور، طبع دوم، جنوری ۱۹۷۹ء

☆**اسلام اور نظریہ مساوات مرد وزن**، محمد رفیق، چودھری، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۹۰ء

☆**اسلام دین معاشرت**، وائی کے نفس، مترجم، محمد فضل حق، جامعہ تعلیمات اسلامی، پاکستان، پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی، طبع اوّل، ۱۹۸۰ء

☆**اسلام کا نظام عفت و عصمت**، ظفر الدین، محمد، مولانا، المسعود پبلی کیشنز، ایوب مارکیٹ، ایف ۸/، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

☆**اسلام میں عدل اجتماعی**، سید قطب، مترجم، صدیقی، محمد نجات اللہ، ڈاکٹر، مرکز مکتبہ اسلامی، دہلی ۶۔طبع اول، اگست ۱۹۸۶ء

☆**اسلامی انسائیکلوپیڈیا** از قاسم محمود: الفیصل اردو بازار لاہور

☆**اسلامی اور مغربی تہذیب وافکار تاریخی تناظر میں**، محمد سجاد، حافظ، ڈاکٹر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع اوّل، ۲۰۰۱ء

☆**اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف**، تدوین، افضال ریحان، دارالتذکیر رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴ء (یہ کتاب مختلف زاویہ نگاہ رکھنے والے مفکرین کے انٹرویو پر مشتمل ہے)

☆**اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف**، (انٹرویو) منور حسن، سید

☆**اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف**، (انٹرویو) وحید الدین، خان

☆**اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف**، (انٹرویو) جاوید اقبال، ڈاکٹر

☆**اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، حریف یا حلیف**، (انٹرویو) عاصمہ جہانگیر

☆**اسلامی فلسفہ اخلاق**، صدیقی، بختیار حسین، سید سنز پبلشرز، لاہور

☆**اصول الفقه الاسلامی**، وہبہ الزحیلی، دار احسان للنشر والتوزیع، ایران

☆**اعلام الموقعین**، ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، (م ۷۵۱ھ)، دار الجیل بیروت، لبنان، ۱۹۷۳ء، شرکه الطباعة الفنية المتحده، ۱۹۶۸ء

☆**اقبال نامہ**، مجموعہ مکاتیب اقبال، عطاء اللہ، شیخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اقبال اکادمی پاکستان، طبع نہم، ۲۰۰۵ء

☆**اکیسویں صدی اور پاکستان**، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، المورد، ادارہ علم وتحقیق، طبع اوّل، جولائی ۱۹۹۶ء

☆**امام الھند مولانا آزاد** از امداد صابری: ط/ا، مکتبہ رشیدیہ کراچی، ۱۹۸۶ء

☆**الاتجاهات الادبية فی العالم العربی الحديث**، انیس مقدسی، بیروت، ۱۹۶۳ء

☆**الاتقان فی علوم القرآن**، السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م۹۱۱ھ) تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم،منشورات الرضی۔بیدار۔عزیزی

☆**الاتقان فی علوم القرآن**، السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م۹۱۱ھ) مترجم،محمد حلیم انصاری، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۲ء

☆**الاشباہ والنظائر بمع شرح**، ابن نجیم مصری،ابراہیم،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،لبنان،طبع اوّل،۱۹۸۵ء

☆**الاشباہ والنظائرفی قواعد وفروع فقه الشافعیه**،السیوطی،جلال الدین عبدالرحمٰن، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز،مکة المکرمة، الریاض، المملکة العربیة السعودیة،۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

☆**الاصابه فی تمییز الصحابه**،ابن حجرعسقلانی، احمد بن علی،الامام،الحافظ،(م۸۵۲ھ)، مطبع الشرفیه،۱۹۰۷ء

☆**الاصابه فی تمییز الصحابه**،(کتاب النساء)،ابن حجرعسقلانی، احمد بن علی،الامام،الحافظ،(م۸۵۲ھ)،دراسة وتحقیق و تعلیق،الشیخ عادل احمدعبدالموجود۔والشیخ علی محمد معوض، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان،طبع اولیٰ،۱۹۹۵ء/۱۴۱۵ھ

☆ **الإکمال فصل فی الصحابة**،حرف العین

☆**البحرالمحیط فی اصول الفقه**، الزرکشی، بدرالدین محمد بن بہادر(م۷۹۴ھ) دارالصفوة للطباعة والنشر والتوزیع بالفردقة، کویت، ۱۹۹۲ء

☆**البرهان فی علوم القرآن**،الزرکشی،بدرالدین محمد بن بہادر(م۷۹۴ھ)،مطبعه عیسی الحلبی،۱۹۵۷ء

☆**التشریع الجنائی الاسلامی**، عودہ،عبدالقادر،(شہید۱۹۵۴ء)دارالکتاب العربی، بیروت،لبنان

☆**التفسیر والمفسرون**، الذہبی،محمد حسین، ڈاکٹر،دارالکتب الحدیثیه،۱۹۷۲ء

☆**التفسیرالکبیر**، الرازی،فخرالدین،الامام، ناشر،دارالکتب العلمیه،طہران

☆**الثقافة الاسلامیة**، محمد خلف اللہ احمد،مصر،۱۹۵۵ء

☆**الجامع لأحکام القرآن**،القرطبی ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد الانصاری ، مؤسسه مناهل العرفان،بیروت۔ ومکتبة الغزالی، دمشق

☆**الدرالمنثور**،السیوطی،جلال الدین،مکتبه دارالمعرفه، بیروت، لبنان

☆**الرساله**،الشافعی،محمد بن ادریس، دارالتراث،القاہرہ

☆**الصحوة الإسلامیة بین الجحود والتطرف**، القرضاوی، یوسف،ڈاکٹر،(اسلامی بیداری، انکاراورانتہا پسندی کے نرغے میں) ترجمہ،ندوی،سلیمان،مکتبہ تعمیرانسانیت، لاہور،طبع دوم،۱۹۹۲ء

☆**الطبقات الکبری**، ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد (م۲۳۰ھ) دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸ء، ۱۹۸۵ء
☆ **الطرق الحکمیه فی السیاسة الشرعیة**، ابن قیم، (م۷۵۱ھ) المکتبة الاثریة، سانگلہ ہل، شیخوپورہ، ۱۳۱۷ھ
☆**العقل والنقل**، عثمانی، شبیر احمد، مولانا، ادارہ اسلامیات، ۱۹۰/انارکلی، لاہور، ۱۳۳۳ھ
☆**الکشاف**، الزمخشری، ابی القاسم جاراللہ محمود بن عمر، انتشارات آفتاب، تہران
☆**المآل والحکم فی الاسلام**، عودہ، عبدالقادر، دارالسعودیه للنشر والتوزیع، جدہ، طبع سوم، ۱۳۸۹ھ
☆ **المبسوط**، السرخسی، شمس الدین ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل (م۴۹۰ھ) دارالمعرفه، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ
☆**المحلی**، ابن حزم، علی بن احمد، دارالافاق الجدیده، بیروت
☆**المدخل الفقهی العام**، زرقاء، مصطفیٰ احمد، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء
☆**المستصفی فی علم الاصول**، الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد، (م۵۰۵ھ) دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء
☆**المعجم الوسیط**، ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن الزیات، حامد عبدالقادر، محمد علی النجار، دارالتراث العربی، بیروت، لبنان
☆**الموافقات فی اصول الشریعه** الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ (م۷۹۰ھ)، المکتبة التجاریة الکبریٰ، مصر ۱۹۷۵ء۔و مطبعة المدنی، القاہرۃ، مصر
☆**الوجیز فی أصول الفقه**، زیدان، عبدالکریم، پروفیسر، ترجمہ: (جامع الاصول) احمد حسن، پروفیسر، ڈاکٹر، مطبع مجتبائی، ہسپتال روڈ لاہور، پاکستان، طبع اوّل، ۱۹۸۶ء
☆ **انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل**، مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، طبع یازدھم، مئی ۱۹۶۶ء
☆**انسانی حقوق حق و باطل کے درمیان**، عبدالعزیز کامل، **حقوق انسانی کی آڑ میں اسلام مخالف اور پاکستان دشمن این جی اوز کا بھیانک کردار**، ترتیب وتحقیق، محمد متین خالد، طابع، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان، مارچ، ۲۰۰۳ء
☆**انقلابی جدوجہد میں خواتین کا کردار**، محمد رفیق، پروفیسر، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع دوم، اپریل ۱۹۹۵ء
☆**ایک علمی وفکری مکالمہ** غامدی، جاوید احمد، ر، زاہد الراشدی، ابوعمار رمعز احمد رخورشید ندیم رفاروق خان، ڈاکٹر۔ الشریعہ اکیڈمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ، طبع اول، فروری ۲۰۰۷ء
☆**این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے**، علوی، ثریا بتول، تدوین، موسیٰ خان، جلال زئی، فیروزسنز، پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۰ء
☆**این جی اوز کے شیطانی حربے**، ابوسلمان، ڈاکٹر، **حقوق انسانی کی آڑ میں اسلام مخالف اور پاکستان دشمن این جی اوز کا بھیانک کردار**، ترتیب، متین خالد، محمد، عالمی مجلس تحفظ حقوق نسواں، حضوری باغ روڈ ملتان، مارچ، ۲۰۰۳ء
☆**اینٹی ڈوہرنگ Anti Dihring** کارل مارکس، عربی ترجمہ، راشد برادی، مطبوعہ ۱۹۳۴ء

☆ **آئینہ پرویزیت**، کیلانی، عبدالرحمٰن، مکتبہ السلام، وسن پورہ، لاہور، طبع سوم، جنوری ۲۰۰۱ء

☆ **بدایۃ المجتھد**، ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد بن محمد، دار الجیل، طبع سوم، بیروت، ۱۹۸۹ء/۱۴۰۹ھ

☆ **برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کا منصوبہ ساز میکالے کا نظام تعلیم**، سید شبیر بخاری **میکالے اور برصغیر کا نظام تعلیم**، طبع، لاہور، ۱۹۸۶ء

☆ **برھان**، غامدی، جاوید احمد، دارالاشراق، ۱۲۳/ڈی، ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع سوم، ستمبر ۲۰۰۱ء

☆ **بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش**، محمد الیاس، مرزا، حرا پبلی کیشنز، اُردو بازار، لاہور، نومبر ۱۹۹۴ء

☆ **بنیادی حقوق**، محمد صلاح الدین، ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور، طبع اوّل، دسمبر ۱۹۷۷ء

☆ **پاکستان اور جمہوریت کے درست زاویے**، اسلم میر، پاکستان فورم اسلام، ۱۹۹۶ء

☆ **پاکستانی عورت دوراہے پر**، اصلاحی، امین احسن، مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۸ء

☆ **پردہ**، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۳ کورٹ سٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور، طبع ۵۸، نومبر ۲۰۰۲ء

☆ **تاریخ افکار و علوم اسلامی**، راغب طباخ، علامہ، ترجمہ، بلخی، افتخار احمد، مولانا، زیر اہتمام، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ای/شاہ عالم مارکیٹ، لاہور، طبع اوّل، جون ۱۹۶۸ء

☆ **تاریخ بغداد** از خطیب البغدادی، ط/الخانجی، القاہرہ 1339ھ۔

☆ **تاریخ تفسیر و مفسرین**، حریری، غلام احمد، پروفیسر، کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار، فیصل آباد، طبع ہفتم، ۲۰۰۰ء

☆ **تحریر المرأہ فی عصر الرسالۃ**، ابوشقہ، عبدالحلیم۔ بحوالہ "The Muslim concept of Law" "یہ ہیلن افشر Helen Afshar کے مقالے کا عنوان ہے، جسے میا یمانی نے مدون کیا۔ میا یمانی کی تدوین کا نام "Islam & Feminism" ہے۔

☆ **تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ**، ابوشقہ، عبدالحلیم، دار الکلام، کویت، ۱۹۹۰ء

☆ **تدبر قرآن**، اصلاحی، امین احسن، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القران، لاہور، ۱۹۷۶ء

☆ **تذکرۃ الحفاظ** از ذھبی: مجلس دائرۃ المعارف الاسلامیہ حیدر آباد، دکن، ط/رابعہ، ۱۳۸۸ھ، ص/۱۳؛ الإکمال فی اسماء الرجال علی ھامش المشکوٰۃ از ولی الدین محمد عبد اللہ الخطیب التبریزی: وزارۃ التعلیم الفید رالیہ، اسلام آباد ط/ ۱۹۸۵م

☆ **ترقی، تولیدی صحت اور حقوق قاہرہ کانفرنس پر عملدر آمد**، وینڈی ہرکورٹ، مترجم، نائلہ رضا، سوسائٹی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ، مسیح پبلی کیشنز شرکت گاہ لاہور، مارچ ۱۹۹۹ء

☆**تشکیل جدید الہیات اسلامیہ**، اقبال، علامہ، مترجم، نذیر نیازی، سید، مطبوعات بسلسلہ گولڈن جوبلی، بزم اقبال کلب روڈ، لاہور، طبع چہارم،۱۹۹۴ء، طبع پنجم، جنوری ۲۰۰۰ء

☆**تفسیر القرآن العظیم**، ابن کثیر، الحافظ عمادالدین ابوالفداء اسماعیل القرشی الدمشقی، مؤسسة الريان للطباعة والنشر التوزيع، الرياض۔ مکتبہ دارالفکر، طبع اوّل، ۱۹۸۸ء

☆**تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل**، الزمخشری، ابوقاسم جار اللہ محمود بن عمر الخوارزمی، دار المعرفة، بیروت

☆**تفسیر مطالب الفرقان**، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، طبع اول، نومبر ۱۹۷۹ء

☆**تفہیم القرآن**، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، ادارہ ترجمان القران لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۴ء، طبع پنجدھم، اگست ۱۹۹۶ء

☆**تنقیحات**، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ای رشاہ عالم مارکیٹ لاہور۔طبع دوازدھم، دسمبر ۱۹۷۶ء

☆**تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو**، سیموئیل پی ہنٹنگٹن، مترجم، سہیل انجم، مرتب، مارٹن ای مارٹی اور اسکاٹ اپیل بی، ۵/بنگلور ٹاؤن، شارع فیصل، کراچی، ۲۰۰۳ء

☆**تیسیر القرآن**، کیلانی، عبدالرحمٰن، مترجم، مفسر، مکتبۃ السلام، سٹریٹ نمبر ۲۰، وسن پورہ، لاہور، طبع دھم، ۱۴۲۸ھ

☆**جامع البیان** از الطبری: دار الكتب العلمية، بیروت

☆**جامع ترمذی**، ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۸ء

☆**جدید تحریک نسواں اور اسلام**، علوی، ثریا بتول، ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء

☆**جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب**، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، انصاری پرنٹرز، محلّہ جنگی، پشاور، طبع اول، اکتوبر ۲۰۰۰ء

☆**جدید نظریات کی شکست و ریخت اور اسلامی نظام کی ضرورت**، عباسی مدنی، صدر اسلامک سالویشن فرنٹ الجزائر، مترجم، خلیل احمد حامدی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، پاکستان، طبع اوّل، اگست ۱۹۹۳ء

☆**حجة الله البالغة**، الدھلوی، شاہ ولی اللہ، ترجمہ عبدالحق حقانی، کراچی، تاریخ طبع ندارد

☆**حقوق النساء فی الاسلام وحظهن من الاصلاح المحمدی العام**، رشید رضا، محمد، المكتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۴ء

☆**حقوق انسانی کی آڑ میں**، متین خالد، محمد، ناشر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، مارچ ۲۰۰۳ء

☆**حمیدالدین فراہی**، حیات و افکار، مقالات فراہی سیمینار، انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۲ء

☆**خاتون اسلام** ،اسلامی شریعت میں عورت کا مقام اسلام اور جدید تہذیب کا تقابل ، وحیدالدین خان ،مولانا،دارالتذ کیر، رحمٰن سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور،۲۰۰۶ء

☆**خطبات اقبال ایک مطالعہ**، اعظمی، الطاف احمد، دارالتذ کیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆**دریائے کابل سے دریائے یرموک تک** ،ندوی، ابوالحسن ،مولانا، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو، طبع سوم، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ

☆**دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اوراقبال**، معین الدین عقیل، ڈاکٹر

☆**دہلی پلیٹ فارم ۲۰۰۶ء بین الاقوامی کاؤنسل برائے اسلام**، راشد شاذ، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء

☆**ذہنی اور اعتقادی ارتداد** ،ندوی، ابوالحسن ،مولانا، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔مطبوعات نمبر ۱۴۸، ستمبر ۱۹۹۱ء

☆**سرسیداور حالی کا نظریہ فطرت**، ظفرحسن، ڈاکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۔کلب روڈ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۳ء

☆**سرگزشت غزالی** ،ندوی، محمد حنیف ،ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان ،طبع دوم، ۱۹۶۹ء

☆**سلیم کے نام خطوط**، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔B ، گلبرگ ،لاہور، طبع: ۱۲۹کتوبر ۱۹۵۵ء

☆**سنن ابن ماجه**، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی، تحقیق فواد عبدالباقی ،دارالفکر، بیروت

☆**سنن ابی داؤد**، ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ،مکتبہ دارالسلام للنشر والتوزیع، لاہور

☆**سیر أعلام النبلاء** از الذھبی

☆**سیکولرازم اُصول ومبادی**، تاریخ وتنقید، گجر کاشمیری، ڈاکٹر، ادارہ ترجمان القران، اچھرہ، لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء

☆**شذرات الذهب فی تاريخ من ذهب**، ابن العماد، مطبع القدسی، ۱۳۵۵ھ

☆**شرح کوکب المنیر** ،ابن نجار، محمد بن احمد بن عبدالعزیز الفتوحی، تحقیق، احمد الزحیلی ،ڈاکٹر، مکتبہ العبیکان، الریاض، طبع ، ۱۹۹۳ء

☆**شرح فتح القدیر**، ابن الھمام الحنفی ،محمد بن عبدالواحد السیوسی ، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر، طبع اوّل، ۱۹۷۰ء

☆**صحيح البخاری** ، البخاری، محمد بن اسماعیل ،دارالسلام، الریاض، طبع سوم، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ

☆**صحیح مسلم** ،مسلم بن الحجاج القشیری، ابی الحسین، دارالسلام، الریاض، طبع سوم، ۲۰۰۰ء/۱۴۲۱ھ

☆**طاہرہ کے نام خطوط**، پرویز، غلام احمد، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵۔B، گلبرگ، لاہور، طبع چہارم، ۱۹۷۹ء

☆**علم اصول فقہ ایک تعارف**، ترتیب و تدوین ،ڈھلوں، عرفان خالد، ڈاکٹر، شریعہ اکیڈمی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،اسلام آباد، طبع اوّل، ۲۰۰۶ء

☆**علم جدید کا چیلنج** ، وحیدالدین خان، مجلس نشریات اسلام ،ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۴ء

☆**عورت اسلامی معاشرہ میں**،عمری، جلال الدین انصر، اسلامک پبلیکیشنز لمٹیڈ، لاہور،طبع سوم، اکتوبر ۱۹۷۴ء

☆**عورت جنسی تفریق اور اسلام**،لیلیٰ احمد،مترجم: خلیل احمد، دستاویز مطبوعات مشعل، لاہور، ناشر: رانا مشعل پاکستان آرمی ۔۵سیکنڈ فلور،عوامی کمپلیکس،عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور،۱۹۹۵ء

☆**عورت کی شرکت کے بغیر جمہوریت ادھوری ہے**،(مصنف ندارد) عورت پبلیکیشنز اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی/۶، اسلام آباد

☆**عورت معرض کشمکش میں**،نعیم صدیقی، ادارہ معارف اسلامی،منصورہ، لاہور،طبع اوّل،۱۹۹۳ء

☆**عورت معمار انسانیت**، وحید الدین خان، دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ،غزنی سٹریٹ،اردو بازار، لاہور،۲۰۰۶ء

☆**عورتوں کے امتیازی مسائل وقوانین، حکمتیں اور فوائد**، صلاح الدین یوسف،حافظ، دارالسلام، الریاض، السعودیہ العربیہ،طبع اوّل،تاریخ ندارد

☆**غیرت کے نام پر قتل**،عورت فاؤنڈیشن،عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی۔۶، اسلام آباد

☆**فاطمہ فاطمہ است**، علی شریعتی،تہران شاہدٰ یز پریس،تہران،۱۹۷۸ء

☆**فتح الباری شرح صحیح البخاری**،ابن حجرعسقلانی، احمد بن علی،(م۸۵۶ھ) مکتبہ دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان،۱۹۸۱ء

☆**فتح البیان فی مقاصد القرآن**،القنوجی،صدیق بن حسن بن علی الحسینی، احیاء التراث الاسلامی،قطر

☆**فقہ اسلامی کی نظریہ سازی**،جمال الدین عطیہ،ڈاکٹر، مترجم،قاسمی،عتیق احمد،مولانا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ،اُردو بازار، لاہور، اپریل ۱۹۷۷ء

☆**فقہ القرآن**،عثمانی، عمر احمد، ادارہ فکر اسلامی، کراچی، طبع اوّل،۱۹۸۲ء

☆**فکر اسلامی کی تشکیل نو**،علامہ اقبالؒ کی شہرہ آفاق انگریزی خطبات کا ایک مطالعہ،ترجمہ: محمد عثمان، پروفیسر، سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور،طبع اوّل،۱۹۸۵ء

☆**فلسفہ مذہب**، برٹ ایڈون اے۔مترجم، بشیر احمد، ڈار، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور،۱۹۶۳ء

☆**فہم القرآن**، اکبرآبادی،سعید،مولانا، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور،۱۹۸۲ء

☆**فیض القدیر**،المناوی،عبدالرؤف، مکتبہ التجاریہ الکبری المصر ،طبع اوّل،۱۳۵۶ھ

☆**قاموس مترادفات**، وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ، ۲۹۹۔اپر مال، لاہور،طبع اوّل، اگست ۱۹۸۶ء

☆**قانون معاشرت**، غامدی، جاوید احمد، المورد، ادارہ علم وتحقیق، ۵۱۔کے/ماڈل ٹاؤن، لاہور،طبع دوم، اگست ۲۰۰۶ء

☆**قرآن اور علم جدید**، رفیع الدین، محمد،ڈاکٹر، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، ۷۔فرینڈز کالونی، ملتان روڈ، لاہور،طبع چہارم، مارچ ۱۹۸۱ء

☆**قرآن اور علم جدید**، رفیع الدین، محمد، ڈاکٹر، تلخیص: محمد موسیٰ بھٹو، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۱۴۰۰بی یونٹ نمبر۴، لطیف آباد، حیدر آباد

☆**قرآن اور عورت**، قاسمی، محمد دین، ڈاکٹر، پروفیسر، ادارہ مطبوعات تکبیر، نامکو سینٹر کیمبل اسٹریٹ، کراچی، نومبر ۱۹۸۹ء

☆**قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل**، فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، سروسز بک کلب، ٹیم پرنٹرز ۶۲-۷ بینک روڈ، راولپنڈی، طبع دوم، ۱۹۹۶ء

☆**قرآن سے قرآن تک**، مرتبہ عرشی صاحب

☆**قرآن فہمی کے بنیادی اُصول**، مرتب: مدنی حسن، حافظ، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆**قرآن فہمی میں حدیث وسنت کا کردار**، محمد امین، ڈاکٹر، ''قرآن فہمی کے بنیادی اُصول'' نامور مفسرین کے قلم سے، مرتب: حسن مدنی، حافظ، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، ۲۰۰۵ء

☆**قرآنی قوانین**، پرویز، غلام احمد، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور

☆**قصص الانبیاء کے رموز اوران کی حکمتیں**، ولی اللہ، شاہ، اردو ترجمہ، قاسمی، غلام مصطفیٰ، مولانا، حیدر آباد، ۱۹۶۹ء

☆**قواعد الاحکام فی مصالح الأنام**، عزالدین بن عبدالسلام، مؤسسۃ الریان لطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء

☆**کلید کلیات اقبال، ضرب کلیم**، اقبال، علامہ، مرتب، احمد رضا، ادارہ اہل قلم، لاہور، طبع اوّل، ۲۰۰۵ء

☆**کلیات اقبال، بانگ درا**، اقبال، علامہ، اقبال اکیڈمی، لاہور، طبع ہشتم، ۲۰۰۷ء

☆**کلیات اکبر**، اکبر الہ آبادی، مرتب، خضر سلطان، رانا، بک ٹاک، میاں چیمبر، ۳ ٹیمپل روڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء

☆**کیا عورت آدھی ہے؟**، وارث میر، پروفیسر، نگارشات میاں چیمبرز، ۳ ٹمپل روڈ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۹ء

☆**کیف تعامل مع السنۃ النبویۃ**، القرضاوی، یوسف، مکتبہ المؤید، الریاض، ۱۹۹۱ء

☆**گھریلو تشدد**، عورت فاؤنڈیشن، عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی ۶، اسلام آباد

☆**لسان المیزان**، ابن منظور الافریقی، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، دارالکتب العملیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۲ء

☆**مبادی تدبر حدیث**، اصلاحی، امین احسن، فاران فاؤنڈیشن، ۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، ۲۰۰۰ء

☆**مبادی تدبر قرآن**، اصلاحی، امین احسن، فاران فاؤنڈیشن، ۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، طبع چہارم، اگست ۱۹۹۹ء

☆**مترادفات القرآن**، کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، مکتبۃ السلام، سٹریٹ نمبر ۲۰، وسن پورہ، لاہور، طبع ہشتم، جولائی ۲۰۰۵ء

☆**محاضرات فقہ**، غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، طبع اوّل، جون ۲۰۰۵ء

☆**مرد اور عورت سماجی تعلق کے اسلامی آداب**، مسلم معاشرے کی تشکیل نو۔ فاروق خان، محمد، ڈاکٹر، ادارہ برائے تعلیم وتحقیق، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

☆**مستقبل الثقافة فی مصر**، طٰہٰ حسین، مطبع معارف، دار المعارف لطباعة والنشر، سوسہ، تونس، ۲۰۰۱ء

☆**مسلم تحریک نسواں**، حیفا جواد، ترجمہ، خورشید احمد ندیم، معاصر اسلامی فکر۔ ادارہ برائے تعلیم و تحقیق، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

☆**مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش جائزہ، مشورہ، محاسبہ**، ندوی، ابوالحسن، سید، مولانا، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۱ء

☆**مسلمان عورت**، فرید وجدی آفندی، ترجمہ، ابوالکلام آزاد، کتب خانہ، ایم اے ثناء اللہ خان، ریلوے روڈ، لاہور، طبع نہم، مارچ ۱۹۵۶ء

☆**مسلمانوں کا فکری اغوا**، مریم خنساء، دار الکتب السّلفیہ، شیش محل، لاہور، ۱۴۲۶ھ

☆**مصباح اللغات**، بلیاوی، عبدالحفیظ، مولانا، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء

☆**معاشرتی تحفظ ترقی میں شرکت**، عورت فاؤنڈیشن، عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی/۶، اسلام آباد

☆**مغربی عورتوں کی جدوجہد کی چند جھلکیاں**، مغربی عورت اور ادب زندگی، خالد سہیل، ناشر زاہد لودھی، کرسٹولنک طباعت، رین پریس، لاہور، ۱۹۸۸ء

☆**مفردات القرآن**، اصفہانی، راغب، ترجمہ وحواشی، فیروز پوری، محمد عبدہ الفلاح، مکتبہ قاسمیہ، جامع قدس، چوک دالگراں، لاہور

☆**مقالات حکیم**، (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے مضامین کا مجموعہ)، مرتب، رزاقی، شاہد حسین، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۹ء

☆**مقالات سرسید**، احمد خان، سید، مرتب: محمد اسماعیل، پانی پتی، مجلس ترقی ادب، لاہور

☆**مقامی حکومت میں عورتوں کی بھرپور نمائندگی، متوازن، منصفانہ جمہوری معاشرے کی نوید**، مصنف ندارد، عورت پبلیکیشنز اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی/۶، اسلام آباد (afrs@mail.comsats.net.pk)

☆**مقامی حکومتوں میں عورتوں کی نمائندگی کی انتخابی مہم، ضلعی رابطہ کمیٹی، سرگرمیاں، طریقہ کار اور لائحہ عمل**، (مصنف ندارد) عورت پبلیکیشنز اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی/۶، اسلام آباد

☆**مقدمۃ التفسیر**، اصفہانی، راغب، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

☆**مقدمہ روح المعانی**، آلوسی، السید محمود (م ۱۲۷۰ھ)، الطباعة المنيريه، ۱۳۴۷ھ

☆**منصفانہ قانون، عورت کی ترقی**، عورت فاؤنڈیشن، عورت پبلیکیشنز اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، جی/۶، اسلام آباد

☆**منہج الفرقان**، ابوسلامہ، محمد، مطبع شبرا، ۱۹۳۸ء

☆**مؤطا امام مالک**، مالک بن انس، امام، دار النفائس، بیروت، طبع ششم، ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ

☆**میزان الاعتدال**: ط/ اولیٰ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1416ھ

☆**میزان**، غامدی، جاوید احمد، المورد، ادارہ علم و تحقیق، لاہور، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء
☆**نور اللغات**، نور الحسن نیرّ، مولوی، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۹ء

رسائل

☆اجتہاد (سہ ماہی) ،**اسلام مغرب اور جدیدیت**، تماران،ڈاکٹر،عدد/۱ش/۲، دسمبر ۲۰۰۷ء،اسلامی نظریاتی کونسل،۴۶۔ اتاترک ایونیو، جی ۶/۵،اسلام آباد

☆اجتہاد (سہ ماہی) ،**اجتہاد**، غامدی، جاوید احمد،عدد/۱ش/۱، جون ۲۰۰۷ء،اسلامی نظریاتی کونسل،اسلام آباد

☆اجتہاد (سہ ماہی) ،**حدود شرعیہ**، زاہد الراشدی،مولانا،عدد/۱ش/۲، دسمبر، ۲۰۰۷ء،اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

☆اجتہاد (سہ ماہی) **خطبات اقبال اور ساحل**، احمد جاوید،عدد/۱،ش/۱، جون ۲۰۰۷ء، اسلامی نظریاتی کونسل،اسلام آباد

☆اجتہاد (سہ ماہی) **مراکش: عائلی قوانین میں اصلاحات اور دور حاضر**، لی اون بسکنز،عدد/۱ش/۱، جون ۲۰۰۷ء

☆ اشراق (ماہنامہ) غامدی،جاوید احمد، ج/۱۴،ش/۵،مئی ۲۰۰۲ء، المورد، ۵۱۔ کے/ ماڈل ٹاؤن، لاہور

☆ اشراق (ماہنامہ) **حیا اور حجاب**، غامدی،جاوید احمد(مدیر اشراق سے روزنامہ پاکستان کے لیے ایک انٹرویو)/ وقار ملک، ج/۱۴،ش/۵،مئی ۲۰۰۲ء

☆اشراق (ماہنامہ) **جاوید احمد غامدی کے افادات پر مبنی**،منظور الحسن، ج/۱۶،ش/۳، مارچ ۲۰۰۴ء

☆المعارف (ماہنامہ) **دنیائے اسلام میں تحریک مغربیت اور اقبال**،معین الدین عقیل،ڈاکٹر، ج/۲۰،(خصوصی شمارہ)/۷، جولائی-اگست ۱۹۸۷ء،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲/کلب روڈ، لاہور

☆المعارف (ماہنامہ) منظور احمد، ڈاکٹر، ج/۲۷،ش/۴-۵-۶، اپریل۔جون ۱۹۹۴ء،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲/کلب روڈ، لاہور

☆ المعارف،(ماہنامہ) **مستقبل کے اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار**،منظور احمد،ڈاکٹر، ج/۲۷،ش/۱۔۲۔۳،جنوری -مارچ ۱۹۹۴ء ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور،۲/کلب روڑ ، لاہور

☆ایشیا،(ہفتہ وار) **بیجنگ کانفرنس کے پس پردہ عوامل**،ایشیا رپورٹ، ج/۴۹،ش/۲۳،۴۲، ۸ جون ۲۰۰۰ء،چیمبرلین روڈ، لاہور

☆ آئین (ماہنامہ) **اسلام میں عورت کا دائرہ کار**،شمس الدین امجد، ج/۴۳،ش/۸،اگست ۲۰۰۵ء،فرسٹ فلور، 9/1-A رائل پارک، لاہور

☆ آئین (ماہنامہ) **بیجنگ پلس ٹین، مقاصد، اہداف اور کام**،محمد الیاس،مرزا، ج/۴۳،ش/۳، مارچ ۲۰۰۵ء فرسٹ فلو ر 9/1-A رائل پارک، لاہور

☆ آئین (ماہنامہ) **پوسٹ ماڈرن ازم**، محمد الیاس،مرزا،،(مغربی تہذیب، اشاعت خاص) ، جون ۲۰۰۵ء۔فرسٹ فلو ر 9/1-A رائل پارک، لاہور

☆ آئین (ماہنامہ) **روایت اور جدت کی کشمکش**، محمد الیاس، مرزا، ج ۴۳/ ش ۴/، اپریل ۲۰۰۵ء

☆ آئین (ماہنامہ)، **سیکولرازم اور اسلام**، شبیر احمد، جامعی، حافظ، ج ۴۴/، ش ۳/، مارچ ۲۰۰۶ء، فرسٹ فلور 9/1-A رائل پارک، لاہور

☆ آئین (ماہنامہ) **عورت کا مقام و مرتبہ مذہبی اور بنیاد پرستانہ تصورات میں امتیاز**، محمد فاروق خان، ڈاکٹر، ترجمہ: محمد الیاس، مرزا، ج ۴۳/ ش ۱۲/ دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ بیدار ڈائجسٹ (ماہنامہ)، جولائی ۱۹۹۸ء

☆ ترجمان القرآن (ماہنامہ) **روشن خیالی اور اعتدال پسندی نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں**، محمد رضا خان، ج ۱۳۴/، عدد ۲/، فروری ۲۰۰۷ء، ادارہ ترجمان القرآن، منصورہ، لاہور

☆ ترجمان القرآن (ماہنامہ) **عالمگیریت اور اسلامی آفاقیت**، مخدوم احمد رضا، ادارہ ترجمان القرآن، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، زیر اہتمام 'البلاغ ٹرسٹ' ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور

☆ تعمیر افکار (ماہنامہ) **اجتہاد کی ضرورت اور عصر حاضر**، زاہد الراشدی، علامہ، ج ۵/، ش ۱۱/، اپریل ۲۰۰۵ء، ناشر: حقانی میاں، حافظ، قادری، A-۴-۴/۴/۱۷، ناظم آباد ۴/ کراچی

☆ جہد حق، (ماہنامہ) کشور ناہید، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ج ۱۴/، ش ۵/، مئی ۲۰۰۷ء،

☆ ختم نبوت (ہفت روزہ)، ۷ مئی ۱۹۹۳ء

☆ دار العلوم نمبر، **مسلم پرسنل لاء اور اس کے چند گوشے**، ظفیر الدین، محمد، مفتی دار العلوم دیوبند، مسلم پرسنل لاء، مارچ - اپریل ۱۹۸۶ء

☆ روزن، پہچان، مردوں کے ساتھ کام کرنے کے تجربات، کملا بھیسن، مبارزہ، نیوز لیٹر، صنفی کارکنان اور تربیت کاروں کا نیوز لیٹر، اسلام آباد، ش ۱۲/ جنوری ۲۰۰۵ء

☆ ساحل (ماہنامہ) **تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں چند استفسارات**، محمد حسن، عسکری (حصہ اوّل)، ج ۱/، ش ۱۲/، دسمبر ۲۰۰۶ء، بی ۴۲۶۔ سیکٹر A-II، نارتھ کراچی

☆ ساحل (ماہنامہ) اداریہ، خالد علی، انصاری، ج ۳/، ش ۳/، مارچ ۲۰۰۷ء، ۴۲۶/ بی سیکٹر، A/ ۲/ نارتھ کراچی

☆ ساحل (ماہنامہ) **جدیدیت، اسلام اور مغرب دو مختلف مذاہب**، خالد علی، انصاری، ڈاکٹر، ج ۳/، ش ۳/، مارچ ۲۰۰۷ء

☆ طلوع اسلام، (ماہنامہ) اسلامی نظام، پرویز، ج ۵/، مئی ۱۹۵۲ء B/۲۵ گلبرگ، لاہور

☆ طلوع اسلام، (ماہنامہ) ۵ فروری ۱۹۵۵ء B/۲۵ گلبرگ، لاہور

☆ طلوع اسلام، (ماہنامہ) لمعات، پرویز، ناظم ادارہ طلوع اسلام، ج ۹/، ش ۵/، جون ۱۹۵۶ء

☆طلوع اسلام،(ماہنامہ) لمعات، ناظم ادارہ طلوع اسلام، ج۱۳ش۸،اگست ۱۹۶۰ء
☆طلوع اسلام،(ماہنامہ) نقد ونظر،خورشید عالم، ج۲۰ش۲،فروری ۱۹۶۷ء
☆طلوع اسلام،(ماہنامہ) باب المراسلات،''قانون شھادت، مؤلف ندارد، ج۳۶ش۳ مارچ ۱۹۸۳ء
☆طلوع اسلام،(ماہنامہ) کیا تمام مذاہب یکساں ہیں، پرویز، ج۴۰ش۱۲دسمبر ۱۹۸۷ء
☆طلوع اسلام،(ماہنامہ) اعزاز الدین احمد خان، اگست ۱۹۹۰ء B/۲۵ گلبرگ، لاہور
☆فکرونظر (سہ ماہی) **صغرسنی کی شادی اور اسلام**، عثمانی، عمر احمد، مارچ ۱۹۶۴ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
☆فکرونظر (ماہنامہ) **تحریک آزادی نسواں اور مصر**، جمیلہ شوکت، ج۱۵ش۱۰، اپریل ۱۹۷۸ء
☆ فکرونظر، (سہ ماہی) **اجتہاد اور اس کی عصری تطبیقات**، محمد امین، ج۲۲ش۴، اپریل۔ جون ۱۹۸۵ء،
☆ قانون سازی پر نظر، (سہ ماہی) عورت پبلی کیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن، اسلام آباد
☆ محدث (ماہنامہ) **قرآن کریم کی عدالتی شہادت، قرآن کریم کی روشنی میں**، قاسمی، محمد دین، پروفیسر، ج۲۰ش۷، فروری ۱۹۹۰ء
☆ محدث (ماہنامہ) **عاصمہ جہانگیر کی طرف سے اسلامی شعائر کی تضحیک** از صدیقی، محمد عطاء اللہ، ج۳۱ش۵، مئی ۱۹۹۹ء
☆ محدث (ماہنامہ) **تحریک نسواں: نظریات واثرات**، عطاء اللہ صدیقی، ج۳۲ش۴، اپریل ۲۰۰۰ء
☆ محدث (ماہنامہ) **سیکولرازم کا سرطان** از عطاء اللہ، صدیقی، ج۳۲ش۸، اگست ۲۰۰۰ء
☆ محدث (ماہنامہ) **منٹس آف ایجوکیشن ان انڈیا کلکتہ ۱۸۶۲ء**، غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، بحوالہ''اکبر آلہ بادی اور جدید ذہن'' غلام حسین، ڈاکٹر، پروفیسر، ج۳۳ش۶، جون ۲۰۰۱ء
☆ محدث (ماہنامہ) **اختلاف تعبیر قرآن اور منکرین حدیث**، محمد دین قاسمی، پروفیسر، ج۳۴ش۸-۹، اگست۔ستمبر ۲۰۰۲ء
☆ محدث (ماہنامہ) **اطاعت رسول اور پرویز** از منظور احسن، عباسی، ج۳۴ش۸-۹، اگست۔ستمبر ۲۰۰۲ء
☆ محدث (ماہنامہ) **فتنہ انکار حدیث**، حسن مدنی، حافظ، ج۳۴ش۸-۹، اگست-ستمبر ۲۰۰۲ء
☆ محدث (ماہنامہ) **عورت اور ترقی**، عطاء اللہ، صدیقی، ج۳۶ش۳، مارچ ۲۰۰۴ء
☆ محدث (ماہنامہ) **تحریک نازن**، عطاء اللہ صدیقی، محمد (تحریک نسواں پر اشاعت خاص)، ج۳۶ش۱۱، نومبر ۲۰۰۴ء
☆ محدث (ماہنامہ) **آزادئ نسواں یا فحاشی کا فروغ**، آصف احسان، عبدالباقی، محمد، ج۳۶ش۱۱، نومبر ۲۰۰۴ء
☆ محدث (ماہنامہ) **آزادئ نسواں کا فریب**، تقی عثمانی، محمد، جسٹس، ج۳۶ش۱۱، نومبر ۲۰۰۴ء
☆ محدث (ماہنامہ) **خواتین کی تعلیم کی اہمیت اور مطلوبہ لائحہ عمل**، ثریا بتول، علوی، ج۳۶ش۱۱ نومبر ۲۰۰۴ء

☆ محدث (ماہنامہ) **مسلمان عورت اور کارزار حیات**، ابوالکلام آزاد، ج ۳۶/ش ۱۱، نومبر ۲۰۰۴ء

☆ محدث (ماہنامہ) **علماء کرام کے خلاف پرویز کا معاندانہ رویہ**، محمد دین قاسمی، پروفیسر، ج ۳۸/ش ۳، مارچ ۲۰۰۶ء

☆ منہاج (سہ ماہی) **اجتہاد نمبر**، مدیر مسئول، سید محمد متین ہاشمی، ج ۱/ش ۱، جنوری ۱۹۸۳ء، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

☆ منہاج (سہ ماہی) مجتہد، اوصاف وشرائط از ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، ج ۱/ش ۱، جنوری ۱۹۸۳ء

☆ منہاج (سہ ماہی) مصادر شریعت نمبر، (حصہ سوم) ذرائع، متین ہاشمی، سید، ج ۴/ش ۱، جنوری ۱۹۸۶ء

اَخبارات

☆ روزنامہ **احسان**، لاہور، ۴ فروری ۱۹۵۰ء

☆ روزنامہ **انڈیا ایکسپریس**، (Daily) ۱۴ جنوری ۱۹۸۷ء

☆ روزنامہ، **پاکستان ٹائمز**، لاہور، ۲۵ جون ۱۹۴۹ء

☆ روزنامہ **ٹائمز آف انڈیا**، ۱۶ اپریل ۱۹۸۶ء

☆ روزنامہ، **جسارت**، کراچی، سرگودھا بار سے خطاب، جاوید اقبال، محمد، ڈاکٹر، ۱۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء

☆ روزنامہ **جنگ**، 'حبیب جالب'، ۱۴ جنوری ۱۹۹۲ء

☆ روزنامہ، **نوائے وقت**، تحریک آزادیِ نسواں پر اقبال کی تشویش از عبدالغنی، ڈاکٹر، ۹ نومبر ۱۹۹۶ء

☆ روزنامہ **نوائے وقت**، 'صدر پرویز مشرف کا خطاب'، ۱۱ جون ۲۰۰۳ء

☆ روزنامہ **نوائے وقت** راولپنڈی 'اتاترک کے چاہنے والوں کی نذر' ابن قادر مصطفیٰ، ۴ مئی ۲۰۰۷ء

☆ روزنامہ، **نوائے وقت**، راولپنڈی، 'ترکی میں جمہوریت اور فوج آمنے سامنے'، حکم اذان، حسین احمد پراچہ، ڈاکٹر، ۴ مئی ۲۰۰۷ء

☆ **سول اینڈ ملٹری گزٹ** لاہور، ۲۵ جنوری ۱۹۴۹ء

☆ **ہندوستان ٹائمز**، سنڈے میگزین، ۲۴ ستمبر ۱۹۶۱ء

☆ Daily Pakistan "Feminism, Harmful To Muslim Women" By Faisal Sanai 04-04-05

ENGLISH REFERENCES

☆ ***"A Lesser life, the myth of women's liberation in America"*** by Sylvia Ann Hewlett, Publisher: william Morrow and com. Feb, 1986.

☆ ***"A Vindication of the rights of woman"*** with structures on political and moral subject's by Mary wollstone craft, third edition , printed for J-Johnson-London on F-03, Johnson No.72, saintpaul church (firstly published on 1792.) Courier Dover publications mineola, New york 1996.

☆ ***"Abolitionists the family and marriage under attack"*** by Ronald Fletcher Routledge London and New york Ny 10001, First Edition, 1988.

☆ ***"Bangladesh Country Papers Celeberating Beijing Plus Ten"*** Fifth South Asian Regiond Ministerial Conference, Islamabad, Pakistan.3-5 May,2005.

☆ ***"Beijing+5 update,*** [*Beijing+5, News Letter (Report)*] This Newsletter is issued by the gender programme of united nation development policies (UNDP) Pakistan July,1999. www.un-org/women watch/ daw/follow up/Beijing+5.utm.

☆ ***"CEDAW,*** Convention on the Elimination of all kinds of Discrimination against women" published by the united nations for public information DPI/993/ REV-2/wom-99-25918 December, 1999.

☆ ***"Convention on the elimination of all kinds of discrimination Against Women"*** Illustrated by Fareeda Asif Ali, A "Sane" Publication, 1995.

☆ ***"Encylopedia of Philosphy"*** Routledge, Edited by Edward Craig, First Edition Published by Routledge 1998. 10Volumes ISBN 978-0415073103.

☆ ***"Feminism and Nationalism in the third world"*** by K. Jayawardena, London Zed

books 1986, M Badran oxford University press 1995.

☆ ***"Feminism and Feminist Movements in the Middle East"*** by L .Ahmed in Aziza Hibri

☆ ***"Feminism is the theory,....Lesbianism is the practice "*** Lesbian Feminism by Molly Megray "

☆ ***"Feminism"*** by Jane Freedman, Viva books Private Limited New Delhi. First south asian edition, 2002.

☆ ***"Feminist Reinterpretation of Islamic sources,*** *Muslim Feminist thology in the light of the christion tradition of Feminist thought"* by A-S- Roald, in K- Ask and M-Tjomsland, ed women and Islamisation.

☆ ***"Fourth world conference on women Beijing sep.1995"*** Pakistan National Report Govt. Of Pakistan, Ministry of Women Development and Youth Affairs prepared by Salma Waheed (Secretary Ministry of Women Development and Youth Affairs. Govt. of Pakistan) Printed by word Mate, Islamabad.

☆ ***"Fundamentalism and Society"***, Reclaining The Sciences, The Family, and Education, The University of Chicage Chicago Press Chicago.

☆ ***"Gender politics and Islam"*** Edited by Therese Saliba, Carolyn Allen, and Judith A. Howard. The University of Chicage Chicago Press Chicago and London, 2002.

☆ ***"Human Rights in Islam and Refutation of the Misconcieved allegations associated with these Rights"*** by Sulieman bin Abdul Rahman Al Hageel Ph.D. Professor of Education Imam Muhammad bin Asud Islamic University first edition 1999.

☆ ***"International Politics Since 1900"*** by Vidy Dhar Mahajan, Schard & Company. New Dehli Bombay.

☆ ***"Intoduction to Jurisprudence"*** by Lord Lloyd Steven and sons, London, 1979.

☆ ***"Islam and Modrenity"*** Transformation of an intellectual Tradition, By Fazal-ur-Rehman chcago-The universtiy of chicago press, 1979.

☆ ***"Islamic Ideology"*** by Khalipha Abdul Hakim Institue of Islamic Culture, 2-Club Road Lahore, Pakistan.

☆ ***"Legislative Watch"***(قانون سازی پر نظر) unit of Aurat publication and information service fundation, Lay-out and design by Aurat Foundation, H.No.16, Street87, G-6/4 Islamabad. Quarterly Newsletter, Issue # 5,6

☆ ***"Major Themes of The Quran"*** by Fazal-ur-Rahman, Publisher: Bibliotheca Islamica, 2nd edition , June, 1989.

☆ ***"Man and Woman how different are they? "*** by John Nicholson published by oxford University Press New york, second Edition, 1993.

☆ ***"Men and Women"*** How different are they John Nicholson Oxford University Press 1984 oxford New York.

☆ **"Milli Times Building Abul Fazl Enclave"** Jamia Nagar, New Delhi, 11025, India (Email=conference@futureislam.com)

☆ ***"Modern Women: The lost sex"*** Ferdinand Lundberg and Marynia F. Farnham, New York: Harper and brother's, 1947.

☆ ***"National conferance of Muslim women"*** by Gulzar Bano (Secretary women division) Women Division Govt. of Pakistan Islamabad. December 1981, (Report)

☆ ***"New Veils and New voices: Islamist wormen's groups in Egypt"*** by Soroya Duval, Karin Ask and Marit Tjomsland, eds, in *women and Islamisation* contemporary dimensions of Discourse on gender Relation, (Oxford: Berg 1998)

☆ ***"No More Sex War"*** by Neil Lyndon, published by sinclair stevenson, 3 south Terrace London, sw-7-2TB uk England, March, 1993.

☆ ***"Pakistan National Report Beijing+10"***, prepared by Suhail Safdar (Acting Secretary Women Development Division) Govt. of Pakistan. Ministry of women development Islamabad, State Life Building no V, Jinnah Avenue Blue Area, Islamabad, 15 feb. 2005.

☆ ***"Pehchaan@mail.comsats.net.pk"*** website www.rozan.org.

☆ ***"Women and Work in Developing Societies"*** Berkclay University of California Population monograph series # 15-1974.

☆ ***"Populism and Feminism in Iran"*** by Haideh Moghissi, women studies at york. General Editor Halen Afsher and Mary Maynard, St Martin Press 1994.

☆ ***"Quran and woman"*** by Amina Wadud, awaded @ saturn vch.edu. (internet)

☆ ***"Quran and women"*** Rereading the sacred text from a woman's perspective by Amina wadud, published by oxford university press, U.S. 1999.

☆ ***"Quran and women"*** by Amina wadud, My muslim.com.Malysia kolalumpur 2001. (internet)

☆ ***"Routledge Encyclopedia of Philosophy"***, General Editor Edward Craic, London and New York, 1998 Routledge.

☆ ***"Selection from Kuran"*** by Edward William Lanc, London 1982.

☆ ***"Sex Gender and Politics of E.R.A"*** by: Donald Methews, *An analysis of Political strategies,* Edited by Mia Yaumani, New York University Press,Washington Square 1996.

☆ ***"Sex and Destiny"*** The Politics of human fertility by, Jermain Greer Picador, Pam books, 1985.

☆ ***"Standing Alone in Mecca, An American Women's struggle for the soul of Islam"*** by Asra Q Nomani, Harper san Francisco, A division of Harper Colins Publishers, Published in 2005.

☆ ***"Status of Women in the Muslim World"*** By Perveen Shaukat Ali, 2nd edition, Aziz publisher, Lahore,1986.

☆ ***"Some Question on Femenism and its Relevance in South Asia"***by Kamla Bhasin & Nighat Said Khan, Publishar, Kali for Woman , India June 30, 1986.

☆ ***"The Anti-social family"*** by Michele Barrett and Mary Mclntosh, published by verso books, second sub edition, 1991

☆ ***"The Best of Times, The Worst of Times: Feminism in the united states***" by Jahanne Brenner "Mapping the women movement" Edited by Monica Threlgall Introduced by Sheila Rowbotham Published by Newlft Review Verso London, 1996. First Publish.

☆ ***" The Cambridge History of Islam"***, vol 2.B., Edited by (1) P.M. Holt, (2) Ann K.S. Lamton, (3) Bernard Lewis, Islamic Society and Civilization, Combridge University Press, Published in 27May, 1977.

☆ ***"The Changing Pakistani Society"***, by Sabeeha Hafeez, Royal Book Compann

Rehman Centre, Zaibunnisa Street Sadar, Karachi-3, Published in 1991.

☆ ***"The Chambers Dictionary"*** by Editors of Chambers Chambers, Harrap publisher Ltd, Delnburgh, Printed in England 9th edition, September, 2003.

☆ ***"The Changing World of Islam"*** by Jameel Jalibi (Vice Chancellor, University of Karachi) and Kazi A Kadir (Ph.D. University of Karachi). Published by the Director, Bureau of composition, compilation, and translation University of Karachi Pakistan. First Edition, 1986.

☆ ***"The Clash of Civilizations and Remaking of world order"*** by Samuel P. Huntington, Oxford University Press.

☆ ***"The Daughters of Amazons. Voices from Central Asia"*** by Murfa Takhtakhodjaeva and Elmira Turgumbekova Translated by Sufain Aslem Edited by Cassandra Balchin. Shirkat Gah Women Resource Centre Lahore, Pakistan. First Edition May 1996.

☆ ***"The Feminine Mystique"*** by Betty Friedan Published by pragma 2002, originaly Published in 1963.

☆ ***"The Feminist challange"*** the movement for women's Liberation in Britian and the united states by David Bouchier, Macmillan Press London. First Published in 1983.

☆ ***"The Fundamentalist observation with women"*** By Dr. Fatima Mernissi, Edited/compiled by Kishwer Naheed, ***"Women, myth and Realities"*** Sange-e-Meal Publications, Lahore.

☆ ***"The Lonely Lady"*** by Harold Robbins origionaly published by New English library London, 1976. Publishor,Pocket books, August 1993.

☆ ***"The Modernlism Encyclopedia of Philosphy complete and unbridged"*** by Paul Edwards (Editor in Chief) Macmillan Publishing Co. Inc. & The Free Press New York, Collier Macmillan Publishers London, Present Edition 1972.

☆ ***"The Muslim Concept of Law"*** (article) by Halen Afsher ***"Islam and Feminism, An Analysis of political strategies"*** edited by Mia Yamani New York University press Washington Square New York NY 10003, 1996.

☆ ***"The Muted Voices of Women Interpreters"*** Bottania Shaaban , Edt.M.Afkhani, ***Faith and Freedom,*** *Women's Human Right in the Muslim world*, 1-B, Tauris Publishers 45 Bloomburry sqare London, New york .

☆ ***"The New chastity and other arguments against women's liberation"*** by Midge Decter.Publisher:Berkley publishing corp,1972.

☆ ***"The Reconstruction of religious thought in Islam"*** Dr. Muhammad Iqbal, The Lectures were given in Madras, Hyderabad and Aligarh, Kazi Publication, June, 1999.

☆ ***"The Role Status and rights of women in Muslim countries"*** by Neelima Ibrahim The selected papers, part-1,*"The national conference of Muslim women"* women devision, Govt: of Pakistan.

☆ ***"The Status of Turkish Women"*** by Dr. Oya Arash, ***"Women, Myth and Realities"*** Edited and compiled by Kishwar Naheed. Sang-e-Meel Publications, 25_ Lower Mall, Lahore, Sep. 1993.

☆ ***"Towards Beijing and Beyoud women shaping policies in areas of concern"*** Centre for women and children studies pact Bangladesh/PRIP, EditorKhaleda

Salahuddin & Ishrat Shamin.

☆ ***"Turkey Faces West"*** *A Turkish view of recent changes and their origion* by Halid Edib, Edward Earle, [Author's Review]. Donald C. Blaisdell, *'The American Historical Review'*, (Journal) Vol / 36, No 4 Jul,1931.

☆ ***"Un breifing papers"*** The world conferences" Developing priorities for the 21st century, NewYork, United Nations NY, 10017,1997.

☆ ***"Voices 2000 & Beyound, Asia pacific women's Lobbying document, for Beijing+5***" Published by Asia pacific women's watch printed UNSW, Sydney Australia. (Report)

☆ ***"Webster's third New International Dictinary of The English Language"*** (unabridged) by A Merriam webster, Editor in Chief Philip Babcock cove Ph.D. and the Merriam webster. G & C Marriam company publishers, springfield Massachusetts, U.S.A, 1971.

☆ ***"Websters New Twntieth Century Dictionary ((Unabridged)"***, Simon and Schuster, New York, United States of America, 2nd Edition 1972.

☆ ***"Whither Islam"?*** A survey of Modern movements in the muslim world by Von H.A.R.Gibb, Routledge, New York, Feb,2000.

☆ ***"Women Action Forum"*** struggle for woemen's rights in Pakistan. Prepared for the fourth world conference on women, Beijing, August, September,1995, Prepared by W.A.F.

☆ ***"Women and Islam, Gendering the Middle East, Emerging Perspectives"*** By Dr. Kandiyoti, I. B. Tauris London, 1996.

☆ ***"Women of Pakistan Two Steps Forward One Step Back?"*** Khawar Mumtaz and Fareeda Shaheed, Vanguard Books,1st Edition. 45 The Mall, Lahore, Pakistan,1987.

☆ ***"Women's Rights in Pakistan, Next Steps Forward"*** INGAD,(Interagency gender and development group in Pakistan) Report on Human Rights day seminar organised by the INGAD group 8th december 1998 Islamabad. Published by INGAD, 1998.

☆ ***"Women, A feministic Perspective"*** by Jo freeman May Field publishing company 285 Hamilton Avenue Palo Alto California 94301 second edition 1979.

☆ ***"Women, Women united women devided cross cultural perspective on female solidarity"*** Edited by Patricia Caplan and Janet M. Bujra Tavistock Publications London,1978.

☆ ***"Womens Nature"*** Rationalization of Inequelity, Edited by Marian (Boston University) and Ruth Hubbard (Horvard University) the Athene Series, pergamon press, New York, 1983.

☆ An Artical on Mujeebullah Al-Nadvi by Qamar Shaban Al-Nadvihttp://majmaulbahs.blogspot.com/2010_03_01_archive.html

☆ (See: Encyclopedia of World Biography) http://www.notablebiographies.com/Fi-Gi/Friedan-Betty.html

☆ http://darwin-online.org.uk/biography.html

☆ http://en.wikipedia.org/wiki/Ahmed_Faraz

☆ http://en.wikipedia.org/wiki/Amina_Wadud

☆ http://en.wikipedia.org/wiki/Fazlur_Rahman_Malik

☆ http://en.wikipedia.org/wiki/Ferdinand_Lundberg

☆http://en.wikipedia.org/wiki/John_Nicholson_(East_India_Company_officer

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Marmaduke_Pickthall

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Martin_Luther

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Mikhail_Gorbachev#Domestic_reforms

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Ali_of_Egypt#Cultural_impact

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Muhammad_Asad

☆http://en.wikipedia.org/wiki/Thomas_Babington_Macaulay,_1st_Baron_Macaulay

☆http://jwa.org/encyclopedia/article/decter-midge#bibliography

☆http://openlibrary.org/authors/OL754A/Khalifa_Abdul_Hakim

☆http://rashtra-seva-dal.blogspot.com/2009/08/sm-joshi-socialist-movement-stalwart.html mister sm joshi

☆http://ur.wikipedia.org/wiki/%D9%81%D8%B1%D8%A7%D8%A6%DA%88

☆http://womenshistory.about.com/od/anthonysusanb/a/anthony.htm

☆http://womenshistory.about.com/od/laws/a/status_women.htm

☆http://www.123people.com/s/haifaa+jawad

☆http://www.appwa.org.au/

☆http://www.arabianbusiness.com/arabic/ar-power500/profile/2644

☆http://www.biblioislam.net/ar/Scholar/Card.aspx?ID=22&UICollectionID=19

☆http://www.biogs.com/famous/greer.html

☆http://www.businessweek.com/bios/Sylvia_Ann_Hewlett.htm

☆http://www.deenekhalis.tk/play.php?catsmktba=425 Moulana Muhammad Haneef Nadvi By Abd-ul-Rashid Iraqi

☆http://www.eagleforum.org/misc/bio.html

☆http://www.emma.troy.ny.us/about/history/ehwillard/ehwillard.php

☆http://www.futureislam.com/OnlineBooks/ReadonlineBooks01.asp

☆http://www.historyguide.org/intellect/machiavelli.html

☆http://www.historyguide.org/intellect/marx.html

☆http://www.historyguide.org/intellect/wollstonecraft.html

☆http://www.iep.utm.edu/beauvoir/ (Simon De Beauvoir, Internet Encyclopedia of Philosophy)

☆http://www.iep.utm.edu/stanton/

☆http://www.nyhistory.com/gagepage/gagebio.htm

☆http://www.poetrytranslation.org/poets/Kishwar_Naheed

☆http://www.regent-college.edu/about_regent/faculty/stackhouse_john.html

☆http://www.spartacus.schoolnet.co.uk/USASgrimke.htm

☆http://www.spartacus.schoolnet.co.uk/USASgrimkeS.htm

☆http://www.telegraph.co.uk/news/worldnews/asia/uzbekistan/8383370/
Uzbek-government-kicks-out-Human-Rights-Watch.html

☆http://www.worldwisdom.com/public/authors/Frithjof-Schuon.aspx

☆http://www.worldwisdom.com/public/authors/Martin-Lings.aspx

☆http://www.worldwisdom.com/public/authors/Rene-Guenon.aspx

☆lodhisahil@hotmail.com

☆www.alsharia.org

☆www.supremecourt.gov.pk/ijc/Articles/...

☆http://www.librarycompany.org/women/portraits/wright.htm

REINTERPRETATION OF WOMEN RIGHTS IN 20th CENTURY

Feminist & Religious Perspective in the light of Islam

A critical & analytical study

THESIS FOR PH.D (ISLAMIC STUDIES)

[Session: 2004]

Written By

HAFIZA AIYSHA MADNI
Lecturer
F.G.COLLEGE (W) F-7/2
ISLAMABAD

Supervisor

Pro Dr. M.YOUSoF FAROOQI
INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY
ISLAMABAD

DEPARTMENT OF ARABIC & ISLAMIC STUDIES